

مالا

نمرہ احمد

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول "لاہور"

باب اول:

"بس ایک کار کریش ...
کسی مرض کی تشخیص...
ایک غیر متوقع فون کال ...
کوئی نیا دریافت شدہ عشق ...
یا ایک ٹوٹا ہوا دل...
بس اتنی سی دیر لگتی ہے ہمیں
ایک بالکل مختلف انسان بننے میں...
کتنی خوبصورتی سے نزاکت بھری ہے ہمارے اندر
کہ یہ سب چیزیں بس ایک پل میں
بدل ڈالتی ہیں اس حقیقت کو
کہ ہم کون ہیں ..." (سیموئیل ڈیکر تھامپسن)

تاریخ تھی پانچ اپریل۔ شہر تھا اسلام آباد کا۔ اور وقت تھا صبح آٹھ بجے کا۔

ہماری کہانی ایک غیر متوقع فون کال سے شروع ہوتی ہے جو اس صبح کیف جمال کو موصول ہوئی تھی۔

کیف ان دنوں ہر بے روزگار اور ناکام انٹر پیرونیئر کی طرح دن چڑھے تک سویا کرتا تھا۔ اور دوپہر سے فجر تک کام کی تلاش میں لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھا کرتا تھا۔ اس وقت بھی وہ گہری نیند میں تھا جب گھنٹی بجی۔ اس نے سوئے ہوئے دماغ کے ساتھ فون کان سے لگایا۔

نمبر غیر شناسا ساتھا اور آواز خشک۔ کوئی ادھیڑ عمر مرد تھا جو اسے بتا رہا تھا کہ اس کا باس جو حال ہی میں برطانیہ سے آیا ہے اُس سے ملنا چاہتا ہے۔ اس کے پاس کیف کے لیے ایک جاب آفر ہے۔

''کون ہیں آپ کے باس؟'' وہ جمائی روکتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔ آنکھیں مسلیں۔ وقت دیکھا۔

''ماہر فرید۔''

''مگر میں کسی ماہر فرید کو نہیں جانتا۔''

''جان جاؤ گے۔''

ادھیڑ عمر آدمی نے کال کاٹ دی۔

قریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد کیف اوبر میں سوار اس لوکیشن کی طرف جا رہا تھا جو اس نا معلوم شخص نے بھیجی تھی۔

راستے میں اس نے گوگل کا سہارا لے کر ماہر فرید کو کھوجنا چاہا۔ ویسے تو بہت سے لوگ تھے اس نام کے لیکن انگلینڈ سے تعلق رکھنے والا ماہر فرید اسے ایک ہی ملا۔ اس کا کوئی سوشل میڈیا اکاؤنٹ نہیں تھا۔ بس ایک فیس بک گروپ پہ اس کا تذکرہ نظر آیا جو کہ اس کی کاؤنٹی کے چند رہائشیوں کے کمنٹس کی شکل میں تھا۔ کیف دلچسپی سے پڑھتے گیا۔

معلوم ہوتا تھا کہ ماہر فرید کسی معروف کاروباری شخصیت کا بیٹا تھا اور اس کو کوئی ذہنی عارضہ لاحق تھا۔ چند برس قبل اس کے اپنے ماں باپ نے اسے ذہنی امراض کے ایک انسٹی ٹیوشن میں داخل کروادیا تھا۔ وہ ایک مدت وہاں زیرِ علاج رہا تھا۔

یہاں تک پڑھ کے کیف کا دل عجیب سا ہونے لگا۔ لیکن اگلی معلومات زیادہ چونکا دینے والی تھیں۔

کسی نے گوسپ کے انداز میں لکھا تھا کہ جن دنوں ماہر زیرِ علاج تھا اُس کے باپ نے ماہر کو اپنی جائیداد سے بے دخل کرنے کا اعلان کر دیا تھا اور وہ سب کچھ اپنی بیٹی کے نام چھوڑنا چاہتے تھے۔ ابھی وصیت کو قانونی شکل نہیں دی گئی تھی جب ایک کار کریش میں اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد ماہر کی ماں اور بہن ملک چھوڑ کے چلے گئے۔ اور نجانے کیسے لیکن ماہر فرید کے ڈاکٹرز نے اسے کلیئر قرار دے کر ڈسچارج کر دیا۔ یوں وہ واپس اپنے گھر آ گیا۔ اور یقیناً اب وہ اپنے ماں باپ کے تمام اثاثوں کا مالک تھا۔

یہ خبر دو برس پرانی تھی۔

کیف نے مزید سرچ کرنا چاہا لیکن اس کے علاوہ انٹرنیٹ پہ اس شخص کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔

ہوٹل آ چکا تھا۔ یہیں ملاقات طے کی گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے کیف جمال کا دل چاہا کہ وہ واپس پلٹ جائے۔ لیکن کیا معلوم یہ کوئی اور ماہر فرید ہو؟ ایک دفعہ ملنے میں کیا حرج ہے؟

چند منٹ بعد وہ لفٹ میں سوار تھا جو اسے چوتھے فلور کی طرف لے کر جا رہی تھی۔

(شاید مجھے بہتر حلیے میں آنا چاہیے تھا۔) لفٹ کے قد آور آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

کیف ایک خوش شکل نوجوان تھا۔ البتہ اس کا حلیہ بے پرواہ سا تھا۔ ماتھے پہ بکھرے بال۔ بڑھی ہوئی شیو۔ جینز کے نیچے سفید جوگرز جو میالے ہو چکے تھے۔ پوری آستین کی چیک والی شرٹ جس کے بٹن کھلے تھے اور نیچے پہنی سفید شرٹ جھلکتی تھی۔ اس نے بالوں میں ہاتھ پھیر کے انہیں درست کرنا چاہا لیکن کوئی فائدہ نہ تھا۔

چوتھے فلور پہ وہ لفٹ سے نکلا تو سامنے مرمریں راہداری تھی۔ فاصلے فاصلے پہ کمروں کے دروازے تھے۔

کیف نے گردن اٹھا کے ہوٹل کی شان و شوکت کو دیکھا۔ یہاں رہائش پذیر انسان کو اس سے کیا کام ہو سکتا تھا؟

کیف جمال ایک ناکام انٹرپرونیئر ہونے کے علاوہ ایک ایونٹ فوٹوگرافر بھی تھا جس کو لوگ عموماً انسٹاگرام یا فیس بک کے ذریعے ہائر کیا کرتے تھے۔ اس جیسے اس شہر میں سینکڑوں دوسرے فوٹوگرافرز بھی تھے۔ پھر ماہر فرید نے اسے ہی کیوں بلایا؟

کمرے کا دروازہ ایک ادھیڑ عمر شخص نے کھولا۔ وہ بادامی رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا اور اس کے بال اتنے سفید تھے کہ سلور لگتے تھے۔ اس نے سپاٹ تاثرات کے ساتھ سر سے پیر تک کیف کا جائزہ لیا۔ پھر خوش آمدید کہہ کے راستہ چھوڑ دیا۔ وہ آواز سے پہچان گیا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے اسے کال کی تھی۔ ماہر فرید کا مینیجر۔

کیف تیز ہوتی دھڑکن کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ سوئیٹ کافی وسیع اور شاندار تھا۔ سارے میں لیونڈر اور موتیے کی خوشبو پھیلی تھی۔ دیوار گیر کھڑکی کے پردے ہٹے ہوئے تھے اور باہر پھیلی روشن صبح دکھائی دیتی تھی۔

کھڑکی کے آگے رکھے بڑے صوفے پہ ایک آدمی ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے کیف کو اندر آتے دیکھ رہا تھا۔ گرے پینٹ اور سفید شرٹ پہ چارکول ویسٹ پہنے' وہ ایک بازو صوفے کی پشت پہ پھیلائے ہوئے تھا۔ پیچھے سے آتی روشنی میں اس کے کف لنکس چمک رہے تھے۔

وہ اس کی توقع سے زیادہ جوان اور وجیہہ تھا۔ کلین شیو چہرہ' جیل سے سیٹ بال' اور پرکشش آنکھیں۔ نہ چاہتے ہوئے بھی کیف کا دل مرعوبیت سے بھر گیا۔ اس نے جس طرح کے شخص کا خاکہ ذہن میں بنایا تھا' یہ آدمی اس سے کہیں مختلف اور شاندار تھا۔

''آؤ کیف۔ میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔'' بے تکلفی سے مسکرا کے ماہر فرید نے خالی صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بیٹھنے سے ماہر کا ایک بوٹ فضا میں تھا۔ اس بوٹ کی سیاہ چمکیلی سطح پہ کیف کا عکس نظر آ رہا تھا۔

''آپ یقیناً ماہر فرید ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے بیٹھا۔

دونوں کے درمیان شیشے کی میز تھی جس پہ لیدر کور والی بھوری ڈائری رکھی تھی۔ کچھ تھا اس کمرے کی فضا میں جو اعصاب پہ سوار ہوتا تھا۔ لیونڈر اور موتیے کی خوشبو اب محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ خاموش کمرے میں واحد آواز ماہر فرید کے ناخنوں سے آ رہی تھی جنہیں وہ صوفے کے ہتھ سے عادتاً رگڑ رہا تھا۔

کیف نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس شخص کی امارت اور وجاہت کے رعب میں نہیں آئے گا۔ کھنکھار کے پوچھا۔

''آپ مجھ سے کس سلسلے میں ملنا چاہتے تھے؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے میں تم سے کیوں ملنا چاہتا تھا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے پوچھنے لگا۔

''میں ایک فوٹوگرافر ہوں اور لوگ مجھے فوٹوگرافی کے لیے ہی بلاتے ہیں۔'' اس نے سادگی سے جواب دیا۔

ماہر نے صوفے کی پشت سے بازو ہٹایا اور دونوں ہاتھ باہم پھنسا لیے۔ نظریں ہنوز اس کی آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''صرف فوٹوگرافر؟ اونہوں۔'' اس نے دائیں سے بائیں گردن ہلائی۔ ''تم ایک انٹرپرونیئر بھی ہو۔ ناکام انٹرپرونیئر۔ تم نے اپنا بزنس شروع کیا تھا۔ بلکہ ایک نہیں، تم نے بہت سے کام شروع کر کے چھوڑے ہیں۔ بہت سی نوکریاں بھی کی ہیں۔''

کیف نے چونک کے اسے دیکھا۔ پھر مینیجر کو۔ یہ بات غیر متوقع تھی۔ اس کے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''آپ میرے بارے میں اتنا کچھ کیسے جانتے ہیں؟''

''زیادہ نہیں جانتا۔'' ماہر پیچھے کو ہوا اور کندھے بے پرواہی سے اچکائے۔ ناخن پھر سے صوفے کے ہتھ سے رگڑنے لگا۔ ''بس اتنا معلوم ہے کہ تمہارا آخری کاروبار نہ صرف ناکام ہوا ہے بلکہ اس نے تمہیں بہت سے قرضوں میں ڈبو دیا ہے۔ اب حال یہ ہے تمہارا کیف کہ جن لوگوں کے پیسے تم نے ڈبوئے تھے، وہ تمہاری جان کو آئے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک تمہاری بہن کا شوہر بھی ہے۔ تمہاری فیملی لائف اس بات سے کتنی متاثر ہو رہی ہو گی، میں سمجھ سکتا ہوں۔''

کیف کے ماتھے پہ شکن پڑی۔ جسم کے سارے اعصاب تن سے گئے۔ ''آپ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟''

اس نے باری باری ان دونوں کو دیکھا۔

”میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔“ ماہر فرید اس کی آنکھوں میں جھانک کے مسکرایا۔ اسے انٹرنیٹ پہ پڑھی باتیں یاد آئیں۔ کیا یہ کسی سائیکو پیتھ کی آنکھیں تھیں؟

”کیسے؟“ (وہ پوچھنا چاہتا تھا ”کیوں“ لیکن منہ سے کیسے پھسل گیا۔ کیا وہ مدد کے لیے اتنا بے تاب تھا؟)

”میرے پاس تمہارے لیے ایک جاب ہے۔“

کیف کے اندر کسی نے سرگوشی کی۔ ابھی بھی وقت ہے' یہاں سے بھاگ جاؤ کیف۔ ورنہ تم کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ لیکن وہ نہیں بھاگ سکا۔ مجبوریوں نے اس کے قدم زنجیر کر رکھے تھے۔ اسے اس پراسرار شخص کی آفر سننی تھی۔

”اگر تم چند ماہ تک میرے لیے کام کرو تو میں تمہارے سارے قرضے بھی اتروا دوں گا' اور اگر تم دوبارہ کاروبار کرنا چاہو تو اس کو سیٹ کرنے میں تمہاری مدد بھی کروں گا۔ یہ میرے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ اتنا تو تم میرے بارے میں جان چکے ہو گے۔“

اس کے لہجے کی ہمدردی بھی کیف کو مصنوعی لگی۔ کچھ ناقابلِ اعتبار سا تھا اس شخص کے بارے میں۔

”مجھے کیا کرنا ہوگا؟“

ماہر فرید کے چہرے پہ بھرپور مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے ایک گہری سانس باہر کو خارج کی۔ (بالآخر۔) اس نے میز پہ رکھی بھورے لیدر کور کی ڈائری اٹھائی۔ دو انگلیوں سے ڈائری کے اندر سے ایک تصویر نکالی اور سامنے رکھی۔ کیف نے نظریں جھکا کے دیکھا۔

وہ ایک لڑکی کی تصویر تھی۔ چہرے کا کلوز اپ۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سبز تھیں اور بھورے بال ڈھیلے جوڑے میں بندھے تھے۔ وہ ایک بے داغ' شفاف سا چہرہ تھا۔ ایسے چہرے انسان ہر روز نہیں دیکھتا۔

”تم اس لڑکی کو جانتے ہو؟“

کیف نے نفی میں گردن ہلائی۔

”یہ تمہاری کزن صفورا کی دوست ہے۔“

”اوکے۔“ کیف نے الجھ کے اسے دیکھا۔ صفورا اس کی امیر سیکنڈ کزن تھی۔ مہینوں بعد اس سے ملاقات ہوا کرتی' اور اس میں بھی صفورا اس کو اسٹیبلش ہونے کے لیکچرز دیتی تھی۔ تنگ آ کے اس نے صفورا کی فیملی سے ملنا ہی

چھوڑ رکھا تھا۔

”صفورا نے اپنی اس دوست (تصویر اٹھا کے دکھائی) کو دو تین دفعہ سیکیورٹی گارڈز رکھوا کے دیے ہیں لیکن اس لڑکی کے پاس زیادہ دن تک کوئی گارڈ نہیں ٹکتا۔ پچھلے ہفتے اس نے پھر سے صفورا سے کوئی قابلِ بھروسہ گارڈ ڈھونڈنے کے لیے کہا ہے۔“

سفید بالوں والا مینیجر اس دوران باری باری ان دونوں کو دیکھ رہا تھا جیسے ٹینس کے میچ میں گیند کا نظروں سے تعاقب کر رہا ہو۔

”او کے؟“ کیف ابھی تک سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

”تم‘ کیف... تم اپنی کزن صفورا سے کہو گے کہ وہ اس لڑکی سے تمہاری سفارش کرے اور تمہیں اس کے پاس گارڈ کی جاب دلوا دے۔ ویسے بھی تم نے چند برس پہلے ایک سیکیورٹی کمپنی میں دو ماہ کے لیے کام کیا تھا۔ تمہارے پاس تجربہ بھی ہے اور تمہیں ضرورت بھی ہے۔ مجھے امید ہے صفورا تمہیں انکار نہیں کرے گی۔“ تصویر رکھی اور مسکرا کے کندھے اچکائے۔ ”بس اتنا سا کام ہے۔“

بالآخر معاملہ کیف کی سمجھ میں آنے لگا۔

”آپ... آپ چاہتے ہیں کہ میں صفورا کی دوست کا گارڈ بن جاؤں۔ اس کا اعتماد حاصل کروں۔ مگر کیوں؟“

ماہر فرید کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چہرے پہ سختی در آئی۔

”ایسے کاموں میں کیوں نہیں پوچھتے۔ کام کی قیمت پوچھتے ہیں۔“ ابرو اٹھا کے سرد لہجے میں تنبیہ کی۔

چند لمحے کے لیے سٹنگ روم میں سناٹا چھا گیا۔ ساری خوشبوئیں مر گئیں۔ اب صرف ایک احساسِ پرغمالی تھا۔

”دیکھیں...“ وہ قدرے دھیمے لہجے میں بولا۔ ”مجھے اتنا تو بتائیں کہ مجھے اس کے پاس جاب کر کے کیا کرنا ہے؟ میرا مقصد کیا ہو گا؟ میں کوئی برا انسان نہیں ہوں۔ ٹھیک ہے میرے مسئلے ہیں لیکن میں کچھ غلط نہیں کرنا چاہتا۔“

ماہر فرید نے بدمزہ ہو کے مینیجر کو دیکھا۔ ”بہت بولتا ہے یہ۔“

مینیجر نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔ پھر کوٹ کی جیب سے ایک پرچی نکال کے کیف کے سامنے رکھی۔ اس پہ ایک رقم درج تھی۔

کیف نے رقم کے ہندسے پڑھے۔ پھر صفر گنے۔ ایک بار۔ دو بار۔ اس کی آنکھیں تعجب سے پھیلیں۔ نظریں اٹھا

کے تذبذب سے ماہر کو دیکھا۔

''بدلے میں آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''اتنے پیسے کوئی نیک کام کے لیے نہیں دیا کرتا' کیف۔'' وہ سپاٹ سے انداز میں بولا۔

کیف نے پرچی پہ درج رقم دوبارہ پڑھی۔ پھر سر جھکا دیا۔ اتنا کہ تھوڑی سینے سے لگنے لگی۔

''کسی لڑکی کا گارڈ بننے کا مطلب ہے سایے کی طرح اس کے ساتھ رہنا۔ اس پہ نظر رکھنا۔ اس کو نقصان پہنچانا۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔''

سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔

ماہر فرید کچھ دیر اس کے جھکے سر کو گھورتا رہا۔ پھر وہ اٹھا اور ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ کیف نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

وہ صوفے کے پیچھے چلا گیا اور کھڑکی کے سامنے چکر کاٹنے لگا۔ دائیں سے بائیں۔ پنڈولم کی طرح۔ وہ جیسے کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر قدم روک کے دور بیٹھے کیف کو دیکھا۔

''ٹھیک ہے۔ نہ مانو میری بات۔ پھر کیا کرو گے؟'' اس کی آواز میں نرمی تھی جیسے سمجھا رہا ہو۔'' کاروبار میں نقصان اور قرضوں نے تمہاری سوشل لائف ختم کر کے رکھ دی ہے۔ مرد کا معاشی طور پہ اسٹیبلشڈ نہ ہونا اس کی عزت آدھی کر دیتا ہے۔ وہ لوگوں سے ملنا چھوڑ دیتا ہے۔ لاؤنج لزرڈ lounge lizard بن جاتا ہے۔ گھر سے نہیں نکلتا اور نکلتا ہے تو ایسے جوتے پہن کے۔''

کیف نے چونک کے اپنے جوتوں کو دیکھا۔ سفید جوگرز اب مٹیالے ہو چکے تھے۔ اس نے پیر قدرے پیچھے کیے لیکن وہ ان کو چھپا نہیں سکتا تھا۔

''دوسری طرف میری آفر ہے۔'' ماہر فرید واپس اس کے سامنے آ کے بیٹھا۔'' میرے لیے صرف دو ماہ کام کرو۔ صرف دو ماہ۔ اور ساتھ اپنی فوٹوگرافی جاری رکھو اور اپنا نیا بزنس پلان بناؤ۔ دو ماہ ختم ہوتے ہی میں تمہارا بزنس خود سیٹ کروا دوں گا۔ مارکیٹنگ' نیٹ ورکنگ' میری ٹیم سب کر لے گی۔ صرف دو ماہ۔'' وکٹری کی دو انگلیاں بنا کے دکھائیں۔

''آپ اپنا کام کسی سے بھی کروا سکتے ہیں۔ پھر میں ہی کیوں؟''

ماہر فرید پیچھے کو ہوا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ اب کے وہ بولا تو آواز میں برہمی تھی۔'' تم میرا کام کرو گے یا

نہیں؟''

کیف جمال کا چہرہ ہلکا سا سرخ ہوا۔'' اوہ۔ آپ جلدی میں ہیں؟ اگر میں جا کے صفورا کو بتا دوں کہ کوئی اس کی دوست کو اسٹا لک کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو؟''

وہ کیف کو چند ثانیے دیکھتا رہا۔ پھر ایک دم سے ہنس پڑا۔ اور نفی میں سر ہلایا۔

''تم یہ نہیں کرو گے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے تصویر اٹھائی۔ کیف کو تصویر کی پشت نظر آئی۔ وہاں کچھ لکھا تھا۔ پانچ الفاظ۔

''آپ کو کیسے معلوم کہ میں یہ نہیں کروں گا؟'' وہ متعجب ہوا۔

ماہر فرید نے جواب نہیں دیا۔ اس نے لیدر ڈائری کھولی۔ کیف کی نظریں نیچے جھکیں۔ وہ جسے ڈائری سمجھ رہا تھا' وہ دراصل فوٹو البم تھی۔ اگلے ہی لمحے اس کا سانس رک گیا۔

پہلے صفحے پہ اوپر نیچے دو تصاویر تھیں۔ اوپری تصویر ایک سیاہ بالوں والی لڑکی کی تھی۔ وہ اس میں مسکرا رہی تھی۔ نچلی تصویر اسی لڑکی کی تھی لیکن اس کی آنکھیں نیلوں نیل تھیں۔ پیشانی زخمی تھی اور... پلکیں بند تھیں۔ وہ شاید کسی لاش کی تصویر تھی۔

وہ آہستہ آہستہ صفحے پلٹانے لگا۔ ہر صفحے پہ اوپر ایک لڑکی کی زندگی سے بھرپور تصویر ہوتی اور نیچے زخمی یا لاش جیسے تصویر۔ تصویریں مختلف لڑکیوں کی تھیں۔

اس نے چھٹا صفحہ پلٹایا تو وہ خالی تھا۔ اس نے اوپری خانے میں سبز آنکھوں والی لڑکی کی تصویر ڈال دی۔

نیچے جگہ ابھی خالی تھی۔

کیف اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔ اطراف میں ساری خوشبوئیں دم توڑ گئی تھیں۔ اب صرف کافور کی بو تھی جو اندر باہر پھیلی تھی۔

ماہر فرید نے کھلی ہوئی البم پرے دھکیلی اور نظریں اٹھا کے کیف کو دیکھا۔ پھر اس نے دو فقرے بولے۔ وہ دو فقرے اس کی ساری گفتگو پہ بھاری تھے۔ کیف جمال نے رکی ہوئی سانس خارج کی۔ پرچی پہ لکھے صفر گنے۔ یہ اس کے قرضے اتارنے کے لیے کافی تھے۔ اور ان دو فقروں کے بعد اس کے پاس انکار کی گنجائش نہیں تھی۔ صرف دو ماہ کے لیے وہ یہ کام کر سکتا تھا۔

''میں تیار ہوں۔''

ماہر فرید مسکرایا۔ ''گڈ بوائے۔'' پھر مینیجر کو اشارہ کیا۔ اس نے جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کے کیف کے سامنے رکھا۔

''یہ کام کے علاوہ ہیں۔ صرف اس لیے کہ تم نئے جوتے خرید سکو۔ آئندہ کسی ورک میٹنگ پہ ایسے جوتے پہن کے مت آنا۔'' نرمی سے تنبیہہ کی۔ ''اب تم جاؤ۔ مالک تم سے خود رابطہ کر لے گا۔'' سفید بالوں والے کی طرف اشارہ کیا۔

کیف نے ایک ملامتی نظر اس پہ ڈالی' پیکٹ اٹھایا اور وہاں سے اٹھ گیا۔

''مجھے اس لڑکے پہ اعتبار نہیں ہے' ماہر۔'' اس کے جاتے ہی مالک ناخوشی سے بولا۔

''اعتبار تو مجھے تم پہ بھی نہیں ہے۔ لیکن ہم ساتھ کام کر رہے ہیں نا۔'' وہ عام سے لہجے میں کہتے ہوئے اٹھا اور کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ دوپہر کی سنہری روشنی سیدھی اس کے چہرے پہ پڑنے لگی۔ ماہر نے آنکھیں بند کر لیں۔

''ماہر...'' مینیجر نے پکارا۔ ''انتقام کے سفر پہ نکلنے والے کو چاہیے کہ وہ دو قبریں کھود لے۔ ایک دشمن کی اور ایک خود اپنی۔''

''یہ Confucius نے کہا تھا۔ اور جانتے ہو اسے کیا چیز قبر تک لے گئی تھی؟ اپنے بیٹوں کی موت کا غم۔'' وہ آنکھیں بند کیے کہہ رہا تھا۔ سرد سی سرگوشی میں۔ ''موت سے بڑا کوئی غم نہیں ہے' مالک۔''

میز پہ البم یونہی کھلا رکھا تھا۔ مالک نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔ پھر ہاتھ بڑھا کے چھٹا صفحہ پلٹایا تو سبز آنکھوں والی لڑکی کی تصویر کی پشت دکھائی دینے لگی۔

وہاں اردو میں لکھا تھا۔

''حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تاریخ تھی گیارہ اپریل اور شہر تھا اسلام آباد کا۔

آج کا دن اہم تھا کیونکہ آج کشمالہ کی زندگی بدلنے جا رہی تھی۔ لیکن اپنی صبح کا آغاز کرتے ہوئے اسے اس بات کا علم نہیں تھا۔

کسی کو بھی نہیں ہوتا۔

وہ بیڈروم میں آئینے کے سامنے کھڑی کانوں میں ٹاپس پہن رہی تھی جب موبائل کی مخصوص ٹون بجی۔ وہ مسکرا دی۔ یقیناً ماں کا فیملی گروپ پہ میسج آیا ہوگا۔ وہ بھی گڈ مارننگ کا۔ ماں ایک ہی میسج اپنے تینوں بچوں کو فیملی گروپ اور پرسنل چیٹ پہ الگ الگ بھیجتی تھیں۔ اس نے ٹاپس پہن کے موبائل اٹھایا اور میسج کھولا۔

ماں نے گڈ مارننگ کے ساتھ پوچھا تھا کہ کیا وہ ویک اینڈ پہ عزہ کی شادی کے لیے لاہور آئے گی؟

''کل بتاؤں گی، ماں۔'' اس نے مبہم سا جواب بھیج دیا۔ یہاں ریستوران میں اتنے کام پڑے تھے۔ وہ کیسے جائے گی لاہور؟ وہ کل معذرت کر لے گی۔

اپنی تیاری مکمل کر کے اس نے سر سے پیر تک آئینے میں اپنا جائزہ لیا۔ اس نے نیوی بلیو لمبی قمیض کے ساتھ ہم رنگ دوپٹہ کندھے پہ ڈال رکھا تھا۔ بین گلے سے گردن میں پہنا ننھا سا ڈائمنڈ لاکٹ جھلک رہا تھا۔ پیروں میں زرد ہائی ہیلز تھیں۔ لمبے بھورے بال فرنچ جوڑے میں بندھے تھے۔ بیضوی چہرہ گلابی سفید سا تھا جیسے عموماً پٹھان لڑکیوں کا ہوتا ہے۔ اور آنکھیں سبز تھیں جن کے گرد لائنر لگا تھا۔ جیسے سیاہ پیالے میں سبز پانی ہو۔

اس نے چہرہ دائیں بائیں گھما کے دیکھا۔ اسکن بے داغ تھی۔ کوئی ایک پمپل بھی نہ تھا۔ اس نے جوڑے سے دو لٹیں نکالیں اور انگلی سے رول کر کے چھوڑ دیں۔ وہ چہرے کے دونوں اطراف میں ٹھہر گئیں۔ اپنے عکس کو دیکھ کے مسکرائی۔ وہ کام پہ جانے کے لیے تیار تھی۔

ماں ہوتیں سامنے تو کہتیں کہ ان کی کوئی بیٹی حسن میں ان پہ نہیں گئی۔ کہاں اپنے زمانے کی حسین ترین حورِ جہاں بیگم۔ اور کہاں ماہ بینہ اور کشمالہ۔ ایک تو ماں کی جج مینٹل آواز ہمیشہ ذہن کے پسِ منظر میں گونجتی تھی۔ چاہے سارا زمانہ کہے کہ ماہی (ماہ بینہ) اور مالا (کشمالہ) جیسا حسین کوئی نہ تھا، ماں نے نہیں ماننا تھا۔ وہ ماں کو یاد کر کے زیرِ لب مسکراتی ہوئی کھڑکی تک آئی۔

کھڑکی میں تین ننھے گملے رکھے تھے۔ ان میں سٹیپیلیا، بیگونیا اور ہیورتھیا اُگے تھے۔ کشمالہ نے چہرہ ان کی سطح تک جھکا کے دیکھا۔ باقی دونوں کی نئی گروتھ نظر آ رہی تھی۔ مگر ہیورتھیا کے پتے بھورے ہو رہے تھے۔ شاید روشنی اس کے لیے تیز تھی۔ اس نے پودے کو ذرا پیچھے کر دیا۔

وہ باہر جانے کے لیے لاؤنج میں آئی۔ کونے میں رکھی ورک ٹیبل سے زرد ہینڈ بیگ اور لیپ ٹاپ اٹھایا۔ پھر بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ تبھی نگاہ میں کچھ کھٹکا۔ کشمالہ کے قدم زنجیر ہوئے۔ گردن دھیرے سے دائیں

جانب موڑی۔

دیوار گیر بک شیلف میں ایک موٹی سی کتاب کی جگہ خالی تھی۔

کشمالہ کی نگاہوں نے نیچے میز تک کا سفر کیا۔ وہاں ایک دبیز ڈکشنری رکھی تھی۔

یہ شیلف سے نیچے کیسے آئی؟

اس نے چونک کے ٹیرس کے دروازے کو دیکھا۔ وہ بند تھا۔ کھڑکیاں بھی اندر سے مقفل تھیں۔

اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔ رات کو جب میں گھر آئی تھی، تب یہ کتاب اپنی جگہ پہ تھی یا نہیں؟ مگر کچھ یاد نہ آیا۔

اس نے سر جھٹکا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ صفورا نے کہا تھا کہ وہ نئے گارڈ کے لیے کسی کو آج بھیج رہی ہے۔ گارڈ آجائے گا تو یہ مسئلہ نہیں ہوگا۔ اسے ابھی اس معاملے کی فکر نہیں کرنی تھی۔ اسے اپنے نئے بزنس پلان پہ فوکس کرنا تھا۔

اور اس بارے میں سوچتے ہی مالا کے لبوں پہ ایکسائٹمنٹ بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔

وہ بیرونی زینے اترتے ہوئے نیچے آئی۔ وہ ماموں کے گھر کی بالائی منزل پہ بطور پے انگ گیسٹ رہتی تھی۔ ماموں ممانی اور ان کی فیملی نیچے رہتے تھے۔ دونوں کی ملاقات ہفتوں بعد ہوا کرتی تھی۔

باہر ہوا ٹھنڈی تھی اور آسمان پہ سیاہ بادل تھے۔ آج خوب بارش برسی تھی۔ کچن کے جالی دار دروازے سے ناشتے کی مہک پورچ تک آرہی تھی۔ وہ دروازے پہ رکی اور جالی سے اندر جھانکا۔ نسرین کام کرتی دکھائی دے رہی تھی۔

''نسرین... کل میرے پورشن میں کوئی آیا تھا؟''

''نہیں باجی۔ کوثر تو چھٹی پہ ہے دو دن سے۔'' اس نے صفائی والی لڑکی کا نام لیا۔

کشمالہ پورچ کی طرف بڑھ گئی۔ البتہ اس کی سوچتی نظروں نے گیٹ اور لان کا جائزہ ضرور لیا تھا۔ کون تھا جو اس کی غیر موجودگی میں اس کے پورشن میں آتا تھا؟ بلکہ نہیں۔ اسے ابھی اس بارے میں نہیں سوچنا تھا۔ اسے آج ظہیر کو اپنے نئے بزنس پلان کی پریزنٹیشن دینی تھی۔ اسے اپنی توانائی برقرار رکھنی تھی۔

ظہیر اس کا کلاس فیلو تھا۔ دونوں نے لاہور میں ایک ساتھ گریجویٹ کیا تھا۔ پھر ظہیر اسلام آباد واپس آگیا۔ کشمالہ کے پاس آئیڈیاز تھے اور ہمیشہ ہی ہوتے تھے۔ اور ظہیر کے پاس سرمایہ تھا جو کشمالہ کے پاس نہیں تھا۔ ابا بچپن میں ہی کہیں اللہ کو پیارے ہوگئے تھے۔ سعودیہ میں جاب کرتے تھے۔ بچوں سے تعلق نہ ہونے کے

برابر تھا۔ چارسدہ میں ان کی زمینیں اور باغ تھے۔ ابا کی وفات کے بعد بھی ماں نے کبھی نوکری نہیں کی۔ صرف حساب کتاب کیے۔ زمینوں اور ٹھیکوں کے رجسٹر سنبھالے۔ لیکن اپنے تینوں بچوں کو ایک اچھی زندگی اور اعلیٰ تعلیم فراہم کر دی۔

ماہی آرکیٹیکٹ تھی۔ معید ڈاکٹر بن چکا تھا۔ اور کشمالہ کو ہمیشہ سے ''اپنا کام'' کرنے کا شوق تھا۔

لیکن پانچ سال پہلے جب اس نے اپنا کام شروع کرنے کا سوچا تو اس کے پاس سرمایا نہیں تھا۔ ان دنوں ماں کو بھی ماہ بینہ (ماہی) کی شادی کرنی تھی۔ گو کہ ماہی اس سے چھوٹی تھی لیکن اس کی عباد سے منگنی برسوں سے طے تھی۔ عباد ان کی سگی خالہ کا بیٹا تھا۔ کشمالہ ان حالات میں ماں پہ بوجھ نہیں ڈال سکتی تھی۔ سو اس کو ظہیر کی انویسٹمنٹ کی ضرورت تھی۔

یوں پانچ برس پہلے ظہیر اور اس نے مل کے ایک بزنس کی بنیاد رکھی۔ ظہیر کی انویسٹمنٹ اور مالا کے آئیڈیاز اور محنت۔ اس وقت جو ناممکن لگتا تھا' وہ پانچ برس بعد شہر کے معروف اور ایلیٹ ریسٹورانٹس میں شمار ہونے لگا تھا۔

اوشن۔ Ocean

اور اوشن (ریستوران) کے لیے اس نے پانچ برس پہلے لاہور چھوڑ دیا تھا۔ ماں اس فیصلے سے خوش نہیں تھیں لیکن انہوں نے کبھی منع نہیں کیا۔ ہمیشہ ساتھ دیا۔ معید میڈیکل پڑھ رہا تھا اور ماں کے ساتھ ہوتا تھا۔ پھر ماہی اور عباد بھی اسی کالونی میں رہتے تھے۔ یوں ماں کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

ایک سال پہلے عباد کی کینیڈا میں جاب لگ گئی تھی۔ پہلے وہ گیا اور پھر چھ ماہ پہلے ماہی بھی کینیڈا چلی گئی۔ ماں کے پاس صرف معید تھا جو سرجری میں ٹریننگ کر رہا تھا۔ ایک احساس ہوتا تھا کہ ماں قدرے اکیلی ہو گئی ہوں گی۔ وہ سوچتی بھی تھی کہ ہر دوسرے ویک اینڈ پہ لاہور جایا کرے گی۔ لیکن لاہور جاتے جاتے اسے ایک ڈیڑھ ماہ گزر جایا کرتا تھا۔ اور اب... اب وہ اوشن کے لیے ایک نئے بزنس پلان پہ کام کرنے جا رہی تھی۔ اب تو شاید وہ چھ ماہ بعد لاہور جا سکے گی۔

یہ نیا آئیڈیا اسے چند ہفتے قبل آیا تھا۔ اوشن کے پیچھے کچھ جگہ خالی تھی جو ظہیر کی ملکیت تھی۔ پلان یہ تھا کہ وہ دونوں مل کے وہاں ایک بیکری بنائیں۔ لیکن وہ ایک منفرد طرز کی بیکری ہو گی۔ اور اس دفعہ کشمالہ خود بھی انویسٹ کرے گی۔ اس نے ابھی ظہیر کو اس بارے میں نہیں بتایا تھا۔ وہ ایک ہی دفعہ پوری تیاری کے ساتھ اسے پریزنٹیشن کے ذریعے بتانا چاہتی تھی تا کہ وہ انکار نہ کر سکے۔

ڈرائیو کرتے ہوئے وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔ دفعتاً موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ جانتی تھی اس وقت کس کی ویڈیو کال آسکتی تھی۔ اس نے ہولڈر میں لگے فون کا بٹن دبایا۔ اسکرین پہ ویڈیو کال روشن ہوگئی۔

"کیسی ہو ماہی؟"

"ہمیشہ کی طرح خوبصورت۔" ماہی کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ مالا نے اسٹیرنگ گھماتے ہوئے مسکرا کے موبائل اسکرین کو دیکھا۔ وہاں ماہی نظر آرہی تھی۔ کینیڈا میں اس وقت رات تھی۔ ماہی کچن کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی جوسر کے جگ سے جوس گلاس میں انڈیل رہی تھی۔ گوری رنگت' گلابی گال' اور بھوری آنکھوں والی ماہی ایک کیوٹ سی پٹھان لڑکی تھی۔ بال چھوٹے اور باب اسٹائل میں کٹے تھے۔ ایک طرف سے کان کے پیچھے اڑسے ہوئے۔ اور دوسری طرف گال پہ آگے کو گرتے ہوئے۔ یہ ماہی کا سگنیچر ہیئر کٹ تھا جس کو وہ کبھی نہیں بدلتی تھی۔

"تم نے ظہیر کو اپنا بزنس پلان دکھانا ہے نا آج۔ سوچا تمہیں وش کر دوں۔" ماہی جگ سے گلاس میں جوس انڈیلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"تھینک یو ماہی۔ اور تم ٹھیک ہو؟ اپنا خیال رکھتی ہو نا؟"

"مجھے چھوڑو۔ ظہیر کا بتاؤ۔ وہ مان جائے گا نا؟" ماہی کچن اسٹول پہ بیٹھی۔ کہنیاں کاؤنٹر پہ رکھیں اور جوس کا گلاس کہنیوں کے درمیان رکھا۔ پھر اسٹرا ہونٹوں کے بیچ ڈال کے گھونٹ بھرا۔

"وہ بزنس مین ہے۔ اتنے اچھے آئیڈیا کو ناں نہیں کہے گا۔"

"تم نا ظہیر پہ زیادہ ہی ٹرسٹ کرتی ہو۔" اسٹرا ہٹا کے اس نے خفگی سے کہا۔ آنکھیں شکی انداز میں چھوٹی ہوئیں۔ "وہ دل کا شیخ ہے۔ میں بتا رہی ہوں وہ تمہیں انویسٹ نہیں کرنے دے گا۔ سارا پرافٹ اور کنٹرول اسے خود چاہیے۔"

کشمالہ ڈرائیو کرتے ہوئے مسکرا دی۔ "کیوں اتنا شک کرتی ہو لوگوں پہ؟"

"تم جو بھی کہو... لیکن ماہی کی ججمنٹ کبھی غلط نہیں ہوتی۔" فخر سے کالر جھٹکا۔

کشمالہ مسکرا دی۔ ماہی ایسی ہی تھی۔ ماں کے مطابق ان کی سب سے زیادہ سمجھدار اولاد۔ اور مالا کے مطابق سب سے زیادہ شک کرنے والی۔ وہ خود اس کے برعکس تھی۔ سب پہ بھروسہ کرنے والی۔ لوگوں کو چانس دینے والی۔ اسی لیے اسے امید تھی ظہیر مان جائے گا۔

"مالا..." ماہی کہتے کہتے رکی۔ کشمالہ اپنی بہن کو اتنے اچھے سے جانتی تھی کہ اسے معلوم تھا وہ اب کیا بات

کرنے جا رہی ہے۔

''پھر تو کچھ نہیں ہوا نا۔''

''نہیں۔اب میں چلتی ہوں۔اوشن آ گیا ہے۔''اس نے کتاب کے اپنی جگہ پہ نہ ہونے والی بات گول کر دی۔کم از کم اس وقت وہ ماہی کا لیکچر نہیں سن سکتی تھی۔

اوشن نامی ریستوران نیلے اور سفید رنگوں میں استوار کیا گیا تھا۔برامدے کی میزیں لوگوں سے پڑ تھیں۔گفتگو، قہقہے،ناشتہ اور کافی کی مہک۔اندر کا ہال بھی تقریباً بھرا ہوا تھا۔ہر روز کی طرح۔اس کے آتے ہی ادھر ادھر جاتے عملے نے اسے جہاں دیکھا،وہیں رک کے سلام کیا۔

''بارش آنے والی ہے۔مزید مہمانوں کو لان میں مت بٹھاؤ۔''گزرتے ہوئے اس نے کسی کو روکا۔''اور پندرہ بیس منٹ تک جو بھی لان میں بیٹھا ہو اس کو بہت ادب کے ساتھ برآمدے میں موو ہونے کے لیے کہہ دو۔''پھر ایک ویٹر کو روکا۔دو انگلیوں سے قریب آنے کی ہدایت دی۔وہ مودب سا چلا آیا۔

''اس کٹلری کو یہاں سے اٹھاؤ۔''تحکم سے ایک میز کی طرف اشارہ کیا۔''اور فاروق سے کہو اس کو واش کر کے ایئر ڈرائی کر کے بھیجے۔مجھے اتنی دور سے اس پہ پانی کے داغ نظر آ رہے ہیں۔''لہجہ دوٹوک مگر نرم تھا۔کہہ کے وہ رکی نہیں۔ہائی ہیلز سے چلتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

اوپر آ کے پہلے ظہیر کے آفس میں جھانکا۔وہ وہاں نہیں تھا۔وہ دیر سے آتا تھا اور جلدی چلا جاتا تھا۔خیر ہے۔وہ اس کا انتظار کر لے گی۔پھر وہ اپنے آفس میں آئی جہاں ساعقہ پانی کی ٹھنڈی بوتل اور اس کی کافی رکھ رہی تھی۔

''تھینکس ساعقہ۔''وہ مسکرا کے اپنی سیٹ کی طرف آئی۔اس کا آفس چھوٹا سا تھا۔آفس ٹیبل پہ کھڑکی سے سیدھی دھوپ پڑتی تھی۔وہاں کیکٹس کا ننھا سا سفید گملا رکھا تھا۔

''ہیلو شیلڈن۔''اس نے مسکرا کے گملے کی مٹی تک چہرہ جھکا کے اسے دیکھا۔سیدھا لمبا سا کیکٹس جس کا نام اس نے شیلڈن رکھا تھا۔وہ اسے گزشتہ روز کے مقابلے میں بڑا لگا تھا۔

''میم ...''ساعقہ نے جاتے جاتے کہا۔''کوئی کیف جمال آپ سے ملنے آیا ہے۔بھیجوں؟''

''ہاں اسے بھیجو۔''وہ اپنی پاور سیٹ پہ بیٹھی اور کمر پیچھے ٹکائی۔ایک سکون سا وجود میں بھر گیا۔اس کا یہ آرام دہ آفس۔(گردن موڑ کے کھڑکی کو دیکھا جو ٹیبل کے ساتھ بائیں طرف تھی)کھڑکی سے نیچے نظر آتا ریستوران کا لان۔پھول۔پودے۔کونے میں لگے گھنے درخت۔اوشن اس کی وہ جنت تھا جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے بنایا

تھا۔ اور اب وہ اس کو مزید پھیلانے جا رہی تھی۔

لیکن پہلے اسے سیکیورٹی گارڈ کا انٹرویو کرنا تھا۔

اس نے موبائل پہ صفورا کی چیٹ کھولی۔ اور کافی کا گھونٹ بھرتے ہوئے اس کا میسج دوبارہ پڑھا۔ وہ اپنے کزن کیف جمال کی سفارش کر رہی تھی۔ وہ ضرورت مند بھی تھا اور قابلِ بھروسہ بھی۔ صفورا نے تقریباً درخواست کے لہجے میں لکھا تھا کہ مالا اس کو جاب دے دے۔ وہ پچھلے گارڈز کی طرح جاب چھوڑ کے نہیں جائے گا۔

انٹرویو بھی ایک فارمیلٹی ہی تھا۔ صفورا نے کہہ دیا تو بس کہہ دیا۔ صفورا بہت سوشل اور تعلقات رکھنے والی لڑکی تھی۔ کسی کو ملازم چاہیے یا گارڈ، صفورا سے سب سے پہلے رابطہ کیا جاتا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو کشمالہ نے سر اٹھایا اور کچھ کہنے لگی۔ لیکن نووارد کو دیکھ کے رک گئی۔ آنکھوں میں تعجب ابھرا۔

''کیا نام ہے آپ کا؟'' تصدیق چاہی۔

''میں کیف ہوں۔ کیف جمال۔'' سامنے کھڑا نوجوان رسمی مسکرا کے بولا۔

''آپ سیکیورٹی گارڈ کی جاب کے لیے آئے ہیں؟''

''جی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ مالا نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔ اس کے اب تک کے رکھے تمام گارڈز کرخت چہروں اور مونچھوں والے ہوتے تھے۔ یہ ایک پڑھا لکھا اسمارٹ سا نوجوان لگتا تھا۔ حلیہ بے پرواہ سا تھا۔ بال ماتھے پہ کٹے ہوئے اور بل دار تھے۔ ان کو پیچھے کرنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ چہرے پہ چند دن کی بڑھی شیو تھی۔ آنکھیں بھوری تھیں اور رنگت کھلتی ہوئی۔ جینز کے اوپر ملٹری گرین رنگ کی کالر شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ گریبان کے اوپری بٹن کھلے تھے اور نیچے سے سفید شرٹ جھانک رہی تھی۔ کف بھی ایک تہہ موڑے ہوئے تھے۔ پیروں میں جرابوں کے بغیر سفید جوگرز تھے جو نئے لگتے تھے۔

اس کے اس بے ترتیب سے حلیے میں صرف اس کے جوگرز قابلِ ستائش تھے۔

''میں صفورا کا کزن ہوں۔'' مسکرا کے بولا۔ وہ مسکراتا تھا تو اس کے بائیں گال میں ڈمپل پڑتا تھا۔ اس کے چہرے میں سب سے زیادہ پرکشش کیا تھا؟ اس کے مسکرانے کا انداز؟ یا اس کی بھوری آنکھوں کی لمبی اور مڑی ہوئی پلکیں؟

''تشریف رکھیے۔''

وہ بیٹھ گیا اور ایک فائل اس کے سامنے رکھی۔ پھر گردن ہلائے بنا نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیا۔ آفس چھوٹا سا تھا۔ تین دیواریں سفید تھیں۔ چوتھی دیوار پہ جنگل کے اونچے درخت پینٹ کیے گئے تھے۔ جگہ جگہ منی پلانٹس اور ان ڈور پودوں کے گملے رکھے تھے۔ ان کی خوشبو کافی کی مہک میں مکس ہوگئی تھی۔

سامنے نیلے لباس میں بیٹھی لڑکی سر جھکائے اس کی فائل کے صفحے پلٹا رہی تھی۔ چہرے کے دونوں اطراف سے نکلتی لٹیں بھی فائل پہ جھکی تھیں۔ کانوں میں ڈائمنڈ ٹاپس دمک رہے تھے۔

کشمالہ نے فائل بند کردی۔ پھر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

وہ اپنی مڑی ہوئی پلکوں والی آنکھوں سے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ تھا اس نوجوان کے بارے میں جو اس جاب انٹرویو سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ کچھ غیر فطری سا۔ وہ سمجھ نہیں پائی۔

''آپ نے صرف دو ماہ ایک پرائیوٹ سیکیورٹی فرم میں کام کیا ہے۔ وہ کام کیوں چھوڑا؟''

''میں ایک سیاستدان کے سیکیورٹی اسکواڈ میں شامل تھا۔ بطور پرسنل باڈی گارڈ۔ ٹائمنگ مشکل تھی۔ میں ساتھ ساتھ اپنے بزنس پلان پہ بھی کام کرر ہا تھا۔ دو چیزیں مینیج کرنا مشکل تھا۔''

''کس چیز کا بزنس کر رہے تھے آپ؟'' وہ سیٹ پہ ٹیک لگائے سپاٹ انداز میں پوچھ رہی تھی۔ جوڑے سے نکلی دو لٹیں اس کے چہرے کے دونوں اطراف کو چھو رہی تھیں۔

''میں پروفیشنل فوٹو گرافر ہوں۔ ہم دوستوں نے ایک ویڈنگ فوٹو گرافی کمپنی بنائی تھی جس میں ہم بہت سی سروسز مہیا کرتے تھے۔ لیکن وہ فلاپ ہوگئی۔'' ہلکے سے کندھے اچکائے۔ ''میں نے باہر سے بہت قیمتی equipment منگوالیا تھا جس کی وجہ سے میں شدید قرضوں میں گھرا ہوا ہوں اور وہی قرضے اتارنے کے لیے جاب کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے اس کے سوالات کا جواب دے رہا تھا۔

''کتنا قرضہ ہے آپ پہ؟''

''اتنا کہ اس جاب سے چند ماہ میں اتار لوں گا۔'' قدرے توقف سے بولا۔ ''آپ کو سیکیورٹی گارڈ چاہیے یا باڈی گارڈ؟''

''دونوں۔'' وہ سنجیدہ تھی۔ ''مگر آپ خود کو میرا ڈرائیور کہیں گے۔ صبح مجھے ریستوران ڈراپ کریں گے۔ شام کو یہاں سے پک کریں گے۔ اور رات میرے گھر ڈیوٹی دیں گے۔ جب تک میں ریستوران میں ہوتی ہوں مجھے آپ کی ضرورت نہیں۔ آپ گھر جا کے آرام یا کام وغیرہ کر سکتے ہیں۔''

"مجھے خود کو ڈرائیور کہنا ہے؟" وہ جیسے سمجھا نہیں تھا۔

کشمالہ نے غیر آرام دہ انداز میں پہلو بدلا۔ "میں اپنے رشتے داروں کے ساتھ رہتی ہوں۔ باڈی گارڈ کے لفظ سے وہ اَن کمفرٹیبل ہو جائیں گے۔"

"کیا ان کو نہیں معلوم کہ آپ کو سیکیورٹی تھریٹ ہے؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولا۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ویسے نیچر آف تھریٹ کیا ہے؟"

کشمالہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ گردن موڑ کے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔ آسمان اندھیر ہوتا جا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے بادل گرج رہے تھے۔

کیف نے کھنکھار کے وضاحت کرنی چاہی۔ "نیچر آف تھریٹ یعنی......"

"مجھے معلوم ہے نیچر آف تھریٹ کیا ہوتا ہے۔ مگر میں ابھی اس بارے میں بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔"

"حفاظت کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ مجھے خطرے کی نوعیت کا علم ہو۔"

"اور اگر علم نہ ہو تو؟" اس نے سبز آنکھیں گھما کے کیف کو دیکھا۔

کیف نے گہری سانس لے کر ہلکے سے کندھے اُچکائے۔ "میں تب بھی آپ کی حفاظت کروں گا۔ میں نے صفورا سے وعدہ کیا ہے۔ میں اپنی جاب میں بہت اچھا ہوں۔ آپ بے فکر رہیں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ وہ واقعی اس کے گزشتہ گارڈز سے مختلف تھا۔ لیکن اچھا تھا۔ اس کے بات کرنے کے انداز میں ایک احساسِ تحفظ تھا۔ اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔

"مجھے لگتا ہے کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے۔" وہ بولی تو اس کی آواز ہلکی تھی۔ اس نے بھروسہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آخر وہ صفورا کا کزن تھا۔

"صرف لگتا ہے یا کسی کو دیکھا بھی ہے؟" وہ چونکا۔

"دیکھا نہیں ہے۔ لیکن وہ ثبوت چھوڑ جاتا ہے۔ وہ میرے گھر میں داخل ہوتا ہے اور چیزیں چھیڑ کے چلا جاتا ہے۔"

"سی سی ٹی وی میں نظر نہیں آیا؟"

کشمالہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "ممانی ان کے خلاف ہیں۔ صرف گیٹ پہ سی سی ٹی وی لگا ہوا ہے۔ باقی گھر میں وہ

لگوانے نہیں دیتیں۔ ان کی پرائیویسی ڈسٹرب ہوتی ہے۔"

"آپ نے خفیہ کیمرے لگوانے کا نہیں سوچا؟"

"مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں کسی کے ساتھ رہوں اور اس کے پیٹھ پیچھے چھپ کے کچھ ایسا کروں جو اس کو نہیں پسند۔ اور میں نہیں چاہتی کہ انہیں معلوم ہو کہ مجھے کوئی مسئلہ ہے۔ خاندان میں باتیں ہوں گی۔"

"آپ کی کسی سے دشمنی ہے؟" وہ سوچتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

وہ اداسی سے مسکرا دی۔ "میں ایک انتہائی بے ضرر انسان ہوں' کیف۔ میں صرف کام کرتی ہوں۔ اور کچھ نہیں۔ کسی کو مجھ سے کیا مسئلہ ہو سکتا ہے۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔ ذہن کے پردے پہ وہ فوٹو البم آ گیا۔ اور چھٹے صفحے پہ رکھی تصویر۔

"آپ کو خود کیا لگتا ہے؟ کوئی آپ کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے؟"

کشمالہ نے کندھے اچکائے۔ "شاید مجھے مارنے کے لیے۔"

"لیکن ابھی تک مارا نہیں ہے؟"

وہ اس کی بات پہ چونکی۔ "ہوں؟"

کیف اپنی جگہ سے اٹھا اور ہاتھ بڑھا کے کھڑکی کے پٹ کھول دیے۔ پھر باہر کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ روز اس کھڑکی میں بیٹھ کے کام کرتی ہیں۔ سامنے ایک کمرشل مارکیٹ ہے۔ اس کی کسی بھی عمارت کی کھڑکی سے آپ کو شوٹ کرنا بہت آسان ہے۔ اگر میں ہوتا تو اس سرمئی عمارت کا انتخاب کرتا۔" اشارہ کر کے ایک عمارت دکھائی۔

"آپ وقت کی پابند ہیں۔" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کھڑے کھڑے بات جاری رکھی۔ "روز فکسڈ ٹائم پہ ریستوران پہنچتی ہیں۔ یہ مجھے اسٹاف نے بتایا ہے۔ کوئی آپ کا تعاقب دو دن تک کر لے تو اسے معلوم ہو گا کہ آپ کب اور کہاں ہوتی ہیں۔ راستے میں کہیں بھی آپ کو شوٹ کیا جا سکتا ہے۔"

پھر اس نے میز پہ رکھی کافی کا مگ اٹھایا۔ کپ میں دو گھونٹ بچے ہوئے تھے۔ کپ نیچے سے پکڑ کے اونچا کیا۔ "یہاں کسی بھی ویٹر یا اسٹاف کو چند پیسے دے کر آپ کی کافی میں کچھ ملایا جا سکتا ہے۔ ویسے میں ہوتا تو کافی میں زہر نہ ملاتا کیونکہ آپ آخری گھونٹ بچانے کی عادی ہیں۔ میں یہاں زہر لگاتا۔" اس نے انگلی سے کپ کے دہانے کی طرف اشارہ کیا جہاں اس کی لپ اسٹک کا نشان لگا تھا۔ پھر کپ رکھا اور کرسی پہ واپس بیٹھا۔

"آپ کو مارنا بہت آسان ہے۔ میرا نہیں خیال وہ آپ کو مارنا چاہتا ہے۔"

وہ بس اس کو دیکھ رہی تھی۔ بنا پلک جھپکے۔ اس کے تاثرات دیکھ کے کیف کھنکھارا۔ "میں صرف بتا رہا تھا۔ تھیوری میں۔"

کشمالہ نے جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔ (اُف۔) پھر لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کے خیال میں کوئی مجھے اسٹاک کیوں کر رہا ہے؟"

"ظاہر ہے آپ کو ڈرانے کے لیے۔ اور ڈرانے والے کی غذا آپ کا ڈر ہوتا ہے۔ جس دن آپ اس کی غذا روک دیں گی وہ کمزور پڑ جائے گا۔" پھر مسکرایا۔ "کیا میں ہائر کر لیا گیا ہوں؟"

"ہائر ہونے کا فیصلہ آپ خود کریں گے۔ میرے پاس گارڈز زیادہ دیر نہیں رہتے۔ اس لیے میں ہر آنے والے کو رکھ لیتی ہوں۔ کچھ دن بعد یا آپ جاب چھوڑ جائیں گے یا موجود رہیں گے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے ٹھہر ٹھہر کے کہہ رہی تھی۔ "لیکن ایک بات یاد رکھیں۔ میں کسی کو کام میں کوتاہی کی وجہ سے کبھی فائر نہیں کرتی۔ میں لوگوں کو چانس دیتی ہوں۔ کام سکھاتی ہوں۔ لیکن اگر وہ مجھ سے جھوٹ بولیں، میری پیٹھ پیچھے مجھ سے چھپا کے کچھ کریں، یا کسی بھی طرح مجھے دھوکہ دیں، تو میں ان کو اپنے کام اور زندگی سے بالکل الگ کر دیتی ہوں۔ اس کے بعد وہ جتنی معافی مانگ لیں، میں انہیں واپس نہیں لیتی۔"

اس نے دیکھا کیف کے چہرے پہ ایک سایہ سا گزرا ہے۔ لیکن بظاہر وہ مسکراتا رہا۔

"یعنی آپ کو ناراض کرنا بہت مشکل ہے لیکن ایک دفعہ ناراض ہو جائیں تو منانا مشکل ہے۔"

"مشکل نہیں، ناممکن ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ کیف نے بظاہر مسکراتے ہوئے تھوک نگلا۔

یہ وہ وقت تھا جب وہ اسے بتا سکتا تھا کہ وہ وہاں کیوں آیا ہے۔ وہ اسے بتا سکتا تھا کہ کسی کے پاس اس کی تصویر ہے۔ کوئی اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اور یہ کہ اسے اندازہ ہے کہ کون اس کا پیچھا کر رہا ہے۔

لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ اس کا یقین نہیں کرے گی۔ کوئی بھی اس کا یقین نہیں کرے گا۔

"آپ کو مجھ سے کبھی شکایت نہیں ہوگی۔" پھر جیسے یاد آیا۔ "آپ کے گارڈز بار بار جاب کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟"

"آپ جان جائیں گے۔" وہ لیپ ٹاپ اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے ظہیر سے ملنا تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ آفس سے باہر نکلے۔ وہ آگے بڑھ گئی اور وہ وہیں رک کے موبائل کے بٹن دبانے لگا۔

''وائٹ ہیئر'' نام کی ایک چیٹ نکالی۔

''اس نے مجھے ہائر کرلیا ہے۔ یہ تو بہت آسان تھا۔'' اس کی انگلیاں ٹائپ کر رہی تھیں۔

ظہیر کا آفس ٹیرس کے دوسری جانب تھا۔ درمیان میں چند کرسیاں میزیں رکھی تھیں۔ وہ وہیں بیٹھ گئی اور صفورا کو کال ملائی۔

''میں نے تمہارے کزن کو ہائر کرلیا ہے۔'' گردن اٹھا کے آسمان کو دیکھا۔ سیاہ بادل دور دور سے اس کے سر پہ اکٹھے ہو رہے تھے۔ لگتا تھا آج برس برس کے اوشن کو بہا لے جائیں گے۔

''گڈ۔'' صفورا اپنے مخصوص انداز میں بولی۔ ''اچھا سنو۔ وہ کوئی غلطی کرے' تو اس کو ایسے ہی ٹریٹ کرنا جیسے باقی ملازمین کو کرتی ہو۔ میرا کزن ہونے کا ناجائز فائدہ نہ اٹھانے دینا۔ اس کو بزنس کا شوق ہے لیکن وہ کبھی ترقی نہیں کرے گا۔ اس کے لیے بھی بہتر ہے کہ وہ تمہارے پاس نوکری کرتا رہے۔ اچھا مالا... سنو...'' صفورا رکی۔ توقف کیا۔

''ہوں۔'' مالا ابھی تک گردن اٹھائے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ آدھا ریستوران اوپن ائیر تھا بارش ان کے لیے اچھی ثابت نہیں ہوتی تھی۔

''میں نے سنا ہے ظہیر نے اوشن کو بیچ دیا ہے؟''

بجلی زور کی چمکی۔ عین اس کے سر پہ۔

''کیا؟'' بادل اتنے زور سے گرجے کہ زمین دہل گئی۔

''ایوب بتا رہا تھا کہ ظہیر نے کسی لبنانی فوڈ چین کو اوشن بیچ دیا ہے۔ اس نے تمہیں اعتماد میں نہیں لیا؟''

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ ایسا... ایسا نہیں ہوسکتا۔'' وہ ایک دم کھڑی ہوئی۔ اسی پل بارش برسنے لگی۔ جیسے اوپر سے کسی نے پانی کا تھال الٹ دیا ہو۔

وہ تیز تیز چلتی ظہیر کے آفس میں داخل ہوئی۔ اس کی ہیلز گیلے نشانوں کی قطار اپنے پیچھے چھوڑتی جا رہی تھیں۔

''ظہیر۔''

ظہیر نے سر اٹھا کے دیکھا۔ مالا کے بال نم تھے اور چہرے پہ پانی کے قطرے تھے۔ آواز اونچی تھی۔

''میں کیا سن رہی ہوں؟'' ہتھیلیاں میز کے کناروں پہ رکھے وہ بنا پلک جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''تم نے اوشن بیچ دیا ہے؟'' غصہ نہیں تھا۔ بے یقینی تھی۔ حیرت تھی۔

آفس کی کھڑکی کے شیشے پہ تڑتڑ بوندیں برس رہی تھیں۔ گویا آسمان سے برستے پتھر ہوں۔ اور ہر پتھر پہ کسی کا نام لکھا ہو۔

ظہیر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر گردن موڑ کے کھڑکی کو دیکھنے لگا۔

''ہاں۔ میں نے ایک لبنانی گروپ کے ساتھ ڈیل کی ہے۔''

وہ چند لمحے ہل نہیں سکی۔ نہ پلک جھپکی۔ نہ سانس لیا۔ اس کے ذہن نے بات کو جذب ہی نہیں کیا تھا۔

''تم نے کیا کیا ہے؟'' میز سے ہاتھ ہٹائے۔ سیدھی کھڑی ہوئی۔

''میرے کچھ ذاتی مسئلے چل رہے ہیں۔ مجھے پیسے چاہیے تھے۔ سوری میں تمہیں پہلے نہیں بتا سکا۔''

پیچھے دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی شناسا مردانہ آواز۔ ''باس ... آپ کا فون باہر گرا ہوا تھا۔ مسلسل بج جا رہا ہے۔'' کہنے والا خود ہی خاموش ہو گیا۔ آگے آیا اور میز پہ کشمالہ کا فون رکھ کے واپس ہو گیا۔

''تم مجھے بتائے بغیر ایسا کیسے کر سکتے ہو؟'' وہ اسی طرح ظہیر کو بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

''کیونکہ انہوں نے اپنا اسٹاف لانا ہے۔ مالا میں ہر ایک کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ سب اپنا کچھ نہ کچھ کر سکتے ہیں۔'' وہ قدرے جھنجھلایا۔ ''میں نے کہا نا مجھے پیسے چاہیے تھے۔ بہت ضروری۔''

''ظہیر تم.... تم مجھے بتائے بغیر ایسے کیسے کر سکتے ہو؟'' اس کو لگا اسے سانس نہیں آ رہا۔

''میں کر سکتا ہوں۔ میں ریستوران کا مالک ہوں۔ ہمارے درمیان کبھی کوئی ایسی بات نہیں طے ہوئی تھی جس سے میرا یہ حق سلب ہو جائے۔''

''مالک؟ تم مالک ہو؟ ظہیر میں نے یہ ریستوران بنایا ہے تمہارے ساتھ۔ اپنے انہی ہاتھوں سے۔ اور تم نے ایک منٹ میں اس کو بیچ بھی دیا؟'' اس نے خود کو بولتے سنا۔ اور تب کسی اڑتے تیر کی طرح ایک فقرہ ذہن میں پیوست ہو گیا۔

''وہ اپنا اسٹاف لائیں گے؟ تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں اور ہمارا اسٹاف ... ہم سب جاب لیس ہو گئے ہیں؟'' وہ دو قدم پیچھے ہوئی اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ظہیر کے چہرے پہ ملال ابھرا۔

''مالا... تم اتنی قابل، اتنی ٹیلنٹڈ ہو۔ تم کچھ بھی کر لو گی یار۔ میرا مسئلہ سمجھو۔''

وہ کچھ اور بھی کہہ رہا تھا لیکن اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ ظہیر کے آفس سے نکلی تو ذہن شل تھا۔ اسے اپنے آفس تک جانے کے لیے ٹیرس عبور کرنا تھا۔ وہ قدم قدم آگے بڑھنے لگی۔ زرد جوتے مزید گیلے ہوتے گئے۔

اس نے ٹیرس کی دیوار پہ ہاتھ پھیرا۔ یہ وال ٹائلز اس نے سلیکٹ کی تھیں۔ گراس ٹرف کتنے ملی میٹر رکھنی ہے یہ اس نے طے کیا تھا۔ فالس سیلنگ کا ڈیزائن۔ لائٹنگ کس طرز کی کرنی ہے۔ ریستوران کا تھیم اور مینیو کیا ہوگا؟ یہ سب اس نے طے کیا تھا۔

ہر شے پہ ظہیر کا پیسہ اور کشمالہ مبین کے پانچ سال لگے تھے۔

ایک دم قطروں کا راستہ رک گیا۔ کشمالہ نے چونک کے گردن موڑی۔ پانی کی بوچھاڑ کے پار وہ بھوری آنکھوں والا نوجوان بازو لمبا کر کے اس کے اوپر چھتری تانے ہوئے تھے۔

"آپ بھیگ رہی ہیں۔" وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کشمالہ چند ثانیے اس کا چہرہ تکتی رہی۔ پھر مڑ گئی۔ ابھی ذہن کے اندر کوئی منظر جذب نہیں ہو رہا تھا۔ اسے جلد سے جلد کھلی فضا میں واپس جانا تھا۔

اوشن سے دور۔ ظہیر سے دور۔ اس سب سے دور۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارش شام تک وقفے وقفے سے برستی رہی۔ لگتا تھا کوئی بادل پھٹ گیا ہے۔ یا شاید کسی کا دل تھا۔

وہ بتیاں بجھائے اندھیر لاؤنج میں صوفے پہ لیٹی رہی۔ اس کا جوڑا ڈھیلا ہو چکا تھا اور رونے سے سارا مسکارا بہہ گیا تھا۔

ظہیر نے کب بیچا ریستوران؟ اسے علم کیوں نہیں ہوا؟ یا شاید اسے علم ہو سکتا تھا۔ وارننگ سائن عرصے سے آ رہے تھے۔

چند ہفتے پہلے اوشن میں ظہیر کے کوئی لبنانی دوست آئے تھے۔ کم از کم ظہیر نے یہی کہا تھا کہ وہ اس کے دوست ہیں۔ وہ ان کے ساتھ ریستوران میں نہیں بیٹھا۔ ساری جگہ گھما پھرا کے انہیں اپنے آفس میں لے کر بند ہو گیا۔ اور ہاں... اس نے سن رکھا تھا کہ ظہیر کی بیوی کا اصرار ہے وہ دونوں اس کے ماں باپ کے پاس آسٹریلیا شفٹ ہو جائیں۔ کوئی خاندانی مسئلے تھے۔ ظہیر نے اس سے پہلے بھی چند بڑے فیصلے مالا کو اعتماد میں لیے بغیر کیے تھے۔ اسے تب ہی سمجھ جانا چاہیے تھا کہ وہ کبھی اس پہ اعتبار نہیں کر سکتی۔ لیکن پھر بھی اس نے کیا۔

"مالا باجی...." جانے مغرب ڈوبے کتنا وقت بیتا تھا جب ٹیرس کا دروازہ بجنے لگا۔ ممانی کی ملازمہ آئی تھی۔ وہ بدقت اٹھی۔ آنکھیں صاف کیں۔ بال کانوں کے پیچھے اڑسے اور دروازہ کھولا۔

نسرین کے ہاتھ میں کانچ کی پلیٹ تھی جس پہ چاکلیٹ براؤنیز رکھی تھیں۔ "یہ آپ کی ممانی نے بھجوائی

ہیں۔ نیچے نگینہ آنٹی آئی ہوئی ہیں۔اور ہاں... آپ کا فون آف ہے۔آپ کی امی جی کی کال آئی تھی۔ پریشان تھیں۔ان کو کال کرلیں۔'' جلدی جلدی بتا کے وہ مڑی۔ پھر واپس پلٹی۔''اور ٹیرس کی لائٹ تو جلادیں۔''

وہ چونکی۔اس نے واقعی آج کوئی بتی نہیں جلائی تھی۔ باہر اندھیرا اچھل چکا تھا۔وقت کا احساس ہی ختم ہو گیا تھا۔ براؤنیز کی پلیٹ اس نے سینٹر ٹیبل پہ رکھی اور خود وضو کرنے چلی گئی۔قضا نماز ادا کی اور وہیں جائے نماز پہ زمین پہ بیٹھ گئی۔آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ پھر سے گرنے لگے۔

''میرے ساتھ یہ کیوں ہوا ہے اللہ تعالیٰ؟ میں لوگوں کے دل نہیں دکھاتی۔زکواۃ ادا کرتی ہوں'صدقے دیتی ہوں۔میں تو چیونٹی تک کو نہیں مارتی۔پھر بھی میری جاب چلی گئی۔اتنا بڑا سیٹ بیک۔'' دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے لیکن کیا دعا مانگے۔''میں اب کہاں سے شروع کروں دوبارہ؟ اسکوائر ون سے؟ پانچ سال میں نے اس شہر میں اوشن کو سیٹ کیا' اپنی ایک سوشل لائف بنائی۔اور ایک ہی دن میں سب ملیا میٹ ہو گیا۔'' نظریں اندھیر لاؤنج میں نصب بک شیلف تک اٹھیں۔''اوپر سے پتہ نہیں کون میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔میں کیا کروں اللہ تعالیٰ؟''

وہ واپس صوفے پہ آ بیٹھی۔روئی روئی آنکھیں میز پہ رکھی براؤنیز پہ جمی تھیں۔

صبح تک وہ ایک بہت اچھی جاب کی مالک تھی۔ وہ ایک نیا بزنس پلان کرنے جا رہی تھی۔اس کے پاس گھر جانے کا وقت بھی نہیں ہوتا تھا۔زندگی مصروف اور پر امید تھی۔

شام ہونے سے پہلے وہ جاب لیس تھی۔

اس نے کھڑکی سے باہر پھیلے اندھیرے کو دیکھا۔اس وقت وہ ہمیشہ ریستوران میں ہوتی تھی۔ یہ گہما گہمی کا وقت ہوتا تھا۔لیکن آج وہ واپس زیرو پہ پہنچ کے گھر بیٹھی تھی۔

وہ میٹھے کی شوقین نہیں تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ وہ بیکری بنانا چاہتی تھی لیکن وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جن کو چاکلیٹ اور آئسکریم خوش کر دیتی ہیں۔ذرا سا میٹھا کھانے پہ بھی اسے پانی کا گھونٹ بھر کے اس کے ذائقے کو ختم کرنا پڑتا تھا۔لیکن جہاں آج اتنا سب کچھ غلط ہو چکا تھا' وہاں براؤنیز ہی سہی۔اس نے ایک ٹکڑا اٹھالیا اور بائٹ لی۔میٹھی سی کڑواہٹ منہ میں گھل گئی۔

پھر اس نے موبائل آن کیا۔ماں کے میسجز آئے ہوئے تھے۔اس نے کال بیک کی۔

''کیسی ہے میری بیٹی؟'' ماں اس کی آواز سے ہی کھل اٹھیں۔''فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں؟''

''بس کام میں بزی تھی۔''

"تمہاری ممانی تو کہہ رہی تھیں شاید سوئی پڑی ہو۔ آج بتیاں بھی نہیں جلائیں۔"

"اُف۔ لاہور تک بتا دیا انہوں نے کہ مالا نے بتی نہیں جلائی۔ میں کام کر رہی تھی' ماں۔" وہ جھنجھلا گئی۔ ماں خاموش ہو گئیں۔

"تم نے آج ظہیر کو اپنا کوئی نیا بزنس پلان دینا تھا۔ اس کا کیا بنا؟"

اس کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا پڑ گیا۔ آواز آہستہ ہو گئی۔ "آپ نے دعا مانگی تھی؟"

"ہاں بیٹے۔ میں نے دعا مانگی تھی کہ وہ ہو جو تمہارے حق میں بہتر ہو۔"

اس نے 'سڑ' کی آواز کے ساتھ گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی۔

"اصل میں ... کام نہیں بنا۔ ظہیر انٹرسٹڈ نہیں ہے۔" آواز کو نارمل بنانے کی کوشش کی۔ "بلکہ وہ شاید باہر شفٹ ہونے کا سوچ رہا ہے۔ کہہ رہا تھا شاید ریستوران بھی بیچ دے۔"

وہ اتنی جلدی اتنی بڑی بات نہیں بتا سکتی تھی۔ اس میں ہمت نہیں تھی۔

ایک لمحے کے لیے ماں خاموش ہو گئیں۔

"مالا..." ان کی آواز ویسی ہی پرسکون تھی۔ "اس نے تمہیں بتائے بغیر ریستوران بیچ دیا ہے۔ ہے نا؟"

مالا کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو گرنے لگے۔ اس نے بدقت لبوں پہ ہاتھ رکھ کے سسکی اندر روکی۔

کیسے پتہ چل جاتا تھا ماں کو ہر بات کا؟

"دفعہ کرو اس کو۔ تم گھر آ جاؤ۔ عزہ کی شادی بھی ہے نا۔ مل کے اٹینڈ کریں گے۔" انہوں نے بڑے تحمل سے بات بدل دی تھی۔ ماں کو اس کے کام کی کامیابی یا ناکامی سے کبھی فرق نہیں پڑا تھا۔ ان کو بس دو چیزوں کی فکر ہوتی تھیں۔ ان کے بچوں نے نماز پڑھی؟ یا ان کے بچوں نے کھانا کھایا؟

ماں کی کال بند ہوئی تو کچھ دیر بعد ماہی کی ویڈیو کال آنے لگی۔ اسے معلوم تھا خبر کینیڈا تک پہنچ گئی ہو گی۔

"ماں بتا رہی تھیں ظہیر نے تم سے پوچھے بغیر ریستوران بیچ دیا۔" ایپرن پہنے کچن میں کھڑی ماہی شدید غصے میں لگ رہی تھی۔ چھوٹے بال پونی میں بند تھے اور ہاتھ میں کفگیر تھا۔

"اس کے اپنے مسئلے تھے' ماہی۔" اس نے ماہی سے آنسو چھپانے کی کوشش نہیں کی۔

"مسئلے کی ایسی تیسی۔ اور تم... ایسے ہی نا جاب چھوڑ دینا۔ ریستوران کی دو چار کھڑکیاں توڑ کے آنا۔ اور میں تو اس ظہیر کو پاکستان میں ایسا بدنام کروں گی' تم دیکھنا۔ میرے ساتھ اس کے کچھ رشتے دار ایڈ ہیں فیس بک پہ۔ یہ

اپنے خاندان میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا' میں بتا رہی ہوں۔'' ماہی کفگیر گھما گھما کے کہہ رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہیں سے ظہیر کا سر توڑ دے۔

''تم ایسا کچھ نہیں کرو گی ماہی۔ میں پہلے ہی بہت تھکی ہوئی ہوں۔'' وہ روہانسی ہو کے بولی۔ ماہی کچھ کہنے لگی' پھر بھنویں اکٹھی ہوئیں۔

''ایں؟ تم کیک کھا رہی ہو؟ تمہیں کب سے میٹھا پسند ہو گیا؟''

''کیک نہیں ہے۔ براؤنیز ہیں۔ وہ بھی تمہاری فیورٹ بیکری کی۔ ممانی نے مہمانوں کے لیے منگوائی ہیں۔ کوئی نگینہ آنٹی آئی ہیں۔'' اس نے آنسو رگڑ کے صاف کیے اور براؤنی کی ایک اور بائٹ لی۔ ذہن دوسری طرف لگانا چاہا۔ ''ہماری کون سی رشتے دار ہیں نگینہ آنٹی؟''

''وہ دبئی والی۔ عزہ کی شادی کے لیے آئی ہوں گی۔ ممانی کی کزن ہیں۔ اور ہمارے بابا کی بھی دور کی کزن ہیں۔ وہی جن کا بیٹا رائٹر ہے۔ زیاد سلطان۔ اس کی کتاب کا نیویارک ٹائمز نے ریویو بھی کیا تھا۔ میں اسے انسٹا پہ فالو کرتی ہوں۔''

''اچھا۔ ہو گا۔ مجھے یاد نہیں۔'' اس کی یادداشت میں کوئی زیاد سلطان نہیں تھا۔

''او ہو یاد کرو۔ سہیل کی شادی پہ ہم ان سے ملے تھے۔ جب اس کمبخت پارلر والی نے میرے بال خراب کر دیے تھے۔'' ماہی کا پسندیدہ لفظ کمبخت تھا۔ کوئی اچھا لگتا تو دیکھو کمبخت کتنا اچھا لگ رہا ہے۔ کوئی برا لگتا تو وہ ہے ہی کمبخت۔

''ویسے مجھے پتہ ہے نگینہ آنٹی اپنے بیٹے کے رشتے کے لیے آئی ہیں پاکستان۔ عزہ کی شادی کا تو صرف بہانہ ہے۔''

''تم کیسے کرتی ہو یہ ماہی؟ کینیڈا کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں بیٹھ کے تمہیں کیسے سارے پاکستان کی خبریں مل جاتی ہیں۔''

''چلی وِیک ایک گاؤں نہیں ہے۔ تمہارے اسلام آباد سے بڑا ہے۔ جاؤ میں تم سے بات نہیں کر رہی۔'' اس نے فون بند کر دیا اور مالا یہی چاہتی تھی۔ اسے کچھ وقت اکیلے درکار تھا۔

براؤنی ہاتھ میں لیے وہ ٹیرس پہ آ گئی۔ اس نے ابھی تک وہاں کی بتی نہیں جلائی تھی۔ بالوں کا ڈھیلا جوڑا کھل گیا تھا اور اب وہ اس کے کندھوں پہ بکھرے تھے۔

ٹیرس گیلا تھا۔ بلکہ ٹیرس کیا' ساری کالونی گیلی تھی۔ جگہ جگہ جلتے اسٹریٹ پولز رات کا اندھیرا دور کرنے میں ناکام تھے۔

وہ ریلنگ کے ساتھ کھڑی تازہ ہوا کو سانس کے ذریعے اندر اتارنے لگی۔ ذہن پھر سے ظہیر کی طرف چلا گیا۔ قانونی طور پہ ظہیر نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔ اور اخلاقی طور پہ اس نے کچھ درست نہیں کیا تھا۔

نیچے سے آتی آوازوں نے اس کا دھیان بٹا دیا۔ اس نے گردن جھکا کے جھانکا۔ نگینہ آنٹی لوگ پورچ میں کھڑے تھے۔ غالباً رخصت ہو رہے تھے۔ ممانی اور ماموں ان کو سی آف کرنے گیٹ تک آئے تھے۔

نگینہ آنٹی سر پہ سفید دوپٹہ لیے ہوئے تھیں۔ کندھوں پہ شال تھی۔ باوقار سی لگتی تھیں۔ مالا نے بہت عرصہ پہلے ان کو دیکھا تھا۔ ان کے بارے میں ہمیشہ یہی سنا تھا کہ بہت نیک خاتون ہیں جن کا ایک فرمانبردار سا بیٹا ہے جو اسے یاد نہیں تھا۔

وہی بیٹا اس وقت ماں کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ اس کی کشمالہ کی طرف پشت تھی۔ اس نے گردن مزید اونچی کر کے دیکھنا چاہا۔

وہ دروازہ بند کر کے کار کی دوسری جانب گیا۔ سینے پہ ہاتھ رکھ کے ماموں کو ایک دفعہ پھر خدا حافظ کہا۔ اور ڈرائیونگ ڈور کھولا۔ اب اس کا چہرہ مالا کے سامنے آیا۔

وہ کافی دراز قد تھا۔ بال سلیقے سے سیٹ تھے۔ جینز پہ سفید ڈریس شرٹ پہن رکھی تھی جس کے آستین کف سے فولڈ کیے ہوئے تھے۔ سانولی رنگت اور پرکشش نقوش۔ ایسے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے سارے مسئلے بھول کے اس کو دیکھے گئی۔ ٹال' ڈارک اینڈ ہینڈسم۔ اس کے ذہن میں یہی الفاظ آئے تھے۔

تو یہ تھا زیاد سلطان۔ انٹرسٹنگ۔

دروازہ کھولتے ہوئے زیاد کی نظر اوپر اٹھی۔ جیسے اسے احساس ہو گیا تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ جو ایک ہاتھ ریلنگ پہ جمائے' دوسرے سے براؤنی کھا رہی تھی' گڑبڑا کے جلدی سے پیچھے ہوئی۔ دل زور سے دھڑکا۔ اُف۔ کتنا برا لگا ہو گا۔ مگر نہیں۔ ٹیرس اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ زیاد کو نظر نہیں آیا ہو گا۔ ہاں ٹھیک ہے۔ اس نے خود کو تسلی دی۔

گاڑی کے ٹائر باہر نکلنے کی آواز آئی تو وہ واپس سیدھی ہوئی۔ پھر ٹیرس کی بتی جلائی اور اندر آ گئی۔

''آپ آج جلدی میں چلی گئیں اس لیے پوچھ نہیں سکا۔'' اندر آ کے موبائل اٹھایا تو کیف کا میسج سامنے

تھا۔"صبح کتنے بجے کام پہ آؤں؟"

ذرا دیر کے لیے وہ اپنا غم بھولی تھی۔ ایک دم سے سب تازہ ہو گیا۔ اس نے نو بجے لکھ کے بھیج دیا۔ اسے صبح ایک دفعہ پھر اوشن جانا تھا۔

وہ صوفے پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی اور لیپ ٹاپ گود میں رکھ لیا۔ اسے وہ کانٹریکٹ پڑھنا تھا جو ظہیر نے اس کے ساتھ کیا تھا۔ اسے یاد تھا کہ وہ بنا تین ماہ کے نوٹس کے اسے جاب سے نہیں نکال سکتا تھا۔ اور اگر وہ نکالتا تھا تو اسے کتنا مداوا بھرنا تھا؟

وہ ظہیر سے لڑائی نہیں کرے گی۔ نہ وہ اس پہ چیخے چلائے گی یا اس کو الزام دے گی۔ یہ اس کی فطرت میں نہیں تھا۔ لیکن وہ اس سے اپنا حق ضرور لے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح گزشتہ روز جیسی ہی روشن اور خوبصورت اتری تھی لیکن کشمالہ مبین کے لیے سارا شہر بے رونق اور اداس ہو گیا تھا۔ وہ کاغذوں کا پلندہ لیے صبح صبح ظہیر کے آفس میں گئی اور دروازہ بند کر دیا۔ اسٹاف اور ویٹرز آس پاس ستونوں اور دیواروں کے پیچھے کھڑے ہو کے سننے لگے۔ سارا ماحول سہا ہوا اور اداس تھا۔

کیف اس کے انتظار میں بار کاؤنٹر کے ساتھ اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا۔ کاؤنٹر ٹاپ پہ رکھے کافی مگ میں چمچ ہلاتے ہوئے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا جب سیڑھیوں پہ آہٹ ہوئی۔ اس نے نظریں اٹھا کے دیکھا۔ وہ زینے اتر رہی تھی۔

اس نے آج سیاہ لمبی قمیض کے ساتھ سفید دوپٹہ کندھے پہ ڈالا ہوا تھا۔ بالوں کا جوڑا بندھا تھا اور ایک لٹ دائیں گال کو چھو رہی تھی۔ آج اس نے ٹاپس نہیں پہنے تھے۔ پیروں میں سفید ہیلز تھیں اور پیشانی پہ ابھی تک بل تھے۔ چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ ہاتھ میں ایک باکس تھا جس میں اس کی چیزیں تھیں۔ سب سے اوپر کیکٹس کا ننھا سا گملہ تھا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ہاتھ سے باکس لے لیا۔

"تھینکس۔" اس نے ایک سرسری نظر کیف پہ ڈالی۔ اس کے نئے جوگرز آج بھی اجلے سفید تھے۔ البتہ حلیہ وہی تھا۔ بڑھی شیو۔ ماتھے پہ آئے نوعمر لڑکوں جیسے بل دار بال۔ ٹی شرٹ پہ کالر والی شرٹ جس کے بٹن سامنے سے کھلے تھے۔ چہرے پہ مسکراہٹ اور ہاتھ پیچھے کو بندھے ہوئے۔

"لیس باس۔"

''مجھے مال تک جانا ہے۔ تم ڈرائیو کرو گے۔'' کار ریموٹ اس کی طرف بڑھایا اور خود آگے بڑھ گئی۔

کیف باکس اٹھائے اس سے دو قدم پیچھے تھا۔ یکدم کشمالہ کو احساس ہوا کہ وہ رک گیا ہے۔ اس نے پلٹ کے دیکھا۔

وہ ریستوران کے ہال کی مرکزی دیوار کے سامنے رکا ہوا تھا۔ گردن اونچی اٹھائے وہ دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

وہ دیوار بذاتِ خود ایک پینٹنگ تھی۔ وہاں ایک منظر بنا تھا۔ ساحل کی ریت۔ پیچھے نظر آتا نیلا سمندر جس کی سطح پہ دھوپ چمک رہی تھی۔ ایک جھولا جو ریت پہ ستونوں سے نصب کیا گیا تھا۔ جھولے پہ ایک کتاب درمیان سے کھول کے الٹی رکھی تھی۔ منظر اتنا خوبصورتی سے پینٹ کیا گیا تھا کہ حقیقت کا گمان ہوتا تھا۔ دیوار کے آگے فرش پہ اصلی ریت اور سیپیاں بکھری تھیں۔ وہ صرف پینٹنگ نہیں تھی۔ تھری ڈی پینٹنگ تھی۔

کیف کی نظریں دیوار کے نچلے کونے تک گئیں۔ وہاں ''مالا'' کے نام سے دستخط تھے۔ ساتھ پانچ برس قبل کی تاریخ درج تھی۔ اس نے گردن موڑ کے ستائشی نظروں سے مالا کو دیکھا جو اس کی منتظر کھڑی تھی۔

''یہ آپ نے پینٹ کیا ہے؟''

''ہوں۔ چلیں؟'' وہ بنا کسی تاثر کے بولی اور دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ گہری سانس لے کر اس کے ساتھ ہولیا۔

''آپ الوژن آرٹسٹ بھی ہیں۔ مجھے اندازہ نہیں تھا۔'' وہ اس کے پیچھے چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''پرانی بات ہے۔'' وہ جیسے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی تھی۔ کیف خاموش ہو گیا۔

راستے میں وہ خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔ ایک دو بار نگاہ اٹھا کے کیف کی طرف دیکھا تو احساس ہوا کہ اس نے بیٹھتے ہی بیک ویو مرر کو چھت کی طرف کر دیا تھا تاکہ ڈرائیور اور سواری ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں۔ صفورا درست کہہ رہی تھی۔ اس کا کزن ڈیسنٹ ہے۔ ورنہ ہر ڈرائیور بیک ویو مرر سے گھورتا ضرور تھا۔

''سنو۔ تم ڈرائیورز یونیفارم نہیں پہن سکتے؟''

''میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ موڑ کاٹتے ہوئے بولا۔ اس کے انداز میں ایک عجیب بے نیازی تھی جو کبھی کبھی کشمالہ کو کھلتی تھی۔ لیکن خیر۔ وہ باہر بھاگتی ٹریفک کو دیکھنے لگی۔ دھوپ کے باعث سبز آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ رکھی تھیں۔

''باس۔ اب آپ کیا کریں گی؟ اپنے جاب آورز کے لیے پوچھ رہا ہوں۔''

''کل ہمیں لاہور جانا ہے ایک ہفتے کے لیے۔ واپس آ کے اس بارے میں بات کریں گے۔''

مال کی پارکنگ میں کیف نے کار روکی تو باہر نکلنے سے قبل مالا نے سرسری انداز میں کہا۔

''مجھے گھنٹہ لگ جائے گا۔ چاہو تو گھوم پھر لو۔ چاہو تو بیٹھے رہو۔''

کیف نے محض سر ہلا دیا۔ کچھ کہا نہیں۔

کچھ دیر وہ یونہی مال کی راہداریوں میں چلتی رہی۔ دن کا وقت تھا اس لیے بہت رش نہیں تھا۔ اسے عزہ کے لیے گفٹ لینا تھا لیکن دل نہیں چاہ رہا تھا۔ پہلے جب کبھی وہ خاندان کی شادیوں پہ جاتی' اس کو سلیبریٹی ٹریٹمنٹ ملتی تھی۔ کشمالہ ان سب کی کامیاب انٹرپرونیئر کزن تھی۔ اپنے پیروں پہ کھڑی عورت۔ وہ مہنگے گفٹس دیتی تھی۔ لوگوں سے ملتے ہوئے بھی ہاتھ میں موبائل آن ہوتا۔ وہ ساتھ ساتھ اسلام آباد آفس کو مانیٹر کر رہی ہوتی تھی۔ اب اس کے پاس کچھ کرنے کو ہی نہیں تھا۔ سوشل میڈیا سے جلد ہی سب کو علم ہو جائے گا کہ اوشن بند ہو رہا ہے۔ ہر کوئی اس سے سوال کرے گا۔ اُف۔

وہ اپنی کیفیت میں چلتی جا رہی تھی جب ایک احساس ہوا۔ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

چلتے چلتے اس نے گردن موڑی۔ دائیں بائیں۔ پیچھے۔ وہاں بہت سے لوگ تھے لیکن سب اپنی اپنی سمت میں جا رہے تھے۔ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے جھرجھری لے کر جھٹکا۔ شاید اسے وہم ہوا تھا۔

ایک ڈیزائنر برانڈ سے اس نے ایک کامدار جوڑا لیا۔ عزہ کے ٹیسٹ کے مطابق ٹھیک تھا۔ شاپ سے باہر نکلی تو سیدھ میں ایک بک شاپ نظر آئی۔ اس کی گلاس وال کے اس پار کیف کھڑا تھا۔ وہ کاؤنٹر پہ پے منٹ کر رہا تھا۔ وہ اس کی طرف چلی آئی۔

کیف نے اسے نہیں دیکھا۔ اس کی کشمالہ کی طرف پشت تھی۔ وہ موبائل کان اور کندھے کے درمیان لگائے' شاپنگ بیگز کاؤنٹر سے اٹھا رہا تھا۔ دبی آواز میں کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ آواز اتنی ہلکی تھی کہ کچھ سنائی نہ دیا۔ نہ وہ سننے کی خواہشمند تھی۔

''کیف؟'' اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے پکارا۔ وہ ایک دم جھٹکے سے مڑا۔ موبائل چھوٹ گیا۔ شاپنگ بیگ بھی نیچے گر گیا۔ وہ ڈر کے ایک قدم پیچھے ہٹی۔

''سوری۔ میں نے تمہیں ڈرا دیا؟''

''نہیں نہیں۔ میں کسی اور خیال میں تھا۔'' کیف کی رنگت تبدیل ہوئی جیسے وہ لمحے بھر کے لیے پریشان ہوا ہو۔

مگر فوراً سے سنبھل گیا۔ جلدی سے موبائل اٹھانے جھکا جو کشمالہ کے قدموں کے ساتھ گرا تھا۔ اس نے گردن جھکا کے دیکھا۔ اس پہ کال ملی ہوئی تھی۔ ''وائٹ ہیئر'' لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کیف نے جلدی سے فون اٹھایا اور کال کاٹ کے اسے جیب میں ڈال دیا۔

''میرا ایک انکل ہے۔ اس سے بات کر رہا تھا۔'' اب وہ پنجوں کے بل بیٹھا شاپنگ بیگ سے نکلا سامان اندر واپس ڈال رہا تھا۔

''میں فری ہوں۔ چلیں؟'' اس نے نظر انداز کیا۔ البتہ وہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کے ہاتھ میں ایک اسکیچ بک اور چند گریفائٹ پنسلز تھیں جنہیں وہ جلدی جلدی سمیٹ رہا تھا۔ پھر وہ کھڑا ہوا۔ نظر کشمالہ کے ہاتھوں پہ گئی۔ فوراً ہاتھ بڑھایا۔

''یہ مجھے پکڑا دیں۔''

''نو پرابلم۔ میں اٹھا سکتی ہوں۔'' وہ آگے جانے لگی لیکن کیف سامنے آیا اور ''ادھر لائیں'' کہتے ہوئے نرمی سے اس سے شاپنگ بیگ لے لیا۔ وہ بنا کچھ کہے آگے بڑھ گئی لیکن اسے اچھا لگا تھا۔ اس نوجوان میں بہت مینرز تھے۔ بس یونیفارم والی بات پہ ''میں ایسے ہی ٹھیک ہوں'' والا ایٹی ٹیوڈ نہ ہوتا تو وہ بہترین ملازم تھا۔ کشمالہ کے تجربے کے مطابق ایٹی ٹیوڈ والا ملازم زیادہ دیر تک ملازم نہیں رہ سکتا تھا۔ دیکھتے ہیں یہ کتنا عرصہ ٹکتا ہے۔

''کافی لیں گی؟'' لفٹ کی طرف جاتے ہوئے کیف نے پوچھ لیا۔ وہ اس سے دو قدم پیچھے چل رہا تھا۔

''ہاں میرے لیے ایک...''

''اسپریسو ڈبل شاٹ۔ رائٹ؟''

وہ پرس سے کارڈ نکالتے ہوئی چونکی۔ ابرو تعجب سے اکٹھی ہوئیں۔

''تمہیں کیسے معلوم میں کیسی کافی پیتی ہوں؟''

''آپ کی اسسٹنٹ صاعقہ سے پوچھا تھا۔'' وہ مسکرایا۔ گال کا گڑھا گہرا ہوا۔

''نہیں، میں تمہیں اپنا اسسٹنٹ نہیں رکھنے لگی۔''

''حالانکہ آپ کو ایک نئے اسسٹنٹ کی ضرورت ہے۔'' اس کے ہاتھ سے کارڈ اچکتے ہوئے مسکرا کے بولا۔ ''صاعقہ کو اوشن جیسی تنخواہ دینا آپ افورڈ نہیں کر سکتیں۔ جلد یا بدیر آپ کو کوئی نیا کام شروع کرنا ہوگا۔ اس وقت کم تنخواہ پہ اگر کوئی دستیاب ہے تو وہ میں ہوں۔''

''کافی لاؤ شاباش۔''ابرو سے اشارہ کیا۔ وہ مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کیف نے اسے گھر ڈراپ کیا تو وہ اسے صبح جلد آنے کی ہدایت دیتے ہوئے کار سے نکلی۔ پھر شاپنگ بیگز لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ وہ وہیں گیٹ کے اندر کھڑا موبائل پہ اپنے لیے رائیڈ بک کروانے لگا۔ اس وقت گھر پہ کوئی نہیں ہوتا تھا۔ ممانی ورکنگ وومن تھیں۔ بچے اسکول کالج والے تھے۔ وہ بیگز لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

اوپر ٹیرس تک آئی تو رک گئی۔ بیگز وہیں فرش پہ رکھ دیے۔ گردن موڑ کے پیچھے دیکھا۔ وہ موبائل کان سے لگائے ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔ اسی پل چہرہ اٹھا کے اوپر دیکھا۔ کشمالہ کے چہرے کی پریشانی بھانپ کے وہ الرٹ سا ہوا۔ موبائل نیچے کیا اور سوالیہ انداز میں ابرو اٹھائے۔

''ادھر آؤ۔''اس نے دو انگلیوں سے اوپر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے اندر آیا۔ سیڑھیاں دو دو کر کے پھلانگیں۔ انداز چوکنا تھا۔

ٹیرس کے دہانے پہ آ کے وہ رک گیا۔ نظریں فرش سے ہوتی ہوئی داخلی دروازے تک اٹھتی گئیں۔

''تم نے پوچھا تھا نا میرے پچھلے گارڈز جاب کیوں چھوڑ جاتے ہیں؟ یہ ہے اس کی وجہ۔''کشمالہ نے فرش کی طرف اشارہ کیا۔

سیڑھیوں کے اختتام پہ خون پڑا تھا۔ بہت سا خون۔ جیسے کسی نے پیالہ بھر کے انڈیل دیا ہو۔ خون کے چھینٹے دیوار پہ بھی آئے ہوئے تھے۔ اور وہ ابھی تک گیلا تھا۔

''کیا یہ پہلے بھی کبھی ہوا ہے؟''وہ احتیاط سے پیر بچاتے ہوئے اوپر آیا۔ پھر ایک جگہ اکٹھے ہوئے گیلے خون کے ساتھ پنجوں کے بل بیٹھا۔ گردن جھکا کے غور سے اسے دیکھا۔

''ایک گارڈ نے اسی وجہ سے جاب چھوڑی تھی۔ اور دوسرے نے اس لیے کہ کسی نے پتھر مار کے میری کار کا شیشہ توڑ دیا تھا۔''

''اور تیسرا؟''وہ گردن جھکائے خون کا معائنہ کر رہا تھا۔

''اس کو میں نے خود نکالا تھا۔ اسموکنگ کرتا تھا۔''اس نے بے چینی سے خون آلود فرش کو دیکھا۔ عجیب وحشت ہو رہی تھی وہ سب دیکھ کے۔ پھر اس نے دیکھا' پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا کیف خون کی طرف انگلی بڑھا رہا ہے۔

''ہاتھ مت لگاؤ اسے۔ پتہ نہیں کس کا خون ہے۔''

کیف نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ بولا کچھ نہیں۔ واپس سر جھکایا اور دو انگلیاں خون میں ڈبوئیں۔ پھر سرخ

پوروں کو چہرے کے قریب لا کے سونگھا۔ اس کے بعد اسے انگوٹھے اور انگلیوں کے درمیان مسلا جیسے کپڑا مسل کے چیک کرتے ہیں۔

''یہ خالص خون نہیں ہے۔ اسے پتلا کیا گیا ہے۔''

وہ چونک گئی۔ ''پتلا؟ کیوں؟''

''تاکہ یہ جلدی خشک نہ ہو اور آپ کے پیروں کے ساتھ لگ جائے۔ اصل خون جلد گاڑھا ہو کے جم جاتا ہے۔''

کشمالہ نے سر جھکا کے اپنی سفید ہیلز دیکھیں۔ وہ صاف تھیں۔

کیف اب کھڑے ہوتے ہوئے ٹشو سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ ''کوئی آپ کو ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

اس نے تھک کے گہری سانس لی۔

''اگر تم جاب چھوڑنا چاہتے ہو تو ابھی سے بتا دو۔ مجھے کل لاہور جانا ہے۔ میں ڈرائیور کا بندوبست کر رکھوں۔''

''میں کیوں جاب چھوڑوں گا؟'' ٹشو سے انگلیاں رگڑتے ہوئے وہ حیرت سے بولا۔

''اس حرکت سے ڈر کے۔ لوگ خون دیکھ کے ڈر جاتے ہیں۔''

''میں ایسے انسان سے کیوں ڈروں گا جو بزدلوں کی طرح چھپ کے کسی عورت کے گھر میں خون پھینکتا ہے؟'' وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ مروڑا ہوا خون آلود ٹشو اس کے ہاتھ میں تھا۔ ''میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا آپ کی حفاظت کا۔ آج میں آپ سے ایک اور وعدہ کرتا ہوں کہ میں اس شخص کو ڈھونڈ کے آپ کے پاس ضرور لاؤں گا۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ کچھ تھا اس کے انداز میں۔ یقین دلانے والا۔ بے خوف کر دینے والا۔ اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑنے لگے۔ اس نے ممنونیت سے کیف کو دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔

وہ اب سوچتی نظروں سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔

''کوئی سی سی ٹی وی نہیں ہے؟''

''بتایا نا۔ یہ لوگ لگوانے نہیں دیتے۔ گھر کے باہر لگا ہوا ہے ایک سی سی ٹی وی۔ اس میں کبھی کوئی نظر نہیں آیا۔ چوکیدار بھی موجود ہے۔ وہ کسی کو یوں داخل نہیں ہونے دیتا۔''

''ضروری نہیں ہے کہ کوئی باہر سے آیا ہو۔'' وہ ٹیرس کی ریلنگ کے ساتھ چلتے ہوئے نیچے دیکھ رہا تھا۔ ''گھر کے کسی ملازم کو پیسے دے کر بھی یہ کام کروایا جا سکتا ہے۔''

''ناممکن۔ ماموں کے ملازم بہت پرانے ہیں۔ ہم سب ہر موقعے پہ ان کی مدد کرتے ہیں۔ وہ ایسے کیوں کریں

گے؟"

"آپ ان کو پیسے سے خوش رکھتی ہیں۔ وہی پیسہ کوئی زیادہ دے تو وہ اس کا کام کر دیں گے۔ پیسہ ہر وقت ہر ایک کی ضرورت ہوتا ہے باس۔ آپ اس سے کسی کو بھی خرید سکتے ہیں۔" وہ منڈیر سے جھک کے کچھ دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں بھی؟"

کیف ٹھٹھک کے رکا۔ پھر آہستہ سے اس کی طرف پلٹا۔

وہ سینے پہ بازو لپیٹے سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"وہ ہوتا ہے نا موویز میں... باڈی گارڈ کو سب سے پہلے خریدا جاتا ہے۔ اگر میرا اسٹاکر (فرش پہ گرے خون کی طرف اشارہ کیا) تمہیں خریدنا چاہے تو کیا کرو گے؟"

لمحے بھر کو ٹیرس پہ سناٹا چھا گیا۔

"آپ کسی سے پوچھیں کہ وہ بک سکتا ہے تو وہ کہے گا نہیں۔ میں بھی یہی کہوں گا۔ وقت کے ساتھ آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا۔"

وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ "میں مذاق کر رہی تھی۔ تم جاؤ تمہاری رائیڈ آ گئی ہے۔" نیچے اوبر بائیک پہنچ چکا تھا۔ کیف نے بائیکر کو اشارہ کیا۔ پھر واپس اس کی طرف پلٹا۔

"آپ پریشان تو نہیں ہیں؟ یعنی اس خون سے۔"

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا کے کندھے اچکائے۔ "اب مجھے عادت ہو گئی ہے۔ اور تم نے کہا نا' وہ مجھے مارنا نہیں چاہتا۔"

لیکن جب وہ چلا گیا تو مالا کو احساس ہوا کہ خون دیکھ کے اسے ایک دفعہ پھر سے وحشت شروع ہو گئی تھی۔ وہ جوتے بدل کے آئی' اور فرش صاف کرنے میں جت گئی۔ پہلے خون صاف کیا۔ پھر پائپ لگا کے فرش دھو دیا۔ جب تھک ہار کے لاؤنج میں واپس آئی تو مغرب اتر رہی تھی۔

"آج پھر سے کسی نے ٹیرس پہ خون پھینکا ہے۔" ماہی کو میسج لکھا۔ پھر مٹا دیا۔ پھر لکھا۔ پھر مٹا دیا۔ پھر تیسری دفعہ لکھ کے سینڈ دبا دیا۔

کینیڈا کے شہر چلی ویک میں ماہ بینہ اور عباد کے گھر کا واحد بیڈروم خاموشی میں ڈوبا تھا۔ ماہی کروٹ کے بل سو رہی تھی جب میسج ٹون سے اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔ بدقت پلٹ کے دیکھا۔ عباد گہری نیند سو رہا تھا۔

ماہی نے چھوٹے بال کانوں کے پیچھے اڑسے اور فون اٹھا کے کھولا۔ چہرہ موبائل کی نیلی روشنی سے روشن ہو گیا۔

میسج پڑھ کے اس کی آنکھوں میں فکرمندی اتر آئی۔ انگلیاں ٹائپ کرنے لگیں۔

"It's him" لکھ کے بھیج دیا۔ پھر دبے قدموں وہ لحاف تلے سے نکلی۔ اس نے آدھی آستین کا گاؤن پہن رکھا تھا۔ بال کھلے تھے۔ وہ ننگے پیر لکڑی کے فرش پہ چلتی دروازے تک آئی۔ ذرا سے چلنے پہ بھی آہٹ سنائی دیتی تھی۔

لونگ روم میں ٹی وی کنسول کے نیچے بنے کیبنٹ کو وہ چند لمحے دیکھتی رہی۔ کھولے یا نہ کھولے۔ پھر اس نے کونے والی کیبنٹ کھولی۔ جھک کے اندر سے ایک اسکیچ بک نکالی۔ اور سیدھی ہوئی۔

اسکیچ بک کے درمیان میں کہیں گریفائٹ پنسل رکھی تھی۔ ماہی نے پینسل والے صفحے کو کھولا۔

وہاں ایک تصویر بنی تھی۔ وہ چند لمحے اس تصویر کو دیکھتی رہی۔ مالا کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا' اس کا ذمہ دار یہ چہرہ تھا۔ اس کی آنکھیں... اس کی فاتحانہ مسکراہٹ... وہ اس چہرے کو بنا پلک جھپکے دیکھ رہی تھی۔ عجیب بے بسی اور نفرت کا احساس ہو رہا تھا۔

اس نے اسکیچ بک واپس رکھ دی۔ پھر دیوار پہ نصب گھڑی کی طرف دیکھا۔ فجر کا وقت ہونے کو تھا۔

وہ مالا کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ مالا اس کی نہیں سنتی تھی۔ کوئی ماہی کی نہیں سنتا تھا۔ وہ صرف دعا کر سکتی تھی۔ وہ دعا کرے گی اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ماہی کی دعائیں عموماً قبول ہوا کرتی تھیں۔ یہ بھی ہو گی۔ وہ خود کو تسلی دیتی ہوئی وضو کرنے چل دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف اگلی صبح فجر ہوتے ہی اسے لینے آ گیا تھا۔ پہلے اس نے مالا سے دوبارہ اس کا ٹیرس دیکھنے کی اجازت مانگی۔ چوکیدار اس نوجوان کو اوپر جاتے دیکھ کے گھورتا رہا لیکن اس نے پرواہ نہیں کی۔ ہر طرف سے ٹیرس کا جائزہ لیا۔ پھر گھر کے لاکس چیک کیے۔ کھڑکیوں کا جائزہ لیا۔ جب مطمئن ہوا تو نیچے آیا۔ اور ان کا سفر شروع ہوا۔

وہ لانگ روٹ پہ ڈرائیو نہیں کرتی تھی کیونکہ کر نہیں سکتی تھی۔ اسے متلی ہوتی تھی۔ اس لیے وہ پچھلی سیٹ پہ کھڑکی سے سر ٹکا کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ چلنے سے قبل اس نے ماں کو میسج کر دیا تھا۔ اب ہر گھنٹے بعد ماں کا میسج آتا تھا۔ کہاں پہنچی ہو۔ خیریت سے سفر گزر رہا ہے؟ وہ مسکرا کے جواب دیتی اور فون رکھ کے آنکھیں موند لیتی۔ وہ بھی خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"کچھ لیں گی آپ؟" قیام وطعام اسٹیشن پہ کار اندر لے جاتے ہوئے کیف نے پوچھا۔ جواب نہیں آیا تو اس نے گردن موڑ کے دیکھا۔ وہ سر سیٹ کی پشت سے ٹکائے آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ سر قدرے ترچھا پڑا تھا۔ ایک طرف سے کیچر سے نکلتے بالوں نے آدھے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا۔ ساتھ سیٹ پہ ٹوکری میں ننھے ننھے پودے رکھے تھے۔

وہ واپس سیدھا ہو گیا۔ چہرے پہ اضطراب پھیلا۔ کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

اب بھی وقت تھا۔ وہ اس کو سب کچھ بتا سکتا تھا۔ وہ یہاں کیوں ہے۔ اور وہ اس کو کیسے دھوکہ دے رہا ہے۔ وہ یہ ڈیزرو نہیں کرتی تھی کہ وہ اسے دھوکہ دے۔ اس میں اور ظہیر میں فرق ہونا چاہیے تھا۔

کیف نے آنکھیں کھولیں۔ ونڈ اسکرین کے پار دیکھا۔ دنیا ویسی ہی تھی جیسی اس کے آنکھیں بند کرنے سے پہلے تھی۔ آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت نہیں بدل سکتی تھی۔ اسے خاموشی سے صرف اپنا کردار ادا کرنا تھا۔ اسے اس لڑکی سے ہمدردی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے اپنے مسئلے حل کرنے تھے۔ وہ اس کو دھوکہ ضرور دے رہا ہے لیکن ساتھ ہی وہ اس کی حفاظت بھی کرے گا۔ یوں حساب برابر ہو جائے گا۔ بس دو ماہ وہ اس کی نوکری کرے گا اور پھر کہیں غائب ہو جائے گا۔ وہ اسے بھول جائے گی۔ اور معاملہ دفن ہو جائے گا۔ بس دو ماہ اور۔

کشمالہ کی کھڑکی کے شیشے پہ دستک ہوئی تو اس نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔ پھر شیشہ نیچے کیا۔ کیف باہر کھڑا کافی کا کپ اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھا۔

"ریسٹ ایریا آ گیا؟" وہ خود سے بولی اور کپ تھام لیا۔ آنکھوں میں ابھی تک کچی نیند تھی۔ وہ گھوم کے واپس ڈرائیونگ سیٹ تک آیا۔ اپنی کافی اس نے کپ ہولڈر میں رکھی اور سیٹ بیلٹ پہننے لگا۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے؟" کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔ وہ کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے اسے سنے گئی۔

"آپ کے پاس کوئی فیوچر پلان تو ہو گا۔ دوبارہ سے اپنا کام سیٹ کرنے کا پلان۔"

"تمہارا مطلب ہے کامیابی کا نیا پلان۔" وہ باہر دیکھتے ہوئے تلخی سے مسکرائی۔ "اسکول سے یونیورسٹی تک، کتابوں سے انٹرنیٹ تک، سب یہی سکھاتے آئے ہیں کہ کامیاب کیسے ہونا ہے۔ کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ ناکام کیسے ہونا ہے؟ جاب چلی جائے گی تو کیا کرو گے؟ کام میں نقصان ہو گا تو کیا کرو گے؟ صفر سے دوبارہ کیسے شروع کرو گے؟ سب ہمیں کامیابی کے لیے تیار کرتے ہیں۔ کوئی ہمیں ناکام ہونے کے لیے تیار کیوں نہیں کرتا؟"

''میرے خیال میں انسان کا ایکسیڈنٹ ایک دم سے نہیں ہوتا۔ پہلے near misses ہوتے ہیں تا کہ ہم سنبھل جائیں۔ ریڈ فلیگز نظر آتے ہیں۔ ظہیر کے بارے میں بھی آپ کو نظر آئے ہوں گے۔'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ کشمالہ نے سوچتی نظروں سے اس کے کندھے کی پشت کو دیکھا۔

''کیا تمہیں قرضوں میں گھرنے سے پہلے ریڈ فلیگز نہیں نظر آئے تھے؟ طنز نہیں کر رہی۔ اس لیے پوچھ رہی ہوں کیونکہ تم بہت اسمارٹ لگتے ہو۔ پھر اتنا نقصان کیسے کر لیا اپنا۔''

کیف نے گہری سانس لی۔ ''ایک اچھا بزنس مین بننے کے لیے اسمارٹ ہونا کافی نہیں ہوتا۔''

''پھر کیا چاہیے ہوتا ہے؟''

''ایک آئیڈیا۔ ایک یونیک آئیڈیا۔ اس آئیڈے سے محبت کرنا۔ پھر اس کے گرد بہت محنت سے اپنے کام کو تعمیر کرنا۔'' اس کی آواز میں جوش سا ابھر گیا تھا۔ ''پھر اس آئیڈیے کو کامیاب کرنے کے لیے ایک اچھی ٹیم بنانا اور بیچنے سے پہلے اپنی ٹارگٹ آڈینس کا علم ہونا۔ اپنے کام کی کوالٹی اور ویلیوز پہ کبھی سمجھوتہ نہ کرنا۔''

وہ اسٹیرنگ وہیل پہ ہاتھ جمائے بولے جا رہا تھا اور وہ انگلیوں پہ گن رہی تھی۔

''مگر یہ سب کافی نہیں ہوتا باس۔ بزنس میں ترقی یہاں سے آتی ہے۔'' ایک ہاتھ اسٹیرنگ سے ہٹا کے اپنی پیشانی پہ دستک دی۔ ''آپ کی پیشانی کے بخت سے۔''

کشمالہ نے تعجب سے ابرو اٹھائی۔ ''یعنی قسمت؟''

''یعنی قسمت۔'' اس نے تائید میں سر ہلایا۔

''تم کہہ رہے ہو کہ انسان کی قسمت اس کی محنت سے زیادہ ضروری ہے؟''

''محنت اور بزنس کی سمجھ بوجھ۔ یہ لازم ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی ہم فیل ہو جاتے ہیں کیونکہ اس چیز میں ہمارا بخت نہیں ہوتا۔ لیکن وہ کسی دوسری چیز میں ضرور ہوتا ہے۔ آپ کا اگر بخت ریستوران میں نہیں ہے تو شاید وہ کسی اور کام میں ہو۔ اب بتائیں۔ کیا میں اسسٹنٹ پوزیشن کے لیے ہائر کر لیا گیا ہوں؟''

''جانتے ہو تم میں اور میرے پرانے ڈرائیورز میں فرق کیا ہے؟''

''وہ میری طرح اسٹریٹ اسمارٹ نہیں تھے؟''

''وہ اتنا بولتے نہیں تھے۔'' اور چہرہ موڑ کے باہر دیکھنے لگی۔ اس سے بہتر اسسٹنٹ کشمالہ کو نہیں ملنے والا تھا۔ لیکن ابھی وہ اس بات کا اعتراف نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ، معید، ماہ بینہ اور حور جہاں کا گھر ''مبین منزل'' کہلاتا تھا۔ شہر کے ایک پوش علاقے میں بنا ایک کنال کا دو منزلہ گھر جس کے لان میں بوگن ویلیا کے درخت ہر دیوار کے ساتھ اُگے تھے۔ گھر کا کوئی کونا گملوں اور بیلوں سے خالی نہ تھا۔

وہ کار سے نکلی اور آنکھیں بند کر کے اپنے گھر کی فضا میں گہرا سانس لیا۔ کہتے ہیں انسان محبت اور سکون کی تلاش میں ساری دنیا کا سفر کرتا ہے مگر وہ اس کے گھر پہ اس کا منتظر ہوتا ہے۔

سلیم گیٹ بند کر کے اس طرف آیا تو اس نے کیف کی طرف اشارہ کیا جو کار ٹرنک سے اس کا سامان نکال رہا تھا۔

''یہ میرا ڈرائیور ہے کیف۔ اس کو اس کا کمرہ دکھا دو۔ اور کھانا کھلا دو۔''

پھر وہ آگے آئی۔ داخلی دروازہ کھولا۔ سامنے راہداری تھی جو لاؤنج میں کھلتی تھی۔ برسوں پرانی عادت تھی۔ اسے معلوم تھا جب وہ راہداری کا کونا مڑے گی تو ایک تخت نظر آئے گا۔ اس تخت پہ ماں بیٹھی ہوں گی۔

کشمالہ کے قدم آگے بڑھے۔ راہداری کا کونا عبور کیا۔ اور سامنے وہی پرانا منظر نظر آیا۔

لاؤنج میں صوفے بھی تھے لیکن حور جہاں بیگم تخت پہ بیٹھی تھیں۔ ایک ٹانگ سیدھی لمبی کیے۔ دوسری اندر کی طرف موڑے۔ گھٹنے کے ساتھ سبزی کے تھال رکھے تھے۔ سر پہ دوپٹہ تھا جو ایک کان کے پیچھے اڑسا ہوا تھا۔ وہ چہرہ جھکائے آلوؤں کے قتلے کاٹے جا رہی تھیں۔ بھرے بھرے سفید بازو آستینوں سے جھلک رہے تھے۔ دائیں کلائی میں سونے کی چوڑیاں تھیں۔

حورِ جہاں بیگم فربہ خاتون تھیں۔ رعب دار اور دبنگ سی۔ لیکن ساتھ ہی کچھ بہت نرم اور ملائم سا تھا ان میں۔ چہرہ سفید گلابی سا تھا۔ ناک میں ہیرے کی لونگ تھی۔ سبز آنکھوں کے گرد جھریاں تھیں۔ پیشانی اور قلموں سے سیاہ سفید بال جھلکتے تھے۔ بڑھتی عمر نے ان کے حسن کو گہنایا نہیں تھا۔ بلکہ مزید باوقار کر دیا تھا۔

آہٹ پہ انہوں نے سر اٹھا کے دیکھا۔ چہرہ کھل اٹھا۔ سبز آنکھوں میں رونق دوڑ گئی۔

''میری بیٹی آ گئی۔'' چھری ایک طرف رکھی۔ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے پیر نیچے اتارے۔ پھر پیروں سے زمین پہ جوتے تلاش کیے کہ فربہ خاتون تھیں۔ جھک نہیں سکتی تھیں۔ تب تک وہ ان کے قریب آ پہنچی تھی۔

''میری پیاری ماں۔'' اس نے پرس ایک طرف پھینکا۔ اور جھک کے ان کے گلے سے لگ گئی۔ ماں کافی فربہ

تھیں۔ وہ ان کے مقابلے میں دبلی پتلی سی تھی۔ ماں نے اس کا چہرہ دونوں طرف سے چوما۔ ان کے چہرے پہ اتنی خوشی تھی کہ بیان سے باہر تھی۔

''میری بیٹی کیسی ہے۔ اچھا کیا واپس آ گئی۔'' اس سے الگ ہو کے اس کا چہرہ دیکھ کے بولیں۔ ''اس ظہیر کو تو...''

''چھوڑیں اس کو ماں۔'' وہ ماں سے الگ ہو کے نرمی سے بولی۔ پھر دیکھا ساتھ چوکی پہ بخت بی بیٹھی تھی۔ وہ جھک کے اس سے بھی ملی۔ بخت بی ادھیڑ عمر عورت تھی۔ بالوں میں تیل لگا کے کس کے چوٹی بنائے وہ کانوں میں سنہری بالیاں پہنے ہوئے تھی۔ وہ مالا کو ملی تو بے اختیار دعا دی۔ بخت بی جب ملتی ایسے ہی دعائیں دیا کرتی تھی۔

بخت بی بی کتنے برسوں سے ان کی ملازمہ تھی' اب تو مالا کو گنتی ہی بھول گئی تھی۔ بس اتنا یاد تھا کہ اس کا شوہر مرا تھا تو وہ پانچ بچوں کے ساتھ ان کے سرونٹ کوارٹر میں آئی تھی۔ اب اس کے بچے جوان ہو کے اس آشیانے سے اڑ چکے تھے۔ ایک بیٹا سلیم چوکیدار بھی تھا اور سودا سلف بھی لاتا تھا۔ باقی بیٹیوں کی شادی ہو گئی لیکن بخت بی بی اور ماں کا ساتھ قائم تھا۔

''سفر ٹھیک گزرا؟ راستے میں متلی تو نہیں ہوئی؟'' وہ ماں کے کندھے سے سر لگائے بیٹھی تھی اور وہ اس کے بال کان کے پیچھے اڑس رہی تھیں۔

''نہیں ماں۔ ڈرائیور ساتھ لائی ہوں۔''

تبھی راہداری میں آہٹ ہوئی۔ ماں نے چونک کے دیکھا۔ کیف ہاتھ میں ٹوکری لیے کھڑا تھا۔ وہ سیدھی ہو کے بیٹھی۔

''پلانٹس کہاں رکھوں؟''

''میاں تم کون ہو اور اندر کہاں چلے آ رہے ہو؟'' حورِ جہاں بیگم کے ماتھے پہ بل پڑے۔ دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ ''پیچھے۔''

''سوری۔ میں...'' وہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ متذبذب سا چند قدم پیچھے ہوا۔ ''میں کیف جمال ہوں۔ کشمالہ بی بی کا ڈرائیور۔''

''تمہاری بی بی نے تمہیں بتایا نہیں ہے کہ ڈرائیور گھروں کے اندر نہیں آتے؟ اور پیچھے۔'' دو انگلیاں جھٹک کے کہا۔

''سوری۔'' وہ ناسمجھی کے انداز میں مزید پیچھے ہوا۔ کشمالہ نے مسکرا کے آنکھوں سے اشارہ کیا۔ کیف نے ٹوکری وہیں رکھی اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

''یہ کیا تم رنگ برنگے ڈرائیور رکھتی رہتی ہو۔'' ماں نے خفگی سے اسے دیکھا۔ وہ بے اختیار ہنس دی۔

''باجی یہ ڈرائیور تو نہیں لگتا۔'' بخت بی لاؤنج کی دیوار گیر کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ وہاں کیف سلیم کے ساتھ جاتا دکھائی دے رہا تھا۔

''یہ میرا اسسٹنٹ بھی ہے ماں۔ بتایا تھا نا۔ میں نیا بزنس سیٹ کرنے لگی ہوں۔''

ماں کی سبز آنکھوں میں افسوس سا ابھرا۔ تاسف سے سر ہلایا۔

''کیا کرو گی اتنا پیسہ کما کے مالا؟''

اور یہیں پہ ماں اور اس کا اختلاف شروع ہوتا تھا۔

''ماں.... یہ اکیسویں صدی ہے۔ عورت صرف پیسے کے لیے کام نہیں کرتی۔ اسے اپنا بھی کچھ چاہیے ہوتا ہے تاکہ اس کی sanity برقرار رہے۔ وہ خود کو گھر کے چولہے میں ضائع نہ کرے۔ حورِ جہاں بیگم کی طرح۔'' ماں کے کان کے پاس شرارت سے جھکی۔

ان کی آنکھوں میں خفگی اتری۔ ''پرے بدتمیز۔ تمہیں لگتا ہے میں نے خود کو ضائع کیا؟'' سر جھٹک کے چھری اٹھا لی اور آلو کے کھٹ کھٹ ٹکڑے کرنے لگیں۔ اب پروٹوکول ختم تھا۔ مالا اب پرانی ہو چکی تھی۔ ماں اس سے زیادہ بچوں کو پروٹوکول دینے کی عادی نہیں تھیں۔

''ضائع نہیں کیے تو کچھ productive بھی نہیں کیا۔ ماسٹرز ہولڈر تھیں۔ مگر بچوں میں لگی رہیں۔ آپ کا سارا دن اسی فکر میں گزرتا ہے کہ آپ کے بچوں نے کھانا کھایا یا نہیں۔ اب وہ بچے اپنی اپنی زندگیوں میں چلے گئے ہیں۔ اگر کوئی کیرئیر یا مشغلہ اپنایا ہوتا تو آج فراغت میں آپ کے پاس کچھ کرنے کو ہوتا۔ آپ اب بھی سبزی کاٹ رہی ہیں جو بخت بی بھی کاٹ سکتی ہے۔ یہی فرق ہے آپ کی اور ہماری جنریشن میں۔ آپ چولہے سے نہیں نکلتیں اور ہم دنیا فتح کرنا چاہتے ہیں۔''

''بختو... اپنی مالا بی بی کو بتاؤ کہ ہر انسان دنیا میں اپنا کردار ادا کرنے آتا ہے۔ کسی کا کردار دنیا فتح کرنا ہوتا ہے اور کسی کا اس فاتح کی تربیت کرنا۔''

مگر مالا مسکرا کے شانے اچکا کے اٹھ گئی۔ ''اگر آپ نے تیس سال پہلے کوئی بزنس شروع کیا ہوتا تو آج آپ بھی

ایک بزنس وومن ہوتیں۔ کبیرہ تائی کی طرح۔"
ماں نے اپنی چپل کی تلاش میں پیر زمین پہ مارا۔ وہ ہنستی ہوئی بیگ اٹھا کے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ ماں خفگی سے بڑبڑاتے ہوئے سبزی کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

کبیرہ تائی ہماری کہانی کا ایک اہم کردار ہیں۔ وہ ابا کے فرسٹ کزن کی بیوی تھیں۔ ایک خوبصورت' دولتمند اور باا ثر خاتون۔ اس کے علاوہ جن خصلتوں سے وہ پہچانی جاتی تھیں ان میں تکبر' بدزبانی اور منافقت سرفہرست تھیں۔ بھری محفلوں میں دوسروں کا تمسخر اڑانا تو لازم تھا۔ کسی کی بدصورتی تو کسی کی غربت کا مذاق۔ خود حسین تھیں۔ رئیس تھیں۔ رشتے داران کے گرد منڈلاتے تھے۔
بیٹے والے ان کی بیٹی کی وجہ سے۔ اور بیٹی والے ان کے اس بیٹے میں دلچسپی رکھتے تھے جو ماں کی طرح مغرور مشہور تھا۔ اتنا مغرور کہ وہ کبھی پاکستان نہیں آیا تھا نہ اپنے رشتے داروں سے ملا تھا۔
ان کا بیٹا جب تین چار برس کا تھا' تب وہ لوگ انگلینڈ شفٹ ہو گئے تھے۔ کئی برس بعد ان کی فیملی خود تو پاکستان سیٹل ہوگئی لیکن ان کا بیٹا لوٹ کے نہیں آیا۔ نہ اسے کبھی کسی نے دیکھا۔ نہ کوئی اس سے ملا۔ بس کبیرہ تائی تھیں جو ہر محفل میں بیٹھ کے اپنے بیٹے کی کامیابی اور وجاہت کے قصے سنایا کرتی تھیں۔ اپنے بیٹے پہ ان کو بہت ہی مان تھا۔ ماہی کا کہنا تھا کہ ان کا بیٹا بھی انہی کی طرح ہوگا۔ سائیکو کیس۔
کبیرہ تائی کو کوئی نفسیاتی عارضہ بھی تھا۔ وہ لوگوں کو اپنے گرد جمع کر کے تسکین محسوس کرتی تھیں۔ کسی بھی رشتے دار کے گھر خوشی غمی ہوتی تو فوراً پہنچ جاتیں۔ مہنگے گفٹس۔ بھاری سلامیاں۔ پھر اسی رشتے دار کے گھر بیٹھ کے باقی خاندن کا مذاق اڑاتیں۔
سارے خاندان میں اگر کبیرہ کی کسی سے نہیں بنتی تھی تو وہ حورِ جہاں بیگم تھیں۔
ماں جب بیاہ کے اس خاندان میں آئیں تو کبیرہ نے ان کو بھی اپنی دولت سے دبانے کی کوشش کی۔ لیکن حورِ جہاں ان عورتوں میں سے نہیں تھیں جن کی اپنی کوئی آواز نہیں ہوتی۔ یا وہ کسی کی دولت سے متاثر ہو کے اپنی آواز کھو دیتی ہیں۔ حورِ جہاں اپنے آپ میں کافی تھیں۔ حسین بھی تھیں اور پڑھی لکھی بھی۔ ان کو کسی قسم کا احساسِ کمتری نہ تھا۔ پہلی دفعہ جب بھری محفل میں انہوں نے کبیرہ کو کسی کا تمسخر اڑاتے اور خاندان والوں کو مسکرا کے سنتے دیکھا تو ٹوک دیا۔

"دیکھو کبیرہ۔ سب کی صورتیں شکلیں اللہ نے بنائی ہیں۔ جو خوبصورت ہیں ان کی خوبصورتی ہی ان کا امتحان ہوتا ہے۔ ایسے غرور نہ کیا کرو۔ اللہ کو یہ نہیں پسند۔"

ایسا کئی موقعوں پہ ہوا۔ یہاں تک کہ ایک محفل میں جب کبیرہ اپنی نند کا ذکر کرتے ہوئے کچھ کہنے لگیں تو حورِ جہاں یہ کہتے ہوئے اٹھ گئیں کہ "میں ایسی محفل میں نہیں بیٹھوں گی جہاں کسی کا مذاق اڑایا جائے۔ میں نے اللہ کو جواب دینا ہے۔"

محفل میں دوسرے لوگ بھی دبی دبی آواز میں بولنے لگے۔ آہستہ آہستہ سب تتر بتر گئے۔

وہ کبیرہ جس کے آگے سارا خاندان بچھ جاتا تھا اس کو چارسدہ کے عام سے گھرانے کی ہاؤس وائف ٹوک کے اٹھ گئی تھی۔ کبیرہ بیگم کی ایسی توہین کسی نے کبھی نہ کی تھی۔ معید کا کہنا تھا کہ یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی لیکن کبیرہ تھوڑی سائیکو بھی تھیں۔ ایسے لوگوں کو ہمیشہ ایک ولن کی تلاش ہوتی ہے جس کو وہ اپنی بے سکونی کے لیے الزام دے سکیں۔ اس لیے اس دن سے کبیرہ نے حورِ جہاں کے ساتھ بیر پال لیا۔

ایسے چند واقعات اور بھی ہوئے۔ تب کبیرہ انگلینڈ میں رہتی تھیں۔ وہاں بیٹھ کے بھی سارے پاکستان کی خبر رکھتیں۔ سال میں تین چار چکر بھی لگا لیتیں۔ انہوں نے خاندان میں مشہور کرنا شروع کر دیا کہ حورِ جہاں اس سے جلتی ہے۔ ایک دو الزام بھی لگائے ماں پر۔ کوئی نو دس سال پرانی بات ہے جب کبیرہ اور ماں کا اسی طرح ایک محفل میں پھر سے ٹاکرا ہو گیا۔ کبیرہ نے کسی کی بے عزتی کی اور ماں نے سب کے سامنے اس غریب رشتے دار کی سائیڈ لی۔

اس دن کے بعد کبیرہ اور ماں کی بول چال ختم ہو گئی۔ دوبارہ محفلوں میں ایک دوسرے کو جب بھی دیکھا ماں پھر بھی سلام کہہ دیتیں لیکن کبیرہ گھمنڈ اور نفرت سے سر موڑ کے گزر جاتی جیسے سنا ہی نہیں۔ ماہی ماں کو منع کرتی تھی۔ وہ جواب نہیں دیتیں تو آپ کیوں سلام کرتی ہیں؟ لیکن ماں بڑے ہی سکون سے کہتیں کہ دیکھو اللہ نے ہم پہ سلام فرض کیا ہے۔ بیٹھ کے گپیں مارنا فرض نہیں کیا۔ میں بس اتنا کر رہی ہوں جتنا میرے اوپر فرض ہے۔

اب اتنے برس ہو گئے تھے۔ کبیرہ پاکستان واپس آ گئیں لیکن دونوں کے تعلقات بحال نہیں ہوئے تھے۔ کبیرہ کا نام اب ان کے لیے ایک مذاق تھا۔ مالا ماں کو تنگ کرنے کے لیے اس کا نام لیتی۔ ماہی کو جب کسی انسان کو شدید برا کہنا ہوتا تو اس کو کبیرہ سے ملا دیتی۔ اور رہا معید... تو جب اس کی ماہی سے لڑائی ہوتی تو وہ کہتا....

"پہلے زمانے میں mail ہوتی تھی۔ اب ای میل ہوتی ہے۔ ایسے ہی پہلے زمانے میں کبیرہ تھی اور اب ای

کبیرہ ہوتی ہے۔ اور وہ تم ہو ماہی۔"

وہ فریش ہو کے کمرے سے نکلی تو معید کچن کے دروازے پہ کھڑا تھا۔ ہاتھ میں سیب پکڑے کھا رہا تھا۔ اسے دیکھ کے ہنس دیا۔

"پھر کیسا مذاق کیا ظہیر نے آپ کے ساتھ؟" وہ قریب آیا اور بند مٹھی اس کی طرف بڑھائی۔ مالا نے ہنس کے اپنی بند مٹھی اس کی مٹھی سے ٹکرائی۔

"بدتمیز۔" پھر سر سے پیر تک معید کو دیکھا۔ "اپنی سناؤ۔ ماں کو ٹائم دیتے ہو یا فون پہ اپنی دوسری ماؤں کے ساتھ لگے رہتے ہو۔"

وہ جھینپ گیا۔ "میری ماں اس وقت صرف جنرل سرجری ہے او کے۔"

معید نکلتے ہوئے قد کا نوجوان تھا۔ کلین شیو۔ ماتھے پہ کٹے ہوئے بال۔ ماہی جیسی بھوری آنکھیں۔ چہرے پہ ہر وقت سجی مسکراہٹ۔ اور کانوں میں ہینڈز فری۔ وہ جنرل سرجری میں ٹریننگ کر رہا تھا۔ گھر اس کے لیے ہوٹل کی طرح تھا جہاں وہ صرف سونے آتا تھا۔

"یہ باہر تمہارا ڈرائیور ہے؟" معید نے سیب کی بائٹ لیتے ہوئے سرسری سا پوچھا۔

اُف یہ سوال۔ کیا تھا اگر کیف جمال یونیفارم پہن لیتا۔ یا اتنا خوش شکل نہ ہوتا۔

"ایک تو سب کو میرے ڈرائیور سے کیا مسئلہ ہے؟" وہ چڑی نہیں تھی۔ نہ اسے غصہ آیا۔ بس اس تکرار سے تھک گئی تھی۔

"مسئلہ نہیں ہے' بابا۔ میں تو کہتا ہوں مجھے بھی اپنا ڈرائیور رکھ لو۔ بڑا اسکوپ ہے اس کام کا۔" وہ سیب کھاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ اس کے پاس گھر والوں کے لیے بس اتنا وقت ہوتا تھا۔

وہ واپس کمرے میں آ گئی کیونکہ لاؤنج میں بیٹھی ماں اور بخت بی کی سرگوشیاں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

"باجی... مالا بی بی کی شادی کر دیں۔ پہلے تو ان کے سر پہ ریستوران سوار ہوتا تھا۔ شکر ہے وہ قصہ ختم ہوا۔"

اسے ہنسی آ گئی۔ بخت بی کو اس کی ٹریجڈی میں بھی امید کی کرن نظر آئی تھی۔

"تمہاری مالا بی بی ہی نہیں مانتی۔ ورنہ خاندان میں کس نے رشتہ نہیں مانگا۔ حسن بھی آزمائش ہے بخت بی بی۔"

مالا مسکراتے ہوئے کمرے میں آ گئی۔ اسے اس ذکر کی اتنی عادت تھی کہ اب فرق نہیں پڑتا تھا۔ یہ نہیں تھا کہ اسے کسی حسین ترین مرد سے شادی کرنی تھی۔ نہیں۔ بس وہ ذہین ہو۔ اس کے کام کو سپورٹ کرے۔ کم از کم ویسا ہو

جیسی وہ خود ہے۔ اور یہ ساری خوبیاں اس کے رشتے داروں کے بیٹوں میں ایک ساتھ نہیں تھیں۔

کھڑکی کے پردے ہٹائے تو لان نظر آیا۔ کیف گیٹ کے ساتھ بنے گارڈ روم کے باہر کرسی ڈالے گود میں لیپ ٹاپ رکھے ٹائپ کر رہا تھا۔ اس نے مالا سے کہہ رکھا تھا کہ وہ اپنے بزنس پلان پہ کام کر رہا ہے' اس لیے جب فارغ ہو گا اپنا کام کرتا رہے گا۔ مالا کو ظاہر ہے اعتراض نہیں تھا۔ البتہ اس نے نوٹ کیا کہ سلیم ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا دلچسپی سے کیف کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں بات بھی کر رہے تھے۔ خیر اسے کیا۔ وہ وہاں سے ہٹ گئی۔

''یہ کمپیوٹر آپ کا اپنا ہے؟ نیا لگتا ہے۔'' سلیم نے متاثر ہوتے ہوئے انگلی لیپ ٹاپ کے کنارے پہ پھیری۔ کیف نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''تمہیں اگر کوئی فلم وغیرہ دیکھنی ہو تو میرے کمپیوٹر پہ دیکھ لینا۔'' فراخ دلی سے آفر کی۔ سلیم کا چہرہ کھل اٹھا۔

''شکریہ کیف بھائی۔'' ذرا دیر کو خاموشی کا وقفہ آیا۔

''گھر میں کون کون ہوتا ہے؟'' ٹائپ کرتے ہوئے سرسری سا سوال کیا۔

''معید بھائی اور بڑی باجی۔'' سلیم جوش سے بتانے لگا۔'' پہلے بڑی باجی کی چھوٹی بہن بھی یہاں رہتی تھیں۔ مالا بی بی کی خالہ۔ وہ بیمار تھیں۔ محتاج تھیں۔ بڑی باجی نے ان کی بڑی خدمت کی۔ میری امی کے ہاتھوں میں ہی وہ فوت ہوئیں۔''

''بڑی باجی کے سارے بچوں کی شادی ہو گئی ہے؟''

''نہیں۔ صرف ماہی باجی کی ہوئی ہے۔ وہ کنیڈا ہوتی ہیں۔'' سلیم کینیڈا کو کنیڈا کہتا تھا۔

''اچھا۔ مالا بی بی کی منگنی بھی نہیں ہوئی؟'' اسے تعجب ہوا۔'' وہ سب سے بڑی ہیں نا۔''

''ان کو شادی کا شوق نہیں ہے جی۔ وہ بس اپنا کام کرتی رہتی ہیں۔'' سلیم کو اس کے علاوہ کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ کیف کی ٹائپ کرتی انگلیاں رک گئیں۔ وہ سوچتی نظروں سے اسکرین کو دیکھنے لگا۔

یہ ممکن نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا اس کی کوئی منگنی وغیرہ تو ہو چکی ہوگی۔ شاید ہو کے ختم ہو گئی ہو۔ لیکن ایسا نہیں تھا۔ یا شاید کچھ اور تھا جو اسے چبھ رہا تھا۔

چند دن پہلے تک کشمالہ مبین اس کا ایک ٹارگٹ تھی جس کے پاس اسے نوکری کرنی تھی۔ وہ اکیلی تھی۔ کام' ریستوران' گھر۔ لیکن آج اس نے کچھ اور دیکھا تھا۔ وہ اب صرف ایک ٹارگٹ نہیں تھی۔ اس کی ایک فیملی۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔

لاہور آنا پلان کا حصہ نہیں تھا۔ شاید یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات تک وہ گھر سے نہیں نکلی۔ بس کمرے میں پڑی سوتی رہی۔ کیف سے اس کی ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ وہ اسے گویا یہاں لا کے بھول ہی گئی تھی۔ ڈرائیورز گھر کے اندر نہیں آیا کرتے تھے۔ ان کا داخلہ صرف ڈرٹی کچن تک محدود تھا۔

ان کے لاؤنج سے ملحقہ بڑا سا کچن کلین کچن کہلاتا تھا۔ کلین کچن سے ایک دروازہ چھوٹے سے ڈرٹی کچن میں کھلتا تھا۔ اور ڈرٹی کچن سے ایک دروازہ باہر کی طرف۔ تاکہ ملازم یعنی سلیم باہر سے ہی ڈرٹی کچن میں آئے اور اپنا ناشتہ چائے وغیرہ بنا کے وہیں سے رخصت ہو جائے۔ ماں کو مرد ملازموں کا گھر کے اندر آنا پسند نہیں تھا۔ کھانا البتہ سب کا ماں خود بناتی تھیں۔ وہ کسی اور کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھا سکتی تھیں۔ بلکہ اکثر اپنے ملازموں کی فرمائش پہ کھانے اور میٹھے بنایا کرتی تھیں۔

ماہی کہتی تھی ماں نے ان کو ملازم نہیں رکھا۔ انہوں نے ماں کو مالک رکھا ہوا ہے۔

بخت بی اور سلیم کا کمرہ بیسمنٹ میں تھا۔ بیسمنٹ کی سیڑھیاں گھر کے باہر سے تھیں تاکہ ملازموں سے پرائیویسی رہے۔ انہوں نے کیف کو بھی بیسمنٹ میں ایک کمرہ دے دیا تھا جسے اس نے چپ چاپ قبول کر لیا۔

صبح فجر پہ اس کی آنکھ لاؤنج میں ہوتی کھٹ پٹ پہ کھلی۔ اسے معلوم تھا یہ ماں ہوں گی۔ ماں فجر خوب شور کر کے پڑھا کرتی تھیں تاکہ ان کے بچوں کی نیند ایسے خراب ہو کے وہ دوبارہ سو نہ سکیں۔ اسلام آباد میں نمازیں اوپر ہو جایا کرتی تھیں لیکن لاہور میں مجال تھی کہ ایسا ہو۔ وہ نماز پڑھ کے جائے نماز پہ بیٹھی اور سوچا کہ کیا دعا مانگے۔ اسے اس وقت سب سے زیادہ کیا چاہیے تھا؟

نیا بزنس۔ وہ دوبارہ سے برسرِ روزگار ہو جائے۔ اپنے پیروں پہ کھڑی ہو جائے۔ اور اب سے کوئی مرد اسے ظہیر کی طرح دھوکہ نہ دے سکے۔

دعا مانگ کے وہ اٹھی اور جمائی لیتے ہوئے کھڑکی کے سامنے آئی تو رک گئی۔

اندھیر لان میں گارڈ روم کے سامنے وہ گھاس پہ جائے نماز ڈالے دو زانو بیٹھا تھا۔ وہ شاید نماز پڑھ چکا تھا۔ اب

بس یونہی سر جھکائے بیٹھا تسبیح کے دانے گرا رہا تھا۔

اسے بہت عجیب لگا۔ مانا کہ بہت سے لڑکے لاپرواہ اور مغربی حلیے کے باوجود نمازیں پڑھتے ہیں۔ لیکن تسبیح؟ اسے نہیں یاد اس نے کبھی کسی نوجوان کو ہاتھ میں تسبیح پکڑے دیکھا ہو۔ وہ خود بھی تسبیحوں کی عادی نہیں تھی۔ وقت ہی نہیں ملتا تھا۔

کیف جمال تسبیح پڑھتا تھا؟ عجیب بات تھی۔

صبح بخت بی جب اس کے کمرے میں کافی لائیں تو اسے حیرت ہوئی۔

''آپ کو کب سے کافی بنانی آ گئی؟''

''اس موئے ڈرائیور نے بنائی ہے۔ میں نے اسے چائے کی چیزیں پکڑائیں تو بابو آگے سے بولا 'میں چائے نہیں پیتا۔ مجھے کافی میکر دو۔ (اس کی نقل کر کے بولیں) پھر خود ہی کچن سے معید بھائی کا پرانا کافی میکر ڈھونڈ لایا اور سیٹ کر دیا۔ بازار سے موٹے بیجوں والے ڈبے بھی لے آیا۔ اور ساتھ یہ مجھے پکڑا دی کہ میری بی بی یہی پیتی ہیں۔ ہونہہ۔''

وہ ہنس دی۔ مبین منزل کو پہلی دفعہ ایسا رنگ برنگا ملازم ملا تھا۔ بخت بی سے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

''چھوٹی باجی... اس لڑکے کو ذرا فاصلے پہ رکھیو۔ مجھے یہ واردا تیا لگتا ہے۔''

''اچھا بخت بی۔ اب جائیں اور کیف سے کہیں تیار رہے۔ اس نے مجھے سیلون لے کر جانا ہے۔''

شام میں عزہ کے نکاح کا فنکشن تھا۔ اور صد شکر اس کے چہرے پہ ایک بھی پمپل نہیں تھا ورنہ عموماً کسی فنکشن سے پہلے ہی یہ پمپل حاضری دیا کرتے تھے۔ اس نے گھڑی دیکھی۔ ابھی فیشل کروا لے تو شام تک اس کا اثر آنے لگے گا۔

وہ باہر آئی تو کیف گارڈ روم کے باہر کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں اسکیچ بک تھی اور وہ پنسل سے اس پہ کچھ کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کے کھڑا ہو گیا۔ اسکیچ بک پیچھے کر لی۔ آج جینز پہ سفید ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ پیروں میں جوگرز تھے اور چہرے کی ہلکی بڑھی شیو ویسی ہی تھی۔

''کیا کر رہے ہو؟'' وہ اس کی اسکیچ بک کو دیکھتے ہوئے قریب چلی آئی۔ پرس کہنی پہ ٹانگے' بال کیچر میں باندھے وہ آنکھوں پہ سیاہ چشمہ لگائے ہوئے تھی۔ کیف کے چہرے پہ جھینپ جانے کا تاثر ابھرا۔ رخسار ہلکے سے گلابی ہوئے یا شاید دھوپ کے باعث اسے ایسا لگا تھا۔

''یونہی فارغ وقت میں اسکیچز بناتا ہوں۔''

''کیا بنا رہے ہو؟ دکھاؤ۔'' وہ دوستانہ لہجے میں کہتی اس کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔ اب وہ دونوں دھوپ میں تھے۔ چھاؤں پیچھے رہ گئی تھی۔

کیف نے اسکیچ بک کھول کے اس کے سامنے کی۔ صفحے پلٹائے۔ اس پہ موٹر بائیک کا سیاہ سفید اسکیچ بنا تھا۔

''تمہیں موٹر بائیکس پسند ہیں؟''

''بہت زیادہ۔'' وہ تھوڑا شرمندہ نظر آ رہا تھا۔ مالا نے غور سے اسکیچ کو دیکھا۔

''یہ ہیوی بائیک ہے۔ کافی مہنگی ہوتی ہے۔ اگر تم اپنا نیا بزنس اس لیے شروع کرنا چاہتے ہو کہ ایک دن تم یہ بائیک خرید سکو تو یہ ایک غلط اپروچ ہے۔'' نرمی سے تنبیہ کی۔ اسے سمجھ میں آ گیا تھا کہ وہ نوجوان قرضوں کا شکار کیوں تھا۔ مہنگی بائیکس کا شوق۔ مہنگا لیپ ٹاپ۔ قیمتی فوٹوگرافی آلات امپورٹ کروانا۔ وہ اپنی بساط سے اونچی جست لگانا چاہتا تھا اور ایسے میں زمین اس کے قدموں تلے سے نکل جاتی تھی۔

کیف نے جواب نہیں دیا۔ کار کی طرف بڑھ گیا۔ جیسے وہ اس کی بات سے اتفاق نہیں کرتا تھا۔

وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا جب صفورا کی کال آنے لگی۔

''کیف کیسا کام کر رہا ہے؟ تم اس سے مطمئن ہو نا؟'' مالا کا فون کار سے کنیکٹڈ تھا۔ آواز خود بخود اسپیکرز پہ گونجنے لگی۔

''ہاں۔ کیف اچھا کام کر رہا ہے۔ کافی اسمارٹ اور سمجھدار ہے۔ ساتھ ہی اپنے نئے بزنس پلان کو بھی وقت دیتا ہے۔'' وہ سادگی سے کہتے ہوئے باہر دیکھ رہی تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھی جو کسی کو اس کے سامنے اس لیے نہیں سراہتے کہ وہ سر نہ چڑھ جائے۔ جو سچ ہو اسے کہہ دینا چاہیے۔

''اسمارٹ ہوتا تو اب تک کامیاب ہو چکا ہوتا۔ اس کے لیے اچھا ہے کہ تمہارے پاس ہی جاب کرتا رہے۔ ورنہ اس کا اپنا کام کبھی کامیاب نہیں ہونا۔ اور ہاں۔ بس یہ دھیان کرنا کہ وہ تم سے ایکسٹرا پیسے ویسے نہ لے۔ تھوڑا سا لالچی بھی ہے۔ میرا کزن ہے نا' مجھے اس کا پتہ ہے۔''

صفورا اتنا تیز تیز بولے جا رہی تھی کہ اسے اسپیکر آف کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بے اختیار کیف کے کندھے کی پشت کو دیکھا۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔ (اُف)

''ہے کہاں وہ؟ ذرا بات کرواؤ میری۔'' صفورا اپنے تئیں ایک اچھی دوست ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔

کیف نے ایک ہاتھ ہلا کے نفی کا اشارہ کر دیا۔ کہا کچھ نہیں۔ چونکہ بیک ویو مرر اوپر کی طرف تھا، وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''ابھی وہ مصروف ہے۔ تم بعد میں اسے خود ہی کال کر لینا۔'' کال بند ہونے کے بعد بھی کار میں ایک عجیب سی ٹینشن پھیل گئی۔

''اس کو معلوم نہیں تھا کہ تم سن رہے ہو۔''

''وہ کچھ غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔ کیف جمال ایک لوزر ہے اور رہے گا۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ''جان میکس ویل کہتا تھا' تم پیسے سے نہیں جیت سکتے۔ اس کو کمانے پہ فوکس کرو تو مادیت پرست کہلاؤ گے۔ کمانا چاہو اور نہ کما سکو تو لوزر ہو۔ بہت کما کے خرچ نہ کرو تو کنجوس ہو۔ اگر کما کے خرچ کرتے رہو تو فضول خرچ ہو۔ اگر کمانے کی فکر نہ کرو تو تم unambitious ہو۔ اگر بڑھاپے تک بہت سے پیسے کے مالک ہو تو تم بے وقوف ہو کہ اس پیسے کو قبر میں لے جانا چاہ رہے تھے۔''

''پھر کیا کرنا چاہیے پیسے کے ساتھ؟''

''پیسے سے جیتنے کا بس ایک ہی طریقہ ہے' باس۔ اس کو مٹھی میں نہیں دبا لینا بلکہ ڈھیلی گرفت کے ساتھ اس کو پکڑنا ہے اور پھر کھلے دل سے اس کو قابلِ قدر چیزوں کو حاصل کرنے پہ صرف کرنا ہے۔'' ذرا توقف سے بولا۔ ''آپ سے ایک درخواست ہے۔ دوبارہ ان کی کال آئے تو مجھ سے بات مت کروایئے گا۔ ان کا میرے اوپر احسان ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے سامنے ان کو کچھ ایسا بول دوں جس پہ مجھے بعد میں شرمندگی ہو۔''

ساری بات ہی ختم ہو گئی تھی۔ (کاش وہ اسپیکر آف رکھتی)

سیلون ایک کمرشل بلاک کی دو منزلوں پہ پھیلا تھا۔ تیسری اور چوتھی منزل پہ کوئی جم تھا۔ وہ اترنے لگی تو کیف نے پوچھا کہ کیا وہ اسے اندر دروازے تک چھوڑنے آئے؟ مگر کشمالہ نے منع کر دیا۔ سیلون اس کی کزن کا تھا۔ یونہی اس نوجوان کو ساتھ دیکھ کے باتیں بنتیں۔

اسے وہاں دو گھنٹے لگ گئے۔ جب وہ واپسی پہ لفٹ میں سوار ہوئی تو اندر کوئی اور بھی تھا۔ ایک ہٹا کٹا سا آدمی جو اس کی طرف پہلو کیے کھڑا تھا۔ وہ نظر انداز کر کے اندر آئی اور گراؤنڈ فلور کا بٹن دبایا۔

جو کچھ ہوا ایک لمحے میں ہوا۔ کسی نے اس پہ پیچھے سے حملہ کیا۔ وہ اوندھے منہ نیچے گری۔ سر کے پچھلے حصے میں درد کی شدید لہر اٹھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

''باس...باس..''

کشمالہ نے آنکھیں کھولیں۔ بصارت کے آگے اب بھی دھند تھی۔اس نے پلکیں جھپکائیں۔

وہ لفٹ کے فرش پہ چہرے کے بل گری ہوئی تھی۔اس کے سامنے وہ پنجوں کے بل بیٹھا اسے پکار رہا تھا۔وہ بدقت ہتھیلی کے بل اٹھی۔ پھر چونک کے ادھرادھر دیکھا۔

لفٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔وہ گراؤنڈ فلور تھا۔باوردی گارڈ باہر کی طرف کھڑا تھا۔اور کیف اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں؟''وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔اس کا ہاتھ بے اختیار سر کے پچھلے حصے کی طرف گیا۔درد کی ٹیس ابھی تک اٹھ رہی تھی۔

''کیا ہوا مجھے؟''اس نے الجھن سے ادھرادھر دیکھا۔

''لفٹ نیچے آئی تو آپ اندر بے ہوش تھیں۔گارڈ کو معلوم تھا کہ آپ کس کار سے نکلی تھیں'اس لیے وہ مجھے بلا لایا۔آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟''

''ہاں۔میں ٹھیک ہوں۔چلو۔''وہ تکلیف برداشت کرتے ہوئے اٹھنے لگی۔

''مگر ہوا کیا تھا؟''وہ تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''چلو نا۔''اس سے پہلے کہ لوگ جمع ہوتے'وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔سر گھوم رہا تھا لیکن وہ بظاہر خود کو سنبھالے قدم اٹھانے لگی۔

''پرس مجھے دیں۔''اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے پرس لے لیا۔پھر وہ گارڈ کے سامنے رکا۔بٹوے سے پانچ سو کا نوٹ نکال کے اسے تھمایا'اس کا شکریہ ادا کیا اور کشمالہ کے پیچھے چل دیا۔کسی نے گارڈ کو روک کے پوچھا کہ کیا ہوا تھا۔

''وہ ایک باجی سیلون آئی تھیں۔ان کی شاید طبیعت خراب ہوگئی تھی۔میں ان کے شوہر کو پارکنگ سے بلا لایا۔''وہ قصہ بیان کررہا تھا۔

''سیدھے گھر چلو۔''اس کا سر شدید درد کررہا تھا۔سیٹ کی پشت سے اسے ٹکا دیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

''پہلے مجھے بتائیں ہوا کیا تھا؟''وہ کہتے کہتے چونکا۔''کسی نے کچھ کیا ہے؟میں ابھی دیکھتا ہوں۔''کیف نے تیزی سے سیٹ بیلٹ کھولی اور باہر نکلنے لگا جب مالا نے روکا۔

''واپس بیٹھو کیف۔'' انداز میں تحکم بھی تھا اور تکان بھی۔ ''یہ میری کزن کا سیلون ہے۔ یہاں تماشہ نہیں بنانا۔ خاندان میں باتیں بنتی ہیں۔''

''مجھے بتائیں تو سہی کہ ہوا کیا ہے۔''

وہ اس کی طرف رخ موڑ کے بیٹھا اور سنجیدگی سے پوچھا۔ ماتھے پہ بل تھے۔ آنکھوں میں غصہ بھی تھا۔

اسے جو یاد تھا' بتا دیا۔

''میں نے اس کا چہرہ دیکھا تھا مگر میں اس کو نہیں جانتی۔ اور لفٹ میں سی سی ٹی وی بھی نہیں تھا۔''

''لفٹ کے باہر تو ہوگا۔ مجھے دیکھنے تو دیں۔ میرا کیا فائدہ آپ کو اگر میں یہ چیزیں مینیج نہیں کر سکتا؟'' اسے غصہ آ رہا تھا۔ یہ طے تھا کہ وہ نہ پولیس رپورٹ درج کروائے گی نہ شور ڈالے گی۔

''میں نے کہا نا' یہاں تماشہ نہیں بنانا۔ گھر چلو۔'' وہ تکان سے بولی۔ سر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ اس آدمی نے اسے بہت زور سے مارا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ مگر میں واپس آؤں گا۔ اور آپ کا نام لیے بغیر ان کے ریکارڈز ضرور نکلواؤں گا۔ ایسے کیسے کوئی آپ پہ حملہ کر سکتا ہے۔'' وہ ڈرائیو کرتے ہوئے برہمی سے کہہ رہا تھا۔ اس نے پہلی دفعہ کیف کو غصے میں دیکھا تھا۔

''جیسے وہ میرے گھر میں خون پھینکواتا ہے۔ ایسے ہی وہ مجھ پہ حملہ بھی کر سکتا ہے۔''

''اس نے اپنا چہرہ نہیں ڈھانپا ہوا تھا اس لیے میرا نہیں خیال کہ وہ آپ کا تعاقب کار تھا۔ کوئی کرائے کا آدمی ہوگا۔ مگر اس نے ایسا کیوں کیا؟'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''ایک منٹ اپنا پرس چیک کریں۔ کچھ مسنگ تو نہیں ہے۔''

اس کا ذہن ابھی تک شل تھا۔ وہ جو اتنے عرصے سے صرف ایک وہم لگتا تھا' وہ آج حقیقت بن کے سامنے آ گیا تھا۔ ایسے میں اسے پرس کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔

اس نے پرس کھولا اور اندر سے ایک ایک چیز نکال کے دیکھنے لگی۔ موبائل۔ بینک کارڈز۔ کیش۔ سب ویسا ہی تھا۔

البتہ ایک چیز وہاں ایسی بھی تھی جو اس کی نہیں تھی۔

''اس نے میرے بیگ میں کچھ رکھا ہے۔'' وہ تعجب سے بولی تو کیف نے بیک ویو مرر کا رخ ٹھیک کیا اور اس کے عکس میں مالا کو دیکھا۔ وہ ایک سلور رنگ کا لائٹر الٹ پلٹ کے دیکھ رہی تھی۔

''کوئی میرے بیگ میں سگریٹ لائٹر کیوں رکھے گا؟''

''مجھے دکھائیں۔ کوئی ریکارڈنگ ڈیوائس بھی ہو سکتی ہے۔''

لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ لائٹر کی نچلی سائیڈ کو اوپر اٹھائے کچھ دیکھ رہی تھی۔

''وہ مجھے اپنا نام بتانا چاہتا ہے۔'' وہ تلخی سے مسکرائی۔ ''لائٹر پہ اس کا نام لکھا ہے۔''

''واقعی؟'' کیف کو حیرت ہوئی۔ موڑ کاٹتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا لکھا ہے؟''

کشمالہ نے لائٹر پہ لکھے دو الفاظ پڑھے۔

''ماہر فرید۔''

اس نے ایک جھٹکے سے بریک لگائی۔ کار کے ٹائر چرچرائے۔

''آرام سے کیف۔''

لیکن وہ تیزی سے پیچھے گھوما اور لائٹر اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ پھر اسے اونچا اٹھا کے دیکھا۔

اس پہ واقعی انگریزی میں لیزر انگریونگ سے ماہر فرید لکھا تھا۔

کیف کا حلق خشک ہونے لگا۔ (ناممکن)

''بالآخر مجھے میرے تعاقب کار کا نام معلوم ہو گیا ہے۔''

کیف نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ گلابی سا ہو رہا تھا۔ سبز آنکھوں میں الجھن تھی۔ ناسمجھی تھی۔

اس نے بہت سا تھوک خشک گلے سے نیچے اتارا۔

''آپ کسی ماہر فرید کو جانتی ہیں؟'' لہجہ سرسری بنایا۔

''نہیں۔'' کشمالہ نے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ ''میں نے یہ نام ہی پہلی دفعہ سنا ہے۔''

''میں یہ لائٹر رکھ لوں؟ اس کو چیک کرنا ہو گا۔ اندر کوئی ریکارڈنگ ڈیوائس نہ ہو۔''

کشمالہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ واپس کار اسٹارٹ کرنے لگا البتہ اس کے چہرے کی رنگت اڑی اڑی سی تھی۔

گھر کے پورچ میں جب وہ کار سے نکلی تو وہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ پریشان لگ رہا تھا۔

''صفورا تمہارے بارے میں غلط تھی۔ جو لوگ پیسے کے لالچی ہوتے ہیں وہ گارڈز کو ٹپ نہیں دیتے۔''

وہ چونکا۔ اس حالت میں بھی وہ نوٹ کر گئی تھی۔ وہ پھیکا سا مسکرایا۔ ''آپ نے پٹرول کے جو پیسے دیے تھے اس

میں سے دیا تھا۔"

اس کے جانے کے بعد کیف کے تاثرات بدلے۔ چہرے پہ برہمی در آئی۔ اس نے فون نکالا اور وائٹ ہنیر کی چیٹ کھولی۔

"تم میرے ساتھ کوئی ڈبل گیم کھیل رہے ہو؟ یہ حرکت تمہاری یا تمہارے آدمیوں کی ہے نا؟" انگلیاں تیزی سے ٹائپ کر رہی تھیں۔ وہ شدید بے بسی محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس شام مبین منزل میں گہما گہمی کا عالم تھا۔ سب شادی میں جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ معید کسی باتھ روم سے چلاتا اپنے کپڑے مانگ رہا تھا۔ ماں خود تخت پہ بیٹھی تھیں۔ بالوں میں صبح ہی ہیئر ڈائی لگایا تھا۔ سو اب وہ سفید نہیں گہرے بھورے لگ رہے تھے۔ گرے رنگ کا کامدار جوڑا پہنے وہ کلائیوں میں سونے کے کنگن پہن رہی تھیں۔ لمبے بال کھلے تھے۔ بخت بی ان میں کنگھی پھیر رہی تھی۔

سامنے گاؤ تکیے پہ ان کا موبائل کھڑا رکھا تھا جس پہ ماہی نظر آ رہی تھی۔ وہ کچن کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی تھی۔ ایپرن پہنے' چھوٹے بالوں کی پونی بنائے وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے تفتیشی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ائیر رنگز دکھائیں مجھے۔" کینیڈا سے حکم آیا۔

ماں نے چہرہ ترچھا کر کے ایک کان دکھایا۔ ماہی نے ماتھے کو چھوا۔

"اُف ماں۔ یہ کیا انیس سو دس والے کانٹے پہن لیے ہیں۔ وہ گرے اسٹونز والے ٹاپس کہاں ہیں جو میں لبرٹی سے لائی تھی۔"

"کہاں رکھے ہیں؟" ماں سر جھکائے اپنے جیولری باکس میں سے ڈھونڈنے لگیں۔ ماہی کا حکم وہ نہیں ٹالا کرتی تھیں۔

"جیولری باکس کا سب سے نچلا خانہ دیکھیں۔" ماہی کو یاد تھا۔ اسے ماں کی ہر چیز یاد رہتی تھی۔

ٹاپس وہیں تھے۔ ماں نے انہیں نکال کے اونچا کیا۔ وہ واقعی بہت حسین تھے۔ سونے کے کانٹے اتار کے انہیں کانوں میں پہنا تو چہرے کا وقار مزید بڑھ گیا۔

"اچھا بتاؤ شال کون سی لوں؟" وہ اپنی سمجھدار بیٹی سے پوچھ رہی تھیں۔

"مالا سے کہیں وائٹ والی شال نکال دے جس کا گرے بارڈر ہے۔" ماں نے مڑ کے دیکھا۔ مالا لاؤنج کی

ایک کرسی پہ بیٹھی موبائل پہ لگی تھی۔ کھوئی کھوئی سی۔ جب سے وہ سیلون سے آئی تھی وہیں بیٹھی تھی۔

"مالا ... بیٹے وہ وائٹ شال تو نکال دو۔ اور تم کب تیار ہو گی؟" پھر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ "تمہیں کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں۔ سر میں درد ہے۔ میں شال نکالتی ہوں۔" وہ وہاں سے اٹھ گئی۔ اس نے کمرے میں پہلے سے وہی سفید شال نکال رکھی تھی لیکن ماں کو دی نہیں تھی۔ ماں اسے تب پہنیں گی جب ماہی کہے گی۔ ماں کو صرف ماہی کی چوائس پہ اعتبار تھا۔

ماہی یہاں ہوتی تھی تو فنکشنز وغیرہ پہ ماں کو خود تیار کرتی۔ جب سے وہ کینیڈا گئی تھی ٗ ویڈیو کال پہ یہی کام کرواتی۔ ماں کے کپڑے حتیٰ کہ مالا کے بھی اکثر کپڑے ماہی لیا کرتی تھی۔ اس کو شوق تھا دکانداروں سے لڑ لڑ کے قیمتیں کم کروانے کا۔ یہ ٹاپس بھی اس نے مالا کے ساتھ ہی لیے تھے۔ مالا کہتی رہی کہ اب چھوڑ دو۔ وہ پندرہ سو سے کم میں نہیں دے گا۔ لیکن ماہی بھی ڈٹی رہی۔ نہیں۔ یہ مجھے آٹھ سو میں دے گا۔ دیکھ لینا۔ اور پندرہ منٹ بعد ماہی وہ ٹاپس آٹھ سو میں لے کر ہی ہٹی تھی۔

شال ماں کو دینے آئی تو ماہی ویڈیو کال پہ کہہ رہی تھی۔

"فنکشن کی ساری تصویریں فوراً سے مجھے بھیجنی ہیں آپ نے ٗ ماں۔ آپ کے باقی دونوں بچے ہر فنکشن میں مجھے بھول جاتے ہیں۔ ہائے کاش میں پاکستان میں ہوتی۔"

"اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں ہر حال میں ٗ ماہی۔" ماں نے ٹوکا۔ "شکر کرو اللہ نے تمہیں شادی کے پانچ سال بعد خوشی دکھائی ہے۔ بس خوب کھاؤ پیو اور اپنا خیال رکھو۔ شادیاں تو ہوتی رہتی ہیں۔"

"ہاں چھوٹی بی بی۔" بخت بی بی ماں کے کندھے کے پیچھے سے کال میں شامل ہوئی۔ وہ کینیڈا کی کال پہ اتنا اونچا بولتی تھی کہ جیسے آواز ہوا کے دوش پہ کینیڈا جانی ہے۔ "تیری ماں نے بڑی دعائیں کی ہیں تیری گود ہری ہونے کے لیے۔ ہر وقت کہتی تھی اللہ میری ماہی کو بچہ دے۔ تو بس اپنا خیال رکھ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ عباد کی نوکری نہ ہوتی تو میں کبھی کینیڈا نہ رہتی۔ بورنگ ٹھنڈا ملک۔" ماہی روہانسی ہو کے بولی۔ پھر کچھ یاد آیا۔ "شادی پہ کبیرہ تائی بھی ہوں گی نا۔"

ماں کے چہرے پہ ناپسندیدگی ابھری۔ سر جھکا کے تخت پہ بکھری اپنی چیزیں سمیٹنے لگیں۔ "پرے کرو اس کو۔ ہمیں کیا۔"

''دیکھنا آپ۔ وہ شادی پہ آئیں گی اور سارے رشتے دار آپ کو جلانے کے لیے ان کے پاس جا کے خوب ہنسیں بولیں گے۔ دیکھنا۔''

معید تیار ہو کے آ گیا تھا اور اب صوفے پہ بیٹھ کے جوتے پہن رہا تھا۔ منہ میں بڑبڑایا۔

''لاہور اور اس کے مضافات میں غیبتوں کا وقت ہوا چاہتا ہے۔''

ماہی اس بات کا کرارا سا جواب دیتی لیکن اسے کچھ نظر آیا تھا۔ اسکرین پہ چہرہ قریب کیا اور تفتیشی انداز میں سوال کیا۔

''یہ باہر لان میں کون ہے؟'' ماہی کی تیز نظریں ماں کے پیچھے کھڑکی پہ جمی تھیں۔

ماں نے ایک نظر کھڑکی کو دیکھا جہاں لان میں موبائل پہ لگا کیف ٹہلتا نظر آ رہا تھا۔

''اپنی بہن سے پوچھو۔ وہی ساتھ لائی ہے۔''

ماں نے مالا کو فون پکڑا دیا اور خود گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ کے اٹھیں۔ ان کا رخ کمرے کی جانب تھا۔ ابھی انہوں نے جوتے پہننے تھے۔

''میرا ڈرائیور ہے۔ اور اسسٹنٹ بھی۔'' مالا نے فون تھام لیا۔ ماہی بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''ذرا قریب سے دکھاؤ اس کی شکل۔'' ماہی کی آنکھوں میں شرارت ابھری۔ اپنے سامنے لاؤنج میں کام کرتے ہوئے عباد کو دیکھ کے اونچا سا بولی۔ ''بڑا عرصہ ہو گیا کوئی ہینڈسم آدمی نہیں دیکھا۔''

عباد پہ اثر نہیں ہوا۔ لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹائے بغیر بولا۔ ''آئینہ دیکھ لو۔ خود بھی تم کسی مرد سے کم نہیں لگ رہیں۔''

ماہی کی ہنسی غائب ہوئی۔ چہرہ سرخ ہوا۔

''سنو۔ تم لوگ شادی اٹینڈ کرو۔ میں ذرا آتی ہوں۔'' اس نے فون بند کر دیا۔

برٹش کولمبیا میں اب جنگ عظیم چھڑنے والی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نکاح کا وینیو سفید اور سبز رنگ میں سجا تھا۔ اونچی چھت سے جگہ جگہ فانوس لٹک رہے تھے۔ اسٹیج بھی سفید پھولوں اور سبز پتوں سے مزین تھا اور مہمانوں کی میزوں کے گرد رکھے صوفے بھی سفید تھے۔

وہ ماں کے ساتھ ایک تھری سیٹر صوفے پہ بیٹھی تھی۔ ماں چند رشتے دار خواتین سے باتوں میں مصروف

تھیں۔ معید ہم عمر کزنز کی طرف چلا گیا تھا لیکن وہ خود کو یہاں زیادہ محفوظ تصور کر رہی تھی۔ اگر وہ کزنز میں گئی تو سب کی زبان پہ ایک ہی سوال ہونا تھا۔ اوشن بند کیوں ہو گیا؟ اور کیا اب وہ جاب لیس ہو گئی ہے؟ اور اس وقت وہ اس سوال کا سامنا کر کے موڈ نہیں خراب کرنا چاہتی تھی۔

ویسے بھی اسے ماں پہ نظر رکھنی تھی۔ ان کی شوگر کنٹرول میں نہیں تھی۔ اور شادیوں پہ تو وہ کچھ زیادہ ہی دل کھول کے کھاتی تھیں۔ معید ان کی شوگر کا اتنا دھیان نہیں رکھتا تھا کہ وہ گھر ہی کب ہوتا تھا۔ لیکن آج وہ دیکھے گی کہ ماں کیسے میٹھا کھاتی ہیں۔

ماں ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ شال ایک کندھے پہ تھی۔ شفون کا گرے ڈوپٹہ سر پہ تھا۔ وہ ہلکے کاجل اور لپ اسٹک کے ساتھ بہت باوقار لگ رہی تھیں۔ کسی کو اپنے گھٹنوں کے درد کا بتا رہی تھیں اور رشتے دار خاتون ان کو کوئی دیسی ٹوٹکا بتا رہی تھیں جو ان کے میاں نے فیس بک پہ پڑھا تھا۔

واقعی۔ حورِ جہاں جیسی خوبصورتی اسے ماہی یا معید کو نہیں ملی تھی۔ ''ناٹ فیئر اللہ تعالیٰ'' آسمان کو شاکی نظروں سے دیکھا۔

''حورے بھابھی... آپ گھٹنوں کا آپریشن کروا ہی لیں۔ میں نے خود کروایا ہے۔ مجھو نئی زندگی مل گئی ہے۔'' خاتون نے مشورہ دیا۔ ماں کا نام حورِ جہاں تھا۔ حور کے نیچے زیر تھی۔ (اسے حورے جہاں پڑھتے تھے) اسی لیے بہت سے رشتے دار ان کو اب بھی حورے کہتے تھے۔

''نہ بابا نہ۔ میں نے نہیں آپریشن کروانا۔'' ماں نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ''انسان کبھی پیچھے کو نہیں پلٹتا ہوتا۔ اب جیسے ہیں گھٹنے ویسے ٹھیک ہیں۔''

''ماں'' اس نے ماں کے قریب سرگوشی کی۔ ''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے نا کہ آپ میٹھا نہیں کھائیں گی۔ آج صبح آپ کی فاسٹنگ شوگر ایک سو چالیس تھی۔'' نرمی سے تنبیہہ کی۔

ماں دوسری جانب جھک کے ان خاتون سے کسی بہت اہم موضوع پہ بات کرنے لگیں۔ یوں ظاہر کیا جیسے مالا کی بات سنی ہی نہ ہو۔

دفعتاً ساتھ بیٹھی ممانی کسی کو دیکھ کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ کشمالہ نے نظریں اوپر اٹھائیں۔

سامنے نگینہ آنٹی کھڑی تھیں۔ وہ جو اس روز اسلام آباد میں اپنے بیٹے کے ساتھ ماموں کے پورشن میں آئی تھیں۔ انہوں نے سفید سلک کا ڈریس پہن رکھا تھا۔ سر پہ دوپٹہ تھا۔ وہ مسکرا کے پہلے ممانی سے ملیں۔ پھر ماں

سے۔ ماں ان کو دیکھ کے خوش ہوئیں۔ اپنے پاس صوفے پہ جگہ دی۔
''تم کب آئیں دبئی سے؟''
''زیاد اور میں پچھلے ہفتے آئے ہیں۔ اتنے عرصے بعد کسی خاندان کی شادی میں شرکت کررہے ہیں۔ یہ کون سی والی بیٹی ہے تمہاری ماشاءاللہ سے؟'' انہوں نے مسکرا کے مالا کی طرف دیکھا تو وہ بھی مسکرادی۔
''میں کشمالہ ہوں۔ مجھ سے چھوٹی ماہی کینیڈا ہوتی ہے۔''
''ارے ہاں۔ تم تو اسلام آباد ہوتی ہو نا۔ ہم تمہارے ماموں کی طرف گئے تھے اس دن۔'' نگینہ آنٹی نے ممانی کو دیکھ کے کہا۔ ''پتہ چلا تم سو رہی ہو۔ ورنہ ضرور ملاقات ہوتی۔''
''جی مجھے پتہ چلا تھا۔'' وہ مسکرا کے بولی۔
''زیاد کیسا ہے؟ کیا کررہا ہے آج کل؟'' ماں رسماً نگینہ بیگم سے پوچھنے لگیں۔
''زیاد رائٹر ہے۔ کتابیں لکھتا ہے۔ ساتھ ایک ڈیجیٹل مارکیٹنگ فرم میں بہت اچھی جاب بھی کررہا ہے۔ مگر بڑے عرصے سے کچھ لکھا نہیں۔'' کہتے ہوئے نگینہ آنٹی کی آواز میں اداسی گھل گئی۔
مالا کی متلاشی نظریں سارے میں گھومیں۔ اور پھر وہ اسے نظر آ ہی گیا۔ وہ کچھ مردوں کے ایک گروپ کے ساتھ کھڑا تھا۔ ٹال ڈارک اینڈ ہینڈسم۔ سیاہ بالوں کو جیل سے پیچھے کیے وہ دوسرے کزنز کی طرح کرتے شلوار میں ملبوس تھا۔
اس وقت وہ سنجیدگی سے کسی کی بات کا جواب دے رہا تھا۔ دن کی روشنی میں زیادہ جاذب نظر تھا۔
''اس کی منگنی کی تھی تم نے کچھ عرصہ پہلے۔ کوئی مسئلہ ہوا تھا پھر۔'' ماں کو یاد آیا۔
بظاہر دوسری طرف دیکھتی کشمالہ کے کان کھڑے ہو گئے۔
''بس بھابھی۔ کیا بتاؤں۔ اس کی منگیتر کی ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی تھی۔ وہ زیاد کی اپنی پسند تھی۔ اس نے دل پہ بہت بوجھ لے لیا ہے۔ ڈیڑھ سال ہو گیا ہے اس بات کو۔ اب میرا بیٹا شادی کا نام ہی نہیں لیتا۔'' نگینہ بیگم دور نظر آتے اپنے بیٹے کو دیکھ کے اداسی سے بولیں۔ ماں بھی افسوس سے خاموش ہو گئیں۔
''حورے بھابھی۔ آپ اتنی نیک ہیں۔'' انہوں نے ماں کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔ ''آپ میرے زیاد کے لیے دعا کیا کریں کہ وہ اس ٹراما سے نکل آئے اور نئی زندگی شروع کرے۔''
''کیوں نہیں نگینہ۔ میں ضرور دعا کروں گی۔'' ماں نے خلوصِ دل سے کہا۔

ایک بلند آواز کانوں میں پڑی تو کشمالہ نے چونک کے نظریں گھمائیں۔سبزہ زار کی انٹرنس پہ ایک اونچا نسوانی قہقہہ گونجا تھا۔ یہ اس بات کا غماز تھا کہ کبیرہ بیگم پہنچ چکی تھیں۔

یہ طے تھا کہ وہ ہر فنکشن پہ جان بوجھ کے دیر سے آتی تھیں تا کہ ہر نظر ان کی طرف اٹھے۔اور واقعی وہ اتنی خوبصورت تھیں کہ ایسا ہی ہوتا تھا۔

آج بھی وہ اینٹرنس پہ چند خواتین کے جھمگٹھے میں کھڑی اونچے قہقہے لگاتے ہوئے سب کی توجہ گھیر رہی تھیں۔ نیلے رنگ کی سلیولیس ساڑھی میں ملبوس تھیں۔ کانوں اور گردن میں چمکتے ہوئے ڈائمنڈز پہن رکھے تھے۔ بال بوائے کٹ میں کٹے تھے۔(اگر لمبے رکھتیں تو زیادہ خوبصورت لگتیں لیکن وہ جانتی تھی کہ تائی بال چھوٹے کیوں رکھتی ہیں۔اس کی بھی ایک مضحکہ خیز سی وجہ تھی)

اب وہ چلتی ہوئی باری باری مہمانوں سے ملتی جا رہی تھیں۔اپنی طرف بڑھتے ہاتھوں کو غرور سے ذرا سا ملا کے چھوڑ دیتیں۔

ممانی ان رشتے داروں میں سے تھیں جن کی کبیرہ تائی سے بہت بنتی تھی۔وہ ان کو دیکھ کے اٹھ کھڑی ہوئیں اور نگینہ سے بولیں۔"آپ نے نہیں ملنا کبیرہ سے؟"

"نہیں تابندہ۔میرا کبیرہ سے کوئی رشتہ نہیں۔البتہ میرا حورِ جہاں بھابھی سے رشتہ ہے۔اگر کبیرہ حورِ جہاں بھابھی سے ملنے خود نہیں آسکتی تو میں کیوں جا کے اس سے ملوں۔" پھر چہرہ موڑ کے ماں کو دیکھا۔"ہاں تو آپ کہہ رہی تھیں..."

سادہ۔دوٹوک انداز۔ممانی پہ تو گھڑوں پانی پڑ گیا۔کشمالہ اندر ہی اندر مسکرا دی۔کوئی تو رشتے دار تھا جو ماں کا ساتھ دے رہا تھا۔ورنہ سب کبیرہ کی دولت کی چمک دمک سے اتنے متاثر تھے کہ اس کے گرد مکھیوں کی طرح بھنبھناتے تھے۔

ماہی کے میسجز آ رہے تھے۔تصویریں بھیجو۔اس کے فون کی بیٹری کم تھی اور وہ بیٹری پیک کار میں بھول آئی تھی۔اس نے کیف کو کال کی اور اسے بیٹری پیک لانے کو کہا۔

کیف جب سفید پھولوں سے سجے وسیع ہال میں آیا تو وہ اسے سامنے ہی نظر آ گئی۔صوفوں پہ خواتین کے ایک گروپ میں بیٹھی وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بس مسکراتے ہوئے سب کی باتیں سن رہی تھی۔اس نے آف وائٹ کامدار ڈریس پہن رکھا تھا۔بال چہرے کے ایک طرف ڈالے ہوئے تھے۔کانوں میں بڑے بڑے سلور جھمکے نظر آ

رہے تھے۔

اس کا چہرہ سادہ تھا۔ جلد اعتبار کرنے والا۔ آنکھیں ذہین تھیں لیکن چالاک نہ تھیں۔ ایسی آنکھیں جو مہربان ہوتی ہیں۔ شک نہیں کرتیں۔ انتقام نہیں لیتیں۔ وہ لوگوں کی اچھائی پہ نظر رکھتی ہیں۔

اور وہ ایسی لڑکی کو دھوکہ دے رہا تھا۔ کیف کے چہرے پہ کرب ابھرا۔ اس کا دل برا ہونے لگا۔

ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ اسے ایک کونے میں لے جائے۔ اور اس کو بتائے کہ اس سے بڑی غلطی ہو گئی تھی۔ وہ جھوٹ اور دھوکے کے ساتھ مالا کی زندگی میں شامل ہوا تھا۔ اب بھی وقت تھا۔ وہ سب کچھ کلیئر کر سکتا تھا۔ اس سے معافی مانگ سکتا تھا۔ وہ اس مہربان لڑکی کو بتانا چاہتا تھا کہ کسی کے پاس اس کی تصویر ہے اور وہ اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اور وہ کوئی عام شخص نہیں ہے۔ وہ ایک سائیکو پیتھ ہے۔ کوئی عام شخص ایسی البم نہیں بناتا۔

مالا نے اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ صوفے سے اٹھ کے اس کی طرف آ گئی۔ کیف نے بیٹری پیک اس کی طرف بڑھا دیا۔ بولا کچھ نہیں۔ وہ یہ سب اسے نہیں بتا سکتا تھا۔ اس کی اپنی مجبوریاں تھیں۔

سچ بولنا جھوٹ بولنے سے زیادہ تکلیف دہ تھا۔

''تھینک یو کیف۔'' وہ بیٹری پیک پکڑتے ہوئے مسکرائی۔ وہ دونوں ایک پھولدار ستون کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''میں سیلون گیا تھا۔ میں نے آپ کا نام نہیں لیا۔ جم کے کیمرے کا رزلٹ بہت مدھم تھا۔ آپ کے بتائے حلیے کا شخص لفٹ میں سوار ہوا تھا اور واپس جم میں ہی اتر گیا تھا۔ لیکن اس کی شکل واضح نہیں ہے۔ میں نے فوٹیج آپ کو ای میل کی ہے۔''

''کیا فائدہ؟ میں اس کو نہیں پہچانتی تھی۔''

''آر یو شیور آپ کسی ماہر فرید کو نہیں جانتیں؟'' اس نے لہجے کو سرسری سا بنایا۔ کشمالہ نے کندھے اچکا دیے۔

''جو آج ہوا ہے وہ اچھا نہیں ہوا۔ یہ دوبارہ بھی ہو سکتا ہے۔ پولیس تک آپ نہیں جانا چاہتیں۔ اس لیے آئندہ آپ میرے بغیر کہیں نہیں جائیں گی۔ میں قریب رہوں گا۔'' کیف اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ آپ نے مجھے سب کچھ نہیں بتایا۔ آپ پولیس تک کیوں نہیں جانا چاہتیں؟ کچھ ہے جو آپ اپنے تعاقب کار کے بارے میں جانتی ہیں۔'' آواز دھیمی کی۔ ''دیکھیں۔ میں آپ کا باڈی گارڈ ہوں۔ آپ کو مجھ پہ اعتبار کرنا ہوگا۔ اگر آپ کچھ بھی اور جانتی ہیں تو مجھے بتا دیں۔ کچھ بھی ایسا جو ابھی تک آپ نے مجھے نہیں بتایا۔''

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر ایک قدم آگے ہوئی۔ فنکشن کے شور اور ہنگامے میں ان کی آواز دور نہیں جا سکتی تھی۔ کشمالہ نے آواز سرگوشی میں بدل دی۔

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ ایک آدمی کے پاس میری ایک تصویر ہے۔ اس تصویر کی بیک پہ لکھا ہے حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ۔ اور وہ آدمی مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔'' کشمالہ سرگوشی کر کے پیچھے ہوگئی۔

اور کیف کے لیے ایک دم ساری دنیا برف ہوگئی۔ وہ جہاں تھا وہیں جم گیا۔ ٹھنڈا اور ساکت۔

''آپ یہ کیسے جانتی ہیں؟ اور کون آدمی ہے وہ؟'' وہ بدقت بول پایا۔

کشمالہ گردن موڑ کے دوسری جانب دیکھنے لگی۔ ''میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی'' وہ واپس صوفوں کی طرف چلی گئی۔

وہ برف کا مجسمہ بنے وہیں کھڑا رہ گیا۔

وہ کس کھیل کا حصہ بن گیا تھا؟ یہاں سب اس سے زیادہ جانتے تھے۔

ماں گھٹنوں کی وجہ سے اٹھ نہیں سکتی تھیں اس لیے وہ کھانا لگنے پہ بفے ٹیبل پہ چلی آئی تاکہ ماں کے لیے کھانا ڈال سکے۔ شادیوں کا مزہ ماہی کے ساتھ آتا تھا۔ تصویریں بنانا' اپنی میز پہ بیٹھ کے لوگوں اور کھانے پہ تبصرے کرنا۔ کس نے کیا پہنا ہے ڈسکس کرنا۔ ماہی کے بغیر سارے فنکشنز بے رونق تھے۔

وہ پلیٹ میں کھانا ڈال رہی تھی جب عقب میں نگینہ آنٹی کی آواز سنائی دی۔ وہ کسی سے کچھ کہتے ہوئے پلیٹ اٹھا رہی تھیں۔ مالا کا سارا وجود کان بن گیا۔ بظاہر وہ سر جھکائے کھانا نکالتی رہی۔ پھر پلٹی تو دیکھا' نگینہ آنٹی کے ساتھ ان کا بیٹا تھا جسے وہ کوئی ہدایت دے رہی تھیں۔ انہوں نے بھی اسی وقت اسے دیکھا۔ اسے دیکھ کے مسکرا دیں۔ پھر جیسے خیال آیا۔

''کشمالہ... تم زیاد سے ملی ہو؟''

اس نے زیاد کو دیکھا اور زیاد نے اس کو۔ یہ وہی تھا۔ بھورے کرتے والا۔ ٹال' ڈارک اینڈ ہینڈسم۔ چہرے پہ سادگی اور مسکراہٹ تھی۔ ایک تو کچھ مردوں کو اتنا اچھا لگنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔

بظاہر رسمی انداز میں مسکرائی۔ ''کیسے ہیں آپ؟ خوشی ہوئی آپ سے مل کے۔''

''مجھے بھی۔'' پھر ماں کو دیکھا۔ ''ہم انہی کے گھر گئے تھے نا؟'' جیسے یاد کروایا۔ وہ آہستہ بولتا تھا۔ نرمی اور شائستگی سے۔

''وہ ان کے ماموں کا گھر تھا۔ لیکن کشمالہ وہیں رہتی ہے۔''

زیاد نے ہوں کہہ کے سر ہلا دیا۔ گفتگو دم توڑ گئی۔ وہاں کھڑا رہنا آکورڈ لگتا تھا۔ وہ ان سے معذرت کر کے ماں کی پلیٹ لیے میز پہ واپس آ گئی۔ کھانا کھل چکا تھا اور سب اس وقت کھانے میں مگن تھے۔ اس نے ماں کے سامنے پلیٹ رکھی۔

انہوں نے ایک اچٹتی نگاہ پلیٹ میں موجود لوازمات پہ ڈالی۔ جیسے دلچسپی نہ ہو۔ پھر چہرہ ادھر ادھر گھمایا۔ کیف ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ ماں نے دور سے اسے اشارہ کیا۔

''لڑکے.... ادھر آؤ۔'' تحکم سے دو انگلیوں سے بلایا۔

کیف فوراً اس طرف آیا۔

''پہلے بتاؤ تم کون ہو؟ میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔'' ماں نے سر سے پیر تک اسے گھورا۔ کیف نے بے اختیار مالا کو دیکھا۔ پھر ماں کو۔

''میں کشمالہ بی بی کا ڈرائیور ہوں۔ کیف جمال۔''

''جو بھی ہو.... وہ پیچھے دیکھو ٹیبل پہ سفید رنگ کی کیا چیز رکھی ہے۔''

''وہ سفید رنگ کی چیز ڈیزرٹ ہے ماں۔ اور آپ وہ نہیں کھا سکتیں۔'' وہ دھیمی مگر سخت آواز میں بولی۔

ماں نے اسے گھور کے دیکھا'' میری ماں نہ بنو۔'' پھر انہی خشمگیں نظروں سے کیف کو دیکھا'' جاؤ۔ لے کر آؤ۔''

اس نے فوراً کشمالہ کو دیکھا۔ جس نے نفی میں گردن ہلائی۔ کیف نے ماں کو دیکھا۔ وہ اب کے سختی سے بولیں۔

''آواز نہیں آئی؟ لے کر آؤ۔''

''جی او کے۔'' وہ فوراً سے پلٹ گیا۔ کشمالہ نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

''ماں آپ کو شوگر ہے یار۔ نہ کریں ایسے۔''

ماں نے تو یوں ظاہر کیا جیسے سنا ہی نہیں ہے۔ کیف نے ڈش سامنے لا کے سروکی تو انہوں نے جی بھر کے ڈیزرٹ ڈالا۔

''اچھا تھوڑا کم کر دیں۔'' اس نے ہاتھ ان کے پیالے کی طرف بڑھایا تو ماں نے اس کے ہاتھ پہ چمچہ مارا۔

''میں نے کہا نا میری ماں نہ بنو۔ جاؤ یہاں سے۔''

وہ خفگی سے اٹھ گئی۔ پھر کیف کی طرف آئی۔ غصے سے اسے دیکھا۔

”تمہیں کس نے کہا تھا ڈیزرٹ لے آؤ؟“

”میں کیا کرتا؟ آنٹی غصہ کر رہی تھیں۔“

”غصہ ہی کر سکتی ہیں وہ۔ اٹھ کے تو نہیں جا سکتیں نا۔ ان کی فاسٹنگ ایک سو چالیس تھی صبح۔ حد ہے یار۔“ وہ جھنجھلائی ہوئی لگ رہی تھی۔

”باس.... “ وہ ہلکا سا کھنکھارا۔ ”آنٹی نے مجھ سے پوچھا کہ میں کون ہوں۔ وہ کل سے مجھ سے تین دفعہ یہی سوال پوچھ چکی ہیں۔“

”ماں کی عادت ہے مذاق کرنے کی۔ اب ان کو کچھ میٹھا نہیں دینا۔ او کے۔“ وہ تنبیہہ کر کے آگے بڑھ گئی۔ وہ بس اسے جاتے دیکھتا رہا۔

اس کا موڈ ماں کی اس حرکت پہ خراب ہو گیا تھا۔ وہ ایسے ہی بد دلی سے سینے پہ بازو لپیٹے بفے ٹیبل کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ اکثریت کھانا ڈال چکی تھی اس لیے یہاں رش کم تھا۔

تبھی قریب میں کوئی کھنکھارا۔ ”آپ کھانا نہیں کھا رہیں۔“

وہ چونکی۔ پھر سنبھلی۔ چہرے کے زاویے درست کیے۔

وہ زیاد تھا۔ ہاتھ میں پلیٹ لیے اس کے قریب آ رہا تھا۔ تشویش سے اسے دیکھا۔ پھر گردن موڑ کے اس میز کو جہاں ماں بیٹھی مزے سے ڈیزرٹ کھا رہی تھیں۔ زیاد ہلکا سا ہنس دیا۔

”اچھا۔ آپ کی بھی اپنی امی سے یہی لڑائی چلتی رہتی ہے۔“

کشمالہ نے افسوس سے ماں کی طرف دیکھا۔ ”میں ان کی گھٹنے کی سرجری کروانا چاہتی ہوں۔ شوگر کنٹرول نہیں ہو گی تو سرجری کیسے ہو گی۔“

”اس کا ایک حل ہے۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔ پھر اپنی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔ ”دو منٹ یہ پکڑیں۔“

کشمالہ نے ناسمجھی کے انداز میں پلیٹ پکڑی۔ زیاد گھوم کے بفے ٹیبل کے دوسری طرف گیا' ایک پیالہ چمچ اٹھایا اور واپس آیا۔ اب وہ ڈش سے ڈیزرٹ پیالے میں نکال رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

”اس کا حل یہ ہے کہ آپ پریشان نہ ہوں اور کچھ کھا لیں۔“ وہ پیالہ لے کر مسکراتا ہوا اس کے سامنے آیا۔ اسے پیالہ تھمایا اور اپنی پلیٹ واپس لی۔

''تھینک یو۔ مگر میں میٹھا نہیں کھاتی۔'' اس نے پیالہ رکھا نہیں۔ پکڑے کھڑی رہی۔ لیکن اسے ڈیزرٹ نہیں پسند تھا۔ سو یہ طے تھا کہ وہ نہیں کھائے گی۔

''اچھا؟'' وہ حیران ہوا۔ اپنی پلیٹ سے چاولوں کا چمچ بھرا۔ ''اس دن تو آپ ٹیرس پہ براؤنیز کھا رہی تھیں۔''

(اُف... اس نے اسے دیکھ لیا تھا۔)

''اچھا؟ مجھے یاد نہیں۔'' کندھے بے نیازی سے اچکا دیے۔ پھر بات بدلنے کو بولی۔

''آپ کیا لکھ رہے ہیں آج کل؟''

زیاد نے گہری سانس لے کر سر جھکا دیا۔ وہ چمچ سے چاول ادھر ادھر مکس کرنے لگا۔

''میں آج کل رائٹرز بلاک کا شکار ہوں۔ پاکستان آیا تھا کہ یہاں بیٹھ کے شاید کچھ لکھ سکوں۔ لیکن نہیں لکھ پا رہا۔''

''کیا لکھنا چاہ رہے ہیں آپ؟''

زیاد نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''وہی جو سب شوق سے پڑھتے ہیں۔ ایک عظیم لو اسٹوری۔''

اس نے دیکھا' زیاد سلطان کی آنکھیں اداس تھیں۔ ایسی آنکھیں جن کو محبت کے ہیپی اینڈنگ پہ بھروسہ نہیں ہوتا۔ اسے نگینہ آنٹی کی باتیں یاد آئیں۔

''آپ کی سپر پاور کیا ہے؟''

''میری سپر پاور؟'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں نا۔ ہر شخص کی ایک سپر پاور ہوتی ہے۔ آپ کس چیز میں اچھے ہیں؟ اگر آپ لو اسٹوری لکھنے کے بجائے وہ لکھیں جس میں آپ اچھے ہیں تو آپ کا یہ بلاک ختم ہو جائے گا۔''

''ہوں۔'' وہ مسکراہٹ دبائے سوچنے لگا۔ پھر اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ ''میں رائٹر ہوں۔ اور میرا مشاہدہ اچھا ہے۔ میں وہ نوٹ کرتا ہوں جو کوئی اور نوٹ نہیں کرتا۔''

''میں کیسے مان لوں؟''

''آزما کے دیکھ لیں۔''

''اچھا؟'' وہ اس کے چیلنج پہ مسکرائی۔ ''یہ جو سامنے لڑکی جا رہی ہے۔ اس کے بارے میں کچھ بتائیں۔''

نگاہوں سے اسٹیج کی طرف اشارہ کیا۔ وہاں عزہ کی بہن ویٹرز کو ہدایات دیتی نظر آرہی تھی۔ زیاد نے اس طرف دیکھا۔

''اس کے پیر میں ہائی ہیلز کی وجہ سے درد ہے اور وہ شدید اَن کمفرٹیبل ہے۔'' پھر زیاد نے چہرہ گھما کے اگلا ہدف ڈھونڈا۔ ''وہ ویٹر جو ٹرے اٹھائے جا رہا ہے' اس کی ابھی ابھی بے عزتی کی گئی ہے کیونکہ اس کے کان اور گال سرخ ہو رہے ہیں۔''

''آپ خود سے بنا رہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں' میں ان باتوں کی تصدیق نہیں کر سکتی۔''

''نہیں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ مثلاً آپ...'' اس نے ایک نظر غور سے کشمالہ کو دیکھا۔ اس کو اپنے دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوتی محسوس ہوئی۔ کوئی سحر سا تھا اس شخص کی آنکھوں میں۔

''آپ کے بارے میں کچھ بتاؤں؟''

''بتائیں۔'' لیکن وہ اندر سے خائف ہوئی۔ کہیں وہ جان نہ لے کہ وہ اس سے کتنا متاثر ہو رہی ہے۔

''آپ کی گردن یا سر کے پچھلے حصے میں درد ہے۔ آپ گردن اس طرف نہیں موڑ رہیں اور بار بار ہاتھ سے پیچھے دباتی ہیں۔''

وہ جھینپ کے ہنس دی۔ ہاتھ نیچے کیا۔

''اوکے مان لیا۔'' تسلیم کرنے کے انداز میں سر ہلایا۔

''تھینک یو۔'' زیاد کے چہرے پہ حیران سی ممنونیت تھی۔ ''آپ کی اس نصیحت نے میری مدد کی ہے۔ شاید مجھے وہ نہیں لکھنا جو مجھ سے میری ایڈیٹر لکھوانا چاہتی ہے۔ بلکہ مجھے وہ لکھنا چاہیے جو میں انجوائے کروں گا۔''

وہ مسکرا دی اور پیالہ لیے آگے بڑھ گئی۔

دور کسی سے بات کرتی کبیرہ بیگم نے غور سے ان دونوں کو باتیں کرتے دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ صبح بخت بی کے رونے کی آوازوں سے اٹھی۔ پہلے کچھ دیر تو بستر میں لیٹی پلکیں جھپک جھپک کے چھت کو دیکھے گئی۔ جب سے کام کرنا چھوڑا تھا' دن رات کا کوئی حساب نہیں تھا۔ ایک عجیب سی مایوسی ذہن پہ چھائی تھی۔ کام کرنے والی لڑکی کے لیے فارغ گھر بیٹھنا بہت مشکل تھا۔ خیر۔ آج وہ اپنے بزنس پلان پہ کام شروع کرے گی۔ ایک آئیڈیا آیا تھا اس کے ذہن میں۔

وہ بالوں کو جوڑے میں لپیٹتی باہر آئی تو بخت بی آنسو بہاتے ہوئے حورِ جہاں بیگم کو اپنی بیٹی کا قصہ سنا رہی تھی۔ وہی روایتی کہانی۔ شوہر کام نہیں کرتا۔ نشہ کرتا ہے۔ سارا دن گھر میں پڑا رہتا ہے۔ اور بیٹی کو مارتا ہے۔

''بخت بی۔'' اس نے پیچھے سے بخت بی کے دونوں کندھوں پہ ہاتھ رکھا اور سر جھکا کے نرمی سے تسلی دی۔ ''آپ اپنی بیٹی سے کہیں کہ وہ اسٹینڈ لے۔ ہم اس کے ساتھ ہیں۔''

بخت بی نے اپنا سانولا کھردرا ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھ دیا۔ ''وہ ڈرتی ہے جی۔''

مالا سیدھی کھڑی ہوئی اور افسوس سے بولی۔ ''واقعی۔ وہ بھی کیسے اسٹینڈ لے؟ جب تک عورت کے پاس تعلیم اور مالی خودمختاری نہیں ہوگی تب تک وہ ایسے ہی پٹتی رہے گی۔''

''مالا ٹھیک کہہ رہی ہے بختو۔'' ماں کے ماتھے پہ بل تھے۔ اور وجود میں جلال میں آیا ہوا تھا۔ وہ گود میں سبزیوں کی پرات رکھے تخت پہ بیٹھی تھیں۔ چھری والا ہاتھ اونچا کر کے بولیں۔ ''بیٹیوں کی طرح پالا ہے میں نے نسیم کو۔ اسے کہو میرے پاس آجائے۔ وہ اکیلی نہیں ہے۔ ہم اس کے سائیں بیٹھے ہیں ادھر۔''

وہ کچن میں آئی تو ڈرٹی کچن کی طرف کھلتا دروازہ نیم وا تھا۔ کیف وہاں کافی بناتا نظر آرہا تھا۔ آہٹ پہ پلٹا اور اسے وہاں کھڑے دیکھا۔

وہ خوابیدہ آنکھیں لیے بالوں کا گول مول جوڑا بنائے ہوئے تھی۔ رات والا میک اتارنے کے باوجود آنکھوں کے گرد ہلکی سی سیاہی تھی۔

''کافی بناؤں آپ کی؟'' وہ نظریں موڑ کے دوسری طرف پلٹ گیا۔

''ہاں پلیز۔'' توقف کیا۔ اور آواز آہستہ کی۔ ''پھر؟ کچھ نکلا لائٹر سے؟''

''اونہوں۔ عام سا لائٹر ہے۔ کچھ نہیں ہے اس میں۔'' وہ کین سے کافی بینز نکالتے ہوئے بولا۔ اس کے ہاتھ تیز تیز چل رہے تھے۔

''مالی خودمختاری اور تعلیم ... آپ کے خیال میں یہ چیزیں عورت کو ابیوز ہونے سے بچا سکتی ہیں؟''

فلٹر پیپر لگا کے کافی بینز اندر ڈالے۔ پھر اس کمپارٹمنٹ کو کھٹک کر کے بند کیا اور مشین آن کر دی۔

''تمہیں اختلاف ہے؟'' مالا کو تعجب ہوا۔

کیف اس کی طرف پلٹا۔ کاؤنٹر سے ٹیک لگائی اور سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔ جوگرز کی قینچی بنا لی۔

''ساری لڑکیاں ابیوز ہوتی ہیں مالا۔ بخت بی کی بیٹی اپنے شوہر کے ہاتھوں اور ایلیٹ کلاس کی لڑکی اپنے

بوائے فرینڈ کے ہاتھوں۔''

''یہ دونوں باتیں مختلف ہیں۔'' کافی میکر سے پانی ابلنے کی آواز آرہی تھی۔ سارے میں کافی کی خوشبو پھیل گئی تھی۔

''اونہوں۔ ایک ہی بات ہے۔ غریب کی لڑکی چائے دیر سے لائے تو شوہر کا موڈ خراب ہوتا ہے۔ وہ اس کو مارتا ہے۔ امیر کی لڑکی پارٹنر کے ساتھ ڈرگز نہ کرے تو پارٹنر کا موڈ خراب ہو جاتا ہے۔ اس کو خوش رکھنے کے لیے وہ ڈرگز پہ لگ جاتی ہے۔ دونوں ابیوز ہوتی ہیں۔ غریب لڑکی بھی۔ اور امیر پڑھی لکھی لڑکی بھی۔''

''تو وجہ کیا ہے؟''

''وجہ یہ ہے باس کہ کسی نے عورتوں کو نہیں سکھایا کہ مردوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے۔ اور کسی نے مردوں کو نہیں سکھایا کہ عورتوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے۔ کافی۔'' گرم مگ اس کی طرف بڑھایا۔

''انٹرسٹنگ۔ خیر... آج جیولرز پہ چلنا ہے۔''

''گولڈ لینا ہے تو چند دن ٹھہر جائیں۔'' وہ اب اپنی کافی کے لیے فریش بینز ڈال رہا تھا۔ ''تولہ ابھی ایک لاکھ سترہ ہزار کا ہے۔ ایک ہفتے میں یہ نوے ہزار تک گرے گا۔''

''تمہیں کیسے پتہ؟''

''کیف نے شانے اچکائے۔'' مجھے پتہ ہوتا ہے۔''

''چلیں آپ کی اطلاع کے لیے، مجھے بھی معلوم ہے کہ گولڈ گرنے والا ہے۔ میں نے خریدنا نہیں بیچنا ہے۔ کچھ bricks ہیں میرے پاس گولڈ کی۔ ان کو بیچ کے نیا کام شروع کرنا ہے۔''

اسی اثناء میں بخت بی کچن میں داخل ہوئیں۔ ایک نظر درمیانی دروازے کو دیکھا جو کھلا تھا اور پھر دوسری خشمگیں نظر کیف پہ ڈالی۔

''تمہارا کام ختم ہو گیا ہے تو کھڑے کیوں ہو؟''

کیف نے اپنا مگ اٹھاتے ہوئے فریج کی طرف اشارہ کیا۔

''میں کشمالہ بی بی سے کہہ رہا تھا کہ پتہ نہیں کون ناسمجھ ہے جو ڈبل روٹی کو فریج میں رکھ دیتا ہے۔ حالانکہ فریج میں رکھنے سے ڈبل روٹی جلدی خراب ہوتی ہے۔ اس کو ہمیشہ باہر روم ٹمپریچر پہ رکھتے ہیں۔'' معصومیت سے کہہ کے اپنا مگ لیے باہر نکل گیا۔ بخت بی نے پیر پٹخا۔

''میں بتا رہی ہوں مالا باجی' یہ ڈرائیور کم اور رواردا تیا زیادہ لگتا ہے مجھے۔''

وہ دل کھول کے ہنس دی۔ تبھی فون پہ ماہی کی کال آنے لگی۔ وہ بھی اپنا مگ لیے پچھلے دروازے کی طرف چلی گئی تاکہ لان میں جا کے تسلی سے ماہی سے بات کر سکے۔ یہاں بات کرتی تو لاؤنج میں ماں تک آوازیں جاتیں۔

''کل کی شادی کیسی رہی؟ تم لوگوں نے مجھے واپس آ کے فون ہی نہیں کیا۔'' ماہی الگ ناراض تھی۔

''تھک گئے تھے نا رات میں۔ اب سناتی ہوں سارے قصے۔'' وہ پچھلی گیلری میں مگ لیے آگے بڑھ رہی تھی۔ کیف بھی وہیں جا رہا تھا۔ آہٹ پہ رک کے ایک طرف ہو گیا۔ اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔

''پہلے یہ بتاؤ' زیاد کا کیا سین ہے؟ ماں بڑا ذکر کر رہی تھیں اس کا۔ کیسا ہے وہ؟'' ماہی کا لہجہ تفتیشی تھا۔ مالا مسکرا دی۔

''زیاد؟ ہوں۔'' مسکرا کے فون کان اور کندھے کے درمیان لگائے وہ آگے جا رہی تھی۔ ''ٹال' ڈارک اینڈ ہینڈسم۔''

وہ آگے نکل گئی اور کیف چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔

''صرف ٹال اور ڈارک تھا۔ ہینڈسم کہاں سے تھا؟ ہونہہ۔'' منہ میں بڑبڑایا۔

اگلا آدھا گھنٹہ وہ لان میں بیٹھی کافی پیتے ہوئے ماہی کو ساری شادی کا قصہ سنائے گئی۔ کس نے کیا پہنا۔ کون کون آیا۔ کون پہلے ملا اور کون نہیں ملا۔ اور ماہی کا فیورٹ سوال۔ کھانے میں کیا تھا؟

کال بند ہوئی تو اس نے دیکھا' ماں اب لان میں چلی آ رہی تھیں۔ ماں اس وقت پودوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ اپنے فربہ وجود کے ساتھ اب وہ قدم قدم چلتے ہوئے بوگن ویلیا کے درختوں کا معائنہ کر رہی تھیں۔ ہاتھ میں تسبیح تھی جس کے دانے بھی ساتھ ساتھ گر رہے تھے۔

''ادھر آؤ۔'' ماں کی نظر اس پہ پڑ گئی جو گارڈ روم کے ساتھ کرسی پہ بیٹھا لیپ ٹاپ پہ لگا تھا۔ دو انگلیوں سے اشارہ کر کے اسے بلایا۔

کیف نے پہلے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اسے ہی بلا رہی تھیں۔ پھر لیپ ٹاپ رکھ کے اٹھا۔ اور سیدھا ان کی طرف آیا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''کیف جمال۔''

''کب سے تم نے پودوں کو پانی نہیں لگایا۔ تنخواہ کس بات کی لیتے ہو؟''

''ابھی لگا دیتا ہوں۔''

''اب کیوں؟ شام میں یا صبح میں لگاتے ہیں پانی۔'' وہ بڑبڑا کے پودوں کی طرف مڑ گئیں۔ وہ متذبذب سا کھڑا رہا۔ جائے یا رکا رہے۔

وہ جو مسکرا کے یہ سب دیکھ رہی تھی' اٹھ کے ان کی طرف آ گئی۔

''ماں... سلیم لگا دے گا پودوں کو پانی۔ کیف کو اپنے کام کرنے ہوتے ہیں۔ اس کو جانے دیں۔''

ماں نے سنا نہیں۔ ہاتھ پہلوؤں پہ رکھے' پودوں کا جائزہ لیتے ہوئے برہمی سے بولیں۔

''ویسے یہ ظہیر انتہائی ناشکرا آدمی ہے۔''

''اُف ماں۔ اس کا کیا ذکر یہاں۔'' وہ کراہی۔

''پرسوں چارسدہ سے گڑ آیا تھا۔ میں نے اسے بھجوایا۔ کل اس کو مل بھی گیا لیکن مجال ہے کہ اس نے شکریے کا فون کیا ہو۔''

مالا کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ وہ ساکت رہ گئی۔

''واٹ؟ ماں آپ نے ... ظہیر کو گڑ بھجوایا ہے؟''

وہ تینوں بوگن ویلیا کے گلابی پھولوں والے درخت کے ساتھ کھڑے تھے۔ کیف خاموشی سے باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''کیوں؟ ہمیشہ بھیجتی ہوں۔ اب نیا کیا ہے۔'' وہ چڑچڑی لگ رہی تھیں۔

کشمالہ مبین کو جلدی غصہ نہیں آیا کرتا تھا۔ وہ یا تو ہنس دیتی یا تحمل سے بات بدل دیا کرتی تھی۔ یا اس جگہ سے اٹھ جایا کرتی تھی۔ لیکن یہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

''ماں آپ نے یہ کیا کیا؟ وہ کیا سوچے گا؟'' اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''اس کو شکریہ کہنے کی توفیق پھر بھی....''

''ماں آپ میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتی ہیں۔ آپ کو میرے کام کی نہیں سمجھ آتی مان لیا۔ لیکن میری عزت بے عزتی کا خیال تو کرنا تھا۔ اچھا شرمندہ کروایا ہے آپ نے مجھے۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''اس آدمی نے میرے ساتھ اتنا بڑی زیادتی کی اور آپ اس کو گڑ بھیج رہی ہیں۔ وہ سمجھے گا میں اس کی منت کر رہی ہوں اب۔ واٹ

داہیل ماں۔"

ماں نے ایک خفا نظر اس پہ ڈالی اور سر جھکا لیا۔ کسی معصوم بچے کی طرح جس کی چوری پکڑی گئی ہو۔ پھر کیف سے آہستہ سے بولیں۔

"میری ٹانگیں درد کر رہی ہیں۔ مجھے ادھر کرسی لا دو۔"

مالا پیر پٹخ کے اندر چلی گئی۔ کمرے میں آ کے اس نے دروازہ بند کر دیا۔ اور وہ جو اتنے دنوں سے آنسو رکے ہوئے تھے وہ ایک دم بہنے لگے۔

بے روزگاری کا احساس۔ بیکار ہونے کا گلٹ۔ تاریک نظر آتا مستقبل۔ راکھ ہوا کیریئر۔ وہ اتنے سالوں سے اپنا کماتی اور خرچ کرتی آئی تھی۔ وہ کسی پہ بوجھ نہیں تھی۔ لیکن اگر اس کا نیا کام نہ چلا تو وہ اپنے بلز خود نہیں بھر سکے گی۔ کیسی بے بسی ہو گی یہ۔

سب کچھ ایک دم سے حواسوں پہ سوار ہوا تھا۔ وہ بیڈ پہ بیٹھی روتی رہی۔ ماں کو کبھی اس کے کام کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ بس معید کی ڈاکٹری ان کو کوئی کام لگتا تھا۔ باقی مالا اور ماہی کی پڑھائی تو بس شغل تھی جیسے۔

اسے ماں پہ بیک وقت غصہ بھی آ رہا تھا اور اپنی بے بسی پہ رونا بھی۔ ماں کے ساتھ مسئلہ کیا تھا۔ خوامخواہ ان کو سب کو سوغاتیں بھیج کے اچھا بننے کا شوق تھا۔ وہ اٹھی اور اپنا بیگ پیک کرنے لگی۔ وہ آج ہی اسلام آباد واپس جا رہی تھی۔ بس یہ طے تھا۔

کیف کی کال آ رہی تھی۔ اس نے غصے میں کاٹ دی۔ وہ دوبارہ کال کرنے لگا۔ اس نے جھنجھلا کے کال اٹھائی۔

"باہر آئیں۔ آپ سے بات کرنی ہے۔" اس کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ اس نے آنسو رگڑ کے پونچھ ڈالے۔ آج یہ بھی اس سے کچھ سنے گا۔

وہ باہر آئی تو ماں لان میں کرسی پہ بیٹھی تھیں۔ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دبا رہی تھیں۔ وہ ان کو نظر انداز کر کے پورچ کی طرف آ گئی جہاں اوپر جانے کا بیرونی زینہ بنا تھا۔ وہاں کیف کھڑا تھا۔ ریلنگ سے ٹیک لگائے ایک جوگر زمین پہ اور ایک جوگر اوپری زینے پہ رکھے۔ سینے پہ بازو لپیٹے۔ وہ اس کا منتظر تھا۔

"ادھر آ کے بیٹھیں اور میری بات سنیں۔" اس کی روئی روئی گلابی آنکھیں دیکھ کے سنجیدگی سے بولا۔ سامنے ایک خالی کرسی رکھی تھی۔ وہ ناک سکوڑ کے گیلی سانس اندر کھینچتی کرسی پہ آ بیٹھی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

"کیا مسئلہ ہے؟" لہجہ سخت تھا۔

''میں ابھی سن رہا تھا جو آپ اپنی ماں سے کہہ رہی تھیں۔'' وہ کھنکھارا۔ کشمالہ کے ماتھے پہ شکنیں ابھریں۔

''کیف تم اپنے کان اور منہ بند کرنا سیکھو۔ مجھے بالکل پسند نہیں ہے کہ تم میرے گھر کی باتیں سنو یا ان پہ تبصرہ کرو۔''

وہ سنجیدگی سے اسے دیکھے گیا۔ پھر بولا تو آواز آہستہ تھی۔

''اپریل میں گڑ نہیں ہوتا' کشمالہ بی بی۔ چارسدہ کا گڑ سیزن مارچ میں ختم ہو جاتا ہے۔''

وہ ایک دم بالکل ٹھہر گئی۔ ساکن۔ ہوا رک گئی۔ شاید اس کا سانس بھی۔

''میں نے سلیم سے پوچھا ہے۔ فروری کے بعد چارسدہ سے کوئی گڑ نہیں آیا نہ آنٹی نے کسی کو بھیجا ہے۔''

وہ اس کی آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

اور تب اسے یاد آیا۔ ماں نے ظہیر کو جنوری میں گڑ بھیجا تھا اور اس نے شکریے کا فون نہیں کیا تھا۔

کیف پہلے زینے پہ بیٹھ گیا اور اسی سنجیدگی سے اسے دیکھتے ہوئے بات جاری رکھی۔

''آنٹی نے مجھ سے چار دفعہ پوچھا ہے کہ میں کون ہوں۔ وہ اپنی بات بار بار دہراتی ہیں۔ اور وہ چیزیں بھول رہی ہیں۔ ان کے ذہن میں نئی یادداشتیں نہیں بن رہیں۔ یا شاید وہ وقت کا حساب کھو رہی ہیں۔''

پورچ کی فضا بالکل ساکن تھی۔ نہ وہاں پھولوں کی خوشبو تھی نہ پودوں کا سبزہ۔ ہر شے کو زوال آ گیا تھا۔

''کشمالہ...'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ ٹھہر ٹھہر کے بولا۔

''آپ کی ماں بیمار ہیں۔''

اس کا چہرہ سفید پڑتا گیا۔ جیسے کسی برفانی رات میں گھر سے باہر گم ہو جانے والے کا ہوتا ہے۔ نہ جان تھی۔ نہ سانس تھی۔

وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں اٹھی۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

(یونیورسٹی' کالج' کتابیں... سب یہ سکھاتے ہیں کہ کامیاب کیسے ہونا ہے۔ کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ ناکام کیسے ہونا ہے؟)

وہ گھاس پہ قدم اٹھاتی لان چیئرز کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

ماں وہاں اکیلی بیٹھی تھیں۔ سر جھکائے موبائل پہ لگی تھیں۔

(کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ جاب چلی جائے گی تو کیا کرو گے؟ ناکام ہو جاؤ گے تو کیا کرو گے؟)

ماں کے ماتھے پہ پسینہ آیا ہوا تھا جسے وہ دوپٹے کے کنارے سے پونچھ رہی تھیں۔

(دل ٹوٹے گا تو کیا کرو گے؟ مستقبل تاریک نظر آئے گا تو کیسے آگے بڑھو گے؟)

وہ ان کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی اور غور سے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ خوبصورت باوقار چہرہ آج بوڑھا لگ رہا تھا۔ جھریاں بڑھ گئی تھیں۔ بائیں جانب سے ہونٹوں کے قریب کی جلد لٹک سی گئی تھی۔

(کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ ماں بیمار ہو جائے گی تو کیا کرو گے؟)

وہ شاید ماہی کو میسج لکھ رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ ٹائپ کرتی تھیں۔ مالا نے نرمی سے انگلیوں کی پشت ان کے گال پہ پھیری۔ انہوں نے چونک کے اسے دیکھا۔

''ماں۔'' اس نے گیلی آواز میں پکارا۔ ''آپ نے ظہیر کو گڑ بھیجا تھا؟''

''میں نے؟ نہیں تو۔'' انہوں نے حیرت سے نفی میں دائیں بائیں سر ہلایا۔ اس حرکت میں ایک بے بس سی معصومیت تھی۔ آنکھوں میں کچھ کھوئے کھوئے سے ہونے کا احساس تھا۔ ''گڑ تو سردیوں میں ہوتا ہے مالا۔''

وہ نرمی سے ان کے چہرے پہ انگلیوں کی پشت پھیر گئی۔ کچھ مختلف سا تھا ان کے چہرے میں۔

(کوئی یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ ماں بیمار ہو جائے گی تو کیا کرو گے؟)

مگر کشمالہ مبین کو معلوم تھا کہ اس نے کیا کرنا ہے۔ وہ حورِ جہاں کی بیٹی تھی۔ اس کے راستے متعین ہو چکے تھے۔

''ہم اسلام آباد واپس نہیں جا رہے۔ میں یہیں رہوں گی۔'' وہ سیڑھیوں کے ساتھ کھڑا تھا جب وہ اس کے پاس آئی اور اسے اپنا فیصلہ سنایا۔ ''تم جانا چاہو تو تمہاری مرضی ہے۔ میں کسی اور کا بندوبست کر لوں گی۔''

جو فیصلہ پانچ برس میں نہیں ہو سکا وہ پانچ منٹ میں ہو گیا تھا۔

''میں کہیں نہیں جا رہا۔ میرے گھر میں کوئی ایسا نہیں ہے جو مجھے مس کرے۔ میں نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ میں پورا کروں گا۔ میں یہیں ہوں آپ کے ساتھ۔''

کیف کو دیکھتی اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ اس نے بس اثبات میں سر ہلا دیا اور واپس مڑ گئی۔ اس کی انگلیاں ماہی کو میسج لکھ رہی تھی۔ وہ میسج جو کوئی انسان اپنے ماں باپ کے بارے میں نہیں پڑھنا چاہتا۔

''ماہی۔ ماں بیمار ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔ شاید الزائمرز۔ تم پاکستان آجاؤ۔ فوراً۔''

چلی ویک کے اس چھوٹے سے گھر کے لاؤنج میں صوفے پہ نیم دراز ماہ بینہ کا فون بجا تو اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ٹی وی دیکھتے دیکھتے سو گئی تھی۔ وہ چونک کے سیدھی ہوئی۔ موبائل اٹھا کے دیکھا۔

وہ ایک میسج اس کی جان نکال گیا۔وہ تیزی سے اٹھی۔پیروں میں جوتے گھسیڑے اور کھڑی ہوئی۔اور تب ہی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔

اس کو شدید تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔اتنی شدید کہ حد نہیں۔وہ کھڑی ہوئی اور سفید صوفے کو دیکھا جس پہ وہ سو گئی تھی۔وہاں خون کے دھبے تھے۔اس کے لباس پہ بھی خون تھا۔نچلے وجود میں تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

''ماں۔'' تکلیف میں اس کے لبوں سے یہی نکلا۔وہ دوہری ہو کے بیٹھتی گئی۔اور پھر دوسرا احساس زیادہ جان لیوا تھا۔

''میرا بچہ۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول

"لاہور"

قسط نمبر: 2

"کہتے ہیں اولاد ہوتی ہے
خنجر کی طرح۔
وہ نہ چاہتے ہوئے بھی
معصومیت اور سادگی سے
کاٹ ڈالتی ہے۔
پھر بھی ہم اس کو تھامے رکھتے ہیں۔
بھلے خون ٹپ ٹپ گرنے لگے۔
اور کہتے ہیں ماں ہوتی ہے
سورج کی طرح۔
بھلے کتنا گرم ہو
اور تم سے کتنا دور ہو
تم اس کی روشنی میں بیٹھ سکتے ہو۔
اس کی کرنوں کو چھو سکتے ہو۔

اور

وہ تمہیں کبھی نہیں جلائے گا۔"

(نامعلوم)

تاریخ تھی پانچ اپریل۔ شہر تھا اسلام آباد کا۔ اور وقت تھا صبح گیارہ بجے کا۔

ہوٹل سوئیٹ کی اونچی کھڑکی سے دھوپ چھن کے ماہر فرید کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے کھڑا موتیے اور لیونڈر کی خوشبو کو سانس کے ذریعے اندر اتار رہا تھا۔

''ماہر...'' پیچھے صوفے پہ بیٹھے مینیجر مالک نے پکارا۔ ''انتقام کے سفر پہ نکلنے والے کو چاہیے کہ وہ دو قبریں کھود لے۔ ایک دشمن کی اور ایک خود اپنی۔''

''یہ Confucius نے کہا تھا۔ اور جانتے ہو اسے کیا چیز قبر تک لے گئی تھی؟ اپنے بیٹوں کی موت کا غم۔'' وہ آنکھیں بند کیے کہہ رہا تھا۔ سرد سی سرگوشی میں۔ ''موت سے بڑا کوئی غم نہیں ہے' مالک۔''

تبھی ڈور بیل بجی۔ ماہر فرید اسی طرح آنکھیں بند کیے کھڑا رہا۔ مالک قدرے چونک کے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

دروازے کے پار کیف جمال رقم کا پیکٹ لیے کھڑا تھا۔ مالک نے سر سے پیر تک اسے دیکھا' اور پھر مڑ کے ماہر کو۔ وہ ہنوز اسی طرح کھڑا تھا۔

''اسے آنے دو۔ مجھے معلوم تھا یہ واپس آئے گا۔'' وہ مڑے بنا بولا۔ مالک نے اس لڑکے کو گھورتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا۔

''میں یہ نہیں کرسکتا۔'' کیف صوفے تک آیا اور پیکٹ میز پہ رکھ دیا۔ اس کے چہرے پہ شدید اضطراب تھا۔

ماہر فرید بالآخر اس کی طرف گھوما۔ اس کے تاثرات سپاٹ تھے۔ ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں تھے۔

''کیا رقم کم ہے؟'' سادگی سے سوال کیا جو کیف جمال کو پتھر کی طرح لگا۔

''آپ کو لگتا ہے آپ ہر انسان کو پیسے سے خرید سکتے ہیں؟''

''کیوں؟ کیا میں نے تین منٹ پہلے تمہیں نہیں خریدا؟'' وہ صوفے کے پیچھے سے نکل کے کیف کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ پھر مالک کی طرف گردن موڑی۔ ''ہم نے اپنے مہمان کو چائے قہوہ نہیں پوچھا۔''

''قہوہ نہیں' کافی۔'' مالک نے کھنکھارتے ہوئے اسے نظروں میں تادیبی اشارہ کیا۔

''میں کافی پینے واپس نہیں آیا۔ میں اس سوال کا جواب لینے آیا ہوں جو آپ نے مجھے نہیں دیا۔'' کیف نے ناگواری سے سامنے کھڑے وجیہہ اور دراز قد آدمی کو دیکھا۔ ''آپ یہ کام مجھ سے کیوں کروانا چاہتے ہیں؟ آپ کسی کو بھی خرید سکتے تھے۔''

اس نے یہ کیوں دوسری دفعہ پوچھا تھا۔

ماہر فرید کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔اس نے ایک نظر مالک کو دیکھا۔

''اسے بتادیں کیوں؟''

''ماہر۔''مالک نے سفید ابرو اٹھا کے تنبیہہ کی۔ماہر اور کیف آمنے سامنے گھڑی کی چھے اور بارہ کی سوئیوں کی طرح کھڑے تھے اور مالک ایک طرف نو کی سوئی بنا بیٹھا تھا۔

''میں نے تمہارا انتخاب اس لیے کیا کیونکہ مجھے تمہارا نام پسند آیا تھا۔باقی جتنے لوگوں کی پروفائلز مجھے مالک نے دکھائی تھیں'ان کے نام بورنگ تھے۔نام کے علاوہ تمہارے اندر کوئی قابل توجہ شے نہیں تھی۔''وہ مسکرا کے بولا۔ مالک نے جیسے ریلیکس ہو کے سانس لیا۔اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ایک لمحے کو اسے لگا تھا ماہر فرید اس نوجوان کو اصل بات بتانے جا رہا ہے لیکن.. خیر۔

''اب تم بتاؤ کیف جمال کہ تمہاری واپسی کی اصل وجہ کیا ہے۔تم صرف یہ سوال پوچھنے نہیں آئے۔''

کہتے ہیں یہ ایک لمحہ ہوتا ہے جو انسان کی قسمت بدلتا ہے۔ایک لمحے میں کوئی تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔ایک لمحے کی بے دھیانی ایکسیڈنٹ کروا دیتی ہے۔ایک لمحہ کسی کو کسی کی محبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔وہ ایک لمحہ اگر انسان پکڑ لے تو وہ اپنی تقدیر بدل سکتا ہے۔اور کیف جمال نے اس وقت اس ایک لمحے کو پکڑ لیا تھا۔مالک کا ماہر کو منع کرنا'اور ماہر فرید کا آگے سے بات بنا دینا۔بھلے کیف جمال ایک ناکام انسان تھا اور وہ ماہر فرید اور اس سفید بالوں والے جیسا شاطر نہیں تھا'لیکن وہ ذہین تھا اور اس ایک لمحے نے کیف جمال کو یہ بتا دیا تھا کہ کوئی وجہ تھی جس کے باعث یہ امیر سائیکو پیتھ کیف جمال سے مدد لینے میں مجبور تھا۔وہ یہ کام کسی اور سے نہیں کروا سکتا تھا۔ماہر فرید کو اس کی ضرورت تھی۔

اس کے ذہن میں چھایا اس برطانوی بزنس مین کا سارا رعب اور خوف چٹکی میں ہوا ہو گیا۔

''میں چند باتیں کلیئر کرنے آیا ہوں۔''اب کے وہ بولا تو اس کی آواز نے خوف اور گردن اٹھی ہوئی تھی۔

''چند باتیں؟اوکے۔پہلی بات؟''ماہر نے یہ تبدیلی محسوس کی تھی۔اس نے پینٹ کی جیب سے ہاتھ نکالا اور انگلی پہ گننے لگا۔اس کے انداز میں تمسخر تھا۔

''پہلی بات یہ کہ بھلے میں اس کام کے لیے راضی ہوں'لیکن میری بھی ایک بہن ہے...''

''وہی بہن جس کے شوہر کے تم نے پیسے دینے ہیں۔آگے چلو۔''

کیف نے ضبط سے سانس اندر کھینچی۔

"جو پیسے میں آپ سے لے رہا ہوں یہ میری کسی لگژری پہ نہیں لگیں گے۔ میں ان سے اپنے قرضے اتاروں گا اور نئی زندگی شروع کروں گا۔ البتہ میں اس معصوم لڑکی کے ساتھ نہ کچھ برا کروں گا نہ ہونے دوں گا۔ اس کا گارڈ بننے اور اس پہ نظر رکھنے کی حد تک ٹھیک ہے لیکن اگر مجھے یہ معلوم ہوا کہ آپ اس کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں تو میں ایسا ہونے نہیں دوں گا۔"

"اور دوسری بات؟" ماہر فرید کو جیسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

"دوسری بات یہ کہ آپ نے میرے ایمان کی بہت کم قیمت لگائی ہے۔"

ماہر فرید نے ہاتھ گرا دیا اور مسکرا کے مالک کو دیکھا۔ "میں کہہ رہا تھا نا اسے مزید رقم چاہیے۔" مالک بھی ہلکا سا مسکرایا اور شانے اچکا دیے۔ ماہر واپس صوفے پہ بیٹھا تو پیچھے کھڑکی سے آتی دھوپ کا راستہ کھل گیا۔ وہ سیدھی کیف کے چہرے پہ پڑنے لگی۔

"مجھے مزید رقم نہیں چاہیے۔" کیف سامنے والے صوفے پہ بیٹھا اور اسی سنجیدگی سے کہتا گیا۔ "مگر مجھے اس بات کا احساس ہوا ہے کہ جو رقم آپ مجھے دے رہے ہیں یہ تو قرضوں کی ادائیگی میں نکل جائے گی۔ مجھے اس جاب سے کیا ملے گا۔"

"ہوں۔ بولتے جاؤ۔"

ماہر فرید نے اسے سوچتی نظروں سے دیکھتے ہوئے ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ اس کے چمکتے بوٹ میں چھت سے لٹکتے فانوس کا عکس دکھائی دینے لگا۔

"آپ نے کہا آپ میرا بزنس سیٹ کروا دیں گے۔ ظاہر ہے اپنے پیسے اور تعلقات کے ذریعے۔" کیف سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔ آواز نڈر تھی۔ "لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ اپنے ذریعے بھی کریں۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میرے بزنس ہمیشہ فلاپ اس لیے ہوتے ہیں کیونکہ کوئی مجھے میری غلطی نہیں بتاتا۔ آئیڈیاز ہیں میرے پاس۔ مینٹور نہیں ہے۔"

"تم چاہتے ہو میں تمہیں مینٹور کروں؟" وہ متعجب ہوا تھا۔

"آپ کر سکتے ہیں۔ آپ ایک کامیاب بزنس مین دکھائی دیتے ہیں۔" وہ پہلی دفعہ ماہر فرید کے سامنے ٹیک لگا

کے بیٹھا۔ دل البتہ زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔

"اتنی ساری دولت خود سے کمائی نہیں جاتی' کیف جمال۔ یہ کسی سے لی جاتی ہے۔ کیا تم نے وہ مشہور منقولہ نہیں سنا کہ'

You don't make a billion dollars. You take a billion dollars.

وہ تلخی سے بولا۔ اس کے چہرے پہ اس وقت کیف جمال کے لیے ناپسندیدگی تھی۔

"گاڈ فادر۔" کیف ہلکا سا مسکرایا۔ "لیکن کم از کم آپ کو اس دولت کو بڑھانے کا ہنر آتا ہوگا۔ اسی لیے میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے مینٹور کریں۔"

"میرے پاس بے بی سٹنگ کے لیے وقت نہیں ہے۔" مگر کیف نہیں سن رہا تھا۔ وہ کہے جا رہا تھا۔

"جب تک میں آپ کے اس کام کا حصہ ہوں' میں ساتھ ساتھ اپنے نئے بزنس پلان پہ بھی کام کروں گا۔ دو ماہ کے اختتام پہ جب یہ گارڈ والی جاب ختم ہو جائے گی' میں اپنا پلان لے کر آپ کے پاس آؤں گا۔ آپ اس پلان کو دیکھیں گے' اس کی اصلاح کریں گے اور اس کو عمل میں لانے میں میری مدد کریں گے۔"

مالک کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ اب وہ شدید اکتا چکا ہے۔ "سنو لڑکے... اب تم اپنے قد سے بڑی باتیں کر رہے ہو۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں..."

"ایک منٹ مالک۔" ماہر فرید نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا اور کیف کی آنکھوں میں جھانکا۔ "میرے مینٹور کرنے سے تمہیں لگتا ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے؟"

"جی۔ بالکل۔"

ماہر ہلکا سا ہنسا۔ "تم نے کامیاب ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکے ہوتے۔ تم کیف جمال ایک ناکام انسان ہو اور تمہارا بزنس پلان اس دفعہ بھی ناکام ہوگا۔"

کیف کے چہرے پہ کئی رنگ آ کے گزرے۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔

"میرا بزنس پلان دیکھے بغیر آپ مجھے ناکام کیسے کہہ سکتے ہیں۔"

"کیونکہ وہ بزنس پلان کبھی نہیں بنے گا۔ تم اگلے دو ماہ ضائع کر دو گے۔" وہ بے رحمی سے بولا۔

"اور اگر دو ماہ بعد میں آپ کے پاس اپنا پلان لے کر آ گیا تو؟"

ماہر فرید پھر سے ہنس دیا۔ "چلو آج تم پہ ایک تجربہ کرتے ہیں' کیف جمال۔"

''ماہر...'' مالک نے تنبیہہ کی لیکن وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اس صورتحال سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

''میں اکثر سوچتا تھا کہ کیا ایک انسان تمام وسائل کے باوجود ناکام ہوسکتا ہے؟ کیونکہ آدھی انسانیت اپنی ناکامی کا ذمہ دار وسائل کی کمی اور غربت کو ٹھہراتی ہے۔ مگر تم میرے لیے ایک ٹیسٹ کیس ہو' کیف۔ تم میرے اس سوال کو حل کرو گے۔'' اس کی آنکھوں میں چیلنج تھا۔

''اگلے دو ماہ تمہیں یا تمہاری فیملی کو کوئی مالی پریشانی نہیں فیس کرنی پڑے گی۔ تمہیں اپنے کام کے لیے بہترین آلات دیے جائیں گے۔ جو بھی آفس equipments چاہئیں' ان کی مالک کو لسٹ بھیج دو۔ وہ تمہیں سب مہیا کر دے گا۔''

مالک اس بات سے بالکل خوش نظر نہیں آتا تھا لیکن خاموشی اس کی مجبوری تھی۔

''میں تمہیں دو ماہ دیتا ہوں۔ تم اپنا پلان بناؤ۔ دو ماہ ایک لمبا عرصہ ہے۔ تم دن کے چند گھنٹے بھی کام کرو تو یہ کر سکتے ہو۔ تم گھر سے کام کرتے ہو۔ چاہو تو تمہیں ہم کوئی آفس یا لگژری اپارٹمنٹ بھی فراہم کر سکتے ہیں جہاں تم سکون سے دن کے چند گھنٹے کام کر سکو۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا تم بزنس پلان بنا لو گے؟'' اس کی چمکتی آنکھوں میں تمسخر تھا۔ کیف نے ضبط سے سانس اندر کھینچی۔

''میں آپ کو یہ کر کے دکھاؤں گا۔''

''ناممکن۔ تم دو ماہ تک اتنی سہولیات کے باوجود بھی ایک بزنس پلان تک نہیں بنا سکو گے۔ مالک اور میں تمہارے جانے کے بعد اس بات پہ شرط لگائیں گے کیونکہ تم ایک سست انسان ہو۔ تم نے کامیاب ہونا ہوتا تو اب تک ہو چکے ہوتے۔''

''میں آپ سے مختلف ہوں' ماہر فرید صاحب۔ آپ ایک نارسیسٹ ہیں۔'' اب کے کیف جمال بولا تو اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔ ''آپ کے لیے اپنی اونچی کرسی پہ بیٹھ کے بے روزگار نوجوانوں کی ناکامی کا مذاق اڑانا بہت آسان ہے۔ آپ سونے کا چمچ منہ میں لیے بڑے ہوئے ہیں۔ آپ اپنی محنت سے یہاں نہیں پہنچے۔ آپ پرویلیجڈ (previliged) ہیں۔ آپ کے والد نے آپ کے لیے ایک بہت بڑی بزنس ایمپائر چھوڑی ہے جسے آپ خوبصورت لڑکیوں کا پیچھا کرنے میں ضائع کر رہے ہیں۔''

''تمہارے پاس دو ماہ ہیں۔'' اسے کیف جمال کے الفاظ سے فرق نہیں پڑا تھا۔ اسی محظوظ انداز میں بولا۔ ''مگر میں جانتا ہوں کہ تم دو ماہ بعد بھی کوئی پلان لے کر نہیں آؤ گے۔ اور پھر میں ہر بزنس ڈنر پہ' ہر سیمینار پہ تمہارا قصہ سنایا

کروں گا کہ کیسے انسان ہر شے کے باوجود ناکام ہو سکتا ہے۔" ماہر فرید اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھایا۔

کیف نے ایک نظر اس کے ہاتھ کو دیکھا۔ وہ لمبی انگلیوں والا خوبصورت ہاتھ تھا۔ ایسے ہاتھ مجسمہ سازوں یا پیانو بجانے والوں کے ہوتے ہیں۔ کیف نے اس سے ہاتھ ملا لیا۔

"میں آپ کو غلط ثابت کر کے دکھاؤں گا۔" کیف نے ہاتھ ملا کے چھوڑ دیا۔ پھر وہ رکا۔ کھنکھارا۔ اب اسے ایک مشکل سوال پوچھنا تھا۔

"اگر کسی وجہ سے میں دو ماہ سے پہلے اس جاب کو مزید نبھانے سے انکار کر دوں؟ اگر میں اس سب کو ختم کرنا چاہوں تو کیا آپ مجھے دی گئی رقم واپس لے لیں گے اور اپنی مدد کھینچ لیں گے؟" وہ نتائج جاننا چاہتا تھا۔

ماہر فرید کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہ تین چار قدم آگے آیا یہاں تک کہ وہ کیف جمال کے عین مقابل آ کھڑا ہوا۔ اس کی چبھتی نظریں کیف کے وجود کے اندر تک گڑ گئیں۔

"تم نے کبھی سنا ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کسی دن اچانک سے غائب ہو جاتا ہے؟ وہ اپنے اپارٹمنٹ سے نکلتا ہے اور پھر واپس نہیں آتا۔ اس کے اپارٹمنٹ کے سامنے ڈیری سروس والے دودھ کی بوتلیں رکھ جاتے ہیں۔ بینک لیٹرز اور اخبار سے اس کا میل باکس بھرنے لگتا ہے۔ مگر کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ وہ اپنے اپارٹمنٹ میں نہیں ہے حتیٰ کہ دودھ خراب ہو کے بدبو دینے لگے۔ تب پولیس بلائی جاتی ہے اور اپارٹمنٹ کا لاک توڑا جاتا ہے۔ مگر جب تک بدبو نہ آئے کوئی اس لاپتہ شخص کی پرواہ نہیں کرتا۔ تم کیف جمال اس جاب کو اپنی مرضی سے ختم نہیں کر سکتے۔ یہ جاب تب ختم ہو گی جب میں کہوں گا۔ اور جب تک میں نہیں کہوں گا' تمہارے اپارٹمنٹ سے بدبو بھی نہیں اٹھے گی۔ اب یہ پیکٹ اٹھاؤ' اور جا کے نئے جوتے خریدو۔"

کیف کا چند منٹ پہلے بحال ہوا اعتماد ایسے بکھر گیا جیسے ہوا سے سوکھے پتے بکھر جاتے ہیں۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پیسے 'مینٹورشپ' اپنے بزنس کا کامیاب ہو جانا' یہ سب اس کی ضروریات تھیں لیکن اس لمحے اسے احساس ہوا کہ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس نے خود کو ایک غلط آدمی کے ساتھ سودے میں پھنسا دیا ہے۔

"مزید کچھ پوچھنا ہے تو ابھی پوچھ لو۔" ماہر فرید نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ "میری لندن کی فلائٹ ہے۔ مجھے واپس جانا ہے۔ زیادہ وقت نہیں ہے میرے پاس۔"

کیف جمال نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے۔ اسی وقت روم کا دروازہ کھٹکا۔ ایسے نہیں جیسے بیل بجاتے ہیں۔

بلکہ ایسے جیسے کوئی جوتے سے دو تین دفعہ ٹھوکر مارتا ہے۔ ماہر فرید نے کیف سے نظر ہٹائی اور مالک کو دیکھ کر ابرو سے دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔

مگر مالک نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے محض کندھے اچکا دیے۔

''اس کے پاس کارڈ ہے۔ خود کھول لے گا۔''

کیف ابھی تک بے بس مگر چبھتی ہوئی نظروں سے ماہر فرید کو دیکھ رہا تھا اس کی آخری بات کا اثر ابھی زائل نہیں ہوا تھا۔

چند لمحے بعد کارڈ سوائپ ہونے کی بپ بجی۔ پھر دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

''ایک دروازہ کھولنے میں کتنی محنت لگتی ہے یار۔ تم لوگ میرے ساتھ یہ جان بوجھ کے کرتے ہو۔'' اندر داخل ہونے والا شخص جھنجلاتے ہوئے کہتے کہتے رک گیا۔ کیف ابھی تک ماہر کو دیکھ رہا تھا لیکن اسے پیچھے کھڑکی کے شیشے میں مدھم سا عکس دکھائی دیا۔ وہ ایک نوجوان تھا جس کے ہاتھ میں پکڑی پیپر ٹرے میں کافی کے ڈسپوزیبل کپ نظر آرہے تھے۔

کیف جمال کو دیکھ کے نوارد نے نظریں جھکائیں۔ کپ گنے۔ ایک دو تین۔

پھر چہرہ اوپر اٹھا کے کمرے میں موجود افراد کی گنتی کی۔ اب کے وہ بولا تو آواز میں معذرت تھی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں ہم چار لوگ ہوں گے۔''

کیف جمال نے ماہر فرید سے نظریں ہٹائیں اور گردن موڑ کے اس شخص کی طرف دیکھا۔ کیف کو خود نہیں معلوم تھا کہ اس روز ہوٹل ہوئیٹ میں وہ تین نہیں، چار ہوں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ موسمِ بہار اس سال اداس اداس سا اترا تھا۔ بوگن ویلیا کے درخت اپنے خوش رنگ پتوں کے باوجود مرجھائے ہوئے لگتے تھے۔ جب سے مالا کو ماں کے بھولنے کی بیماری کا علم ہوا تھا' اسے لگتا تھا کہ وہ ایک ایسے سرسبز باغ میں کھڑی ہے جس کو پانی لگانے والا یہاں کا راستہ بھول گیا ہے۔ اور اب وہ لہلہاتے درختوں کو دیکھ کے سوچ رہی ہے کہ کیا ان کو کوئی پانی لگائے گا یا یہ آہستہ آہستہ مرجھاتے جائیں گے؟

عصر باسی ہو چکی تھی اور شام کسی بھی پل دم توڑنے کو تیار تھی۔ مالا ہینڈز فری لگائے فون اونچا اٹھائے لان میں بیٹھی تھی۔ اسکرین پہ نظر آتی ماہی کمزور لگ رہی تھی۔ آنکھوں تلے حلقے۔ بجھا ہوا چہرہ۔ وہ تکیوں کے سہارے بیڈ پہ

نیم دراز تھی۔

''کیا کہا ڈاکٹر نے؟''

''تھوڑی سی اسپاٹنگ ہوئی ہے۔ مگر بے بی ٹھیک ہے۔'' ماہی اداس لگ رہی تھی۔ ''مجھے مکمل بیڈ ریسٹ کا کہہ دیا گیا ہے۔ ویسے بھی ٹیسٹ ٹیوب بے بی ہے۔ رسکی پریگنینسی ہے۔''

''ماہی تمہیں مکمل بیڈ ریسٹ کرنا ہے اب او کے۔'' وہ فکر مندی سے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھ رہی تھی۔

''مالا میں پاکستان نہیں آسکوں گی۔ مجھے سختی سے منع کیا گیا ہے سفر سے۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ شادی کے پانچ سال میں ماہی کے دو مس کیرج ہو چکے تھے۔ اس لیے اس کی یہ پریگنینسی بہت ہائی رسک تھی۔

''یار میں نے تمہیں پاکستان آنے کے لیے تب کہا تھا جب مجھے تمہاری کنڈیشن کا نہیں پتہ تھا۔ اور پھر تم یہاں آ کے کیا کرلوگی۔ ماں ذرا سا بھولتی ہی ہیں۔ ہم مینیج کرلیں گے۔ لیکن اگر بے بی کو کچھ ہوا تو ماں سے زیادہ دکھی کوئی نہیں ہوگا۔ ماں نے پانچ سال اس بے بی کے لیے دعائیں مانگی ہیں۔ عمرہ' حج' تہجد' نفل۔ بے بی کو کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ اور پھر ہم آئیں گے نا کینیڈا۔''

وہ نم آنکھوں سے مسکرادی۔ ''ہاں۔ پلیز تم لوگ آجاؤ۔'' اس کی آنکھوں میں امید جاگی۔ وہ مزید بات کرتی لیکن درمیان میں غیر شناسا نمبر سے واٹس ایپ پہ میسج ریسیو ہوا تو وہ چونک گئی۔

''ایک منٹ ماہی۔'' کہہ کے چیٹ کھولی۔ پھر لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے میسج اونچا پڑھ کے سنایا۔

''کیسی ہیں آپ کشمالہ؟ میں نے آپ کا نمبر اپنی والدہ سے لیا تھا۔ اگر آپ فارغ ہیں تو کیا میں آپ کو کال کرسکتا ہوں؟ آپ سے ایک کام تھا۔''

''یہ کون ہے؟'' ماہی چونک کے سیدھی ہوئی۔ ابرو اکٹھے ہوگئے۔

''زیاد سلطان۔'' کشمالہ نے کندھے اچکائے۔ ''اس کو مجھ سے کیا کام ہوسکتا ہے؟''

''جانے دو مالا۔ مردوں کی انا اتنی اونچی ہوتی ہے کہ وہ عورتوں کو کبھی کام نہیں کہتے۔ سوائے اس صورت میں کہ وہ بہت مجبور ہوں یا صرف گفتگو شروع کرنے کا بہانہ چاہتے ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا تم زیاد سے بات کرنا چاہتی ہو؟''

اس سوال کا جواب کشمالہ مبین کے پاس نہیں تھا۔ زیاد اسے اچھا لگا تھا۔ ایک کامیاب انسان جس کا کیریئر بھی تھا' خاندانی بھی تھا اور شکل وصورت بھی اچھی تھی۔ ریپوٹیشن بھی اس کی ایک شریف اور معزز انسان کی تھی۔ وہ

اٹھائیس برس کی تھی اور وہ جانتی تھی کہ اب اسے شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ اسے شادی سے کوئی بیر نہ تھا۔ بس ابھی تک جو رشتے اس کو میسر ہوئے تھے ان میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی مسئلہ ہوتا تھا۔ اس کا کوئی خانہ ہمیشہ چیک ہونے سے رہ جاتا تھا۔ زیاد سلطان البتہ اس کے تمام خانوں میں سبز ٹک لگاتا گیا تھا۔ ماں کی بیماری کا علم ہونے سے پہلے اگر یہ سب کچھ ہوتا تو شاید وہ خوش ہوتی لیکن کل سے ساری دنیا ہی بدل گئی تھی۔

اس نے فون رکھ دیا اور گردن اٹھائے جامنی پڑتے آسمان کو دیکھنے لگی۔ دور اوپر چند پرندے اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے۔ ہم گھروں کو لوٹنے میں اتنی دیر کیوں لگا دیتے ہیں کہ آگے بس اندھیرا ہمارا منتظر ہوتا ہے؟

معید دوپہر میں گھر آیا تو مالا نے اس کو سامنے بٹھا کے ساری بات بتائی۔ معید کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اس نے سر ہلا دیا۔

''زیادہ سے زیادہ الزائمرز ہوگا؟ ہم اس کو دواؤں سے مینیج کر سکتے ہیں۔ اور آج تو ماں بالکل ٹھیک ہیں۔ شاید وقتی ہو۔'' معید ہمیشہ گلاس کو آدھا بھرا ہوا دیکھا کرتا تھا۔

مالا کی تسلی کروا کے وہ ماں کے پاس جا بیٹھا۔ اس وقت وہ لاؤنج کے تخت پہ بیٹھی سلائیوں سے اون کا سوئیٹر بن رہی تھیں۔ ماہی کے بے بی کے لیے بننے والا یہ کوئی چوتھا سیٹ تھا۔

معید ان سے ادھر ادھر کے سوالات کرنے لگا۔ ماں کے تمام جواب درست تھے۔ ایک بات بھی نہیں بھولیں۔

''ماں .... آپ واقعی بھولنے لگی ہیں یا ہمارے ساتھ شغل لگاتی ہیں؟'' معید آخر میں ہنس کے بولا۔ ماں نے پرے بدتمیز کہہ کے اس کے کندھے پہ اون کا گولا دے مارا۔ گولا معید سے ٹکرا کے فرش پہ جا گرا اور دھاگہ کھلتا گیا۔ کچن سے لاؤنج میں آتی مالا کے پیروں میں گولا جا کے رکا۔

''مالا میرے ویزے کا کیا بنا؟'' وہ مالا سے اپنے ویزے کا پوچھنے لگیں۔ ماہی کا چوتھا مہینہ چل رہا تھا۔ اور ماں کا ارادہ تھا کہ اس کی ڈلیوری کے وقت ماں ماہی کے پاس جائیں گی۔ وہ کیسے اکیلی یہ وقت گزارے گی؟

''ویزہ جلد آجائے گا ماں۔'' وہ جھک کے گولا اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوئی اور دھاگہ لپیٹنے لگی۔

اس نے ویزہ تب اپلائی کیا تھا جب وہ ایک ریستوران کی کامیاب مینیجر تھی۔ تب اس کا ارادہ تھا کہ ماں کے ساتھ کینیڈا جا کے چند دن رہ کے آجائے گی۔ اور ماں مہینوں وہیں رہیں گی۔ مگر اب حالات مختلف تھے۔ اب وہ اس باغ کو نہیں چھوڑ سکتی تھی کیونکہ کوئی اس کو پانی لگانے والا نہ تھا۔

''مالا... آر یو شیور ماں بھولنے لگی ہیں؟ یہ بالکل نارمل ہیں یار۔''

"کچن میں آؤ۔" مالا نے اسے گھور کے انگریزی میں کہا۔ وہ اس کے پیچھے چلتا آیا اور کچن آئی لینڈ کی ٹاپ پہ بیٹھ گیا۔ ساتھ رکھی ٹوکری سے ایک سیب نکال کے اس کی بائٹ لی۔

"میں کہہ رہی ہوں ماں ٹھیک نہیں ہیں معید تو وہ ٹھیک نہیں ہیں۔ یہ دیکھو۔" وہ انگریزی میں کہتی فریزر کا دروازہ کھول کے دکھانے لگی (کہ ماں کو اسپوکن انگلش سمجھ میں نہیں آتی تھی)۔

"ماں کا فریزر کبھی اتنا خالی نہیں ہوا۔ ہمیشہ فروزن آئٹم' کباب کوفتے وغیرہ بنا کے رکھتی تھیں۔ پورے گھر کی صفائی' پودوں کی کانٹ چھانٹ' سب خود کرواتی تھیں۔ تم سارا دن ہاسپٹل ہوتے ہو۔ تم وہ نہیں دیکھ سکتے جو میں دیکھ رہی ہوں۔ ہمارا گھر کبھی اتنا بے ترتیب نہیں ہوا۔"

"تو یار بخت بی کو کھینچو نا۔" اس نے سیب کی بائٹ لیتے ہوئے اپنی طرف سے حل بتایا۔

"ملازم خود سے کچھ نہیں کرتے۔ گھر کی مالکن ان سے کام کرواتی ہے یا نہیں کرواتی۔ ماں نے ساری عمر اپنے گھر کو سنوارنے کے علاوہ کیا ہی کیا ہے؟ اگر وہ اس کام کو بھی ٹھیک سے نہیں کر رہیں تو وہ ٹھیک نہیں ہیں۔" اسے اب معید پہ غصہ آ رہا تھا۔ ان بھائیوں کو آرام سے بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی؟

"اچھا بابا میں ایک نیورولجسٹ سے اپائنٹمنٹ لیتا ہوں۔ وہ کراچی گئے ہوئے ہیں۔ سوموار تک آ جائیں گے۔ ہم منگل کو انہیں کو دکھا دیں گے۔"

"منگل میں چھ دن ہیں معید۔"

"مالا ریلیکس۔ میں کسی عام سے نیورولجسٹ کو نہیں دکھا سکتا۔ ورنہ اس طرح تو میرے سینئرز بھی بہت ہیں۔"

"انگریزی بولتے ہیں میرے سامنے تا کہ مجھے سمجھ نہ آئے۔ آئے بڑے۔" وہ لاؤنج میں بیٹھی سلائیاں چلاتے ہوئے ان کی آوازیں سن رہی تھیں۔

تب ہی بخت بی باہر سے کچن میں داخل ہوئیں تو معید نے انہیں روک لیا۔

"آپ ذرا میری بات سنیں۔" اس کی آواز سخت ہو گئی۔ "مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ آپ ماں کو میٹھا کھانے دیتی ہیں۔ میں ان کی شوگر جتنی کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہوں' آپ ان کی چاپلوسی کے چکر میں اسے بڑھا دیتی ہیں۔ آج سے گھر میں میٹھا نہیں بنے گا۔ ورنہ میں آپ کا لحاظ نہیں کروں گا۔ کل کو ہمیں ماں کی گھٹنے کی سرجری کروانی پڑ گئی تو یہ شوگر کا کنٹرول نہ ہونا کتنا نقصان دہ ہو سکتا ہے' آپ کو احساس نہیں ہے اس بات کا۔"

مالا چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ بظاہر مالا کو وہ تسلی دے رہا تھا مگر اندر سے وہ خود پریشان تھا۔ البتہ وہ ظاہر نہیں

کرے گا۔ وہ ماں پہ گیا تھا۔ ماں کہتی تھیں کہ معید اندر سے گہرا کنواں ہے۔ اور شاید مالا بھی ماں پہ ہی گئی تھی۔ اپنے غم کو اندر ہی اندر لے کر گھلتے رہنا ان دونوں کی عادت تھی۔ ماہی ایسی نہیں تھی۔ ماں کا کہنا تھا کہ وہ ان کے ابا پہ گئی تھی۔ ذرا کوئی اسے تنگ کرے، وہ آستینیں چڑھا کے اگلے کی ساری دنیا الٹانے پہنچ جاتی تھی۔ وہ پریشان ہوتی تو دل میں نہیں رکھتی تھی۔ کمیونیکیٹ کرتی تھی۔ صاف صاف بول کے اس مسئلے کو حل کرتی تھی۔

معید اور مالا نے اس روز فیصلہ کیا کہ وہ ماں کو زیادہ سے زیادہ وقت دیں گے۔ معید اب ڈیوٹی آورز کے بعد کہیں نہیں جائے گا بلکہ ماں کے پاس بیٹھے گا اور مالا تو پہلے ہی اسلام آباد واپس نہ جانے کا فیصلہ کر چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کا کچن بھی باقی گھر کی طرح سرسبز پتوں سے آراستہ تھا۔ سنک کی کھڑکی کی سلاخوں کے ساتھ منی پلانٹ کی بیلیں اوپر چڑھتی دکھائی دے رہی تھیں۔ کاؤنٹر کے ہر کونے میں سبز بوتلوں میں بھی منی پلانٹ سجے تھے۔

وہ وسطی گول میز پہ اداس سی بیٹھی اپنے ساتھ براجمان حورِ جہاں بیگم کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سر جھکائے، لہسن چھیل رہی تھیں۔ وہ دیسی لہسن منگوایا کرتی تھیں جو چھیلے جانے میں وقت لیتا تھا۔ اس لیے ماں جب فارغ ہوتیں لہسن چھیلنے لگ جاتیں۔ لان کے سوٹ پہ سفید چکن کا دوپٹہ انہوں نے سر پہ لے کر کانوں کے پیچھے اڑس رکھا تھا۔ وہ نرمی سے ان کی کنپٹیوں سے نکلتے بال پیچھے کرنے لگی۔ وہ کمزور ہوتی جا رہی تھیں اور وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ جب ماں بیمار ہوتی ہے تو انسان کو احساس ہوتا ہے کہ اپنی ساری دولت، ڈگری اور کامیابیوں کے باوجود وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ جو ہے وہ اللہ ہے اور بس اللہ ہی ہے۔

دفعتاً ڈرٹی کچن کا دروازہ چرچراتا ہوا کھلا اور کسی نے کھنکھارتے ہوئے اس کی توجہ چاہی۔ مالا نے بجھا ہوا چہرہ اٹھا کے دیکھا تو سامنے کیف کھڑا تھا۔ جینز پہ بھوری ڈریس شرٹ کے آستین پیچھے موڑے، گیلے بال ماتھے پہ بکھیرے وہ ہر صبح کی طرح ہشاش بشاش اور مسکراتا ہوا تھا۔

''باس... میں کافی بنا رہا ہوں۔ آپ کو چاہیے؟''

مالا نے نفی میں گردن ہلا دی۔ ماں نے برہمی سے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''یہ باس کیا ہوتا ہے؟ جیسے سلیم کہتا ہے کشمالہ بی بی ویسے کہا کرو۔'' ساتھ ہی بڑبڑائیں۔ (کسی انگریز کی اولاد نہ ہو تو)۔

''جی بڑی بی بی۔ میں چلتا ہوں۔'' کیف سنبھل کے بولا۔ اسے ماں کی ڈانٹ سے ڈر لگتا تھا، یہ واضح تھا۔

"واپس آؤ میاں۔" ماں نے اسے گھورتے ہوئے دو انگلیوں سے آنے کا اشارہ کیا۔

"جی؟" کیف متذبذب سا آگے آیا۔ اور ہاتھ باندھے ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ منی پلانٹ والی کھڑکی اب کیف کی پشت پہ تھی۔ مالا نے دلچسپی سے ہتھیلی پہ تھوڑی جمائے اسے دیکھا۔ ماں کی ڈانٹ بڑی دلچسپ ہوتی تھی بالخصوص تب جب وہ کسی اور کو پڑے۔

"ناں مجھے ایک بات بتاؤ۔ تمہیں تمہارے اماں باوا نے کوئی ادب آداب سکھائے ہیں یا نہیں؟"

"انہوں نے کوشش تو کی تھی لیکن کامیاب نہیں ہوئے۔"

مالا نے مسکراتے ہوئے اسے گھورا۔ ماں کو اس کے انداز پہ مزید تپ چڑھ گئی۔

"رات سونے کے لیے ہوتی ہے میاں اور دن کام کرنے کے لیے۔ یہ جو تم رات بھر لان میں ٹہلتے ہوئے فون پہ لگے ہوتے ہونا' ساری آوازیں آتی ہیں مجھے۔"

"میں؟ فون پہ؟" کیف کے چہرے پہ ناسمجھی کا تاثر ابھرا جیسے اسے ماں کی بات سمجھ نہ آئی ہو۔ مالا کو لگا شاید ماں مکس اپ کر رہی تھیں۔ ماں سوتے وقت اے سی نہیں چلاتی تھیں۔ اس کی ہوا سے ان کے گھٹنوں میں درد ہوتا تھا۔ وہ کھڑکی کا ایک پٹ کھولے رکھتی تھیں۔ یوں لان کی آوازیں صاف اندر آتی تھیں۔

"سوری بڑی بی بی۔ میں دھیان کروں گا..." کیف نے تابعداری سے بات سنبھال لی۔ ماں بڑبڑا کے بخت بی کو آواز دینے لگیں۔ کیف الٹے قدموں ڈرٹی کچن کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ بند نہیں کیا۔ بس خاموشی سے اپنی کافی بنانے لگا۔

"ماں..." وہ نرمی سے کہتی ماں کے قریب ہوئی۔ "میں نے اس کو چوکیدار کی ڈیوٹی بھی دی ہے۔ اب پوری رات کرسی پہ فارغ تو نہیں بیٹھ سکتا۔ بے چارہ کالز کر لیتا ہو گا۔ خیر ہے۔"

ماں نے ناپسندیدگی سے ڈرٹی کچن کی طرف دیکھا جہاں کیف ان کی طرف پشت کیے کافی بنا رہا تھا۔

"لڑکیوں سے باتیں کرتا ہے ساری رات۔ توبہ استغفر اللہ۔"

مالا کو ہنسی آ گئی۔ "آپ کو کیسے پتہ؟"

"زارا زارا کی رٹ لگا رکھی تھی کل اس نے۔"

"کوئی دوست ہو گی اس کی۔ جانے دیں۔"

ماں نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔ "بی بی... مرد اور عورت کبھی دوست نہیں ہوتے۔"

''آج کل سب چلتا ہے ماں۔''ان کو مزید تپانے کے لیے مسکراہٹ دبا کے بولی۔

''کبھی اپنی ماں کا کوئی دوست گھر آتے دیکھا؟ برداشت ہوتا تم لوگوں سے؟ مرد اور عورت ازل سے ابد تک دوست نہیں بن سکتے۔ مرد مرد ہوتا ہے اور عورت عورت۔''وہ لہسن کا چھلکا اتارتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔''اللہ نے آدم اور حوا کو جب زمین پہ اتارا تو مختلف جگہوں پہ اتارا۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کو تلاش کرنے میں کئی برس لگے تھے۔ اللہ نے ہر انسان کا جوڑ اس دنیا میں اتارا ہے۔ کسی کو مل جاتا ہے اور کسی کو نہیں۔ مگر وہ ہوتا ضرور ہے۔ اور ہر انسان ساری زندگی اسی جوڑ کو تلاش کرتا رہتا ہے۔ دوستی کے نام پہ بھی مرد اور عورت دوسرے شخص میں اسی جوڑ کو ڈھونڈ رہے ہوتے ہیں۔ بختو...''

وہ بختو کو آواز دیتی ہوئیں گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے اٹھ گئیں اور فریج کی طرف بڑھیں۔

کافی میکر چلاتے ہوئے کیف نے ہلکی سی گردن موڑ کے کلین کچن کی گول میز پہ بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔ وہ اپنی ماں کی بات پہ دل کھول کے ہنسی تھی۔ بالوں کی اونچی پونی ٹیل بنائے اس کا سبز آنکھوں والا چہرہ دھلا دھلایا اور شفاف لگ رہا تھا۔ اس نے ایسے مہربان چہرے والی لڑکی کبھی دیکھی تھی کیا؟ شاید نہیں۔

''بختو... یہ بچے ہوئے سالن نکالو اور ڈبوں میں ڈال کے ہمسائیوں کے ملازموں کو دے آؤ۔''

''ماں... روز اتنا کھانا نہ بنایا کریں اگر آپ نے باٹنا ہی ہوتا ہے۔ آج ایک سالن بنالیں اور ساتھ ان پرانے سالن کو چلالیں۔''

ماں نے گھور کے اسے دیکھا۔''اب میں گھر کے ملازموں کو باسی سالن دوں گی اور اپنے بچوں کو نیا سالن؟ بی بی ایسی تفریق تمہاری ماں نے کبھی نہیں کی۔''

''اُف ماں۔ میں کھالوں گی پرانا سالن۔ آپ بخت بی اور سلیم کے لیے نیا بنالیں۔''جل کے بولی۔ ماں نے ان لوگوں کو ملازم نہیں رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے ماں کو مالک رکھا ہوا تھا۔

''کھانا کھلانا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ کھلانے سے کسی کا رزق کم نہیں ہوتا۔''ماں فریج کا دروازہ بند کر کے اس طرف مڑیں تو دیکھا' ڈرٹی کچن میں کھڑا کیف اپنی تازہ بنائی کافی کا گھونٹ بھر رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے چہرے پہ ناپسندیدگی در آئی۔

''منہ کیوں بنا رہے ہو؟''

کیف نے چونک کے انہیں دیکھا۔ وہ اسے ہی گھور رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے کپ نیچے کیا۔

''اتنی اچھی نہیں بنی اس لیے۔''

''کیوں میاں؟'' بخت بی جو چولہے کے ساتھ کھڑی تھیں' چمک کے بولیں۔ ''جب میں نے چائے بنا کے دی تھی تو کہتے تھے میں چائے نہیں پیتا۔ اب یہ ولایتی کافی حلق سے نیچے نہیں اتر رہی؟''

کیف نے مگ کاؤنٹر پہ رکھا اور ان کے سامنے آیا۔ اب کے وہ بولا تو انداز جلا کٹا تھا۔

''میں نے کہا تھا بخت بی' کہ میں ''ایسی'' چائے نہیں پیتا جو آپ بناتی ہیں۔ کالے پانی جیسی۔ میں خالص دودھ کی کڑک چائے پیتا ہوں جو کافی دیر تک چولہے پہ کڑھتی رہے۔ اوکے؟''

''نخرے تو دیکھو'' بخت بی برا مان گئیں۔

''اور یہ کافی میکر میں نے کشمالہ بی بی کے لیے نکالا ہے کیونکہ وہ بھی آپ کے ہاتھ کی کافی نہیں پی سکتیں۔'' چبا چبا کے بخت بی کو اطلاع دی۔ مالا کو لگا کہ اب کیف کو ماں سے ڈانٹ پڑنے والی ہے لیکن خلافِ توقع ماں اسے چند لمحے دیکھتی رہیں' پھر آہستہ آہستہ واپس اپنی کرسی تک آئیں۔

''تو خود اپنے لیے بنا لیا کرو کڑک چائے۔'' ماں کا انداز عام سا تھا۔

''مجھے بنانی نہیں آتی۔'' اس نے کندھے اچکا دیے۔ واؤ۔ کچھ تھا جو کیف کو نہیں کرنا آتا تھا۔

''پہلے کون بنا کے دیتا تھا؟''

کیف نے جواب نہیں دیا اور ڈرٹی کچن کی طرف بڑھ گیا۔

''واپس آؤ اور قہوے کا پانی رکھو۔ میں تمہیں سکھاتی ہوں کڑک چائے بنانا تاکہ تمہارے نخرے ختم ہوں۔'' ماں نے گھور کے اسے واپس آنے کا اشارہ کیا۔

کیف ہلکا سا مسکرا دیا۔ ماں کی ڈانٹ کے پیچھے بھی ان کی فکر تھی۔ چاہے ملازم بھی ہو' لیکن اسے اس کی پسند کا کھانا پینا ملنا چاہیے۔ وہ چپ چاپ واپس آیا اور ان کی ہدایت کے مطابق قہوہ رکھنے لگا۔ مالا کو اس سے ہمدردی ہوئی۔ ماں کے ساتھ جو کچن میں کام کرتا تھا' اس کو ڈانٹ بھی ساتھ ساتھ پڑتی تھی۔ البتہ کچھ تھا جو اس کے ذہن میں چبھا تھا۔ کسی کانٹے کی طرح جو فصلوں میں چلتے ہوئے پائنچوں کے ساتھ چپک جاتے ہیں۔

اس کے گھر میں کون تھا جو اسے اتنی محنت سے کڑک چائے بنا کے دیا کرتا تھا۔ کیف نے اس سوال کا جواب کیوں نہیں دیا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کہتے ہیں جس نے لاہور نہیں دیکھا' وہ پیدا نہیں ہوا۔ ٹھیک کہتے ہیں یا غلط' مگر کہتے ضرور ہیں۔ لاہور کشمالہ کے لیے ہمیشہ ایک فرار تھا۔ جب وہ اپنی ورک لائف سے تنگ آ جاتی تو اپنے گھر واپس آ جاتی۔ کچھ دن ماں کے ساتھ رہتی تو ذہن فریش ہو جاتا۔ مگر لاہور میں مستقل رہنا اس کے لیے کٹھن ثابت ہونے والا تھا۔ یہاں کی فضا آلودہ تھی اور شور زیادہ تھا۔ اسلام آباد ایک ہی رنگ میں رنگا تھا۔۔ پنڈی کی حدود سے جیسے ہی اسلام آباد میں داخل ہو تو ایک پوش اور صاف ستھرا سا شہر نظر آتا تھا۔ لاہور ایسا نہیں تھا۔ اس شہر میں بہت سے رنگ ایک ساتھ بستے تھے۔ لوگوں کے لہجے مختلف تھے۔ صبح دیر سے ہوتی تھی اور رات اس سے بھی دیر سے۔ یہاں سب سے بڑی انٹرٹینمنٹ کھانا اور شاپنگ مالز تھے۔

دوپہر میں وہ کسی کام سے بینک جا رہی تھی تو کار کی کھڑکی سے باہر گزرتے منظر کو دیکھ کے اسے حیرت ہوئی۔

لاہور میں بہت سے ریسٹوران چائے کے نام سے کھل گئے تھے۔ اور یہ سب نئے ریسٹوران تھے۔

"تمہیں کڑک چائے پسند ہے نا' دیکھو تمہارے لیے کتنے کیفے ہیں یہاں۔" اس نے ڈرائیو کرتے کیف کو بتایا۔

"کچھ سال پہلے تک لاہور ایسا نہیں تھا۔" کیف ونڈ اسکرین کے پار سڑک پہ توجہ کیے تبصرہ کرنے لگا۔ "یہاں کافی پینا فیشن سمجھا جاتا تھا۔ چائے ایک بیک ورڈ چیز تھی۔ لیکن جب سے انڈین پائلٹ ابھی نندن نے پاکستانی چائے کو فنٹاسٹک کہا ہے' لاہور میں چائے کے نام پہ درجنوں کیفے کھل گئے ہیں۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟ تم تو اتنے سال سے اسلام آباد میں رہ رہے ہو۔"

کیف نے شانے اچکائے۔ "مجھے معلوم ہوتا ہے۔"

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے بیک ویو مرر اوپر کر دیتا تھا اور اسے کیف کی یہ عادت پسند تھی۔ اتنے دن سے وہ ڈری نہیں تھی نہ اسے اس انجان تعاقب کار سے کوئی خوف محسوس ہوا تھا۔ کیونکہ جب وہ باہر نکلتی' کیف ساتھ ہوتا۔ یہ احساسِ تحفظ اسے پہلے کسی گارڈ کے ساتھ محسوس نہیں ہوا تھا۔

"ویسے میں دھیان کروں گا کہ رات کو میرے کام کی وجہ سے بڑی بی بی ڈسٹرب نہ ہوں۔" وہ توقف سے بولا۔

"ہاں تم نے بتایا تھا۔ تم اپنا بزنس پلان بنا رہے ہو۔ کہاں پہنچا وہ؟" وہ کھڑکی سے باہر دوڑتے درختوں کو دیکھ کے بولی۔ وہ نہر کے ساتھ سفر کر رہے تھے اور یہاں درخت پہلے سے زیادہ ہو گئے تھے۔ سبزہ دیکھ کے اندر تک ٹھنڈ اتر گئی تھی۔

''ابھی تو شروع کیا ہے۔ ڈیڑھ ماہ ہیں میرے پاس۔''

''ڈیڑھ ماہ کیوں؟'' اسے حیرت ہوئی۔

''وہ دراصل...'' وہ سنبھلا اور موڑ کاٹا ''اپنے لیے ڈیڈ لائن رکھی ہے۔''

''اوہ اچھا'' کشمالہ نے سر ہلا دیا۔ ''ڈیڑھ ماہ کافی لمبا عرصہ ہے۔ دو ہفتے بھی کافی ہوتے ہیں۔ خیر۔ تم کر لو گے۔''

اس کی بات پہ وہ مسکرا دیا۔ ''تھینک یو۔ مجھے کسی نے کہا تھا کہ میں یہ نہیں کر سکوں گا۔''

''چچ'' کشمالہ نے افسوس سے سر جھٹکا۔ ''لوگ نوجوان انٹرپرونیئرز سے اتنی بے رحم باتیں کیسے کہہ دیتے ہیں۔ خیر... ایک مشورہ دوں۔ تمہیں ایک مینٹور کی ضرورت ہے۔ ہر نوجوان انٹرپرونیئر کو ہوتی ہے۔ کوئی بہت سینئر اور کامیاب انسان جس کو بزنس کی سمجھ تم سے کہیں زیادہ ہو۔ جو تمہارا پلان دیکھ کے اس کی خامیاں دور کر سکے۔''

کہتے ہوئے مالا نے سوچا' کیا اسے کیف کو اپنی مینٹورشپ آفر کرنی چاہیے؟ وہ اس کا پلان دیکھ کے اس کو امپروو کرنے میں مدد دے سکتی تھی لیکن....

''جی... مینٹور ہے میرے پاس۔''

''اچھا کون؟'' اس نے کھڑکی سے نظریں ہٹائیں اور دلچسپی سے کیف کے کندھے کی پشت کو دیکھا۔ وہ یہاں سے اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ بس اسٹیئرنگ پہ رکھے اس کے ہاتھ نظر آتے تھے۔

''آپ نہیں جانتیں اسے۔ مطلب وہ یہاں کا نہیں ہے۔ برطانیہ کا ایک کامیاب بزنس مین ہے۔ میرا فیملی تعلق ہے اس سے۔'' وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔ کشمالہ نے کندھے اچکا دیے۔

''اوکے گڈ۔ مگر تم میری جاب کے ساتھ اپنے پلان پہ کام کیسے کرو گے؟''

''کر لوں گا۔ پوری رات ہوتی ہے میرے پاس۔ آپ کا تعاقب کار بھی تنگ نہیں کر رہا۔'' پھر خیال آنے پہ پوچھا۔ ''آپ نے بڑی بی بی کا چیک اپ نہیں کروایا؟''

''معید نے اپائنٹمنٹ لی ہے ایک نیورولوجسٹ سے منگل کے لیے۔''

''منگل آنے میں پانچ دن ہیں۔''

وہ جواب دیتی لیکن کیف کا موبائل وائبریٹ کرنے لگا۔ موبائل ڈرائیونگ اور فرنٹ سیٹ کے درمیان میں رکھا تھا۔ کیف نے موڑ کاٹتے ہوئے موبائل اٹھانا چاہا۔ وہ پھسل کے نیچے جا گرا۔ اس نے چونکہ فون گرتے نہیں دیکھا

تھا اس لیے وہ اپنی سائیڈ پہ ہاتھ مارنے لگا حالانکہ فون سلپ ہو کے پیچھے کشمالہ کے قدموں میں آ گرا تھا۔

اس نے جھک کے موبائل اٹھایا۔ اسکرین سامنے تھی۔ ایک ہی نظر میں کال کرنے والے کا نام پڑھ سکتی تھی۔

''زارا کیف۔''

اس نے موبائل کیف کی طرف بڑھایا تو کیف نے تیزی سے اسے تقریباً کھینچا اور پھر زور سے بٹن دبا کے اسے بند کیا اور دوسری طرف رکھ دیا۔ کار کی اسپیڈ بڑھ گئی۔ کیف ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

وہ ظاہر کیے بنا کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ مگر ذہن میں بہت سی جمع تفریق چل رہی تھی۔

زارا کیف۔ یہ کون تھی؟ کیف کی سی وی کے مطابق وہ غیر شادی شدہ تھا۔ شاید اس کی کوئی دوست ہو جس کا لاسٹ نیم بھی کیف ہو۔ کیا ایسا اتفاق ممکن تھا؟

کشمالہ کو بینک کے سامنے اتار کے وہ کار میں بیٹھا رہا۔ جب اسے تسلی ہو گئی کہ وہ اندر جا چکی ہے تو اس نے موبائل نکالا اور زارا کی چیٹ کھولی۔ پھر بے بسی بھرے غصے سے میسج ٹائپ کرنے لگا۔

''تم آئندہ مجھے خود سے کال نہیں کرو گی۔ جب کال کرنی ہو گی میں خود کروں گا۔ سمجھ میں آیا؟''

وہ کچھ دیر وہاں بیٹھا سوچتا رہا۔ اس کی مڑی پلکوں والی آنکھیں بینک کے دروازے پہ جمی تھیں۔ ذہن میں الگ طوفان برپا تھے۔ پھر اس نے وائٹ ہیئر کو کال ملائی اور موبائل کان سے لگالیا۔

''میں یہ جاب مزید نہیں کر سکتا۔ میں quit کرنا چاہتا ہوں۔''

دوسری طرف ایک لمحے کی خاموشی چھائی رہی۔ پھر مالک کی سرد آواز گونجی۔

''کیوں؟''

''میری ذاتی زندگی اور یہ جاب مکس اپ ہو رہی ہے۔''

''تمہیں کیا مذاق لگتا ہے یہ سب؟'' مالک ایک دم غصے سے دھاڑا۔ ''تم ایک صبح اٹھ کے فیصلہ کرو گے کہ تم یہ نہیں کرنا چاہتے اور میں تمہیں چپ چاپ واک آؤٹ کرنے دوں گا؟''

''چلاؤ مت۔ میں تمہارا ماتحت نہیں ہوں۔ میں جب چاہے اس جاب کو چھوڑ سکتا ہوں۔'' وہ دانت پیس کے بولا۔ اس کے کان سرخ ہو رہے تھے۔

توقف کے بعد مالک بولا تو آواز دھیمی تھی۔

''اصل وجہ کیا ہے؟ کیوں چھوڑنا چاہتے ہو یہ جاب؟''

کیف نے گہری سانس لی۔

"اس کی ماں بیمار ہے۔ میں اس کے ساتھ مزید دھوکہ نہیں کر سکتا۔"

"تم اس کی ماں کے لیے اتنے حساس کیوں ہو رہے ہو۔"

"بس میں اس کی فیملی کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ یہ پلان کا حصہ نہیں تھا۔"

"اب یہی پلان کا حصہ ہے۔ میری بات غور سے سنو۔ تم اس لڑکی کی جاب کرو گے۔ جب تک تمہیں وہ نہیں ملتا جو ہمیں درکار ہے۔"

"اس نے مجھے نہیں بتایا کہ وہ کیسے جانتی ہے کہ کسی آدمی کے پاس اس کی تصویر ہے۔ میں نے اس دن سے دو دفعہ پوچھا ہے۔ وہ نہیں بتاتی۔ میں کیا کروں۔"

"پھر تم اس کا اعتماد حاصل کرو۔ تمہیں یہ کرنا پڑے گا۔"

"یا میں اسے سب سچ بتادوں۔ میں ایسا کر سکتا ہوں۔" اس کا انداز نڈر تھا۔ کسی بھی خوف سے خالی۔

"ٹھیک ہے۔ ابھی جاؤ اور اسے سب بتا دو۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن اس سے کیا ہوگا۔ کیا وہ تمہارا شکریہ ادا کرے گی؟ نہیں۔ وہ تمہیں کھڑے کھڑے گھر سے نکال دے گی۔ اور تم خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔"

کیف کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑتے گئے۔

"میں جھوٹا اور دھوکے باز نہیں تھا۔ میں مزید یہ نہیں کرنا چاہتا۔"

"تم اس لڑکی کی زندگی میں دھوکے سے داخل ہوئے ہو۔ اب تم اس چیز کو فکس نہیں کر سکتے۔ اب واپسی ممکن نہیں ہے۔ جلد یا بدیر اسے تمہاری حقیقت معلوم ہو جائے گی۔ اس کے بعد وہ صرف تم سے نفرت کرے گی۔" مالک کا انداز استہزایہ تھا۔ "تمہیں اس وقت کے آنے سے پہلے اپنا کام مکمل کر کے وہاں سے نکلنا ہے۔ سمپل۔" مالک کے لیے یہ جمع تفریق بہت آسان تھی اور اس کے لیے یہ فقرہ بہت بھاری تھا۔ (وہ تم سے نفرت کرے گی۔)

"تم مجھے کسی بھی چیز کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔" وہ بے بسی بھرے غصے سے بولا۔ "میں نے اپنی مرضی سے اس جاب کے لیے حامی بھری تھی۔ میں اپنی مرضی سے اس کھیل کو ختم بھی کر سکتا ہوں۔"

"تمہارے پاس یہ چوائس اس دن تک تھی جب ہم تینوں اس ہوٹل سوئیٹ میں اکٹھے ہوئے تھے۔ اس دن کے بعد تمہارے پاس یہ چوائس نہیں رہی۔ تم اس کو کچھ نہیں بتاؤ گے۔ ورنہ میں سچ کہہ رہا ہوں' مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔ جاؤ اور اپنا کام مکمل کرو۔"

کشمالہ بینک سے باہر آ رہی تھی۔ کہنی پہ بیگ لٹکائے' سن گلاسز ماتھے کے اوپر چڑھائے وہ موبائل کے بٹن ساتھ ساتھ دبا رہی تھی۔ پھر چہرہ اٹھا کے اپنی کار کی تلاش میں دیکھا۔ کیف نے فون رکھ دیا۔ کشمالہ کی نگاہ اس سے ملی تو وہ مسکرا دی اور اس کی طرف آنے لگی۔

کیا وہ اس سے نفرت کرنے لگے گی؟ کیا ان دونوں پہ ایسا بھی وقت آنا تھا؟ کار اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک ہی فقرہ گونج رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کے بالائی فلور پہ ایک کمرے کی کھڑکی لان میں کھلتی تھی۔ وہ کمرہ کسی زمانے میں گیسٹ روم ہوتا تھا۔ برسوں پہلے کشمالہ نے وہاں سے بیڈ اور صوفے نکلوا کے اسے اپنا پینٹنگ اسٹوڈیو بنا لیا تھا۔ پھر وہ اسلام آباد چلی گئی تو یہ کمرہ بند ہی رہ گیا۔ کام والی صفائی کر دیتی تھی لیکن جب سے ماں نے سیڑھیاں چڑھنا ترک کیا تھا' اوپر کی صفائی بھی واجبی ہوتی تھی۔ اس روز کشمالہ جیسے ہی اندر داخل ہوئی' گرد کی بو فوراً سے نتھنوں میں گھسی۔

کمرہ خالی خالی سا تھا۔ دو دیواروں پہ بک شیلف بنے تھے جن میں اس کی پسند کی کتابیں اور پینٹ باکسز رکھے تھے۔ نیچے کیبنٹس بنے تھے۔ اس نے ایک کیبنٹ کھولا تو بہت سی یادیں سامنے آ گئیں۔ مریز (maries) اور ونزر اینڈ نیوٹن کے خالی پینٹ باکسز۔ ٹرپنٹائن کا آدھا بھرا کنٹینر' ساتھ ہی چند خالی کنٹینرز رکھے تھے جن پہ آئل پینٹ کے داغوں کی بہتات تھی۔ ان میں سے ایک کنٹینر اس کا پسندیدہ تھا۔ مالا نے زخمی مسکراہٹ کے ساتھ اسے اٹھا کے دیکھا۔ آرٹسٹس کو اپنے کچھ ڈبوں اور کچھ برشز سے محبت ہو جاتی ہے بالخصوص ایسا برش جس پہ اس کا ہاتھ بیٹھ جائے۔ اس ڈبے میں اس کا فیورٹ برش رکھا تھا۔ اس کے برسلز رف اور داغدار تھے اور اب تک وہ ایکسپائر ہو چکا تھا لیکن ماں نے انہیں پھینکنے کی اجازت کبھی نہیں دی۔ مالا جیسے انہیں چھوڑ کے گئی تھی' اسے وہ ویسے ہی ملنے چاہیے ہیں۔ شاید وہ ہمیشہ سے اس کی واپسی کی منتظر تھیں۔

ایک دیوار پہ اونچی سے کھڑکی تھی جو لان میں کھلتی تھی۔ اس نے بلائنڈز اوپر کیے اور کھڑکی کا پٹ کھولا۔ گرد کی ایک تہہ اڑ کے آنکھوں میں آئی۔

نیچے لان میں گارڈ چیئر پہ بیٹھا کیف اسکیچ بک پہ تیز تیز پینسل چلا رہا تھا۔ آہٹ پہ اس نے گردن اٹھا کے کشمالہ کو دیکھا۔ پھر اسکیچ بک رکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کوئی کام ہے باس؟" ماں کی غیر موجودگی میں اس کے منہ سے باس پھسل جاتا تھا۔

لان میں لگا بوگن ویلیا کا درخت پینٹ اسٹوڈیو کی کھڑکی تک جاتا تھا۔ وہاں کشمالہ کھڑی تھی۔ جامنی پھولوں اور سبز شاخوں کے درمیان وہ کسی پینٹنگ کا حصہ لگ رہی تھی۔ گلابی شلوار قمیض میں ملبوس بال اونچی پونی میں مقید کیے دوپٹا ایک کندھے سے گزار کے دوسری طرف باندھے وہ یقیناً کام کے ارادے سے اسٹوڈیو میں آئی تھی۔

(وہ جلد یا بدیر تمہاری حقیقت جان جائے گی۔ پھر وہ تم سے نفرت کرے گی۔)

وہ چند لمحے گردن اٹھائے اس پینٹنگ جیسی لڑکی کو دیکھے گیا۔

جب اس نے یہ جاب شروع کی تھی اور اس کا کشمالہ مبین سے تعارف ہوا تھا' تب وہ اس کے لیے ایک تصویر تھی۔ وہ اسے نہیں جانتا تھا۔ اس لیے دو ماہ کے لیے اس کا گارڈ بننا مجبوری کے ساتھ ساتھ ایک ایڈونچر بھی لگا تھا۔ وہ دو ماہ بعد یہاں سے چلا جائے گا۔ بعد میں وہ جان بھی جائے تو اسے کیا۔ وہ اس کا کیا بگاڑ لے گی۔ کچھ دن بعد وہ اپنی زندگی میں مصروف ہو کے اس لڑکی کو بھول جائے گا۔

اور اب.... اب وہ سوچ ایک مذاق لگتی تھی۔ وہ کیسے اس لڑکی کو اس کے گھر کو اور اس کے پودوں کو بھول پائے گا؟

''تم اوپر آؤ اور سلیم کو بھی بلا لاؤ۔'' وہ اوپر کھڑی کہہ رہی تھی۔ کیف چونکا۔

''آج ہم نے اسٹوڈیو کو صاف کرنا ہے۔''

وہ پرجوش نظر آتی تھی۔ یہ طے تھا کہ اسے ماں کے ساتھ رہنا تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ گھر میں بے کار بیٹھے گی۔ اسے بے کار بیٹھنے کی عادت تھی نہ شوق۔ اس کے ذہن نے ایک نئے پلان پہ کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور ورک فرام ہوم کا پہلا اصول ہی یہی تھا کہ وہ گھر کا ایک کونا اپنے کام کے لیے مختص کرے۔ کوئی انسان گھر سے کام تب تک نہیں کر سکتا جب تک اس کے پاس ورکنگ اسپیس نہ ہو۔ اس کا سامان اسلام آباد سے آ گیا تھا۔ پیکرز نے سب کچھ پیک کر کے لاہور پہنچا دیا تھا۔ اب اسے اس سب کو یہاں سیٹ کرنا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سلیم اور کیف اس کے ساتھ اسٹوڈیو میں کھڑے کام کروا رہے تھے۔ کیف کتابیں نکال نکال کے رکھ رہا تھا۔ اور سلیم ان کو کارٹن میں ڈال رہا تھا تاکہ باہر لے جا کے انہیں جھاڑے۔ چند ہی منٹ میں وہ تینوں مٹی مٹی ہو گئے تھے۔ سلیم تو بس ایسے ہی شروع ہو گیا تھا البتہ کیف نے دستانوں اور ماسک کے ساتھ کام شروع کیا تھا اور وہ بار بار مٹی کی وجہ سے ناک بھوں بھی چڑھاتا تھا۔ (نخرے تو دیکھو۔)

''باس... ایک بات پوچھوں۔''

''نہیں۔ کام پہ دھیان دو۔''

''بات تو سنیں۔''

''پہلے تم میری بات سنو۔'' وہ دونوں ہاتھ پہلوؤں پہ رکھے اس کی طرف گھومی۔ ''تم اپنا بزنس پلان بنا رہے ہو یا نہیں؟''

''بنالوں گا۔ ڈیڑھ ماہ ہے میرے پاس۔''

''میں جب دیکھتی ہوں تم اسکیچ بک لیے موٹر بائیکس بنا رہے ہوتے ہو۔''

''میں اسکیچنگ کر کے فریش ہو جاتا ہوں۔ یو نو۔ اسٹریس ریلیف۔'' وہ کتابوں کی مٹی جھاڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ کشمالہ خفگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تم نے سنا نہیں ہے کہ مرد کی سب سے بڑی بدصورتی اس کی خالی جیب ہوتی ہے؟''

''یار یہ کیا آپ لوگوں نے اسٹینڈرڈ سیٹ کر لیے ہیں کہ تیس کی عمر تک پہنچنے سے پہلے کیریئر سیٹ ہونا چاہیے۔ ہر بندے کا نہیں ہو سکتا۔'' وہ جھنجھلا گیا۔

''بات کیریئر سیٹ کرنے یا زیادہ کمانے کی نہیں ہے۔ چاہے کم کماؤ لیکن اپنا کچھ کرتے رہو۔ فارغ بیٹھنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔ تیس کی عمر آنے تک تمہارے پاس کچھ اپنا ہونا چاہیے۔''

وہ کتابیں واپس رکھتے ہوئے چونکا۔ ''میں آپ کو کتنے سال کا لگتا ہوں؟''

کیف نے سوالیہ ابرو اٹھائی تو کشمالہ نے رک کے اندازہ لگانا چاہا۔ ''شاید ستائیس اٹھائیس۔''

وہ محظوظ انداز میں مسکرایا۔ ''میں بتیس سال کا ہوں۔ نہیں لگتا نا؟ ایکسرسائز، کم کھانا اور اسٹریس نہ لینا... یہ چیزیں عمر بڑھنے کے پروسیس کو سست کر دیتی ہیں۔ یہ سائنسی طور پہ ثابت شدہ بات ہے۔''

''اوہ۔ تو تم کم عمر دکھنے کے لیے ساری عمر بے کار مشغلوں میں ضائع کر دو گے لیکن کیریئر نہیں بناؤ گے؟ ایک میرا کلاس فیلو بھی ایسا تھا۔ ہر وقت اپنی اسکن اور فٹنس کی پرواہ میں لگا رہتا تھا۔ کبھی ڈھنگ سے نوکری نہیں کر سکا کہ دھوپ میں کام کرنے سے اسکن خراب ہو جائے گی۔''

''ٹھیک کہتا تھا۔ دھوپ میں کام کرنے سے اسکن کینسر ہو سکتا ہے۔ اسی لیے سن اسکرین لگانی چاہیے۔'' وہ ڈھٹائی سے کہتے ہوئے کتابیں واپس شیلف میں جوڑ رہا تھا۔ فرش پہ بیٹھے خالی ڈبے صاف کرتے سلیم نے ناپسندیدگی سے کیف کو دیکھا۔ یہ مالا باجی کے ساتھ کچھ زیادہ ہی فرینک ہوتا تھا۔

''میں تمہیں ایک نصیحت کر رہی ہوں۔اپنے بزنس پلان پہ دھیان دو۔بتیس سال کی عمر میں بھی اگر تمہارے پاس کوئی پلان نہیں ہے تو یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔سوچو تمہارا امیٹور کیا سوچے گا اگر تم اسے اپنا پلان دکھانے میں ناکام ہو جاتے ہو۔''

کیف کے چہرے سے سایہ سا گزر گیا۔اس نے جواب نہیں دیا۔جھک کے ایک کیبنٹ کھولی اور اندر رکھے چند کینوس باہر نکالے۔پھر انہیں کھولا تو آنکھوں میں ستائش ابھر آئی۔

''یہ آپ نے بنائے ہیں۔''

''ظاہر ہے میں نے بنائے ہیں۔اب تم کہو گے کہ یہ بہت اچھے ہیں تو مجھے پہلے سے معلوم ہے کہ یہ بہت اچھے ہیں۔اس لیے کام پہ دھیان دو۔''

کیف نے مسکرا کے کینوس واپس رکھے۔

''ویسے... آپ کیا کام شروع کرنے لگی ہیں اب؟''اس نے وہ سوال پوچھ لیا جو وہ شروع میں پوچھنے جا رہا تھا۔

''بتاؤں گی۔''وہ بے نیازی سے کہہ کے کام کرتی رہی۔کیف نے چند لمحے اس کے جواب کا انتظار کیا۔پھر اسے احساس ہوا کہ کیف جمال ایک ناکام انٹرپرونیئر ہے اور کشمالہ مبین ایک کامیاب انسان۔وہ ایک ناکام انسان سے کبھی رائے نہیں لے گی۔اس نے ایک گہری سانس خارج کی اور اوپری خانوں سے چیزیں نکالنے لگا۔وہ ان دونوں سے لمبا تھا۔اس لیے سب سے اوپر والے خانوں کی صفائی وہی کر سکتا تھا۔

شیلف کے سب سے اوپری خانے سے اس نے کتابیں نکالیں تو کچھ فرش پہ گرا۔وہ چونکا۔کتابیں ایک طرف رکھیں۔اور پنجوں کے بل نیچے جھکا۔وہ ایک تہہ شدہ کاغذ تھا۔

کیف نے ہلکی سی گردن موڑ کے ان دونوں کو دیکھا۔ان کی اس طرف پشت تھی۔کسی نے وہ کاغذ گرتے نہیں دیکھا تھا۔کیف نے دھڑکتے دل سے اس کی تہیں کھولیں۔اندر لکھی تحریر کو وہ ایک ہی نظر میں پہچان گیا تھا۔اس نے نامحسوس انداز میں کاغذ جیب میں رکھ لیا اور واپس کام کرنے لگا۔

شام تک وہ تینوں مل کے اس اسٹوڈیو کو چمکا چکے تھے۔ماربل کا فرش دھل کے خشک ہو چکا تھا۔کھڑکیاں اندر باہر سے صاف ہو چکی تھیں۔ایک ورک ٹیبل کھڑکی کے ساتھ رکھی تھی جس پہ کشمالہ نے اپنی ضروری چیزیں سجائی تھیں۔سینٹڈ کینڈل بھی جلا دی تھی جس نے سارے کو معطر کر دیا تھا۔

کیف نے تنقیدی نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ ''یہاں صرف ایک چیز کی کمی ہے۔''

''پودوں کی۔'' وہ مسکرا کے بولی۔ ''صبح نئے پرانے سارے پودے سیٹ کردوں گی ادھر۔ پھر میرا ہوم آفس مکمل ہو جائے گا۔''

کیف نے مسکرا کے اسے دیکھا۔ اس کے بال اور پلکیں تک مٹی مٹی ہو چکی تھیں لیکن وہ خوش لگ رہی تھی۔

''پتہ ہے کیف... انسان کو اپنی روٹین لائف بورنگ لگتی ہے۔ لیکن روٹین اصل نعمت ہے۔ روٹین کا مطلب ہے ہم صحت سے ہیں۔ عافیت میں ہیں۔ بس مجھے اپنی روٹین میں واپس جانا ہے۔''

''اس ریستوران کا کیا ہوا جنہوں نے آپ کو جاب آفر کی تھی؟'' اسے یاد آیا۔۔ وہ شیلف سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور وہ اس کے سامنے کھڑکی کے ساتھ کھڑی تھی۔

''وہ۔'' کشمالہ کا چہرہ بجھ گیا۔ ''میں توقع کر رہی تھی کہ وہ مجھے کوئی مینیجمنٹ پوزیشن آفر کریں گے۔ لیکن وہ اپنے ریستوران کی ایک دیوار پہ تھری ڈی الوژن بنوانا چاہتے ہیں۔''

''آپ بنا سکتی ہیں۔ نہیں؟''

''رمضان شروع ہونے والا ہے۔ ان کے پاس عید تک کا وقت ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں سارا رمضان اس ایک دیوار پہ کام کروں۔ مگر چار ہفتوں میں صرف پینٹنگ بنائی جا سکتی ہے' آرٹ نہیں۔''

''کیوں؟'' وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔

''آرٹ بنانے کے لیے کوئی ڈیڈ لائن نہیں رکھی جا سکتی کیونکہ آرٹ خوشی سے نہیں تخلیق کیا جاتا۔ نہ وہ پیسے کمانے کے لیے ہوتا ہے۔ آرٹ درد اور ٹوٹے دل سے بنتا ہے۔ اس کے لیے (کنپٹی پہ انگلی سے دستک دی) ذہن کے کری ایٹو حصے کا شور سے خالی ہونا ضروری ہے۔ اور میرے ذہن میں ابھی بہت شور ہے۔''

''یعنی آپ نے انکار کر دیا؟''

''نہیں۔ سوچنے کے لیے وقت مانگا ہے حالانکہ انکار کر دینا چاہیے تھا۔'' وہ متذبذب لگ رہی تھی۔

''آپ لوگوں کو ناں نہیں کہتیں۔ کہہ دیا کریں۔ ناں کہنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ سانس لینا۔ نہیں کہیں گی تو دم گھٹنے لگے گا۔ کافی بنا دوں؟'' تابعداری سے پوچھا۔ کشمالہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''تھینک یو کیف۔ تم میری زندگی بہت آسان کر دیتے ہو۔ میری دعا ہے کہ تمہارا بزنس پلان جلد بن جائے اور وہ کامیاب ہو۔'' وہ خود سے کہہ رہی تھی یا اس سے' وہ فیصلہ نہیں کر سکا۔ بس چند لمحے اس مہربان لڑکی کو دیکھتا رہا جو

اس کے کیریئر کی اتنی فکر کر رہی تھی۔ دل کا بوجھ بڑھتا گیا۔

''کشمالہ بی بی...'' اس نے کہنا چاہا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب وہ اسے سب بتا سکتا تھا۔ اسے مالک کی بات نہیں سننی تھی۔ وہ اسے اپنی مجبوری بتائے گا۔ ساری بات سمجھائے گا۔ یہی وہ لمحہ تھا۔ اگر آج نہیں تو پھر شاید کبھی نہیں۔ وہ اس سے نفرت نہیں کرے گی۔ وہ مہربان دل کی مالک تھی۔ وہ اسے اپنے قریب رہنے دے گی۔ وہ اس کی حفاظت کرے گا۔ اس کو کوئی نقصان نہیں ہونے دے گا۔

''اوہ ہاں....'' کشمالہ نے سنا نہیں۔ اسے یاد آیا۔ ''میں نے ماہر فرید کو گوگل کیا تھا۔'' آواز آہستہ کر لی۔ سلیم کسی کام سے نیچے گیا تھا۔ اسے اس کے آنے سے پہلے بات مکمل کرنی تھی۔

کیف کے قدم وہیں زنجیر ہو گئے۔ سانس جہاں تھا وہیں رک گیا۔

''اور؟'' دل زور سے دھڑکا۔

''تم نے نوٹس کیا تھا کہ اس لائٹر کے اوپر made in UK لکھا تھا۔''

کیف نے اسے وہ لائٹر واپس کر دیا تھا اور اس نے کل رات ہی اسے غور سے دیکھا تھا۔

''جی۔ لائٹر تو کہیں کا بھی بنا ہو سکتا ہے۔'' اس نے بات ٹالنی چاہی۔

''نہیں۔ اگر تم غور کرو تو ''made in UK'' اور ''ماہر فرید'' ان دونوں الفاظ کو ایک ہی فونٹ میں engrave کیا گیا ہے۔ یعنی وہ لائٹر یوکے کا نہیں بنا ہوا۔ وہ ایک ہنٹ ہے۔''

کیف نے تھوک نگل کے بظاہر ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ....'' اس کی آنکھیں چمکیں۔ ''اس ماہر فرید کا تعلق یوکے سے ہے۔ پہلے میں نے سرچ کیا تھا تو بہت سے ملکوں کے ماہر فرید نظر آئے تھے۔ لیکن جب میں نے یوکے لکھ کے سرچ کیا تو مجھے ایک پرانی فیس بک پوسٹ ملی۔'' وہ اسے وہ بتا رہی تھی جو وہ پہلے سے جانتا تھا۔ پھر بھی ضبط کیے سنے گیا۔

''اس کے مطابق ماہر فرید ایک سائیکو پیتھ ہے۔ جس کے ماں باپ نے خود اس کو کسی ذہنی امراض کے ہسپتال میں داخل کروایا تھا۔ لیکن پھر کسی طرح اس نے خود کو وہاں سے نکلوا لیا اور اپنے باپ کے کار کریش میں مر جانے کے بعد وہ اس کے تمام اثاثوں کا مالک بن بیٹھا۔ وہاں کوئی کہہ رہا تھا کہ شاید اس نے اپنے باپ کو خود قتل کیا ہو۔'' اس نے جھرجھری لی۔

''کتنے عجیب لوگ ہوتے ہیں دنیا میں۔ میری ماں کو ذرا سی بیماری ہے اور میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے اور

لوگ پیسے کے لیے اپنے باپ کو مار بھی سکتے ہیں۔" وہ واقعی افسوس سے کہہ رہی تھی۔

کیف کے حلق میں کانٹے اُگ آئے۔" سائیکو پیتھ ایسے ہی ہوتے ہیں۔" پھر اس نے غور سے کشمالہ کو دیکھا۔" کیا واقعی آپ کسی ماہر فرید کو نہیں جانتیں؟"

"نہیں کیف۔ میں نہیں جانتی۔ لیکن ایک بات ہے۔ یہ آدمی جو پتہ نہیں کیوں میرے پیچھے پڑا ہے' یہ اکیلا کام نہیں کر رہا۔ اس نے اپنے ہرکارے چھوڑ رکھے ہیں۔ جیسے وہ لفٹ والا آدمی۔"

"یعنی اس سائیکو پیتھ نے...." پھر سے بہت سا تھوک حلق سے نیچے اتارا۔" کچھ لوگوں کو اپنے پے رول پہ رکھا ہوا ہے آپ کو تعاقب کرنے کے لیے۔"

"ایسا ہی لگتا ہے۔ اور پتہ ہے کیا۔ یہ لوگ جو اس کے لیے کام کر رہے ہیں' یہ اس سائیکو پیتھ سے بدتر ہیں کیونکہ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کیا ہے لیکن صرف اس کی دولت کی وجہ سے وہ اس کے ساتھ ہیں۔" وہ جو کچھ رات سے سوچ رہی تھی' اس سب کو ایک سانس میں باہر نکال دیا۔ پھر جھرجھری لے کر سر جھٹکا۔

"سوری تم کچھ کہہ رہے تھے۔" تب خیال آیا کہ کیف نے کسی بات کا آغاز کیا تھا۔

"نہیں۔ کچھ نہیں۔" اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔

"میں تھک گیا ہوں۔ کچھ دیر کے لیے کمرے میں جا رہا ہوں۔" اس سے نگاہ ملائے بغیر وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

اسے کیا ہوا؟ یہ تو کافی بنانے جا رہا تھا۔ اس نے تعجب سے کیف کو جاتے دیکھا۔ شاید اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔

وہ مزید اس بارے میں سوچتی مگر اس کا فون بجا۔ اس نے موبائل اٹھا کے دیکھا۔ زیاد سلطان کا ایک اور میسج ریسیو ہوا تھا۔ اس نے پچھلا میسج ابھی کھولا نہیں تھا۔ نوٹیفیکیشن سے پڑھا تھا۔ کیونکہ وہ تب تک یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ کیا وہ زیاد سے گفتگو کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اب اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

"شیور۔ آپ مجھے رات آٹھ بجے سے پہلے تک کسی بھی وقت کال کر سکتے ہیں۔" اس نے مسکرا کے میسج ٹائپ کیا۔

سیڑھیاں اترتے کیف کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ وہ چپ چاپ نیچے کمرے میں آیا اور دروازہ بند کر دیا۔ فرش پہ ایک سادہ میٹرس رکھا تھا۔ ایک طرف الماری تھی اور دوسری جانب کولر لگا

تھا۔ کیف میٹرس پہ بیٹھا اور کتنی ہی دیر سامنے والی دیوار کو دیکھے گیا۔

پھر اس نے موبائل نکالا اور روائٹ ہنیر کو کال ملائی۔

''میں یہ جاب کرتا رہوں گا۔ میں اسے سچ نہیں بتاؤں گا۔ بے فکر رہو۔''

''ارے واہ۔ایک دم اتنی تبدیلی کیسے؟''

''تم نے ٹھیک کہا تھا۔ میں اسے پہلے ہی دھوکہ دے چکا ہوں اور وہ جلد یا بدیر مجھ سے نفرت ہی کرے گی۔اس لیے مجھے جلد از جلد اپنا کام مکمل کر کے یہاں سے نکلنا ہے۔'' وہ تلخی سے دبی دبی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔''

''اچھا مجھے ایک کاغذ ملا ہے کشمالہ کے گھر سے۔اس کی تصویر بھیج رہا ہوں۔اس کا کیا کرنا ہے؟'' وہ میکانکی انداز میں بتا رہا تھا۔ کسی روبوٹ کی طرح۔ کسی کارپوریٹ جاسوس کی طرح۔

''تم نے کشمالہ کو بتایا اس کاغذ کے بارے میں؟''

''نہیں۔ میں کشمالہ مبین کے لیے کام نہیں کرتا۔ میں ایک خودغرض انسان ہوں اور میں صرف ایک آدمی کے لیے کام کرتا ہوں۔ اور وہ ہے ماہر فرید۔'' اس کے انداز میں خود اپنے لیے ناپسندیدگی تھی۔

وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گی اور ایک وقت آئے گا جب وہ اس سے نفرت کرے گی۔ اسے ابھی سے خود کو اس وقت کے لیے تیار کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح وہ اٹھی تو تازہ دم محسوس کر رہی تھی۔ موبائل چیک کیا اور زیاد کی چیٹ دیکھی تو مسکرا دی۔ اس نے لکھا تھا کہ وہ شام میں اسے کال کرے گا۔ زیاد کو اس سے کیا کام ہو سکتا تھا؟ وہ یہی سوچتے ہوئے سنگھار میز کے سامنے آئی اور آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ پھر دائیں بائیں چہرہ گھمایا۔ کوئی پمپل نہیں تھا۔ گڈ۔

بال جوڑے میں لپیٹتی وہ لاؤنج میں آئی تو ماں تخت پہ بیٹھی بھنڈیاں کاٹ رہی تھیں۔ ایک ٹانگ موڑے۔ دوسری سیدھی لمبی کیے۔ درمیان میں پرات رکھے۔ سفید چکن کا دوپٹہ ہمیشہ کی طرح سر پہ لے کر کانوں کے پیچھے اڑس رکھا تھا۔ چہرہ اٹھا کے اسے آتے دیکھا تو فوراً فکرمندی سے بولیں۔

''افطاری کی تیاری نہیں کرنی؟''

وہ جو آج بہتر محسوس کر رہی تھی ایک دم بجھ سی گئی۔ ماں پھر سے بھولنے لگی تھیں۔

''ماں... ابھی صبح کے دس بجے ہیں۔اور رمضان آنے میں ابھی چھے دن ہیں۔''

وہ ان کے ساتھ تخت پہ لیٹ گئی۔ گاؤ تکیہ پہ سر رکھ لیا اور پہلو کے بل کروٹ لے لی۔ پھر دو انگلیوں سے وہ ماں کی کلائیوں میں موجود سونے کی چوڑیوں کو چھیڑنے لگی۔

ماں نے اس بات کو جیسے سنا ہی نہیں۔ سر جھکائے بھنڈی کا سر قلم کرتے ہوئے بولیں۔

''ماہی سے کہو اٹھ جائے۔ کب تک سوتی رہے گی۔''

''ماہی کہاں ہوتی ہے ماں؟'' تحمل سے یاد دلایا۔ وہ بار بار ماں کو بھول جانے والی اشیاء یاد دلاتی تھی تاکہ ان کا ذہن خود سے کام کرنے کا عادی رہے۔

''ہیں؟'' ماں نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ تھوڑا سا سوچا۔

''یاد کریں... ماہی کہاں ہوتی ہے؟'' انگلی چوڑیوں کے اوپر سے گزاری۔ سونا سونے سے ٹکرایا۔ چھن چھن کی آواز آئی۔

''کینیڈا کے صوبے برٹش کولمبیا میں۔'' ماں نے سبق کی طرح دہرایا۔

''برٹش کولمبیا کے کس شہر میں؟'' تین چوڑیاں ایک طرف کیں اور تین ایک طرف۔ درمیان میں گیپ آ گیا۔

''چلی ویک میں۔'' ماں کا سبق مکمل ہوا۔

مالا انگلی سے چوڑیوں کو باری باری ساتھ ساتھ کرنے لگی۔ ماں نے ایک دم سے بازو اٹھا کے اپنا موبائل اٹھایا تو ساری چوڑیاں پھسل گئیں۔

''معید نے کھانا کھایا؟'' انہیں یاد آیا۔ ساتھ ہی معید کو کال ملانے لگیں۔ آج کل وہ ہر گھنٹے بعد معید کو کال کرتی تھیں۔

''ماں معید بچہ نہیں ہے۔ کھا لے گا جب بھوک لگے گی۔ ریلیکس۔'' ان کے چہرے پہ نرمی سے ہاتھ پھیرا۔ پتہ نہیں یہ ماؤں کا کیا معاملہ ہوتا ہے بچوں کے کھانے کو لے کر۔ شاید وہ تب تک اس بات کو نہیں سمجھ سکے گی جب تک اس کے اپنے بچے نہیں ہوں گے۔ شاید تب تک کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکتا۔

معید نے کال نہیں اٹھائی تو ماں نے فون رکھ دیا۔ تب ہی وہ دوبارہ بجنے لگا۔ غیر شناسا نمبر تھا۔

ماں نے کال اٹھائی تو نگینہ آنٹی تھیں۔ ماں اسپیکر آن کر کے سنتی تھیں۔ فون ساتھ رکھ دیا اور سبزی کاٹتے ہوئے بات کرنے لگیں۔ ''کیسی ہیں نگینہ بھابھی؟''

وہ اسی طرح ان کے ساتھ لیٹی رہی۔ چوکنی سی۔ کہیں ماں کچھ الٹا سیدھا نہ بول دیں اور خاندان میں مشہور ہو جائے کہ حورِ جہاں کو کوئی ذہنی مسئلہ ہے۔

''حورے بھابھی... سچ کہوں تو مجھے آپ کی بیٹی کشمالہ بہت پسند آئی۔''

اس کا رواں رواں کان بن گیا۔ سانس وہیں ٹھہر گیا۔

''میرے بیٹے نے تو بس اپنی منگیتر کی موت کا غم سینے سے لگا لیا تھا۔ شادی کی بات پہ گم صم ہو جاتا تھا۔ مگر کل جب میں نے اس سے کشمالہ کا ذکر کیا تو پہلی دفعہ اس نے مجھ سے سوچنے کے لیے وقت مانگا۔''

وہ زیرِ لب مسکرا کے چھت کو دیکھنے لگی۔ (تو زیاد صاحب کو یہ کام تھا مجھ سے۔)

''میرے بس میں ہو تو میں ابھی کشمالہ کا رشتہ لینے آپ کے پاس آ جاؤں لیکن زیاد بار بار کہتا ہے کہ میری اور کشمالہ کی زندگی بہت مختلف ہے۔ کشمالہ راضی ہی نہیں ہو گی۔ خیر ہو گا تو وہی جو نصیب میں لکھا ہے۔ لیکن میں تو بہت خوش ہوں۔ پہلی دفعہ اس نے اتنے عرصے بعد اس پہلو پہ سوچنا شروع کیا ہے۔''

نگینہ آنٹی ہر ماں کی طرح اتنے پہ ہی خوش تھیں۔

کشمالہ کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ وہ اب بغور ماں کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔ وہ ہوں ہوں کر کے سن رہی تھیں۔ اسے احساس ہوا ماں کے ذہن میں بات رجسٹر نہیں ہو رہی۔ درمیان میں معید کی کال آنے لگی تو ماں نے کال کاٹ کے اس کی کال اٹھا لی۔

یہ بھی ایک نشانی تھی۔ ایک دم سے گفتگو ختم کر دینا۔ یہ نارمل نہیں تھا۔ ان کو کسی نیورولوجسٹ کو دکھانے کی ضرورت تھی کہ ان کا ذہن کیوں ٹھیک سے کام نہیں کر رہا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس شام کیف بیسمنٹ میں اپنے کمرے کے میٹرس پہ بیٹھا تھا۔ دیوار سے ٹیک لگائے اسکیچ بک پہ پنسل رگڑتا وہ کچھ بنا رہا تھا۔ بار بار چند لکیریں کھینچتا۔ پھر صفحہ پھاڑ کے مروڑ دیتا اور اسے دور اچھال دیتا۔ اس کا موڈ خراب لگتا تھا۔ عجیب بے چینی سی بے چینی تھی۔ تبھی سلیم دروازہ کھٹکھٹائے بغیر اندر داخل ہوا۔ کیف نے فوراً سے اسکیچ بک بند کر دی۔

''دستک تو دے دیا کرو یار۔''

مگر سلیم کا چہرہ ایکسائٹمنٹ سے سرشار تھا۔ آنکھوں میں چمک تھی۔ کھانے کی ٹرے اس کے سامنے رکھی اور وہیں

میٹرس پہ بیٹھ گیا۔

''پتہ ہے وہ جو مالا باجی کی دبئی سے آنٹی آئی ہیں نا... نگینہ آنٹی... ان کے بیٹے کو مالا باجی پسند آئی ہیں۔ امی کہہ رہی تھی لگتا ہے رشتہ ہو جائے گا دونوں کا جلد۔''

ملازمین کو ایسی باتیں کوئی نہیں بتاتا۔ وہ گھر کے ہر کونے میں موجود ہوتے ہیں۔ سوائے کام کا حکم سننے کے وہ ہر شے سنتے اور جذب کرتے جاتے ہیں۔ اور پھر آپس میں ڈسکس کرتے ہیں۔ ان کے مالک ان کی بہترین گوسپ ہوتے ہیں۔

وہ چونک گیا۔ کمر سیدھی کی۔ ''نام کیا ہے ان کے بیٹے کا؟''

''زید۔'' سلیم نے دانت نکالے۔ اس تک خبر پہنچتے پہنچتے زیاد کا نام زید بن گیا تھا۔

اچھا۔ وہ زیاد۔ ٹال اور ڈارک۔ وہ خاموش ہو گیا۔ چہرے کے زاویے عجیب سے ہو گئے۔ اسکیچ بک بیگ میں رکھ دی۔ اور لیپ ٹاپ اٹھا لیا۔

سلیم نے للچاتی نظروں سے اس کے لیپ ٹاپ کو دیکھا اور قریب ہو کے سرگوشی کی۔

''کوئی فلم دیکھیں۔''

''سینما کھول رکھا ہے یہاں میں نے؟ جاؤ اپنا کام کرو۔'' وہ ڈپٹ کے بولا۔ سلیم گڑبڑا کے پیچھے ہوا۔ پھر آنکھوں میں برہمی دوڑ گئی۔ ہونہہ کر کے اٹھا اور وہاں سے نکل گیا۔

کیف کچھ دیر لیپ ٹاپ پہ یونہی چند ٹیب کھولے بیٹھا رہا۔ پھر اسے بند کیا اور اسکیچ بک اٹھائے باہر آ گیا۔ ابھی عصر قضا نہیں ہوئی تھی۔ خوبصورت سی شام ہر سو پھیلی تھی۔ وہ گارڈ چیئر پہ بیٹھا اور گردن اوپر اٹھائی تو دیکھا' کشمالہ اوپر ٹیرس پہ بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے بوگن ویلیا کے جامنی پھولوں کے رنگ جیسا لباس پہن رکھا تھا اور بال آدھے کیچر میں بندھے تھے۔ ہوا سے ایک لٹ بار بار گال تک آتی جسے وہ مسکرا کے پیچھے کرتی۔ ہینڈز فری کانوں میں لگائے وہ کسی سے بات کر رہی تھی۔ اس کی آواز یہاں تک نہیں آتی تھی۔

کیف نے موبائل نکالا اور چہرہ جھکا کے وائٹ ہنیر کی چیٹ میں ٹائپ کرنے لگا۔

''ایک آدمی ہے زیاد سلطان۔ دبئی سے آیا ہے۔ وہ کشمالہ مبین میں انٹرسٹڈ ہے۔ شاید شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بارے میں پتہ کرواؤ کہ یہ کون ہے۔ کہیں یہ ہمارے لیے کوئی مسئلہ تو نہیں بنے گا؟'' میسیج بھیج کے اس نے سپاٹ چہرے کے ساتھ اسکیچ بک کھول لی۔ جب طے تھا کہ وہ اس کی زندگی سے نفرت کے ساتھ دور چلا

جائے گا تو کیا ضرورت تھی اپنا موڈ خراب کرنے کی؟ زیاد سلطان ہو یا کوئی اور۔ وہ جلد یا بدیر کسی اچھے انسان سے شادی کرلے گی جو اس کی زندگی میں دیانت داری کے ساتھ داخل ہوگا۔ اسے اس کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

یہ سوچنا آسان تھا۔ کرنا مشکل۔ مالا کی ماں نے درست کہا تھا۔ ہر انسان اس دنیا کا سفر کرتے ہوئے اپنے زوج کو تلاش کررہا ہے۔ لیکن سب کی تلاش کامیاب نہیں ہوتی۔

اس نے ایک اور صفحہ پھاڑ کے جھنجھلاہٹ کے ساتھ مروڑ دیا۔ زیاد کا نام جب سے سنا تھا' سارا موڈ برباد ہو گیا تھا۔

''زیاد کی کال آئی؟'' اوپر ٹیرس پہ بیٹھی مالا کے کانوں میں لگے ہینڈز فری میں ماہی پوچھ رہی تھی۔ اس نے نفی میں دائیں بائیں گردن ہلائی۔

''ابھی تک تو نہیں۔''

''تم انتظار کررہی ہو؟''

ظاہر ہے مجھے سسپنس ہے۔ اب وہ دوسرا جوتا پھینک بھی دے۔''

''پتہ ہے کیا مالا....'' ماہی سوچ میں ڈوبی کہہ رہی تھی۔ ''مجھے زیاد جیسا آدمی تمہاری ٹائپ کا نہیں لگا کبھی۔ تمہیں نا ہمیشہ سے کسی اور طرح کا بندہ چاہیے تھا۔''

''اچھا؟'' وہ ہنس دی۔ ''مثلاً کیسا؟''

''میں زیاد کو زیادہ نہیں جانتی۔ بس جتنا اسے سوشل میڈیا پہ فالو کیا ہے' اس سے مجھے وہ کافی سنجیدہ سا لگتا ہے۔''

زیاد سلطان اس وقت اپنے لاہور والے گھر کے ایک کمرے میں بیٹھا تھا۔ میز پہ کتابیں پھیلائے' وہ لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پہ انگلیاں چلا رہا تھا۔ کافی کا بھاپ اڑاتا مگ ساتھ رکھا تھا۔ آنکھوں پہ ریڈنگ گلاسز لگائے ہوئے تھا۔ بال جیل لگا کے سیٹ کررکھے تھے۔ سیاہ پینٹ پہ نیلی پولو شرٹ پہنے وہ کام میں مصروف دکھائی دیتا تھا۔

''ہر وقت کام میں گم رہنے والا....''

دفعتاً زیاد کی انگلیاں تھمیں۔ اس نے گردن گھما کے اپنے موبائل کی بجھی ہوئی سیاہ اسکرین کو دیکھا۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ چند لمحے وہ سوچتا رہا۔

''وہ رائٹر ہے اور گہری فلسفیانہ کتابیں پڑھتا رہتا ہے....''

زیاد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد موبائل اٹھالیا اور گلاسز اتار کے سائیڈ پہ رکھ دیں۔ پھر پیچھے کو ٹیک لگالی۔ اس

کے آس پاس کمرے کی دیواروں پہ اونچے بک شیلف دکھائی دے رہے تھے جو بے تحاشا کتابوں سے بھرے تھے۔

''وہ بے باک اور کیئر فری سا نہیں ہے۔ بلکہ دھیمے مزاج کا سوچ سمجھ کے بولنے والا لگتا ہے۔''

کشمالہ کے نام کی چیٹ کھول کے وہ چند لمحے سوچتا رہا۔ بار بار کال بٹن کی طرف انگلی بڑھاتا پھر رک جاتا۔ اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگتا جہاں شام کی مدھم روشنی میں نیم منور سالان دکھائی دے رہا تھا۔

''گہری باتیں کرنے والا... سادہ سا انسان...''

اس نے ایک میسج لکھا اور سینڈ کا بٹن دبا دیا۔ بس ایک فقرہ۔ لمبی چوڑی بناوٹی تمہید کے بغیر۔

''وہ عمر میں تم سے ایک دو سال ہی بڑا ہوگا۔ مگر وہ تمہارے مقابلے میں زیادہ ہی سنجیدہ لگتا ہے مجھے۔''

فون رکھ کے زیاد نے ریڈنگ گلاسز دوبارہ سے پہن لیں اور زیرِ لب مسکراتے ہوئے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''وہ ایک اچھی جاب کرتا ہے۔ ساتھ لکھتا بھی ہے۔ یعنی جاب اور شوق کو ساتھ ساتھ لے کر چلنے والا بیلنس قسم کا آدمی ہے۔''

زیاد ٹائپ کرتے ہوئے گاہے بگاہے ایک نظر بجھے ہوئے موبائل پہ ڈال لیتا جیسے اسے کشمالہ کے جواب کا انتظار تھا۔

''اپنی پوسٹس اور اسٹیٹس اپ ڈیٹس سے وہ مجھے کوئی رومانٹک انسان نہیں لگتا۔ پریکٹیکل سا لگتا ہے۔ حقیقت پسندی سے ہر چیز کا جائزہ لینے والا۔''

''جیسے تم لیتی ہو۔''

''میرا رشتہ نہیں ہو رہا یہاں۔ ہم تمہاری بات کر رہے ہیں۔'' وہ برا مان گئی۔ مالا ہنس دی۔

''ہاں مجھے بھی زیاد سنجیدہ اور پریکٹیکل سا لگا۔ لیکن تم نے یہ کیوں کہا کہ وہ میری ٹائپ نہیں ہے؟ میں بھی سنجیدہ اور پریکٹیکل ہوں۔'' وہ انگلی پہ لٹ مروڑتے ہوئے نیچے نظر آتے لان کو دیکھتے ہوئے الجھی ہوئی سی کہہ رہی تھی۔ کیا ماہی مالا کو مالا سے زیادہ جانتی تھی؟

''نہیں مالا۔ تم ambitious ہو۔ تم ایک جگہ رک کے نہیں رہ سکتیں۔ تمہیں آگے بڑھنے اور اونچے خواب دیکھنے کا شوق ہے۔''

کشمالہ کی نظر نیچے گیٹ کے ساتھ کرسی پہ بیٹھے کیف پہ پڑی۔ اس کے ابرو ناگواری سے تنے تھے۔ وہ ٹانگ پہ

ٹانگ جمائے بیٹھا' اسکیچ بک گھٹنے پہ رکھے' اس پہ تیز تیز پنسل چلا رہا تھا۔

''تمہیں ایسے مرد پسند ہیں جن کے اندر grow کرنے کا جذبہ ہو۔ ایسے مرد جو ٹھہرے پانی کی طرح ایک لگا بندھا سا کام نہ کرتے رہیں۔''

کیف گردن ترچھی کیے پینسل کو دو انگلیوں میں پکڑے' ایک خاص زاویے پہ رکھ کے چلا رہا تھا۔ پھر رک گیا۔ مایوسی سے نفی میں سر ہلایا اور زچ انداز میں صفحہ پھاڑ دیا۔

''تمہیں ایسا انسان چاہیے جو ناکام یا سست نہ ہو۔ بلکہ وہ اپنے کیریئر میں ترقی کر رہا ہو۔''

کیف نے تھک کے اس پھٹے ہوئے صفحے کو دیکھا۔ پھر اسے مروڑ کے میز پہ اچھال دیا۔ وہ شدید مضطرب نظر آتا تھا۔

''یہ نہیں ہے کہ تمہیں کوئی امیر کبیر بندہ چاہیے۔ اونہوں۔ چاہے وہ چند ہزار بھی کماتا ہو لیکن وہ کام کرتا ہو۔ اس کا کچھ اپنا ہو۔ کوئی کام۔ کوئی شوق۔''

کیف اب گردن دوسری طرف ترچھی کیے نئے صفحے پہ اوپر نیچے لکیریں کھینچ رہا تھا۔

''ایسا آدمی جو فوکسڈ ہو۔ وہ فضول مشغلوں میں اپنا وقت نہ ضائع کرے۔ وہ دیکھنے میں بھی اچھا ہو۔ لیکن اس سے زیادہ اس کے مینرز اچھے ہوں۔ لاپرواہ اور بے ترتیب سا نہ ہو' اٹھنے بیٹھنے کا ڈھنگ آتا ہو۔''

کیف کا فون بجنے لگا تو اس نے اسکیچ بک پرے ڈال دی۔ پیچھے ٹیک لگا لی اور ٹانگیں لمبی کر کے میز پہ ایک دوسرے کے اوپر رکھ دیں۔ پھر فون کان سے لگا لیا اور بات کرنے لگا۔

''اور وہ صرف بک اسمارٹ نہ ہو۔ اسٹریٹ اسمارٹ بھی ہو۔ اور اس اسمارٹ نیس کو وہ اپنے کام کے لیے استعمال کرے۔ خود کو ضائع نہ کرے۔ تمہیں مالا کھڑے پانی جیسے مرد نہیں پسند۔ تمہیں ہر پل آگے بڑھنے والے مرد پسند ہیں۔''

''اور زیادہ میں یہ سب کچھ ہے۔'' وہ مسکرا کے گردن اٹھائے اوپر سیاہ آسمان کو دیکھنے لگی۔

''ہاں اس میں یہ سب ہے لیکن.... وہ کچھ زیادہ ہی حقیقت پسند لگتا ہے مجھے اپنی باتوں سے۔ ایسے لوگ تھوڑے سے تلخ ہوتے ہیں۔''

''مگر سچے تو ہوتے ہیں نا۔ جھوٹے خوابوں میں تو نہیں رہتے۔ میرے پاس جتنے آپشنز ہیں' زیادان میں سے بیسٹ ہے۔ اس کے علاوہ میرے اردگرد کوئی ایسا اسمارٹ' قابل اور گڈ لکنگ مرد ہے ہی نہیں۔''

"گڈ لکنگ سے یاد آیا' یہ تمہارا ڈرائیور کیسا ہے؟" ماہی کی آواز میں تجسس سا ابھرا۔ "بخت بی کہہ رہی تھیں شکل کا بہت اچھا ہے۔ بس زبان کافی لمبی ہے۔"

"شرم کرو۔ وہ میرا ڈرائیور ہے۔ اور تمہیں اچھی طرح پتہ ہے کہ (آواز آہستہ کی) وہ میرا گارڈ بھی ہے۔"

ماہی نے افسوس سے گہری سانس لی۔ "تم گارڈ کیوں ہائر کرتی ہو' مالا؟ جب تمہیں اور مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہارے پیچھے کون پڑا ہوا ہے اور... اچھا چھوڑو۔" ماہی نے بات پلٹی۔ جانتی تھی یہاں ان دونوں کی لڑائی ہو جانی تھی۔ "یہ بتاؤ... تمہیں وہ کیسا لگتا ہے؟"

"ڈرائیور ہی لگتا ہے بس۔" اس نے نیچے بیٹھے کیف کو دیکھا۔ وہ مدھم آواز میں کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ اب وہ قدرے ریلیکس نظر آ رہا تھا۔

"ہاں لیکن وہ کوئی غریب' لاچار سا ملازم نہیں ہے۔ اچھے خاندان کا ہے۔ صفورا کا کزن ہے۔ پھر وہ تمہیں چھوڑ کے نہیں گیا۔ تمہارے لیے دوسرے شہر میں شفٹ ہو گیا ہے۔"

"کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"یہی کہ مرد بہت سادہ ہوتے ہیں۔ اتنا تردد کسی عورت کے لیے وہ تب ہی کرتے ہیں جب یا تو انہیں مالی منافع نظر آئے یا ان کا کسی پہ دل آ جائے۔ کیف بے چارے کو لمبی چوڑی تنخواہ تو مل نہیں رہی تم سے۔ پھر وہ کیوں تمہارا گارڈ بنا ہوا ہے۔"

ماہی اور ماہی کی ساری دنیا پہ شک کرنے کی عادت۔ اُف۔

"وہ صرف اپنی جاب کر رہا ہے۔ ویسے بھی میرا خیال ہے..." اس نے لہجے کو سرسری سا بنایا۔ "اس کی زندگی میں کوئی لڑکی پہلے سے ہے۔ اسی سے فون پہ لگا رہتا ہے۔"

"اوہ یعنی تم اس کی کالز پہ نظر رکھتی ہو۔ سلیم کی کالز پہ تم نے کبھی نظر رکھی؟ وہ بھی تو ملازم ہے۔"

"ماہی یار کیا مسئلہ ہے۔ میں زیاد کی بات کر رہی ہوں اور تم کیف کو درمیان میں لے آئی ہو۔"

"کیونکہ تم زیاد کی بات اب کر رہی ہو۔ ہماری ہر ویڈیو کال میں تم آدھا وقت مجھے یہ بتاتی ہو کہ کیف کتنا اسمارٹ ہے اور تمہیں اس کے نئے بزنس کے فیل ہو جانے کی کتنی فکر ہے۔"

"میں تم سے بات ہی نہیں کر رہی۔" اس نے خفگی سے فون بند کر دیا۔ پھر دیکھا' زیاد کا میسج آیا ہوا تھا۔ وہ اس سے کال کرنے کا پوچھ رہا تھا۔ باؤنڈ ڈیسنٹ۔ اس نے شیور لکھ کے میسج بھیجا تو فوراً سے زیاد کی کال آ گئی۔

''کیسی ہیں آپ، کشمالہ؟'' اپنا نام اس کی زبان سے بہت منفرد لگا۔ اور اچھا بھی۔ ''امید ہے میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا ہو گا۔''

''نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔'' وہ ہلکے سے ہنس دی۔ '' آپ بتائیں۔ کوئی کام تھا آپ کو؟''

''جی۔ ایک کام تھا۔ سوچا آپ سے مشورہ لے لوں۔'' ذرا ٹھہر کے بولا۔ ''پہلے بھی آپ کے مشورے کی وجہ سے میں دوبارہ سے لکھنے لگا ہوں۔''

''چلیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میرا مشورہ آپ کے کام آیا۔'' وہ واقعی اس کے لیے خوش ہوئی تھی۔

''دراصل ہم آج کل یہاں میرے دادا کے گھر رہ رہے ہیں۔'' وہ بہت دھیما بولتا تھا۔ ٹھہر ٹھہر کے۔ ''میرے ابو بھی آئے ہوئے ہیں۔ اور سب رشتے دار امی ابو سے ملنے آتے رہتے ہیں۔ گھر میں کافی رش ہوتا ہے۔ یہاں میں سکون سے کام نہیں کر سکتا۔ اب جتنے دن چھٹی پہ آیا ہوں' اتنے دن کام بھی تو کرنا ہے۔''

''آپ کسی کافی شاپ سے بھی کام کر سکتے ہیں۔''

''جی۔ لیکن کافی شاپس میں آپ ایک حد تک بیٹھ سکتے ہیں۔ وہاں شور بھی ہوتا ہے۔ میں سوچ رہا تھا لاہور میں کوئی اچھی کوورکنگ اسپیس (co working space) تو ہو گی۔''

''جی لاہور میں ایسی بہت سی جگہیں کھل گئی ہیں۔ بلکہ میرے ایک کلاس فیلو نے گلبرگ میں اپنی پوری بلڈنگ بنائی ہے۔ اس میں جم بھی ہے اور ریستوران بھی۔''

''گریٹ۔ آپ مجھے وہ جگہ دکھا سکتی ہیں؟''

''شیور۔ میں ابھی عاصم سے بات کرتی ہوں۔''

''عاصم؟''

''وہی میرا کلاس فیلو جس نے اپنی کوورکنگ اسپیس بنا رکھی ہے۔''

''اوہ اوکے۔ مگر ایسے معاملات میں کسی کا ریفرنس ہونا بہتر ہوتا ہے۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو آپ ساتھ آ سکتی ہیں؟''

اس نے عام سے لہجے میں کہا۔ لیکن کشمالہ نے فون کان سے ہٹا کے دیکھا۔ کیا یہ مجھ سے ملنے کا بہانہ ہے؟

''میں چیک کر کے بتاتی ہوں۔''

ظاہر ہے یہ اس سے ملنے کا بہانہ تھا۔ وہ مسکرا کے عاصم کو کال ملانے لگی۔ عاصم ظہیر اور اس کا کلاس فیلو تھا۔ ایک

زمانے میں وہ شدید کمزور اور پڑھا کو ٹائپ لڑکا ہوتا تھا جو بہت شائے تھا۔ اور آج وہ ایک کامیاب انٹر پیرونیئر تھا۔ اس نے تین ساڑھے تین سال پہلے ایک وورکنگ اسپیس کی بنیاد رکھی تھی جو آج کامیابی سے چل رہی تھی۔ اس کے بزنس گریجوئیٹ کلاس فیلوز یا کامیاب تھے یا ناکام۔ ایک وہی تھی جو کامیاب ہو کے ناکام ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایسے دنوں میں سے ایک دن تھا جب ایک لمحے کے لیے دل کا موسم خوشگوار ہو جاتا۔ اور دوسرے ہی لمحے سارے مسائل یاد آنے پہ طبیعت مکدر ہو جاتی۔ باہر کا موسم بھی کچھ اسی طرح کا تھا۔ ایک دم گرمی ہو جاتی اور ایک دم سیاہ بادل چھا کے سارے میں چھایا کر دیتے۔

کیف ساری رات جاگنے کے بعد فجر کے بعد تھوڑی دیر سونے اپنے کمرے میں گیا تھا۔ گھنٹہ بھر سویا اور پھر واپس باہر آ گیا۔ اپنی کافی بنائی (کہ کڑک چائے اس سے کوشش کے باوجود نہیں بنتی تھی) اور لیپ ٹاپ لیے گارڈ چیئر کی طرف آ گیا۔

آسمان گہرا نیلا تھا جب کیف نے لیپ ٹاپ کھولا۔ پھر وہ کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے کام کیے گیا اور ساتھ ساتھ آسمان کی نیلاہٹ کم ہوتی گئی یہاں تک کہ سنہری افشاں نے سارے میں اجالا بکھیر دیا۔

کوئی گھنٹے بھر بعد اس نے ذرا سا ستانے کے لیے لیپ ٹاپ بند کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ تسبیح ہاتھ میں پکڑے وہ یونہی گھر کی چار دیواری کا چکر لگانے لگا۔ عقاب جیسی آنکھیں اطراف کے گھروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ گیٹ کے قریب اس نے گردن اونچی کر کے باہر جھانکا۔ سب خاموش اور نارمل تھا۔

اور تبھی اس کی نگاہ گیٹ سے باہر گئی۔

ڈرائیو وے پہ خون گرا تھا۔

کیف اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔ پھر تیزی سے گیٹ کھولا مگر باہر نہیں نکلا۔ قدم وہیں زنجیر ہو گئے۔ گیٹ کے ساتھ بھی خون پھیلا تھا۔ بڑے بڑے سرخ قطرے سڑک تک جاتے تھے۔ وہاں جا کے خون ختم ہو جاتا تھا۔ جو بھی تھا اس نے بڑی مہارت سے سڑک سے گیٹ تک خون پھینکا تھا۔

وہ خون پھلانگتا ہوا باہر نکلا اور بھاگتا ہوا سڑک تک آیا۔ پھر ایڑھیوں پہ چاروں طرف گھوما۔ سڑک سنسان پڑی تھی۔ آس پاس کوئی بھی نہ تھا۔ اس نے جھنجھلا کے سڑک کی تارکول کو پیر سے ٹھڈا مارا۔ یہ کس نے کیا اور کب؟ وہ یہیں تھا۔ ساری رات۔ فجر کے بعد تھوڑی دیر کے لیے وہ سویا تھا۔ کیا یہ تب ہوا تھا؟

اس نے مڑ کے دیکھا۔ سارا گھر خاموش پڑا تھا۔ سلیم بھی سو رہا ہوگا۔ کسی کو علم نہیں تھا اور ہونا بھی نہیں چاہیے۔ اسے خاموشی سے یہ جگہ صاف کرنی تھی۔ ہاں وہ کشمالہ مبین کے لیے کام نہیں کرتا تھا۔ لیکن وہ اسے پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

صبح دس بجے کے قریب جب کشمالہ تیار ہو کے باہر نکلی تو وہ کار کے ساتھ ٹیک لگائے ہشاش بشاش سا کھڑا تھا۔ ایک نظر کشمالہ کو دیکھا تو نگاہ وہیں ٹھہر سی گئی۔

وہ سر جھکائے پرس میں کچھ تلاش کرتی باہر نکل رہی تھی۔ اس کے بال آدھے کیچر میں بندھے تھے اور چند لٹیں چہرے کے دائیں بائیں گر رہی تھیں۔ اس نے آج ہلکا فیروزی لباس پہن رکھا تھا اور پیروں میں سفید بلاک ہیلز تھیں۔ پرس کی زپ بند کرتے ہوئے اس نے چہرہ اوپر کیا تو سبز آنکھیں کیف کی طرف اٹھیں۔ اس نے کشمالہ کو کافی دن بعد ہلکے پھلکے میک اپ میں دیکھا تھا۔

''کہاں جانا ہے بی بی؟''

''نہیں۔ آج میں خود چلی جاؤں گی۔'' وہ ڈرائیونگ ڈور کے قریب آئی لیکن کیف نے ہاتھ ہینڈل پہ رکھ لیا۔ کشمالہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''آپ اکیلی نہیں جائیں گی۔ میں ساتھ جاؤں گا۔'' اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

''میں نے کہا نا آج ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے نرمی سے کہا لیکن ہاتھ نہیں بڑھایا۔

''آپ کو مجھ پہ اعتبار ہے یا نہیں؟'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اس کے عقب میں سورج تھا۔ کشمالہ کی آنکھیں دھوپ سے چھوٹی ہو گئیں۔

''ہے۔'' اس نے سر ہلایا۔ کیف دو قدم آگے آیا۔ دھوپ کا راستہ رک گیا۔ سورج اس کے پیچھے چھپ گیا۔ اب وہ سامنے تھا اور ارد گرد کوئی تپش نہ تھی۔ وہ چھاؤں میں تھی۔

''میں ساتھ جاؤں گا بی بی۔ آپ پیچھے بیٹھیں۔'' اس نے چابی کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ کشمالہ نے چابی اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ وہ واقعی اس کی زندگی آسان بنا دیتا تھا۔

''گلبرگ جانا ہے۔ ایک کوورکنگ اسپیس ہے وہاں ''کام کاج'' کے نام سے۔''

کیف ڈرائیو کرتا رہا اور وہ باہر دیکھتی رہی۔

لاہور عجیب شہر تھا۔ یہاں پنجاب کے بہت سے رنگ بکھرے تھے۔ اسلام آباد مختلف تھا۔ وہاں تین کلاسز تھیں۔

دو کلاسز امراء کی تھیں اور تیسری لوئر مڈل کلاس یعنی عام لوگوں کی۔ عام لوگوں کی کلاس ہر جگہ نظر نہیں آتی تھی۔ البتہ امراء کی دونوں کلاسز ہر طرف چھائی تھیں۔

ایک ایلیٹ کلاس شدید لبرل تھی اور دوسری ایلیٹ کلاس شدید مذہبی طبقے پہ مشتمل تھی جن میں اسکالرز اور پڑھے لکھے تبلیغی شامل تھے۔ یہ دونوں امیر کلاسز ایک ساتھ بڑی ہوئی تھیں۔ اسلام آباد ایک بہت چھوٹا شہر ہے۔ وہاں کی ایلیٹ میں کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی کا اسکول فیلو نکل آتا ہے۔ اسلام آباد کے ایلیٹ اسٹوڈنٹس عموماً ہائی اسکول سے امپورٹڈ ڈرگز' میتھ (آئس)' اکسٹاسی اور کینابیز پہ لگ جاتے ہیں۔ ان کے والدین ان کی ان عادات سے عموماً صرفِ نظر کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے بچوں کو ایسے اسکولز میں اس لیے پڑھاتے ہیں تاکہ ان کے اسکول فیلوز کے والدین سے تعلقات بنا کے وہ فائدہ اٹھا سکیں۔

لاہور ایسا نہیں تھا۔ یہاں بہت سی کلاسز تھیں۔ گو کہ اسلام آباد کی طرح لاہور میں بھی ایلیٹ دو حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک شدید مذہبی اور دوسرے شدید لبرل۔ لیکن یہاں کی ایلیٹ میں لبرل زیادہ تھے اور ان کے اسکولز بھی ویسے ہی تھے جیسے اسلام آباد کے۔

البتہ لاہور میں ایک بہت بڑا طبقہ دوسرے شہروں سے آنے والی فیملیز کا تھا جو اپنا معیارِ زندگی بہتر بنانے بڑے شہر آئے تھے۔ ان کی اکثریت کی گزشتہ نسل نے لاہور آتے ہی کیبل کلچر کو اپنا لیا تھا کیونکہ وہ اپنے احساسِ کمتری دور کر کے لاہوریوں کے رنگ میں رنگنا چاہتے تھے سو انہوں نے اپنی اقدار سے پیچھا چھڑانا شروع کر دیا۔ ان کی وہ گزشتہ نسل اب بوڑھی ہو رہی تھی اور نئی آنے والی نسل ان سے کہیں زیادہ دین سے دور تھی۔ اس نئی نسل کی اکثریت اپنے والدین کے گاؤں' قصبے یا چھوٹے شہر کا نام لینے میں شرمندگی محسوس کرتی تھی۔ لاہور میں دو ہی تفریحیں تھیں۔ ریستوران اور شاپنگ مال اور نئی نسل بس انہی میں پڑی تھی۔

ایک اور طبقہ اسٹوڈنٹس کا تھا۔ ہاسٹلز میں مقیم اسٹوڈنٹس کا۔ ان میں سے بھی اکثریت لاہور سے باہر چھوٹے شہروں کی تھی۔ جب یہ شروع شروع میں لاہور آئے تھے تو لڑکے باجماعت نمازیں پڑھتے تھے' ان کی چھوٹی داڑھیاں ہوتی تھیں اور لڑکیوں کے سر پہ حجاب ہوتے تھے۔ پھر ان میں سے کچھ ہی تھے جو اپنی ویلیوز پہ قائم رہے۔ آہستہ آہستہ نمازیں مصروفیت میں کھو گئیں۔ داڑھیاں شیو ہو گئیں اور حجاب اتر گئے۔

لاہور میں پڑھنے والے اسٹوڈنٹس میں سے قریباً ساٹھ فیصد لڑکے لڑکیاں فائنل ایئر تک پہنچنے سے پہلے ہی سگریٹ اور ڈرگز پہ لگ جاتے ہیں اور ان کے چھوٹے شہروں میں مقیم ماں باپ اس امر سے ناواقف ہوتے

ہیں۔وہ ہر ماہ اپنے بچے کو ہاسٹل کے اخراجات کے لیے پیسے بھیجتے ہیں جن میں سے ایک بڑا حصہ ڈرگز پہ خرچ ہو جاتا ہے۔

لاہور آنے والے تمام اسٹوڈنٹس اپنی تعلیم مکمل نہیں کرتے۔ڈرگز پہ لگنے والے اکثر اسٹوڈنٹس درمیان میں ہی اپنا تعلیمی سلسلہ توڑ دیتے ہیں۔مگر بہت سے اسٹوڈنٹس نشے کی لت کے باوجود تعلیم مکمل کر لیتے ہیں۔ایسے میں وہ تمام گریجویٹ' چاہے وہ ڈرگز کرتے ہوں' چاہے نہ کرتے ہوں' چاہے وہ مذہبی ہوں' چاہے لبرل ہوں' پیسہ کمانے کے وقت ان سب کا ایک سا ہی حال ہوتا ہے۔

قسمت اور بخت سب سے زیادہ چلتا ہے اور پھر بات محنت اور قابلیت کی آتی ہے۔

کچھ گریجوئیٹس کو نوکری مل جاتی ہے اور کچھ کہیں سے پیسے جوڑ کے کاروبار شروع کر لیتے ہیں۔لیکن ایک بہت بڑا طبقہ بے روزگار نوجوانوں کا ہے جن کو کام نہیں ملتا۔کچھ نے پڑھائی مکمل کی تھی اور کچھ نے درمیان میں چھوڑ دی۔وہ نوکری کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور کاروبار کرنے کے لیے ان کے پاس اگر سرمایہ ہے تو جگہ نہیں۔

یہ نوجوان نکمے یا سست نہیں ہوتے۔ان کے پاس بس اتنے وسائل نہیں ہوتے کہ یہ اپنے کام کو ترقی دیں۔ان میں سے بہت سے ایسے ہوتے ہیں جن کے پاس آئیڈیاز ہوتے ہیں اور انہوں نے اپنا چھوٹا موٹا کام شروع بھی کر رکھا ہوتا ہے۔کوئی آن لائن جاب کرتا ہے تو کوئی آن لائن بزنس۔ان سب کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس کام کرنے کے لیے جگہ نہیں ہوتی۔گھر میں کام کرنے سے سستی کا شکار رہتے ہیں مگر آفس بنانے کا سرمایہ نہیں ہوتا۔ایسے میں وہ اپنے کام کو ترقی کیسے دیں؟

ایسے لوگوں کے لیے ترقی یافتہ ممالک میں کوورکنگ اسپیسز (co working spaces) بنائی جاتی ہیں جہاں وہ کرائے پہ آفس فلور' سنگل آفس' یا ایک سنگل ڈیسک بھی لے سکتے ہیں اور وہاں سکون سے بیٹھ کے اپنا کام کر سکتے ہیں۔یہ کانسپٹ پاکستان میں چند برس پہلے متعارف ہوا تھا اور جیسے جیسے آن لائن کام بڑھتا جا رہا تھا' یہ کانسپٹ ترقی کرتا جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ بھی اس وقت ایسی ہی ایک کوورکنگ اسپیس کی طرف جا رہی تھی جو اس کے کلاس فیلو عاصم نے بنائی تھی۔البتہ راستہ آسان نہ تھا۔درمیان میں کسی مذہبی جماعت کا جلوس تھا اور روڈ بلاک تھا۔تھوڑی دیر بعد کار رک گئی اور جب چند لمحے کے لیے آگے نہیں بڑھی تو کشمالہ نے جھنجھلا کے کیف کو دیکھا۔

''کسی دوسرے راستے سے لے جاؤ۔ مجھے وقت پہ وہاں پہنچنا ہے۔''

''تھوڑی سی تاخیر اس قابل نہیں ہوتی کہ انسان اپنا موڈ خراب کرے' کشمالہ بی بی۔ دس منٹ اوپر لگ جائیں گے لیکن راستہ کھل جائے گا۔''

وہ بے نیازی سے بولا۔ اس کے انداز میں ہمیشہ کچھ ہوتا تھا۔ جیسے وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ اس بات سے بھی نہیں کہ وہ اس کی بے تکلفی کا برا مان جائے گی۔ اور نہ جانے کیوں وہ برا نہیں مانتی تھی۔ کیف کا انداز کبھی بھی غصہ دلانے والا نہیں ہوتا تھا۔

''اور ہاں .... میں نے سی سی ٹی وی کے لیے کہلوا دیا ہے۔ ہم آج مین منزل کے تمام داخلی دروازوں پہ کیمرے لگوا رہے ہیں۔''

''ہاں وہ تو لگوانے تھے۔ لیکن خیریت۔ کچھ ہوا ہے کیا؟'' وہ چونکی۔

''کیا ہم کچھ ہونے کا انتظار کریں گے؟ میں آپ کا گارڈ ہوں' کشمالہ بی بی۔ یہ میری جاب ہے۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ آج اس کا انداز قدرے مختلف تھا۔ جیسے وہ خود سے بہت کچھ طے کیے بیٹھا تھا۔

وہ خاموشی سے باہر دیکھنے لگی۔ کار ابھی تک رش میں پھنسی ہوئی تھی۔ دھوپ بھی تیز ہونے لگی تھی۔ اے سی کے باوجود اسے گھٹن ہونے لگی۔

''تمہارا بزنس پلان کیسا جا رہا ہے؟'' باہر دیکھتے ہوئے اس نے سرسری سا پوچھا۔ وہ چونکا۔ چہرے کی سنجیدہ لکیریں قدرے نرم پڑیں۔ گہری سانس اندر کھینچ کے خارج کی۔

''شاید میں نہیں کر پاؤں گا۔ ایک نقطے پہ ذہن stuck ہو گیا ہے۔ جو میں کرنا چاہتا ہوں' وہ دنیا کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگا۔ اور جو دنیا کے لیے قابلِ قبول ہے' اس کو کرنے کے لیے دل نہیں مانتا۔''

کشمالہ نے سوچتی نظروں سے اس کے کندھے کی پشت کو دیکھا۔ پھر اسٹیئرنگ پہ جمے اس کے ہاتھوں کو۔ یہ نوجوان اتنا ٹیلنٹڈ تھا' لیکن صرف اس لیے کہ اس کے پاس وسائل نہیں تھے' یہ آج تک ناکام تھا۔ اسے افسوس ہوا۔

''بتاؤ کہاں پھنسے ہوئے ہو۔ شاید میں تمہاری مدد کر سکوں۔'' وہ دوستانہ انداز میں بولی۔ کیف چند لمحے خاموش رہا۔

''بطور آرٹسٹ آپ کو رنگ کیوں اچھے لگتے ہیں؟'' وہ ونڈ اسکرین کے پار سڑک کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ وہ اس سوال کا پس منظر نہیں سمجھ پائی لیکن اسے جواب دینا تھا۔

''کیونکہ رنگوں کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ ہر رنگ بات کرتا ہے۔''

ایک بچہ وائپر لیے آیا اور جلدی جلدی کار کی ونڈ اسکرین پہ سرف والا پانی اسپرے کرنے لگا اس سے پہلے کہ وہ لوگ منع کر دیں۔

''آپ کا فیورٹ رنگ کون سا ہے؟''

''سرخ۔''

جواب جتنی جلد آیا وہ چونکا۔ سیٹ بیلٹ کی وجہ سے اس نے بدقت گردن پوری موڑ کے کشمالہ کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ تعجب تھا۔ جیسے اس سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

''سرخ؟ کیوں؟'' کیف نے لہجے کو عام سا بنایا البتہ اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ گردن کے بال کھڑے ہو گئے۔

''کیونکہ سرخ رنگ گفتگو کرتا ہے۔'' وہ باہر دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ بچہ اب دوسری جانب سے آ کے ونڈ اسکرین کا بقایا حصہ صاف کر رہا تھا۔

''اور کیا کہتا ہے سرخ رنگ؟''

وہ سانس روک کے سن رہا تھا۔

''سرخ کہتا ہے کہ مجھے یاد رکھو۔ یہ رنگ توجہ کھینچتا ہے۔ یہ تاریخ میں لکھا جاتا ہے۔ ریڈ رائڈنگ ہڈ کا چغہ کسی اور رنگ کا ہوتا تو یاد نہ رہتا۔ ریڈ شوز والی لڑکی کے جوتے سیاہ ہوتے تو بھول جاتے۔ لیکن ان کی رنگت کی سرخی نے انہیں یاد رکھوایا۔ سرخ خون کا رنگ ہے۔ اور آگ کا بھی۔ یہ لباس یا میک اپ میں ہو تو بتاتا ہے کہ اس کو کسی خاص موقع کی وجہ سے پہنا گیا ہے۔ جب آپ سرخ پہنتے ہیں تو آپ کے جانے کے بعد بھی آپ کا ذکر کیا جاتا ہے۔''

ٹریفک کا راستہ کھل گیا۔ کیف نے شیشہ نیچے کر کے بچے کو سو روپے کا نوٹ پکڑایا اور کار سست روی سے آگے بڑھا دی۔

''مگر بہت سے لوگ سرخ سے غیر آرام دہ بھی ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سرخ too much ہے۔ جسٹ ٹو مچ۔'' اس کی آواز میں تلخی تھی۔ چبھن تھی۔

''لوگوں کے لیے تو ہر چیز ٹو مچ ہوتی ہے۔ لوگوں کی سننے والے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ انسان کو وہی رنگ پہننا چاہیے جس کے لیے اس کا دل چاہے۔ لیکن تمہارے بزنس پلان کا اس سے کیا تعلق؟''

''نہیں۔ بزنس کے لیے نہیں پوچھ رہا تھا۔ کسی کو کچھ گفٹ کرنا تھا۔ رنگ ڈیسائیڈ نہیں ہو رہا تھا۔'' اس کا لہجہ بدل گیا۔ اب وہ عام لاابالی سے کیف کا لہجہ بن گیا۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ سچ نہیں کہہ رہا لیکن کشمالہ ایسی باتیں نہیں کریدتی تھی۔ اسے کیا۔

وہ دونوں ایک ساتھ عاصم کے آفس میں داخل ہوئے۔ وہ دبلا پتلا سا پستہ قد نوجوان تھا۔ گلاسز لگاتا تھا۔ کشمالہ کو دیکھ کے گرمجوشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پھر کیف کو دیکھ کے ٹھٹھکا۔ آنکھوں میں ناسمجھی بھرا سوال اترا۔

کیف اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کھڑکی تک آیا۔ باہر جھانکا۔ سڑک چند فلورز نیچے تھی۔ پھر باتھ روم تک گیا۔ دروازہ کھول کے اندر دیکھا۔ پھر دروازہ بند کیا۔ اور کشمالہ کی طرف مڑا۔

''آپ بیٹھیں۔ میں باہر ہوں۔'' سنجیدگی سے کہہ کے دروازے کی طرف بڑھا۔

''کشمالہ... '' عاصم حیرت سے ہنسا۔ ''تم نے باڈی گارڈ رکھ لیا ہے؟''

(اُف کیف) اس سے قبل کہ کشمالہ معذرتی انداز میں کچھ کہتی' کیف دروازے سے واپس آیا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ پھر گردن نیچی کر کے عاصم کو گھورا۔

''جی۔ رکھ لیا ہے۔ کوئی مسئلہ ہے کیا؟''

عاصم کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں۔ نو پرابلم۔ ہاؤ آر یو کشمالہ''

کیف اسے گھورتے ہوئے باہر نکل گیا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ اچھا میرا کزن آنے والا ہو گا۔ تم نے اس کو اپنا بہترین کارنر آفس دکھانا ہے۔ ڈسکاؤنٹ بھی اور پروٹوکول بھی۔'' آنکھوں سے اشارہ کیا۔ وہ تھوڑی سی نروس تھی۔ زیاد سے اتنے دن بعد ملاقات ہو رہی تھی اور اسے نگینہ آنٹی کی کہی باتیں یاد تھیں۔

''سر جی آپ فکر ہی نہ کریں۔ میں سمجھ گیا ہوں۔''

تھوڑی دیر بعد وہ عاصم کے ساتھ مین لابی میں کھڑی تھی۔ دونوں کی نظریں لفٹ کے بند دروازوں پہ تھیں۔ زیاد چند منٹ لیٹ تھا۔ کوئی اور ہوتا تو وہ بہت برا مانتی کیونکہ وہ وقت پہ پہنچی تھی لیکن یہ زیاد تھا۔ یہ طے تھا کہ کشمالہ اس کی بات کا برا نہیں مان سکتی تھی۔

لفٹ کے دروازے ہسس کی آواز سے کھلے۔ چند افراد باہر نکلے۔ ان میں زیاد سلطان بھی تھا۔

اس نے سن رکھا تھا کہ بعض لوگ کسی محفل میں آتے ہیں تو اپنی شخصیت کے سحر سے چراغوں میں روشنی نہیں رہنے دیتے۔ تمام نگاہیں ان کی طرف اٹھتی ہیں اور پھر واپس نہیں لوٹتیں۔ وہ بھی ایسا ہی تھا۔ وہ لفٹ سے نکلا اور دائیں بائیں چہرہ گھمایا۔ پھر سامنے دیکھا تو کشمالہ سے نظر ملی۔ وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ میں شناسائی بھی تھی اور ممنونیت بھی۔ وہ متوازن قدم اٹھاتا اس کی طرف آیا۔

وہ آج بھی ویسا ہی لگ رہا تھا۔ دراز قد اور ہینڈسم۔ اس نے خاکی پینٹ پہ آدھے آستین والی نیوی بلیو پولو شرٹ پہن رکھی تھی۔ گیلے بال ایک طرف کو جمائے اس کے سانولے چہرے پہ تازہ شیو کی نیلاہٹ تھی۔ اس کی نظریں کشمالہ سے ملیں تو اسے لگا جیسے اس آدمی کی کمی تھی اس کی زندگی میں۔ وہ وہ سب کچھ تھا جو وہ نہیں تھی۔ وہ ایک ہی چیز کے دو حصے تھے جو برسوں سے دنیا کا سفر کرتے ایک دوسرے کو تلاش کر رہے تھے۔

''آپ کے آنے کا شکریہ کشمالہ۔'' اس کے قریب آ کے اسے دیکھتے ہوئے وہ ممنونیت سے بولا تھا۔ وہ کتنا دھیما اور شائستہ سا تھا۔ وہ نو پرابلم کہتے ہوئے تعارف کروانے لگی۔

''یہ عاصم ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا اس کے بارے میں۔''

''ہائے زیاد۔'' عاصم نے گرمجوشی سے ہاتھ بڑھایا۔ زیاد نے مسکرا کے اس سے ہاتھ ملالیا۔

''اور میں کیف جمال ہوں۔''

کشمالہ چونک کے مڑی۔ اسے تو وہ بھول ہی گئی تھی۔ وہ ان سے تھوڑا فاصلہ رکھ کے ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ خود ہی آگے آیا اور ہاتھ بڑھا دیا۔ وہ مسکرا نہیں رہا تھا۔ بلکہ اس کی چبھتی ہوئی نظریں زیاد سلطان کے اوپر جمی تھیں گویا اندر تک اتر رہی ہوں۔

زیاد نے اسی رسمی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ ملایا اور شائستگی سے پوچھنے لگا۔

''آپ بھی یہاں کام کرتے ہیں؟''

وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے۔ کوئی عجیب سا تناؤ ان کے درمیان حائل تھا۔

''نہیں۔ میں کشمالہ بی بی کے ساتھ ہوں۔'' اپنا ہاتھ علیحدہ کر کے کیف پیچھے ہوا۔ چہرہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

''زیاد یہ کیف ہے۔ میرا ڈرائیور بھی اور اسسٹنٹ بھی۔''

کچھ تھا جو کشمالہ کو اچھا نہیں لگا تھا۔ چند لمحے پہلے تک کشمالہ اور زیاد ''دو'' تھے۔ ایک دوسرے کا گمشدہ حصہ۔ اسے دو کا تکون بننا اچھا نہیں لگا تھا۔

ڈرائیور کے لفظ پہ زیاد چونکا۔ پھر اس نے سر سے پیر تک ایک نظر کیف پہ ڈالی۔ کشمالہ جانتی تھی اس ایک نظر میں وہ کیف جمال کو اسکین کر رہا تھا۔

''اچھا لگا آپ سے مل کے' کیف۔'' زیاد نے اسی رسمی مسکراہٹ کے ساتھ سر کو جنبش دی۔ کیف اب بھی نہیں مسکرایا۔ اسے گھورتے ہوئے دو قدم پیچھے ہو گیا۔

''ہم اوپر جا کے آفس دیکھتے ہیں۔ کیف تم یہیں رکو۔'' کشمالہ نے تحکم سے کہا (ساتھ ہی آنکھوں سے گھورا بھی) تو وہ وہیں رک گیا۔

عاصم انہیں لیے ایگزیکٹیو لفٹ کی طرف آ گیا جہاں سے انہوں نے ٹاپ فلور پہ جانا تھا۔ وہ آگے چلنے لگا اور وہ دونوں اس کے پیچھے۔

''آنٹی کیسی ہیں؟'' زیاد اس کے کندھے کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے پرفیوم کی خوشبو ساری راہداری میں پھیل گئی تھی۔

''ٹھیک ہیں بس۔'' یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا جواب دینے سے دل عجیب سا ہو جاتا تھا۔ کیا بتائے اور کتنا بتائے۔

''امی بتا رہی تھیں ان کی بات ہوئی تو آنٹی کچھ اچھا محسوس نہیں کر رہی تھیں۔'' وہ نرمی سے دھیما دھیما سا بولتا تھا۔ اتنا کہ اگر وہ شور میں بولے تو شاید کشمالہ کو آواز ہی نہ آئے۔

''وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' اس نے زیاد سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

وہ عمارت کے ٹاپ فلور میں داخل ہوئے تو وہاں گہما گہمی تھی۔ ایک طرف مغربی طرز کی کافی شاپ کے نقشے پہ کیفے ٹیریا بنا تھا۔ دوسری جانب جم کی طرف جاتا دروازہ تھا۔ ہر طرف روسٹ ہوئے کافی بینز کی خوشبو پھیلی تھی۔

''ہماری کو ورکنگ اسپیس میں مختلف طرح کے لوگ اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔'' عاصم ان کے آگے چلتا ہوا اپنی بلڈنگ کی خصوصیات بتا رہا تھا۔ ''آپ کو سارا دن کافی اور چائے فری ملے گی۔ جتنی چاہے آرڈر کریں۔''

''ایک ورکنگ شفٹ میں انسان کتنی کافی پی سکتا ہے؟ دو کپ؟ شاید تین کپ۔'' زیاد متاثر ہوئے بغیر بولا۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے قدم بڑھا رہا تھا۔

عاصم خاموش ہو گیا۔ پھر دوبارہ ہمت کی۔

''جم کی ایکسیس فری ہے۔ ہمارے پاس سوئمنگ پول بھی ہے۔ اس کے علاوہ میٹنگ رومز بھی ہیں۔ آپ کو کسی

سے ملنا ہو تو آپ اپنی مرضی کا میٹنگ روم بک کر سکتے ہیں۔ کانفرنس کے لیے ہم کانفرنس رومز بھی مہیا کرتے ہیں۔ ہماری ایپ پہ جا کے آپ چند گھنٹے کے نوٹس پہ کوئی بھی روم بک کر سکتے ہیں۔"

"نہیں مجھے کسی سے ملنا۔ تنہائی میں سکون سے بیٹھ کے کام کرنا ہے۔"

وہ طائرانہ نگاہوں سے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ عاصم اب کے واقعی خاموش ہو گیا۔

پھر وہ انہیں سیڑھیوں کے ذریعے ٹاپ سے نچلے فلور پہ لے آیا۔ کارنر میں ایک گلاس ڈور کھولا تو سامنے چھوٹا سا آفس نظر آیا۔ کشمالہ نے اندر قدم رکھا تو آنکھوں میں ستائش ابھری۔

آفس کی دیواریں گرے تھیں جن پہ چند پینٹنگز آویزاں تھیں۔ ایک طرف سفید ورک ٹیبل اور ایگزیکٹو چیئر رکھی تھی۔ دوسری جانب کسی مہمان کو بٹھانے کے لیے کرسی رکھی تھی۔ دیوار پہ چند کیبنٹس بنی تھیں اور دروازے کے مقابل دیوار پہ مستطیل کھڑکی نصب تھی۔

عاصم نے کھڑکی کے بلائنڈز اوپر کیے تو سورج کی روشنی نے سارے کمرے کو منور کر دیا۔

وہ ایک مغربی ممالک کے جیسا چھوٹا اور cozy سا آفس تھا۔

زیاد آگے بڑھا اور کھڑکی سے نیچے جھانکنے لگا۔

"آپ کو صرف آفس کے ماہانہ چارجز پے کرنے ہوں گے۔ چائے کافی کے علاوہ اے سی اور انٹرنیٹ بھی فری ہے۔ جتنا چاہے استعمال کریں۔" عاصم فخر سے بتانے لگا۔ "اوقات کی بھی پابندی نہیں۔ بلڈنگ چوبیس گھنٹے کھلی ہوتی ہے۔ آپ جب چاہے آئیں۔ بلڈنگ میں داخلے کے لیے آپ کا ایک اسمارٹ کارڈ ہو گا، اس کو سوائپ کر کے آپ داخل ہوں گے۔ اور ہاں۔ آپ کے آفس کی چابی صرف آپ کے پاس ہو گی۔ پرائیوسی اور سیکیورٹی کا یہاں پورا خیال رکھا جاتا ہے۔"

کشمالہ مسکرا دی۔ عاصم نے کتنا اچھا سسٹم بنا رکھا تھا۔ وہ گلبرگ میں ایسی دو عمارتیں یونہی تو نہیں چلا رہا تھا۔ اسے واقعی عاصم پہ فخر ہوا۔

"پھر کیسا لگا آپ کو یہ آفس؟" عاصم نے کھنکھار کے پوچھا۔ زیاد کھڑکی سے نیچے جھانک رہا تھا۔

"اس سائیڈ کا ویو کافی distasteful ہے۔ دیکھیں یہاں سے سڑک بھی ٹوٹی ہوئی ہے اور کچرے کے ڈرم نظر آتے ہیں۔"

"ہم سڑک کے اس حصے کا کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ تو انتظامیہ والوں کا مسئلہ ہے۔ یہ ہماری جگہ نہیں ہے نا۔"

''سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن اس ویو نے آفس کی خوبصورتی خراب کر دی ہے۔'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے اب گردن اوپر نیچے گھما کے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔

کشمالہ کی مسکراہٹ مدھم پڑنے لگی۔ وہ خاموشی سے ایگزیکٹو چیئر پہ آ بیٹھی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ اب وہ بغور زیاد کو آفس کا معائنہ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

''دیواروں کے کونوں میں سیم بھی لگی ہوئی ہے۔ چند ہفتوں میں یہ پینٹ اکھڑنے لگے گا۔ آپ نے لائیٹنگ بھی کم رکھی ہے۔'' زیاد نے سوئچ بورڈ کے بٹن دبائے کہ شاید مزید بتیاں جل جائیں لیکن چھت کی اسپاٹ لائٹس بس اتنی ہی تھیں۔

''میں لکھاری آدمی ہوں عاصم۔ مجھے جگہ ایسی چاہیے تھی جو مجھے کری ایٹیویٹی میں مدد دے۔ نہ کہ مجھے گھٹا گھٹا سا محسوس کروائے۔ جیسے یہ دیواریں۔ یہ بہت ڈارک ہیں۔'' وہ مایوسی سے گردن اٹھائے ارد گرد دیکھ رہا تھا۔'' ویو بھی ایسا نہیں ہے جو ذہن کو فریش کرے۔'' پھر عاصم کو دیکھا اور رسمی مسکرایا۔'' میں آپ کو سوچ کے بتاؤں گا۔ تھینکس۔''

عاصم کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ اس نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں شکریہ ادا کیا اور'' میں کافی بھجواتا ہوں'' کہہ کے باہر چلا گیا۔

اب کے زیاد نے اسے دیکھا۔ فیروزی لباس والی لڑکی کرسی پہ بیٹھی بجھی بجھی لگ رہی تھی۔

''مجھے لگا آپ کو یہ جگہ پسند آئے گی۔''

''آپ گلٹی کیوں فیل کر رہی ہیں؟ اس میں آپ کا قصور نہیں ہے۔ اور پھر میں نے اس جگہ کو ریجیکٹ نہیں کیا۔ بس اتنا کہا ہے کہ سوچوں گا۔'' وہ کھڑکی سے ہٹا اور کشمالہ کے سامنے والی کرسی کھینچ کے بیٹھا۔

''میں اصل میں کچھ بہتر کی توقع کر رہا تھا۔ مگر ابھی عاصم کو اس بلڈنگ کو مزید بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ خیر وقت کے ساتھ سیکھ جائے گا۔''

''مجھے یہ آفس آپ کی رائٹنگ کے لحاظ سے مناسب لگا تھا۔''

اس نے یہ نہیں کہا کہ اگر ماں بیمار نہ ہوتیں تو وہ یہی آفس لے لیتی اور اسی سے اپنے نئے کام کا آغاز کرتی۔ اسے تو یہ سارے مسائل نظر نہیں آئے تھے۔ کیوں؟ کیا وہ چیزوں کی گہرائی میں نہیں جاتی تھی؟

''آپ یہ جگہ پہلے دیکھ چکی تھیں؟''

''نہیں۔ میں نے آپ کے ساتھ ابھی دیکھی ہے۔''

''اور آپ نے پانچ منٹ میں اس کو لینے کا فیصلہ بھی کر لیا۔'' وہ مسکرایا۔ ''آپ کے بارے میں میں نے ایک اندازہ لگایا تھا کہ آپ دوسروں کو بہت جلد چانس دے دیتی ہیں۔ اعتبار بھی جلد کر لیتی ہیں۔ میں ایسے فیصلے نہیں کرتا۔ میں وقت لیتا ہوں اور سوچ سمجھ کے تمام زاویوں سے کسی چیز کو پرکھتا ہوں۔''

کچھ تھا جو دروازے کی درز سے رینگتا ہوا کمرے میں داخل ہوا اور ان دونوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ ایک بددلی کا احساس جس نے کچھ دیر پہلے کا جوش ٹھنڈا کر دیا تھا۔

''میں وائبز پہ چلتی ہوں زیاد۔'' کنٹرول چیئر پہ بیٹھی لڑکی نے کندھے اچکائے۔ ''اگر میری گٹ فیلنگ (gut feeling) یہ کہے کہ یہ کام درست ہے تو میں اسے کر لیتی ہوں۔''

''گٹ فیلنگ ہمیشہ درست نہیں ہوتی۔ مثلاً میرے آفس میں کچھ دن پہلے ایک لڑکی آئی۔'' وہ یاد کر کے بتانے لگا۔ ''وہاں دبئی میں۔ اس نے اپنے مالی مسائل کا ذکر اتنے اندوہناک انداز میں کیا کہ میں متاثر ہو گیا اور شاید میں اسے جاب دے دیتا لیکن پھر میں نے سوچنے کے لیے وقت لیا۔ بعد میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس کے حالات ایسے نہیں تھے جیسا نقشہ وہ کھینچ رہی تھی۔''

''میں ہوتی تو اس کے لیے آفس میں جگہ بنا دیتی اور اس کو نوکری دے دیتی۔ کیونکہ میری ماں کہتی ہیں کہ جب ہم دوسروں کے لیے جگہ بناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہمارے لیے ہماری زندگی کشادہ کرتا ہے۔'' اس کا انداز سنجیدہ تھا۔ کچھ تھا جو اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

سامنے بیٹھا زیاد مسکرایا۔ ''وہ میں دیکھ سکتا ہوں کہ آپ کیسے لوگوں کو جاب دے دیتی ہیں۔''

کشمالہ نے گہری سانس لی۔ اب کے وہ بولی تو انداز قدرے سخت تھا۔

''آپ کا اشارہ میرے ڈرائیور کی طرف ہے غالباً۔ وہ دیکھنے میں اچھا بھلا لگتا ہے لیکن ایسا ہے نہیں۔ اس نے ایک سال پہلے ایک کمپنی بنائی تھی جو فلاپ ہو گئی تھی اور وہ تب سے بے روزگار اور مقروض تھا۔ میری جاب سے اس کے قرضے نہیں اتریں گے۔ لیکن کم از کم وہ کسی قابل تو ہو جائے گا۔''

''آپ مہربان دل کی مالک ہیں۔ اسی لیے کسی نے آپ کے پاس آ کے اپنی مالی مجبوریوں کا ذکر کیا اور آپ نے یقین کر لیا۔'' وہ مسکرایا۔ جیسے بڑا کسی بچے کی بات پہ مسکراتا ہے۔

''آپ میری جگہ ہوتے تو کیا ایسے نوجوان کو جاب نہ دیتے؟'' وہ کرسی پہ آگے ہوئی اور آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔ وہ سننا چاہتی تھی کہ وہ آگے سے کیا کہتا ہے۔

''نہیں۔ میں اس نوجوان کو جاب بالکل نہ دیتا۔'' زیاد نے شانے اچکائے۔ '' کیونکہ میں دل سے نہیں دماغ سے فیصلہ کرتا ہوں۔ مثلاً آپ کا ڈرائیور کم اسسٹنٹ کہہ رہا ہے کہ اس کے اوپر ایک سال سے قرضے ہیں۔ انٹرسٹنگ۔ مگر آئی فون کا جو ماڈل اس کے ہاتھ میں تھا وہ ابھی ستمبر میں ریلیز ہوا ہے۔ ایک قرضوں کا شکار آدمی چھے ہزار درہم (تین لاکھ روپے) کا فون اٹھا کے نہیں گھومتا۔ نہ ہی وہ ٹام فورڈ کے جوتے پہنتا ہے۔''

سرمئی دیواروں والے آفس میں ایک لمحے کے لیے سناٹا چھا گیا۔

''میں اپنے اچھے برے کی پہچان کر سکتی ہوں۔ میرا ڈرائیور چاہے مہنگا فون اٹھائے' چاہے ڈیزائنر جوتے پہنے' اگر وہ میرا کام ٹھیک کر رہا ہے تو یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔''

''آپ برا مان گئیں۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔'' زیاد کے چہرے پہ معذرتی تاثر ابھرا۔ ''میں صرف ایک بات کہہ رہا تھا۔ کبھی کبھی کسی کی نصیحت سن لینی چاہیے' کشمالہ۔ یہ انسان کو بڑے نقصان سے بچا لیتی ہے۔''

زیاد سلطان کی گہرے مشاہدے کی وہ صلاحیت جو اسے اس دن متاثر کر گئی تھی' آج شدید بری لگی تھی۔

''میں چلتی ہوں۔ مجھے کہیں پہنچنا ہے۔ کیا آپ کو مزید یہاں کچھ دیکھنا ہے؟'' وہ گھڑی دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی سبز آنکھیں اب بے تاثر تھیں اور پیشانی پہ شکنیں تھیں۔

زیاد بھی کھڑا ہو گیا۔ ''نہیں۔ میں بھی چلتا ہوں۔ لیکن امید کرتا ہوں کہ ہم دوبارہ مل سکیں گے۔'' پھر وہ رکا نہیں۔ اس کافی کے لیے بھی نہیں جو عاصم بھجوانا بھول گیا تھا غالباً۔ سر کے خم سے اسے خدا حافظ کہا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے وہاں سے نکل گیا۔

کشمالہ نے اسے لفٹ کے دروازوں کے پیچھے گم ہوتے دیکھا تو واپس بیٹھ گئی۔ کہنیاں میز پہ بچھا دیں اور چہرہ ایک بازو پہ رکھ دیا۔ میز پہ گرد کی ہلکی سی تہہ تھی۔ اس نے اس پہ انگلی سے لکیر کھینچی۔

دستک پہ نظریں اٹھائیں۔ کیف چوکھٹ میں کھڑا تھا۔

''وہ ٹال اور ڈارک کہاں گیا؟''

''چلا گیا۔'' وہ میز کی سطح پہ لکیریں کھینچ رہی تھی۔

''آپ اَپ سیٹ ہیں؟'' غور سے کشمالہ کا چہرہ دیکھا۔

''کچھ سوچ رہی ہوں۔'' وہ انگلی سے گرد پہ چند حروف لکھ رہی تھی۔ ایم اے ایل اے۔

''کیا؟'' وہ کھڑکی سے ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا۔ جو گرز کی قینچی بنا لی۔ وہ سیدھا کھڑا نہیں ہوتا تھا۔ ہمیشہ ایسے کھڑا

ہوتا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے۔ایک جوتا دوسرے کے آگے رکھے۔

''کیف.....اس جگہ میں تمہیں کیا کیا خامیاں نظر آتی ہیں؟''

''بہت سی۔گنواؤں؟''

کشمالہ نے تھک کے اسے دیکھا۔وہ عاصم کی کامیابی پہ خوش تھی اور یہاں سب کو خامیاں نظر آتی تھیں۔

''کوورکنگ اسپیسز میں ڈیسک کے درمیان فاصلہ زیادہ ہونا چاہیے تاکہ ہر ورکر کو اپنی پرائیویسی ملے کیونکہ یہ اسپیسز ہمیشہ تب فلاپ ہوتی ہیں جب ورکرز خاموشی سے کام نہیں کر سکتے۔لوگ یہاں جس سکون کی تلاش میں آتے ہیں ان کو وہ ملنا چاہیے ورنہ وہ گھر میں ہی نہ کام کرلیں۔'' وہ واقعی انگلیوں پہ گنوا رہا تھا۔''دوسرا تمام ہالز میں آرکیٹیکچر کی تھوڑی سی غلطی ہے۔ بہت سی جگہ ڈیکور میں ضائع کی گئی ہے بالخصوص کونے۔وہاں بہت کوزی سے کارنرز بنائے جاسکتے تھے۔''

کشمالہ نے ایک نظر کھڑکی کو دیکھا، پھر لائٹنگ کو۔پھر گرے دیواروں کو۔کیف نے ان میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا تھا۔

''اور؟''

''اور اس پوری بلڈنگ میں ایک چیز کی کمی ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''پودوں کی۔ہے نا۔''

وہ بھی ہلکا سا مسکرادی۔ساری بد دلی اور کلفت دور ہونے لگی۔

''جیسا کہ آپ کہتی ہیں' کشمالہ بی بی ...رنگوں کی اپنی زبان ہوتی ہے۔سبز رنگ تو پوری لغت ہے۔یہ کری ایٹیویٹی کا رنگ ہے۔یہ ذہن کو فریش کر کے اس میں نت نئے آئیڈیاز ڈالتا ہے۔عاصم کو صرف ایک مشورہ دیں کہ بلڈنگ میں پودے اور سبز رنگ کا اضافہ کردے۔''

''اور یہ آفس؟'' اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔''یہ کیسا ہے؟''

''جنت ہے۔لاہور میں کارنر آفس وہ بھی اس قیمت پہ کہاں ملتا ہے۔میرے پاس پیسے ہوتے تو فوراً اس جگہ کو لے لیتا۔''

''تمہیں کم روشنی یا باہر کے منظر سے مسئلہ نہ ہوتا؟''

وہ ہنس دیا۔گال کا گڑھا واضح ہوا۔''میں نے لیپ ٹاپ پہ سر جھکا کے کام کرنا ہے۔سوئی میں دھاگہ نہیں

ڈالنا۔ اوپر سے چائے کافی فری ہے۔"

"ایک انسان دن میں دو تین کپ ہی پی سکتا ہے۔ کیا فائدہ۔"

"یہاں وہ لوگ آتے ہیں جنہیں خود کو روز بستر سے نکال کے کام پہ آنے کے لیے مجبور کرنا پڑتا ہے۔ وہ اپنے لیے کام کرتے ہیں۔ ان کے سر پہ کوئی ڈنڈا نہیں ہوتا۔ ایسے میں کوورکنگ اسپیسز میں فری کافی اس لیے دی جاتی ہے تا کہ آپ کے پاس کام پہ آنے کا بہانہ ہو۔ لگژری کو انجوائے کرنے کا دل چاہے۔ ورنہ کوئی کافی یا چائے کا بھوکا نہیں ہوتا۔ اور آپ اتنی منفی باتیں کیوں کر رہی ہیں؟ دو چار آرکیٹیکچر کی غلطیاں تو ہر بلڈنگ میں ہوتی ہیں۔ مگر عاصم اس جگہ کو اچھا مینیج کر رہا ہے۔"

"کچھ نہیں۔ گھر چلو۔ ماں اکیلی ہوں گی۔" وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ عاصم سے نہیں ملنا چاہتی تھی۔ عجیب شرمندگی سی محسوس ہو رہی تھی۔ جاتے جاتے رک کے کیف کو دیکھا۔ پھر نظریں اس کے ہاتھوں میں پکڑے فون تک گئیں۔ اس کے جوتے یقیناً ریپلیکا (نقل) تھے لیکن فون اصلی تھا۔ اس نے پہلے نوٹ کیوں نہیں کیا۔

"تم تو کہہ رہے تھے تم پہ ایک سال سے قرضے ہیں۔ پھر آئی فون کا یہ نیا ماڈل کیسے خریدا؟"

کیف نہ گھبرایا۔ نہ پریشان ہوا۔ ہلکے سے شانے اچکا دیے۔

"میں نے کب کہا میں نے خریدا ہے۔ گفٹ ملا ہے۔"

"اتنے مہنگے گفٹ کون دے سکتا ہے؟"

"ایک لڑکی نے دیا تھا۔ امیر لڑکیاں مہنگے تحفے دیتی ہیں۔ سب آپ کی طرح نہیں ہوتیں جو صرف تنخواہ دیں۔ وہ بھی لیٹ۔"

کشمالہ نے گھور کے اسے دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔ اس کی ہیل کی آواز سارے کاریڈور میں گونجتی گئی۔ کیف نے سینے میں مقید سانس خارج کی، کوفت سے اس فون کو دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔ وہ کتنا کچھ چھپائے گا اس سے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں نے اس ساری بات سے یہ نتیجہ نکالا ہے مالا کہ..." ماہی نے اس کا لمبا سا ٹیکسٹ پڑھنے کے بعد جواب لکھا تھا۔ "کہ تم اتنے دن بعد زیادے ملیں اور تم نے کیف کی وجہ سے اس سے بحث کی۔"

"میں نے کیف کی وجہ سے اس سے بحث نہیں کی۔ وہ میری چوائس پہ مجھے شک میں مبتلا کر رہا تھا۔" وہ کار کی

پچھلی سیٹ پہ بیٹھی ٹھک ٹھک ٹائپ کر رہی تھی۔

''ہو سکتا ہے وہ آفس اس کے لیے مناسب نہ ہو۔ مالا اب وہ تمہارا دل رکھنے کے لیے تو اس آفس کو نہیں لے سکتا تھا نا۔ ویسے بھی وہ مجھے بہت خشک اور پریکٹیکل سا لگتا ہے۔''

''میں یہ نہیں کہہ رہی کہ اس کا قصور ہے۔ لیکن اس کو کیف کے بارے میں ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔''

''پھر کیف۔ یار کون ہے یہ کیف؟ میں نے اس کو دیکھنا ہے۔ تمہاری ہر بات میں اس کیف کا ذکر ہوتا ہے۔''

''کیونکہ وہ آدھے سے زیادہ دن میرے ساتھ ہوتا ہے۔''

''مالا تم نے ظہیر کے ساتھ پانچ سال کام کیا۔ اور میں نے تمہارے منہ سے ظہیر کا ذکر پانچ دفعہ بھی نہیں سنا۔ سوائے اہم موقعوں کے۔ مگر کیف اسپیشل ہے۔''

''میں تم سے بات ہی نہیں کر رہی۔''

اور ماہی ہنس دی۔

''تمہارے اس دعوے کی ایکسپائری ڈیٹ چھ گھنٹے سے زیادہ نہیں ہے۔'' وہ بھی مسکرا دی۔

اس کو گھر اتار کے وہ کچھ دیر کے لیے باہر چلا گیا۔ پچھلی اسٹریٹ میں ایک پارک بنا تھا۔ کیف سورج اور گرمی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہاں ایک بنچ پہ بیٹھا اور کال ملا کے فون کان سے لگایا۔ اس کے چہرے پہ بے چینی تھی۔

''زیاد سلطان کے بارے میں معلوم کیا؟''

''جیسے میرے پاس کرنے کے لیے اور کوئی کام نہیں ہے۔'' مالک تلخی سے بولا۔ پھر گہری سانس لی۔ ''ہاں معلوم کیا تھا۔ وہ کوئی رائٹر ہے۔ اور ایک اچھی جاب کرتا ہے۔ ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔ باپ شریف سا ہے۔ وہ بھی جاب کرتا ہے۔ ماں ہاؤس وائف ہے اور قرآن پڑھتی اور پڑھاتی ہے۔ نیک شریف ماں باپ ہیں۔ اور اس نوجوان کی ریپوٹیشن بھی اچھی ہے۔ کم گو اور نرڈ سا ہے۔ تمہیں اس سے کیا مسئلہ ہے۔''

''اس کو مجھ سے مسئلہ ہے۔ وہ مجھے پسند نہیں کرتا۔ یونہی لگتا ہے مجھے۔'' کیف ناپسندیدگی سے بولا۔

''میرا خیال ہے تم اسے پسند نہیں کرتے کیونکہ وہ اس لڑکی میں انٹرسٹڈ ہے۔ اس لیے میں تمہیں ایک ریئلٹی چیک دیتا ہوں۔'' مالک کی سرد آواز میں استہزا تھا۔ ''تم کیف جمال ہو۔ ایک ناکام انسان جس کا نہ کوئی کیریئر ہے نہ کوئی سماجی حیثیت۔ تم کشمالہ مبین کے ڈرائیور اور گارڈ ہو۔ وہ تمہیں اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھے گی۔ تم اس کی جتنی حفاظت کر لو جس دن اس کو معلوم ہوا کہ تم اس کو کس طرح دھوکہ دیتے آئے ہو وہ تم سے نفرت کرے گی۔ تمہاری

اس کہانی کا المناک انجام ایسے ہی ہونا ہے۔ اس لیے اس کو یہیں ختم کر دو۔"

حقیقت ایسا زہر ہے جس کو پینے سے انسان مرتا نہیں ہے۔ بس وہ اس کے اندر کی ساری امید چوس جاتا ہے۔ وہ جو بار بار بھولنے لگتا تھا' اسے ایک دفعہ پھر حقیقت یاد دلائی جا رہی تھی۔

(میں کیف جمال ہوں۔ ایک ناکام انسان جس کا کوئی کیرئیر یا سماجی حیثیت نہیں ہے۔) اس نے خود سے دہرایا۔ کسی سبق کی طرح۔ اسے بار بار خود کو یہ یاد کروانا تھا کیونکہ وہ اسے ایسے ہی دیکھتی تھی۔

وہ گھر آئی تو ماں اپنے کمرے میں تھیں۔ اس نے جوتے لاؤنج میں ہی اتار دیے اور ننگے پیر چلتی ہوئی ماں کے کمرے کی طرف آئی۔ ماں نے اس کے آنے کی آواز نہیں سنی تھی۔ اسی لیے انہیں معلوم نہ ہو سکا اور کشمالہ ان کے سر پہ پہنچ گئی۔

وہ الماری کا پٹ کھولے کھڑی تھیں اور ہاتھ میں سوہن حلوے کا ڈبہ تھا۔ وہ چپکے چپکے اس سے سوہن حلوہ نکال کے کھا رہی تھیں۔ ڈبہ بند کیا تو چونک گئیں۔ وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ ان کے سامنے کھڑی تھی۔

"تم کب آئیں؟" انہوں نے ڈبہ بند کیا۔ اور الماری میں رکھنے لگیں لیکن کشمالہ نے وہ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"آپ کو میرا احساس ہے ماں؟" وہ دبا دبا سا چلائی۔ "میں دو دن سے پریشان ہوں کہ آپ کی فاسٹنگ شوگر ایک سو چالیس سے نیچے کیوں نہیں جا رہی اور آپ میری ساری محنت ضائع کر رہی ہیں اس ایک اسٹوپڈ حلوے کے پیچھے۔" آواز بلند ہونے لگی۔

ماں نے چوری پکڑے جانے پہ سر جھکا لیا۔ ہتھیلی بیڈ پہ رکھی اور سہارے سے بیڈ پہ بیٹھیں۔

"ماں آپ کو تھوڑا سا بھی میرا احساس ہے؟ آپ کے پیچھے میں کون سی قربانیاں دیتی ہوں؟ آپ کی صحت کے لئے کتنا ہلکان ہوتی ہوں۔ مگر آپ کو احساس ہی نہیں ہے۔ نہ میری زندگی کا۔ نہ میرے کام کا۔ آپ کو اتنی سی بھی میری پرواہ نہیں ہے۔" کہاں کا غصہ کہاں نکل رہا تھا۔ آنسو اس کی آنکھوں سے زاروقطار گر رہے تھے۔ وہ وہیں زمین پہ بیٹھ گئی۔ الماری سے ٹیک لگائے اور زور زور سے رونے لگی۔ پتہ نہیں ایک دم سے اتنے سارے آنسو کہاں سے آ گئے تھے۔

"بس بچے کریں ماں کا خیال۔ اور ماں؟ اس نے نہیں کرنا ہوتا بچوں کا خیال؟"

ماں نے چہرہ اٹھایا۔ان کی بوڑھی آنکھوں میں بے چارگی تھی۔

''اچھا میں اب کوشش کروں گی کہ میٹھا نہ کھاؤں۔''

ایک ڈرا سہما سا انداز۔ پریشانی۔ کشمالہ نے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

اور تب اسے احساس ہوا کہ ماں جان بوجھ کے میٹھا نہیں کھاتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں وہ ان کے لیے اچھا نہیں ہے۔ وہ کوشش بھی کرتی تھیں خود کو روکنے کی۔ مگر وہ کر نہیں پاتی تھیں۔ یہ ان کے بس میں نہیں تھا۔ یہ ذیابطیس کا مرض ہی ایسا تھا۔وہ بھی اتنی ہی مجبور تھیں جتنی کہ مالا۔

وہ وہاں سے اٹھی اور آنسو صاف کیے۔ پھر ڈبہ واپس الماری میں رکھا اور الماری بند کی۔ ماں نظریں جھکائے بیٹھی تھیں۔ کشمالہ ان کے ساتھ بیڈ پہ بیٹھی اور نرمی سے ان کے فربہ کندھے پہ ہاتھ رکھ کے کہنے لگی۔

''ماں بس کچھ دن آپ نے کنٹرول کرنا ہے۔ اگر آپ کے گھٹنے کی سرجری کی نوبت آئی تو مسئلہ ہوگا۔ اور ہاں۔ آج سے آپ میرے کمرے میں شفٹ ہو رہی ہیں۔ آپ کو ماحول چینج کرنے کی ضرورت ہے۔''نرمی سے ان کا کندھا دبایا۔ ماں نے سر ہلا دیا۔ کوئی مزاحمت نہیں کی۔

''ہاں ویسے بھی تمہارا موا ڈرائیور باز نہیں آیا۔ ساری رات لڑکیوں سے باتیں کرتا ہے۔''

اسے آنسوؤں کے درمیان میں ہنسی آ گئی۔''اچھا باتیں کیا کرتا ہے؟ یہ تو بتائیں۔''

''مجھے نہیں سمجھ آتی۔ کوئی دوسری زبان بولتا ہے۔''

کشمالہ ہنس دی۔''وہ آپ کی وجہ سے انگریزی بولنے لگ گیا ہوگا۔''

وہ کیف کو فون کالز کرنے سے نہیں روک سکتی تھی۔ اچھا نہیں لگتا تھا۔

رات میں بخت بی اور وہ ماں کی ساری چیزیں لیے مالا کے کمرے میں آ گئے۔ ماں کو آج کل چلنے میں کچھ زیادہ ہی دشواری پیش آ رہی تھی۔ جیسے وہ بہت تکلیف سے چل رہی ہوں۔ مالا کے کمرے میں آئیں تو ہانپتی ہوئی بیڈ پہ بیٹھ گئیں۔ پھر گردن گھما کے اطراف میں دیکھا۔اس کے کمرے کی ایک دیوار زیتون رنگ کی تھی اور باقی تینوں دیواریں ایش وائٹ تھیں۔

''مالا... ہم ہوٹل میں ہیں؟''

''نہیں ماں۔ ہم اپنے گھر ہیں۔''

ماں کے ساتھ کبھی پشاور جاتے کسی شادی پہ تو ہوٹل میں رہا کرتے تھے کہ ماں کو رشتے داروں کے گھر رہنا پسند

نہیں تھا۔ مالا کے کمرے کی سیٹنگ بھی اسی ہوٹل کے کمرے جیسی تھی۔ سفید چادریں اور بیڈ کور۔ ماں پھر سے مکس اپ کر رہی تھیں۔

''یہاں بریک فاسٹ فری ہے؟''

''ماں ہم ہوٹل میں نہیں میرے کمرے میں ہیں۔'' پھر سے یاد کروایا۔

''اچھا اچھا۔ میں ذرا نماز پڑھ لوں۔'' وہ کھڑی ہو گئیں۔ وہ جانتی تھی کہ ماں نماز پڑھ چکی ہیں۔ بخت بی گواہ تھی۔ لیکن ماں کو بھول گیا تھا۔ ان کی ضد ویسے بھی سارے چارسدہ میں مشہور تھی۔ مالا ان کو باتھ روم لے گئی کہ پتہ نہیں کیوں اسے خوف تھا کہ ماں پھسل نہ جائیں۔ پھر سے ان کو وضو کروایا اور انہوں نے پھر سے نماز پڑھی۔ پھر وہ سونے لیٹیں۔ تو وہ بیڈ پہ دوسری طرف آ بیٹھی اور لیپ ٹاپ گود میں رکھ لیا۔

ماں اس کی طرف کروٹ لیے آنکھیں موندے ہوئے تھیں۔ ہاتھ میں تسبیح تھی جس کے وہ دانے گرا رہی تھیں۔

کام کرتے کرتے مالا نے ان پہ نظر ڈالی۔ اس نے آج ماں کو کتنی سنا دیں۔ یہ ہم دوسروں کا غصہ اپنی ماؤں پہ کیوں نکالتے ہیں؟ دوستوں پہ کیوں نہیں نکالتے؟ باس پہ کیوں نہیں نکالتے؟ کیونکہ ماں پہ ہمارا بس چلتا ہے۔ اور مائیں بھی چپ کر کے کیوں سن لیتی ہیں؟ ماں سے لڑنے کے بعد کا گلٹ... اس گلٹ کا کیا کرے انسان۔ اس کا دل برا ہونے لگا۔ اس نے لیپ ٹاپ بند کر دیا اور ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ کہتے ہیں ماں باپ کا چہرہ دیکھتے رہنے سے بھی ثواب ملتا ہے۔ کیا وہ ثواب ان ساری تلخ باتوں کو مٹا دیتا ہے جو ہم اپنی ماؤں سے کہہ دیتے ہیں؟

وہ بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھے گئی۔ ان کا چہرہ کتنا کمزور ہو گیا تھا۔ چند ہی دن میں وہ مرجھا سی گئی تھیں۔ اور چہرے کی بائیں طرف کی جلد لٹک گئی تھی۔ جیسے ملالہ یوسف زئی کا چہرہ فیشل نروکے ڈیمج ہونے سے ایک طرف سے مختلف ہے ایسے ہی ماں کا چہرہ بائیں اینگل سے مختلف تھا۔ یہ اس نے آج نوٹ کیا تھا۔

ماں کو کیا ہوتا جا رہا ہے؟ وہ سوچتی نظروں سے انہیں دیکھے گئی۔ تبھی ماں نیند سے جاگیں۔ چونک کے اسے دیکھا۔

''آج میں نے رات کو چائے نہیں پی۔ گھر والوں نے بھی ہمیں چائے بھی نہیں پوچھی۔''

''کون سے گھر والے ماں؟''

''جن کے گھر ہم آئے ہوئے ہیں۔''

وہ دل کھول کے ہنس دی۔ ''ماں ہم اپنے گھر میں ہیں۔''

"اوہ اچھا۔" بے اختیار ماتھے کو چھوا جیسے اپنے بھول جانے پہ شرمندگی ہوئی ہو۔

"ہم اسلام آباد نہیں آئے ہوئے تمہارے ماموں کے گھر؟"

"نہیں ماں۔ ہم میرے کمرے میں ہیں۔"

"ماہی سے کہو سو جائے۔" ماں نے اس کی طرف سے کروٹ موڑ لی۔

"ماہی کہاں ہوتی ہے ماں؟" اس نے دہرایا۔

"کینیڈا کے صوبے برٹش کولمبیا میں۔" وہ آنکھیں موندے بڑبڑا رہی تھیں۔ مالا نے دوبارہ لیپ ٹاپ کھولا ہی تھا کہ ماں کی دھیمی سی آواز آئی۔

"وہ بچہ پھر کہاں گیا؟"

مالا نے تیزی سے لیپ ٹاپ بند کیا۔ اس کا سانس رک گیا تھا۔

"شش... ماں.... سو جائیں..." اس نے ان کا کندھا تھپتھپایا۔ ایک لمحے کو جیسے اس کا گلا بند ہونے لگا تھا۔ پھر اس نے گہرے گہرے سانس لیے۔ ماں اور ماہی اس بچے کو بھولتی کیوں نہیں تھیں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆

چلی ویک کے اس چھوٹے سے گھر میں اس وقت دوپہر کا وقت تھا۔ ماہی لونگ روم کے صوفوں پہ تکیوں کے سہارے ٹیک لگائے نیم دراز تھی۔ ہاتھ میں ریموٹ تھا اور وہ بے توجہی سے چینل بدل رہی تھی۔ دفعتاً اس کی نگاہ ٹی وی کیبنٹ پہ پھسلتی گئی۔ وہ بدقت اٹھی اور ننگے پیر چلتی کیبنٹ تک آئی۔ اسے کھولا اور اپنی اسکیچ بک نکالی۔

واپس صوفے پہ بیٹھتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے صفحے پلٹانے لگی یہاں تک کہ وہ تصویر سامنے کھل گئی۔

ماہ بینہ اس تصویر کو دیکھے گئی۔ خاموشی سے۔ پلک جھپکائے بغیر۔

وہ ایک تین چار سال کے بچے کی تصویر تھی۔

ان کی زندگیوں میں جو بھی مسائل تھے ان سب کا ذمہ دار یہ بچہ تھا۔

کیا وہ مالا کی طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہے گی؟ کیا وہ اس حقیقت کو جھٹلانے کی کوشش کرے گی جو اس کے سامنے منہ کھولے کھڑی تھی؟ وہ حقیقت جو اس کو نگلنے کے لیے تیار تھی؟ بلکہ اس کو کیا اس کے پورے خاندان کو؟

نہیں۔ وہ مالا نہیں تھی۔ وہ ماہی تھی۔ اسے اس معاملے کو خود ہی ختم کرنا تھا۔ کوئی ماہی کی نہیں سنتا تھا لیکن وہ ایک بات جانتی تھی۔ ماہی کا اندازہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔

اس نے موبائل اٹھایا اور ڈاکٹر رائد کے نام سے ایک چیٹ کھولی۔ پھر اس کی انگلیاں ٹائپ کرنے لگیں۔

''میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ کیا کل یا پرسوں ہم مل سکتے ہیں؟''

ڈاکٹر رائد اس کے شہر سے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پہ موجود شہر وین کوور میں رہتے تھے۔ وین کوور ایک بڑا شہر تھا۔ دنیا کے مہنگے ترین شہروں میں سے ایک۔ عباد اور وہ ویک اینڈ پہ وین کوور جایا کرتے تھے۔ وہ وہاں دن گزارتے' شاپنگ کرتے' اور پھر واپس آجاتے۔ وہ وہاں سیر و تفریح کے لیے جاتے تھے۔ انجوائے کرنے۔ مزہ کرنے۔

مگر اس دفعہ ماہی وہاں کچھ اور لینے جائے گی۔

ان تمام سوالوں کے جواب لینے جو اس کو راتوں کو جگائے رکھتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلا سارا دن گھر کے کاموں میں گزرا۔ وہ بخت بی سے صفائیاں کرواتی رہی۔ پھر رمضان کے آنے سے پہلے کچھ چیزیں بنوا کے فریز کروانی تھیں۔ گروسری لانی تھی۔ ایسے میں معید سے بات کرنا اسے یاد ہی نہ رہا۔

دوپہر میں عاصم کا فون آگیا۔

''تمہارے perfectionist کزن نے آفس لے لیا ہے۔ اس نے مزید کوئی شکایت نہیں کی۔ اس نے کہا کہ یہ آفس چونکہ کشمالہ کو پسند آگیا تھا' اس لیے وہ مزید نہیں سوچنا چاہتا۔''

وہ مسکرا دی۔ زیاد کو احساس ہو گیا تھا۔ اسے اچھا لگا۔ شام میں زیاد کا معذرتی میسج بھی آیا۔ اس نے ڈائریکٹ سوری نہیں کہا تھا لیکن وہ فکرمند تھا کہ کشمالہ اس کو غلط نہ سمجھے۔ اس نے بھی ''کوئی بات نہیں'' لکھ کے بھیج دیا۔ رات گئی بات گئی۔

''نیورولجسٹ سے اپائنٹمنٹ کنفرم ہے نا سوموار کی؟'' معید رات کھانے کی ٹیبل پہ آیا تو مالا نے پوچھا۔ وہ تینوں اب اکٹھے کھانا کھاتے تھے بالخصوص رات کا کھانا۔ معید نے لقمہ توڑتے ہوئے سر جھکائے جی کہہ دیا۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے فون پہ بھی لگا تھا۔ معید کی زندگی اس کے فون سے شروع ہو کے اسی میں ختم ہوتی تھی۔

دفعتاً معید نے متلاشی نظروں سے ٹیبل کو دیکھا۔

''بخت بی نے میرا اسلاد الگ سے پھر نہیں بنایا؟''

''کہا تو تھا میں نے۔''

معید نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔ ”بخت بی کے وعدے اور وائکرل (vicryl) کے دھاگے پہ کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔“

ایک تو معید کے یہ سرجری والے ریفرنس اسے سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ سرجری سے اسے یاد آیا' اسے معید کو کچھ بتانا تھا۔

ماں چپ چاپ اپنا کھانا کھا رہی تھیں۔ وہ انگریزی میں کہنے لگی۔

”معید... تمہیں نہیں لگتا ماں کے چہرے کا بایاں حصہ تھوڑا deviate کر رہا ہے۔“

موبائل پہ چلتی ڈاکٹر معید مبین کی انگلیاں تھم گئیں۔ اس نے دھیرے سے گردن اٹھائی۔ اس کی آنکھیں ماں کے چہرے تک گئیں۔ وہ چند لمحے ان کو دیکھتا رہا۔

”ہوں۔“ اس نے فون رکھ دیا اور سر جھکا کے دوسرا نوالہ توڑا۔ مالا کو لگا اس کی انگلیاں کانپی تھیں۔ شاید اس کا وہم تھا۔

”چہرہ ایسے کیوں ہو رہا ہے ماں کا؟“ اس نے انگریزی میں پوچھا۔

”ہو جاتا ہے۔ اولڈ ایج۔“ وہ نظریں ملائے بغیر بولا۔ وہ 'اوکے' کہہ کے واپس کھانا کھانے لگی۔ معید نے جو نوالہ توڑا اسے ختم نہیں کیا۔ بس اسے پلیٹ میں رکھے بیٹھا رہا۔ اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔

”سنو... صبح تیار رہنا۔ سات بجے ماں کو میو ہسپتال لے جائیں گے۔“ وہ میز سے اٹھتے ہوئے بولا۔ وہ اب بھی مالا کو نہیں دیکھ رہا تھا۔

”اتنی جلدی کیوں؟“

”ماں کا اسکین کروائیں گے۔ لسٹ لمبی ہوتی ہے۔ جلدی جائیں گے تو جلدی کام ہوگا۔“

”گھٹنے کا اسکین؟“

معید نے ایک نظر اسے دیکھا۔ ”ہاں گھٹنے کا۔“ اور پھر وہ وہاں نہیں بیٹھا۔ وہ سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اس کے کمرے کی بتی پھر ساری رات جلی رہی۔ وہ سحری کے بعد سو گئی تھی۔ ساڑھے چھ بجے معید نے آ کے اسے اٹھایا۔ اس کے چہرے سے لگتا تھا وہ ساری رات نہیں سویا۔

وہ خود بھی کام کی وجہ سے دیر سے سوئی تھی۔ اسے بہت نیند آ رہی تھی۔ معید نے کافی پینے کا وقت بھی نہیں دیا۔ اسے نہ جانے کس بات کی جلدی تھی۔ کہاں وہ ہفتے بھر بعد کی اپائنٹمنٹ لیے بیٹھا تھا اور کہاں وہ صبح صبح ماں کو

ہسپتال لے آیا تھا۔

میو ہسپتال میں ایک سرخ سی نئی عمارت حال ہی میں بنی تھی۔ وہ ان کا نیا اور جدید آلات سے لیس سر جیکل ٹاور تھا۔ داخلی دروازے پہ معید ماں کے لیے وہیل چیئر لے آیا۔ وہ سفید چادر میں ملبوس تھیں۔ تھکی تھکی سی لگتی تھیں جیسے تکلیف میں ہیں۔ بدقت وہیل چیئر پہ بیٹھیں۔

معید چیئر آگے دھکیلنے لگا۔ مالا ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ وہ بار بار جمائی روکتی تھی۔ اس نے سیاہ کینوس شوز کے ساتھ سیاہ سرمئی لباس پہن رکھا تھا۔ سرمئی دوپٹہ سر پہ لیا ہوا تھا اور سن گلاسز ماتھے پہ اٹکا رکھے تھے۔ یہ معید کی ورک پلیس تھی اور معید یہاں آ کے بڑا اکانشس ہو جاتا تھا۔ بالخصوص بہنوں کے بارے میں۔

سر جیکل ٹاور کی عمارت میں ہر طرف پودے رکھے تھے۔ سبزے کو دیکھ کے چہرے پہ خود بخود مسکراہٹ بکھر گئی۔ معید ماں کی وہیل چیئر دھکیلے آگے جا رہا تھا۔ وہ گزرتے ہوئے پودوں کو انگلیوں سے چھوتی جا رہی تھی۔

معید یہاں صرف معید نہیں تھا۔ وہ ڈاکٹر معید تھا۔ ڈاکٹر معید ادھر آئیں۔ ڈاکٹر معید یہ دیکھیں۔ اپنے بہن بھائیوں کو ان کی ورک پلیس یا یونیورسٹی میں دیکھنا بھی کافی دلچسپ ہوتا ہے۔ وہ جن کو ہم گھر میں اندر باہر سے جانتے ہیں، جن کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی، وہ جو گھر میں لڑتے بھی ہیں اور روتے بھی ہیں، اپنی ورک پلیس پہ وہ بڑے ہی مہذب بنے ہوتے ہیں۔

معید ماں کو لیے ایم آر آئی روم میں چلا گیا اور اسے کہا کہ وہ ساتھ والے روم میں بیٹھ جائے۔ وہ دوسرے روم میں چلی آئی۔ وہاں ایک شیشے کی دیوار تھی جس سے ایم آر آئی دکھائی دیتا تھا۔ وہ دیکھ سکتی تھی کہ معید ماں کو اسٹریچر پہ لٹا رہا ہے۔ ساتھ چند کمپیوٹرز لگے تھے جن کے ساتھ ایک ٹیکنیشن بیٹھا تھا۔ اس نے معید کی وجہ سے مالا کو کچھ نہیں کہا۔ اپنا کام کرتا رہا۔

ماں کو اسٹریچر پہ لٹا کے ایم آر آئی کی آدھے چاند جیسی مشین کو سیٹ کیا جانے لگا۔ اس کی نظریں ماں کے گھٹنے پہ تھیں لیکن.... وہ مشین کو ماں کے سر پہ سیٹ کر رہے تھے۔ کشمالہ کا ماتھا ٹھنکا۔ سر پہ کیوں؟

ایم آر آئی اسٹارٹ ہوا تو معید باہر نکلا اور سیدھا اس روم میں آیا تو کشمالہ کو دیکھ کے ٹھٹکا۔

"مالا یار میں نے تمہیں ساتھ والے روم میں بیٹھنے کو کہا تھا۔ یہاں نہیں۔"

"تم تو کہہ رہے تھے کہ گھٹنے کا اسکین ہونا ہے۔ پھر برین کا کیوں؟"

وہ آگے آیا اور ٹیکنیشن کے کندھے پہ جھک کے اسکرین کو دیکھنے لگا۔

''معید میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔''

'' کیونکہ گھٹنے کو چلنے کا حکم برین سے آتا ہے مالا۔ بائیو نہیں پڑھی تھی کیا؟'' وہ جیسے چڑ گیا۔'' ماں کو چلنے میں دقت ہوتی ہے نا۔ ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ برین کیوں گھٹنے کو چلنے کا حکم نہیں دے رہا۔''

'' کیوں نہیں دے رہا؟''

'' کیونکہ... ''معید کی نظریں اسکرین پہ تھیں۔'' کبھی کبھی برین میں (SOL) ایس او ایل بن جاتے ہیں۔ ان کی وجہ سے چہرہ deviate کرنے لگ جاتا ہے۔''

'' ایس او ایل کیا ہوتا ہے؟'' وہ پریشانی سے بولی۔ معید نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''Space occupying lesion' پانی کی تھیلی ہوتی ہے چھوٹی سی۔ کوئی مسئلے کی بات نہیں۔ اس کو نکال لیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اور واپس جھک کے اسکرین کو دیکھنے لگا۔

(ایس او ایل پانی کی تھیلی ہوتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔)

اس کو یاد آیا ماہی کی گردن میں تھائرائڈ کے مسئلے کی وجہ سے ایک پانی کی تھیلی بن گئی تھی۔ انجیکشن سے ڈاکٹر نے پانی نکال لیا تھا۔ بس اتنی سی بات تھی۔

کنٹرول روم کافی بڑا تھا۔ گلاس وال کے ساتھ ٹیکنیشن کرسی پہ بیٹھا اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ معید اس کے ساتھ کھڑا تھا۔

مالا پیچھے ایک کرسی پہ جا کے بیٹھ گئی۔ کرسی کے ہتھ پہ کہنی رکھی اور ہتھیلی گال تلے رکھ لی۔ رات نیند نہیں پوری ہوئی تھی۔ اوپر سے روزہ بھی تھا۔ اس کی آنکھیں بھاری ہونے لگیں۔ اس نے پلکیں موند لیں۔ ایم آر آئی پینتالیس منٹ چلنا تھا آرام سے۔ ابھی کافی وقت تھا۔

(ایس او ایل پانی کی تھیلی ہوتا ہے۔ اور کچھ نہیں۔)

وہ کچی نیند میں تھی جب کہنی پھسلی۔ وہ جھٹکے سے سیدھا ہوئی۔ غنودہ آنکھیں کھولیں۔ اسکین ہو رہا تھا۔ مشین کی گڑگڑاہٹ جیسی آوازیں یہاں تک آ رہی تھیں۔ ماں گلاس وال کے پار اسٹریچر پہ لیٹی نظر آ رہی تھیں۔ ان کا سر مشین سے ڈھکا ہوا تھا۔ اسے معید کی پشت نظر آ رہی تھی۔

(ایس او ایل پانی کی تھیلی ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔)

''معید کتنی دیر ہے؟'' اس نے پیچھے سے پکارا۔ معید نے جواب نہیں دیا۔ یقیناً سنا نہیں تھا۔ اس نے پھر سوال

دہرایا۔ معید نے اب بھی جواب نہیں دیا۔ پھر وہ تیز قدموں سے دروازے کی طرف بڑھا اور باہر نکل گیا۔ کشمالہ نے تعجب سے اسے باہر جاتے دیکھا۔

(ایس او ایل پانی کی تھیلی ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔)

اس نے کہنی پھر سے کرسی پہ ٹکائی اور تھوڑی کو تھیلی کے پیالے میں رکھ دیا۔ آنکھیں دوبارہ بند ہونے لگیں۔

غنودگی میں اسے آواز آئی۔ باریک ہیل سے ٹک ٹک چلتی کوئی خاتون اندر آئی تھی۔ وہ تیزی سے سیدھی ہوئی اور آنکھیں پوری کھول لیں۔ ایک تو صبح کافی نہ پیے تو ذہن فریش ہی نہیں ہوتا۔

عینک لگائے، سفید کوٹ پہنے، وہ تیار شیار سی کوئی ریڈیالوجسٹ تھیں۔ چہرے پہ کرختگی تھی اور وہی کرختگی آواز میں بھی تھی۔ ٹیکنیشین کے پیچھے کھڑے ہو کے اسکرین کو دیکھا جس کے اوپر برین کے اندر کی فلم چل رہی تھی۔ سیاہ اور سفید رنگ کی فلم۔

"یہ ڈاکٹر معید کی پیشنٹ ہیں؟"

"جی۔" کشمالہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ریڈیالوجسٹ نے مڑ کے اسے عینک کے اوپر سے دیکھا۔

"آپ ڈاکٹر ہیں؟"

"نہیں۔ میں ڈاکٹر معید کے ساتھ ہوں۔" پھر اس نے اسکرین کی طرف دیکھا۔ برین اسکین کو وہ سمجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ سیاہ اور سفید تھا۔ وہ کوئی اور زبان تھی۔

"کوئی ایس او ایل ہے کیا ان کے برین میں؟"

وہ قدم قدم چلتی اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ اسکرین کو ایسے دیکھا جیسے ان پڑھ کتاب کو دیکھتا ہے۔

"جی۔" ریڈیالوجسٹ نے سر ہلایا۔ وہ بھی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ کشمالہ نے ایک نظر دروازے کو دیکھا۔ وہ شیشے کا تھا۔ اس کے پار کاریڈور میں معید کھڑا نظر آ رہا تھا۔ اس کی مالا کی طرف پشت تھی۔ وہ بیچ کاریڈور میں کھڑا کیا کر رہا تھا؟

کچھ غلط تھا۔ اس سارے منظر نامے میں کچھ تھا جو بہت غلط تھا۔ نینداس کے دماغ سے غائب ہونے لگی۔

اس نے کھنکھار کے ریڈالوجسٹ کو پکارا۔

"ایس او ایل کیا ہوتا ہے؟"

"space occupying lesion۔" خشک سا جواب آیا۔

(ایس او ایل پانی کی تھیلی ہوتا ہے اور کچھ نہیں۔)

"مگر وہ کیا ہوتا ہے؟" اس نے اصرار سے پوچھا۔

ریڈیالوجسٹ نے اسی سپاٹ انداز میں اسے دیکھا اور ایسے اطلاع دی جیسے خبر پڑھ کے سناتے ہیں۔

"برین ٹیومر۔"

کہتے ہیں کچھ الفاظ انسان کا سانس روک دیتے ہیں۔ ہوا نہ اندر آتی ہے نہ باہر جاتی ہے۔ انسان کی رنگت سفید پڑنے لگتی ہے اور ہونٹ نیلے۔ وہ پتھرا جاتا ہے۔ جیسے نیلے ہونٹوں اور سفید مٹی سے بنا کوئی مجسمہ ہو۔

ریڈیالوجسٹ تبصرہ کر رہی تھی۔

"ڈاکٹر معید اس اسٹیج پہ لائے ہیں پیشنٹ کو۔ چچ۔ برین میں تو تباہی مچی پڑی ہے۔"

ٹیکنیشن کھنکھارا اور آہستہ سے سرگوشی کی۔ "یہ ڈاکٹر معید کی والدہ ہیں۔"

شاید وہاں خاموشی چھا گئی تھی۔ شاید وہ ابھی تک کچھ بول رہی تھیں۔ اس نے خود کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا۔ قدم قدم وہ معید کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے معید کے کندھے کو چھوا۔ اس کے ہاتھ برف ہو رہے تھے اور معید کا کندھا اس سے بھی ٹھنڈا تھا۔ اس نے زور سے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

"معید۔"

وہ رو رہا تھا۔

گردن نیچے کیے وہ بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

"تم نے کہا تھا ایس او ایل پانی کی تھیلی ہوتا ہے۔" وہ رو نہیں رہی تھی۔ وہ پوچھ رہی تھی۔ شاک اور بے یقینی کا تاثر اس کی آنکھوں میں پتھر ہو چکا تھا۔

معید نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔

"بہت بڑا ہے۔ بہت بڑا ہے۔" اس نے دہرایا۔ وہ اس شے کا نام بھی نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔

"برین کے ایک تہائی حصے پہ پھیلا ہے۔" وہ بڑبڑایا۔

وہ بس جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ آنسو ٹپ ٹپ آنکھوں سے گرنے لگے۔ ذہن ابھی تک سن تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گھر واپسی کا سفر خاموشی سے کٹا۔ وہ پچھلی سیٹ پہ بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ سڑکوں پہ لوگ مصروف دکھائی دے رہے تھے۔ اپنی اپنی دنیا میں مگن۔ ساتھ سے ایک میوزک بجاتی گاڑی گزری۔ کیا لوگوں کی زندگی میں اب بھی خوشیاں تھیں؟ لوگ کیسے ہنس بول رہے تھے؟ ایک بل بورڈ پہ پراپرٹی کا اشتہار چل رہا تھا۔ قسطوں پہ پلاٹ۔ کیا لوگ اب بھی اگلے کئی سال کی پلاننگ کر سکتے ہیں؟ میری ماں کو برین ٹیومر ہے۔ دنیا میں دوسرے لوگوں کی زندگی کیسے چل سکتی ہے؟

معید کی آنکھیں بار بار گیلی ہوتی تھیں۔ وہ بار بار ان کو کف سے رگڑتا تھا۔ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی ماں نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیا ہوا ہے معید؟'' وہ بے خبر تھیں۔

''الرجی ہو رہی ہے آنکھوں میں۔'' اس نے گیلی بھاری آواز میں کہا۔

''گھر جا کے تمہیں اینٹی الرجی دیتی ہوں۔ ٹھیک ہو جائے گی۔''

ماں آدھی ڈاکٹر بھی تھیں۔ کسی زمانے میں ان کو ڈاکٹر بننے کا شوق تھا۔ لیکن نانا نے بننے نہیں دیا۔ شادی کے بعد پرائیوٹ پڑھ کے انہوں نے ماسٹرز کر لیا وہ بھی اسلامیات میں۔ لیکن ان کا ڈاکٹر بننے کا شوق کبھی گیا نہیں۔ اپنے بچوں کا خود علاج کرتی تھیں۔ بیٹیاں تو آرام سے بڑی ہو گئیں۔ لیکن معید بچپن سے بہت بیمار ہوتا تھا۔ پیدا ہوا تو یرقان ہوا۔ پھر ڈبل نمونیا۔ ماں کہتی تھیں لڑکے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بہت بیمار ہوتے ہیں۔ ان کی بیماری پہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بڑے ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن ماں نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ ماں بیمار ہو جائے تو کیا کرتے ہیں؟

گیٹ کیف نے کھولا۔ وہ بغور مالا اور معید کی شکل دیکھ رہا تھا لیکن بولا کچھ نہیں۔ وہ ماں کو اندر لے آئے۔ انہیں بیڈ پہ لٹایا۔ ان کو نیند آ رہی تھی۔ معید نے کہا کہ وہ سو جائیں۔ بخت بی کو ان کے ساتھ چھوڑا۔ بخت بی باری باری ان دونوں کے تاثرات دیکھ رہی تھی مگر وہ بھی کچھ نہیں بولی۔ کشمالہ اور معید اس چہرے کے ساتھ واپس نہیں آئے تھے جس کے ساتھ وہ گئے تھے۔

بخت بی کو ماں کے پاس چھوڑ کے معید نے اس کا ہاتھ پکڑا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ انہیں آپس میں بات کرنی تھی۔

اوپر مالا کے ہوم آفس میں آ کے معید نے دروازہ بند کیا۔ کھڑکی مقفل کی۔ پھر وہ آمنے سامنے کرسیوں پہ بیٹھے۔

''یہ کس ٹائپ کا ٹیومر ہے؟'' اس کی آنکھیں معید کے چہرے پہ امید تلاش کر رہی تھیں۔

''یہ مجھے نہیں پتہ۔''

''تم کیسے ڈاکٹر ہو؟ تمہیں کیوں نہیں معلوم؟'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''میں نیورو سرجن نہیں ہوں مالا۔ میں جنرل سرجن ہوں۔ ہر ڈاکٹر ہر چیز میں ماہر نہیں ہوتا۔'' معید کا وہ پہلا جذباتی فیز گزر چکا تھا۔ اب وہ سنبھلا ہوا تھا اور تحمل سے بتا رہا تھا۔ ''اسی لیے آج ہم ماں کی رپورٹس نیورو سرجن ڈاکٹر وہرا کے پاس لے کر جائیں گے۔ وہ بتائیں گے کہ یہ کس قسم کا ٹیومر ہے۔ سرجری ہو سکتی ہے یا نہیں۔''

وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔ اسے معید کی کسی بات کا فی الحال اعتبار نہیں تھا۔

''مالا... دیکھو کچھ ٹیومر آپریشن سے نکالے جاتے ہیں۔ کچھ کے لیے گاما نائف کرتے ہیں یعنی شعاؤں وغیرہ سے ان کو ختم کیا جاتا ہے۔ اور کچھ ٹیومرز کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔''

''اب ہم کیا کریں گے؟''

''مالا وہ ہماری ماں ہیں۔ ہم ان کا علاج کروائیں گے۔ ہمارے پاس وسائل ہیں۔ دوا اور سرجری کے پیسے ہیں۔ میں خود ڈاکٹر ہوں۔ تم بھی یہاں آ گئی ہو۔ اب ہم اپنی ماں کا خیال رکھیں گے۔ میں اپنی ٹریننگ فریز کروا رہا ہوں۔ ہم کوئی اور کام نہیں کریں گے۔ ہم صرف ماں کے پاس ہوں گے۔ ہر وقت۔''

''میں اتنے سال ان کے پاس نہیں تھی۔ میں ان کے پاس کیوں نہیں تھی؟''

صدمے کی پہلی چوٹ اگر شاک ہوتا ہے تو دوسری چوٹ گلٹ کی پڑتی ہے۔ خود کو الزام دینا... اپنا قصور ڈھونڈنا ... کیونکہ انسانی دماغ کو کسی نہ کسی پہ الزام رکھنا ہوتا ہے۔

''میں ان کے پاس ہو کے بھی اپنی ٹریننگ میں اتنا مصروف تھا کہ مجھے ان کے پاس بیٹھنے کا وقت نہیں ملتا تھا۔ میں اتنے عرصے تک دیکھ ہی نہیں سکا کہ ان کا چہرہ ڈیوی ایٹ ہو رہا ہے۔ میں تو اپنے بیچ کے سب سے برائٹ اسٹوڈنٹس میں سے تھا۔ میں ماں کو روز دیکھتا تھا۔ مجھے کیوں نہیں پتہ چل سکا۔''

''کیونکہ اپنی ماں کے لیے کوئی یہ تصور نہیں کرنا چاہتا معید۔''

معید کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ گیلی سانس اندر کھینچتے ہوئے اٹھا۔ ''میں میو واپس جا رہا ہوں۔ ماں کی رپورٹس اور فلم اٹھانے۔ اور مجھے اللہ سے پوری امید ہے۔ اللہ تعالیٰ میری ماں کو شفا دے گا۔ ہم دعا کریں گے اور علاج کروائیں گے۔ دیکھنا وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔''

کلاسک معید۔ ہر بات میں۔ امید ڈھونڈ لیتا تھا۔ اور اتنے وثوق سے کہتا کہ کشمالہ کو یقین ہونے لگتا لیکن آج وہ معید پہ بھروسہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

وہ ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔

''معید اب تم مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ گے۔ ہم دونوں adults ہیں۔ مجھے بھی اپنی ماں کے بارے میں حقیقت جاننے کا حق ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہر ڈاکٹر پہ جاؤں گی۔'' وہ بظاہر حتمی لہجے میں کہہ رہی تھی لیکن ایک عجیب سی بے بسی نے سارے وجود کو جکڑا ہوا تھا۔ کیا ماں کا ٹیومر قابلِ علاج تھا؟ معید اسے سچ نہیں بتائے گا۔ وہ معید کو بچپن سے جانتی تھی۔ وہ سارا پریشر خود لیتا جائے گا لیکن اپنی بہنوں کو پریشان نہیں کرنا چاہے گا۔

بہنیں؟ یہ لفظ ہتھوڑے کی طرح اس کے سر پہ برسا۔

ماہی.... وہ بھی تو بہن تھی۔ اسے کون بتائے گا؟ بلکہ .... سوال یہ تھا کہ ... اسے کیسے بتایا جائے؟ اور تب اسے احساس ہوا کہ معید کیوں ایس او ایل کو پانی کی تھیلی کہتا تھا۔ اپنی بہن کو یہ سب بتانا آسان نہیں ہوتا۔ مالا پھر معید کی بڑی بہن تھی۔ لیکن ماہی۔ وہ تو سب سے چھوٹی تھی اور وہ ماں سے سب سے زیادہ اٹیچڈ تھی۔ اس کا ماں اور عباد کے علاوہ کوئی دوست نہ تھا۔ وہ بچپن سے اب تک اپنی ساری دوستی، ساری لڑائیاں، سارے مقابلے ماں سے کیا کرتی تھی۔ وہ اپنے سارے مسئلے لے کر ماں کے پاس آتی تھی۔ اسے کانٹا بھی چبھ جاتا تو وہ پورا ڈرامہ کر کے ساری دنیا سر پہ اٹھا کے ماں کے پاس آ جاتی۔

اب وہ کس کے پاس جائے گی۔

''ماہی کو نہیں بتاتے۔'' معید نے فوراً کہا۔ ''اسے پریشان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''اپنی ماں کے لیے پریشان ہونا ماہی کا فرض ہے۔ اور ماہی کوئی بے بی نہیں ہے۔ ہم اس سے یہ نہیں چھپا سکتے۔ اپنوں کی بیماریاں اس وجہ سے نہیں چھپانی چاہیے ہیں کہ فلاں پریشان ہو جائے گا۔''

وہ دونوں اب اسٹوڈیو میں کھڑے دبی دبی آواز میں بحث کر رہے تھے اور سفید ورک ٹیبل پہ رکھے پودے اداسی سے ان کو دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عباد اپنے لونگ روم کے صوفے پہ بیٹھا کام کر رہا تھا جب اسے معید نے کال کی۔ اس نے فون کال ہینڈز فری لگا کے سنی۔ کال سنتے سنتے اس کی انگلیاں تھم گئیں۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین آہستہ سے فولڈ کی۔ کتنی ہی دیر وہ ساکت

سا سامنے والی دیوار کو دیکھے گیا۔ اس نے معید سے کچھ نہیں کہا۔ بس کال کاٹ دی۔

حور جہاں بیگم اس کی سگی خالہ تھیں۔ وہ ہمیشہ سے صحت مند اور ہنستی مسکراتی ملتی تھیں۔ کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ.... اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

کمرے سے کھٹر پٹر کی آواز آئی تو اس نے چہرہ اٹھایا۔ جلدی سے آنکھیں رگڑیں۔

ماہی بالوں میں تولیہ لپیٹے باہر آ رہی تھی۔ وہ غالباً نہا کے نکلی تھی۔ اس نے کھلی سی لمبی قمیض کے نیچے ٹراؤزر پہن رکھے تھے۔ اس کا دھلا دھلایا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔ وہ تولیے کے بنے سلیپرز پہنے لاؤنج میں چلتی آئی۔ ایک نظر اوپن کچن کو دیکھا۔ برتن دھونے والے پڑے تھے۔

''پتہ ہے میں کیا سوچ رہی ہوں۔'' وہ آگے آئی اور کچن کاؤنٹر پہ رکھا خالی کوک کا کین اٹھا کے غور سے دیکھا۔ ''پچھلے کچھ دن سے وال مارٹ سے میں جو بھی کوک لاتی ہوں' اس کی گیس نہیں ہوتی۔ مجھے لگتا ہے وال مارٹ کی کوک کی پوری لاٹ خراب ہے۔''

''کہیں ٹھنڈ میں پڑے رہے ہوں گے کین لیک ہو گئے ہوں۔'' عباد کی اس کی طرف پشت تھی۔

''ہے نا'' ماہی نے چٹکی بجائی۔ ''میں ابھی کوکا کولا کو ای میل کرتی ہوں۔'' اس کی آنکھیں چمکیں۔ ماہی کو اگر جہاز میں ٹھیک سے کھانا نہ ملے تو اس کی طرف سے ایک لمبی چوڑی ای میل ایئر لائن کمپنی کو جایا کرتی تھی۔ اور جواب میں وہ اس کو کچھ فری کوپون دے ڈالتے تھے۔

''اچھا سنو۔ ایبٹس فورڈ چلیں کل؟ حلال میٹ ختم ہو گیا ہے۔ مجھے گروسری بھی کرنی ہے۔'' وہ کاؤنٹر کے پاس کھڑی کہہ رہی تھی۔

جواب نہیں آیا تو اس نے چہرہ عباد کی طرف موڑا۔ وہ اس کی جانب پشت کیے بیٹھا تھا۔ وہ اس کے سامنے آئی تو دیکھا' اس کی آنکھیں گلابی تھیں۔ ماہی کے تاثرات بدلے۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔

''عباد کیا ہوا ہے؟'' پھر خیال آیا۔ ''کس کا فون آیا تھا؟''

کینیڈین گھروں کی کاغذ جیسی ڈرائی وال سے آوازیں آر پار سنائی دیتی تھیں۔ اسے عباد کا ہیلو اور ہوں ہاں سنائی دی تھی مگر مزید کچھ نہیں۔

عباد چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اپنی گلاسز اتاریں۔ ان کو صاف کیا۔ پھر انہیں دوبارہ پہنا۔

''عباد بولو یار۔'' وہ بے چینی سے چلائی۔ وہ پلک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

عباد کہنا شروع ہوا۔

''معید کی کال آئی تھی۔ خالہ کا برین اسکین کروایا ہے آج۔ انہیں برین ٹیومر ہے۔''

الفاظ اس کے لبوں سے ادا ہو رہے تھے اور ماہ بینہ مبین کی سماعتوں میں داخل ہو رہے تھے لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔ وہ صرف عباد کے ہلتے ہونٹ دیکھ رہی تھی۔ اس نے نظریں جھکائیں۔ عباد مٹھیاں بھینچے ہوئے تھا۔ اس کی ہتھیلیوں کی پشت پہ پسینہ تھا۔

ماہی نے پھر اوپر دیکھا۔ عباد کے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ کچھ کہے جا رہا تھا۔ ماہی کی نظریں اس کی پشت سے ہوتی ہوئی کچن کاؤنٹر تک گئیں۔ وہاں سنک میں میلے برتنوں کا ڈھیر لگا تھا۔ ایک کونے میں واشنگ مشین رکھی تھی۔ اس کا چکر ختم ہونے والا تھا۔ ابھی گھنٹی بجنے کو تھی۔

اس کی نظر فریج تک گئی۔ اندر کل رات اس نے اسٹیک کو مصالحہ لگا کے رکھا تھا۔

ماہی کے چہرے پہ ایک گم صم سا تاثر تھا۔ پھر وہ اٹھ گئی۔ ہاتھ بڑھا کے تولیہ کی ٹربن کھولی۔ اس کے چھوٹے گیلے بال گردن پہ موٹی لٹوں کی صورت گرتے گئے۔ کچھ گالوں پہ چپک گئے۔ عباد مڑ کے اسے دیکھے گیا۔ وہ نرم سلیپرز پہنے قدم قدم اٹھاتی کمرے تک گئی۔ کھونٹی سے لٹکا دوپٹہ اٹھایا اور سر پہ لپیٹا۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ اس نے ریک سے جائے نماز اٹھائی اور لکڑی کے فرش پہ بچھائی۔ پھر وہ تکبیر کہہ کے نماز کے لیے کھڑی ہوگئی۔ اس کا ذہن سن تھا اور ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ اسے بھول گیا تھا کہ وہ آج کل بیٹھ کے نماز پڑھتی تھی۔

''ماہی۔'' عباد نے گیلی آواز سے پکارا۔ مگر وہ اس کے پیچھے نہیں آیا۔ وہ اسے بچپن سے جانتا تھا۔ وہ ماہ بینہ تھی۔ وہ حورِ جہاں کی سب سے سمجھدار، سب سے بہادر اور مضبوط اعصاب والی اولاد تھی۔ اسے تنہائی چاہیے تھی۔

ماہی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور وہ سر جھکائے نماز پڑھ رہی تھی۔ پہلے سجدے میں جاتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ عباد نے اسے کیا بتایا تھا۔

ماں کو برین ٹیومر تھا۔

دوسرے سجدے میں اسے احساس ہوا کہ ایک اور بات بھی تھی جو عباد نے اسے نہیں کہی تھی۔

اس کی ماں کو برین ٹیومر تھا اور وہ اپنی ماں کے پاس نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماں کی طبیعت بجھی بجھی سی تھی۔ وہ آج کچھ زیادہ ہی بھول رہی تھیں۔ آج انہوں نے کوئی کام نہیں کیا تھا۔ بس

بیڈ پہ نیم دراز آنکھیں موندے لیٹی رہی تھیں۔ مالا ان کے ساتھ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ سر پہ دوپٹہ لپیٹے وہ ماں کا ہاتھ پکڑے زیرِ لب کوئی دعا بڑبڑا رہی تھی۔

واشف انت الشافی. والشف انت الشافی۔ (شفا عطا فرما۔ بے شک تو ہی شفا دینے والا ہے۔)

ایسی عجیب سی حالت میں سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا دعا مانگی جائے۔ وہ بس شفا مانگ رہی تھی۔

دفعتاً فون بجنے لگا۔ اس نے موبائل اٹھا کے دیکھا۔ ماہی کالنگ۔

مالا کے دل پہ بوجھ سا آ گیا۔ وہ ماہی سے کیسے بات کرے گی۔ ماہی یقیناً رو رہی ہو گی۔ اس کے اندر اس وقت رونے کی سکت تک نہیں تھی۔ مگر اسے کال اٹھانی تھی۔ ماں کا ہاتھ آہستہ سے چھڑا کے اس نے موبائل اٹھا لیا اور باہر نکل آئی۔ لان میں جا کے اس نے فون کان سے لگایا۔

"ماہی...." اس کی آواز گیلی تھی۔

"مالا.... سارے ٹیومرز لاعلاج نہیں ہوتے۔ میں گوگل پہ پڑھ رہی تھی۔" ماہی رو نہیں رہی تھی۔ وہ تیز تیز بول رہی تھی۔

اپنے کچن کاؤنٹر پہ اونچی کرسی پہ بیٹھے وہ لیپ ٹاپ سامنے کھولے بیٹھی اسکرین کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اس کی روئی روئی متورم آنکھوں تلے حلقے تھے۔ اور ناک گلابی ہو رہی تھی۔ مگر فی الحال وہ رو نہیں رہی تھی۔

"ماہی... پلیز گوگل مت کیا کرو۔ گوگل بہت کنفیوز کرتا ہے۔"

"معید نے کہا ہے کہ یہ گلاؤما لگتا ہے۔ لیکن برین اسکین سے کوئی نہیں بتا سکتا کہ ٹیومر کی ٹائپ کیا ہے جب تک کہ دماغ کو کھول کے اس شے کو باہر نہ نکالا جائے۔ اور جانتی ہو وہ کون سا ٹیومر ہے جو ایم آر آئی میں بالکل گلاؤما جیسا لگتا ہے؟" اس کی آواز میں امید جاگی۔

"وہ منجیوما (meningioma) ہوتا ہے۔ وہ بالکل گلاؤما جیسا دکھائی دیتا ہے۔" وہ اس کی نہیں سن رہی تھی۔ "اور پتہ ہے' گلاؤما سب سے خطرناک ٹیومر ہوتا ہے۔ یہ برین کے اندر سے بنتا ہے۔ اس کا علاج نہیں ہوتا۔ لیکن... ماں کی جو علامات ہیں... ان سے مجھے لگتا ہے کہ ماں کو گلاؤما نہیں ہے۔ ماں کو منجیوما ہے۔" وہ اسکرین کو غور سے دیکھتے ہوئے پڑھ کے بتانے لگی۔

"منجیوما برین کے اندر کا ٹیومر نہیں ہے۔ یہ برین کے باہر منجی کی تہہ میں بنتا ہے۔ یہ اسکین میں بالکل گلاؤما جیسا لگتا ہے۔ لیکن یہ خطرناک نہیں ہوتا۔ اس کو نکالا جا سکتا ہے اور یہ اتنی سست روی سے بنتا ہے کہ اگر اسے نکال لیا

جائے اور تھوڑا سا حصہ چھوڑ بھی دیا جائے' تب بھی اسے دوبارہ اتنا بڑا ہونے کے لیے بیس سے پچیس سال چاہیے ہیں۔ میں نے یہاں اتنے لوگوں کے کیسز پڑھے ہیں مالا جن کا منجیوما آپریٹ ہوا تھا اور پھر وہ بیس پچیس سال تک بالکل فٹ اور صحت مند رہے تھے۔ تم دیکھنا ماں کا ٹیومر گلاؤما نہیں نکلے گا۔ وہ منجیوما ہوگا۔" وہ امید کا سہارا لے رہی تھی۔ یا شاید وہ مالا سے امید مانگ رہی تھی۔

"ماہی..." اس نے گہری سانس لی۔ "ماں ٹھیک ہو جائیں گی۔" ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹپکا اور گال سے پھسل کے گردن تک چلا گیا۔

"میری ماں کو کچھ نہیں ہوگا۔" وہ بڑبڑائی۔ پھر اس نے کال کاٹ دی۔ ماہی ٹھیک نہیں تھی' وہ جانتی تھی۔ مگر وہ ماہی کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"باس..." آواز پہ وہ چونکی۔ پھر پلٹ کے دیکھا۔ لان کے دہانے پہ کیف کھڑا تھا۔ ماتھے پہ بال بکھرے تھے۔ جینز' ٹی شرٹ اور جوگرز میں ملبوس' وہ اپنے ازلی حلیے میں تھا۔ کیف کی زندگی کتنی آسان تھی۔ کیونکہ کیف کی ماں کو برین ٹیومر نہیں تھا۔

"کیا ہوا ہے بڑی بی بی کو؟" وہ اس کے قریب چلا آیا۔ اس کی آنکھوں میں فکرمندی تھی۔ "آپ جب سے ہسپتال سے واپس آئی ہیں' آپ ٹھیک نہیں ہیں۔" وہ اس کے عین سامنے آرکا۔ کشمالہ نے بھیگی آنکھوں سے اس کی مڑی ہوئی پلکوں والی آنکھوں کو دیکھا۔

"ماں کو برین ٹیومر ہے۔"

اس نے خود کو دھیرے سے کہتے سنا۔ کیف نے آنکھیں کرب سے بند کر لیں اور سر جھکا دیا۔

"آئی ایم سوری۔" وہ سر جھکائے ہوئے تھا۔ ذہن کے پردے پہ ایک منظر لہرایا تھا۔

ہسپتال کے بیڈ پہ ایک بوڑھا آدمی لیٹا تھا۔ اس کے چہرے سے لگتا تھا کبھی وہ ایک خوبصورت مرد ہوگا لیکن آج وہ ایک نحیف اور لاغر سا وجود بن کے رہ گیا تھا۔ وہ ان کا بوڑھا ہاتھ تھامے کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ آج کے مقابلے میں کم عمر تھا اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

کوئی اس کے کندھے کے قریب آ کے کہہ رہا تھا۔

"تمہارے ابا کو برین ٹیومر ہے۔ اور وہ بھی گلاؤما۔ وہ چھ ماہ سے زیادہ نہیں جئیں گے۔"

کیف نے آنکھیں کھولیں اور چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھیں خشک تھیں۔

''آئی ایم سوسوری' کشمالہ بی بی۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔''

کشمالہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ''تم نہیں سمجھ سکتے۔ کوئی بھی یہ نہیں سمجھ سکتا جب تک وہ خود اس سے نہ گزرے۔''

کیف اسے دیکھتا رہا۔ چہرہ بے تاثر رہا۔ پھر بولا تو آواز ہموار تھی۔

''کس طرح کا ٹیومر ہے؟''

''ابھی ڈاکٹر وہرا کے پاس جا رہے ہیں۔ نیورو سرجن ہیں وہ۔ وہ اسکین دیکھ کے بتائیں گے کہ کیا ہے۔'' پھر اس نے آواز دھیمی کی۔ ''گھر میں کسی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے' کیف۔ میں صرف تمہیں بتا رہی ہوں۔''

''آپ بے فکر رہیں۔ میں گھر پہ ہوں۔ مینیج کر لوں گا۔''

گیٹ پہ ہارن ہوا تو وہ سمجھ گئی کہ معید پہنچ چکا تھا۔ ان دونوں کو ڈاکٹر وہرا کے پاس جانا تھا۔ مالا جلدی اسے ہدایات دینے لگیں۔

''تم اندر میرے کمرے میں ماں کے پاس بیٹھ جاؤ۔ اور بخت بی سے کہو وہ بھی ساتھ بیٹھی رہیں۔ میں صرف بخت بی پہ ماں کو چھوڑ کے نہیں جا سکتی۔''

''شیور۔ میں سب مینیج کر لوں گا۔ آپ جائیں۔''

وہ اسے جاتے دیکھتا رہا۔ وہ اتنی تیزی سے باہر نکلی تھی کہ ہاتھ میں صرف فون تھا۔ پرس تک نہیں اٹھایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نیورو سرجن ڈاکٹر وہرا کا کلینک ان کے گھر میں بنا تھا۔ چار کنال کے بڑے سے گھر کو آدھا کلینک بنایا گیا تھا۔ جس اینٹرنس سے وہ کلینک میں داخل ہوئے وہاں گملے ہی گملے رکھے تھے۔ چھت سے بیلیں گرتی ہوئی دروازوں تک لٹک رہی تھیں۔

ڈاکٹر وہرا کا آفس لکڑی کے رنگ میں سجا تھا۔ وہ اپنی بڑی سی لیدر چیئر پہ بیٹھے رپورٹس دیکھ رہے تھے۔ کمرے میں لگے ایک روشنی کے چوکھٹے پہ ماں کا ایم آر آئی اسکین لگا تھا جسے کچھ دیر ڈاکٹر وہرا نے اسٹڈی کیا تھا۔ پھر انہوں نے اپنی عینک اتاری اور سامنے بیٹھے نوجوان ڈاکٹر اور اس کی بہن کو دیکھا جن کے چہرے بے بس اور آنکھیں بے چین تھیں۔

''میں نے تمام اسکین اور رپورٹس دیکھی ہیں۔' انہوں نے کھنکھار کے بات کا آغاز کیا۔ 'اور میں اس نتیجے پہ پہنچا ہوں کہ....''

کشمالہ کا سانس رک گیا۔ (منجیوما۔ کہہ دیں کہ یہ منجیوما ہے۔)

''یہ گلاؤما ہے۔''

امید کا فانوس چھن سے فرش پہ آ گرا اور چکنا چور ہو گیا۔ ساری بتیاں بجھ گئیں۔ دنیا تاریک ہو گئی جیسے۔

''میں جو بات کہنے جا رہا ہوں اس کو آپ نے صبر سے سننا ہے۔ اگر آپ کی والدہ کے برین میں یہ چیز ہے جو اسکین میں نظر آ رہی ہے تو ان کے پاس صرف چھ ماہ ہیں۔''

کشمالہ نے گنتی کی۔ آج یکم مئی تھی۔ چھ ماہ بعد یکم اکتوبر آنی تھی۔ دماغ کیسی عجیب چیز ہے۔ اس حالت میں بھی حساب کتاب سے نہیں چوکتا۔

''اگر سرجری کروائیں؟''

انہوں نے سوالیہ نظروں سے مالا کو دیکھا۔ ''آپ ڈاکٹر ہیں؟''

(اف یہ سوال۔)

''نہیں۔ میں بزنس وومن ہوں۔''

''دیکھیں بیٹا...'' ڈاکٹر وہرا نے سادگی سے کہنا شروع کیا۔ ''یہ ایک گلاؤما ہے۔ اس کو نکلوانے کا فائدہ نہیں ہے کیونکہ سرجری کامیاب نہیں ہو گی۔ لاہور کا کوئی سرجن اس کیس میں ہاتھ نہیں ڈالے گا۔ یہ ویسے بھی ایک ڈاکٹرز مدر کا کیس ہے۔ کسی نے ہاتھ ڈالا بھی تو سرجری کے دوران برین کا کوئی حصہ ڈیمج ہو سکتا ہے جس سے ان کے جسم کے کسی حصے کے مفلوج ہونے کا ڈر ہے۔ بلڈ پریشر نہ سنبھلا تو برین ہیمریج ہو سکتا ہے۔ وہ کوما میں جا سکتی ہیں۔''

''ریڈی ایشن؟ اگر ریڈی ایشن لگوائیں تو؟'' وہ بے چینی سے بولی۔

''گاما نائف نہیں ہو سکے گی۔ ٹیومر کا سائز بہت بڑا ہے۔''

''نہ سرجری کروا سکتے ہیں۔ نہ شعائیں لگوا سکتے ہیں۔ پھر ہم کیا کریں؟'' اس کی آواز بلند ہونے لگی۔

''دوائیوں سے ان کی علامات اور درد کو کم کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ان کی یادداشت ایسے ہی ختم ہوتی رہے گی۔ کچھ عرصے بعد فٹس (دورے) پڑیں گے۔ خون کی الٹیاں آ سکتی ہیں۔ جسم کا کوئی حصہ مفلوج ہو سکتا ہے۔ یہ سب گلاؤما کے آخری اسٹیج پہ ہوتا ہے۔'' وہ اپنے تئیں ایک ڈاکٹر سے بات کر رہے تھے۔ ان کا انداز نرم تھا۔ وہ حقیقت بتا رہے تھے۔ مگر مالا کا دل چاہا ڈاکٹر کو گریبان سے پکڑے اور دیوار پہ اس کا سر دے مرے۔ اتنی دفعہ کہ اس کے سر سے خون بہنے لگے۔ وہ کیسے اتنے آرام سے کہہ سکتے تھے کہ ماں کو دورے پڑ سکتے ہیں؟

''مگر ماں کو ابھی تک فٹس (دورے) نہیں پڑے۔''معید چونک کے بولا۔

''اتنے بڑے گلاؤما کے ساتھ فٹس پڑتے ہیں۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ فٹس نہ پڑیں۔ کیا انہوں نے سر درد کی شکایت تک نہیں کی؟''

''نہیں۔ شاید ان کو سر میں درد ہی نہ ہوتا ہو۔''وہ پھر سے بولی۔

''اتنے بڑے ٹیومر کے ساتھ صرف سر میں درد نہیں ہوتا' بلکہ سر میں بم پھٹ رہے ہوتے ہیں۔ اگر آپ کی ماں نے شکایت نہیں کی تو ان کے اعصاب بہت مضبوط ہیں۔ وہ ایک بہت بہادر خاتون ہیں۔ اور... ''ان کی آواز دھیمی ہوئی۔''وہ اس وقت بہت تکلیف میں ہیں۔ آپ نے ان کا خیال رکھنا ہے۔''وہ اگلے چند لمحے بولتے رہے۔ معید گردن جھکا کے سنتا رہا۔ اور وہ مٹھیاں بھینچے۔

وہ ان کو اپنی ماں کے جنازے کی تیاری کرنے کو کہہ رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ چھ ماہ ہیں بس۔ اب انہیں ان چھ ماہ تک ماں کا خیال رکھنا ہے۔ اور ان کی تکلیف کو کم سے کم کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ وہ دماغ کی سوجن کم کرنے والی دوا لکھ کے دے رہے تھے۔ وہ ایسا کیسے کہہ سکتے تھے۔ کسی کی ماں کے بارے میں کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ صرف چھ ماہ جیے گی؟

وہ وہاں سے باہر نکلے تو اس کے قدم من من بھر کے اٹھ رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔ اس نے معید کو دیکھا۔ وہ ساتھ ساتھ فون پہ لگا ہوا تھا۔ اس کا رونے کا فیز گزر چکا تھا۔ ڈاکٹر معید اب زندہ ہو گیا تھا۔ اور وہ پرامید تھا۔

''معید اب کیا ہوگا؟''وہ دونوں ڈاکٹر وہرا کے گملوں سے سجے پورچ میں کھڑے تھے۔

''میں سرجری کے بارے میں مزید ڈاکٹرز کی رائے لوں گا۔ میں ماں کا علاج کرواؤں گا۔''

''مگر ڈاکٹر وہرا نے کہا ہے کہ لاہور کا کوئی سرجن اس کیس میں ہاتھ نہیں ڈالے گا معید۔''

معید نے موبائل سے چہرہ اٹھا کے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

''پھر ہم لاہور سے باہر کسی سرجن کو ڈھونڈیں گے' مالا۔ کوئی تو ہوگا جو امید دلائے گا۔''

مگر اسے معید کا اعتبار نہیں تھا۔

اس لمحے اس گملوں سے بھرے پورچ میں کھڑے کشمالہ کو لگا' کوئی سرجن اتنا جی دار نہیں ہوگا کہ حورِ جہاں کے برین کے ایک تہائی حصے پہ پھیلے ٹیومر کو دیکھ کے کہے کہ میں اس کا علاج کر سکتا ہوں۔

کوئی سرجن اتنا بہادر نہیں ہوگا کہ ان کی ماں کا دماغ کھول کے ٹیومر کو نکالنے کی جراءت کرے۔

کوئی سرجن ان کی ماں کو پھر سے تندرست ہو جانے کی امید نہیں تھمائے گا۔

کیونکہ اس وقت تک اس کی ملاقات ڈاکٹر واصف نصیر سے نہیں ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات کو وہ ماں کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ ٹی وی پہ کوئی ڈرامہ چل رہا تھا۔ ماں کو پاکستانی ڈرامے بہت پسند تھے۔ ایک زمانے میں معید تبلیغی جماعت کے ساتھ متعارف ہوا تو تھوڑا زیادہ مسلمان ہو گیا تھا۔ تب اس نے ماں کو منع کرنا شروع کیا۔ ماں یہ ڈرامے نہ دیکھا کریں۔ ماں نے چپل اٹھائی اور کھینچ کے اس کو رسید کی۔

''بے غیرت ... تیری ماں نہ کبھی کلب گئی' نہ kitty پارٹیز اٹینڈ کیں۔ اور نہ تو کبھی اپنی ماں کو ورلڈ ٹور پہ لے کر گیا۔ ایک ڈرامے ہی ہیں میری انٹرٹینمنٹ۔ ان پہ بات نہ کیا کر۔ شکل گم کر میرے سامنے سے۔''

لیکن کشمالہ نے نوٹ کیا کہ وہ ڈرامے پہ توجہ نہیں دے رہی تھیں۔ ان کا شاید دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بس تخت پہ ٹیک لگا کے اونگھنے لگی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ کرسی پہ پیر اوپر کیے' گھٹنوں پہ تھوڑی ٹکائے بیٹھی تھی۔

''آپ کی ماں ٹھیک ہو جائیں گی۔'' آواز پہ وہ چونکی۔ چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ کیف کچن کے دروازے پہ کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس پہ بھاپ اڑاتا مگ رکھا تھا۔

''تھینک یو کیف۔ مگر میں نے کافی نہیں پیتی۔''

''یہ قہوہ ہے۔ آجاؤں؟'' اس نے اجازت چاہی۔ ساتھ ہی اونگھتی ہوئی ماں کو دیکھا۔ وہ ان سے ڈرتا تھا۔ کشمالہ نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ وہ لاؤنج میں چلا آیا اور اس کے سامنے میز پہ ٹرے رکھی۔

''کس چیز کا قہوہ ہے یہ؟'' اس نے بھاپ اڑاتے مگ کو دیکھا۔ اندر بھورا سا گرم مشروب تھا۔

''ادرک' سبز چائے اور بہت سے مصالحے۔ میرے ابا بناتے تھے یہ۔'' اس کے چہرے پہ ایک عجیب سی اداسی بکھری۔ نظریں جھکا دیں۔ مالا نے کبھی پہلے اس کے چہرے پہ یہ تاثر نہیں دیکھا تھا۔

''کہاں ہوتے ہیں تمہارے ابا؟'' اسے یاد آیا اس نے صفورا سے کبھی کیف کے والدین کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔

''جہاں بھی ہیں' سکون سے ہیں۔'' وہ جیسے ٹال گیا۔ کیا وہ اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا تھا؟ مالا نے ہاتھ بڑھایا اور قہوہ اٹھا لیا۔ پھر ایک نظر ماں کو دیکھا۔ وہ آنکھیں بند کیے اونگھ رہی تھیں۔

دفعتاً اس کا فون بجا۔ اس نے موبائل اٹھا کے دیکھا۔ غیر شناسا نمبر تھا۔

''پتہ نہیں کون ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔ کیف ساتھ کھڑا چونکنا سا اسے دیکھے گیا۔ کشمالہ نے موبائل کان سے لگایا۔

''جی؟''

''ہیلو مالا.... کیسی ہو؟'' کھنکتی ہوئی نسوانی آواز۔ وہ اس اونچی آواز کو سارے جہان میں پہچان سکتی تھی۔ اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''کبیرہ تائی؟'' اس کی آواز تلخ ہو گئی۔ ''آپ کو میرا نمبر کہاں سے ملا؟''

''تمہاری ممانی سے لیا ہے۔ سوچا بہت عرصے سے تم سے بات نہیں ہوئی۔ کال کر لوں۔'' وہ برسوں بعد ایسے کال کر رہی تھیں جیسے روز بات ہوتی ہو۔ کشمالہ نے ایک نظر اپنی ماں کو دیکھا۔ وہ سوتے ہوئے کتنی کمزور لگ رہی تھیں۔

''جی بتائیں۔''

''سنا ہے تمہاری امی کو برین ٹیومر ہو گیا ہے۔ وہ بھی گلاؤما۔ چچ چچ.... مجھے سچ میں بہت افسوس ہوا۔''

اس کے پیروں تلے سے زمین آہستہ آہستہ سرکنے لگی۔ اس نے چونک کے اپنے اطراف میں دیکھا۔ دائیں بائیں۔

کیف تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بنا آواز کے لب ہلا کے پوچھا۔ (کیا ہوا؟) مگر وہ کیف کی طرف متوجہ نہیں تھی۔

''اب کیسی ہیں تمہاری امی؟''

حورجہاں کی تربیت نہ ہوتی تو وہ ان کو کھری کھری سنا دیتی۔ خیر ماہی تو اب بھی سنا دیتی۔ لیکن اس وقت اس کا دماغ بالکل ماؤف ہو چکا تھا۔ ان کو کیسے....؟

''ٹھیک ہیں میری امی۔ آپ کے کنسرن کا شکریہ۔ اللہ حافظ۔'' اس نے تیزی سے فون رکھ دیا۔ پھر فون کو یوں تخت پہ اچھالا جیسے اس میں کرنٹ ہو۔

''کیا ہوا ہے؟'' وہ اس کے سامنے کرسی پہ بیٹھا اور غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کبیرہ تائی کو کیسے معلوم کہ ماں کو ٹیومر ڈائیگنوز ہوا ہے۔''

کیف نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''یہ نہیں ہو سکتا۔ سلیم اور اس کی ماں تک کو نہیں معلوم۔''

''کبیرہ تائی کو ہمارے گھر کی خبریں کون دے رہا ہے۔'' وہ ابھی تک بے یقین تھی۔ ٹانگیں بے جان محسوس ہو رہی تھیں۔

''پہلے مجھے بتائیں' یہ کبیرہ تائی کون ہیں؟'' وہ اچھنبے کا شکار تھا۔

''وہ جو اس دن شادی پہ تھیں۔ چھوٹے بالوں والی۔ ساڑھی پہنے۔'' وہ بتانے لگی۔ دبے دبے الفاظ میں۔ جو بھی وہ کبیرہ کے متعلق جانتی تھی۔ اور یہ بتاتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ اس نے صرف کیف کو اس بارے میں بتایا تھا۔ لیکن کیف ظاہر ہے کبیرہ تائی کو نہیں بتا سکتا تھا۔ اس کا ان سے کوئی تعلق کیسے ہو سکتا تھا۔

''اچھا وہ... مجھے یاد آ گئیں۔'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''وہ باہر کس ملک میں رہتی تھیں؟''

''انگلینڈ میں۔ ان کا بیٹا اب بھی وہیں ہوتا ہے۔''

کیف چونکا۔ ذہن میں ایک کوندا سا لپکا۔

''ان کا بیٹا انگلینڈ میں ہوتا ہے؟''

''ہاں۔'' ایک اور بات بھی تھی جو کبیرہ تائی کے بارے میں مشہور تھی لیکن وہ بات کشمالہ کیف کو نہیں بتا سکتی تھی۔ وہ اس کا یقین نہیں کرے گا۔ کوئی بھی نہ کرتا۔

''اور کبیرہ تائی سائیکو پیتھ بھی ہیں۔ اور کچھ نفسیاتی مرائض نسل در نسل منتقل ہوا کرتے ہیں۔ ان کے بیٹے کے بھی ایسے مسئلے ہو سکتے ہیں۔'' وہ سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔

کشمالہ اس کی پوری بات نہیں سن رہی تھی۔ اس کا چہرہ اب غصے سے سرخ پڑ رہا تھا۔ اس کی ماں کو ٹیومر تھا اور کبیرہ تائی اس بات سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ عجیب بے بسی سی بے بسی تھی۔

''آپ کو کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ کبیرہ تائی کا بیٹا آپ کا تعاقب کر رہا ہو سکتا ہے؟'' اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔

کشمالہ مبین اور ماہر فرید کے درمیان بالآخر ایک کڑی اسے نظر آئی تھی۔ ایک کنکشن جو اس سارے پزل کو جوڑتا تھا۔ وہ یہاں کیوں تھا' وہ کس کھیل کا حصہ تھا' اسے بالآخر جواب ملنے والا تھا۔

''میں ان کے بیٹے کو نہیں جانتی۔ اس کا نام تک مجھے یاد نہیں۔ ماہی کہتی ہے ان کا کوئی بیٹا ہے ہی نہیں۔ وہ جھوٹ بولتی ہیں۔ ان کو بیٹے کا شوق تھا اس لیے وہ ایک کہانی گھڑ کے لوگوں کو سناتی ہیں۔ ورنہ کبھی تو نظر آتا ان کا بیٹا۔''

ماں ذرا سا ہلیں تو کیف فوراً کھڑا ہو گیا۔

"میں چلتا ہوں ورنہ بی بی کو برا لگے گا۔ ہم اس قصے کو بعد میں یہیں سے شروع کریں گے۔" اسے وہاں سے ہٹنے کا بہانہ چاہیے تھا۔ کشمالہ نے بس سر ہلا دیا۔ اس کا چہرہ ابھی تک تمتما رہا تھا۔ وہ غصے اور بے بسی سے ماہی کو کال ملانے لگی۔

باہر لان میں آتے ہی اس نے موبائل نکالا اور وائٹ ہنیر کے نام سے چیٹ کھولی۔ وہ میسج لکھنے لگا تھا جب اس نے چیٹ کا آخری میسج دیکھا۔ شام میں اس نے مالک کو ایک پیغام بھیجا تھا۔

"کشمالہ کی ماں کو برین ٹیومر ہے۔"

مالک کا جواب کچھ یوں موصول ہوا تھا۔

"سن کے افسوس ہوا۔"

وہ جو میسج ٹائپ کرنے لگا تھا' رک گیا۔ اس نے صرف مالک کو یہ بات بتائی تھی۔ پھر یہ کبیرہ بیگم تک کیسے پہنچی؟

کیا وہ مالک پہ اعتبار کر سکتا تھا؟ شاید نہیں۔ کبیرہ تائی کے بارے میں جو نئی معلومات اسے ملی تھیں' ان کا تعاقب وہ کم از کم مالک کے ذریعے نہیں کر سکتا تھا۔

وہ انباکس میں واپس گیا اور زارا کیف کے نام کی چیٹ کھولی۔

"مجھے تم سے ایک کام ہے۔" اس کی انگلیاں تیزی سے ٹائپ کر رہی تھیں۔

"تمہارا برادر ان لاء اسکاٹ لینڈ یارڈ میں ہوتا ہے نا۔ مجھے ایک آدمی کو ڈھونڈنا ہے لیکن بالکل رازداری سے۔ وہ انگلینڈ میں رہتا ہے۔ اس کی ماں کا نام کبیرہ ہے۔ میں کبیرہ اور اس کی فیملی کی تمام تفصیلات معلوم کروا کے بھیجتا ہوں۔ کیا تم اپنے طور پہ پتہ کروا سکتی ہو؟ لیکن میرا نام نہیں آنا چاہیے۔ کسی بھی صورت میں میرا نام نہیں آنا چاہیے ورنہ میں مشکل میں پھنس جاؤں گا۔" وہ رکا اور کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اس کی انگلیوں نے آخری سطر لکھی۔

"میں ساری دنیا میں سب سے زیادہ اعتبار تم پہ کرتا ہوں' زارا۔ اپنی فیملی' اپنے دوستوں' اپنے دشمنوں۔ ہر ایک سے زیادہ۔ تم یہ کر لو گی نا؟"

جواب چند لمحوں میں ہی موصول ہو گیا تھا۔

"آف کورس۔ کیا میں نے اتنے برسوں میں کبھی تمہیں ناں کہا ہے؟"

کیف کھلے دل سے مسکرا دیا۔ زارا جیسا اس کے لیے کوئی نہ تھا۔ صرف وہی تھی جو اس کے سارے مسئلے حل کیا کرتی تھی۔

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول

''لاہور''

قسط نمبر: 3

جب ہم چھوٹے تھے'
ہمیں کہانیوں میں جادو
اپنا گرویدہ بنالیتا تھا۔
پھر ہم بڑے ہوئے
اور ہم ڈرنے لگے۔
محبت سے۔
نہ جانے کس مقام پہ
ہم نے بھلادیا
اس بات کو
کہ جادو اور محبت...
ایک ہی شے ہے؟

(جے آر روگ)

تاریخ تھی پانچ اپریل۔ شہر تھا اسلام آباد کا۔ اور وقت تھا اس ملاقات کے ختم ہونے کا۔
ہوٹل سوئیٹ میں وہ دونوں گھڑی کی چھے اور بارہ کی سوئیوں کی طرح آمنے سامنے کھڑے تھے۔
''تم نے کبھی سنا ہے ایسے شخص کے بارے میں جو کسی دن اچانک سے غائب ہو جاتا ہے؟ وہ اپنے اپارٹمنٹ

سے نکلتا ہے اور پھر واپس نہیں آتا۔'' ماہر فرید سرد لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ''تم کیف جمال اس جاب کو اپنی مرضی سے ختم نہیں کر سکتے۔ یہ جاب تب ختم ہو گی جب میں کہوں گا۔ اور جب تک میں نہیں کہوں گا' تمہارے اپارٹمنٹ سے بدبو بھی نہیں اٹھے گی۔ اب یہ پیکٹ اٹھاؤ' اور جا کے نئے جوتے خریدو۔''

کیف کا چند منٹ پہلے بحال ہوا اعتماد ایسے بکھر گیا جیسے ہوا سے سوکھے پتے بکھر جاتے ہیں۔ اس نے میکانکی انداز میں سر ہلا دیا۔ پیسے' مینٹورشپ' اپنے بزنس کا کامیاب ہو جانا' یہ سب اس کی ضروریات تھیں لیکن اس لمحے اسے احساس ہوا کہ ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اس نے خود کو ایک غلط آدمی کے ساتھ سودے میں پھنسا دیا ہے۔

''مزید کچھ پوچھنا ہے تو ابھی پوچھ لو۔'' ماہر فرید نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''میری لندن کی فلائٹ ہے۔ مجھے واپس جانا ہے۔ زیادہ وقت نہیں ہے میرے پاس۔''

کیف جمال نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔ اسی وقت روم کا دروازہ کھٹکا۔ ایسے نہیں جیسے بیل بجاتے ہیں۔ بلکہ ایسے جیسے کوئی جوتے سے دو تین دفعہ ٹھوکر مارتا ہے۔ ماہر فرید نے کیف سے نظر ہٹائی اور مالک کو دیکھ کے ابرو سے دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔

مگر مالک نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے محض کندھے اچکا دیے۔

''اس کے پاس کارڈ ہے۔ خود کھول لے گا۔''

چند لمحے بعد کارڈ سوائپ ہونے کی بپ بجی۔ پھر دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔

''ایک دروازہ کھولنے میں کتنی محنت لگتی ہے یار۔ تم لوگ میرے ساتھ یہ جان بوجھ کے کرتے ہو۔'' اندر داخل ہونے والا شخص جھنجلا کے کہتے ہوئے رک گیا۔ کیف ابھی تک ماہر کو دیکھ رہا تھا لیکن اسے کھڑکی کے شیشے میں مدھم سا عکس دکھائی دیا۔ وہ ایک نوجوان تھا جس کے ہاتھ میں پکڑی پیپر ٹرے میں ڈسپوزیبل کپ نظر آ رہے تھے۔

کیف جمال کو دیکھ کے نووارد نے نظریں جھکائیں۔ کپ گنے۔ ایک دو تین۔

پھر چہرہ اوپر اٹھا کے کمرے میں موجود افراد کی گنتی کی۔ اب کے وہ بولا تو آواز میں معذرت تھی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں ہم چار لوگ ہوں گے۔''

کیف کو خود نہیں معلوم تھا کہ اس روز ہوٹل سوئیٹ میں وہ تین نہیں' چار ہوں گے۔ اس نے ماہر فرید سے نظریں ہٹائیں اور گردن موڑ کے اس شخص کی طرف دیکھا۔

نووارد عمر میں چھبیس ستائیس برس کا نوجوان لگتا تھا۔ بال سیاہ گھنگریالے تھے۔ ماتھے پہ ایک طرف سے آگے کو گرتے تھے۔ کانوں کے اوپر سے استرا پھرا تھا۔ اس کا لباس بھی اس کے بالوں کی طرح casual سا تھا۔ گول گلے کی ٹی شرٹ پہ ہلکا نیلا کوٹ جس کے آستین rouched تھے۔ (کہنی کے آس پاس سلوٹیں ڈال کے اکٹھے سلے تھے تاکہ آستین اوپر چڑھانے کا تاثر ملے۔) وہ کلین شیو مسکراتے چہرے والا نوجوان پیروں میں بنا جرابوں کے اوور سائز ڈ جوگرز پہنے ہوئے تھا۔

اس نے ٹرے میز پہ رکھی۔ اپنا کپ اٹھایا اور اسٹرا ہونٹوں میں ڈالتا ایک سنگل صوفے پہ جا بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور جوگر والا پیر جھلاتے ہوئے دلچسپی سے کیف کو دیکھا۔

”کوئی مجھے بتائے گا یہ کون ہے؟“ اس کا لہجہ کافی حد تک accented تھا۔

”یہ کیف جمال ہے۔ باڈی گارڈ کی نوکری کے لیے اسے بلایا ہے۔“

”کیف؟ یہ کیف ہے؟“ نووارد ہلکا سا ہنس دیا۔ ”اینی ویز... میں سب کا چائے قہوہ لے آیا ہوں۔ ہوٹل کچن سے خود بنوا کے۔ سوری کیف مجھے تمہاری آمد کا علم نہیں تھا۔“ معذرت کر کے اسٹرا لبوں سے لگا لیا۔

کیف ابھی تک اچنبھے سے اس نوجوان کو دیکھ رہا تھا جو اس سارے منظر نامے میں مس فٹ تھا۔ کیف کو اپنی طرف دیکھتا پا کے اس نے اسٹرا ہونٹوں سے ہٹایا اور دلکشی سے مسکرایا۔

”میں بیربل ہوں۔ تم مجھے بیر کہہ سکتے ہو۔ یا جیسے ماہر کہتا ہے... صرف بی۔“

اس کے کولڈ کافی کپ کے اوپر مارکر سے لکھا Birbal اسے اب نظر آیا تھا۔ بس ایک نظر اس نام کو پڑھا اور جواب دیے بنا ماہر فرید کی طرف مڑ گیا۔ اسے ان لوگوں کے ساتھ نہ مسکرانے کی ضرورت تھی نہ زیادہ گھلنے ملنے کی۔

”مزید کوئی سوال؟“ ماہر نے ابرو اٹھا کے پوچھا۔

”ایک ہی دفعہ سب سوال پوچھ لو۔“ مالک اپنا کپ اٹھاتے ہوئے اب کوفت زدہ لگ رہا تھا۔ جیسے وہ جلد از جلد کیف جمال کو وہاں سے بھیجنا چاہتا ہو۔

”اگلے دو ماہ مجھ سے رابطے میں کون رہے گا؟“

”صرف مالک۔ کیونکہ میرے پاس ان چیزوں کے لیے وقت نہیں ہے۔“

ماہر نے اپنے کپ کو ابھی تک ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ وہ دونوں اسی طرح آمنے سامنے کھڑے تھے۔

”ٹھیک ہے۔ میں دو ماہ تک اس جاب کو کروں گا۔“ کیف سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔ اسے تمام پہلوؤں پہ غور

کرنا تھا۔ وہ بار بار پیسے اٹھا کے واپس اس سوئیٹ میں نہیں آ سکتا تھا۔ اسے اس سائیکو پیتھ سے جو منوانا تھا' ابھی منوانا تھا۔

''لیکن اگر مجھے اس لڑکی کی نوکری اچھی لگی اور دو ماہ کے بعد بھی میں اس نوکری کو کرنا چاہوں ...تو؟'' رک کے وضاحت کی۔ ''وہ ایک کامیاب ریستوران چلاتی ہے۔ میں اس کے پاس رہ کے بہت کچھ سیکھ سکتا ہوں۔''

اس بات پہ ہوٹل سوئیٹ میں سناٹا چھا گیا۔ مالک اور ماہر نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور اسٹرا سے گھونٹ بھرتا بیربل ہنس دیا۔ پھر کپ نیچے کر کے محظوظ انداز میں بولا۔

''ماہر... تم نے اس کو اصل بات نہیں بتائی؟''

''کیا؟'' کیف نے چونک کے باری باری ان کو دیکھا۔ ان تینوں نے نگاہوں میں تبادلے کیے تھے۔

''کیف جمال....'' ماہر فرید کھنکھارا۔ آواز میں قدرے نرمی تھی۔ ''تم دو ماہ سے زیادہ اس جاب کو نہیں کر سکتے۔ میرا اور تمہارا معاہدہ دو ماہ بعد ختم ہو جائے گا۔'' قدرے توقف سے بات جاری رکھی۔

''جب تم اس جاب سے انکار کر رہے تھے تو میں نے تمہیں دو باتیں کہی تھیں۔ کیا وہ تمہیں یاد ہیں؟''

بیربل مسکراتے ہوئے انہیں دیکھتا' اسٹرا سے کافی حلق میں کھینچ رہا تھا۔

''مجھے یاد ہے۔''

''یاد ہے تو میرے وہ دو فقرے دہراؤ۔''

''بہت بہتر۔ آپ نے کہا تھا کہ...'' وہ ماہر فرید کے الفاظ دہرانے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پیلے رنگ کی بس تیز رفتاری سے سرمئی سڑک پہ رواں دواں تھی۔ چلی ویک کے پہاڑوں کا سلسلہ دور پیچھے رہ گیا تھا۔ اور وین کوور (Vancouver) کی اونچی عمارتوں کی اسکائی لائن نظر آنے لگی تھی۔

''وین کوور'' کینیڈا کے صوبے برٹش کولمبیا کا سب سے معروف شہر تھا۔ یہ دنیا کے مہنگے ترین شہروں میں سے ہے۔ دنیا بھر کے امراء اور روٗسا میں اس شہر میں گھر خریدنا ایک ٹرینڈ بن چکا ہے۔ اس گھر کو لے کر وہ چھوڑ دیتے ہیں اور وہاں صرف چھٹیوں کے چند ہفتے گزارنے آتے ہیں۔

ماہی کے شہر چلی ویک سے یہ شہر ''وین کوور'' گھنٹے بھر کی ڈرائیو پہ تھا۔ وہ امراء کی طرح یہاں سیر و تفریح کے لیے نہیں جا رہی تھی۔ وہ اپنے جواب ڈھونڈنے اس سفر پہ نکلی تھی۔

آخری سیٹ پہ بیٹھی' کھڑکی سے ماتھا ٹکائے گم صم سی ماہی باہر بھاگتے درخت دیکھ رہی تھی۔ آج سیاہ بادل کافی نیچے تک اترتے محسوس ہو رہے تھے۔ بارش کسی بھی لمحے شروع ہونے کو تھی۔

بس کے شیشے پہ اس کے سانس سے دھند سی بن گئی تھی۔ ماہی نے انگلی سے اس پہ لکیر کھینچی۔ ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ وہ ایم لکھ رہی تھی۔

بچپن میں جب بھی وہ سردیوں میں لمبے روٹ پہ سفر کرتے' کار کے شیشوں پہ دھند جم جاتی تھی کہ کار کا ہیٹر نہیں کام کرتا تھا۔ وہ تینوں بچے اپنے اپنے شیشوں پہ ایسے ہی اپنے نام لکھا کرتے تھے۔ ماں کہتی تھیں برے فضول حرکتیں نہ کیا کرو۔ رمضان کے دن ہوتے اور راستے میں روزہ کھل جاتا تو وہ کسی ریڑھی سے پکوڑے خرید لیتے۔ ماں پکوڑوں کا گرم اخبار والا لفافہ اپنی گود میں رکھتیں۔ اور باری باری ہر بچے کو دیتیں۔ وہ چٹنی کے پیکٹ کے کونے میں دانت سے ایک سوراخ کرتی۔ ایک پکوڑا منہ میں۔ ایک گھونٹ چٹنی کا۔

اب ہیٹر والی کارز بھی تھیں۔ اب وہ بہن بھائی جہازوں میں سفر کرتے تھے۔ اعلیٰ ریستورانوں میں کھانا کھاتے تھے۔ عباد اور ماہی تو بہت ٹریول کرتے تھے۔ لیکن ساری دنیا میں ان پکوڑوں جیسا کچھ نہ تھا۔

دھند چھٹنے لگی۔ اس کا بنایا ایم مدھم پڑنے لگا۔

دھندلے شیشے کے اس پار بس اسٹاپ نظر آ رہا تھا۔ اس نے بیل بجائی۔ بس کی رفتار آہستہ ہوئی۔

وہ اسٹاپ پہ اتری تو کمر پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھی۔ دوسرے ہاتھ میں بیک پیک تھا۔ اسٹاپ پہ نصب بنچ پہ بیٹھ کے ماہی نے چند گہرے سانس لے کر خود کو کمپوز کیا۔ یہ سفر کرنا اس کے لیے مناسب نہ تھا لیکن اسے یہ رسک لینا تھا۔

چند لمحے وہ وہیں بیٹھی رہی۔ پھر گردن اٹھا کے سیاہ آسمان کو دیکھا۔ بارش جلد شروع ہونے والی تھی۔ تبھی اسے خیال آیا۔ بالوں پہ ہاتھ پھیرا۔ چھوٹے کٹے بالوں پہ ہیئر بینڈ لگا تھا۔ اس نے گردن میں بندھا سلک تکونا اسکارف اتارا اور سر پہ لپیٹ کے گردن تلے گرہ باندھی۔ بیک پیک کندھوں پہ پہنا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ سفید جوگرز سے چلتے ہوئے وہ سائیڈ واک پہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اس کا رخ ایک دو منزلہ عمارت کی جانب تھا جو اس اسٹریٹ کے دہانے پہ بنی تھی۔

بیل بجا کے وہ انتظار کرنے لگی۔ عمارت کے داخلی دروازے میں شیشہ لگا تھا۔ اس پہ بھی دھند جمی تھی۔ وہ عادتاً اس پہ انگلی پھیر کے کچھ لکھنے لگی۔ تبھی دروازہ اندر کی طرف کھلتا گیا۔ وہ سنبھل کے سیدھی ہوئی۔

''السلام علیکم ماہ بینہ۔'' بھوری داڑھی اور ٹوپی والے ڈاکٹر رائد سامنے نظر آئے۔ انہوں نے مسکرا کے اس کے لیے راستہ چھوڑا۔ وہ بلیک پینٹ پہ ڈریس شرٹ پہنے ہوئے تھے اور پیروں میں جرابیں تھیں۔

''عباد نہیں آیا؟''

''نہیں۔ مجھے اکیلے میں کچھ بات کرنی تھی، ڈاکٹر رائد۔'' وہ تیزی سے اندر آئی۔ جھک کے جوتے اتارے اور جرابوں سے چلتی ہوئی ان کے پیچھے چلی آئی۔

کاریڈور سے گزر کے ایک ہال نما کمرہ تھا جہاں نماز کے قالین بچھے تھے۔ کونوں میں چند بک ریکس تھے جن میں اسلامی کتب سجی تھیں۔ دو چار افراد کہیں نہ کہیں بیٹھے کسی کتاب یا تسبیح میں مصروف دکھائی دیتے تھے۔ غالباً ابھی ابھی وہ لوگ ظہر کی جماعت سے فارغ ہوئے تھے۔

''میں نیچے نہیں بیٹھ سکتی۔ ہم کہیں اوپر بیٹھ سکتے ہیں؟''

اس کی بات پہ ڈاکٹر رائد نے سر ہلا دیا اور ایک کونے میں چلے آئے۔ وہاں ایک میز کے گرد دو کرسیاں رکھی تھیں۔ ساتھ کھڑکی تھی۔ اس کے شیشے پہ بھی ہلکی سی دھند جمی تھی لیکن باہر کی طرف۔ وہ اس پہ لکیریں نہیں کھینچ سکتی تھی۔

''بتائیے۔ کیا چیز آپ کو آج مسجد کھینچ لائی۔''

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے تو ماہی نے بیک پیک سے اسکیچ بک نکالی۔ مگر اسے کھولا نہیں۔ اس نے ڈاکٹر رائد کو دیکھتے ہوئے بے بسی سے پوچھا۔

''ایک بچہ ہے۔ میں اس کا گلا دبا کے اسے مارنا چاہتی ہوں۔ دو دفعہ کوشش کی ہے۔ لیکن وہ نہیں مرتا۔ میں آپ سے پوچھنے آئی ہوں کہ میں اسے کیسے ماروں؟'' اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس منظر کو یہیں روک کے ہم اپنی کہانی میں واپس جاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ رمضان کی رونق اس سال گزشتہ برسوں جیسی نہیں تھی۔ وہ جو اسلام آباد سے یہاں ایک شادی اٹینڈ کرنے آئی تھی، اس کی زندگی یہیں رک کے رہ گئی تھی۔ جیسے پینٹ کی ٹیوب کا ڈھکن بند کرنا بھول جاؤ اور سارا پینٹ وہیں سوکھ جائے۔ رنگ رہ جاتا ہے مگر وہ رنگ نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر وو ہرا کی اپائنٹمنٹ کے بعد مالا اور معید نے طے کیا تھا کہ وہ ماں کو ان کی بیماری کا علم نہیں ہونے دیں گے۔ ماں ویسے بھی مزید تھکی ہوئی اور غنودہ غنودہ دکھائی دیتی تھیں۔ فی الحال ان کو اپی وال دی گئی تھی تاکہ ان کو فٹس (دورے) نہ پڑیں اور دماغ میں ٹیومر کی سوجن کو کم کیا جاسکے۔ ماں لاؤنج میں ڈرامہ دیکھتے ہوئے سوگئی تھیں اور وہ کبیرہ تائی کے فون کے بعد بے چین سی تھی۔ ماہی کو جیسے ہی کال ملائی اس نے جھٹ فون اٹھالیا۔

''کیا کہا ڈاکٹر وو ہرا نے؟'' ماہی اس سے زیادہ بے چین تھی۔ پاکستان سے ایک ایک فون کال کی منتظر لیکن ہر گھنٹی پہ ڈر جانے والی۔

''گلائیوما ہے۔'' اس کی آواز مدھم ہوئی۔

''یہ نہیں ہوسکتا۔ میں نے اتنی دعائیں مانگی ہیں کہ یہ ٹیومر benign (بے ضرر) ہو۔ یہ پھیلنے والا نہ ہو۔ پھر کیسے؟'' وہ بے یقین تھی۔

''ماہی... کبیرہ تائی کا فون آیا تھا۔'' مالا کی سوئی کہیں اور اٹکی ہوئی تھی۔ ''ان کو معلوم ہے گلائیوما کے بارے میں۔''

''واٹ؟'' ماہی کسی خواب سے جاگی۔ ''ان کو کیسے معلوم ہوا؟''

''یہی تو میں سوچ رہی ہوں۔'' چارجنگ کم ہونے کی ٹون بجی تو مالا موبائل کان سے لگائے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ صبح اس کا چارجر بجلی کی وولٹیج اوپر نیچے ہونے سے جل گیا تھا۔ وہ اپنی الماریوں کے دراز کھول کے چیک کرنے لگی۔ ایک پرانا چارجر یہیں کہیں رکھا یاد آرہا تھا۔

''ہمارے ملازم۔'' ماہی فوراً سے نتیجے پہ پہنچ گئی۔ ''انہوں نے ہی بتایا ہوگا۔''

''نہیں یار۔ ان کو خود نہیں معلوم۔ پھر وہ سب پرانے ملازم ہیں۔'' ایک دراز بند کرتے کرتے وہ ٹھہر گئی۔ دھیرے سے اسے واپس پورا کھولا۔

''وہ کیف... وہ تو نیا ہے۔ کیا پتہ وہی انوالوڈ ہو۔''

''اس کو میں نے خود ہائر کیا ہے ماہی۔ وہ کیسے انوالوڈ ہوسکتا ہے۔ اچھا میری چارجنگ ختم ہونے والی ہے۔'' اس نے فون رکھ دیا اور وہیں زمین پہ بیٹھ گئی۔ دراز پورا کھول لیا۔ وہاں ایک مخمل کا بیگ رکھا تھا۔

کشمالہ کی سبز آنکھوں میں مسکراہٹ اتر آئی۔ جیسے ایک پرانے دوست سے ملاقات ہوئی ہو۔ وہ جس سے عرصے سے ناراضی چل رہی ہو۔

اس نے بیگ نکالا اور دھڑکتے دل سے کھولا۔

اندر ترتیب سے آٹھ خانے بنے تھے۔ ہر خانے میں مختلف سائز کے پینٹ برش رکھے تھے۔ اس نے انگلیوں کے پوروں سے برشز کے اکڑے بالوں کو چھوا۔ وہ مضبوط مگر زم تھے۔

بزنس، اکاؤنٹس، سیلز، کسٹمرز... ان سب میں گم ہو کے اسے یہ بھول ہی گئے تھے۔ اس روز اسٹوڈیو کی صفائی کرتے وقت بہت سا سامان نکلا تھا جسے اس نے ایک کیبنٹ میں بنا کچھ محسوس کیے ڈلوا دیا تھا۔ کیونکہ ان میں موجود اس کے فیورٹ برشز اب تک خراب ہو چکے تھے۔ لیکن یہ والے برش... یہ اس نے بہت چاہ سے لیے تھے مگر کبھی استعمال نہیں کیے۔ شاید وہ برش بھی اس سے ناراض تھے۔

اور شاید وہ کبھی انہیں استعمال نہیں کر سکے گی۔ ماں کا ٹیومر پھر سے یاد آ گیا۔ اس نے دراز بند کر دیا۔

مالا نے ماہی کو کہہ دیا تھا کہ کیف ملوث نہیں ہو سکتا لیکن ماہی کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ بیڈ پہ لیٹے لیٹے چھت کو دیکھتی کچھ سوچے گئی۔

کبیرہ تائی کو کیسے معلوم ہوا؟ یہ چھوٹی بات نہیں تھی۔ کوئی ہے ان کے گھر میں جو جاسوسی کر رہا ہے۔ یا پھر... وہ بچہ....

اس نے سر جھٹکا اور موبائل اسکرین روشن کی۔ پھر سلیم کو کال ملائی۔ کینیڈا آنے سے قبل اس نے سلیم کی منتوں پہ اپنا پرانا اینڈرائیڈ فون اسے دے دیا تھا۔ سلیم ٹچ موبائل پہ خوش ہو گیا تھا۔ مالا اسلام آباد ہوتی تھی تو ماہی سلیم کو واٹس ایپ کال کر کے بخت بی سے بات کرتی اور گھر کی دیکھ بھال کی ہدایات دیتی رہتی تھی۔ گھر میں کون آیا، کون گیا، ماہی کو برٹش کولمبیا میں بیٹھ کے بھی ساری خبریں مل جاتی تھیں۔

''سنو سلیم... گھر سے باہر نکل کے مجھ سے بات کر سکتے ہو؟'' راز داری سے پوچھا۔

''باجی وائی فائی ختم ہو جائے گا اور ڈیٹا میرے پاس ہے نہیں۔'' وہ معصومیت سے بولا۔

''ہاں تو اپنا جیب خرچ موبائل پہ فلمیں بھروانے میں نہ ضائع کیا کرو نا۔ اچھا سنو۔'' آواز آہستہ کی۔ ''یہ کیف کیسا آدمی ہے؟ مجھے اس کے بارے میں سب کچھ بتاؤ۔ تمہاری بات پسند آئی تو کیا پتہ میں تمہیں نیا فون بھجوا دوں۔''

''اور شلٹیں بھی۔''

''شلٹ نہیں ہوتا۔ شرٹ ہوتا ہے، کمبخت۔'' وہ دانت کچکچا کے بولی۔

''سوری باجی۔'' وہ ہر دفعہ ڈھٹائی سے دانت نکال کے سوری کہہ دیا کرتا تھا۔ سیکھتا نہیں تھا۔

''اچھا یہ کیف وارد تایا ہے پورا۔ اس کے بٹوے میں بڑے نوٹ ہوتے ہیں جی۔ اور یہ اپنے کمپیوٹر پہ کسی لڑکی سے باتیں کرتا ہے۔ کئی کئی گھنٹے۔''

''کہتا کیا ہے؟''

"میں نے اس کی کھڑکی سے دیکھا تھا۔ آواز نہیں آتی۔ بس لڑکی کی شکل دکھائی دی تھی۔ یہ لمبے بال تھے اس کے اور... ''سلیم کو تھوڑی سی شرم آئی۔'' اور جی اس نے بغیر آستینوں والی شلٹ پہنی ہوئی تھی۔''

''شلٹ ماروں گی میں تمہارے سر پہ۔ شرٹ ہوتا ہے۔ آگے بولو۔''

''بڑی کوئی امیر سی لڑکی لگتی تھی۔ ٹی وی والیوں جیسی۔ اور ہاں۔ ہر روز ٹھیک پانچ گھنٹے کے لیے وہ غائب ہو جاتا ہے۔ مالا باجی اسے چھٹی دے دیتی ہیں دوپہر میں۔ فکس ٹائم پہ جاتا ہے۔ فکس ٹائم پہ آتا ہے۔ مجھے لگتا ہے دوسری کوئی نوکری کرتا ہے۔''

''کوئی کام کی بات بتاؤ۔''

''اور کچھ نہیں کرتا۔ نکما ہے جی۔ سارا دن بچوں کی طرح اپنی ڈرینگ (ڈرائنگ) کی کتاب میں لکیریں چلاتا رہتا ہے۔ کبھی موٹر سائیکل بناتا ہے۔ کبھی کچھ۔ اس کے پاس لمبی لمبی پنسلیں ہیں۔''

''پنسلیں نہیں پنسلز ہوتا ہے۔ نقل کر کے میٹرک کیا تھا کیا؟'' بدمزہ ہو کے کال بند کی۔ کیف اسے بے ضرر لگا تھا۔ کام سے کام رکھنے والا۔

پھر اس نے موبائل پہ ڈاکٹر رائند کی چیٹ نکالی۔ ابھی تک ان کا جواب نہیں آیا تھا۔

وہ عباد کے استاد تھے۔ عباد کم عمری میں پڑھائی کے لیے کینیڈا آیا تھا۔ اس کی فیملی پہلے لاہور اور پھر امریکہ میں سیٹل ہو گئی تھی۔ عباد کو کینیڈا پسند تھا۔ وہ اس عمر میں یہاں آیا تھا جس میں لڑکے بہت آسانی سے بھٹک جاتے ہیں۔ لیکن یہاں اس کی ملاقات ڈاکٹر رائند سے ہوئی۔ وہ انہیں اپنا شیخ کہتا تھا۔ عباد نے ان سے دین اور عربی زبان سیکھی۔ ساتھ ساتھ پڑھائی جاری رکھی۔ میکاٹرونکس میں انجینئرنگ کر کے وہ پاکستان واپس چلا گیا۔ چند سال اس نے وہاں کام کیا اور پھر کینیڈا میں ایک دوست کے توسط سے اسے اچھی جاب مل گئی۔

وہ یہاں واپس آیا تو جلد ہی اس کا تبادلہ برٹش کولمبیا (کینیڈا کے ایک صوبے) میں ہو گیا۔ عباد نے کئی سال اونٹیریو (ایک دوسرے صوبہ) کے شہر ٹورنٹو میں گزارے تھے۔ یہ دونوں صوبے ایک دوسرے سے بہت دور

تھے۔ان کی زندگیاں مختلف تھیں۔اس کے لیے بی سی (برٹش کولمبیا) میں ایڈجسٹ کرنا مشکل تھا۔لیکن حال ہی میں ڈاکٹر رائد یہاں شفٹ ہو گئے تو عباد بہت خوش نظر آتا تھا۔

ماہی کی ملاقات ڈاکٹر رائد سے چند ایک دفعہ ہوئی۔اور اب وہ اپنے سوالوں کے جواب کے لیے ان سے بات کرنا چاہتی تھی۔مگر وہ آج کل مصروف تھے۔جانے کب وہ اسے وقت دیں۔

عباد کمرے میں آیا تو وہ بیڈ پہ لیٹی سوچ میں غرق تھی۔

''میں سوچ رہی ہوں ڈاکٹر رائد کے پاس جاؤں اور ان سے پوچھوں۔''

''کیا؟'' وہ الماری میں کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔

''اس بچے کے بارے میں۔''

''ماہی یار خدا کے لیے اس بچے کا پیچھا چھوڑ دو۔'' وہ جیسے بدمزہ ہوا۔ایک شرٹ نکالی اور اسے الٹ پلٹ کے دیکھنے لگا۔''ویسے بھی بڑی بوڑھیاں کہا کرتی تھیں کہ اس حالت میں خوبصورت بچے دیکھنے چاہیے ہیں تاکہ آنے والا بچہ خوبصورت ہو۔تم اسی بچے کی تصویریں بناتی رہو گی تو مجھے ڈر ہے کہ میرا بچہ بھی اتنا بدصورت اور لمبے کانوں والا نہ پیدا ہو جائے۔'' وہ ہنس کے بولا تو ماہی نے برا سا منہ بنایا۔

''ہر بات مذاق میں... '' وہ کہتے کہتے رکی۔لمحے بھر کو اس کا سانس رک گیا۔

"میں نے اس کے کان تو کبھی نہیں بنائے۔تمہیں کیسے معلوم اس کے کان لمبے تھے؟''

دوسری شرٹ نکالتے نکالتے عباد ساکت ہو گیا۔پھر اس نے آہستہ سے الماری بند کی اور جب بولا تو ماہی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔

''تم نے ہی بتایا ہو گا۔مجھے کیسے معلوم ہونا ہے؟'' اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''تم نے بھی اسے دیکھا ہے نا۔'' وہ بے یقینی سے بڑبڑائی۔لیکن عباد جا چکا تھا۔وہ ششدر سی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مسجد کے باہر بارش شروع ہو چکی تھی۔کالے بادل ہلکی پھلکی بوندا باندی برسا رہے تھے۔قطرے کھڑکی کے شیشے سے ٹکرا کے نیچے پھسلتے جا رہے تھے۔گیلے شیشے کے دوسری طرف میز کے گرد بیٹھے دو وجود دکھائی دے رہے تھے۔

ماہی دونوں ہاتھ میز پہ پڑی اسکیچ بک پہ رکھے ہوئے تھی۔وہ بار بار اضطراب سے مٹھیاں بند کرتی اور کھولتی تھی۔سامنے بیٹھے ڈاکٹر رائد اس کی بات پہ مسکرائے تھے۔

''اللہ کے گھر میں بیٹھ کے گلا دبانے کی بات؟ اونہوں ماہ بینہ۔'' انہوں نے مسکرا کے سر دائیں بائیں ہلایا۔'' کیا پئیں گی آپ؟ روزہ نہیں ہوگا آپ کا غالباً۔''

''کافی۔'' اس نے کافی کی ٹائپ نہیں بتائی۔ اس وقت وہ کچھ بھی لے سکتی تھی۔

وہ کافی لینے اٹھ گئے تو ماہی گردن موڑ کے کھڑکی پہ گرتے قطرے دیکھنے لگی۔ وہ کرسٹل کے دانوں کی طرح سارے شیشے کو ڈھکے ہوئے تھے۔ دفعتاً ان میں سے ایک پھسلتا اور دوسرے تیسرے کو ساتھ لیے پستی کا سفر کرنے لگتا۔ وہ یک ٹک ان کو دیکھے گئی۔ وہ کتنے خوبصورت تھے۔ مگر ان کی زندگی کتنی چھوٹی تھی۔ ابھی ہوا کا جھونکا آئے گا اور وہ نیچے گر کے فنا ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

معید رات میں گھر آیا تو مالا نے چھوٹتے ہی کبیرہ تائی والے معاملے کی خبر دی۔ معید عورتوں کی سیاستوں میں نہیں پڑتا تھا۔ اسے کبیرہ تائی سامنے نظر آ جاتیں تو اچھے سے سلام کر کے ہٹ جاتا تھا۔ ساری بات سن کے گہری سانس لی اور سادگی سے کہا۔

''میں نے ٹیسٹ رپورٹس جواد کو بھیجی تھیں۔ وہ ہمارا کزن ہے مگر کبیرہ تائی کا بھانجا بھی ہے۔ ظاہر ہے اسی نے بتایا ہوگا۔''

کشمالہ کی پریشانی اس ایک بات سے دور ہوتی گئی۔ کوئی اس کے گھر میں ان کی جاسوسی نہیں کر رہا تھا۔ جواد نیورولوجسٹ تھا اور یہ طے تھا کہ اب ماں کی رپورٹس ایک سے دوسرے ڈاکٹر تک جانی تھیں۔ لاہور میں ان کے کئی رشتے دار تھے۔ بات نکلنی تھی۔ ضروری یہ تھا کہ بات ماں تک نہ پہنچے۔

وہ کبیرہ تائی' ان کے بیٹے اور ماں کی رپورٹس کو سوچتے سوچتے سو گئی تھی جب رات کے کسی پہر اس کی آنکھ کھلی۔ ایک مردانہ آواز۔ اس کے قریب سرگوشی۔ کسی نے اس کے بالوں کو چھوا۔ پھر اس کی گردن کو۔ پھر دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔

وہ ایک جھٹکے سے گہری نیند سے جاگی۔ پھر خوف کے عالم میں دائیں بائیں دیکھا۔ وہ تنہا تھی۔ ماں سو رہی تھیں۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

اس نے آنکھوں میں خوف لیے دروازے کو دیکھا۔ وہ بند تھا لیکن اس نے واضح چرچرانے کی آواز سنی تھی۔ کوئی اس کے کمرے میں تھا۔ کوئی اس کے کمرے میں کیسے آ سکتا تھا؟ شاید کوئی برا خواب تھا۔

ہر دفعہ کی طرح۔

وہ آہستہ سے بستر سے نکلی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔اس نے بنا آواز کے دروازہ کھول کے باہر جھانکا۔لاؤنج نیم اندھیر اور سنسان پڑا تھا۔وہ دروازہ بند کر کے بیڈروم کی کھڑکی تک آئی اور پردہ دو انگلیوں سے ذرا سا سرکایا۔

باہر کیف پورچ میں ٹہلتا نظر آرہا تھا۔کانوں میں ائیر پوڈز لگے تھے اور وہ دبی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا۔اس کے چہرے پہ برہمی تھی۔کھڑکی کے شیشے بند ہونے کی وجہ سے آواز ٹھیک سے نہیں سنائی دیتی تھی۔اسے آواز سننی بھی نہیں تھی۔وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔اپنا خواب چند لمحے کے لیے بھول گیا۔

کیف نے کان میں لگے پوڈ کو انگلی سے دبا کے غالباً کال کاٹی اور پھر دیوار کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔دونوں ہاتھ دیوار پہ رکھے۔سر جھکا دیا۔پھر زور سے دیوار کو جوگر سے ٹھڈا مارا۔وہ غصے میں تھا۔جھنجلایا ہوا بھی لگتا تھا۔اس نے پہلی دفعہ کیف کے چہرے پہ اتنی برہمی دیکھی تھی۔

کشمالہ پردے کے سامنے سے ہٹ گئی۔یقیناً اس نے برا خواب دیکھا تھا۔

باہر گیٹ کے ساتھ کھڑے کیف نے دیوار کو ایک دو ٹھڈے مزید مارے۔پھر وہ وہاں سے ہٹنے لگا تھا جب سامنے والے گھر کی بالائی منزل پہ نظر پڑی۔وہاں سی سی ٹی وی کیمرہ لگا تھا۔اس نے چونک کے اپنے گیٹ کو دیکھا۔گیٹ اس کیمرے کے رخ پہ تھا۔

اس کے ذہن میں ایک نیا خیال سر اٹھانے لگا۔

صبح جب سامنے والے صاحب مارننگ واک پہ نکلے تو وہ ان کی تاک میں کھڑا تھا۔وہ گیٹ بند کر رہے تھے جب کیف سڑک پار کرتا ہوا ان کے قریب آیا۔

''کیسے ہیں آپ سر؟'' ہشاش بشاش سے کیف نے مسکرا کے سلام جھاڑا۔ وہ مڑے اور اسے دیکھ کے مسکرائے۔

''میں فٹ ہوں۔تم کیسے ہو برخوردار۔'' سر سے پیر تک اسے دیکھا۔جینز اور ٹی شرٹ میں ملبوس، چھوٹی بڑھی شیو والے اس نوجوان کو وہ چند دن سے حورِ جہاں بیگم کے گھر کے اندر باہر جاتے دیکھ رہے تھے۔

''میں آنٹی کا دور کا بھانجا ہوں۔لاہور میں جاب لگ گئی ہے۔اس لیے ان کے پاس رہ رہا ہوں۔''

وہ دونوں ان کے گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔

''کل میں نے آپ کو اپنے مالی کو ڈانٹتے ہوئے سنا۔ بہت افسوس ہوا کہ اس کی وجہ سے...'' ایک نظر گھر کے باہر لگے پودوں پہ ڈالی... ''آپ کے سارے پودے جھلس گئے۔''

ادھیڑ عمر صاحب نے زیرِ لب مالی کی شان میں کئی الفاظ کہہ دیے۔

''ویسے ہمارا مالی بہت قابل ہے۔ آنٹی نے دیکھ بھال کے رکھا ہے۔ دو دن آتا ہے لیکن کام اچھا کرتا ہے۔ آپ کو اس کا نمبر دے دیتا ہوں۔'' موبائل نکالتے ہوئے وہ خلوص سے کہہ رہا تھا۔ بات سے بات نکلتی گئی۔ چند منٹ وہ وہیں بیچ سڑک کے کھڑا ان سے گفتگو کرتا رہا۔ پھر تھوڑی پہ بڑھی شیو کو دو انگلیوں سے کھجاتے ہوئے تذبذب سے بولا۔

''کچھ دن پہلے میرا لیپ ٹاپ چوری ہو گیا تھا۔ آنٹی بیمار ہیں اس لیے کسی کو بتایا نہیں۔ صفائی والی ملازمہ پہ شک ہے مجھے۔ آپ اگر مجھے اپنے سی سی ٹی وی کی فوٹیج دیکھنے دیں تو.....''

''ہاں کیوں نہیں۔ مجھے تاریخ اور وقت بتا دو۔ میں واک سے فارغ ہو کے فوٹیج ای میل کر دیتا ہوں۔'' وہ اس کے کندھے کو تھپتھپا کے آگے بڑھ گئے۔ اس سے مل کے وہ خوش ہوئے تھے۔

لاہور میں اپر مڈل کلاس والدین قابل اور ہینڈسم نوجوانوں سے مل کے ہمیشہ خوش ہوتے تھے۔ ان والدین میں سے اکثر اپنی بیٹیوں کو صاف صاف کہہ دیتے تھے کہ وہ یونیورسٹی جا کے اپنا میچ خود تلاش کریں۔ لاہور کی یونیورسٹیز میں پڑھنے والی لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد اسی مقصد پہ فوکس کرتی تھی۔ جیسے جیسے فائنل ایئر قریب آنے لگتا' ان لڑکیوں کی بے قراری اور desperation بڑھتی جاتی۔ گھر میں والدین اٹھتے بیٹھتے یہی بتاتے کہ زندگی کا مقصد اچھا بر تلاش کرنا ہے۔ سوشل میڈیا یہ سکھاتا کہ زندگی میں سب سے اہم اور بڑا دن شادی کا ہوتا ہے۔ اسی کے لیے خوبصورت بننا اور وزن کم کرنا ہے۔ ٹی وی ڈرامے اور بالی وڈ کی فلمیں یہ تعلیم دیتیں کہ شوہر ٹروفی ہزبنڈ ہونا چاہیے۔ خوش شکل اور پیسے والا۔

لاہور کی لڑکیوں کی اکثریت انہی تعلیمات کے ساتھ بڑی ہوتی ہے۔ زندگی میں بہت آگے جا کے کچھ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلیمات غلط تھیں اور کچھ کو کبھی معلوم نہیں ہو پاتا۔

ایسے میں حورِ جہاں جیسی مائیں اب بہت کم رہ گئی تھیں جو اپنی بیٹیوں کے رشتوں کے لیے خود سے دوڑ دھوپ نہیں کرتی تھیں۔ وہ یہ معاملے اللہ پہ چھوڑ دیتی تھیں۔ وہ بیٹیوں کی تربیت پہ فوکس کرتی تھیں۔ انہیں بھلے کشمالہ اور ماہی کے پروفیشن پہ اعتراض تھا' مگر انہوں نے ہمیشہ یہ سکھایا کہ امیر مرد کی تلاش میں لگو نہ اس کے انتظار میں بیٹھی

رہو۔ یہ زندگی کا مقصد نہیں ہے۔ زندگی اس سے کہیں بلند ہے۔

ماں کو کشمالہ کی شادی کی فکر ہوتی تھی۔ لیکن وہ اس بات کو سر پہ سوار کر کے بار بار نہیں دہراتی تھیں۔

کشمالہ کو شادی سے مسئلہ نہ تھا۔ وہ شادی کر لیتی اگر اسے کوئی اپنے برابر کا میچ ملتا۔

زیاد سلطان سے پہلے اسے کوئی اپنے قابل نہیں لگا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماں فجر کے بعد بہت مشکل سے سوئی تھیں۔ اب انھیں تو ان کا اصرار تھا کہ غسل بھی کریں گی کیونکہ انہیں روز غسل کی عادت تھی۔ وہیل چیئر کے ساتھ ان کو باتھ روم لے کر جانا اور باتھ دلوانا ایک مشکل مرحلہ تھا۔ مگر بخت بی اور اسے روز اس چیلینج کی عادت پڑ گئی تھی۔ ماں باتھ روم سے وضو کیے بغیر نہیں نکلتی تھیں۔ یہ ایک ایسی عادت تھی جو اس بیماری اور نسیان میں بھی ان کو نہیں بھولی تھی۔ نماز کا وقت ہے یا نہیں ماں باتھ روم سے نکلنے سے پہلے تازہ وضو کرتی تھیں۔ وہ کہتی تھیں کہ نماز مشکل نہیں ہوتی۔ وضو مشکل ہوتا ہے۔ وضو کر رکھا ہو تو جس وقت انسان اذان سنے' آسانی سے نماز پڑھ لے۔

وہ اب ماں کے سامنے روزے کا ذکر نہیں کر رہے تھے۔ ماں خود بھی رمضان کو بھولے ہوئے تھیں۔ اگر یاد آ جاتا تو روزہ رکھنے کی ضد کرتیں۔ معید اور کشمالہ ویسے بھی ڈائٹ فوڈ کھاتے تھے۔ ملازم روزہ نہیں رکھتے تھے۔ ہر ایک کے پاس اپنا بہانہ تھا۔ کیف البتہ افطار کے وقت گھر نہیں ہوتا تھا سو اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ کیا کھاتا ہے' کیا نہیں۔ اس کی جاب میں ہر روز چند گھنٹے کا آف شامل تھا۔ وہ ظہر سے مغرب تک غائب رہتا تھا اور مغرب کے بعد آ جاتا۔ کشمالہ کو اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک کوورکنگ اسپیس میں پانچ ہزار ماہانہ رینٹ پہ ڈیسک لے کر اپنے بزنس پلان پہ کام کرتا ہے۔ اس نے مزید نہیں کریدا۔

اشراق کے بعد اس نے بدقت ماں کو سلایا۔ اب گھر میں سکون اور سناٹا تھا۔ وہ گھر کا جائزہ لینے باہر آئی تو دیکھا' کیف کلین کچن میں سامنے اسٹول پہ بیٹھا ہے۔ کہنیاں کاؤنٹر پہ رکھے وہ موبائل پہ سر جھکائے ہوئے ہے۔ ماں کو مرد ملازموں کا کلین کچن میں بیٹھنا سخت ناپسند تھا۔ لیکن کیف کا اگر موڈ ہوتا (اور ماں سامنے نہ ہوتیں) تو وہ بڑی ڈھٹائی سے وہیں بیٹھ جاتا تھا۔ کچھ نڈر سا تھا اس نوجوان میں۔

وہ ہلکا سا کھنکھاری۔

"گڈ مارننگ باس۔" کیف نے سر اٹھائے بغیر کہا۔ سنجیدگی سے وہ فون پہ کچھ دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری جاب رات کے گارڈ کی ہے۔فون کالز کی نہیں۔ ڈیوٹی آوورز میں فون کالز سے پرہیز کیا کرو۔''خفگی سے کہہ کے وہ آگے آئی اور اپنا مگ اٹھایا۔پھر یاد آیا اس کا روزہ ہے۔

''ہوں۔واٹ ایور۔''وہ ہنوز موبائل پہ جھکا تھا۔

کشمالہ کے سر پہ لگی۔تلووں پہ بجھی۔

''دوبارہ کہو؟''وہ ایڑیوں پہ گھومی اور برہمی سے اسے دیکھا۔

''مجھے سی سی ٹی وی فوٹیج مل گئی ہے۔'' کیف نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔''اس روز کی جب گھر پہ خون آیا تھا۔''

خالی مگ لیے کھڑی لڑکی اپنی جگہ بالکل ٹھہر گئی۔

''گھر پہ خون آیا تھا؟''

''جی۔اسی لیے میں نے کیمرے لگوائے تھے۔آپ کو بتایا نہیں تا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔'' کندھے اچکا کے واپس فون کو دیکھنے لگا۔''سامنے والوں کا سی سی ٹی وی بہت اونچا لگا ہوا تھا۔پہلے اس پہ نظر نہیں پڑی۔آج دیکھا تو ان سے فوٹیج مانگ لی۔''

اس نے مگ زور سے کاؤنٹر پہ رکھا اور تیزی سے اس کے قریب آئی۔آنکھوں میں غصہ تھا۔

''کیف... مجھے سخت ناپسند ہے کہ کوئی میری پیٹھ پیچھے کچھ کرے۔یہ باتیں تم مجھ سے نہیں چھپا سکتے۔''

کیف نے دھیرے سے سر اٹھایا۔

''آپ نے کہا تھا کشمالہ بی بی کہ آپ نے مجھے سب بتا دیا ہے۔کچھ بھی نہیں چھپایا۔''وہ اسٹول سے اٹھ کھڑا ہوا۔اب وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور درمیان میں کچن آئی لینڈ تھا۔وہ اسے غصے سے دیکھ رہی تھی اور کیف کی نظریں تفتیشی تھیں۔غور سے اس کے اندر تک جھانکتی ہوئیں۔

''یہ ہے وہ جس نے گھر کے باہر خون گرایا تھا۔''

اس نے موبائل اسکرین کشمالہ کی طرف پھیری۔کاؤنٹر کے پار کھڑی لڑکی نے غصے اور الجھن کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسکرین کو دیکھا۔

اسکرین پہ اس کے گھر کا گیٹ دکھائی دے رہا تھا۔فوٹیج اچھی کوالٹی کی تھی۔ڈرائیو وے پہ گرا خون صاف نظر آتا تھا۔

کشمالہ کی نظروں نے فوٹیج میں کسی انسان کو تلاش کرنا چاہا مگر...

''یہاں تو کوئی نہیں ہے۔''

''غور سے دیکھیں۔'' کیف نے موبائل اس کے سامنے رکھ دیا اور جیب میں ہاتھ ڈالا۔

اس نے دوبارہ اسکرین کو دیکھا۔ گیٹ کے اوپر ایک بڑا سا پرندہ بیٹھا تھا۔

''یہ تو پرندہ ہے۔ کیا یہ زخمی تھا؟'' غصے کی جگہ اچھنبے نے لے لی۔

کیف نے جیب سے رکھی تسبیح کو انگلیوں سے محسوس کیا اور ایک دانہ گرایا۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔ وہ بنا آواز کے بڑبڑایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کافی۔''

وہ ایک بھاپ اڑاتا کپ لیے میز تک واپس آئے تو ماہی نے چونک کے رخ پھیرا۔ پھر شکریہ کہتے ہوئے جلدی سے دونوں ہاتھوں میں کپ تھام لیا۔ اسے موسم گرما کے باوجود سردی لگ رہی تھی۔ بس کچھ گرم اپنے اندر انڈیلنا تھا، تیزی سے کپ کو لبوں سے لگایا۔ گرم مائع اس کی زبان جلا گیا۔

''اب بتائیے ماہ بینہ... وہ کیا چیز ہے جو آپ کو اللہ کے گھر کھینچ لائی ہے' ماہ بینہ؟''

وہ اس کے سامنے بیٹھے اب پوری طرح متوجہ تھے۔

ماہی نے کپ نیچے رکھا۔ اس کے lip tint کا گلابی نشان کپ کے دہانے پہ لگ گیا تھا۔ وہ انگلی اس نشان پہ پھیرنے لگی۔

''دو الفاظ ہیں۔ لیکن انہیں کہنا بہت مشکل ہے۔ میں کہہ نہیں سکتی۔ اس ڈر سے کہ کوئی میرا یقین نہیں کرے گا۔'' بھوری آنکھیں اٹھا کے انہیں دیکھا۔ وہ اب تک بھیگی ہوئی تھیں۔

''کیسے الفاظ؟''

وہ کپ کے دہانے پہ گولائی میں انگلی پھیر رہی تھی۔

''یہ سب پچھلے سات ماہ قبل شروع ہوا تھا۔'' ماہی نے کہنا شروع کیا۔

''میری بہن کو محسوس ہونے لگا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ وہ رات کو نیند میں ڈر جاتی ہے۔ اسے لگتا ہے کوئی اس کے کمرے میں آیا تھا لیکن وہاں کوئی نہیں ہوتا۔ وہ باڈی گارڈز ہائر کرتی ہے لیکن اس کا تعاقب کار پیچھا نہیں

چھوڑتا۔'' وہ اب چہرہ موڑ کے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔

بارش میں تیزی آ گئی تھی۔ بوندیں اب تڑتڑاتی ہوئی شیشے پہ گر رہی تھیں۔

''کیا اس نے پولیس سے رابطہ کیا؟''

''پولیس؟'' وہ طنز سے ہنسی اور سر جھٹکا۔ ''پولیس... باڈی گارڈز.... کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ....'' ماہی نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

''کیونکہ میرا خیال ہے کہ جو اس کا تعاقب کر رہا ہے' وہ انسان نہیں ہے۔''

چند لمحے کے لیے ساری مسجد میں سناٹا چھا گیا۔

''کبھی کوئی گھر کا شیشہ توڑ جاتا ہے۔ کبھی کتابیں ہلا دیتا ہے۔ کبھی گھر میں خون کے چھینٹے آتے ہیں کبھی پانی کے۔ اسے مسلسل محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے۔ ان ساری باتوں کو سن کے آپ کے ذہن میں پہلا خیال کس چیز کا آتا ہے؟''

وہ دو الفاظ کہنے کی ہمت اس کے اندر نہیں تھی۔ اگر وہ کہہ دے گی تو وہ سچ ہو جائیں گے۔

''یہ سب ایک ہی چیز کی نشانی ہیں۔'' ڈاکٹر رائد نے ایک افسوس بھری گہری سانس لی۔

''سحر الاسود۔''

(کالا جادو۔)

اور ماہی کو لگا وہ دو الفاظ آج امر ہو گئے ہیں۔

وہ دو الفاظ جن سے وہ ہمیشہ ڈرتی تھی۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک آنسو پلکوں کی باڑ عبور کرتا نیچے گرا اور اسکارف میں جذب ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''یہ ایک اسٹوپڈ پرندہ ہے' کیف۔''

وہ آنکھیں چھوٹی کر کے بغور کشمالہ کے تاثرات کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

''وہ پرندہ ڈرائیو وے کے اوپر سے اڑتا ہوا گیٹ پہ بیٹھا۔ اس کے بیٹھنے سے پہلے وہاں خون نہیں تھا۔''

''ہو سکتا ہے پرندہ زخمی ہو۔''

''ایسی صورت میں گیٹ پہ بھی خون ہونا چاہیے تھا۔ جبکہ گیٹ صاف تھا۔ آپ نے کبھی لاہور میں اس شکل اور

سائز کا پرندہ دیکھا ہے؟ میں نے نہیں دیکھا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"دو باتیں ہوسکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ سامنے والوں کے کیمرے کی فوٹیج کسی نے ایڈیٹ کر دی ہے۔ اسے اندازہ ہوگا کہ ہم فوٹیج دیکھ سکتے ہیں۔ یہ اتنا مشکل کام نہیں ہے۔ یا پھر..." وہ کھنکھارا۔ "یہ پرندہ پرندہ نہیں ہے۔ کوئی اور چیز ہے۔"

"کیف۔" وہ بے یقینی اور فکرمندی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ "تم ایسی باتوں پہ یقین رکھتے ہو؟"

کیف نے ایک لمحے کے لیے جواب نہیں دیا۔ بہت سا تھوک نگلا۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

"ایسی باتوں پہ کون یقین رکھتا ہے؟" وہ بظاہر مسکرا دیا۔ "میں تو ویسے ہی ایک بات کہہ رہا تھا۔"

کشمالہ نے گہری سانس خارج کی۔

"وہی میں کہوں.... تم تو ماہی کی طرح باتیں کرنے لگے ہو۔ اتنے پڑھے لکھے اور پروگریسو ہو کے۔"

"آپ کی بہن کو لگتا ہے یہ سب جادو، جنات وغیرہ ہیں؟" کیف چونکا۔ مگر انداز سرسری تھا۔

وہ کچن سنک سے ٹیک لگا کے کھڑی ہوگئی۔ بازو سینے پہ لپیٹ لیے۔ اب منی پلانٹ کی بیلوں سے ڈھکی کھڑکی اس کی پشت پہ تھی۔ اس کے ڈھیلے جوڑے سے چند لٹیں پرسوچ چہرے کے اطراف میں گر رہی تھیں۔

"میرے گارڈز اسی وجہ سے جاب چھوڑ جاتے ہیں۔ ان کو لگتا ہے یہ سب جنات وغیرہ ہیں۔ حالانکہ مجھے یقین ہے یہ کوئی انسان ہے۔" وہ سادہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ نہ کوئی ڈر نہ خوف۔ "میں ان وہموں میں نہیں پڑتی۔ ہاں۔ میں مانتی ہوں جنات ہوتے ہیں۔ میں نے قرآن پڑھ رکھا ہے۔ جادو بھی ہوتا ہے۔ لیکن جنات کی الگ دنیا ہے۔ وہ ہماری دنیا میں ایسے انٹرفیئر نہیں کرتے۔ مجھے بہت برے لگتے ہیں وہ لوگ جو ہر پریشانی کو جادو یا نظر کا نام دے دیتے ہیں۔ کچھ مصیبتیں انسان لاتے ہیں۔ کچھ قسمت سے آتی ہیں۔ میرا تعاقب کار انسان ہی ہے۔ اس دن لفٹ میں جس نے مجھ پہ حملہ کیا وہ انسان تھا۔ ماہر فرید کا لائٹر کوئی جادوئی چیز نہیں تھا۔"

"جی۔ آپ درست کہہ رہی ہیں۔ بہر حال اب کیمرے لگ چکے ہیں۔ دوبارہ ایسی حرکت ہوئی تو ہم اس کو پکڑ لیں گے۔"

اس کا انداز عام سا تھا۔ کشمالہ ٹیک چھوڑ کے سیدھی ہوئی اور آنکھوں میں شدید برہمی لیے کیف کو دیکھا۔

"تمہیں معلوم ہے کچھ دن سے ظہیر مجھے کال کر رہا ہے۔ اسے کسی اور کام میں میری مدد چاہیے۔ لیکن میں اس کی

کال نہیں اٹھا رہی نہ اٹھاؤں گی۔ کیونکہ میرا اعتبار کسی شخص سے ایک دفعہ اٹھ جائے تو دوبارہ نہیں بنتا۔ آئندہ مجھ سے چھپا کے تم کچھ نہیں کرو گے۔ ورنہ وہ تمہاری جاب کا آخری دن ہو گا۔"

"کچھ فیصلے آپ کا سیکیورٹی گارڈ ہونے کے ناتے میں لے سکتا ہوں۔" اس کی تقریر کے جواب میں وہ اطمینان سے بولا جیسے اسے فرق ہی نہ پڑا ہو۔

"فیصلے لو مگر مجھے بتا کے لو۔ کلیئر؟" وہ تلخی سے کہہ کے آگے بڑھنے لگی جب اس نے پیچھے سے پکارا۔

"آپ کی بہن کو کس پہ شک ہے؟"

کشمالہ کچن کی چوکھٹ پہ ٹھہر گئی۔ اور مڑ کے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"ہاں یہ سب پتھر کے زمانے کی باتیں ہیں۔ میں مانتا ہوں۔ لیکن آپ کے اردگرد کوئی تو ایسا شخص ہو گا جو ان جادو وغیرہ کے کاموں کے لیے مشہور ہو گا؟ ہر خاندان میں ایک شخص ایسا ہوتا ہے۔"

"ہے۔ ایک شخص ہے۔ اس شہر کی ایک معروف انٹرپرونیئر اور ڈیزائنر جو خود کو ایک آرٹسٹ کہتی ہیں۔" وہ طنز سے بولی۔

"کبیرہ تائی۔"

کیف کے لب بے اختیار گولائی میں سکڑے۔ "اوہ۔"

سارے تانے بانے اسی ایک عورت سے جا کے ملتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھڑکی پہ تڑاتڑ بارش کے قطرے گر رہے تھے۔ شاید آسمان زار و قطار رو رہا تھا۔ جانے اس کے کیا غم تھے۔

ماہی سختی سے کپ کو دونوں ہاتھوں میں جکڑے ہوئے تھی۔ کپ کے دہانے پہ لگا سرخ نشان اب مندمل ہو چکا تھا۔

"کیا جادو واقعی ہوتا ہے؟ یا میں وہم کر رہی ہوں؟" وہ متذبذب تھی۔ "لوگ یقین نہیں کرتے جادو پہ۔"

"سب یقین کرتے ہیں جادو پہ ماہ بینہ۔ لوگ صرف ظاہر نہیں کرتے۔ تاکہ ان کو کمتر نہ سمجھا جائے۔"

"مگر کیا جادو..." اس نے تھوک نگلا۔ "واقعی ہوتا ہے؟"

"آپ اکیسویں صدی میں بیٹھ کے مجھ سے پوچھ رہی ہیں کہ جادو واقعی ہوتا ہے؟" وہ ہلکا سا مسکرائے اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگے۔ وہ ناسمجھی سے اس کا چہرہ تکنے لگی۔

”جادو ہزاروں برس پہلے ہوتا تھا۔ ہمیں جادو کا آخری ثبوت چودہ سو سال پہلے کی احادیث سے ملتا ہے جب رسول اللہ ﷺ پہ جادو ہوا تھا۔ لیکن...“ انہوں نے نظروں کا رخ پھیر کے ماہی کو غور سے دیکھا۔ ”کیا اب بھی جادو ہوتا ہے؟“

وہ سانس روکے جواب کی منتظر تھی۔

”چودہ سو سال پہلے اگر کسی کو خط بھیجنا ہوتا تو اس میں مہینوں لگتے تھے۔ آج کل... صرف کاغذی خط... ایک دن میں دوسری جگہ پہنچ جاتا ہے۔ اگر انسان نے پوسٹ کے نظام میں اتنی ترقی کر لی ہے تو کیا جادو میں نہیں کی ہوگی؟“

وہ چونک گئی۔ دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

”جادو پتھر کے زمانے کی بات لگتا ہے بظاہر۔ ہم کہتے ہیں ہم اکیسویں صدی میں آ گئے ہیں۔ اب جادو کی بات نہ کرو۔ لیکن وہ بھی تو ہمارے ساتھ اکیسویں صدی میں آئے ہیں۔ ہم ان کو پتھر کے زمانے میں تو نہیں چھوڑ آئے۔“

”وہ کون؟“

”شیاطین اور جنات۔ وہ جن کے ذریعے جادو کیا جاتا ہے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ ترقی کر رہے ہیں۔“

وہ کچھ دیر کچھ بول نہیں سکی۔ پھر سر جھکا کے کنپٹی مسلنے لگی۔ تکان سے آنکھیں بند کر لیں۔

”آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں کہ جادو ہوتا ہے یا نہیں۔ جبکہ آپ کو یہ پوچھنا چاہیے ماہ بینہ کہ جادو کا ریٹ کیا چل رہا ہے؟“

اس نے کرنٹ کھا کے سر اٹھایا۔ آنکھیں بے یقینی سے پھیلیں۔

”ریٹ؟ جادو کے ریٹ ہوتے ہیں؟“

وہ افسوس سے مسکرائے۔ ”آج کل کچھ مفت میں ملتا ہے کیا؟“

پھر انہوں نے اس کا ٹھنڈا مگ اٹھا لیا اور ہال کی جانب دیکھا۔ وہاں اب صرف اکا دکا نوجوان رہ گئے تھے۔ ڈاکٹر رائد نے ایک نوجوان کو اشارہ کیا۔

”طلاق کروانے کا ریٹ۔ کسی کا unborn baby مارنے کا ریٹ۔ کسی کو بانجھ کرنے کا ریٹ۔ کسی کا رشتہ نہ ہونے دینا۔ خاندانوں میں لڑائیاں کروانا۔ لوگوں کو اپنے تابع کرنا۔ ان سب کا الگ الگ ریٹ چل رہا ہے۔ جادو ہر دوسرے گھر میں کیا جا رہا ہے، ماہ بینہ۔ جگہ جگہ جادوگروں نے اپنی دکان لگا رکھی ہے۔“

نوجوان قریب آیا تو ڈاکٹر رائد اس کو مگ لے جانے اور تازہ کافی لانے کی ہدایت کرنے لگے۔

ماہی نے کھڑکی کے باہر دیکھا۔ بارش مسلسل ہو رہی تھی۔ بھیگی سڑک پہ ایک گوری رنگت والا کپل ایک چھتری تلے ہنستا ہوا بھاگتا جا رہا تھا۔ اس کی نگاہیں بس اسٹاپ کے بنچ تک گئیں۔ وہاں بیٹھی لڑکی اپنے فون سے اپنی سیلفی کھینچ رہی تھی۔

''اٹس فنی۔'' وہ تلخی سے مسکرائی جیسے خود پہ ہنسی ہو۔ ''ہم کینیڈا میں بیٹھ کے جادو اور جنات کی بات کر رہے ہیں۔''

''اچھا آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ جادو صرف انڈیا پاکستان اور بنگلہ دیش میں ہوتا ہے۔ انٹرسٹنگ۔'' انہوں نے مسکرا کے بات وہیں سے جوڑی۔ ''حالانکہ جادو ہر ملک میں ہو رہا ہے۔ انگلینڈ' امریکہ' کینیڈا' اور سارے یورپ میں اتنا جادو پھیلا ہے کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ جادو صرف ایشائی کمیونٹی نہیں کرواتی۔ گورے بھی جادو کرتے اور کرواتے ہیں۔ بلکہ یورپین پارلیمانی ممبرز جادو کرنے اور کروانے میں مشہور ہیں۔ گوروں نے ہر چیز میں مسلمانوں سے زیادہ ترقی کر لی ہے۔ ان کی مشینیں' ان کا لائف اسٹائل' ان کی مصنوعات' سب مسلمان ملکوں سے بہتر ہیں۔ آپ کو کیا لگتا ہے' انہوں نے جادو میں ترقی نہیں کی ہو گی؟''

وہ بس حق دق ان کو دیکھ رہی تھی۔

''جادوگر ہر گلی محلے میں بیٹھے ہیں۔ گورے' یہودی' عیسائی' ہندو' یہ لوگ جادو کو جادو کے نام پہ کر رہے ہیں۔ کھلم کھلا۔ لیکن مسلمان جادو کو دم اور تعویذ کے نام پہ کر رہے ہیں۔ نوے فیصد جادو دراصل دم درود کے نام پہ کیا جاتا ہے۔ عورت مولوی کے پاس جاتی ہے اور کہتی ہے۔ میری بہو بہت بولتی ہے۔ کچھ ایسا کریں کہ وہ میرے سامنے زبان نہ نکالے۔ جانتی ہیں پھر کیا ہوتا ہے؟''

''کیا؟''

''مولوی اپنے جن سے کہتا ہے' اس کی بہو کو کچھ ایسا کرو کہ وہ بولا نہ کرے۔ جن ایک حادثہ کرواتا ہے اور وہ بہو گونگی ہو جاتی ہے۔ یا وہ کوما میں چلی جاتی ہے۔ اور اس کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ ساس کو خود نہیں معلوم ہوتا کہ بہو پہ جادو اس نے کروایا ہے۔''

ماہی نے بے اختیار گردن پہ ہاتھ رکھا۔ ان باتوں سے اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

''یعنی یہ عامل بابا وغیرہ واقعی جادو میں ماہر ہوتے ہیں۔'' وہ بڑبڑائی۔

''ہمارے ہاں فلموں اور ڈراموں میں دکھایا جاتا ہے کہ اکثر عامل فراڈ ہوتے ہیں اور پیسے لے کر ڈھکوسلہ کر رہے ہوتے ہیں۔ جبکہ حقیقت اس سے مختلف ہے۔ جادو یا جادو کی کاٹ کرنے والے لوگوں کی اکثریت فراڈ نہیں ہوتی۔ وہ واقعی اس علم کو جانتے ہوتے ہیں۔ کوئی کم اور کوئی زیادہ۔''

''کیا ہم کھڑکی کھول سکتے ہیں؟'' وہ بے اختیار بولی۔ یہ باتیں اس کے لیے بہت زیادہ تھیں۔ اسے کچھ دیر خاموشی سے ان باتوں کو جذب کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف سے اس گفتگو کے بعد وہ کمرے میں آئی اور ماں کے ساتھ لیٹ گئی۔ اس کو آج کل بہت نیند آ رہی تھی۔ غالباً روزے کا اثر تھا۔ جانے وہ کتنی دیر سوتی رہی۔ سورج سوا نیزے پہ چمکنے لگا جب گیٹ پہ رونے دھونے کی آوازیں سنائی دینے لگی۔ وہ ہڑبڑا کے اٹھی اور کھڑکی تک آئی۔ مگر پورچ کا منظر دیکھ کے اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

کل معید نے نیورولجسٹ کزن جواد کو سختی سے تاکید کر دی تھی کہ وہ ماں کی بیماری کے بارے میں کسی کو نہ بتائے۔ مگر بھلا ہو واٹس ایپ فیملی گروپس کا۔ چارسدہ، مردان اور پشاور تک ماں کی بیماری کی خبر پھیل چکی تھی۔ ان کے زیادہ تر رشتے دار کے پی کے اور اسلام آباد میں رہتے تھے۔ لاہور میں بہت تھوڑے رشتے دار تھے جو ان کی دادی کی سائیڈ کے تھے۔ دادا پٹھان تھے۔ دادی پنجابی تھیں۔ کبیرہ تائی بھی دادی کی طرف سے ان کی رشتے دار تھیں۔

اس صبح اس نے زندگی کا ایک اور رخ دیکھا۔

ماں بیمار ہو جائے تو لوگ کیا کرتے ہیں۔

لوگ گاڑیاں بھر بھر کے آنے لگ گئے۔ یہ کیف کے غائب ہونے کا وقت تھا اس لیے وہ ڈیوٹی پہ موجود نہ تھا۔ پورچ میں آتے ہی خواتین رو رو کے کشمالہ کو ملنے لگیں۔

ہائے تمہاری امی۔ اتنی جوان تھی۔ اس کی عمر ہی کیا تھی۔

اگر ماہی ہوتی تو دو چار منہ توڑ جواب اب تک دے چکی ہوتی کہ میری ماں ابھی مری نہیں ہے۔ وہ زندہ ہے۔ ابھی ماتم نہ شروع کریں۔

لیکن وہ کشمالہ تھی۔ اس نے گہری سانس لے کر سب کچھ اندر ضبط کیا اور باری باری سب سے ملی۔ ان کو

ڈرائینگ روم میں بٹھایا۔اور کچن میں آئی۔

آتے ساتھ ہی بڑی بوڑھیوں نے پانی مانگ کے یہ واضح کردیا کہ ان کا روزہ نہیں ہے۔شوگر لو ہو جاتی ہے' دوا لینی ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

''باجی ان کے لیے کیا بناؤں؟'' بخت بی نے پریشانی سے پوچھا۔

''شش۔'' کشمالہ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے اسے خاموش کرایا۔کاؤنٹر کے ساتھ کھڑے اس نے آنکھیں بند کیں۔اسے اس مسئلے کا حل ڈھونڈنا تھا۔وہ جو سمجھ رہی تھی کہ ماں کو ان کی بیماری سے لاعلم رکھا جاسکتا ہے' وہ غلط تھی۔

ایسی عورت جس کے گھر میں کوئی بڑا مسئلہ نہ چل رہا ہو۔وہ خوش خرم نظر آتی ہو۔اس کے بچے کامیاب اور پھلتے پھولتے دکھائی دیتے ہوں۔وہ لوگوں کے لیے قابلِ حسد ہوتی ہے۔جب ایسی عورت بیمار پڑ جائے تو رشتے داروں کو بہت مزہ آتا ہے۔

ایسے میں بہت کم تھے جو حورِ جہاں بیگم کے لیے افسردہ تھے۔اکثریت صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ ماں کی حالت کیسی ہے۔کیا ان کا دماغ پھر گیا ہے؟ کیا ان کے بال گر گئے ہیں یا گر جائیں گے؟ اور سب سے اہم سوال جس کو جاننے کا تجسس سب کو تھا۔

وہ کتنے عرصے کی مہمان ہیں؟

وہ کنپٹیوں پہ ہاتھ رکھے آنکھ بند کیے سوچنے لگی۔اسے ان لوگوں کو ماں سے دور رکھنا تھا۔مگر کیسے؟

وہ کشمالہ مبین تھی۔وہ اکیلے اسلام آباد کا ایک ایلیٹ ریستوران چلاتی تھی۔وہاں بھی بعض اوقات گروپس کے جھگڑے ہو جاتے تھے۔بگڑے ہوئے ٹین ایجرز مسئلے کھڑے کرتے تھے۔وہ ریستوران کے اندر باہر پنسل ہیلز پہ گھومتی سارے مسئلے سلجھا لیتی تھی۔وہ کشمالہ تھی۔وہ کرائسز مینیجر تھی۔

''قہوہ۔سبز قہوہ۔'' اس نے آنکھیں کھولیں اور بخت بی کو ہدایات دیں۔''سبز قہوہ اور بسکٹ۔اب جتنے مہمان آئیں گے تم ان کے لیے یہی لاؤ گی۔اور بسکٹ بھی میٹھے نہیں۔گندم والے کیونکہ ان کو تو شوگر ہے نا۔اس کے علاوہ کچھ نہیں۔''

بخت بی نے اس حکم پہ آنکھیں کھول کے اسے دیکھا۔حورِ جہاں کے گھر مہمانوں کے لیے لوازمات کا ڈھیر لگا دیا جاتا تھا۔اور مالا کیا کہہ رہی تھی۔

''مگر کیوں باجی؟''

''کیونکہ یہ عیادت کرنے نہیں آئے۔ یہ میری ماں کی بے بسی کا مزہ لینے آئے ہیں۔ ان رشتے داروں کو میری ماں نے ساری عمر کھلایا ہی ہے۔ چارسدہ سے آئی سوغاتیں بوریاں بھر بھر کے ان کو بھجوائی ہیں۔ ان سب کو معلوم ہے کہ ماں کو اپنی بیماری کا علم نہیں ہے۔ لیکن دیکھنا یہ پھر بھی ماں سے ملنے کی ضد کریں گے۔ ان کو ماں کی تکلیف کی فکر نہیں ہے۔ انہیں حورِ جہاں کا زوال دیکھنا ہے۔''

پھر وہ اپنے کمرے میں آئی۔ سلیپر اتارے۔ اپنے لباس کے ساتھ میچنگ نیلی ہیلز نکال کے پہنیں۔ اسٹرپس بند کیے۔ اور سوتی ماں پہ ایک نظر ڈالی۔ وہ کتنی کمزور لگ رہی تھیں۔ ان کا خوبصورت چہرہ ایک طرف سے ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ وہ جھکی اور آہستہ سے ماں کی پیشانی چومی۔

وہ اپنی ماں کا زوال کسی کو نہیں دیکھنے دے گی۔

کچن میں جا کے احتیاطاً بخت بی کو دوبارہ ہدایت دی۔

''معید کو مت بتانا کہ میں نے یہ سب کہا ہے۔ او کے؟''

بھائیوں کو عموماً معلوم نہیں ہوتا کہ رشتے داروں کے ساتھ کیسے ڈیل کرنا ہے۔ کوئی پھوپھی چاچی ان سے ہنس کے بات کرلے تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ بہت مخلص ہیں۔ ان کے آگے سب بول دیتے ہیں۔ معید سے ساری دنیا کی سرجریز کروا لو لیکن اسے اتنا معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کس کس نے اس پہ اپنی بیٹی کے لیے نظر رکھی ہوئی ہے۔ ماہی جب کسی آنٹی کے ساتھ معید کو ہنس کے بات کرتے دیکھتی تو سر پکڑ لیتی۔ اُف یہ کب عقل کرے گا۔

وہ ڈرائینگ روم میں آئی تو سب اس کے منتظر تھے۔ ایک آنٹی اور بھی آ گئی تھیں۔

وہ ایک کرسی پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بیٹھی اور شائستگی سے ان کے تمام سوالات کے جواب دینے لگی۔

''عزہ کی شادی پہ تو حورے آپا کہہ رہی تھیں کہ ان کے گھٹنے کا مسئلہ ہے۔ یہ ٹیومر کہاں سے نکل آیا؟''

وہ اپنے رشتے داروں کو جانتی تھی۔ وہ صاف نہیں کہہ رہے تھے لیکن ان کا مطلب یہ تھا کہ یقیناً حورِ جہاں کے بچوں کو عرصے سے ٹیومر کا علم تھا۔ بس چھپا رہے تھے۔ اب بات خود ہی نکل آئی تو چھپا نہیں سکے۔ بھئی بیٹا ڈاکٹر ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ ماں کو ٹیومر ہو اسے علم نہ ہو۔

''بال گر گئے ہیں یا گر جائیں گے؟''

''باتھ روم کیسے جاتی ہیں؟''

''اگر آپریشن ہوا تو کیا یورین بیگ لگائیں گے۔''

ایک عورت کو دوسرے عورت کی بے بسی جاننے کا کتنا تجسس تھا۔ کسی عورت کے بال اور اس کا باتھ روم نہ جا سکنا' یہ اس کا وقار ہوتا ہے۔ یہ اس کا انتہائی پرسنل معاملہ ہوتا ہے۔ اور یہاں بیٹھی سب خواتین پڑھی لکھی تھیں۔ وہ چارسدہ اور مردان سے برسوں سے شفٹ ہو کے ان شہروں میں آ بسی تھیں۔ لیکن اسے یقین تھا کہ چارسدہ میں رہنے والے اس کے رشتے داروں کے مینرز ان سے بہتر ہوں گے۔ وہ یوں دل نہیں دکھاتے ہوں گے۔ وہ مریض کے گھر بلا اجازت بنا بتائے نہیں آتے ہوں گے۔ اور اگر آ گئے تو گھنٹوں نہیں بیٹھتے ہوں گے۔

''میری نند کا بھی برین میں گلائیوما تھا۔ اس کی سرجری ہوئی تھی۔ سر کاٹ کے ٹیومر نکالا تھا۔'' کسی خاتون نے رائے دی۔ تو اس کا سانس رک گیا۔ فوراً سے بولی۔

''پھر؟''

''ٹیومر تو نکل گیا لیکن آپریشن کے بعد جب ہوش آیا تو معلوم ہوا کہ... '' سسپنس دینے کے لیے توقف کیا۔

''اس کی آنکھیں ضائع ہو گئی ہیں۔''

کشمالہ نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

''چچ چچ.... سرجن تھک گیا ہوگا نا۔ ٹیومر نکالتے نکالتے اس کی چھری برین کی کسی شریان پہ لگ گئی ہو گی اور تمہاری نند کی آنکھیں چلی گئیں۔''

اُف۔ اس نے بدقت ضبط کیا۔ کوئی ان رشتے داروں کو یہ کیوں نہیں سکھاتا کہ مریض کے پاس کہی بات پہ فرشتے آمین کہتے ہیں اس لیے اچھی بات منہ سے نکالنی چاہیے۔

''اچھا اپنی ماں کو تو لے کر آؤ'' ایک آنٹی نے کوئی تیسری دفعہ کہا۔ وہ سب بار بار دروازے کی طرف دیکھتی تھیں۔ کب حورِ جہاں آئے اور کب اس کی حالت کو وہ اپنے ذہنوں میں ریکارڈ کریں اور پھر یہ سارا احوال واٹس ایپ گروپس کے ذریعے پورے پاکستان میں نشر کر سکیں۔ ان کا خیال تھا کہ ماں سے بیماری چھپانا بھی ڈرامہ ہے۔

''ماں تو نہیں مل سکتیں۔''

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی نرمی سے کہہ رہی تھی۔

''ماں کی سرجری ہونی ہے۔ ڈاکٹر نے ان کو سختی سے کسی سے بھی ملنے سے منع کیا گیا ہے۔ انفیکشن ہو سکتا ہے نا۔'' اسے اندازہ تھا کہ وہاں بیٹھی کسی خاتون کا میڈیکل نالج اتنا نہیں ہوگا کہ وہ اس کے بہانے کا فوری جواب دے

سکیں۔

اگلے دو تین دن کئی رشتے دار آئے۔ آئے اور گئے۔ کشمالہ اسی کرسی پہ بیٹھی ان سے ملے گئی۔ نرمی اور شائستگی سے وہ ماں سے ملاقات سے منع کر دیتی۔ قہوے کے پیالے آتے اور جاتے گئے۔ سوائے چند ایک مخلص لوگوں کے کوئی مہمان اس سے خوش نہیں گیا۔ سب کے منہ بنے ہوئے تھے۔

روزہ... مہمان... ماں کی بار بار کی دیکھ بھال۔ وہ تکان سے چور ہو گئی تھی۔

افطار کے بعد کچھ سکون ہوا۔ اکثر لوگ مل کے جا چکے تھے۔ اس نے ماں کو رشتے داروں کے واٹس ایپ گروپس سے نکال دیا۔ کیونکہ وہ لوگ جو مل کے جا رہے تھے اور جن کو وہ برملا بتا چکی تھی کہ ماں کو ان کی بیماری کی خبر نہیں دینی وہ ملنے سے مایوس ہونے کے بعد افسوس بھرے آڈیو میسیجز ماں کو بھیج رہے تھے۔

''آپ کے برین ٹیومر کا سن کے بہت افسوس ہوا۔''

کشمالہ کا دماغ گھومنے لگا۔ وہ کتنی دفعہ بتا چکی ہے کہ ماں کو نہیں بتانا۔ انہیں سرجری سے پہلے دل کا عارضہ نہ پیش آ جائے۔ مگر نہیں۔ لوگوں کو حور جہاں کو اس کا زوال دکھانا تھا۔ اس نے ماں کا فون آف کر کے دراز میں ڈال دیا۔ نہ وہ فون دیکھیں گی نہ ان کو معلوم ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر رائد نے اٹھ کے کھڑکی کھولی تو ٹھنڈی ہوا تیزی سے اندر آئی۔ ماہی گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی خود کو نارمل کرنے لگی۔ نوجوان اس کی تازہ کافی اور ساتھ میں پانی کی بوتل لے آیا۔ اس نے تیزی سے ڈھکن گھمایا۔ کلک کی آواز کے ساتھ ڈھکن کی سیل ٹوٹی۔ بوتل کا منہ ہونٹوں سے لگایا تو اندر تک ٹھنڈ اترتی گئی۔

''ہمیں معلوم کیسے ہو گا کہ ہم پہ جادو کیا جا رہا ہے؟'' اب وہ کچھ بہتر محسوس کر رہی تھی۔

''آپ بتائیں ماہ بینہ۔ آپ کو کیسے شک ہوا کہ آپ پہ جادو کیا جا رہا ہے؟''

کھڑکی کے پاس رکھی کرسی پہ بیٹھی سلک اسکارف والی لڑکی نے سر جھکا کے آنکھیں بند کر لیں۔

''خوابوں سے۔''

''یہ ہر دوسرے گھر کی کہانی ہے ماہ بینہ۔ گھر کے کسی ایک فرد کو اچانک سے خواب آنے لگتے ہیں جس میں انہیں اشارہ دیا جاتا ہے۔ مگر لوگوں کے ایسے خوابوں پہ دو طرح کے ردعمل ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو جادو کو روکنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو اسے وہم سمجھ کے نظر انداز کر دیتے ہیں۔''

''جادو کورو کنے کا اہتمام؟ مطلب؟''

''ہم اس بارے میں بعد میں بات کریں گے۔ پہلے آپ اپنے خوابوں کے بارے میں بتائیں۔''

ماہی نے اسکیچ بک ان کے سامنے رکھی اور پھر اس کے صفحے پلٹائے۔ اس بچے کی تصویر پہ وہ رک گئی۔ ڈاکٹر رائد نظریں جھکا کے اس تصویر کو دیکھنے لگے۔

''کیا آپ اس بچے کو پہچانتے ہیں؟''

انہوں نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''شاید۔'' دوبارہ سے وہ اس تصویر کو دیکھنے لگے۔

''یہ مجھے' ماں اور مالا کو الگ الگ خواب میں نظر آیا ہے۔ اور شاید عباد کو بھی مگر وہ بتاتا نہیں ہے۔''

''عباد آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔ لیکن یہ اپنوں کا فرض ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے لیے پریشان ہونا۔ برا خواب نہیں بتانا چاہیے لیکن اشارہ دے دینا چاہیے تاکہ دوسرا کوئی سیلف ڈیفنس کر سکے۔ ہمیں دوسروں کے بارے میں خواب میں اشارے اسی لیے آتے ہیں تاکہ ہم ان کو خبردار کر سکیں۔ اور رہا یہ بچہ تو.....''

انہوں نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''اسے قدیم داستانوں میں changelling کہا جاتا ہے۔ بڑا سر' چھوٹا جسم' لمبے کان' اور آنکھوں کی جگہ سیاہ خلاء والا یہ بچہ جس کی شیطانی شکل ہے' مختلف کلچرز میں مختلف ناموں سے آیا ہے۔''

''مگر یہ کون ہے؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

افطار کے بعد وہ ماں کو لاؤنج میں لے آئی اور ڈرامہ لگا دیا۔ بخت بی بھی جڑ کے ساتھ بیٹھ گئی۔ کشمالہ نے کانوں میں ہینڈز فری لگا لیے اور صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھ گئی۔ ماہی کی کال آرہی تھی۔

آج ماہی اپنے کچن میں نہیں کھڑی تھی۔ نہ اس نے ایپرن پہن رکھا تھا نہ وہ ہنستی مسکراتی ملی تھی۔ آج جو چہرہ اسے دکھائی دیا' وہ ایسی لڑکی کا تھا جس کی ماں سمندر پار بیمار تھی اور وہ اس کے پاس نہیں جا سکتی تھی۔

ماہی کی آنکھیں رو رو کے سرخ ہو چکی تھیں۔

''ماں ٹھیک ہو جائیں گی ماہی۔'' وہ دبی آواز میں انگریزی میں کہہ رہی تھی۔ ماں اس سے فاصلے پہ وہیل چیئر پہ بیٹھی نقاہت سے ٹی وی کو دیکھ رہی تھیں۔

''معید ہمیشہ پڑھائی میں بزی رہتا تھا۔اور تم اپنے کاموں میں۔ میں بچپن سے ماں کی بیسٹ فرینڈ تھی۔ اور ماں میری بیسٹ فرینڈ تھیں۔تم دونوں کا اتنا بڑا اسوشل سرکل بھی ہے۔لیکن ماہی کا عباد اور ماں کے علاوہ کوئی بیسٹ فرینڈ نہیں تھا۔ مالا'معید' عباد اور ماں۔ میں اس چوکور میں رہتی ہوں۔ میں انہی لوگوں سے سارا دن بات کرتی ہوں۔تم لوگ اپنا فون سائیلنٹ کر کے سوتے ہو۔ میں نہیں سائیلنٹ کرتی۔ کیونکہ میرے واٹس ایپ پہ صرف انہی لوگوں کے میسجز آتے ہیں۔ یہاں کینیڈا میں جب کسی کی پاکستان سے کال آئے تو نمبر دیکھ کے دل ہول جاتا ہے۔اُف مالا میں ماں کے پاس کیوں نہیں ہوں؟''

''تم آ کے کیا کرو گی؟''

''تم نہیں سمجھ سکتیں۔تم اس وقت ماں کے ساتھ ہو۔تم اس اولاد کا غم نہیں سمجھ سکتی جو بیماری میں اپنے ماں باپ کے ساتھ نہ ہو۔کوئی میرا غم نہیں سمجھ سکتا۔'' اس نے فون رکھ دیا۔وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

''مالا... ماہی سے کہو ملازموں کو کھانا دے دے۔'' ماں کو بیٹھے بیٹھے نیند آنے لگی تو غنودہ سی آواز میں بولیں۔ وہ پیر نیچے اتارتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں کہتی ہوں ماہی کو۔آئیں ہم کمرے میں چلتے ہیں۔'' وہ ان کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور وہیل چیئر دھکیل کے اندر لے جانے لگی۔ ماہی کہتی تھی کہ وہ خوش نصیب ہے کیونکہ وہ ماں کے پاس ہے۔مگر اس کے اپنے پچھتاوے تھے۔وہ اتنے برس ماں کے پاس نہیں تھی۔کبھی کبھی ماں سے لڑائی ہوتی تو وہ تین تین دن انہیں کال نہیں کرتی تھی۔

کیا وہیل چیئر دھکیلنے سے وہ سب مٹ جاتا ہے؟

اس نے ماں کو بیڈ پہ بٹھایا اور انہیں پانی کے ساتھ دوا کی گولیاں دینے لگی۔

کیا پانی پلا دینے سے ماں کو کہی ساری سخت باتوں پہ پانی پھر جاتا ہے؟

ماں سو گئیں تو وہ اوپر اسٹوڈیو میں آ گئی۔معید کے ساتھ ساتھ میسجز آ رہے تھے۔وہ مختلف ڈاکٹرز کے پاس جا رہا تھا۔کہیں کسی لیب سے رپورٹس اٹھاتا' کہیں کسی سے ملتا۔ وہ جب بھی معید کا میسج دیکھتی' دل میں وہی کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہو جاتا۔ ڈاکٹر وہرا کا کاؤنٹ ڈاؤن۔ چھ ماہ۔

یکم مئی کو مرض کی تشخیص ہوئی تھی۔اور چھ ماہ بعد یکم نومبر آنا تھا۔اس نے تاریخ دیکھی۔آج چھ مئی تھی۔

پانچ ماہ اور چوبیس دن رہ گئے تھے۔

وہ اسٹوڈیو میں آئی تو وہاں اندھیرا تھا۔ اس نے کھڑکی کھول دی۔ بتی نہیں جلائی۔ اور کھڑکی کے ساتھ بیٹھ

گئی۔ نیچے لان میں زرد روشنیاں پھیلی تھیں۔ چار دیواری کے ساتھ ٹہلتا کیف ایک ہاتھ میں موبائل پکڑے کچھ پڑھ رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں کافی کا مگ تھا جس سے وہ بار بار گھونٹ بھرتا تھا۔

اسکرین پہ لکھے الفاظ کیف کے سامنے کسی فلم کے منظر کی مانند چل رہے تھے۔

''کبیرہ سادان لاہور کے ایک معروف بزنس مین کی بیوی ہیں۔ سادان صاحب ایک لمبا عرصہ انگلینڈ اور جرمنی میں گزارنے کے بعد چند برس قبل پاکستان شفٹ ہوئے تھے۔''

(کبیرہ بیگم سنگھار میز کے سامنے اسٹول پہ بیٹھی تھیں۔ مخملیں باتھ روب میں ملبوس وہ چہرے پہ نرمی سے کریم مل رہی تھیں۔ انگلیوں کے ناخن لمبے اور سرخ نیل پینٹ سے مزین تھے۔ بوائے کٹ بال سلیقے سے سیٹ تھے۔ پیچھے ایک ملازمہ جوس کا گلاس پکڑے کھڑی تھی۔)

''کبیرہ کی بیٹی ان کے ساتھ رہتی ہے۔ اس کا نام عنایہ ہے۔''

(میک اپ سے ڈھکے چہرے کے ساتھ کبیرہ بیگم باہر لاؤنج میں آئیں اور دیوار گیر آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ سیاہ بلاک ہیلز، خاکی سوٹ، پھر گردن میں پہنی سنہرے رنگ کی مختلف سائز کی تین زنجیروں کو انگلیوں سے درست کیا۔ مسکرا کے خود کو داد دی۔ پھر پلٹیں تو سامنے ڈائننگ روم پہ نظر پڑی۔ ٹیبل پہ ناشتے کے لوازمات سجے تھے اور ایک گوری سی فربہ لڑکی اونچی پونی بنائے، اپنے موبائل پہ لگی تھی۔ اسے دیکھ کے کبیرہ بیگم کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔)

''عنایہ نے کئی برس پہلے انجینئرنگ کی تھی۔ لیکن وہ جاب نہیں کرتی۔ وہ ایک فوڈ بلاگر ہے۔ اس کے علاوہ اس نے ایک فیمنسٹ بلاگ بھی بنا رکھا ہے جہاں وہ مردوں اور شادی کے خلاف بولتی ہے۔ اس کے کمنٹ سیکشن میں کسی کے کمنٹ سے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ تیس کی ہونے والی ہے اور اس کی ماں ہر رشتے کو ٹھکرانے کی وجہ سے اس کو لٹکائے ہوئے ہے۔ اپنی اسٹوریز اور پوسٹس سے عنایہ شدید ڈپریسڈ لگتی ہے۔''

(کبیرہ بیگم نے ایک ناپسندیدہ نظر اس پہ ڈالی اور کرسی کھینچ کے بیٹھیں۔

''ویٹ لوز کرو، عنایہ۔ کتنی دفعہ کہا ہے جم جوائن کرو۔ مگر تم سنتی نہیں ہو۔''

''نو فیٹ شیمنگ، ممی۔'' وہ سر جھکائے چیز آملیٹ کھاتے ہوئے فون پہ لگی رہی۔)

''کبیرہ اپنے آپ کو آرٹسٹ کہتی ہے کیونکہ اس کے بقول وہ جیولری ڈیزائن نہیں کرتی بلکہ آرٹ کی طرح اس کو تخلیق کرتی ہے۔ اس کا آؤٹ لیٹ گلبرگ میں ہے جہاں وہ محنت کش عورتوں سے ہینڈ میڈ جیولری بنوا کے مہنگے داموں فروخت کرتی ہے۔''

(یہ لاہور کے ایک بوتیک اسٹائل آؤٹ لیٹ کا منظر تھا۔ جگہ جگہ مجسموں کے سر رکھے تھے جن کی گردنوں میں قیمتی پتھروں سے مزین ہار دمک رہے تھے۔ سفید ٹائلز سے چمکتے فرش۔ تیز روشنیوں میں اصل سے زیادہ خوبصورت نظر آتے زیورات۔ کبیرہ بیگم اپنی اسسٹنٹ کے ساتھ چلتی ہوئی تمام ریکس کا جائزہ لے رہی تھیں۔)

”حقیقت یہ ہے کہ کبیرہ خود سے کچھ ڈیزائن نہیں کرتی۔ اس نے فریش گریجوئٹس اس کام کے لیے ہائر کیے ہوئے ہیں۔ وہ سوات اور دوسرے شہروں سے قیمتی پتھر منگوا کے ان کو نیکلیس میں فٹ کر کے ایک سو گنا قیمت پہ بیچتی ہے۔ وہ درست ٹیکس بھی نہیں دیتی۔ اس پہ ایک ٹیکس کا کیس بھی چل رہا ہے۔ کئی دفعہ اس کی ایمپلائی خواتین نے کم تنخواہ اور شدید مشقت کی شکایت بھی کی ہے۔“

(کبیرہ اب آؤٹ لیٹ کی بالائی منزل پہ بنے اپنے شیشوں جیسے چمکتے آفس کی پاور چیئر پہ بیٹھی تھیں۔ ٹیک لگائے فون کے بٹن دباتی' وہ پرسوچ نظر آتی تھیں۔)

”کبیرہ کے بارے میں ایک بات بار بار سامنے آتی رہی ہے کہ وہ اپنی ایمپلائی لڑکیوں کو ٹارچر کرتی ہے۔ ہینگر اور بید کمر پہ مارنا عام بات ہے۔ لیکن اثر ورسوخ کی وجہ سے وہ آج تک قانون کے شکنجے میں نہیں آئی۔ انگلینڈ میں کئی برس پہلے اس کی بیٹی نے بھی ہینگرز سے پیٹے جانے کی شکایت کی تھی۔ مگر نہ جانے کیسے کبیرہ اس معاملے سے بھی نکل آئی۔“

(کبیرہ نے موبائل رکھ دیا اور کھڑکی کے باہر سوچتی نظروں سے دیکھے گئے۔ ایک منظر آنکھوں میں منجمد ہو گیا تھا۔ عزہ کی شادی کا منظر۔ جب زیاد اور کشمالہ کھڑے بات کر رہے تھے۔ ایک دوسرے کے آمنے سامنے۔ وہ ہنس رہے تھے۔ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ وہ منظر آنکھ کا شہتیر بن گیا تھا۔)

”اب آتے ہیں کبیرہ کے بیٹے کی طرف۔“

کیف دلچسپی سے پڑھنے لگا۔

”کبیرہ کا ایک ہی بیٹا تھا جس کا نام عالیان تھا۔ پانچ سال کی عمر میں عالیان بیمار پڑا اور انگلینڈ میں ہی اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹے کا ڈیتھ سرٹیفیکیٹ بھی مجھے مل گیا ہے۔ البتہ پاکستان میں موجود کبیرہ کے رشتے دار دوسری کہانی سناتے ہیں۔ ان کے مطابق کبیرہ اپنے بیٹے کو زندہ' اور انگلینڈ میں ایک کامیاب بزنس مین کے طور پہ ظاہر کرتی ہیں۔ میں اس بات کو سمجھ نہیں سکی۔ یا تو کبیرہ کا بیٹا واقعی مر چکا ہے اور وہ لوگوں کے سامنے ایک جھوٹی کہانی سناتی ہے۔ کیونکہ کبیرہ کے سائیکی ایشوز بھی ہیں۔ یا پھر کبیرہ کا بیٹا کسی اور نام سے زندہ ہے اور وہ کسی غیر قانونی کام

کا حصہ ہے۔ ورنہ اسے اپنی شناخت چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"عالیان۔" کیف نے موبائل اسکرین بجھا دی اور چہرہ اوپر کر کے دہرایا۔ یہ نام اس کی یادداشت میں نہیں تھا۔

وہ کبیرہ سادان اور ماہر فرید کے خاندان کے درمیان لنک ڈھونڈنے کی کوشش میں شدید نا کام نظر آتا تھا۔

کبیرہ جتنا عرصہ انگلینڈ میں رہی، وہ ماہر کے شہر اور گھر سے بہت دور کی جگہوں پہ رہی تھی۔ بظاہر دونوں میں کوئی کڑی نہیں تھی۔ لیکن اس کے پاس کبیرہ بیگم کے علاوہ کوئی لیڈ (lead) نہ تھی۔ اسے اس عورت کو مزید کھوجنا تھا۔

کیف نے سر اٹھا کے دیکھا تو وہ کھڑکی میں بیٹھی تھی۔ کندھوں کے گرد دوپٹہ شال کی طرح لپیٹے۔ اس کے بھورے لمبے بال دونوں شانوں پہ آگے کو گر رہے تھے۔ وہ چہرہ اٹھائے سبز شکوہ کناں آنکھوں سے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔

وہ پینٹنگ تھی۔ کسی آرٹسٹ کا شاہکار۔

وہ چند لمحے گردن اونچی کیے اسے دیکھے گیا۔ پھر سر جھٹک دیا۔ وہ اعتبار توڑنے والوں کو دوسرا چانس نہیں دیا کرتی تھی۔ اگر اسے پہلے معلوم ہوتا کہ وہ اس جیسی لڑکی سے ملنے والا ہے تو وہ کبھی یہ جاب نہ کرتا۔ وہ اس کو ایک عام سی لڑکی سمجھا تھا۔ سطحی، کاروباری ذہن والی، اسلام آباد کا ایک ریستوران چلانے والی لڑکی جس کی کوئی ذاتی زندگی نہ تھی۔ اسے صرف اس کے قریب رہنا تھا۔ اور اس سے "وہ" معلومات لینی تھیں۔ اس نے سوچا تھا، دو ماہ کی بات ہے۔ وہ کر لے گا۔

لیکن اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس کی زندگی میں شامل ہو جائے گا۔ ایک ماہ گزر چکا تھا۔ اس کے ہاتھ کچھ بھی نہیں لگا تھا۔ کیا فائدہ اس ساری مشقت کا جس میں اس نے اس لڑکی کے اعتماد کو ٹھیس بھی پہنچائی اور حاصل بھی کچھ نہ ہوا۔

وہ ہنوز کھڑکی میں بیٹھی تھی۔ بیرونی لائٹس کی زرد روشنی کھڑکی سے تکون کی صورت اندر آ رہی تھی۔ وہ اسٹوڈیو کے ایک حصے کو منور کیے ہوئے تھی۔ باقی سارا اسٹوڈیو اندھیر تھا۔ وہ اب آسمان کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ کمرے کے منور حصے پہ نظریں جمائے گم صم سی بیٹھی تھی جہاں ایک خالی اسٹول رکھا تھا۔

زندگی بھی ایسی ہی چھپن چھپائی کھیل رہی تھی۔ باہر کی دنیا میں کسی کا دن چل رہا تھا اور کسی کی رات۔

دستک پہ اس نے چہرہ اٹھایا۔ دروازہ روشن تکون کے حصے میں تھا۔

''آجاؤ۔''

دروازہ چرچراہٹ کے ساتھ کھلا کہ عرصے سے کسی نے اس کے قبضوں میں تیل نہیں ڈالا تھا۔ سنہری تکون لمبی ہو کے چوکھٹ کو چمکانے لگی۔

چوکھٹ میں کیف کھڑا تھا۔ ہاتھ میں دو مگ تھے۔

''کافی ہے یا سبز چائے؟'' وہ اسے دیکھ کے اداسی سے مسکرائی۔

''سبز چائے۔ لیکن میرے ابا کی ریسیپی کے ساتھ۔ نہ کہ بخت بی کا قہوہ جو وہ مہمانوں کو پلا رہی ہے۔''

وہ پھیکا سا ہنس دی۔ کیف نے اس کا مگ اس کے ساتھ میز پہ رکھا۔ اور اپنا مگ لیے اسٹول پہ بیٹھ گیا۔

''آپ میں بہت ہمت ہے۔ میں اتنے مہمانوں کے ساتھ کبھی ڈیل نہ کر سکتا۔'' گھونٹ بھرتے ہوئے اس نے شانے اچکا کے کہا۔ وہ روشنی میں بیٹھا تھا اور مالا اندھیرے میں۔

''میں صرف pretend کر رہی ہوں' کیف۔ اندر سے مجھے لگتا ہے میں ہوا میں معلق ہوں۔ نہ جانے کل کیا ہوگا۔''

''ہر شخص کی قسمت کا پرندہ اس کی گردن میں بندھا ہوتا ہے۔'' روشنی میں بیٹھا نوجوان بولا۔

''یعنی؟''

''یعنی جو ہونا ہے' وہ ہو کے رہے گا۔''

مالا نے آنکھیں بند کیں۔ بہت دیر سے اٹکا آنسو ٹوٹ کے بہہ گیا۔

''مگر میں اتنی دعا مانگتی ہوں۔ اٹھتے بیٹھے۔ میری دعائیں قبول ہوں گی نا؟''

''آف کورس قبول ہوں گی۔ لیکن امید سے مانگا کریں۔''

اس نے آنکھیں کھولیں تو منظر دھندلایا ہوا تھا۔ اور اس سنہری دھند کے پار اسٹول پہ بیٹھا شخص کہہ رہا تھا۔

''آپ فینٹیسی پہ یقین رکھتی ہیں؟''

''فینٹیسی؟'' پلکیں جھپکائیں۔ دھند چھٹی۔ منظر واضح ہوا۔ کیف نے مگ سائیڈ پہ رکھ دیا اور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نرمی سے کہنے لگا۔

''ہمارا برین حقیقت اور فینٹیسی میں فرق نہیں کر سکتا۔ یعنی جو اصل میں ہو رہا ہے اور جو ہم سوچ رہے ہیں' برین کو دونوں سچ لگتے ہیں۔''

''بہت سے لوگ کہتے ہیں یہ ایک myth ہے۔''

''نہیں۔ یہ متھ نہیں ہے۔ ریسرچز ہیں اس بارے میں۔'' وہ دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے سمجھا رہا تھا۔'' ہمارے برین کو حقیقت اور فینٹیسی میں فرق کرنا نہیں آتا۔ فیورٹ کھانوں کے بارے میں سوچو تو موڈ بدل جاتا ہے۔ مختلف سوچیں مختلف ہارموز ریلیز کرتی ہیں۔ اسی لیے پیٹر پین کہتا تھا۔ اچھے خیالات سوچو کیونکہ وہ تمہیں اڑنا سکھائیں گے۔ اگر آپ چاہتی ہیں کہ آپ کی ماں ٹھیک ہو جائیں گے تو آپ کو پہلے یہ تصور کرنا ہوگا۔''

''کیا تصور کروں؟''

وہ اسٹول سے اٹھ کھڑا ہوا اور ایک بک شیلف کے ساتھ ٹیک لگا کے کھڑا ہو گیا۔ بازو سینے پہ باندھ لیے۔ جوگرز کی قینچی بنالی۔

''یہی کہ جب ماں ٹھیک ہو جائیں گی تو آپ کی زندگی کیسی ہوگی؟''

کشمالہ نے بھیگی آنکھیں بند کیں۔ اس نے ایک تصور بنانا چاہا۔

''وہ پھر سے مسکرائیں گی۔ ان کی وہ رعب دار پرسنالٹی واپس آجائے گی۔ وہ اب بھولنے لگی ہیں اور اپنی پرسنالٹی کھو رہی ہیں۔ میں چاہتی ہوں وہ پہلے جیسی ہو جائیں اور پھر... ہم تینوں ماں کے ساتھ ... موسم سرما میں ایک رضائی میں بیٹھ کے باتیں کرتے ہوئے چلغوزے کھائیں۔''

''اس میں ایک مسئلہ ہے۔''

اس نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔

''وہ کیا؟''

''چلغوزہ چھ ہزار روپے کلو مل رہا ہے۔''

وہ بھیگی آنکھوں سے ہنس دی۔

''اچھا۔ مونگ پھلیاں کرلو۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ گال کا گڑھا گہرا ہوا۔

''اس تصور کو بار بار ذہن میں تازہ رکھیں۔ جو سوچیں گی وہی ہوگا۔''

''اور اگر ایسا نہ ہو سکا؟''

''تصور پہ یقین رکھنے والے اگر مگر نہیں سوچتے۔''

کشمالہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کیف نے اپنا مگ اٹھایا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ بنا سوچے سمجھے اسے پکار بیٹھی۔

''تم کیا تصور کرتے ہو؟''

وہ وہیں ٹھہر گیا۔ اس کی کشمالہ کی طرف پشت تھی۔

''میں؟'' وہ دھیرے سے پلٹا۔ اس کا چہرہ آدھا روشنی اور آدھا اندھیرے میں تھا۔

''تمہاری سب سے بڑی خواہش کیا ہے جسے تم تصور کرتے ہو؟''

وہ چند لمحے کھڑکی میں بیٹھی لڑکی کو دیکھتا رہا۔ پھر بولا تو اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

''یہی کہ کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے۔''

وہ کہہ کے رکا نہیں۔ باہر نکل گیا۔ وہ وہیں بیٹھی سیڑھیوں پہ اس کے قدموں کی آواز سنتی رہی۔ وہ نیچے جا رہا تھا۔ پھر اس نے گردن لان کی طرف موڑی۔ وہ اب نیچے گیٹ کی طرف آتا دکھائی دے رہا تھا۔ کانوں میں ائیر پوڈز لگائے اور گارڈ چیئر پہ جا کے بیٹھ گیا۔ پھر لیپ ٹاپ کھول لیا۔ وہ دانستہ طور پہ اوپر نہیں دیکھ رہا تھا۔

اس نے مگ میز پہ رکھ دیا۔ اندر سے ایک الارم جلنے بجھنے لگا۔ کیف کیا سوچنے لگا تھا؟

اسے کیف سے فاصلہ رکھنے کی ضرورت تھی۔

وہ نیچے واپس آئی تو ماں اسی طرح سو رہی تھیں۔ وہ ان کے ساتھ لیٹ گئی اور ان کی طرف کروٹ لے کر ان کا چہرہ دیکھنے لگی۔ پھر اس نے آنکھیں بند کیں۔ ذہن سے کیف اور اس کی باتوں کو جھٹک کے وہ اس دن میں واپس چلی گئی۔

وہ ماہی، معید اور ماں کے ساتھ ایک کمبل میں بیٹھی تھی۔ پلنگ کے درمیان میں ایک بڑے پیالے میں چلغوزے رکھے تھے۔ یہ سستے زمانے کی بات تھی۔ معید اور وہ چلغوزے نکال نکال کے کھا رہے تھے۔ اور ماں، جو سوئیٹر کے اوپر شال اوڑھے بیٹھی تھیں، بار بار معید کو ٹوک رہی تھیں۔

''چھلکے الگ شاپر میں ڈالو۔ مکس نہ کرو۔''

ماہی کے الگ مسئلے تھے۔

''ماں.... میرے بال کیوں اتنے گر رہے ہیں آج کل۔'' وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتی روہانسی ہو کے کہہ رہی تھی۔

''اسی لیے کہتی ہوں ڈائی نہ کرو۔ اور زیادہ موبائل نہ استعمال کرو۔'' ماں کے نزدیک ہر مسئلے کی جڑ موبائل تھا۔

''ماں کیا ہے یار۔ ایسے ہی میرے بال گرتے رہے تو میں گنجی ہو جاؤں گی۔''

''پرے بے وقوف۔ کبھی کوئی گنجی عورت دیکھی ہے؟'' ماں نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ چونکی۔

''اوہ۔ مطلب جتنے بال گریں، میں گنجی نہیں ہوں گی۔ پھر ٹھیک ہے۔''

ماں نے معید کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔

''تمہیں ماں کی زبان سمجھ نہیں آتی؟ چھلکے الگ پیالے میں ڈالو۔''

وہ منظر مکمل تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور آنسو صاف کیے۔ وہ یہ منظر دوبارہ ضرور دیکھے گی۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے گی۔ وہ اتنی دعا مانگے گی کہ ماں کی ساری بیماری ختم ہو جائے گی۔ جس نے بیماری دی ہے وہی اس کو دور کر سکتا ہے۔ جس نے مصیبت بھیجی ہے صرف وہی اس کو ٹال سکتا ہے۔

وہ ماں کی طرف کروٹ لیے زیرِ لب دعا مانگنے لگی۔ واشف انت الشافی۔ اے شفا دینے والے شفا دے دے۔

اسے نیند کب آئی اسے علم بھی نہ ہوا۔ رات کے کسی پہر معید نے اسے جگایا۔ آواز سے ماں بھی اٹھ گئیں۔ چونک کے کشمالہ کو دیکھا اور غنودہ آواز میں بولیں۔

''معید نے کھانا کھایا؟''

''میں دیتی ہوں۔ آؤ معید۔''

باہر آتے ہی معید سارے دن کی روداد سنانے لگا۔ دو سرجنز کو وہ رپورٹس دکھا کے آ رہا تھا۔ لیکن دونوں نے وہی کہا تھا جو ڈاکٹر دوہرانے کہا تھا۔ جب تک برین کھلے گا نہیں، کوئی نہیں بتا سکتا تھا کہ وہ گلائیوما ہے یا منجی اوما۔ اسکین پہ دونوں ایک جیسے لگتے تھے۔ لیکن اصل مسئلہ یہ تھا کہ کوئی سرجن اس کیس میں ہاتھ ڈالنے کو تیار نہ تھا۔

''میرے سینئرز نے کہا ہے کہ میں ڈاکٹر واصف نصیر سے ملوں۔'' معید سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''وہ کون ہیں؟''

''امریکن سرجن ہیں۔ کئی سال امریکہ میں نیورو سرجری کی ہے۔ تم نے mayo clinic کا نام پڑھا ہوگا۔ اس سے بھی منسلک رہے ہیں۔ بہت بہادر سرجن ہیں۔ دو سال قبل پاکستان شفٹ ہوئے تھے۔ یہاں بہت

بڑے بڑے کیسز انہوں نے آپریٹ کیے ہیں۔ ان کو دکھاتے ہیں اسکین۔ پھر دیکھتے ہیں وہ کیا کہتے ہیں۔"

ایک سرجن امریکہ چھوڑ کے اپنے ملک کے لوگوں کے لیے پاکستان شفٹ ہوگیا ہے۔ وہ یہاں لوگوں کے ناقابلِ علاج ٹیومرز بھی نکالتا ہے۔ کتنا اعلیٰ آدمی ہوگا وہ۔ اس نے نام سن کے ذہن میں ان کا خاکہ بھی بنالیا۔ ایک ادھیڑ عمر سرجن۔ عاجز، نرم گو۔ جن کا دل انسانیت کی ہمدردی سے بھرا ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی سہ پہر جب مالا اور معید اپنی باری آنے پہ ایک لمبے انتظار کے بعد ڈاکٹر واصف کے کلینک میں داخل ہوئے تو وہ بہت پر امید تھی۔ ڈاکٹر واصف یقیناً ان کو تسلی دیں گے۔ گلائیوما ہے تو کیا ہوا۔ وہ اس کو بھی نکال لیں گے۔

ڈاکٹر واصف دراز قد کے اسمارٹ آدمی تھے۔ بال قلموں سے سفید اور عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔ آدھے آستین کی پولو شرٹ پہنے ہوئے تھے۔ کوٹ پیچھے لٹکا تھا۔ ان کو آتے دیکھ کے شناسائی سے بولے۔

"آ گئے ہو معید؟" وہ اس سے یقیناً پہلے کہیں مل چکے تھے۔ ان کی آواز رعب دار اور اونچی تھی۔ ایسی آواز جو کوسوں دور سے پہچان لی جائے۔

"جی۔ یہ میری سسٹر ہے۔ کشمالہ۔"

"آپ بھی ڈاکٹر ہیں؟" ساتھ ہی رپورٹس لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"نہیں لیکن بن جاؤں گی۔"

معید کے ہاتھ میں اسکین تھے۔ ایم آر آئی کی رپورٹ کشمالہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے رپورٹ ان کی طرف بڑھا دی۔

ڈاکٹر واصف نے رپورٹ کے لفافے کو ایک نظر دیکھا اور پھر اسے ڈسٹ بن کی طرف اچھال دیا۔

"میں نے آج تک کسی ریڈیالوجسٹ کی بنائی ہوئی رپورٹ نہیں پڑھی۔ ایم آر آئی اسکین دکھاؤ۔" انداز سنجیدہ اور قطعی تھا۔

معید جلدی جلدی اسکین دکھانے لگا۔ وہ البتہ چہرے پہ ناگواری لیے پیچھے ہو کے بیٹھ گئی۔

ہاؤ روڈ۔ (How rude)

کلینک میں دیوار پہ ایک سفید روشن چوکھا لگا تھا۔ ڈاکٹر واصف کچھ دیر کالے ایکس رے جیسے اسکین کو وہاں لگا

کے دیکھتے رہے۔ ویڈیوز بھی دیکھیں۔ ان سب میں ماں کے برین کو ہر اینگل سے دکھایا گیا تھا۔ بس دو رنگ تھے۔ سیاہ اور سفید۔ یہ وہ رنگ تھے جنہیں صرف سرجن پڑھ سکتے تھے۔ معید بہت کچھ انہیں پہلے ہی ای میل کر چکا تھا۔ وہ یہ سب اب دوسرے دفعہ دیکھ رہے تھے۔

''ڈاکٹر وو ہرا کا کہنا ہے کہ یہ گلائیوما ہے۔''معید نے کھنکھار کے بات کا آغاز کیا۔

''ڈاکٹر وو ہرا بوڑھے ہو رہے ہیں۔''ڈاکٹر واصف واپس کرسی پہ آ کے بیٹھے اور عام سے انداز میں اطلاع دی۔

''یہ گلائیوما نہیں ہے۔ یہ منّنجی اوما ہے۔''

ان دونوں کا سانس رک گیا۔ ساری دنیا ٹھہر گئی۔ منّنجیوماوہ ٹیومر تھا جو قابلِ علاج تھا۔

''آر یو شیور؟''وہ بے یقینی سے بولی۔

''آف کورس۔''وہ دیوار پہ لگے اسکین کو دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"When it looks like a duck, swims like a duck, and quacks like duck, it is a duck."

''اور اگر آپ غلط ہوئے؟ یہ duck نہ ہوئی تو؟''

معید نے میز کے نیچے سے جوتا اس کے پیر پہ مارا۔

ڈاکٹر واصف نے سنجیدگی سے اس کو دیکھا۔''اخروٹ کھاتی ہو؟''

''میرا روزہ ہے۔''

''کھلا نہیں رہا۔ پوچھ رہا ہوں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور پیچھے کنسول ٹیبل تک گئے۔ وہاں چائے کافی کے لوازمات کے ساتھ جار میں ڈرائی فروٹ رکھے تھے۔ انہوں نے ایک ثابت اخروٹ نکالا اور واپس کرسی تک آئے۔

''یہ تمہارا سر ہے۔''اخروٹ انگوٹھے اور انگلی کے درمیان پکڑ کے اسے دکھایا۔

''اخروٹ کا چھلکا تمہاری کھوپڑی ہے۔ تمہارے سر کی ہڈی۔''

پھر انہوں نے دو انگلیوں کے درمیان اخروٹ دبایا تو چھلکا ٹوٹ گیا۔ وہ کاغذی اخروٹ تھا۔ صفائی سے آدھا چھلکا الگ کیا کہ گری برقرار رہے۔ بالکل انسانی دماغ کی شکل کی گری اخروٹ میں پوری لگی نظر آ رہی تھی۔

''یہ گری تمہارا برین ہے۔ اس گری اور چھلکے کے درمیان پانی ہوتا ہے جس میں یہ گری تیر رہی ہوتی ہے۔ اب یہ

چھلکا اٹھاؤ۔''

اس نے میز پہ رکھا آدھا خالی خول اٹھایا۔

''اس کے اندر دیکھو۔''

اس نے غور سے دیکھا۔وہ خالی تھا۔

''اس خول کی اندرونی تہہ منجی کہلاتی ہے۔منجی اور تمہارے برین کے درمیان میں صرف پانی ہے جس میں برین تیر رہا ہے۔سمجھ آیا؟''

اس نے اثبات میں سر ہلایا۔اب وہ کم مغرور لگ رہے تھے۔

''اگر اس خول کو کیڑا لگ جائے... یعنی ٹیومر... تو وہ منجیوما کہلاتا ہے۔یعنی منجی کا ٹیومر۔یہ بڑے ہونے میں کئی سال لیتا ہے۔اور آہستہ آہستہ گری (یعنی برین) پہ پریشر ڈالتا ہے اور اسے اس کی جگہ سے سرکانے لگتا ہے۔اس وجہ سے انسان کے دوسرے کام متاثر ہوتے ہیں۔جیسے یادداشت وغیرہ۔''

''یعنی منجی اوما اصل میں سر کی ہڈی کا ٹیومر ہے۔برین کا نہیں۔''

''یہی سمجھ لو۔اور رہا گلائیوما تو...''انہوں نے دوسری طرف کا چھلکا بھی اتارا تو اخروٹ کی گول مکمل گری ہاتھ میں آ گئی۔''یہ گری تمہارا برین ہے۔اس گری کے اندر بننے والا ٹیومر گلائیوما کہلاتا ہے کیونکہ وہ برین سیل سے بنتا ہے۔وہ کسی بیرونی ہڈی یا لیئر کا ٹیومر نہیں ہے بلکہ برین کے''اندر'' کا ٹیومر ہے۔اس لیے گلائیوما کا کوئی علاج نہیں ہوتا نہ اس کی سرجری کا فائدہ ہوتا ہے۔گلائیوما کو نکالیں گے تو ساتھ برین کا کوئی حصہ بھی کٹ جائے گا۔اس سے مریض مفلوج ہو سکتا ہے۔اور گلائیوما مکمل نہیں نکل سکتا۔وہ بہت تیزی سے پھیلتا ہے۔''

''لیکن ماں کو منجی اوما ہے؟''اس نے پھر سے تصدیق چاہی۔

''اصل بات تو برین کھول کے معلوم ہو گی لیکن میں منجی اوما کو پہچانتا ہوں۔یہ گلائیوما نہیں ہے۔ہم اس کو سرجری کر کے نکال لیں گے۔تھوڑا سا حصہ ہمیں اندر چھوڑنا پڑے گا۔لیکن اس کو بڑھنے میں بیس پچیس سال لگیں گے۔ابھی پچھلے اتوار میں نے ایک سات سال کے بچے کی یہی سرجری کی ہے۔''وہ معید کو بتانے لگے۔''اس کی ڈیورا کا کچھ حصہ ریموو کیا ہے کہ وہ ٹیومر بن چکا تھا۔آج وہ ڈسچارج ہو کے ماشاءاللہ گھر چلا گیا ہے۔''

''پھر ہم کب کروائیں سرجری۔''معید پر امید ہو گیا۔البتہ اس کا دل اوپر نیچے ہو رہا تھا۔

''کل لے آؤ۔''وہ اسی عام انداز میں بولے۔

''کل؟''

''بلکہ نہیں۔کل مجھے ایک شادی پہ جانا ہے۔ پرسوں سنڈے کو لے آؤ۔سنڈے ذرا ریلیکس ڈے ہوتا ہے۔صبح نو سے ایک بجے تک میری دو سرجریز ہیں۔ان سے فارغ ہو کے میں تمہاری امی کی سرجری کر لوں گا۔''

وہ بولتے جا رہے تھے۔کشمالہ کو ٹوکنا پڑا۔

''کیا ہم کسی ایسے دن سرجری نہیں کروا سکتے جب آپ صرف ماں کی سرجری کریں؟''

(سرجن تھک گیا ہو گا نا۔ٹیومر نکالتے نکالتے اس کی چھری برین کی کسی شریان پہ لگ گئی ہو گی اور تمہاری نند کی آنکھیں چلی گئیں۔)

ڈاکٹر واصف نے صرف ایک نظر اس پہ ڈالی اور واپس معید سے بات کرنے لگے۔وہ مزید کچھ کہتی لیکن معید نے اس کے پیر کو اپنے جوتے سے دبایا۔

''سنڈے کو انہیں لے آؤ۔صبح چھ بجے این پی او کروا لینا۔پچھلے رات ذیابطیس کی دوا نہیں دینی۔نہ انسولین لگانی ہے۔''وہ ہدایات دے رہے تھے اور مالا شدید غیر آرام دہ تھی۔کیا تھا یہ آدمی۔ مطلب میری ماں کی سرجری ہے'کوئی مذاق نہیں۔آپریشن ٹیبل ہے یا قصائی کی دکان کہ ایک کے بعد ایک جانور آتا جائے گا اور میں کھٹ کھٹ اس کی سرجری کرتا جاؤں گا۔

اس نے باہر نکلتے ہی معید کو کہنی سے پکڑ کے روکا۔

''معید ہم اتنی جلدی کیوں سرجری کروا رہے ہیں؟''

''ابھی میں نے فیصلہ نہیں کیا رات تک فیصلہ کریں گے۔اور جلدی کرنی ہے'مالا۔ ماں کے برین پہ جتنا پریشر پڑے گا اتنا وہ اپنے اعضا کھوتی جائیں گی۔اور کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ کھوئے ہوئے اعضاء آپریشن کے بعد واپس آ جائیں۔''

''مگر ڈاکٹر دو سرجریز سے تھک کے ماں کی سرجری کیسے کریں گے؟''

''یار وہ نیورو سرجن ہے۔ اس سے کہیں زیادہ سرجریز ایک دن میں کر سکتے ہیں۔''وہ دونوں کلینک کے باہر پارکنگ ایریا میں کھڑے بحث کر رہے تھے۔

''اوپر سے rude کتنے ہیں۔''

''اب تم نان ڈاکٹرز کو یہ بات بری لگے یا اچھی۔مگر یاد رکھو۔سرجن جتنا قابل ہو گا'اس میں اتنا ایٹی ٹیوڈ ہو گا۔

ایٹی ٹیوڈ سرجن کی نشانی ہوتا ہے۔" سرجن معید گردن کڑا کے بولا تھا۔مگر اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔اسے ابھی تک یقین نہیں آیا تھا کہ ماں کو منجیو ماتھا۔

"کیا پتہ ماں کو گلائیو ماہو۔اور وہ آپریشن کے پیسوں کے لیے اسے منجی اوما بتار ہے ہوں۔"

"میری بہن... آپریشن کی فیس آٹھ لاکھ روپے ہے۔اس میں سے ساڑھے پانچ لاکھ ہسپتال کو جائیں گے۔ سرجن کو صرف دو ڈھائی لاکھ جائے گا۔"

"ہاں تو ڈھائی لاکھ بڑی رقم ہے۔"

"یہ سامنے آوڈی دیکھ رہی ہو۔" اس نے ایک سمت میں اشارہ کیا تو مالا مڑ کے دیکھنے لگی۔وہاں ایک چمکتی ہوئی کار کھڑی تھی۔

"یہ ڈیڑھ کروڑ کی آوڈی ڈاکٹر واصف کی ہے۔جس آدمی کے پاس یہ کار ہو اسے ہمارے ڈھائی لاکھ نہیں چاہیے ہیں۔اگر واصف نصیر کہہ رہا ہے کہ یہ منجی اوما ہے تو یہ منجی اوما ہے۔" پھر ہاتھ کو کھول بند کر کے اشارہ کیا۔"quack quack" اور وہ آگے بڑھ گیا۔

ماہی اس رات سوئی نہیں تھی۔وہ نماز کے بعد بیڈ پہ بیٹھی تھی۔سر پہ دوپٹہ لپیٹے وہ ہاتھ میں مسنون دعاؤں کی کتاب اٹھائے دعائیں پڑھے جا رہی تھی۔آج مالا اور معید نے کسی امریکن سرجن کے پاس جانا تھا۔ماہی ان کے جانے سے پہلے ہی ڈاکٹر واصف کو گوگل کر کے ان کے انٹرویوز' آرٹیکلز اور دوسری معلومات پڑھ چکی تھی۔وہ مائیو کلینک سے منسلک رہے تھے۔وہ عام سرجن نہیں تھے۔اسے ان کی تشخیص کا انتظار تھا۔

ایسے میں جیسے ہی مالا کے میسج ٹون بجی اس نے بے قراری سے موبائل اٹھایا۔

"ماں کو منجیو ما ہے۔گلائیو ما نہیں۔"

ماہی نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔وہ کہتی تھی نا ماں کا علاج ہو جائے گا۔ماں کا ٹیومر موذی نہیں ہوگا۔اس کی دعائیں قبول ہوئی تھیں۔یہ ایک نشانی تھی۔اب اسے مزید دعا مانگنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کھڑکی پہ گرنے والی بوندوں کی رفتار سست پڑ گئی تھی البتہ بارش ابھی تھمی نہیں تھی۔

اسکیچ بک ان کے درمیان کھلی رکھی تھی اور اس پہ موجود بچے کی تصویر مسکرا رہی تھی۔

ایسی شیطانی مسکراہٹ تم نے شاید ہی کہیں دیکھی ہو۔

''یورپین کلچرز میں اس بچے کے بارے میں مختلف کہانیاں مشہور ہیں۔''

ڈاکٹر رائد بات کو جاری رکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔اور وہ غور سے سن رہی تھی۔

''لیکن ان کا لب لباب یہ ہے کہ پریاں ایک نئے پیدا ہونے والے بچے کو اغوا کر کے اس کی جگہ پنگھوڑے میں اس شیطانی بچے یعنی changelling کو ڈال جاتی ہیں۔تبدیل کیا ہوا بچہ۔مگر ہم مسلمان ہیں اور ہم پریوں پہ یقین نہیں رکھتے۔اس لیے میرے ناقص علم کے مطابق یہ بچہ شیطان یا جن کو ظاہر کرتا ہے۔اور اس کا خواب میں آنے شیطانی عملیات کی طرف اشارہ کر سکتا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے برے خواب نہیں بتانے چاہیے ہیں۔لیکن میں اس خواب کو غلطی سے پہلے ہی بیان کر چکی ہوں۔اس لیے آپ کو بتائے دیتی ہوں۔''

ماہی نے کھڑکی کے شیشے کو دیکھا جو پانی کے قطروں سے بھرا تھا۔پل بھر کے لیے ان قطروں میں اس کے خوابوں کا عکس ابھرنے لگا۔

''مجھے خواب میں نظر آیا کہ یہ بچہ جس کی عمر تین چار برس سے زیادہ نہیں لگتی' ہمارے گھر کے گرد چکر کاٹ رہا ہے۔اور ساتھ ہی یہ ہنستا جا رہا ہے۔اس کی ہنسی.....اس کی کھلی آنکھوں کی چمک.....میں یہ کبھی نہیں بھول سکتی۔''

ماہی کی آواز میں ایک دم بہت سے جذبات اکٹھے ہو گئے۔خوف۔بے بسی۔نفرت۔

''میں آگے بڑھ کے اس کو گردن سے پکڑ لیتی ہوں۔پھر آیت الکرسی پڑھتے ہوئے اس کا گلا دبانے کی کوشش کرتی ہوں لیکن وہ نہیں مرتا۔وہ ہنستا جاتا ہے۔میری بہن مالا نے دیکھا کہ یہ بچہ اس کے اور ماں کے درمیان میں آ کے لیٹ جاتا ہے۔وہ اس کا گلا دبانے کی کوشش کرتی ہے لیکن وہ نہیں مرتا۔ہنستا جاتا ہے۔ماں نے دیکھا کہ یہ بچہ ان کے تکیے کے نیچے سے کچھ چرا کے بھاگ جاتا ہے۔''اس نے آنکھیں بند کیں۔ذہن کے شیشے پہ بھی قطرے پھیلے تھے جن میں اس کے خواب کھڑے اس پہ ہنس رہے تھے۔

''دو ماہ قبل مجھے خواب میں یہ بچہ اپنے چارسدہ والے آبائی گھر کے صحن میں نظر آیا۔میں اس کو پھر سے مارنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن وہ نہیں مرتا۔'' اس نے آنکھیں کھولیں۔''یہ خواب ہم سب کو الگ الگ آئے۔ایک دوسرے کا سن کر نہیں۔مالا نے مجھے اپنا خواب سنایا تو میں نے اسے اپنے خواب بتائے۔''

''لیکن پھر بھی آپ کی بہن جادو کو نہیں مانتی؟''

''نہیں۔وہ کہتی ہے کہ خواب سے پہلے اس نے کوئی ہارر فلم دیکھی تھی۔یقیناً اسی کا اثر تھا۔وہ اس موضوع پہ

بات ہی نہیں کرتی۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ کوئی میری بہن پہ جادو کر رہا ہے۔ کیونکہ اسی کے ساتھ سارے واقعات ہوتے ہیں۔ خون آنا۔ کسی کا پیچھا کرنا۔" وہ بے بسی سے کہہ رہی تھی۔

"خواب سے زیادہ خواب کی وائب اہم ہوتی ہے۔ جب آپ خواب میں اس بچے کو دیکھتی ہیں تو آپ کیا محسوس کرتی ہیں؟"

ماہی نے آنکھیں بند کیں۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ سارے قطرے اندر ہی اندر بہہ کے فنا ہو گئے۔

"میں خوف سے سوچتی ہوں کہ یہ بچہ میرا خاندان تباہ کر دے گا۔" اس نے بھیگی پلکیں کھولیں۔

"خاندان تباہ کرنے والا جادو۔" انہوں نے سمجھ کے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ ایک مشہور جادو ہے۔ مگر ضروری نہیں ہے کہ آپ کی بہن پہ جادو ہو۔ جادو کی علامات بہت واضح ہوتی ہیں۔ ہم ان سے اس مرض کی تشخیص کر سکتے ہیں۔"

"جادو مرض ہے کیا؟"

"اور نہیں تو کیا۔ یہ مرض ہی ہے۔ بس اس کا علاج خود کرنا ہوتا ہے۔ ہم علاج پہ بات کریں گے۔ پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ کی بہن کے کتنے بچے ہیں؟"

وہ چونکی۔ "نہیں۔ اس کے بچے نہیں ہیں۔ مطلب وہ غیر شادی شدہ ہے۔"

"اوہ۔" وہ خاموش ہو گئے۔ ماہی کے اندر الارم سا جلنے بجھنے لگا۔

"کیوں؟ آپ نے یہ کیوں پوچھا؟"

"آپ نے خاندان کو تباہ کرنے والے جادو کا ذکر کیا تو مجھے لگا آپ کی بہن کی اپنی فیملی ہے۔" وہ عام سے انداز میں کہہ رہے تھے جیسے ڈاکٹرز بخار کی دوا تجویز کرتے ہیں۔

"کیونکہ فیملی میجک عموماً گھر کی بیٹی سے نہیں شروع ہوتا۔"

ماہی کا سانس جہاں تھا وہیں رک گیا۔ لمحے بھر کو ساری دنیا تھم گئی۔

"وہ گھر کی ماں سے شروع ہوتا ہے۔"

ماہی بنا پلک جھپکائے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"اگر بچے موتی ہیں تو ماں وہ مالا ہے جو اپنے خاندان کو جوڑ کے رکھتی ہے اور اس مالا کے ٹوٹنے پہ سارے موتی بکھر جاتے ہیں۔ جادوگر نے جب کسی خاندان کو تباہ کرنا ہو تو وہ پہلے اس کی ماں پہ حملہ کرتا ہے۔"

''کیسے؟''اس کی رنگت سفید پڑنے لگی۔

''اسے سحر المرض کہتے ہیں۔ بیماری کا جادو۔ خاندان کی ماں اچانک بیمار پڑ جاتی ہے۔اس کو کوئی ایسا موذی مرض لاحق ہو جاتا ہے جو علاج سے بھی رفع نہیں ہوتا۔ ماں دیکھتے ہی دیکھتے ختم ہو جاتی ہے۔ یہ جادو منتقل ہونے والا جادو ہے۔ٹرانسفرایبل میجک۔ یہ ماں کے بعد اس کی اولاد میں منتقل ہو جاتا ہے۔عموماً اس اولاد میں جو جسمانی طور پہ ماں کے سب سے قریب ہوتی ہے۔''

پھر وہ اس کا چہرہ دیکھ کے مسکرائے۔

''ابھی سے ڈر گئیں' ماہ بینہ؟''

''میری ماں... ''اس کا سانس نہیں آرہا تھا۔''میری ماں بیمار ہیں۔ کیا یہ جادو سے ہے؟''

''شاید ہاں۔ شاید نہیں۔ آپ یہ وثوق سے کبھی بھی نہیں جان پائیں گی۔ اسی لیے علماء جادو کے بارے میں ہر وقت بات نہیں کرتے۔ جس کی بھی ماں بیمار ہو' وہ سمجھے گا کہ اس پہ جادو کیا جا رہا ہے۔ ایسے میں انسان خوف اور وہم کا شکار ہو جاتا ہے۔''اس کا چہرہ دیکھ کے تسلی دی۔

''ضروری نہیں ہے کہ آپ کی ماں پہ جادو ہو۔ ہر بیماری جادو سے نہیں ہوتی۔''

''مگر مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ میری ماں کی بیماری جادو سے ہے یا نہیں؟''

''اس کا اندازہ لگانے کے لیے آپ کو اپنی ماں کے مرض کی تشخیص کرنی ہو گی۔ جادو کی علامات ہوتی ہیں۔ اگر وہ علامات آپ کی ماں میں نہیں ہیں' تو ان کی بیماری محض ایک بیماری ہے۔ اگر ہیں' تو آپ کو ان کا علاج کرنا ہو گا۔ جسمانی کے ساتھ ساتھ روحانی علاج بھی۔''

ماہی کو اپنی ٹانگیں کمزور پڑتی محسوس ہو رہی تھیں۔ کیا وہ مزید یہ سب سن سکتی تھی؟ یا وہ یہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر واصف کے کلینک سے واپسی پہ وہ گھر آئی تو کیف وہاں موجود نہیں تھا۔ یہ اس کی بریک کا وقت تھا۔ ہر روز پانچ گھنٹے کی بریک جس میں وہ نہ جانے کیا کرتا تھا۔ وہ بھی اس کا آج سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کی کل والی بات پہ وہ عجیب کیفیات کا شکار ہو چکی تھی۔

ڈائننگ ٹیبل پہ ماں اپنی وہیل چیئر کے ساتھ موجود تھیں۔ بخت بی کھانا لگا رہی تھی۔ معید وہیں بیٹھ گیا اور ماں

کے لیے خود سالن نکالنے لگا۔ وہ اتنی نقاہت زدہ اور کمزور لگ رہی تھیں کہ انہوں نے اس کی آمد محسوس نہیں کی۔ وہ بھی وہاں نہیں رکی۔ موبائل لیے اوپر اسٹوڈیو میں جانے لگی۔ پھر رک گئی۔

رات اس کا کہا وہ ایک فقرہ شاید اسٹوڈیو کی دیواروں میں امر ہو گیا ہو۔ وہ وہاں جائے گی تو سنائی دے گا۔

وہ کمرے میں آ گئی اور کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کے صفورا کو کال ملائی۔

''یہ کیف کیسا آدمی ہے؟ بطور آدمی؟'' زور دے کر پوچھا۔ نظریں کھڑکی سے باہر نظر آتی گارڈ کی خالی چیئر پہ جمی تھیں۔

''لوزر ہے۔ اور کیا؟'' صفورا نے ساتھ ہونہہ بھی کیا تھا۔

''ایسے نہ کہو صفورا۔ ہم سب اس فیز سے گزرے ہیں جب ہم بزنس پلان بنا رہے ہوتے تھے۔ اس نے کافی دیر کر دی ہے لیکن وہ کوشش تو کر رہا ہے نا۔'' اسے خود بھی توقع نہیں تھی کہ وہ اس کا دفاع کرنے لگ جائے گی۔ اس نے تو کسی اور بات کے لیے فون کیا تھا۔

''یار وہ کئی سال سے بزنس پلانز ہی بنا رہا ہے۔ اس کے پلان کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ ہمیشہ مقروض ہوتا ہے۔ مسئلوں میں پھنسا ہوا۔''

''میں کسی اور لحاظ سے پوچھ رہی ہوں۔''

صفورا چونکی۔ ''کیا اس نے کوئی بدتمیزی کی ہے؟ میں بات کرتی ہوں اس سے۔'' صفورا کے اندر کی فیمینسٹ بھڑک اٹھی۔

''صفورا ایسا کچھ نہیں ہے۔ اور میں اپنے لیے خود بول سکتی ہوں۔ میں اتنے سالوں سے مردوں کے ساتھ کام کر رہی ہوں۔ مجھے معلوم ہے ان کے ایڈوانسز کے ساتھ کیسے ڈیل کرنا ہے۔ میں صرف یہ پوچھ رہی ہوں کہ بطور آدمی کیف کیسا ہے؟''

''کیف فلرٹ سا ہے۔ امیر لڑکیوں کے ساتھ دوستی کرنے کا شوقین۔ میں نے اس کو بہت دفعہ اسلام آباد کے ایلیٹ ریستورانوں میں لڑکیوں کے ساتھ گھومتے دیکھا ہے۔''

''وہ امیر لڑکیوں کے ساتھ دوستی کیسے افورڈ کرتا ہے؟''

''امیر لوگوں سے دوستی آسان ہوتی ہے کیونکہ ہمیشہ امیر دوست پے کرتا ہے۔ ساری دنیا کی ایلیٹ کلاس اسی ایک اصول پہ چلتی ہے۔ کوئی غریب دوست کو نہیں کہتا کہ پے کرو۔''

پھر صفورا رکی۔" مجھے بتاؤ اس نے کوئی بدتمیزی کی ہے؟"

"نہیں۔ میں بس جاننا چاہتی تھی کہ اس کی بات پہ مجھے کتنا اعتبار کرنا چاہیے۔ تم اس کو کچھ مت کہنا۔" اس نے خاص صفورا کو تاکید کی۔ لیکن دور اندر اسے معلوم تھا کہ صفورا کیف کو ضرور فون کھڑکائے گی۔ اُف یہ اس نے کیا کر دیا۔

کیف نے اسے کنفیوژڈ کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج صبح سے اس نے کشمالہ کا سامنا نہیں کیا تھا۔ اس کی واپسی سے پہلے ہی وہ مبین منزل سے نکل چکا تھا۔ اس کا رخ گلبرگ کی ایک لگژری اپارٹمنٹ بلڈنگ کی جانب تھا۔

لاہور آتے ہی مالک نے اسے اپنے ایک اپارٹمنٹ کی چابی دے دی تھی۔ وہ خالی پڑا تھا۔ مالک کبھی کبھی لاہور آتا تھا۔ کیف وہاں اپنے پلان پہ کام کر سکتا تھا۔ دو ماہ کی بات تھی۔ بظاہر وہ مبین منزل کی بیسمنٹ کے اس کولر والے کمرے میں قیام پذیر تھا لیکن درحقیقت وہ یہاں اس اپارٹمنٹ میں رہ رہا تھا۔

عمارت میں داخل ہوتے ہی ریسپشن ڈیسک کے پیچھے بیٹھی لڑکی نظر آئی جس نے مسکرا کے سر کی جنبش سے کیف کو خوش آمدید کہا۔ کیف نے مسکرا کے اسی کے انداز میں سر ہلایا اور لفٹ کی طرف آ گیا۔

والٹ سے اس نے اپارٹمنٹ کا کی کارڈ نکالا' اور لفٹ میں داخل ہوتے ہی پانچ کا بٹن دبایا۔ اسی وقت فون بجنے لگا۔

اس نے فون کان سے لگا کے ہیلو کہا لیکن دوسری جانب سے کہے جانے والے الفاظ سن کے چہرے کے تاثرات سنجیدہ ہوتے گئے۔

"ہوں۔" وہ لفٹ سے نکلا اور کارڈ ہاتھ میں لیے کاریڈور میں آگے بڑھتا گیا۔ سفید مرمریں ٹائلز سے مزین کاریڈور کی بتیاں اس کے قدموں کے ساتھ جلتی گئیں۔

"میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔" ایک اپارٹمنٹ ڈور کے سامنے وہ رکا۔ سیاہ دروازے پہ سنہرے براس سے لکھا تھا۔

فائیو سی۔

"انہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" اس نے ہینڈل سینسر کے ساتھ کارڈ لگایا تو بپ کے ساتھ دروازہ کھل گیا۔ وہ

اندر داخل ہوا اور کارڈ ہولڈر میں لگا دیا۔ اندر ایک خوبصورت اور روشن اپارٹمنٹ اس کا منتظر تھا۔

''بہر حال میں آئیندہ احتیاط کروں گا کہ ایسا کچھ نہ ہو۔'' وہ راہداری میں آگے آیا اور فون کان سے ہٹایا۔ پھر زور سے فون صوفے پہ دے مارا۔ فون صوفے سے ٹکرا کے زمین پہ جا گرا۔ اسکرین پروٹیکٹر کے اوپر مکڑی کے جالے جیسی دراڑیں پڑ گئیں۔

وہ راہداری عبور کر کے ایک بیڈروم میں آیا۔ وہ سرمئی رنگ سے سجا تھا۔ خوبصورت اور نفیس۔ کسی ہوٹل روم کی طرح۔

کیف سیدھا باتھ روم میں آیا اور واش بیسن کے اوپر کھڑے ہوئے اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھا۔ مٹھی زور سے بند کی جیسے آئینے کو ایک گھونسے سے توڑ دینا چاہتا ہو۔ لیکن پھر آنکھیں بند کر کے چند گہرے سانس لیے۔

''مجھے وہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں اپنا فوکس لوز کر رہا ہوں۔ مجھے فوکس لوز نہیں کرنا۔''

بھوری آنکھیں کھول کے اپنا عکس دیکھا۔

''فوکس لوز نہیں کرنا۔''

اس نے نل کے نیچے ہاتھ کیے تو ٹھنڈی دھار گرنے لگی۔ تیز پریشر سے ہاتھوں پہ پانی کے بلبلے بننے لگے۔ اس نے جھک کے بہت سا پانی چہرے پہ ڈالا۔ پھر سیدھا کھڑا ہوا تو پانی تھوڑی سے نیچے بہتا ہوا گریبان میں جذب ہونے لگا۔

''فوکس لوز نہیں کرنا۔'' اپنی بھوری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے خود کو یاد کروایا۔ ''یہ لڑکی میری کچھ نہیں ہے۔ مجھے جلد از جلد یہاں سے کام مکمل کر کے نکلنا ہے۔ مجھے اس کے بارے میں نہیں سوچنا۔''

تولیہ اٹھا کے چہرہ رگڑا اور پھر باہر نکلا۔ بیڈروم کی دیوار پہ ایک کیلنڈر آویزاں تھا۔ کیف کی نظریں اس کیلنڈر پہ ٹھہر گئیں۔

وہاں دو تاریخوں کے گرد دائرے بنے تھے۔ ایک تاریخ دس جون کی تھی۔ جب اس نے کشمالہ کی جاب سے استعفیٰ دینا تھا۔

دوسری تاریخ پندرہ جولائی کی تھی۔ اس کے گرد ایک بڑا سا سرخ نشان لگا تھا۔

فوکس لوز نہیں کرنا۔ اس نے تولیہ ایک طرف اچھال دیا۔ اس کا رخ لاؤنج کی جانب تھا جہاں اسے بیٹھ کے کام کرنا تھا۔ اس کا یہ نیا پروجیکٹ پلان ناکام نہیں ہونا چاہیے۔ وہ اپنی پوری محنت کرے گا۔ وہ کسی کو یہ کہنے کا موقع

نہیں دے گا کہ کیف ایک failure ہے۔

کشمالہ مبین کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے وہ کچن میں نصب کافی مشین کی طرف بڑھ گیا۔اس کے پاس ساڑھے چار گھنٹے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس رات ماں کچھ بہتر محسوس کر رہی تھیں۔ باتیں اسی طرح بھول رہی تھیں لیکن افطار کے بعد وہ انہیں لاؤنج میں لے کر آئی اور ٹی وی کے سامنے بٹھایا تو ماں نے غور سے اپنی بوڑھی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''تمہارے دانے نکل رہے ہیں۔''

وہ چونک گئی۔ کتنے دن سے آئینے میں ڈھنگ سے دیکھنا چھوڑ دیا تھا۔فوراً اٹھی اور لاؤنج کی دیوار پہ لگی آرائشی آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ ملگجا لباس۔ بندھے بال۔ چہرہ دائیں بائیں موڑا۔ دو دانے۔ کیا یہ وہی کشمالہ تھی؟

مگر زندگی بھی تو بدل گئی تھی۔ ماں بیمار ہو جائے تو کچھ بھی ویسا نہیں رہتا۔

اس نے پلٹ کے لاؤنج پہ نظر ڈالی۔ ماں وہیل چیئر پہ بیٹھی تھیں۔ نقاہت سے گردن نیچے کیے۔ معید صوفے پہ براجمان تھا۔ موبائل پہ سر جھکائے۔ گود میں ماں کی چند رپورٹس رکھے۔ وہ مختلف ڈاکٹرز کو میسجز اور کالز کر رہا تھا۔

کبھی اس لاؤنج کی حالت مختلف ہوتی تھی۔ ماں تخت پہ بیٹھی سبزی کاٹ رہی ہوتی تھیں۔ مالا ایک طرف کتابیں پھیلائے ان میں سر دیے بیٹھی ہوتی۔ ماہی دوسری طرف نیل پالش اٹھائے پیروں کو سجا رہی ہوتی۔ یکدم گھنٹی بجتی تو ٹین ایج معید بھاگ کے باہر جاتا۔ واپسی پہ اس کے ہاتھ میں خوشبو اڑاتے پلاؤ کی پلیٹ ہوتی۔ ہمسائے والی دردانہ آنٹی کے پلاؤ کی خوشبو پہ سب سر اٹھاتے۔ اور بھاگ کے ماں کے تخت کے گرد جمع ہو جاتے۔ ماں پلاؤ کی پلیٹ درمیان میں رکھتیں۔ پھر ڈھکی ہوئی پلیٹ اٹھاتیں تو بھاپ اور خوشبو ایک ساتھ باہر آتے۔ وہ چاروں بسم اللہ کر کے جلدی جلدی کھانے لگتے۔ اس میں ایک ہی بوٹی ہوتی اور وہ من وسلویٰ سے لذیذ ہوتی۔ چاہے اس دن گھر میں ماں نے دیگچا بھر کے پلاؤ بنایا ہو جو مزہ اس ہمسائیوں کی پلیٹ کا تھا' وہ کہیں اور نہیں تھا۔ وہ آسان دن تھے۔ تب چہرے کے دانوں' اور وزن کے بارے میں فکر نہیں ہوتی تھی۔

بخت بی کی آواز پہ اس کا ارتکاز ٹوٹا۔ معید بھی رپورٹس سے سر اٹھا کے دیکھنے لگا۔

''باہر آپ کی دبئی والی آنٹی آئی ہیں۔'' بخت بی مہمانوں کی کار کو پورچ کے اندر داخل ہوتے دیکھ آئی تھی۔

''اوہ ہاں۔زیاد نے مجھے کال کی تھی کہ وہ آرہے ہیں۔میں بتانا بھول گیا۔''

اُف معید۔اس نے اپنا حلیہ دیکھا۔اتنے میں بخت بی آواز دھیمی کرکے ان کے قریب آئی۔

''ان کو بھی بس قہوہ اور بسکٹ پہ ٹرخا دوں؟''

کشمالہ نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔معید نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب قہوہ بسکٹ؟ ایسے کرتے ہیں مہمانوں کے ساتھ؟ سمجھاؤ یار مالا ان کو۔ماں بیمار کیا ہوئیں' بخت بی کو سارے کام ہی بھول گئے۔'' وہ ڈپٹ کے کہتا اٹھا اور مہمانوں کے استقبال کے لیے باہر نکل گیا۔مالا نے پیر پٹخا۔

''کہا تھا نا معید کے سامنے نہیں کہنا۔اس کو نہیں معلوم کس کو کیسے ڈیل کرنا ہے۔''

''اچھا تو پھر قہوہ اور بسکٹ ہی لاؤں؟''

''اُف بخت بی۔کھانے کی تیاری کریں۔میں کچھ باہر سے بھی آرڈر کرتی ہوں۔''

وہ جھنجھلائی ہوئی کمرے میں آئی۔الماری کھولی۔ہینگرز الٹ پلٹ کیے۔(میری ماں کو برین ٹیومر ہے اور مجھے کپڑوں کی پڑی ہے)؟ لیکن ماں کو ٹیومر نہ ہوتا اور وہ ذہنی طور پہ حاضر ہوتیں تو اس کے گھڑے سے نکال کے پہنے لباس پہ اس کو سو سو صلوٰتیں سناتیں۔اپنا حلیہ درست کرنا اس کی مجبوری تھی۔

وہ باہر آئی تو لیمن گرین لمبی قمیض اور ہم رنگ دوپٹے میں ملبوس تھی۔سفید ٹراؤزرز کے ساتھ سفید ہیلز پہن رکھی تھیں۔بال کیچر میں آدھے بندھے تھے۔دو لٹیں عادتاً چہرے کے اطراف میں گرتی تھیں۔سبز آنکھیں مسکارے سے بجی تھیں۔وہ لاؤنج میں داخل ہوئی تو سب نظریں اس کی طرف اٹھیں۔

نگینہ آنٹی نے مسکرا کے اسے دیکھا۔وہ تخت پہ ماں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔سفید چکن کاری کے دوپٹے کے ہالے میں ان کا اجلا چہرہ بہت منور لگ رہا تھا۔تسبیح پرس کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی۔ان کے گرد ایک اپنائیت کا سا ہالہ تھا جو بہت کم لوگوں کے گرد محسوس ہوتا تھا۔

زیاد ساتھ ایک کرسی پہ بیٹھا تھا۔اس نے جینز پہ آدھے آستین کی سیاہ پولو پہن رکھی تھی۔وہ سب کو سلام کہتی ان کے سامنے ایک سنگل صوفے پہ آبیٹھی۔معید کی کال آگئی تو وہ اٹھ کے باہر نکل گیا۔

''کیسی ہے ہماری بیٹی؟'' نگینہ آنٹی نے محبت اور اپنائیت سے اسے دیکھ کے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں۔'' وہ پھیکا سا مسکرائی۔

''مالا... ''ماں نے آنکھ سے اشارہ کیا۔ ایک تو ماں کی پرانی عادت تھی۔ بھری محفل میں ایسے اشارہ کرتیں کہ ان کے بچوں کو کیا پورے خاندان کو سمجھ آجاتا۔ ''ماہی سے کہو آ بھی جائے۔ آنٹی کو سلام کرے۔''

اس بات پہ سناٹا چھا گیا۔ لیکن اگلے ہی لمحے نگینہ آنٹی بڑے سبھاؤ سے بولیں۔

''ماہی مجھ سے لان میں مل چکی ہے۔ اب کچن میں مصروف ہوگی۔ اس کو نہ بلائیں۔ اچھا بھابھی آپ پھر بتا رہی تھیں اپنی کزن کے بیٹے کا۔''

''ہاں وہ جب سے پیدا ہوا ہے بیمار ہے۔ کچھ دن بعد اس کا آپریشن ہونا ہے۔'' ماں نے قصہ سنانا شروع کیا۔

اس قصے کو دس سال گزر چکے تھے لیکن ماں اپنے ذہن میں اسی پرانے دور میں تھیں۔ جب ماہی اور مالا ٹین ایج لڑکیاں تھیں جو اگر رشتے داروں کے آنے پہ ان سے نہ ملتیں تو یہ انتہائی بدتمیزی شمار ہوتی۔ کاش وہ بھی ایسے ہی گزرے وقت کو واپس لاسکتی۔ اس نے یہ دس سال پڑھائی اور کیریئر میں نہ لگائے ہوتے۔ وہ ماں کے پاس ہوتی۔

وہ بھیگی پلکوں سے ماں کو نگینہ آنٹی سے باتیں کرتے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے قریب کھنکھارا تو مالا نے چونک کے گردن اس طرف موڑی۔ وہ اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھا تھا۔ دھیمی آواز میں اس کو تسلی دی۔

''کشمالہ... وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔''

''مجھے نہیں پتہ۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں؟'' وہ کتنا خوبصورت بولتا تھا۔ مدھم سا۔

''یہی کہ اتوار کی صبح سرجری کروا لیں۔''

''اتنی جلدی؟'' زیاد نے حیرت سے اسے دیکھا۔ ''آپ کو سیکنڈ رائے بھی لینی چاہیے۔ ڈاکٹرز کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔''

''معید کہتا ہے ایسے نہیں ہوتا۔ سرجنز ایسے نہیں کرتے۔'' وہ دونوں دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔

''معید بھی آپ کا بھائی ہے۔ آپ دونوں ہر ایک پہ بہت جلد اعتبار کر لیتے ہیں۔''

''معید کو امید ہے کہ سرجری کامیاب ہوگی۔''

زیاد سلطان ہلکا سا مسکرایا۔ ''ایسے فیصلے امید یا وائب پہ نہیں کرتے۔ سوچ سمجھ کے کرتے ہیں۔ چند دوسرے سرجنز سے مشورہ کریں۔ ہو سکے تو انہیں باہر لے جائیں۔''

وہ چند لمحے یک ٹک اسے دیکھے گئی۔ ذہن میں ایک خیال سر اٹھانے لگا۔

''کسی نے مجھے کہا تھا کہ اگر میں تصور کروں کہ اچھا ہوگا تو اچھا ہی ہوگا۔''

زیاد ہلکا سا ہنس دیا۔

''اور جس کو آپ نے یہ کہتے سنا' کیا اس کے تصورات نے اس کے لیے سب اچھا کر دیا؟''

وہ کچھ بول نہ سکی۔

''تصور کرنے سے ہر چیز ٹھیک ہو جاتی تو ہم سب تصور ہی کرتے رہتے۔ تصور کرنے والے صرف تصور میں جیتے ہیں۔ حقیقی زندگی میں ان لوگوں کا کوئی شیئر نہیں ہوتا۔ آپ کو سوچ سمجھ کے آنٹی کے لیے فیصلہ کرنا ہے۔''

اس کے سامنے بیٹھا شخص ایک کامیاب انسان تھا۔ معاشرے کے کامیاب مرد کے ٹائٹل پہ پورا اترتا تھا۔ یعنی اس نے تیس کا ہندسہ عبور کرنے سے پہلے اپنا گھر بنا لیا تھا۔ کیریئر سیٹ کر لیا تھا۔ شاید وہ درست کہہ رہا تھا۔ انسان تصورات کے سہارے نہیں چل سکتا۔

''کیا میں نے آپ کو پھر سے اداس کر دیا؟'' وہ نرمی سے اس کو دیکھ کے بولا تو وہ چونکی۔ پھر مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

''آپ درست کہہ رہے ہیں۔ تصورات میں جینے والے ہمیشہ ناکام ہی رہتے ہیں۔ لیکن معید بھی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ اس کو سرجنز کے بارے میں مجھے اور آپ سے زیادہ معلوم ہے۔'' اٹل لہجے میں اپنی بات کہہ کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں کچن دیکھ لوں۔''

سفید ہیلد سے چلتی ہوئی وہ کچن میں آئی تو وہاں سلیم برتن نکال رہا تھا۔ کام زیادہ ہونے کی وجہ سے بخت بی اس کو اندر بلا لیا کرتی تھیں۔ خود بخت بی ڈرٹی کچن میں کھڑی کچھ تلنے میں مصروف تھیں۔ مالا کی متلاشی نظریں کچن کے باہر گیلری کی طرف اٹھیں۔ سرسری سا سوال کیا۔

''کیف واپس نہیں آیا؟''

''نہیں۔'' عجیب سی بے چینی ہونے لگی۔ کہیں صفورا نے اسے کچھ کہہ نہ دیا ہو۔ اُف۔

اس کی غیر موجودگی میں ماں نگینہ بیگم سے زیاد کی منگیتر کے انتقال پہ افسوس کر رہی تھیں۔

''بس بہن کیا بتاؤں۔'' نگینہ آنٹی گہرے دکھ سے بولیں۔ ''اتنی پیاری بچی تھی وہ۔ انگلینڈ میں پڑھائی کر رہی تھی۔ اس کی سالگرہ تھی اس دن۔ بیکری سے کیک لینے جا رہی تھی کہ ایک امیر بوڑھے نے اپنی کار سے اس کی کار کو

ٹکر ماردی۔''

''چچ چچ... ''ماں نے افسوس سے انہیں دیکھا۔''اس بوڑھے پہ کیس وغیرہ نہیں چلا؟''

''کہاں؟ اس کے نفسیاتی بیٹے نے الٹا ہماری بچی پہ الزام لگایا کہ اس نے بوڑھے کو ٹکر ماری ہے۔ زیاد کا ویزہ نہیں تھا اس لیے وہ یو کے نہیں جا سکا۔ ہم سبرینہ کے گھر والوں کے لیے کچھ نہیں کر سکے۔ اس بوڑھے کے نفسیاتی خاندان نے ان لوگوں کو بہت ہراس کیا۔ تنگ آ کے وہ لوگ پاکستان واپس شفٹ ہو گئے۔''

سارے لاؤنج میں افسردہ سی خاموشی چھا گئی۔

''ڈیٹس سوسیڈ۔''معید کھنکھارا۔''کتنا عرصہ ہو گیا اس بات کو؟''

''یہی ڈیڑھ پونے دو سال۔''نگینہ آنٹی یاد کر کے کہنے لگیں۔

''دو سال تین ماہ۔''زیاد ایک دم بولا۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔ نگینہ بیگم نے افسوس سے اپنے بیٹے کو دیکھا اور گہری سانس لی۔

معید نے بات بدل دی اور تھوڑی دیر میں وہ سب اس قصے کو بھلا کے دوسری باتیں کرنے لگے۔

کشمالہ ان سے بے خبر ڈائننگ روم میں برتن سیٹ کروا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان کے جانے کے بعد اس نے ماں کو دوا دے کر سلا دیا۔ اور پھر خود لان میں آ گئی۔ اسے کیف کا انتظار تھا۔

قریباً رات کے گیارہ بج رہے تھے جب گیٹ میں چابی لگنے کی آواز آئی۔ پھر دروازہ آہستہ سے کھلا۔ کیف نے اندر قدم رکھا اور مڑ کے آہستہ سے دروازہ بند کرنے لگا۔

''تم لیٹ ہو۔''

وہ آرام سے پلٹا اور اس طرف دیکھا۔

تاریک لان کو مصنوعی روشنیوں نے منور رکھا تھا۔ وسط میں رکھی لان چیئر پہ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی برہمی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کیف نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''آپ مہمانوں میں بزی تھیں۔ وہ گئے تو میں آ گیا۔''عام لہجے میں کہتا ہوا وہ لان کی طرف آیا۔ ساتھ ہی انگلیوں میں چابی گھما رہا تھا۔

سی سی ٹی وی کیمروں کی ایپ کی رسائی کیف کے پاس بھی تھی۔ وہ اپنے فون کے ذریعے گھر کے داخلی دروازوں

پہ نظر رکھ سکتا تھا۔

''اس بات کا لیٹ ہونے سے کیا تعلق ہے؟'' سختی سے کہتی وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے عین مقابل آ کھڑا ہوا۔ چہرہ بے تاثر تھا جیسے کل کی بات اسے یاد تک نہ ہو۔

دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ وہ دراز قد تھا۔ اسے گردن قدرے اٹھا کے کیف کو دیکھنا پڑ رہا تھا۔

''مجھے کام تھا۔'' اس کی آنکھیں کسی قسم کی معذرت سے خالی تھا۔ ''اسی لیے لیٹ ہو گیا۔''

''دوبارہ مت ہونا۔''

''ورنہ؟'' کیف نے ابرو اٹھا کے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''ورنہ میں کسی اور کو ہائر کرلوں گی جو میری بات مانتا ہوگا۔'' اسے غصہ آنے لگا اور اسے غصہ کم ہی آتا تھا۔ ''کام مشکل لگنے لگا ہے تو بتا دو۔ میں کسی کو زبردستی رکھنے کی قائل نہیں ہوں۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا۔ گال کا گڑھا گہرا ہوا۔

''آپ مجھے نکالنے کا بہانہ ڈھونڈ رہی ہیں؟''

''یا شاید تم جادو اور جنات سے ڈر گئے ہو۔''

طنز سے کہتے ہوئے کشمالہ نے سر جھٹکا اور مڑ کے پورچ کی طرف بڑھ گئی۔

''تین ہزار افراد کی کمپنی۔''

وہ پیچھے سے پکار کے بولا تو وہ وہیں رک گئی۔ مڑ کے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''کیا؟''

''میں یہ تصور کرتا ہوں۔'' گھاس پہ کھڑا نوجوان زخمی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''کہ ایک دن میں ایک ایسی کمپنی کا سی ای او ہوں گا جس میں تین ہزار افراد کام کرتے ہوں گے۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے۔ کاش جب آپ مجھ سے یہ سوال پوچھتیں، میں کم از کم تیس افراد کی کمپنی کا مالک ہوتا۔ تب شاید میرا تصور سننے پہ آپ کو ہنسی نہ آتی۔ ابھی آئے گی۔''

اس کے چہرے پہ سادگی تھی۔ سچائی تھی۔ مسکراہٹ تھی۔

کشمالہ کے کندھوں سے منوں بوجھ اتر گیا۔ تو یہ مطلب تھا اس کا۔ وہ بھی کیا سوچنے لگی تھی۔ کیف ایک ڈیسنٹ انسان تھا اور اس کا ایسا کوئی مطلب نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

''پھر تصور سے نکل کے کام کرنا شروع کرو۔''

''مجھے تین دن کی چھٹی چاہیے۔'' وہ تیزی سے بولا اس سے پہلے کہ وہ اندر نہ چلی جائے۔ کشمالہ کے ابرو اچھنبے سے اکٹھے ہوئے۔

''اسلام آباد جانا ہے۔ زارا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

وہ چونکی۔ یہ نام۔

''زارا؟''

''میری بیوی۔'' وہ اسی سادگی سے مسکرا کے بولا۔

کشمالہ کے چہرے پہ چونک جانے کا تاثر بہت واضح تھا۔

''اوہ۔'' سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔ شاک بہت بڑا تھا۔

''تم نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ کیا زیادہ طبیعت خراب ہے؟'' سرسری سے انداز میں پوچھنے لگی۔

''میں اس کا ذکر کسی سے نہیں کرتا کیونکہ ہم نے گھر والوں کو بغیر بتائے نکاح کیا تھا۔'' وہ دونوں چند گز کے فاصلے پہ کھڑے تھے۔ اوپر آسمان تاریک تھا اور قدموں میں گھاس بچھی تھی۔ ''دراصل میری فیملی راضی نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں یہ قدم اٹھانا پڑا۔ میرے گھر والوں کو ابھی تک نہیں معلوم۔ لیکن ہم آہستہ آہستہ ان کو منا لیں گے۔ آپ کو اس لیے بتا رہا ہوں کہ میں کوئی lame قسم کا بہانہ بنا کے چھٹی نہیں مانگنا چاہتا۔''

''شیور۔'' اس نے بدقت اپنے تاثرات نارمل رکھے۔ ''تم تین دن آف کر لو۔ نو پرابلم۔ ویسے بھی ماں کی سرجری ہے۔ ہم ہسپتال میں ہوں گے۔ تمہاری ضرورت نہیں ہوگی۔''

فراخ دلی سے کہہ کے لیموں رنگ کے لباس والی لڑکی مڑی اور اندر گم ہوگئی۔

کیف کی مسکراہٹ غائب ہوگئی۔۔ وہ اس کے چہرے کا شاک دیکھ چکا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ کیا سوچ رہی ہوگی۔

چند لمحے وہ وہیں کھڑا اس دروازے کو دیکھتا رہا جسے وہ بند کر کے گئی تھی۔

یہ دروازہ بند رہنا چاہیے تھا۔ اسے فوکس لوز نہیں کرنا۔ اس نے اپنا سبق دہرایا۔

اندر کمرے میں آتے ہی وہ گہرے گہرے سانس لیتی بیڈ پہ بیٹھ گئی۔ اس کے لب ابھی تک بے یقینی سے کھلے تھے۔

زارا کیف۔ اس لیے اس کا نام زارا کیف تھا۔ وہ اس کی بیوی تھی۔ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا۔ اور وہ صرف

اپنے تصور کی بات کر رہا تھا۔ وہ بھی کیا احمقانہ باتیں سوچنے لگی تھی۔ صفورا ٹھیک کہتی تھی۔ کیف کی دنیا اس سے الگ تھی۔ اور پھر اسے کیف میں دلچسپی تھی بھی نہیں۔

اس نے دہرایا۔ مجھے کیف میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تو بس پتہ نہیں۔ اس نے سر جھٹک کے موبائل اٹھا لیا۔ اسے کیف جمال کو ذہن سے نکالنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سرجری کی صبح ویسی ہی طلوع ہوئی جیسی مئی کی ہر صبح ہوتی تھی۔ گرمی۔ حبس۔ نمی۔

لیکن ان کے لیے وہ صبح ہر صبح جیسی نہ تھی۔

ان کے لیے زندگی میں کبھی ایسی کوئی صبح نہیں آئی تھی۔

ماں کو صبح 3 بجے این پی او کرانا تھا۔ NPO یعنی Nil per os لاطینی زبان کی اصطلاح تھی جس کا مطلب تھا nothing by mouth۔ منہ سے کچھ نہیں دینا۔ سرجری سے کچھ گھنٹے پہلے مریض کا کھانا پینا روک دینا ہوتا ہے۔

وہ صبح تین بجے اٹھی اور ماں کو بھی جگایا۔

''ماں اٹھیں۔ میں ناشتہ لاتی ہوں۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے، بیٹے۔'' انہوں نے لیٹے لیٹے آنکھیں بند کر لیں۔ مالا کے دل پہ آنسو گرنے لگے۔ وہ کیسے بتائے ماں کو کہ آپ کی اولاد نے آپ کو بغیر بتائے اتنا بڑا فیصلہ لے لیا ہے۔ ہم آپ کو آپریشن ٹیبل پہ لے کر جا رہے ہیں جہاں انجان لوگ اپنی چھریاں لیے منتظر ہوں گے۔

ذہن میں عجیب عجیب خیال آنے لگے۔ ایسے تو قربانی کے جانور کو لے کر جایا جاتا ہے۔ کیا ہم اپنی ماں کو قربان کرنے جا رہے ہیں۔ ہم نے کیسے اتنا بڑا فیصلہ لے لیا۔

وہ کچن میں آئی۔ چولہا جلایا۔ فرائی پان رکھا۔ ڈبل روٹی کا پیکٹ کھولا اور ایک توس نکالا تو توس نیچے جا گرا۔ وہ فرش پہ توس اٹھانے جھکی اور پھر گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھتی گئی۔ ساتھ ہی وہ بچوں کی طرح رونے لگ گئی۔

وہ اپنی ماں کی سرجری کروانے جا رہے تھے اور ماں کو علم ہی نہیں۔ کیا ان کو یہ حق تھا؟

وہ کیا کر رہے تھے اپنی ماں کے ساتھ؟

وہ ماں کے لیے چائے اور توس بنا کے کمرے میں لائی۔ ان کے بھاری بھرکم وجود کے ساتھ ان کو بٹھانا ایک

کٹھن کام تھا۔ اس نے ان کو بدقت سہارا دے کر بٹھایا۔ ماں بیٹھے بیٹھے سر نقاہت سے جھکائے ہوئے تھیں۔

''میری ماں .... میری پیاری ماں۔'' اس نے نرمی سے ان کے چہرے پہ آئے بال کان کے پیچھے اڑسے۔

ماں نے خوابیدہ آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''بیٹے' مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''شاباش۔ تھوڑا سا کھالیں۔''

انہوں نے جمائی لی۔ پھر بے دلی سے ٹرے کو دیکھا۔ ہاتھ نہیں بڑھایا۔ ماں نہیں کھانا چاہتی تھی۔ مگر کچھ کھلانا ضروری تھا۔ وہ کیسے اپنی ماں کو کھانے پہ راضی کرے؟ ان کی صحت کا حوالہ دے کر؟ لیکن ماں کے لیے اپنی صحت اہم نہیں تھی۔ انہوں نے ساری عمر اپنے بچوں کے آرام کا خیال کیا تھا۔

اوہ۔ وہ چونکی۔

''ماں دیکھیں۔ میں آپ کی وجہ سے اٹھی بیٹھی ہوں۔ پھر مجھے سونا ہے۔ مجھے سارا دن بہت کام کرنے ہیں۔ آپ ناشتہ کریں گی تو میں سوؤں گی نا۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولی۔

گو کہ حورِ جہاں اپنے حال سے غافل کسی اور زمانے میں سفر کر رہی تھیں' لیکن اپنی بیٹی کی بے آرامی پہ وہ چونکیں۔ سبز بوڑھی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر نظریں جھکا لیں اور بس چپ چاپ توس کھانے لگیں۔ مالا کو لگا وہ ان کی ایک نظر وہ کبھی نہیں بھولے گی۔

کیا وہ آخری نظر تھی؟ کیا وہ اپنی ماں کے ساتھ آخری دفعہ ناشتہ کر رہی تھی؟ کیا وہ دونوں کبھی ساتھ بیٹھ کے چائے نہیں پی سکیں گے؟ اس نے اپنی چائے کیوں نہیں بنائی؟ ان دونوں کو ایک چائے ساتھ بیٹھ کے پینی چاہیئے تھی۔

ماں کو واپس سلانے کے بعد وہ ساتھ لیٹ گئی۔ صبح آٹھ بجے ہسپتال جانا تھا۔ نیند آنکھوں سے دور تھی۔ اس نے کروٹ بدل لی۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ دفعتاً میسج ٹون بجی۔ مالا نے چونک کے فون اٹھایا۔ ماں کا میسج آیا تھا۔

why are you crying?

مالا نے حیرت سے کروٹ موڑی۔ ماں لیٹے لیٹے موبائل استعمال کر رہی تھیں۔ اسکرین کی روشنی نیم اندھیرے میں ان کا چہرہ چمکا رہی تھی۔ مالا نے کل ان کو ان کا فون (تمام ٹاکسک رشتے داروں کو بلاک کر کے) واپس کر دیا تھا۔

اس کو اپنی طرف دیکھتے پا کے ماں نے فون رکھ دیا اور آنکھیں موند لیں۔انہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ رو رہی تھی۔اور انہوں نے زبانی کیوں نہیں پوچھا؟ میسیج پہ کیوں پوچھا؟ شاید وہ کبھی نہیں سمجھ پائے گی کیونکہ اس کا برین کسی بھی پریشر سے خالی تھا۔وہ ایک ٹیومر زدہ ذہن کی سوچ نہیں سمجھ سکتا تھا۔اس نے کروٹ بدل لی اور زیرِ لب تسبیح پڑھنے لگی۔**اے شفا دینے والے شفا دے۔اے شفا دینے والے شفا دے۔**

ماہی کے ہاں وہ سہ پہر کا وقت تھا۔وہ اپنے لونگ روم میں صوفے پہ بیٹھی تھی۔تسبیح ہاتھ میں لیے اسکارف سر پہ لپیٹے وہ دعائیں پڑھ رہی تھی۔آنسو بھی ساتھ ساتھ گر رہے تھے۔

وہ گزشتہ روز ڈاکٹر رائد سے مل کے آئی تھی۔اور وہ وہاں سے خالی ہاتھ نہیں آئی تھی۔وہ امید لے کر آئی تھی۔

معید باتھ روم کے آئینے کے سامنے کھڑا اپنا چہرہ دیکھ رہا تھا۔وہ سرجن تھا۔وہ اپنے گھر کا مرد تھا۔اور مرد مرد ہوتا ہے۔وہ گھر کا سربراہ ہوتا ہے۔کچھ بڑے فیصلے گھر کے مرد کو لینے ہوتے ہیں۔اپنی ماں کی سرجری کا فیصلہ اس نے لیا تھا۔یہ فیصلہ اسی کو لینا تھا۔اس کو لاہور کے دو سرجن کہہ چکے تھے کہ یہ گلائیوما ہے۔دو نے کہا تھا منجی اوما ہے لیکن چاروں میں سے کوئی آپریشن کے لیے تیار نہیں تھا اور یہ باتیں اس نے مالا کو نہیں بتائی تھیں۔

صرف ایک سرجن تیار تھا۔وہ تھا واصف نصیر۔

کیا وہ درست فیصلہ کر رہا تھا؟ اگر سرجری کے دوران اس کی ماں کو کچھ ہو گیا تو اس کا ذمہ دار صرف وہی ہو گا۔ماہی اور مالا اسے کبھی معاف نہیں کریں گی۔اور معید کو ساری عمر اس فیصلے کے ساتھ جینا ہو گا۔یہ تھی اس فیصلے کی قیمت۔

لیکن اس فیصلے میں اس کو امید بھی دکھائی دے رہی تھی۔ایک امید کہ اگر سرجری ٹھیک ہو گئی تو ماں پھر سے واپس پہلے جیسی ہو سکتی تھیں۔اور اس ایک امید کے لیے اگر اسے ساری عمر ایک گلٹ کے ساتھ رہنے کا رسک لینا پڑے تو وہ لے گا۔وہ سرجن تھا۔اسے اپنا نہیں ماں کا سوچنا تھا۔

اس نے پانی کے چھینٹے منہ پہ ڈالے۔سارے منظر دھل کے واضح ہو گئے۔

وہ اپنی پوری کوشش کرے گا۔آگے اللہ کے سپرد۔

وہ تینوں اپنی اپنی جگہ شدید خوف کا شکار تھے۔

وہ تینوں اپنی اپنی جگہ بے حد پرامید تھے۔

صبح وہ ماں کو جب کار میں بٹھا رہے تھے تو ماں نے بخت بی کو آواز دی۔

''کریلے فرائی کر کے باہر نہ چھوڑ دینا۔ فریج میں رکھنا۔ ورنہ خراب ہو جائیں گے۔'' ان کو یاد تھا کہ رات بخت بی کریلے چھیل رہی تھی۔ اس کی بری عادت تھی کہ چیزیں فریج کے باہر چھوڑ دیتی تھی۔ بخت بھی نے آنسو صاف کرتے ہوئے سر ہلا دیا۔ سلیم اور وہ دروازے سے انہیں ہاتھ ہلاتے رہے یہاں تک کہ کار باہر نکل گئی۔

کیف گزشتہ روز چلا گیا تھا۔ وہ وہاں کہیں نہیں تھا۔ نہ اس کا کوئی میسج آیا تھا۔

اگلے چند گھنٹے کسی دھندلی سی سلوموشن فلم کی طرح کٹے۔

جب ماں کو پری اوپ وارڈ سے آپریشن تھیٹر میں لے جایا جا رہا تھا' وہ نیم غنودہ سی لیٹی تھیں۔ ہسپتال کا نیلا گاؤن پہنے' اوپر کمبل لیے' وہ بس ٹکر ٹکر اپنے دونوں بچوں کو دیکھ رہی تھیں جو ان کے ساتھ کھڑے تھے۔

''ہم ہسپتال میں کیوں ہیں؟'' وہ بار بار ایک ہی سوال پوچھتیں۔

''کیونکہ آپ کا چیک اپ ہونا ہے۔'' معید نے جھک کے ان کا ماتھا چوما۔ مالا نے ان کا ہاتھ لبوں سے لگایا۔ پھر اسٹاف ان کا اسٹریچر دھکیل کے اندر لے گیا۔ وہ دونوں وہیں کھڑے انہیں دوسرے کمرے میں گم ہوتے دیکھے گئے۔

''جنت ماں کے پیروں تلے ہوتی ہے۔'' معید بند ہوتے دروازوں کو دیکھ کے بڑبڑایا۔ ''مگر وہ صرف ماں کے پیر دبانے سے نہیں ملتی۔ ماں کے پیروں کے نیچے کی زمین بننا پڑتا ہے۔ وہ زمین جو بوجھ اٹھاتی ہے۔ جو ماں کو اس کے قدموں پہ کھڑا رکھتی ہے۔''

اسلام آباد والے ماموں' امریکہ والی خالہ... اور دوسرے کئی رشتے دار فون کر رہے تھے۔ آنا چاہ رہے تھے۔ لیکن معید سب کو ہسپتال آنے سے منع کر رہا تھا۔ ایک دفعہ ماں ٹھیک ہو کے گھر شفٹ ہو جائیں' اس کے بعد آپ گھر آیئے گا۔ وہ سب کو یہی کہتا اور مالا سوچ رہی تھی کہ کیا کوئی ''بعد'' بھی ہوگا؟ کیا اس بھیانک خواب کے بعد کوئی روشن صبح بھی آئے گی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''آج حورے آپا کا آپریشن ہے۔''

کبیرہ بیگم کار میں بیٹھ رہی تھیں جب موبائل پہ میسج ٹون بجی۔ اندر بیٹھتے ہوئے انہوں نے اپنی بھاری چادر

سنبھالی' پرس ساتھ رکھا' اور موبائل نکالا۔ ڈرائیور نے دروازہ بند کیا اور خود تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پہ آ بیٹھا۔

''لوکیشن بھیج دی ہے تمہیں۔ اسے گوگل پہ لگا لو'' تحکم سے کہہ کے وہ میسج کھولنے لگیں۔ حورے کے آپریشن کا پڑھ کے ان کے چہرے پہ کوئی تاثر نہ ابھرا۔ بس اندر ہی اندر کوئی کمینی سی خوشی محسوس ہوتی تھی۔

ڈرائیور نے لوکیشن لگائی اور کار گھر سے باہر نکالی۔ یہ لوکیشن وہ ہر دفعہ نئے سرے سے لگاتا تھا۔ بیک ویو مرر میں اس نے کبیرہ بیگم کو دیکھا جو چادر سر پہ جمائے' سن گلاسز لگائے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھیں۔ اس کی مالکن ایک ہی موقع پہ گھر سے چادر کر کے نکلتی تھی۔ جب انہوں نے کسی ایسی جگہ جانا ہوتا تھا۔

وہ ڈیفنس کی پوش کالونیز سے نکل کے ایک لوئر مڈل کلاس علاقے کی تنگ و تاریک گلیوں میں پہنچ چکے تھے۔ بالآخر ایک جگہ جا کے پن لوکیشن ختم ہوگئی۔ وہ ایک کچی آبادی جیسا محلہ تھا۔ کہیں کوئی ریڑھی بان صدا لگا رہا تھا' کہیں بچے بھاگتے پھر رہے تھے۔ ایک طرف رکشے کھڑے تھے۔ گندے پانی سے ابلتی نالیاں اور جوہڑ کھلے پڑے تھے۔ ایسے میں ڈرائیور نے بھی ناک بھوں چڑھا لی لیکن کبیرہ کے اطمینان میں فرق نہ آیا۔

ایک نیلے گیٹ کے سامنے اس نے کار روک دی۔ پھر باہر نکلا تو اے سی کی ساری ٹھنڈک بھول گئی۔ باہر مئی کا سورج آگ برسا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے کبیرہ کا دروازہ کھولا۔ وہ باریک ہیل والے جوتے کے ساتھ باہر نکلی۔ اور چادر درست کرتی' اپنا بیگ سنبھالتی اندر چلی گئی۔ ڈرائیور اندر واپس بیٹھ گیا۔ کار اسٹارٹ رکھی اور فل اے سی آن کر لیا۔ ذرا دیر میں ہی وہ پگھلنے لگا تھا۔

نیلے گیٹ کے پار ایک اور جہاں آباد تھا۔ وہ ایک خستہ حال مکان تھا۔ درمیان میں بڑا سا صحن تھا۔ ایک طرف قطار میں کمرے بنے تھے۔ پہلے کمرے کے باہر بہت سے جوتے رکھے تھے۔ کبیرہ بیگم نے وہاں سے اندر جھانکا۔ اندر بہت سی عورتیں اور بچے فرش پہ بیٹھے تھے۔

وہ آگے بڑھ گئیں۔ انداز سے لگتا تھا اس جگہ سے شناسا ہیں۔ دوسرے کمرے میں مخمل کے صوفے رکھے تھے۔ کبیرہ بیگم اندر داخل ہوئیں اور بڑے کروفر سے ایک صوفے پہ بیٹھ گئیں۔ گردن کڑائے' اب وہ اپنی کالی چمکتی آنکھوں سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی چوکھٹ تک آیا۔ اسے دیکھ کے سر کو جنبش دی' پھر پلٹ کے کسی سے بولا۔

''سوالیوں سے کہو ابھی انتظار کریں۔ وی آئی پی آئے ہوئے ہیں۔'' وہ چالیس پینتالیس برس کا آدمی تھا۔ کمزور سا چھوٹے قد کا وجود۔ اس نے لمبا مٹیالے رنگ کا جبہ پہن رکھا تھا۔ بال لمبے اور میلے کچیلے سے تھے۔ چہرہ

سانولا اور آنکھوں میں کاجل ڈالے ہوئے تھا۔ گردن میں کالے دوپٹے کی طرح کچھ لپیٹ رکھا تھا۔ کانوں میں سلور کی بالیاں اور انگلیوں میں انگوٹھیاں تھیں۔

اس نے دروازہ بند کیا اور اندر آیا۔ وہ ننگے پیر تھا اور اس کے پیر اتنے میلے تھے کہ ناخن کالے پڑ چکے تھے۔ وہ ایک صوفے پہ آ کے بیٹھا تو اس کے پاس سے بدبو کا بھبوکا اٹھا جیسے ہفتوں سے نہایا نہ ہو۔ کبیرہ اس بدبو کی عادی تھیں۔

''کیا حال ہے بی بی؟ گھر میں سب خیریت ہے؟''

عامل کی سیاہ آنکھیں کبیرہ کو گھور رہی تھیں۔

''پریشان ہوں سائیں۔'' وہ ہیروں والی انگوٹھیوں والے ہاتھ ایک دوسرے میں پھنسا کے بولیں۔ ''کچھ بھی مرضی کے مطابق نہیں ہو رہا۔''

''دشمن کیسے ہیں تمہارے؟'' وہ مسکرایا۔

''دشمن اپنے انجام کو پہنچ رہے ہیں۔ اس عورت کا آپریشن ہے آج۔ پتہ کر دیں اپنے موکل سے کہ...'' وہ ہلکا سا مسکرائیں۔ ''وہ بچے گی یا نہیں۔''

''کروا دیں گے پتہ۔ اصل بات بتاؤ جس کے لیے آئی ہو۔'' وہ مسکرایا۔

کبیرہ قدرے آگے کو ہوئیں۔ آنکھوں میں فکرمندی لیے بات کا آغاز کیا۔

''عنایہ کے لیے بڑی مشکل سے ایک گھر پسند آیا ہے۔ لڑکا دبئی میں ہوتا ہے۔ اچھی جاب کرتا ہے۔ پیسے والا ہے۔ ماں بھی بے ضرر سی لگتی ہے۔ مگر ایسی قسمت ہے میری کہ جو مجھے پسند آتا ہے وہ حورِ جہاں کی بیٹیوں کی طرف چلا جاتا ہے۔ پہلے عباد کو وہ چھوٹی والی لے اڑی۔ اور اب زیاد۔'' وہ دبے دبے غصے سے کہہ رہی تھیں۔ آنکھوں میں نفرت تھی۔ حسد تھا۔ ہر وہ جذبہ تھا جو انسانوں کو جادوگروں کے ٹھکانوں تک لے آتا ہے۔

''تصویریں آپ کو واٹس ایپ کر دی ہیں۔ حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ۔ اور نگینہ سلطان کا بیٹا زیاد۔'' وہ دانت کچکچا کے کہہ رہی تھیں۔ ''بس کسی بھی طرح ان کی بات نہیں بننی چاہیے۔''

''تم فکر کیوں کرتی ہو؟ ہمارے موکل آج ہی کام سے لگ جائیں گے۔ جو تم چاہو گی وہی ہو گا۔''

''عنایہ سے بات بنے یا نہ بنے' ان دونوں کو دور کر دیں۔ ان کے بہت چکر لگ رہے ہیں میرے دشمنوں کے گھر۔ کسی طرح اس لڑکے کو واپس دبئی بھجوا کے کچھ عرصے کے لیے منظر سے ہٹا دیں۔ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل۔ چلا

جائے گا تو بھول جائے گا اس لڑکی کو۔"

"واہ کبیرہ بیگم۔ تمہیں تو ڈرامہ رائٹر ہونا چاہیے تھا۔ خود ہی کہانی بنا لیتی ہو۔" جادوگر مسکرایا۔ "ہو جائے گا۔ لیکن چار کالے بکریں لگیں گے۔ ہماری اجرت الگ ہے۔"

"اس کی پرواہ نہ کریں۔ بس مجھ سے ان کا میل ملاپ نہیں برداشت ہو رہا۔" ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی کبیرہ اب سکون سے بولیں۔ یہ وہ ٹھکانہ تھا جہاں آ کے وہ اپنی مرضی سے کسی کی بھی قسمت کا فیصلہ کروا سکتی تھیں۔ سب ان کے ہاتھ اور پیسے میں تھا۔

"بھجوا دیں گے لڑکے کو یہاں سے۔ اور کیا کام ہے؟"

"حورِ جہاں کی بیٹیوں کا گھر بسنا مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔ اس عورت نے ساری عمر مجھے دکھ دیے ہیں۔" وہ آنکھوں میں نفرت لیے بولیں۔ "میں عباد کو اپنا داماد بنانا چاہتی تھی لیکن وقت پہ کوئی قدم نہیں اٹھایا تو آج حورِ جہاں کی بیٹی اس کے گھر میں عیش کر رہی ہے۔"

"کیا چاہتی ہو؟ عیش ختم کروا دیں اس کے؟" عامل مسکرایا۔

"یہی چاہتی ہوں۔ بس اس کا بچہ نہیں ہونا چاہیے۔ کسی طرح اس کا بچہ ضائع کروا دیں۔ جو قیمت مانگیں گے میں دوں گی۔ اس کی تصویر اور تفصیلات بھی واٹس ایپ کر دی ہیں۔"

"پیٹ کا بچہ مارنے کے لیے ہانڈی کا جادو کرنا پڑے گا۔ اس میں وقت لگتا ہے۔ ذرا گرمی کم ہو تو شروع کرتا ہوں۔ ابھی اس دبئی والے لڑکے کا حال پتہ کرتے ہیں۔"

عامل نے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے آنکھیں بند کیں۔ کبیرہ جانتی تھیں وہ کیا کر رہا ہے۔ وہ کمرے میں موجود اپنے موکل جنات سے بنا آواز کے گفتگو کر رہا تھا۔

وہ دلچسپی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھے گئیں۔ اپنے پیسے سے وہ ہر کام کروا سکتی تھیں۔ جادو سے وہ تقدیر کو بھی پلٹ سکتی تھیں۔

ایک دم عامل نے آنکھیں کھولیں۔ وہ سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ غصے سے اس نے کبیرہ کو دیکھا۔

"اپنے ساتھ کس کو لائی ہے؟"

کبیرہ چونکیں۔ "میرے ساتھ ڈرائیور ہے۔"

"شش..." ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کروایا اور خلا میں گھورنے لگا جیسے کچھ سونگھ رہا ہو۔

کبیرہ ناسمجھی سے اسے دیکھنے لگیں۔

''کوئی تمہارا پیچھا کر رہا ہے۔''

''میرا پیچھا؟ مگر کیوں؟'' وہ ششدر رہ گئیں۔ ''کیا چاہتا ہے؟''

عامل نے آنکھیں بند کر کے کچھ سونگھا۔

''وہ کسی کو ڈھونڈ رہا ہے۔'' پھر اس نے کرنٹ کھا کے آنکھیں کھولیں اور تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اٹھو تم یہاں سے۔ جاؤ۔''

''مگر.... '' وہ ہکا بکا بیٹھی رہ گئیں۔

''اٹھو بی بی۔ تم جاؤ گی تو وہ یہاں سے جائے گا۔'' جادوگر کے چہرے پہ بیک وقت بہت سے تاثرات تھے۔ خوف، غصہ، جھنجھلاہٹ۔ ''اسے لے جاؤ یہاں سے۔ میرے موکل پریشان ہو رہے ہیں۔ میں واٹس ایپ پہ رابطہ کروں گا۔ جاؤ یہاں سے۔''

کبیرہ حیران پریشان اپنی جگہ سے اٹھیں۔ ''مگر وہ کون ہے؟''

عامل گلابی آنکھوں کے ساتھ کسی سانپ کی سی سرگوشی میں بولا۔

''وہ خطرناک آدمی ہے۔ اس کی سماعت صاف ہے۔''

''کیا مطلب؟'' انہوں نے الجھ کے اسے دیکھا۔ وہ پرس اٹھا کے کھڑی ہو چکی تھیں۔

عامل نے آواز مزید آہستہ کی۔

''وہ جنات کی آوازیں سن سکتا ہے۔ اس کو یہاں سے لے کر جاؤ۔ میرا دھندہ نہ خراب کرو۔'' وہ غرایا۔

کبیرہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔ ساتھ ہی وہ ہراساں انداز میں ادھر ادھر دیکھتی جا رہی تھیں۔

عامل واپس صوفے پہ بیٹھ گیا اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ بالآخر اس کا تنفس نارمل ہوا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ اسے محفل میں واپس جانا تھا۔

تبھی دروازہ کھلا۔ وہ وہیں رک گیا۔ سانس بھی رک گیا۔ موبائل کی تلاش میں جیب میں ہاتھ مارا لیکن تب تک نووارد اندر داخل ہو چکا تھا۔

عامل بے اختیار دو قدم پیچھے ہٹا۔ آنکھوں میں خوف در آیا۔

وہ دراز قد نوجوان تھا اور اس کی بھوری آنکھوں میں زمانوں کی سختی تھی۔ اس نے عامل کو موبائل چھونے کا موقع

نہیں دیا۔ بازو بڑھایا اور اسے گردن سے دبوچ لیا۔ پھر اسی طرح دبوچے ہوئے اسے صوفے تک لایا اور زور سے وہاں بٹھایا۔

''بیٹھ جاؤ' پیٹر مسیح۔ اپنا ہی گھر سمجھو۔''

عامل کا منحنی سا وجود اس کے آگے مزاحمت نہ کر سکا۔ وہ صوفے میں دھنس سا گیا۔ گردن اٹھا کے خوف سے اسے دیکھا۔

''یہ تم کیا کر رہے ہو۔''

''کیوں پیٹر سائیں؟ تمہارے جنات نے اب تک خبر نہیں دی کہ میں کون ہوں اور کیا کر رہا ہوں؟'' اس کو گھورتے ہوئے وہ واپس گیا۔ اور باہر جھانک کے کسی کو آواز لگائی۔

''عامل صاحب ابھی وی آئی پی کے ساتھ مصروف ہیں۔ کوئی تنگ نہ کرے۔'' دروازہ زور سے بند کیا اور کنڈی لگائی۔ پھر واپس گھوما۔ ایک ایک قدم اٹھا کے اس کے قریب آنے لگا۔ اس کا اٹھتا ہر قدم پیٹر مسیح کو اپنے صوفے میں سکڑنے پہ مجبور کر رہا تھا۔

کیف اس کے سامنے آیا۔ میز جو گر سے پرے دھکیلی۔ پھر میز کے کونے پہ آ کے بیٹھا۔ یوں کہ وہ اب عامل کے بالکل روبرو تھا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے۔

''دیکھو میرے ساتھ بدتمیزی نہ کرنا۔ ورنہ میرے موکل تمہیں چھوڑیں گے نہیں۔'' وہ خوف اور پریشانی سے گھگھیایا۔

''تمہارے موکل تو میں ابھی نکالتا ہوں۔''

کیف نے پستول نکالا اور مہارت سے ہاتھ میں گھمایا۔

''اب جو میں پوچھنے جا رہا ہوں' تم اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دو گے کیونکہ میرا دماغ آج گھوما ہوا ہے۔'' پستول کی ٹھنڈی نال اس کے گھٹنے پہ رکھی۔ ''اور ہر غلط جواب پہ میرا ہاتھ چل جائے گا۔ پھر تمہارے بزدل جنات تمہیں مجھ سے بچانے نہیں آئیں گے۔''

پیٹر مسیح نے ایک خوفزدہ نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے پستول پہ ڈالی۔ پھر اطراف میں دیکھا اور اپنی طاقت کو محسوس کرنا چاہا لیکن اس کے سارے موکل کمرے سے بھاگ چکے تھے۔ اس کی نظر کیف کے دوسرے ہاتھ پہ پڑی۔ اس کی کلائی پہ دو بل دے کر تسبیح لپٹی تھی۔

اس کا ملاقاتی تیاری سے آیا تھا۔

''پوچھو۔'' عامل نے تھوک نگلا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ دونوں نیورو اور کارڈیک سرجری وارڈ کے باہر کاریڈور کی سخت کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ انہیں چار سے پانچ گھنٹے تک آپریشن مکمل ہونے کا انتظار کرنا تھا۔ اس نے ڈراموں اور فلموں میں دیکھا تھا کہ آپریشن کے وقت مریض کے گھر والے باہر انتظار کرتے ہیں۔ پھر کوئی اندر سے نکل کے ان کو اطلاع دیتا ہے۔ مبارک ہو آپریشن کامیاب ہو گیا۔ یا وی آر سوری ہم مریض کو نہیں بچا سکے۔

وہ اس سخت کرسی پہ بیٹھی ان دو دروازوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ کب کوئی باہر نکل کے دونوں میں سے ایک بات کہے گا۔

قریباً دو گھنٹے بعد ایک اسٹاف نکلا اور معید کو بلایا۔ ''ڈاکٹر واصف آپ کو اندر بلا رہے ہیں۔''

''کیوں؟'' اس نے پریشانی سے معید کو دیکھا۔

''ریلیکس۔ یہ امریکن سرجنز کا طریقہ ہوتا ہے۔ وہ سرجری کے درمیان اور بعد میں اٹینڈنٹ کو بریف کرتے ہیں۔ میں ڈاکٹر ہوں اسی لیے اندر بلا رہے ہیں۔''

کچھ دیر بعد وہ واپس آیا تو مالا نے امید اور خوف کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا۔

''کیا ہوا؟''

''سرجری ہو رہی ہے۔ ماں کا برین کھولا ہوا تھا۔'' وہ سوچ میں گم آہستہ سے کہتا کرسی پہ آ بیٹھا۔ ''ٹیومر صاف کر رہے ہیں۔ ابھی بریک لی ہے انہوں نے۔''

''برین کھول کے بریک لے لی؟ قصائی ہیں یا ڈاکٹر؟''

معید نے بس ایک نظر اس کو دیکھا۔ اور افسوس سے سر ہلایا۔ ''شکر ہے تم ڈاکٹر نہیں بنیں۔''

پھر اس کا چہرہ دیکھ کے خود ہی بتانے لگا۔

''میری عمر ستائیس سال ہے۔ اور ماں کے برین کے اندر موجود ٹیومر بیس سے پچیس سال پرانا ہے۔''

''واٹ؟''

''ہاں۔ اس کا کچھ حصہ تو اتنا پرانا ہے کہ اب وہ کیلشیم بن کے ہڈی کا حصہ بن چکا ہے۔ یعنی وہ خود ہی ختم ہو چکا

ہے۔باقی کو وہ باہر نکال رہے ہیں۔اور وہ منجی او ماہی ہے۔وہ گلائیو ما نہیں ہے۔'' وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔'' پھر بھی سرجری کے بعد ہم ٹیومر کی بائیوپسی کروائیں گے۔رپورٹ سے ثابت ہو جائے گا کہ ڈاکٹر واصف درست کہہ رہے تھے۔''

مگر مالا کا ذہن اس نقطے سے آگے ہی نہیں بڑھ رہا تھا۔اس کی ماں اتنے برس سے ٹیومر کے ساتھ جی رہی تھی۔اور کسی کو علم ہی نہ ہوا۔ماں ہمیشہ سر درد کی شکایت کرتی تھیں۔لیکن پھر چائے پی لیتیں تو ٹھیک ہو جاتا۔کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ چیک کروانا چاہیے۔مائیں خود کو سیریس ہی نہیں لیتیں۔

''مالا... تم گھر چلی جاؤ۔سرجری ہو جائے گی تو میں بلا لوں گا۔''اس کی شکل دیکھ کے وہ نرمی سے بولا۔''سرجری کے فوراً بعد وہ ماں سے ملنے نہیں دیں گے۔چار پانچ گھنٹے تو کہیں نہیں گئے۔بلکہ آؤ میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔''

مگر وہ راضی نہیں ہوئی۔معید کو تھوڑی دیر لگی اسے راضی کرنے میں۔وہ بھی اس شرط پہ کہ جیسے ہی ماں ہوش میں آئیں گی وہ اس کو بلا لے گا۔سلیم ہسپتال میں تھا۔معید نے اسے کہا کہ مالا کو گھر چھوڑ آئے۔جاتے جاتے اس نے بہن کو روکا اور پانی کی بوتل اس کی طرف بڑھائی۔

''کیا؟''اس نے ناسمجھی سے معید کو دیکھا۔اس نے جیب سے ایک پتہ نکالا اور ایک گولی نکال کے مالا کی ہتھیلی پہ رکھی۔

''مجھے پتہ ہے تمہارا سر درد کر رہا ہو گا۔بروفن ہے۔لے لو۔''

اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔رتجگا۔ٹینشن۔اس کا روزہ نہیں تھا مگر صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔اس نے چھوٹی سی بھوری گولی منہ میں رکھ کے پانی کا گھونٹ بھر لیا۔بروفن کا رنگ گلابی ہوتا ہے یا بھورا۔اور سائز؟ مگر یہ اس کا مسئلہ نہیں تھا۔وہ ناخوش سی سلیم کے ساتھ گھر چلی آئی۔

اس وقت شام کے چار بج رہے تھے۔وہ کمرے میں آتے ہی بستر پہ لیٹ گئی۔نیند سی آ رہی تھی۔سوچا ذرا دیر کو آنکھیں بند کرے گی اور پھر.....

ایک جھٹکے سے وہ اٹھ بیٹھی۔کمرے میں تیز بتیاں ابھی تک چلی تھیں۔کچھ دیر تو اسے سمجھ ہی نہ آیا کہ وہ کہاں ہے۔پھر موبائل اٹھایا۔چھ بج رہے تھے۔صبح کے چھ۔

ماں...

اس نے بے یقینی سے معید کی دو مسڈ کالز دیکھیں۔صرف دو کالز۔ماں کیسی ہیں؟ کسی نے اسے کیوں نہیں بتایا؟

اُف وہ کیوں سوتی رہ گئی؟

اس نے کار کی چابی اٹھائی اور کینوس جوتے پیروں میں پہنتی باہر کو بھاگی۔ اسے ہسپتال جانا تھا۔

ویٹنگ ایریا خالی پڑا تھا۔ معید وہاں نہیں تھا۔ سامنے آئی سی یو کا دروازہ تھا۔ ماں کو وہاں ہونا چاہیے تھا۔

مالا نے کپکپاتے ہاتھوں سے آئی سی یو کا پہلا دروازہ کھولا۔

آگے دوسرا دروازہ تھا۔ مالا اسے دھکیل کے اندر آئی تو وہاں جوتوں کے ریک رکھے تھے اور آگے ایک تیسرا دروازہ تھا۔ اس نے جھک کے جوتوں پہ شاپر چڑھائے۔ سر پہ جالی دار ٹوپی پہنی۔ اور دھڑکتے دل سے تیسرا دروازہ کھولا۔

معید نے صبح اس کو آئی سی یو کا وہ بیڈ دکھایا تھا جہاں ماں کو سرجری کے بعد منتقل کیا جانا تھا۔ درمیان والا بیڈ۔

کیا اس دروازے کے پار اس کی ماں ہوں گی؟

اور وہ کیسی ہوں گی؟ نالیوں اور مشینوں میں جکڑی ہوئیں؟

دنیا و مافیہا سے بے خبر؟ زندگی اور موت کی کشمکش کے درمیان جنگ لڑتی؟

وہ دروازے پہ ہاتھ رکھے بت بنی کھڑی رہی۔ کیا وہ اس دروازے کے پار نظر آتا منظر دیکھنے کی سکت رکھتی تھی؟

کشمالہ مبین نے بالآخر بھاری دروازہ دھکیلا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔

سامنے پانچ بیڈز کی قطار تھی۔ کونے والے بیڈ پہ کوئی بوڑھا مرد مریض بے ہوش نالیوں میں جکڑا ہوا لیٹا تھا۔ باقی تمام بیڈ خالی تھے۔ درمیان والا بھی خالی تھا۔

کشمالہ کو لگا وہ اگلا سانس نہیں لے سکے گی۔

اس کی ماں کا بیڈ خالی تھا۔ وہ وہاں نہیں تھیں۔

اس نے دل پہ ہاتھ رکھ لیا۔ ہیڈ نرس نے پکار کے اس سے پوچھا کہ وہ کس کے ساتھ ہے لیکن وہ جواب نہ دے سکی۔ گردن موڑی اور دوسری جانب دیکھا۔

سامنے نظر آتا منظر اسے منجمد کر گیا۔

''ماں کا خیال آ گیا تمہیں؟ اور کہاں ہے وہ تمہارا بے غیرت بھائی؟''

باتھ روم کے دروازے کے سامنے کھڑی وہ نیلے گاؤن والی عورت اس کی ماں حورِ جہاں بیگم تھیں۔ ان کے دائیں بائیں سہارا دیے دو میل اسٹاف کھڑے تھے۔ ماں کے ماتھے پہ ایک طرف سفید بینڈیج لگا تھا جس سے ایک

نالی نکل کے ڈرین بیگ میں جا رہی تھی۔

وہ اپنے قدموں پہ کھڑی تھیں اور اسے گھورتے ہوئے خراب گلے جیسی آواز میں کہہ رہی تھیں۔

''رات سے پوچھ رہی ہوں میری بیٹی کہاں گئی۔ اور یہ کہتے ہیں آپ کی بیٹی تو ریسٹ کرنے گھر چلی گئی۔ آ میری بیٹی میرے پاس۔ میں تیرا ریسٹ نکالتی ہوں۔''

وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔ بے یقینی سے اپنی ماں کو دیکھا۔ سر سے پیر تک۔ پیر سے سر کی پٹی تک۔

''اور مجھے یہ بے ہودہ لباس کس نے پہنایا ہے۔'' ٹراؤزرز اور لوز شرٹ کی طرف اشارہ کر کے غصے سے بولیں۔

میل اسٹاف نے بات کاٹی۔ ''آنٹی بیڈ تک چلیں۔ پھر بیٹھ کے بات.....''

''چپ کرو دو منٹ۔'' سختی سے اسے ڈانٹا تو وہ خاموش ہو گیا۔ ماں اسی طرح شروع ہو گئیں۔

''خود دونوں بہنیں اپنی مرضی کے کپڑے پہنتی ہیں۔ وہ چھوٹی والی تو فیشن میں اس سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ میں کچھ نہیں کہتی۔ مگر چارسدہ سے لاہور تک کبھی تمہاری ماں سر ڈھکے بغیر باہر نکلی؟ ہاں بتاؤ؟''

اردگرد کے نرسز اور اسٹافرز دلچسپی سے ان کو دیکھ رہے تھے۔

''ماں کو یہ بے ہودہ لباس پہناتے شرم نہیں آئی؟'' وہ اپنے ازلی دبنگ انداز میں بولے جا رہی تھیں۔ ''کہاں ہے میری چادر؟ اور کہاں ہے تمہارا بے غیرت بھائی جو ماں کو ان مشٹنڈوں کے ساتھ چھوڑ کے باہر نکلا ہوا ہے۔''

''آنٹی مشٹنڈا تو نہ کہیں۔ میں بھی کسی کی اولاد ہوں۔'' ایک اسٹاف مائنڈ کر گیا۔

''جی آنٹی میرے بھی چھوٹے چھوٹے ماں باپ ہیں۔'' دوسرے نے دانت نکالے۔ ہیڈ نرس ہنستے ہوئے بولی۔

''کریلوں کا بھی پوچھ لیں اپنی بیٹی سے' آنٹی۔ رات سے آنٹی کو فکر ہے کہ کریلے فریج کے باہر خراب ہو گئے ہوں گے۔''

وہ جو ہکا بکا کھڑی تھی' نہ جانے کب اور کیسے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ کون سے کریلے۔ کون سی چادر۔ وہ بھاگ کے گئی اور ان کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ گھٹنوں کے بل وہ ان کے قدموں میں بیٹھی دیوانہ وار روتے ہوئے ان کے ہاتھ چوم رہی تھی۔

اس کی جنت۔ اس کی ماں اس کو واپس دے دی گئی تھی۔

وہ رو رہی تھی۔ اور وہ ہنس رہی تھی۔

آپریشن تھیٹر کی ٹھنڈی فضا میں بھنی مونگ پھلیوں کی خوشبو آنے لگی تھی۔

اس کا تصور بالآخر سچ ہونے جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارش اب پوری طرح رک چکی تھی۔ وین کوور کے گیلے درخت ٹھنڈی ہوا سے اپنے پتے ہلائے جا رہے تھے۔

ماہی نے کھڑکی کے پار نظر آتے منظر کو اداسی سے دیکھا۔

''لوگ جادو کیوں کرتے ہیں؟'' وہ اس کے سامنے میز کے اس پار بیٹھے تھے اور وہ شدید تکلیف کے عالم میں ان سے پوچھ رہی تھی۔

''حسد کی وجہ سے۔''

''اور حسد کیا ہوتا ہے؟''

''جو آپ کے پاس نہیں ہے، وہ کسی دوسرے کے پاس دیکھ کے اس سے چھن جانے کی خواہش کرنا۔ یہ حسد انسان کو جادوگروں کے دروازوں تک لے جاتا ہے۔''

''آپ نے کہا اکثر جادوگروں اور عاملوں کے پاس واقعی جنات ہوتے ہیں اور وہ واقعی جادو کر سکتے ہیں۔ ایسے تو کوئی بھی ان کے پاس چلا جائے اور کسی کی طلاق کروا دے۔ کسی کو بیماری لگوا دے۔ اور کسی کا...'' اس کا ہاتھ اپنے سینے سے نیچے رینگ گیا۔ ''کسی کا بچہ مروا دے۔''

خوف نے ماہ بینہ کو اپنے وجود میں لے لیا۔ وہ ہلکا سا مسکرائے۔

''اگر یہ اتنا آسان ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا کیا کام رہ جاتا؟ یہ دنیا جادوگر ہی چلا لیتے۔ نہیں؟''

وہ چونک کے انہیں دیکھنے لگی۔ بڑھتا ہوا خوف رک گیا۔ جیسے اندھیرے میں روشنی کی کرن نظر آئی ہو۔

''اوہ۔'' اس نے گردن اوپر اٹھا کے دیکھا۔ ''اللہ تعالیٰ ہے نا۔''

''اللہ تعالیٰ ہی تو ہے، ماہ بینہ۔ اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے بڑا ہے جس سے آپ ڈرتی ہیں۔ اس نے یہ فیصلے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں، جادوگروں کے منتر میں نہیں۔''

''مگر.... آپ نے کہا کہ جادوگر فراڈ نہیں ہوتے۔ وہ واقعی جنات کو قابو میں کر کے ان سے کام کرواتے ہیں۔ اس طرح تو ان کے پاس بہت طاقت ہوئی۔''

''طاقت۔'' وہ ہلکا سا ہنسے۔ ''جنات کیا ہوتے ہیں، بیٹا؟ جنات ایک مخلوق ہیں۔ اللہ کی ایک مخلوق۔ جیسے انسان

ہیں۔ جانور ہیں۔ پرندے ہیں۔ وہ بے چارے بھی ایک قوم ہیں۔ وہ انسانوں سے ڈرتے ہیں۔ اور آپ انسان ہو کے ان سے ڈرتی ہیں؟ چچ۔''

''لوگوں کو جنات سے ڈر لگتا ہے۔ یہ حقیقت ہے۔''

''نہیں۔ لوگوں کو صرف ان دیکھے سے ڈر لگتا ہے۔ وہ جو دکھائی نہیں دیتا۔ سنائی نہیں دیتا۔ سمجھ میں نہیں آتا۔ آپ کو صرف ان کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ وہ اتنے اسمارٹ نہیں ہوتے جتنے انسان ہوتے ہیں۔ وہ سادہ ہوتے ہیں۔ تھوڑے سے بے وقوف۔ وہ ہر اس انسان سے ڈرتے ہیں جو ان سے نہیں ڈرتا۔''

''کیا مطلب؟'' ماہی نے الجھ کے اسے دیکھا۔ ''کیا جنات خوف کو محسوس کر لیتے ہیں؟''

''بالکل۔ جو ان سے ڈرتا ہے وہ اسی کو ڈراتے ہیں۔ جو نہیں ڈرتا وہ اس کے قریب آتے ہی بھاگ جاتے ہیں۔ جنات سے نہ ڈرا کریں۔ نہ ہی ان سے نفرت کریں۔ ان میں سے بہت سے نیک بھی ہوتے ہیں۔ میں نے علماء سے یہ بھی سنا ہے کہ جنات عدالتیں بھی لگاتے ہیں جہاں وہ ایسے کافر جنات کو سزائیں دیتے ہیں جو جادوگروں کے ساتھ مل کے انسانوں کو اذیت دیتے ہیں۔ جنات کو اتنی کھلی چھوٹ نہیں ملی ہوئی کہ وہ انسانوں کی تقدیر کے فیصلے کر سکیں۔''

''مگر آپ نے کہا کہ جادو بہت ہو رہا ہے۔ اسے جادوگر اور جنات ہی کر رہے ہیں۔'' وہ اب دو باتوں میں کنفیوژڈ ہو گئی تھی۔ جادو اتنا ہو رہا ہے تو وہ کیسے جادو سے نہ ڈرے؟

''ہاں۔ بدقسمتی سے بہت سے انسانوں نے بہت سے جنات کو قید کر رکھا ہے۔ وہ جنات کو ٹارچر کرتے ہیں۔ اس کو بھوک سے ڈراتے ہیں۔ کہ وہ اس کا رزق روک دیں گے یا اس کو جلا کے مار دیں گے۔ پھر اس جن سے وہ جادو کرواتے ہیں۔ جس جن کو یقین ہوتا ہے کہ اس کا رزق اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جادوگروں کے قبضے میں نہیں آتا۔''

''لیکن جس جن کا ایمان کمزور ہوتا ہے وہ خود کو جادوگر کے حوالے کر دیتا ہے؟'' وہ اب کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔

''ایسا ہی ہے۔ جن جادوگر کا قیدی بن جاتا ہے اور پھر اس انسان کو اذیت دیتا ہے جس کا حکم اسے جادوگر دیتا ہے۔ جادو واقعی ہو رہا ہے۔ اور بہت ہو رہا ہے۔ لیکن اللہ کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔''

''اللہ کے حکم سے؟ مطلب؟''

ڈاکٹر رائد نے گہری سانس لی۔ ''اگر آپ اس ایک نقطے کو سمجھ لیں تو آپ زندگی بھر جادو اور جنات سے ڈرنا

چھوڑ دیں گی۔"

وہ الجھن سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ "اللہ کے حکم سے جادو؟"

"مثلاً ایک جادوگر کو آپ کا کوئی رشتے دار پیسے دے کر کہتا ہے کہ اس شخص کو نقصان پہنچاؤ۔"

(زیاد اپنے رائٹنگ آفس میں بیٹھا لیپ ٹاپ پہ مصروف تھا۔ اس کی انگلیاں تیز تیز ٹائپ کر رہی تھیں۔ ساتھ کافی کا مگ رکھا تھا جس کی بھاپ اڑاڑ کے سرمئی دیواروں میں گم ہو رہی تھی۔)

"نقصان کسی بھی قسم کا ہو سکتا ہے۔ جان میں' مال میں' عزت میں۔"

(موبائل تھرتھرانے لگا تو زیاد نے اسکرین سے نظر ہٹائے بغیر موبائل اٹھایا اور کان سے لگایا۔ دوسرے ہاتھ سے ٹائپنگ جاری رکھی۔ دفعتاً ٹائپ کرتا ہاتھ رک گیا۔ آنکھوں میں بے یقینی پھیل گئی۔

"واٹ؟ لاکر روم میں آگ لگ گئی؟ لیکن کیسے؟ ہمارا اتنا اہم ڈیٹا..." بے اختیار ماتھے کو چھوا۔)

"وہ نقصان کروانے کے بعد جادوگر خوش ہو جاتا ہے اور اس کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس نے کسی انسان کے نفع نقصان کا فیصلہ کیا ہے۔"

(زیاد اب لیپ ٹاپ کے سامنے دونوں ہاتھوں میں سر گرائے بیٹھا تھا۔)

"لیکن کیا واقعی؟ یہ نقصان جادوگر نے کیا ہے؟ یا وہ ایسے ہی لکھا گیا تھا؟"

(وہ اب پھر سے کسی کو کال ملانے لگا۔ سلسلہ ملتے ہی وہ پریشانی سے بولا۔

"امی میں رات کی فلائٹ سے دبئی جا رہا ہوں۔ جی میں نے ویسے بھی کل دبئی چلے جانا تھا۔ دوست کی شادی اچانک سے آن پڑی تھی۔ لیکن اب ایک اور مسئلہ بھی ہو گیا ہے۔ آفس کے لاکر روم میں آگ لگ گئی ہے۔ کافی نقصان ہوا ہے۔ شادی بھی نہیں اٹینڈ کر سکوں گا۔")

"وہ بیماری' وہ سفر' وہ سب جس میں جادوگر اپنے ٹارگٹ انسان کو مبتلا کرتا ہے' وہ پہلے سے اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے متعین کر رکھا ہوتا ہے۔"

(زیاد پریشانی سے اب اپنی چیزیں سمیٹ رہا تھا۔ بار بار وہ ماتھے کو چھو کے سر نفی میں ہلاتا تھا۔)

"اگر جادوگر عمل نہ کرتا' تب بھی وہ سب ویسے ہی ہونا تھا۔"

"تو پھر جادوگر کا کیا قصور؟"

"اس نے اس نقصان کا گناہ اپنے سر لے لیا۔ جیسے کسی کی موت کینسر سے لکھی ہو اور مقررہ وقت پہ کوئی آدمی اس

مریض کو گولی مار دے۔ وہ نہ مارتا' تب بھی اس نے مر جانا تھا۔ جادو بھی یہی ہے۔ نظر کا دھوکہ۔ جادوگر کی اپنی نظر کا دھوکہ۔"

وہ دونوں میز کے گرد آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ڈاکٹر رائد زمی سے اس کو سمجھا رہے تھے۔ باہر بارش اب مکمل طور پہ تھم چکی تھی۔

وہ کچھ کچھ سمجھ رہی تھی۔ لیکن کچھ باتیں اس کے ذہن میں جذب نہیں ہو رہی تھیں۔

"یعنی میری ماں کی بیماری چاہے جادو سے ہوئی ہو یا نہ ہو' یہ اسی طرح تقدیر میں لکھی تھی؟"

"بالکل۔ اللہ تعالیٰ کی لوح محفوظ میں ہم سب کی قسمت پہلے سے لکھی ہے۔ آپ کی ماں کی جتنی زندگی ہے' وہ پہلے سے متعین کردہ ہے۔ صرف ایک چیز اس کو بڑھا سکتی ہے۔ اور وہ ہے دعا۔"

ماہی کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ "مگر میں مزید جاننا چاہتی ہوں۔ جادو' اور جنات کے بارے میں۔"

"پھر آپ کو یہاں مزید وقت گزارنا ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک طویل ڈسکشن ہے۔ کافی؟" وہ کھڑے ہوتے ہوئے پوچھنے لگے۔ ماہی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور کھڑکی کے باہر دیکھنے لگی۔

باہر ایک خوبصورت دن پھیلا تھا۔ بارش نے سارے واہمے اور خدشات بھی دھو ڈالے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دو دن بعد جب ماں کو ڈسچارج کر کے گھر بھیجا گیا تو وہ لوگ بہت خوش تھے۔ ٹیومر کے نکل جانے سے ذہن پہ پڑا پریشر ہٹنے لگا اور ان کی شخصیت واپس آنے لگی۔ ماتھے پہ لگا ڈرین اتار کے اس جگہ کو مکمل طور پہ اسٹیچ کر دیا گیا تھا۔ سرجن نے سرجری کے لیے پورا سر نہیں کھولا تھا بلکہ تین بائی تین کا انسزن (کٹ) دے کر ذرا سے بال صاف کر کے اس جگہ سے سارا ٹیومر باہر کھینچ نکالا تھا۔

ماں کو جب وہ گھر لائے تو وہ کانشس تھیں۔ تکلیف میں تھیں لیکن ہلکی پھلکی بات کر رہی تھیں۔

مالا سوچ رہی تھی کہ کیسے سرجری سے پہلے ان کو یہ ڈر تھا کہ جسم کا کوئی حصہ مفلوج نہ ہو جائے۔ اور اب دیکھو۔ ان کا سارا جسم سلامت تھا۔ بس بازوؤں پہ بار بار آئی وی کی سوئیاں لگنے سے سرخ نشان پڑے تھے۔ لیکن خیر۔ نشان ہی ہیں۔ چلے جائیں گے۔ ٹانکوں کا زخم بھر جائے گا۔ اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔

چونکہ وہ ڈاکٹر نہیں تھی' اس لیے وہ سمجھتی تھی کہ کامیاب سرجری ہیپی اینڈنگ کے مترادف ہوتی ہے جس سے سارے مسئلے ختم ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ سرجری تو ایک آغاز ہوتی ہے۔

صحت یابی کے ایک لمبے سفر کا پہلا پڑاؤ۔

ماں ہسپتال سے گھر شفٹ ہوئیں تو وہ پہلے دن کی طرح ایکٹو نہیں تھیں۔ بلکہ غنودگی میں تھیں۔ معید ان کو بیڈ پہ لٹا رہا تھا۔ کندھے' بازو' وہ بہت سے تکیے رکھ کے ماں کا پوسچر درست کر رہا تھا۔ وہ دو دن سے اسی ایک لباس میں تھا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھیں سرخ گلابی پڑ رہی تھیں۔

تکیے سیٹ کر کے وہ ماں کے قدموں میں بیٹھا۔ وہ آنکھیں بند کر کے نیند کی آغوش میں چلی گئیں۔ معید نے دھیرے سے ان کا پائنچہ موڑا اور اسے اوپر گھٹنے تک لے گیا۔ پھر اس نے ایک پیکٹ سے لمبی سفید جرابیں نکالیں اور انہیں ماں کو پہنانے لگا۔

''یہ ڈی وی ٹی اسٹاکنگز ہیں۔ DVT سے بچاؤ کی جرابیں۔ یہ جرابیں ماں کو پہنائے رکھنی ہیں۔ او کے؟ او کے مالا؟'' اس نے دو دفعہ دہرایا۔ وہ جو ماں کی دوائیاں سیٹ کر رہی تھی' اس نے سر ہلا دیا۔ ساتھ ہی وہ فون دیکھ رہی تھی۔ لوگوں کی کالز۔ میسجز۔ کچھ آنٹیاں ہر گھنٹے بعد کال کر کے پوچھتی تھیں کہ آپ کی امی کیسی ہیں۔ جیسے کوئی نیوز بلیٹن چل رہا ہو کہ گھنٹے گھنٹے کی اپ ڈیٹ ملنی چاہیے۔ ایک نے یہ بھی پوچھا کہ پھر کتنے دنوں تک امی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ جیسے صحت کی کوئی ٹائم لائن ہوتی ہو۔

''مالا یہ جرابیں نہیں اتارنی ہیں۔ اور ماں کی پنڈلیاں ہر کچھ دیر بعد دبانی ہیں۔'' دونوں پنڈلیوں پہ جرابیں پہنا کے معید انگلیوں سے ان کو دبا دبا کے کہہ رہا تھا۔ وہ سر ہلا کے عیادت کرنے والوں کے میسجز پڑھنے لگی۔ اس نے معید کی بات سنی تھی لیکن وہ ذہن میں رجسٹر نہیں ہوئی تھی۔ ذہن عجیب سن سا تھا۔

کیف واپس آ گیا تھا لیکن اندر نہیں آیا تھا۔ اسے اس وقت کیف کی فکر بھی نہیں تھی۔ وہ ماں کے کاموں میں الجھی تھی۔

باہر آوازوں سے اسے کچھ اندازہ ہوا کہ بیسمنٹ میں پانی کا کوئی پائپ پھٹ گیا ہے۔ سلیم بھاگتا ہوا معید کو بلانے آیا۔ سب کمروں میں پانی جمع ہو رہا تھا۔

''پہلے کم مسئلے ہیں کیا۔'' معید بڑبڑاتا ہوا اس کے ساتھ باہر گیا۔

''کیف سے کہو اپنا سامان نکال لے۔ سب تباہ ہو جائے گا۔'' بیسمنٹ کی سیڑھیاں اترتے ہوئے معید بولا۔

''وہ تو اس وقت چھٹی کر کے جاتا ہے۔ مغرب تک آئے گا۔''

''پھر تم اس کا سامان نکال دو۔'' وہ دونوں بیسمنٹ کی گیلری میں پہنچ چکے تھے۔ وہاں پانی بھرے جا رہا تھا۔

''وہ جی کیف نے کہا تھا اگر میں اس کے کمرے کے قریب بھی پھٹکا تو وہ میری ٹانگیں توڑ کے ہاتھ میں تھما دے گا۔''

''سلیم تم بھی پورا ڈرامہ ہو۔'' معید بڑبڑاتے ہوئے کیف جمال کے کمرے میں آیا۔ایک نظر اطراف میں ڈالی۔وہاں کولر لگا تھا۔ایک طرف میٹرس بچھا تھا جو بہتے پانی سے گیلا ہو رہا تھا۔سامنے کچھ الماریاں تھیں۔معید سلیم کو کوستے ہوئے آگے آیا اور الماریاں کھولیں۔ایک' دو تین دروازے۔سلیم بھی تجسس سے ساتھ آگیا۔وہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ کیف کیا چھپاتا ہے۔

الماریاں اندر سے خالی تھیں۔اس نے اچھنبے سے مڑ کے سلیم کو دیکھا۔

''کیف کا سامان کہاں ہے؟''

پھر وہ تیزی سے باتھ روم کی طرف آیا۔وہ صاف ستھرا چھوٹا سا باتھ روم تھا۔صابن۔تولیہ۔سب کچھ پڑا تھا۔

لیکن ایک چیز وہاں نہیں تھی۔سب سے اہم چیز۔

''جو کچھ نظر آرہا ہے وہ تو اٹھاؤ۔'' وہ سلیم کو ہدایات دیتا باہر نکل گیا۔اس کے چہرے پہ الجھن تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ماں کے بیڈ کے ساتھ کرسی پہ بیٹھے بیٹھے سوگئی تھی۔ماں ہلکی سی کراہیں تو وہ ہڑبڑا کے اٹھی۔

''مالا۔'' ماں نے آنکھیں کھولیں۔پلکیں جھپکائیں۔ان سبز آنکھوں کو کھلا دیکھنے کی خواہش کے آگے دنیا کی ساری نعمتیں ہیچ تھیں۔وہ مسکرا کے ماں کو دیکھتے ہوئے ان کے قریب بیڈ پہ بیٹھی اور ان کا ہاتھ تھام لیا۔وہ سوجا ہوا تھا۔ماں کے پیر بھی سوجن کا شکار تھے۔

''پانی لا دو مالا۔'' وہ اٹھ کے بیٹھنا چاہتی تھیں۔ان کے وزن کے باعث مالا ان کو خود نہیں بٹھا سکتی تھی۔اس نے بخت بی کو آواز دی۔

تھوڑی دیر بعد ان دونوں نے انہیں اٹھا کے بٹھایا تو مالا نے دیکھا۔ان کی گردن دائیں طرف سے پوری کالی ہوتی جا رہی تھی یہاں تک کہ وہ نیلی سی کالک کان کی لو تک پہنچ گئی تھی۔جیسے نیل ہو۔اس کا دل گھبرانے لگا۔ماں کا چہرہ بھی سوجا سوجا محسوس ہو رہا تھا۔اس نے فوراً موبائل سے ماں کی گردن کی تصویر کھینچی اور ڈاکٹر واصف کو بھیجی۔

''پتہ نہیں ماں کو کیا ہو رہا ہے۔''

چند لمحے بعد جواب آگیا۔

''اڈیما ہے۔ اور ابھی یہ کم ہے۔ آگے اور بڑھے گا۔'' وہاں اطمینان ہی اطمینان تھا۔

''میرے سر پہ پٹی کیوں ہے؟'' ماں نقاہت سے آنکھیں بند کیے سر بیڈ کراؤن سے لگائے بیٹھی وہی سوال دہرا رہی تھیں جو پچھلے دو دن سے بار بار ان کے لبوں پہ آتا تھا۔

''کیونکہ...'' وہ رک گئی۔ ''آپ سو جائیں۔''

وہ کچن میں آئی تو معید کسی سوچ میں ڈوبا وہاں کھڑا تھا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھ کے چونکی۔

''کیا ہوا معید؟''

''تم کیف کو کتنا جانتی ہو؟'' معید نے آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔

''میری دوست کا کزن ہے۔ کیوں کیا مسئلہ ہے؟'' اس کا لہجہ دفاعی ہو گیا۔

''وہ ہر روز چند گھنٹے کے لیے غائب ہو جاتا ہے۔ تمہیں معلوم ہے وہ کہاں جاتا ہے؟''

وہ دونوں کچن کی منی پلانٹ سے ڈھکی کھڑکی کے سامنے کھڑے تھے۔

''ہاں اس نے ایک جگہ ڈیسک لے کر اپنا کام شروع کیا ہوا ہے۔ کیوں؟''

''اس کے کمرے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ کپڑے نہ جوتے۔ سب سے عجیب بات۔ اس کے باتھ روم میں ٹوتھ برش تک نہیں ہے۔''

''ہمیں اس سے کیا معید؟'' وہ اب چڑنے لگی تھی۔

''کیف تمہیں کہتا ہے کہ اس نے کہیں ڈیسک لے رکھا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے اس نے کہیں گھر لے رکھا ہے۔ کیونکہ کیف ہمارے گھر نہیں رہتا' مالا۔ وہ بظاہر یہاں ہے۔ لیکن وہ کہیں اور رہتا ہے۔'' معید کے اندر باہر الارم بج رہا تھا۔

''شاید کہیں کسی رشتے دار کے گھر رہتا ہو۔ میں نے پوچھا نہیں۔ اور یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے معید۔''

''یہ ہمارا مسئلہ ہے۔ ایک آدمی ہمارے گھر میں رہتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کہاں جاتا ہے۔ کیا کرتا ہے۔ اب تم اس سے بات کرو گی یا میں کروں؟''

معید کا لہجہ گھر کے سربراہ مرد جیسا ہو گیا تھا۔ سخت۔ چوکنا۔ تنبیہہ کرتا ہوا۔

''میں کرتی ہوں اس سے بات۔'' وہ قدرے دھیمی پڑی۔

''دیکھو وہ اچھا ڈیسنٹ آدمی ہے اس لیے مجھے اس سے کوئی پرابلم نہیں ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے۔''

معید کہہ کے باہر نکل گیا اوراس کا ذہن بری طرح الجھ گیا۔

کسی انسان کا توتھ برش اس کے کہیں پڑاؤ کی پہلی نشانی ہوتا ہے۔ کیا کیف کہیں اور رہ رہا تھا؟ ایسا کیا تھا جو کیف ان سے چھپاتا تھا؟ اور کیا اس کے پوچھنے پہ کیف اسے سچ بتاتا؟ شاید نہیں۔ کیف نے پہلے خون آنے والی بات اس سے چھپائی۔ پھر ایک دم سے اپنی شادی کا ذکر کیا۔ وہ باتیں چھپانے کا عادی تھا۔

ماں اب سو چکی تھیں۔ وہ واپس ان کے پاس آ کے بیٹھی اور موبائل نکالا۔ وہ کشمالہ مبین تھی۔ وہ لوگوں پہ جلد اعتبار کر لیتی تھی اور ان کو چانس دیتی تھی۔ لیکن اگر اس کے دل میں شک آ جائے' تو وہ ہر وہ شے کر سکتی تھی جس کی اس سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

اس کی انگلیاں تیز تیز ٹائپ کرنے لگیں۔

''فہد تم ابھی پی ٹی اے میں ہو؟'' وہ ایک پرانے کلاس فیلو کو میسج لکھ رہی تھی۔

''کیسی ہو کشمالہ؟ آنٹی کیسی ہیں؟ فیس بک پہ ان کے بارے میں پڑھا تھا۔''

''وہ اب بہتر ہیں۔ تھینکس۔'' وہ سوچتے ہوئے لکھ رہی تھی۔ ''ایک موبائل نمبر دے رہی ہوں۔ مجھے پچھلے ایک ماہ تک اس کا سگنل ٹریس کر کے دو۔ ہر روز کے مخصوص اوقات کی لوکیشن؟'' اس نے وہ وقت لکھ دیا جس میں کیف گھر سے غائب ہو جاتا تھا۔

''لنچ بریک کے بعد فوراً کر دیتا ہوں۔ کوئی اور حکم؟''

اور فہد نے ایسا ہی کیا۔ گھنٹے بھر بعد اس نے ایک پی ڈی ایف فائل کشمالہ کو واٹس ایپ کر دی۔

وہ صرف ان پانچ گھنٹوں کی لوکیشن دیکھنا چاہتی تھی جن میں کیف غیر حاضر ہوتا تھا۔ ان پانچ گھنٹوں میں آنے جانے کا وقت نکال کے اس کا سگنل ایک ہی لوکیشن پہ رک جاتا تھا۔ مگر سب سے زیادہ چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ کیف ماں کی سرجری والے دنوں میں چھٹی لے کر اسلام آباد نہیں گیا تھا۔ وہ لاہور کی اسی لوکیشن پہ موجود تھا۔

کشمالہ نے اس لوکیشن کے ہندسے گوگل میپس میں ڈالے اور سرچ کیا۔

وہ گلبرگ کی ایک لگژری اپارٹمنٹ بلڈنگ تھی۔ اس کے لب بے یقینی سے کھل گئے۔ وہ جگہ اتنی مہنگی تھی کہ وہ وہاں کرائے کا اپارٹمنٹ تک افورڈ نہیں کر سکتی تھی نہ ہی اس کے سوشل سرکل میں کوئی وہاں رہتا تھا۔ کیف خواب میں بھی وہ جگہ افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ پھر وہ وہاں کیسے رہتا تھا؟ کیا اس کو کسی امیر دوست نے اپنا اپارٹمنٹ رہنے کے لیے دے رکھا تھا؟ یا شاید وہ وہاں کام کرتا ہو۔ کوئی دوسری جاب؟

اب تک اس نے بہت کچھ نظر انداز کیا تھا۔ کیف کے مہنگے گیجٹس' اس کی فون کالز' اس کا باتیں چھپانا۔ لیکن اب بات بڑھتی جا رہی تھی۔

اس نے آہستہ سے موبائل ایک طرف ڈال دیا۔

کیف جمال کی ایک خفیہ زندگی تھی جس سے وہ ناواقف تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف بیسمنٹ کے کمرے کے میٹرس پہ چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ پنکھے کے تین پر ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ رہے تھے اور اس کی نظریں ان کے ساتھ گھوم رہی تھیں۔

حورِ جہاں بیگم کے آپریشن کو آج آٹھواں دن تھا۔ کل ان کی پٹی کھل گئی تھی اور وہ رو بہ صحت تھیں۔ مگر اس دوران اس کی کشمالہ سے ملاقات برائے نام ہی ہوئی تھی۔ دوبارہ خون چھینکنے جیسا واقعہ بھی نہیں ہوا تو ہر طرف خاموشی تھی۔ وہ اپنے متعین کردہ گھنٹوں میں ڈیوٹی کرتا اور چلا جاتا۔ پانچ گھنٹے اپارٹمنٹ میں گزارنے کے بعد واپس آتا اور گارڈ چیئر پہ بیٹھ جاتا۔ زندگی اسی روٹین کے دائرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔

''کیا پروگریس ہے؟'' مالک کی کال پہ اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ اوپر سے یہ سوال۔

''کچھ خاص نہیں۔'' وہ کانوں میں ائیر پوڈز لگائے' اسی طرح لیٹے لیٹے چھت کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''پروگریس نہیں ہے تو تم کیا کر رہے ہو؟'' وہ برہمی سے بولا۔ کیف کے چہرے پہ بدمزگی پھیلی۔

''اس کی ماں بیمار ہے۔ میں اس سے زبردستی کوئی معلومات حاصل نہیں کر سکتا۔'' بجلی ایک جھپاکے سے چلی گئی۔ پنکھا یو پی ایس کی وجہ سے گڑگڑانے لگا۔

''اسی لیے تم نے سوچا تم اس لڑکی کو پریشان کر دو۔'' مالک کا لہجہ طنزیہ تھا۔ اس کا اشارہ مالا اور صفورا کی گفتگو کی طرف تھا۔

''میں نے اسے پریشان نہیں کیا۔ وہ ایک غلط فہمی تھی۔ میں نے اس کو...'' توقف کیا۔ ''فکس کر دیا ہے۔''

''کیسے فکس کیا ہے؟''

''جہاں اتنے جھوٹ بولے ہیں وہاں ایک اور بول دیا ہے۔ خوش؟'' وہ ایک دم فون میں غرایا۔ مالک خاموش ہو گیا جیسے اس کو اس لہجے کی توقع نہ تھی۔

''ایسا کرتے ہیں آج اس ڈیل کو ختم کرتے ہیں۔''

کیف چونک گیا۔

''ابھی دو ماہ مکمل نہیں ہوئے۔ میں یہاں دو ماہ کے لیے آیا تھا۔'' وہ ایک دم سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔

''دو ماہ کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ استعفیٰ دو اور وہاں سے نکل آؤ۔ تمہیں ویسے بھی کوئی کام کی معلومات نہیں ملی۔ نہ ملے گی۔''

''مجھے اس کی زندگی سے کب نکلنا ہے' یہ میں طے کروں گا۔'' کیف دانت پہ دانت جما کے دبی آواز میں بولا۔ ''تم مجھے ڈکٹیشن دینا بند کرو۔''

دوسری جانب چند لمحے کی خاموشی چھا گئی۔

''پھر مجھے مت کہنا کہ تمہیں خبردار نہیں کیا۔''

کیف نے ہونہہ کر کے سر جھٹکا اور فون رکھ دیا۔ مالک اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔

مالک اس وقت کار کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھا تھا۔ سفید بال جیل سے جمائے' بنا سلوٹ کے تھری پیس سوٹ پہنے' قیمتی گھڑی کلائی پہ باندھے' وہ کسی میٹنگ کے لیے تیار کہیں جا رہا تھا۔ لیکن صاف واضح تھا کہ اس کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔ کال بند کرتے ہی اس نے ایک نمبر ملایا مگر وہ آف تھا۔

مالک نے جھنجھلا کے ایک دوسرا نمبر ملایا۔ اور موبائل کان سے لگایا۔

''مسٹر فرید اپنے روم میں ہیں؟ ان سے بات کروائیں۔'' وہ انگریزی میں بولا۔ چند لمحے کے انتظار کے بعد وہ لائن پہ تھا۔

''کیا ہوا ہے' مالک؟''

''وہ اس لڑکی کو چھوڑنے پہ تیار نہیں ہے۔ اسے اس جاب کے لیے بھیجنا ایک غلطی تھی۔''

''کیوں؟'' وہ چونکا۔ ''کیا وجہ ہے؟''

''وجہ وہی ہے جو ایک لمبے چوڑے مرد کو گھٹنوں کے بل گرا دیتی ہے۔'' مالک تلخی سے کہہ رہا تھا۔ ''وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہے۔ وہ اسے نہیں چھوڑے گا۔''

''یہ نہیں ہونا چاہیے' مالک۔ اسے دو ماہ کے اندر اندر وہاں سے نکلنا تھا۔ ہماری یہی ڈیل ہوئی تھی۔''

''تم بے فکر رہو۔ میں اس کو وہاں سے نکال لوں گا۔''

''کیسے؟'' وہ چونکا۔

''بہت آسان ہے۔'' وہ سڑک کنارے بھاگتے درخت دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''ہم کشمالہ مبین کو اس کے باڈی گارڈ کی حقیقت بتا دیں گے۔ وہ اسے خود ہی نکال دے گی۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ وہ صبح امید اور آسانی لیے طلوع ہوئی تھی۔

مالا کے کمرے میں ماں کا الگ بیڈ لگا تھا۔ یہ ہسپتال کا آٹو میٹک بیڈ تھا جو انہوں نے ایک ماہ کے لیے کرایے پہ لیا تھا۔ بٹن دبانے سے اس کی ٹیک اوپر اور نیچے ہو جاتی تھی۔

اس وقت حورِ جہاں بیگم ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ ابھی وہ اپنی کمر کے سہارے نہیں بیٹھ سکتی تھیں۔ ماتھے کی پٹی اب اتر چکی تھی اور نیلے دھاگے کے ٹانکوں کی ایک لکیر نظر آتی تھی۔ ان کے بال صرف تین انچ کے حصے سے مونڈے گئے تھے۔ وہ بھی ماتھے کے دائیں جانب سے۔ سر کے باقی تمام بال سلامت تھے۔ ٹانکوں کا دھاگہ وائیکرل کا تھا جس نے چند دن بعد گھل کے خود ہی ختم ہو جانا تھا۔ یعنی ٹانکے اتارنے کی بھی ضرورت نہ تھی۔ پیچھے رہ جانا تھا ایک زخم کا معمولی نشان۔ ایک یادگار کہ کبھی حورِ جہاں کو ٹیومر ہوا تھا۔

مالا کے کمرے میں آج کل وہ سحری اور افطاری وغیرہ کرتے تھے کیونکہ ماں ابھی یہاں سے نکل نہیں سکتی تھیں۔ اس وقت مالا اپنے بیڈ پہ بیٹھی تھی اور معید ماں کے ساتھ کرسی رکھے ان کا ہاتھ پکڑے بیٹھا تھا۔ وہ ہر صبح ماں کو خود ناشتہ کرواتا تھا۔ ابھی تک وہ جاب پہ واپس نہیں جا رہا تھا۔ جب تک ماں اپنے قدموں پہ نہیں کھڑی ہو جاتیں' اسے ان کے ساتھ سایے کی طرح رہنا تھا۔

''جب مجھے ہسپتال میں ہوش آیا تو میرا بیٹا میرے قدموں میں بیٹھا تھا۔'' ماں نے پیار سے معید کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

''ماں کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے نا۔'' فرمانبرداری سے کہہ کے معید ناشتہ ان کی پلیٹ میں نکالنے لگا۔

''ہاں بیٹا۔ اور میرا جوتا بھی انہی قدموں تلے ہوتا ہے۔ ناں تم نے کس سے پوچھ کے میرا آپریشن کروایا؟'' ان کے تیور ایک منٹ میں بدلے تھے۔ پراٹھے کا نوالا بناتے معید کا ہاتھ ہوا میں رک گیا۔ چہرہ اٹھا کے شاک سے انہیں دیکھا۔

''اتنے دن سے تو بتا رہا ہوں ماں' آپریشن ضروری تھا۔''

ماں کا پیار اور خفگی آج کل ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ جب سے ان کی یادداشت درست کام کرنے لگی تھی' انہیں یاد

آ گیا تھا کہ ان کی اجازت کے بغیر ان کی اولاد نے اتنا بڑا اقدم اٹھالیا تھا۔ وہ ایک دم بہت شکر گزار بھی ہو جاتیں کہ میرے بچے میرا کتنا خیال کر رہے ہیں۔ لیکن پھر انہیں یاد آ جاتا کہ ان سے پوچھے بغیر آپریشن کروایا ہے۔ بس وہیں کلاس شروع ہو جاتی۔

''اور تم..'' ماں نے گھور کے مالا کو دیکھا۔ وہ پرانی دبنگ سی حورِ جہاں بیگم بن چکی تھیں۔

''تم مجھے ہسپتال میں چھوڑ کے چلی گئی۔''

''ماں آئی سی یو میں نہیں رہنے دیتے رات کو۔ پھر مجھے معید نے زبردستی گھر بھیجا تھا۔'' اس نے ہنس کے وضاحت کی۔ وہ دونوں پچھلے کئی دن سے وضاحتیں دے رہے تھے مگر مجال ہے جو ماں ان کی بات مان لیں۔

ماہی تو سرے سے مکر گئی۔

''ماں میں تو کینیڈا میں ہوں۔ مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں آپ کے آپریشن کا۔ ورنہ میں آپ کو فوراً بتا دیتی۔'' معصومیت سے کہا اور ماں نے اس کا فوراً یقین کر لیا۔ وہ بے چاری پردیسن بیٹی۔ اس کو کہاں کوئی کچھ بتاتا تھا۔

''ماں ہمیں معلوم ہے کہ ہم نے ٹھیک نہیں کیا۔ آپ سے پوچھے بغیر آپ کی سرجری کروادی۔ لیکن ہمارے پاس کوئی اور چوائس نہیں تھی۔ آپ یہ خبر اس وقت برداشت نہ کر سکتیں۔'' معید نرمی سے ان کو سمجھانے لگا۔

''ماں کو نہ سمجھا۔ ناشتہ کرنے دے مجھے۔'' انہوں نے ناک سے مکھی اڑائی۔ وہ ہنس دیا اور ان کے لیے چائے نکالنے لگا۔ دفعتاً ماں کو اس کا خیال آیا جو مسکراتے ہوئے ماں بیٹے کی گفتگو سن رہی تھی۔

''مالا... تم کہہ رہی تھیں کہ اپنے کام کی کچھ چیزیں لینے بازار جانا ہے۔ تو جاؤ نا بیٹا۔ میں ٹھیک ہوں۔''

''جی۔ بس ابھی نکلتی ہوں۔'' اس نے معید کو دیکھا۔ ''تم اکیلے ماں کا خیال رکھ لو گے نا؟''

''جی میں تو کمپاؤڈر ہوں۔ مجھے کیا پتہ خیال کیسے رکھا جاتا ہے؟''

وہ بے اختیار ہنس دی۔ وہ کیا کرتی۔ ماں کو اتنے دن بعد تنہا چھوڑ کے جا رہی تھی۔ اسے ایک ریسٹوران سے کام کی آفر آئی تھی اور اس کے لیے اسے پینٹ سپلائیز خریدنے تھے۔

''جا میری بیٹی۔'' ماں نے پیار سے اس کے کندھے پہ ہاتھ پھیرا۔ ''جا... تیرا قیمتی کام ہے اتنا۔ میری وجہ سے اس کو پیچھے نہ کر۔ جا شاباش۔''

وہ جو بیڈ سے اتر کے چپل پہن رہی تھی' ایک دم رک گئی۔ سر وہیں جھکا رہا۔ گلے میں آنسوؤں کا پھندا پڑنے لگا۔ پھر اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی اور اٹھ گئی۔ باتھ روم میں آ کے اس نے آئینے میں اپنا چہرہ

دیکھا۔اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

ساری عمر ماں سے یہی شکوہ تھا کہ ان کو مالا کے کام کی سمجھ نہیں آتی۔بس ان کو ڈاکٹر بنانا تھا کشمالہ کو۔وہ نہیں بنی تو اب وہ جو بھی بن جائے'ماں کے نزدیک یہ سب بے کار کام تھے۔(پرے۔فیشنی پڑھائیاں۔فیشنی نوکریاں۔پڑھائی تو یا میڈیکل ہے'یا انجینئرنگ یا فوج کی نوکری۔بس)

کتنی بحثیں ہوئی تھیں ان گزرے برسوں میں ماں کو اپنا نکتہ نظر سمجھاتے ہوئے۔لیکن آج معلوم ہوا کہ ماں کو سب سمجھ میں آتا تھا۔اور ان کو قدر بھی تھی۔جیسے وہ اپنی ضد نہیں چھوڑ سکتی تھی'ویسے ہی وہ بھی نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔

ان کے ایک ہی فقرے نے کشمالہ مبین کی زندگی کے ان محنتی سالوں کو معتبر کر دیا تھا۔

کیف پورچ میں کسی کام سے آیا تھا جب وہ باہر نکلی۔اس کا رخ کار کی جانب تھا۔

''باس...''

ہشاش بشاش سے انداز میں اس نے کشمالہ کو پکارا۔وہ جو کار کی طرف جا رہی تھی'رک کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔وہ ہلکے سبز رنگ کے لباس میں ملبوس تھی۔بال ہاف کیچر میں بندھے تھے۔کہنی پہ بیگ اور پیروں میں بند جوتے تھے۔چہرہ سپاٹ تھا۔

''مارکیٹ جا رہی ہیں؟''وہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے آیا اور کار کی چابی کے لیے ہاتھ بڑھایا۔''میں لے جاتا ہوں۔''

کشمالہ نے سبز آنکھوں میں سنجیدگی لیے اسے دیکھا۔دھوپ اس کے عقب میں تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح اس کا سایہ بنا ہوا تھا۔مسکراتا ہوا۔بڑھی شیو اور ماتھے پہ بکھرے بالوں والا کیف جمال۔وہ سامنے آیا تو اس کے جھوٹ کے لیے دل خود بخود وضاحتیں دینے لگا... لیکن وہ دل کی نہیں سننا چاہتی تھی۔

اس نے''ہوں''کہہ کے چابی اس کی طرف بڑھا دی۔اور اس کے سایے سے نکل آئی۔پھر دھوپ میں چلتی ہوئی دوسری طرف سے پچھلی سیٹ پہ بیٹھی اور زور دار آواز سے دروازہ بند کیا۔

کیف کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے کار کو دیکھا۔وہ اسے کھنچی کھنچی لگی تھی۔شاید پریشان تھی اپنی امی کے لیے۔

''کہاں جانا ہے؟''کار ریورس کر کے باہر نکالتے ہوئے اس نے پوچھا۔وہ کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔اسی انداز میں بولی۔

''بک اسٹور۔'' قدرے توقف سے پوچھا۔ ''تم آج کام پہ نہیں گئے؟''

''آپ کو ڈراپ کر کے وہیں چلا جاؤں گا۔'' وہ کار سڑک پہ نکالتے ہوئے اسی سادہ انداز میں بولا۔

''کیا بتایا تھا تم نے؟ کہاں جاتے ہو؟''

''گارڈن ٹاؤن میں ایک کوورکنگ اسپیس ہے۔ وہاں ڈیسک لیا ہوا ہے۔''

''کتنا کرایہ ہے ڈیسک کا؟''

''سستا ہے۔ پانچ ہزار ماہانہ۔ چائے کافی فری۔''

کار باہر سڑک پہ آ چکی تھی۔ کشمالہ نے ایک نظر اگلی دونوں نشستوں کی درمیانی جگہ کو دیکھا جہاں کیف نے عادتاً اپنا والٹ رکھا ہوا تھا۔ وہ ڈرائیو کرنے سے پہلے والٹ اور موبائل ہمیشہ وہیں رکھا کرتا تھا۔

''ایک منٹ۔ کار روکو۔ میں پانی کی بوتل کچن میں بھول آئی ہوں۔''

کیف نے تابعداری سے کار گیٹ کے باہر روک دی۔ وہ دروازہ کھولنے لگی تو کیف نے اسے روک دیا۔

''آپ بیٹھیں۔ میں لے لاتا ہوں۔'' سیٹ بیلٹ اتار کے وہ باہر نکلا اور گیٹ کی طرف بڑھا۔ کشمالہ اسے گیٹ کے اندر جاتے دیکھتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ اس مقام سے وہ سی سی ٹی وی کیمرے کی نظر میں نہیں آئے گی۔

اس نے تیزی سے دونوں سیٹس کے درمیان رکھا کیف کا والٹ اٹھایا۔

(اُف مالا تم کیا کر رہی ہو؟ یہ غلط ہے) مگر اس نے اندر سے آتی آوازوں کو شش کہہ دیا۔ شک اس کے دل میں جگہ بنا چکا تھا۔

والٹ برانڈڈ تھا۔ اندر کیف جمال کا آئی ڈی کارڈ لگا تھا۔ ساتھ اس کا ایک بینک کارڈ تھا۔ تیسرا کارڈ کسی اور شے کا تھا۔ کیش والے خانے میں پانچ ہزار کے نئے نوٹ بھرے تھے۔ وہ اتنے زیادہ تھے کہ والٹ پھولا ہوا تھا۔

اس نے ایک نظر اوپر دیکھا۔ وہ ابھی باہر نہیں آیا تھا۔ پھر اس نے تیسرا کارڈ نکال کے بغور دیکھا۔ وہ اسی لگژری اپارٹمنٹ بلڈنگ کا کارڈ تھا۔ یہ غالباً چابی کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔

اوپر نمبر بھی لکھا تھا۔ فائیو سی۔ پانچویں فلور کا تیسرا اپارٹمنٹ۔

اسے ہر ایک نے کیف کے بارے میں الگ الگ خبردار کیا تھا۔ دور اندر وہ بھی جانتی تھی کہ کچھ ہے جو اسے کھٹکتا ہے۔ جس دن کیف نے پہلی دفعہ اسلام آباد میں اس کے آفس میں قدم رکھا تھا' وہ جانتی تھی کہ اس میں کچھ غلط ہے۔ لیکن اسے ہمیشہ کیف سے ایک اچھی وائب آئی تھی۔ یہ وائب اور گٹ فیلنگ پہ بھروسہ ہی تھا جو وہ ڈیڑھ ماہ

سے کیف جمال پہ اعتبار کیے ہوئے تھی۔ لیکن یہ نوٹ؟

یہ نوٹ کیف کی چار پانچ ماہ کی تنخواہ سے زیادہ تھے۔ وہ تنخواہ جو کشمالہ نے اس کے لیے مقرر کی تھی۔ اگر وہ کیف کے والٹ میں اتنے سارے نوٹ نہ دیکھتی تو شاید کبھی وہ نہ کرتی جو اب وہ کرنے جا رہی تھی۔

اس نے بنا سوچے سمجھے اپارٹمنٹ کا کارڈ نکالا اور مٹھی میں دبا لیا۔ پھر والٹ واپس رکھا اور کارڈ کو اپنے پرس میں ڈال کے خاموشی سے باہر دیکھنے لگی۔ دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ ایماندار لڑکی تھی۔ وہ نہ جھوٹ بولتی تھی نہ گیمز کھیلتی تھی۔ جو اس کے دل میں ہوتا' ظاہر ہو جاتا۔ اسے معلوم تھا وہ غلط کر رہی ہے۔ لیکن وہ ڈری ہوئی بھی تھی۔ کوئی اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ اور اس کا باڈی گارڈ مشکوک لگنے لگا تھا۔

کہیں کسی نے کیف جمال کو خرید تو نہیں لیا تھا؟ ماہر فرید... اس کا تعاقب کار.... ایک امیر آدمی تھا۔ کہیں اس نے کیف کی مجبوریوں کا سودا تو نہیں کر لیا تھا؟

چند ثانیے بعد کیف جمال باہر آتا دکھائی دیا۔ اس کے ہاتھ میں پانی کی بوتل تھی۔ اسے بوتل تھما کے وہ سیٹ بیلٹ پہننے لگا۔

مالا نے اسے نظریں نہیں ملائیں۔ وہ ہمیشہ کی طرح مسکراتا ہوا ہشاش بشاش سا لگ رہا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھتی تو گلٹ محسوس ہونے لگتا۔ نہیں۔ اسے کوئی نہیں خرید سکتا تھا۔ اس رقم کے پیچھے کوئی اور وجہ ہو گی۔

ابھی وہ راستے میں تھے جب کشمالہ کے فون پہ ایک غیر شناسا نمبر سے کال آنے لگی۔ اس نے موبائل کان سے لگایا۔

"میں فرید ہولڈنگ سے عبدالمالک بات کر رہا ہوں۔ ماہر فرید کا مینیجر۔"

اس کا سانس رک سا گیا۔ چونک کے ڈرائیو کرتے کیف کو دیکھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ سکتا تھا نہ فون کی آواز سن سکتا تھا۔

"جی بتائیں۔ میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟" کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے لہجے کو سرسری سا بنایا البتہ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

"آپ بتائیں ہم آپ کے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ میرے علم میں آیا ہے کہ آپ کا اسسٹنٹ کیف جمال میرے باس کے بارے میں چند لوگوں سے پوچھ گچھ کروا رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ خود ہی آپ سے رابطہ کر لیا جائے۔"

کشمالہ نے باہر دیکھتے ہوئے بہت سا تھوک نگلا۔ ایک عجیب سا خوف محسوس ہوا۔ اس کا تعاقب کار سچ بن کے

سامنے آ گیا تھا۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کہے۔ مالک نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

"کیا ہم آج مل سکتے ہیں؟"

"شیور۔ آپ مجھے میسج کر دیں۔ میں دیکھ لیتی ہوں۔" کال بند کر کے وہ بدقت چہرے کے تاثرات نارمل کرتے ہوئے باہر دیکھنے لگی۔ گود میں رکھی مٹھی زور سے بھینچ رکھی تھی۔ دل ایسے دھڑک رہا تھا کہ لگتا تھا سینہ توڑ کے باہر آ جائے گا۔

کیا وہ ماہر فرید سے ملنے جا رہی تھی؟ لیکن وہ تو انگلینڈ میں ہوتا تھا۔ کال بھی انگلینڈ کے نمبر سے واٹس ایپ پہ آئی تھی۔ شاید وہ لاہور میں تھا۔

"یہاں ڈراپ کر دوں آپ کو؟" اس کی اندرونی کیفیت سے بے خبر کیف ایک بک اسٹور کے سامنے پارکنگ کی جگہ تلاش کر رہا تھا۔

"ہاں اور کار مجھے دے دو۔ تم کیب کر لینا۔ مجھے کچھ گھنٹے کے لیے کار چاہیے ہو گی۔"

کیف نے سنجیدگی سے پلٹ کے اسے دیکھا۔ "آر یو شیور؟ آپ اکیلے...."

"کیف تم میرے ملازم ہو۔ میں تمہاری نہیں۔ مجھ سے بحث مت کیا کرو۔" وہ برہمی سے کہہ کے باہر نکلی اور زور سے دروازہ بند کیا۔ وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ کچھ تھا جو کشمالہ مبین میں بدلا بدلا سا تھا۔

"شیور باس۔" اس نے چپ چاپ چابی اس کے حوالے کر دی اور جب وہ بک اسٹور کے اندر چلی گئی تو وہ موبائل پہ رائیڈ بک کروانے لگا۔ ذہن الجھ سا گیا تھا۔

اس نے اندر جاتے ہی ماہی کو کال ملائی۔ پینٹ، برش، ٹرپنٹائن، وہ کیا لینے آئی تھی، سب بھول گیا تھا۔

"ماں ٹھیک ہیں؟" ماہی نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔ اس کے ہاں رات تھی۔ شاید وہ سو چکی تھی۔ مالا کا نمبر دیکھتے ہی گھبرا کے پوچھا۔

"ہاں ہاں ٹھیک ہیں۔ میری بات سنو اور مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔" وہ چند بک ریکس کے درمیان کھڑی دبی آواز میں کہنے لگی۔

"اس نے تمہیں کہاں بلایا ہے؟"

"ایک سیون اسٹار ہوٹل کی لابی میں۔"

"لابی میں درجنوں لوگ ہوں گے۔ اگر کیف پہ اعتبار نہیں ہے تو اکیلی چلی جاؤ۔ جا کے ملو اس ماہر فرید سے اور

پوچھو اس سے کہ اس کا کیا مسئلہ ہے؟'' ماہی مطمئن تھی۔

''میں کیف کو نہیں لے کر جانا چاہتی۔ مجھے اس پہ اعتبار نہیں ہے۔ معید کو لے کر گئی تو اس کو ساری کہانی بتانی پڑے گی۔ پہلے ہمارے کم مسئلے ہیں۔'' وہ سوچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''میں اکیلے جانے سے نہیں ڈرتی۔ لیکن کیا اس سے ملنے کا کوئی فائدہ ہوگا۔''

''ظاہر ہے ہوگا۔ کم از کم تمہیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ تمہارا تعاقب کار کوئی انسان ہے یا نہیں۔''

''اوہ پلیز ماہی۔ میرا تعاقب کار انسان ہی ہے۔ کوئی دو سو سال پرانا جن نہیں ہے۔'' اس نے سر جھٹک کے کال بند کی۔ وہ تنہا جانے سے نہیں ڈرتی تھی۔ وہ کیف کو بغیر بتائے جانے سے گلٹ محسوس کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس لگژری اپارٹمنٹ بلڈنگ کا پانچواں فلور اس دوپہر سفید روشنیوں میں چمک رہا تھا۔ لفٹ کے دروازے کھلے اور کیف باہر نکلتا دکھائی دیا۔ والٹ کھولتے ہوئے وہ اپنے دروازے تک آیا مگر ٹھٹھک کے رک گیا۔ کی کارڈ والٹ میں نہیں تھا۔ اس نے اچنبھے سے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈال کے دیکھا۔ وہ کہیں نہیں تھا۔

وہ پلٹ کے لفٹ کی طرف جانے لگا تا کہ ریسیپشن سے متبادل کارڈ لے آئے، تبھی اس کے اپارٹمنٹ کا دروازہ اندر سے کھل گیا۔

چوکھٹ میں مالک کھڑا تھا۔ گرے سوٹ میں ملبوس۔ سفید بال جیل سے جمائے۔ چہرے پہ سپاٹ سی سختی لیے۔ کیف نے الجھ کے اسے دیکھا اور اپنے والٹ کو۔

''تم نے میرا کارڈ... نیور مائنڈ۔'' سر جھٹک کے وہ اندر داخل ہوا اور آگے چلتا گیا۔ مالک دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آیا۔

''کیا حال کر دیا ہے تم نے میرے اپارٹمنٹ کا۔'' اس نے ایک افسوس بھری نظر لونگ روم کی گلاس وال پہ ڈالی جس کے اوپر جگہ جگہ کاغذ چپکے تھے۔ لونگ روم میں صوفے پیچھے ہٹا کے ایک بڑی میز رکھی گئی تھی جس کے اوپر کچھ رکھا تھا۔ کیا رکھا تھا' یہ واضح نہیں تھا کیونکہ اسے کپڑے سے ڈھکا گیا تھا۔ ایک طرف کمپیوٹر اور پرنٹرز رکھے تھے۔

''چاہو تو اپنا اپارٹمنٹ واپس لے لو۔ میں تو کسی کال کوٹھڑی میں بھی رہ سکتا تھا۔'' وہ سپاٹ انداز میں کہتا اوپن کچن تک آیا اور فریج کھولا۔

''پھر تم استعفیٰ نہیں دے رہے؟'' مالک گلاس وال کے ساتھ کھڑا نیچے نظر آتی سڑک دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔ کیونکہ ابھی مجھے کچھ خاص نہیں ملا۔ اب دوبارہ دو ماہ کی ڈیل کا ذکر مت کرنا۔ یہ میری زندگی ہے۔ میں نے کس کی کتنی نوکری کرنی ہے' اس کا فیصلہ میں کروں گا۔'' اس نے فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل اور چند سبزیاں نکالیں۔ پھر بلینڈر کی طرف آیا اور سبزیوں کو علیحدہ کرنے لگا۔ وہ کوئی صحت افزاء ڈرنک بنانے جا رہا تھا۔

''تمہیں یاد ہے وہ دن جب اس ہوٹل سوئیٹ میں ہم چاروں اکٹھے ہوئے تھے؟''

دھنیے کے پتے الگ کرتے ہوئے کیف کے ہاتھ رکے۔ مڑ کے سنجیدگی سے مالک کو دیکھا۔ ''ظاہر ہے مجھے یاد ہے۔''

''تب میں نے اس ملاقات کو ویڈیو پہ ریکارڈ کر لیا تھا۔''

''پھر؟'' وہ واپس اپنی سبزیوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''تمہاری آرٹسٹ لڑکی کو ابھی جو کال آئی تھی' وہ میں نے کی تھی۔ میں نے اسے ایک جگہ ملنے کے لیے بلایا ہے تاکہ میں اسے وہ ویڈیو دکھا سکوں۔''

کیف کے ہاتھ سے پتے گر گئے۔ ایک لمحے کے لیے وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔ پھر تیزی سے مالک کی طرف لپکا۔

''تم یہ کیسے کر سکتے ہو؟'' اس کے سامنے پہنچ کے وہ سرخ چہرے کے ساتھ غرایا۔ بمشکل مٹھیاں بھینچ کے خود کو اس پہ حملہ کرنے سے روکا۔

مالک نے چہرہ گھما کے اسے دیکھا۔

''میں نے کہا تھا نا' مجھے مت کہنا کہ میں نے تمہیں وارن نہیں کیا۔''

''مالک... مالک....''

''ہماری بات دو ماہ کی ہوئی تھی۔ تمہیں دو ماہ کے اندر اندر یہاں سے نکلنا تھا۔ اب تم زبان سے پھر رہے ہو۔''

''اس کو وہاں مت بلاؤ۔ میں سب ہینڈل کر رہا ہوں نا۔'' وہ پریشان ہو گیا تھا۔

''نہیں۔ تم کچھ بھی ہینڈل نہیں کر رہے۔ تم اپنے مقصد سے ہٹ گئے ہو اور میں تمہاری لگام کھینچنے آیا ہوں۔''

''تم اس کو کوئی ویڈیو نہیں دکھاؤ گے۔'' اس کا غصہ اب بے چینی اور اضطراب میں بدل رہا تھا۔ وہ دونوں گلاس وال کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''اب تمہارے پاس دو راستے ہیں۔ پہلا یہ کہ میں تمہاری لڑکی کو وہ ویڈیو دکھا دوں اور وہ خود تمہیں اپنی زندگی

سے نکال دے۔'' مالک اسی پتھر چہرے کے ساتھ آرام سے کہہ رہا تھا۔ ''یا پھر تم مجھے اپنی زبان دو کہ آج رات سے پہلے پہلے تم اپنا استعفیٰ اس کے سامنے رکھ دو گے۔ اب میں تمہیں دو ماہ کا وقت نہیں دوں گا۔ تم آج اس کی زندگی سے نکل جاؤ گے۔ آج۔''

کیف دانت پہ دانت جمائے سرخ پڑتی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''وڈیو دیکھ کے اسے سارا کھیل سمجھ آجائے گا۔'' مالک اب نیچے سڑک پہ رواں دواں ٹریفک کو دیکھ رہا تھا۔

''میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ کیا کرے گی؟ ہمارے خلاف پولیس بلا لے گی؟'' وہ ہلکا سا ہنسا۔ ''وہ ہمارے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ ہم صرف اسے وڈیو دکھائیں گے۔ اس کے حوالے نہیں کریں گے۔ جو ہوگا تمہارے اور اس کے درمیان ہوگا۔ تم نے اس کی زندگی سے ویسے ہی نکلنا ہے۔ کم از کم عزت سے نکل جاؤ۔''

وہ ماتھے پہ بل لیے مالک کو گھورتا رہا۔ پہلو میں گرے ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔

مالک اس کی طرف مڑا اور سر سے پیر تک اسے افسوس سے دیکھا۔

''خود کو دیکھو۔'' اس نے کیف کو کندھے سے پکڑ کے زبردستی اس کا رخ دیوار پہ لگے آرائشی آئینے کی طرف موڑ دیا۔ کیف نے مزاحمت نہیں کی۔ بس ایک نظر اپنے عکس پہ ڈالی۔ شیو بڑھی تھی۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ اور چہرے پہ غصے اور ضبط کے ملے جلے تاثرات تھے۔

''خود کو دیکھو۔ یہ کس کا چہرہ ہے؟'' عکس میں اسے مالک اپنے کندھے کے پیچھے کھڑا دکھائی دیا۔ وہ اس سے ایک انچ لمبا تھا۔

''میں بتاؤں یہ کس کا چہرہ ہے؟'' وہ سفاکی سے اس کے قریب ہو کے بولا۔

''یہ ایک محبت میں گرفتار ہوئے مرد کا چہرہ ہے۔''

اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ اب ہر طرف اندھیرا تھا۔ اندھیرے میں کہیں دور سے مالک کی آواز آرہی تھی۔

''محبت میں مبتلا مرد کسی کام کا نہیں رہتا۔ تم بھی نہیں رہو گے۔ یوں سمجھو میں تمہارے اوپر ایک احسان کر رہا ہوں۔ تم اور وہ کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ تم دھوکے سے اس کی زندگی میں داخل ہوئے تھے۔ ہر دھوکے کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ خود کو اس سے دور کر لو۔''

کیف نے آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

''مجھے تمہارے بزنس ایڈونچرز کی پرواہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ناکام ہی ہونے ہیں۔ لیکن.....'' مالک نے میز کی طرف دیکھا جہاں کچھ کپڑے سے ڈھکا پڑا تھا۔ ''کیاتم نے اپنا پلان بنالیا؟ کیاتم پندرہ جولائی کے لیے تیار ہو؟''

وہ کچھ نہیں بولا۔ اپنا عکس دیکھتا رہا۔ وہ فوکس لوز کر چکا تھا۔

''ایک طرف تمہارا روشن مستقبل ہے۔ دوسری طرف وہ لڑکی۔ تم ایک کا انتخاب کر سکتے ہو۔'' پھر اس نے آواز دھیمی کی۔

''فیصلہ تمہارا ہے۔ کیاتم اپنے سرکل میں ہر شخص سے یہ سننے کے لیے تیار ہو کہ.....'' اس کی آواز مزید مدھم ہوئی۔ ایک سرگوشی کی مانند۔ ''کہ کیف ایک فیلیئر (failure) ہے؟'

مالک یہ کہہ کے پیچھے ہٹ گیا۔ اسے معلوم تھا وہ وہاں ضرب لگا چکا ہے جہاں سب سے زیادہ درد ہوتا ہے۔

کیف نے آنکھیں بند کرلیں۔ مالک کی ساری باتیں ایک طرف۔ یہ بات ہر شے پہ بھاری تھی۔

(کیف ایک فیلیئر ہے۔)

اس نے آنکھیں کھولیں۔ اور خود کو دیکھا۔ مالک درست کہہ رہا تھا۔ محبت میں مبتلا مرد کسی کام کا نہیں رہتا۔

''میں تمہارے جواب کا منتظر ہوں۔'' وہ اب گلاس وال کے ساتھ رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور موبائل نکال کے عینک ناک پہ لگالی۔ کیف نے پلٹ کے اسے دیکھا۔

''تم نے کشمالہ سے ملنے کب جانا ہے؟'' اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔

مالک نے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''تمہیں کیوں لگا کہ اس سے ملنے میں خود جاؤں گا؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لاہور کا وہ معروف سیون اسٹار ہوٹل سفید اور سیاہ رنگ میں ڈیزائن کیا گیا تھا۔ شطرنج کی بساط جیسا سیاہ سفید مرمریں فرش اس دوپہر چمک رہا تھا۔ لابی میں دور دور صوفوں کے گروپس بنے تھے۔ ایسے ہی ایک صوفے پہ وہ بیٹھی تھی۔

وہ گھر جا کے پھر سے اس ملاقات کے لیے تیار ہو کے آئی تھی۔ اب کے اس نے بال جوڑے میں باندھ رکھے تھے۔ سیاہ سفید لمبی قمیض اور سیاہ ہیلز میں ملبوس' وہ سیاہ ٹاپس پہنے ایک صوفے پہ بیٹھی خود بھی اس منظر نامے کا حصہ لگ رہی تھی۔

لابی کے ایک کونے میں آرائشی زینے لگے تھے جن کے اوپر راہداری میں لفٹ نصب تھی۔

وہ لفٹ سے نکلا اور زینے اترتے لگا۔نظریں لابی میں کشمالہ مبین کو تلاش کر رہی تھیں۔وہ اسے جلد ہی نظر آ گئی۔لابی کے وسط میں ایک نمایاں مقام پہ صوفے پہ بیٹھی وہ دوسری طرف رخ کیے انگلی پہ اپنی ایک لٹ مروڑ رہی تھی۔کانوں کے سیاہ ٹاپس دور سے چمکتے دکھائی دے رہے تھے۔

اس کی نگاہوں کا ارتکاز محسوس کر کے کشمالہ نے سر اٹھایا۔

ایک نوجوان مسکرا کے اس کو دیکھتا ہوا زینے اتر رہا تھا۔اس کا رخ کشمالہ کی جانب تھا۔وہ ٹی شرٹ کے اوپر casual کوٹ پہنے ہوئے تھا جس کے آستین کہنیوں تک اکٹھے کر کے سلے تھے۔پیروں میں بغیر جرابوں کے بھورے لوفرز تھے۔کلائی پہ قیمتی رسٹ واچ۔بال سیاہ اور گھنگریالے تھے۔ماتھے پہ ایک طرف سامنے گرتے تھے اور قلموں سے استرا پھیر کے صاف کیے گئے تھے۔فٹبالرز جیسے۔اس کے ایک کان میں سلور بالی تھی۔

اسے نہ جانے کیوں لگا وہ اس سے پہلے مل چکی ہے۔کب کیسے؟ یاد نہ تھا۔بس ایک ہلکا سا شناسائی کا احساس تھا۔

''کشمالہ مبین؟'' وہ مسکرا کے کہتا ہوا اس کے سامنے آیا۔مالا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔اپنی جگہ سے اٹھی نہیں۔

''مے آئی؟'' نوجوان نے سامنے رکھے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔اس نے پھر خاموشی سے گردن ہلائی تو وہ مسکراتے ہوئے وہاں بیٹھا۔اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی لیکن ایسے کہ جوتے کا رخ مخالف سمت تھا۔وہ دیکھنے میں مہذب اور خوش مزاج لگتا تھا۔

''میں ہیر بل ہوں۔فرید ہولڈنگ میں سینئر پارٹنر اور شیئر ہولڈر۔آپ کے آنے کا شکریہ۔''

''میں کشمالہ مبین ہوں۔'' اس نے بغور اس نوجوان کو دیکھا۔وہ اپنی چمک دمک سے کسی رئیس خاندان کا سپوت لگتا تھا۔ایسے لڑکے جو منہ میں سونے کا نوالہ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔اس نے اسے پہلے کہاں دیکھا تھا؟

''آپ کیا لیں گی؟'' وہ دو انگلیوں سے ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے اس سے پوچھنے لگا۔

''تھینکس۔میرا روزہ ہے۔'' وہ کھنچی کھنچی سی تھی۔

''شرمندہ کر دیا آپ نے۔اگلے سال سے میں بھی رکھوں گا۔'' ویٹر آ گیا تو وہ اپنا آرڈر لکھوانے لگا۔

''ایک آئیسڈ لاتے۔کوکونٹ ملک کے ساتھ۔کیونکہ تمہیں معلوم ہے میں lactose intolerant ہوں۔'' مسکرا کے ویٹر کو یاد کروایا۔اس نے بھی مسکرا کے سر ہلا دیا۔غالباً وہ یہاں کچھ دن سے مقیم تھا۔''شوگر بالکل

نہ ہو۔صرف ونیلا سیرپ کی ٹاپنگ ہو۔ایسپریسو کا ایکسٹرا شاٹ اور ریگولر سائز ہو۔"

ویٹر چلا گیا تو بیربل فرصت سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔چہرے پہ مسکراہٹ برقرار تھی۔

"مجھے عبدالمالک صاحب کی کال آئی تھی۔وہ خود کہاں ہیں؟" وہ مسکرا نہیں رہی تھی۔سپاٹ اور سرد رویہ اپنائے ہوئے تھی۔

"مالک اسلام آباد میں ہے۔وہ چاہتا تھا ہم آج ہی مل لیں اس لیے اس نے مجھے کہہ دیا۔" مسکراہٹ اس نوجوان کے چہرے سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔"اس نے بتایا تھا کہ آپ کے اسسٹنٹ..." جیسے نام یاد کیا۔"...کیف سم تھنگ...وہ مالک کے کسی جاننے والے سے ماہر کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔غالباً آپ ماہر سے ملنا چاہتی ہیں؟"

"جی۔اور وہ کہاں ہیں؟" وہ اب آرام دہ محسوس کر رہی تھی۔خوف'بے چینی'سب عنقا ہو گیا تھا۔

"وہ لندن میں ہوتا ہے۔اپریل میں وہ یہاں آیا تھا۔جولائی میں دوبارہ آئے گا۔آپ چاہیں تو لندن جا کے اس سے مل لیں۔یا جولائی کا انتظار کر لیں۔یا ہم اس کے ساتھ ویڈیو کانفرنس کر لیتے ہیں۔"

کشمالہ نے پہلو بدلا۔وہ کسی مافیا ٹائپ کے لوگوں کی توقع کر رہی تھی۔انٹرنیٹ پہ پڑھی باتوں سے یہی لگتا تھا۔لیکن سامنے بیٹھے نوجوان کا تعلق کارپوریٹ طبقے سے معلوم ہوتا تھا۔کچھ غلط تھا اس سب میں۔

"مجھے ماہر فرید سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔مجھے صرف اپنا جواب چاہیے۔" اس نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور وہ لائٹر نکال کے سامنے میز پہ رکھا۔

"چند ہفتے قبل کسی نے مجھ پہ حملہ کیا تھا اور میرے پرس میں یہ ڈالا تھا۔اس پہ ماہر فرید لکھا ہے۔کیا یہ آپ کے باس کا ہے؟"

"باس؟" بیربل کے ابرو اچھنبے سے اکٹھے ہوئے۔پھر جیسے یاد آیا۔"اوہ۔یعنی ماہر۔" اس نے جھک کے لائٹر اٹھایا اور اسے الٹ پلٹ کے دیکھا۔

"یہ ماہر کا نہیں ہو سکتا۔کیونکہ وہ سگریٹ نہیں پیتا۔" اس نے لائٹر واپس رکھ دیا۔"ویسے بھی دنیا میں صرف ایک ماہر فرید نہیں ہے۔"

اس نے غیر آرام دہ انداز میں پہلو بدلا۔

"کیا آپ کے ماہر فرید وہی ہیں جو یو کے کے ایک رئیل اسٹیٹ ڈویلپر کے بیٹے ہیں اور ان کے والد کا چند

برس قبل کار کریش میں انتقال ہوا تھا؟''

''جی۔'' بیر بل ساتھ ہی کچھ کہنے لگا لیکن رک گیا۔ ویٹر کافی لے آیا تھا۔ اس کے جاتے ہی وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔

''اور آپ کے ماہر فرید وہی ہیں نا جو ذہنی امراض کے انسٹی ٹیوٹ میں زیر علاج رہے ہیں؟''

پہلی دفعہ بیر بل کے چہرے کی مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔ ''جی۔''

''ایک بات پوچھوں آپ سے۔'' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی لڑکی نڈر لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''آپ ایک سائیکو پیتھ کے ساتھ کام کیوں کرتے ہیں؟''

بیر بل نے موبائل پہ ایک نظر ڈالی۔ مالک کا میسج آیا ہوا تھا۔

''ویڈیو مت دکھانا۔ وہ آج استعفیٰ دینے پہ راضی ہو گیا ہے۔''

اس نے گہری سانس لی اور سر اٹھا کے کشمالہ کو اسی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا۔

''سوری.... کیا پوچھا آپ نے؟''

''یہی کہ آپ ایک سائیکو پیتھ کے ساتھ کام کیوں کرتے ہیں؟''

''ماہر سائیکو پیتھ نہیں ہے۔ سائیکو پیتھ ملین پاؤنڈز کی بزنس ایمپائر نہ بنا سکتے ہیں نہ چلا سکتے ہیں۔ ماہر کوئی بہت اچھا آدمی نہیں ہے۔ مانتا ہوں کہ وہ کبھی کبھی اپنے obssession اور...'' وہ رکا۔ جیسے الفاظ تلاش کیے... ''اور اپنے ambition میں کچھ حدود کراس کر سکتا ہے لیکن...''

وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ ''وہ کبھی بھی کسی لڑکی کا تعاقب کر کے اس کو ہراس نہیں کرے گا۔ اگر کوئی آپ کے پیچھے پڑا ہے' تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ ماہر فرید نہیں ہے۔''

''میں کیسے مان لوں؟''

''کیونکہ ماہر ایک کارپوریٹ جینئس ہے۔ ایک ماسٹر بزنس مین۔'' اس کے لہجے میں فخر تھا۔ ''وہ انسان کم اور پیسہ بنانے والی مشین زیادہ ہے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس میں اسے منافع نہ ملے۔ وہ آپ کو کبھی اسٹاک نہیں کرے گا کیونکہ اس کام میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا' دنیا میں ایک ماہر فرید نہیں ہے۔''

بیر بل نے کافی کپ اٹھا لیا اور اسٹرا لبوں میں ڈال کے گھونٹ بھرا۔ پھر اسے ہٹایا اور مایوسی سے سر نفی میں ہلایا۔

''منع کیا تھا۔ پھر بھی چینی ڈال دی۔''

کشمالہ نے پرس اٹھایا اور اٹھنے لگی جب.....

''میں نے سنا ہے آپ بیکری بنانا چاہتی تھیں؟''

وہ بالکل ٹھہر گئی۔

''آپ کو کیسے معلوم؟''

وہ کپ نیچے کر کے مسکرایا۔'' مالک نے آپ کے بارے میں معلوم کروایا تھا۔ اس نے آپ سے ملنے کی بات اس لیے کی تھی کیونکہ ہم سمجھے تھے آپ بیکری میں انٹرسٹڈ ہیں۔''

''بیکری میں؟''

''میں بتانا بھول گیا۔'' وہ پورے دل سے مسکرایا۔ اس کی یہ مسکراہٹ جانے کیوں شناسا سی تھی۔ ''میں ایک پیسٹری شیف ہوں۔ اور میری ایک بوتیک بیکری ہے۔ میں سمجھا تھا آپ میرے ساتھ کام کرنا چاہتی ہیں۔ خیر اگر آپ کبھی ساتھ کام کرنا چاہیں تو مجھے خوشی ہوگی۔'' اس نے ایک کارڈ نکال کے کشمالہ کی طرف بڑھایا جسے اس نے تھام کے چہرے کے قریب کیا۔

''بیربل فرید۔'' ساتھ محض ایک فون نمبر لکھا تھا۔

''فرید؟'' وہ چونکی۔

''میں ماہر فرید کا چھوٹا بھائی ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

''اوہ۔'' ایک لمحے کے لیے وہاں سناٹا چھا گیا۔ پھر وہ بیگ اٹھائے کھڑی ہوگئی۔ یونہی پوچھ لیا۔

''خوشی ہوئی آپ سے مل کے بیربل فرید۔ شاید مجھے کوئی غلط فہمی ہوئی ہو۔ ویسے کہاں ہے آپ کی بیکری؟''

''اس شہر میں جس کے بارے میں نپولین نے کہا تھا کہ... '' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

''کہ اگر دنیا ایک ریاست ہوتی' تو وہ شہر اس کا دارالحکومت ہوتا۔''

''کون سا شہر؟''

''استنبول۔'' بیربل فرید مسکرا کے بولا۔ ''میری بیکری استنبول میں ہے۔''

''Too far'' اس نے بیگ کہنی پہ ڈالا اور رسمی انداز میں اس کا شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گئی۔ کارڈ اس کی مٹھی میں دبا تھا۔ اسے یقین تھا اسے اس کارڈ پہ لکھے نمبر کو کبھی ڈائل نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ مزید ان لوگوں سے کوئی

تعلق نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک لمحے کے لیے پانچ اپریل کی صبح میں واپس چلے چلتے ہیں۔

ہوٹل سوئیٹ میں ماہر فرید اور کیف جمال آمنے سامنے کھڑے تھے۔

بیر بل اسٹرا سے کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے دلچسپی سے ان کو گفتگو کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''جب تم اس جاب سے انکار کر رہے تھے تو میں نے تمہیں دو باتیں کہی تھیں۔ کیا وہ تمہیں یاد ہیں؟'' ماہر سپاٹ لہجے میں کیف سے پوچھ رہا تھا۔

''مجھے یاد ہے۔''

''یاد ہے تو میرے وہ دو فقرے دہراؤ۔''

''آپ نے کہا تھا کہ.... '' وہ ماہر فرید کیا لفاظ دہرانے لگا۔ ''کہ میں اس لڑکی کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں تا کہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو البم میں موجود دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا ہے۔'' نکھیوں سے ایک نظر میز پہ رکھے البم پہ ڈالی۔

''اور دوسری بات؟''

''اور یہ کہ اس لڑکی سے آپ کو صرف ایک انفارمیشن چاہیے۔'' توقف کے بعد کیف نے اپنا سوال دہرایا۔ ''اب میرے سوال کا جواب دیں۔ کیا میں دو ماہ مکمل ہونے کے بعد بھی اس کی جاب جاری رکھ سکتا ہوں؟''

''اب میں تمہیں ایک تیسری بات بتاتا ہوں' کیف جمال۔'' ماہر فرید کی آواز میں سختی در آئی۔ ''میرا اس لڑکی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ نہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں نہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اس کا دشمن کوئی اور ہے۔ وہی جو میرا بھی دشمن ہے۔ یہ معاملہ میرے لیے بہت پرسنل ہے۔ تمہارے خیال میں اتنے پرسنل اور اہم معاملے کے لیے میں تم جیسے لوزر کو کیوں ہائر کروں گا؟''

اس طرزِ تخاطب پہ کیف جمال کے کانوں کی لوئیں سرخ ہوئیں۔

''شاید اس لیے کہ میرے پاس کچھ ایسا ہے جو آپ کو چاہیے۔''

''درست۔'' ماہر فرید نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''جانتے ہو وہ کیا ہے؟''

کیف نے سوچنے کی کوشش کی۔ وہ ایک ناکام اور مقروض انٹرپرونیئر تھا۔ ایک عام سا فوٹوگرافر جسے ہر کوئی لوزر کہتا تھا۔

اس کے پاس ایسا کیا تھا جو ماہر فرید کو چاہیے تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول

"لاہور"

قسط نمبر:۴

"لوگ سمجھتے ہیں کہ تم بیمار نہیں ہو
یہاں تک کہ وہ بیماری کو تمہارے چہرے پہ نہ دیکھ لیں
ایک ایسے نقشے کی مانند
جو درد کی ہر منزل تک جاتا ہو۔
میرا بیمار دل ایک قید خانہ ہے
"کیا تم نے کوشش کی"، جیسے سوالوں کا۔
کیا تم نے کوشش کی؟
خوراک بہتر کرنے کی؟
اداس نہ رہنے کی؟
بیمار نہ پڑنے کی؟
ہاں میں نے کی ہے کوشش۔
مگر میں اب بھی بیمار رہوں۔
کیونکہ کبھی کبھی آسیب ان دیکھے ہوتے ہیں۔
اور شیاطین اندر سے حملہ آور ہوتے ہیں۔
صرف اس لیے کہ تم نہیں دیکھ سکتے
میرے شیاطین کے پنجے اور دانت'

تم نہیں جان سکتے کہ

وہ مجھے اندر سے کاٹ کے لہولہان کر رہے ہیں۔

درد محسوس کرنے کے لیے

اس کا دکھائی دینا ضروری نہیں ہوتا۔

کوشش کرنے سے بیماریاں نہیں چلی جاتیں۔

شفا کے معجزے

ایسے ہی عمل میں نہیں آجاتے۔"

ایم رائے۔دی فرسٹ اسٹیپ۔

تاریخ تھی چار اپریل۔

شہر تھا اسلام آباد کا۔

اور یہ ان چاروں کی ہوٹل سوئیٹ میں ملاقات سے ایک رات پہلے کا وقت تھا۔

جیسے دنیا کی ہر کامیابی اور ناکامی ایک آئیڈیے سے شروع ہوتی ہے ویسے ہی اس فریب کے کھیل کا آغاز بھی ایک آئیڈیے سے ہوا تھا۔

اور یہ آئیڈیا عبدالمالک فرید نے پیش کیا تھا۔

"باڈی گارڈ؟" ماہر نے لائٹر جیب سے نکالتے ہوئے چونک کے اسے دیکھا۔ہوٹل سوئیٹ میں رات کی مناسبت سے زرد بتیاں جلی تھیں۔مالک ایک صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔جیل سے جمے سفید بال بے شکن گرے سوٹ... مالک دن ختم ہونے کے باوجود صبح کی طرح فریش اور تیار لگ رہا تھا۔

"ہاں باڈی گارڈ۔اسے باڈی گارڈ کی ضرورت ہے اور تمہیں معلومات۔باڈی گارڈ اپنے مالک کے سب سے قریب ہوتا ہے۔صرف وہی اس کے دشمن کو تلاش کر سکتا ہے۔"

"انٹرسٹنگ۔" ماہر لائٹر لیے کھڑکی کے قریب آیا۔اس کی سفید شرٹ کے کف بند تھے البتہ ٹائی ڈھیلی تھی۔کوٹ ایک طرف اسٹینڈ پہ لٹکا تھا۔کھڑکی کے قریب کنسول ٹیبل پہ گلاس جارز میں دو موم بتیاں رکھی تھیں۔اس نے لائٹر جلایا اور شعلہ ایک موم بتی کو دکھایا۔وہ جل اٹھی۔رات کی مصنوعی روشنیوں میں ایک کا اضافہ ہوا۔

''جس لڑکی کو تم تین ماہ سے تلاش کر رہے تھے'میں نے اسے دو دن میں ڈھونڈ لیا ہے'ماہر۔'' مالک اسی سپاٹ لہجے میں بولا اور گھٹنے پہ رکھے ٹیب کی اسکرین روشن کی۔''اس کا پورا نام کشمالہ مبین ہے۔اس کی ماں کا نام حورِ جہاں ہے۔''

''حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ۔''اس نے بڑبڑاتے ہوئے دوسری موم بتی روشن کی۔وہ مالک کی طرف پشت کیے کھڑا تھا۔

''وہ ایک ریستوران مینیجر ہے۔ریستوران اس کے کلاس فیلو کا ہے جسے اس نے اس کے ساتھ بنایا ہے۔وہ یہاں اکیلی رہتی ہے۔کسی رشتے دار کے گھر۔اور..... ''اس نے توقف کیا۔''اس نے اپنی دوست کو کال کر کے کہا ہے کہ اسے ایک باڈی گارڈ کی ضرورت ہے۔وہ ہر چند ہفتے بعد ایک نیا گارڈ رکھتی ہے کیونکہ پرانا گارڈ جاب چھوڑ جاتا ہے۔''

ماہر نے لائٹر بجھایا اور مالک کی طرف مڑا تو اس کی آنکھوں میں ناگواری تھی۔

''یعنی تم نے اس کی کالز ریکارڈ کی ہیں۔کیا اب ہم ایسے کام کریں گے'مالک؟''

''میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔کیونکہ میں تمہیں بہت سی جگہوں سے نکال کے لایا ہوں'ماہر۔اس جنون سے بھی نکال لوں گا۔''

مالک نے ٹیب کی اسکرین پہ چہرہ جھکایا۔اور بات جاری رکھی۔''اس کی ایک بہن بھی ہے۔کینیڈا میں رہتی ہے۔پڑھائی کے بعد اس نے جاب نہیں کی۔پریگننٹ ہاؤس وائف ٹائپ۔''

''وہ اہم نہیں ہے۔اہم یہ لڑکی ہے جس کی تصویر اس البم میں ہے۔''

موم بتیاں شعلوں کی حدت سے پگھلتی جا رہی تھیں۔ان کی موم سے لیونڈر اور موتیے کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔

''ماہر... تمہیں یقین ہے یہ لڑکی.... ''مالک نے میز پہ رکھے البم کی طرف اشارہ کیا۔''واقعی کچھ جانتی ہے؟''

''مجھے یقین ہے۔''وہ کنسول ٹیبل سے ٹیک لگائے سینے پہ بازو باندھے کھڑا تھا۔اس کا چہرہ سنجیدہ اور لہجہ اٹل تھا۔''حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ...وہ جانتی ہے۔''

''یہ سب کرنے کے بجائے.... ''آواز پہ ان دونوں نے چہرہ موڑ کے سامنے دیکھا جہاں ایک کاؤچ پہ بیربل ٹانگیں لمبی کیے موبائل ہاتھوں میں لیے بیٹھا تھا۔''just ask her nicely''اس نے مسکرا کے سادگی سے حل بتا دیا۔

''تم یہاں کیوں ہو؟'' اب کے ماہر بولا تو آواز میں ناگواری تھی۔

''کیونکہ میں تم دونوں کو اس غلط کام سے باز رکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ عینک لگائے موبائل پہ ساتھ ساتھ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ ''اس کی زندگی میں کسی کو داخل کرنے کی بجائے اس سے ڈائیریکٹ پوچھ لو۔ بات ختم۔''

مالک نے بس افسوس سے اسے دیکھا اور ماہر... اس کے چہرے پہ سایہ سا گزرا۔

''وہ میرا یقین نہیں کرے گی بی۔'' وہ دھیرے سے بولا اور کھڑکی کی طرف مڑ گیا۔ نظریں باہر پھیلی شہر کی روشنیوں پہ جمی تھیں۔ ''ماہر فرید کا کوئی یقین نہیں کرتا۔''

''ماہر درست کہہ رہا ہے۔ میں نے اس کی کالز سنی ہیں بیر۔ وہ ایسی باتوں پہ یقین نہیں رکھتی۔ بالفرض ماہر یہ البم لے کر اس لڑکی کے پاس جائے تو وہ کیا کرے گی؟'' مالک سمجھانے سے زیادہ ٹوکنے کے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ''وہ ماہر فرید کو گوگل کرے گی۔ گوگل کبھی کچھ نہیں بھولتا۔ اور گوگل پہ لکھا ہے کہ ماہر فرید ایک سائیکو پیتھ ہے۔''

''تم دونوں ہی سائیکو پیتھ ہو۔'' بیر بل بڑبڑاتے ہوئے ٹائپ کر رہا تھا۔

''ایک سائیکو پیتھ آپ کی تصویر والی البم لے کر آپ کے پاس آئے اور پوچھے کہ آپ کا دشمن کون ہے یا آپ... '' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ ''کچھ جانتی ہیں... کسی... کسی کے بارے میں....''

مالک نے تھوک نگلا۔ ماہر نے آنکھیں بند کر لیں۔ ایک دم کمرے میں کرب سا پھیل گیا۔ بیر بل کی ٹائپ کرتی انگلیاں تھم گئیں۔

''تو کیا وہ اعتبار کرے گی؟ یا وہ ماہر فرید کو ایک تعاقب کار سمجھ کے خود سے دور رہنے کو کہے گی؟ اجنبیوں کو کوئی کچھ نہیں بتاتا۔''

سوئیٹ میں سناٹا چھا گیا۔ موم بتیوں سے اٹھتی خوشبو نے سارے کو معطر کر دیا تھا۔ بیر بل نے گہری سانس کھینچ کے یہ خوشبو اندر اتاری۔ اور پھر اپنے خیالات باہر نکالے۔

''تم لوگ اس فریب کو جسٹفائی نہیں کر سکتے۔ یہ غلط ہے۔ اور یہ ہر لیول پہ غلط ہے۔''

''میرا مقصد اس کو نقصان پہنچانا نہیں ہے بیر۔'' وہ باہر دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔ ''باڈی گارڈ اس کی حفاظت کرے گا۔ تاکہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو البم میں موجود دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا ہے۔ وہ خود بھی اپنے دشمن کو نہیں جانتی۔ باڈی گارڈ اس کا دشمن ڈھونڈے گا۔ اور پھر اس کی زندگی سے چلا جائے گا۔ اسے کبھی معلوم نہیں ہوگا کہ ہمارا اس میں کوئی ہاتھ ہے۔''

''پھر بھی یہ غلط ہے۔'' بیر بل نے احتجاج کیا۔

ماہر نے باہر پھیلی رات میں جھلملاتی روشنیوں کو دیکھا۔

''مجھے ایک چانس لینا ہے۔ پھر چاہے مجھے ساری عمر اس گلٹ کے ساتھ کیوں نہ رہنا پڑے۔''

''میں تمہیں ایک نصیحت کروں' ماہر؟'' بیر بل نے موبائل جیب میں ڈالا اور پیرز مین پہ اتارے۔'' جب ہم کسی کو دھوکہ دیتے ہیں' تو ہم اسے ڈیچ (مسخ) کر دیتے ہیں۔ اگلے ملنے والے شخص کے لیے۔ کبھی نہ کبھی اس لڑکی کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کے ساتھ دھوکہ کیا گیا ہے۔ اور وہ ساری عمر اپنے مسخ ہونے کو ماہر فرید کے نام کے ساتھ جوڑے رکھے گی۔''

ماہر نے پلٹ کے اسے دیکھا اور زخمی سا مسکرایا۔

''دیکھو مجھے کون نصیحت کر رہا ہے۔ وہ آدمی جو کیک بناتا ہے۔''

بیر بل فرید کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا۔

''ماہر بے.... کیکس خاندانوں کو جوڑتے ہیں۔ ان کے گرد ساری فیملی اکٹھی ہوتی ہے برتھ ڈے ہو' شادی ہو یا جنازہ۔''

''جنازوں پہ کیک نہیں ہوتے' بیر بل۔''

''پانچ دس سال میں ہوں گے۔ دنیا بدل رہی۔ سب کچھ نارملائز ہو رہا ہے۔'' وہ پیر پٹخ کے باہر نکل گیا۔ ماہر جانتا تھا کہ اسے باہر نکالنے کا یہی طریقہ تھا۔ البتہ اس کی باتوں نے مالک پہ اثر کیا تھا۔ اس نے ٹیب کی اسکرین بجھا دی اور سنجیدگی سے کھڑکی میں کھڑے ماہر کو دیکھا۔

''شاید بیر درست کہہ رہا ہے۔ تمہیں انتقام کے اس جنون سے نکل جانا چاہیے۔ تم ساری عمر اس گلٹ کے ساتھ نہیں رہ سکو گے کہ تم نے کسی لڑکی کا دل دکھایا ہے۔''

''لڑکیوں کے دل جڑ جاتے ہیں۔ اس کی فکر مت کرو۔ تم بتاؤ... تمہیں بدلے میں مجھ سے کیا چاہیے۔''

بالآخر وہ مالک کی طرف گھوما تو اس کے چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

''مجھے؟''

''ہاں۔ تمہیں۔ کیونکہ تمہارا ہر کام میں ایک چھپا ہوا ایجنڈا ضرور ہوتا ہے۔''

صوفے پہ بیٹھا مالک بالآخر مسکرایا۔ ''میں ایک بزنس مین ہوں' ماہر۔ میں اپنے فائدے کے بغیر کوئی کام نہیں

کرتا۔اور میرے بغیر تم اس لڑکی کی زندگی میں کسی گارڈ کو داخل نہیں کر سکتے۔"

ماہر فرید کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی۔وہ بس سنجیدگی سے مالک کو دیکھ رہا تھا۔

"تم جو کہو گے' ویسا ہی ہوگا۔لیکن تمہیں میرے ساتھ ایک ڈیل کرنی ہوگی' ماہر۔"

مالک اپنی جگہ سے اٹھا اور قدم قدم چلتا ماہر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ان دونوں کے قد ایک برابر تھے۔اور چہرے کے نقوش بھی ملتے تھے۔البتہ مالک کے چہرے پہ نرمی تھی۔اور ماہر کے چہرے پہ شک اور بے اعتباری۔

"یعنی تمہیں میرا یقین نہیں ہے؟ تم صرف اپنی بات منوانے کے لیے میری مدد کر رہے ہو۔"

"ہاں ماہر۔مجھے تمہارا یقین نہیں ہے۔لیکن میں پھر بھی تمہاری مدد کروں گا۔"اس نے ماہر کے کندھے پہ ہاتھ رکھا جسے ماہر نے کندھا پیچھے کر کے جھٹک دیا۔مالک کے چہرے پہ ایک زخمی سا تاثر ابھرا لیکن وہ اسے دبا گیا۔

"ہم یہ سب دو ماہ تک کریں گے۔اگر اس کے بعد بھی ہمیں کچھ نہ ملا تو....."اس نے وقفہ دیا۔"تو تم گھر واپس آ جاؤ گے۔"

ماہر کی آنکھوں میں شک کے ساتھ ساتھ تکلیف بھی ابھری۔

"اگر یہ کھیل نا کام ہو گیا تو تم اپنی کمپنی بند کر کے ہولڈنگ میں واپس آ جاؤ گے اور اپنی سیٹ سنبھال لو گے۔"

"اگر میں ایسا نہ کروں؟"

"ٹھیک ہے۔پھر جاؤ۔اور جیسا کبیر نے کہا۔اس سے بات کرو۔لیکن ایک حقیقت ہم دونوں جانتے ہیں۔کہ ماہر فرید پہ کوئی یقین نہیں کیا کرتا۔"

ماہر کچھ نہیں کہہ سکا۔بس لب بھینچے اسے دیکھے گیا۔پھر اس نے سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"اگر مجھے کچھ نہ ملا... تو میں واپس آ جاؤں گا۔"

مالک مسکرا دیا۔پھر اس نے ٹیب روشن کیا۔اب کے وہ بولا تو آواز سپاٹ تھی۔

"چند لوگ ہیں جن کو ہم خرید کے یہ کام کروا سکتے ہیں۔صفورا کا شوہر ایک پرائیوٹ گارڈز کی ایجنسی کے ساتھ کام کرتا ہے۔یعنی کسی کو گارڈ یا فلیپینو میڈ وغیرہ چاہیے ہو تو وہ مہیا کروا دیتی ہے۔ہم اس ایجنسی کے مینیجر کو بھی خرید سکتے ہیں یا کسی گارڈ کو بھی۔ایک نوجوان ہے سفیان۔مالی کسمپرسی کا شکار ہے۔اچھا آپشن ہے۔"وہ رکا اور اگلا نام پڑھا۔

"ایک صفورا کا کزن ہے کیف جمال۔ایک اس کے شوہر کا بھائی ہے خالد وزیر......"

''کیف جمال'' وہ ایک دم بولا۔ ''میں اس کو ہائر کروں گا۔''

مالک نے چونک کے سر اٹھایا۔ ''مگر اس کی پروفائل میں کچھ بھی متاثر کن نہیں ہے۔ ٹپیکل لوزر۔ بے روزگار۔''

''میں قدر پہ یقین رکھتا ہوں۔ قدر کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔ اس کو کال کرو اور ہاں... '' وہ پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''اس سے کہنا تم میرے مینیجر ہو۔''

مالک کے کان سرخ ہوئے۔

''میں تمہارا مینیجر نہیں ہوں' ماہر بے۔''

''کیوں؟ اگر میں ہولڈنگ میں واپس آیا تو ہر کوئی اپنی اصل پوزیشن پہ آجائے گا۔ میں سی ای او ہوں گا اور تم میرے ماتحت۔ یہ وہ جگہیں ہیں جو میرے باپ نے طے کی تھیں۔''

وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا طنزیہ مسکراہٹ سے مالک کو دیکھ رہا تھا۔ مالک نے جیسے بہت ضبط کے ساتھ گہری سانس بھری۔

''ٹھیک ہے۔ جو تم کہو۔ میں صبح اس لڑکے کو کال کروں گا۔ لیکن ہم کسی اور کو بھی ہائر کر سکتے ہیں۔''

''ہم اسی کو ہائر کریں گے۔''

لیکن مالک کو وہ نوجوان پسند نہیں آیا تھا۔ اگلی صبح جب وہ ماہر سے ڈیل طے کر رہا تھا' مالک صوفے پہ بیٹھا بے زاری سے پہلو بدل رہا تھا۔ کچھ ناقابلِ اعتبار سا تھا کیف جمال کے بارے میں۔ وہ انہیں دھوکہ دے گا' مالک کو یقین تھا۔

جب ماہر نے کیف جمال کے تمام سوالات کا جواب دے دیا' اس کو یہ بھی بتا دیا کہ اس نے اسے کیوں ہائر کیا تھا' اور کیف جمال خاموشی سے رقم کا پیکٹ اٹھا کے وہاں سے نکل گیا' تو ہیر بل اپنی جگہ سے اٹھا اور میز پہ رکھا آخری ان چھوا کافی کپ اٹھا کے ماہر کے پاس آیا۔

وہ دونوں اب کھڑکی کے سامنے کھڑے تھے۔ ایک طرف سوئیٹ تھا اور دوسری طرف شیشے سے نظر آتا روشن شہر۔

موم بتیاں ابھی تک جل رہی تھیں اور لیونڈر اور موتیے کی خوشبو ویسی ہی پھیلی تھی۔ گو کہ ان کی حسِ مشامہ اب سن ہو چکی تھی۔

''تمہاری کافی۔''

''آج مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔ بیر بل نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''تم ابھی سے گلٹ محسوس کر رہے ہو ماہر۔ آگے کیا کرو گے؟''

وہ خاموش رہا۔

''تم نے کیف جمال کو سب کچھ سچ سچ کیوں بتا دیا؟ کیا ضروری تھا اسے بتانا کہ ہم کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔''

ماہر نے اپنا چہرہ بیر بل کی طرف موڑا اور اب کے وہ مسکرایا تو اس میں تکلیف بھی تھی اور اداسی بھی۔

''تم نے کل رات کہا تھا کہ یہ دھوکہ کبھی نہ کبھی کھل جائے گا۔ ایک دن آئے گا جب وہ کیف جمال کی اصلیت جان جائے گی اور پھر اسے کٹہرے میں کھڑا کر کے پوچھے گی کہ اس نے یہ کیوں کیا۔''

''تم چاہتے ہو اس وقت کیف جمال اسے سچ بتا دے؟ کہ ماہر فرید اس کی حفاظت کرنا چاہتا تھا؟''

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''جو نوجوان ہم سے پیسے لے کر اپنی کزن اور اس کی دوست کو دھوکہ دے رہا ہے' وہ سچ کبھی نہیں بولے گا' ماہر۔ وہ اپنی جان بچانے کے لیے تمہیں ولن بنا کے پیش کرے گا۔ یہ وہ آدمی کہہ رہا ہے جو کیکس بناتا ہے۔''

''میں نے کہا نا' مجھے ایک چانس لینا ہے۔''

''مالک سمجھتا ہے تم یہ سب انتقام کے لیے کر رہے ہو۔ یا شاید اس لاحاصل تلاش کے لیے.... لیکن میں تمہیں جانتا ہوں' ماہر۔ تم یہ اس لڑکی کے لیے کر رہے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو ہماری ماں کے ساتھ ہوا تھا۔''

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ کھڑکی سے باہر پھیلے روشن دان کو دیکھ رہا تھا۔

''لیکن جو تم کر رہے ہو وہ غلط ہے۔'' بیر بل اس کے ساتھ کھڑا باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اور ایک دن وہ لڑکی دنیا میں سب سے زیادہ نفرت ماہر فرید سے کرے گی۔''

لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اب وہ فریب کے اس کھیل کو شروع کر چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اب ہم ڈیڑھ ماہ بعد مئی کی آخری دوپہروں میں سے ایک میں واپس چلتے ہیں جب کشمالہ مبین' بیر بل فرید سے ملاقات کے بعد وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ اس کا رخ لفٹ کی طرف تھا۔

وہ سیاہ ہیلز سے چلتی ہوئی راہداری میں آگے بڑھنے لگی۔ فرش سیاہ اور سفید ٹائلز سے مزین تھا۔ شطرنج کی بساط جیسا۔ وہ اس بساط پہ عین لفٹ کے سامنے آرکی۔ اسی پل لفٹ کے دھاتی دروازے ہسس کی آواز کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

اندر کیف کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے' لب بھینچے' وہ آنکھوں میں ایک ساتھ بہت سے تاثرات لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے وہ بالکل ششدر رہ گئی۔

کیف ویسا ہی لگ رہا تھا جیسا ہمیشہ لگتا تھا۔ سیاہ جینز پہ سفید شرٹ پہنے' ماتھے پہ آگے کو گرتے بال اور بڑھی ہوئی شیو۔ لیکن اس کے چہرے پہ کچھ ایسا تھا جو پہلے وہاں نہیں تھا۔ شکوہ' بے اعتباری۔

وہ سفید جوگرز سے چلتا اس کے عین سامنے آرکا۔ وہ لفٹ میں سوار نہیں ہوئی۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

''یہی سوال آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔ کہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

وہ دونوں راہداری میں تنہا تھے۔ شطرنج کی بساط پہ آمنے سامنے۔

''میں ماہر فرید سے ملنے آئی تھی۔ اور تم؟'' وہ سکون سے بولی۔ اس نے کچھ غلط نہیں کیا تھا۔

''مجھے بھی انہوں نے ہی بلایا تھا۔ لیکن صبح سے آپ کا آف موڈ دیکھ کے میں نے بات کرنے کی ہمت نہیں کی۔ لیکن ماشاءاللہ انہی لوگوں سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی ملاقات جاری ہے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے' میں آپ کا باڈی گارڈ ہوں۔'' وہ غصے میں نہیں تھا۔ وہ شاکی انداز میں ہر لفظ پہ زور دے کر کہہ رہا تھا۔

''باڈی گارڈ ہو۔ بے بی سٹر نہیں۔ اور تمہیں آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کال کر لیتے۔''

''آپ یوں کیسے ان لوگوں سے ملنے آسکتی ہیں جن کو آپ اپنا تعاقب کار سمجھتی ہیں؟''

''میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔'' مالا کا لہجہ سپاٹ تھا۔ البتہ وہ اتنی پرسکون نہیں تھی جتنا خود کو ظاہر کر رہی تھی۔

''مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے کیا؟'' کیف نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ سیاہ لباس والی لڑکی کے کانوں میں پہنے سیاہ پتھر چمک رہے تھے۔

''مطلب؟'' وہ مڑ کے لفٹ کا بٹن دبانے لگی۔

''آپ صبح سے مجھ سے اُکھڑی اُکھڑی سی ہیں۔''

''تم اتنے اہم نہیں ہو کیف۔ میری زندگی میں اور بہت سے مسئلے ہیں۔ مجھے کہیں پہنچنا ہے۔ اگر تم آ رہے ہو تو

ٹھیک' نہیں تو میں جاؤں؟'' وہ گردن اٹھا کے ایل ای ڈی اسکرین پہ لفٹ کے فلورز دیکھنے لگی۔ چھ۔ پانچ۔ وہ نیچے آ رہی تھی۔

''کیا ملا آپ کو ماہر فرید سے مل کے؟''

''اس کا بھائی ملا تھا۔ اس کا کہنا ہے وہ میرا تعاقب کار نہیں ہے۔ نہ وہ سگریٹ پیتا ہے۔ اس کے پاس لائٹر نہیں ہوتا۔''

لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ اندر داخل ہوئی۔ کیف بھی ساتھ ہی اندر آیا۔ دونوں نے اکٹھے بٹن پہ ہاتھ رکھنا چاہا۔ ہاتھ ٹکرائے تو مالا نے ہاتھ پیچھے کر لیا اور گردن اس کی طرف سے موڑ لی۔

''کیا معلوم ماہر فرید کا بھائی جھوٹ بول رہا ہو۔''

''مجھے اس لڑکے کو دیکھ کے لگا کہ ایسے لوگ میرے تعاقب کار نہیں ہو سکتے۔''

پھر کشمالہ نے چہرہ موڑ کے کیف کو غور سے دیکھا۔ ''کیا تمہیں ایسا لگتا ہے؟''

وہ دونوں لفٹ میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ اور ان کی سواری نیچے جا رہی تھی۔

(میں اس کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو البم میں موجود دوسری لڑکیوں کے ساتھ ہوا ہے۔)

''مجھے نہیں معلوم۔ لیکن آپ نے انٹرنیٹ پہ پڑھا تھا کہ وہ سائیکو پیتھ ہے۔ ظاہر ہے وہی آپ کا تعاقب کار ہے۔''

(میرا اس لڑکی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ نہ میں اس کا تعاقب کر رہا ہوں نہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔)

''اور... لوگ تو یہ بھی کہہ رہے تھے کہ اس نے اپنے باپ کو مارا ہے۔ ایسا آدمی خطرناک ہو سکتا ہے۔'' وہ سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔

(اس کا دشمن کوئی اور ہے۔ وہی جو میرا بھی دشمن ہے۔)

''آپ آئندہ ماہر فرید یا اس سے منسلک کسی شخص کے قریب نہیں جائیں گی۔ کیونکہ یہ لوگ خطرناک ہیں۔''

''میں اپنے لیے فیصلے خود لے سکتی ہوں' کیف۔'' لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ سن گلاسز پہنتی باہر نکلی۔ آگے بھی سیاہ سفید مرمریں راہداری تھی۔ لیکن یہ بالائی منزل سے زیادہ روشن تھی کیونکہ لابی کی طرف سے دھوپ آ رہی تھی۔

''یعنی اب آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔''

سیاہ ہیلو شطرنج کے فرش پہ رک گئیں۔ دل بھی ایک دم تھم سا گیا۔

”آپ دن کی روشنی میں اپنے تعاقب کار سے ملنے جا سکتی ہیں۔ یعنی آپ کو اس سے ڈر نہیں لگتا۔“ وہ پیچھے کھڑا کہہ رہا تھا۔ مالا اس کی طرف پشت کیے ساکت کھڑی تھی۔ وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتی تھی۔

”اس لیے میں اس جاب سے استعفیٰ دے رہا ہوں۔“

کسی نے مالا کے دل کو مٹھی میں دبا کے اتنے زور سے بھینچا کہ اسے لگا اندر ہی اندر خون نکلنے لگا ہے۔

وہ آہستہ سے کیف کی طرف پلٹی۔ وہ اس سے تین چار گز کے فاصلے پہ کھڑا تھا۔ وہ سایے میں تھا۔ شیشے کی دیوار سے آتی دھوپ مالا کی پشت پہ تھی۔

”میں مزید آپ کے ساتھ کام نہیں کر سکتا۔“ بڑھی شیو والا نوجوان سفید جوگرز سے قدم قدم چلتا اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دکھ۔ صرف دکھ۔

”میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تم جاب چھوڑ دو۔“ مالا کی آواز دھیمی ہوئی۔

”آپ کو میری ضرورت نہیں ہے۔ اور اب آپ اپنے تعاقب کار سے میٹنگ بھی اکیلے کر سکتی ہیں۔ براوو (Bravo)۔“

کیا وہ مذاق کر رہا تھا؟ یا شکوہ کرتے ہوئے جتا رہا تھا؟ نہیں۔ وہ چونکی۔ وہ سنجیدہ تھا۔

”جیسے آپ اعتبار ٹوٹنے پہ لوگوں کو خود سے دور کر دیتی ہیں، ویسے ہی میری بھی ایک عادت ہے۔“ وہ اس کے عین سامنے آ رکا۔ سفید جوگرز اور سیاہ ہیلز کے درمیان چند قدم کا فاصلہ تھا۔

”میں لوگوں کے پیچھے نہیں بھاگتا۔ اچھی یا بری، یہ میری عادت ہے۔ جب مجھے کوئی خود سے دور کرے تو میں راستہ بدل لیتا ہوں۔ آپ مجھ پہ اعتبار نہیں کرتیں ورنہ مجھے ساتھ لے کر جاتیں۔“

اس نے تردید نہیں کی۔ بس اس کا چہرہ دیکھے گئی۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ جاب چھوڑ سکتا ہے۔

”جاب چھوڑو گے تو کیا کرو گے؟“

وہ تلخی سے مسکرایا اور سر جھکایا۔ سفید جوگر سے فرش کو مسلا۔ چند لمحے سوچتا رہا۔ پھر اس نے چہرہ اٹھایا تو آنکھوں کا وہ دکھ عنقا ہو گیا تھا۔ اب وہ نارمل تھا۔

”میں اپنا بزنس پلان بناؤں گا۔ پندرہ جولائی کو ایک کمپیٹیشن ہے۔ میں اس میں حصہ لے رہا ہوں۔ مجھے اپنے بزنس کو منوانے کے لیے اس مقابلے کو جیتنا ہے۔“

''اور اپنے قرضے کیسے اتارو گے؟''

''ابا کا ایک پلاٹ کافی عرصے سے بک نہیں رہا تھا۔کل اسے بیچ دیا ہے۔ بیانہ مل گیا ہے۔''اس نے جیب تھپتھپائی اور مسکرایا۔

(یعنی بٹوے میں پیسے پلاٹ کے بیانے کے تھے؟ کیا وہ سچ کہہ رہا تھا یا اسے معلوم ہو گیا تھا کہ میں نے اس کا بٹوہ کھولا ہے؟) وہ فیصلہ نہیں کر سکی لیکن اس کے کندھوں سے ایک دم منوں بوجھ اتر گیا۔اسے کیف پہ پھر سے اعتبار کرنے کے لیے ایک بہانہ چاہیے تھا۔

''اور تم روز کئی گھنٹے اپنے پلان پہ کام کر رہے تھے اس کا کیا؟''

''میں نے آپ سے جھوٹ بولا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ صفورا کی طرح مجھے لوزر سمجھیں۔ میں نے ڈیسک لینے کے باوجود کام نہیں کیا۔ میں procastinate کر رہا تھا کیونکہ آپ کی جاب کی وجہ سے میں تھک جاتا تھا۔اس لیے گھر جا کے سوجاتا تھا۔'' وہ قدرے ندامت سے بولا۔

''گھر؟''

''جی وہ... زارا کے والد کا اپارٹمنٹ ہے گلبرگ میں۔وہ مجھے پسند نہیں کرتے اس لیے... خیر...''اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

اُف۔ وہ اس کی بیوی کا اپارٹمنٹ تھا اور وہ اسے نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ سسرال میں رہ رہا ہے؟ کتنا بہتر ہوتا کہ وہ اس سے پوچھ لیتی۔وہ اسے صاف صاف بتا دیتا۔اسے کیف کا بٹوہ نہیں کھولنا چاہیے تھا۔اور... اسے یاد آیا... اس کے پاس کیف کا کی کارڈ تھا۔وہ اسے کیسے واپس کرے؟ مالا کو شرمندگی سی ہونے لگی۔

''اگر تم اپنے بزنس کے لیے میری جاب چھوڑ رہے ہو تو مجھے کوئی شکوہ نہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔''میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ مجھے معلوم ہے۔''

وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔اور سر کو اثبات میں جنبش دی۔اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔شطرنج کی بساط پہ وہ دونوں تنہا تھے۔اور کھیل ختم ہو چکا تھا۔کس نے کس کو شہہ مات کیا تھا؟ اسے نہیں معلوم تھا۔خود کیف کو بھی نہیں معلوم تھا۔

''آپ کا شکریہ' کشمالہ بی بی۔آپ نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے۔''اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کہہ سکا۔بس مالا کے ایک طرف سے نکل کے آگے بڑھ گیا۔

مالا اسے دیکھنے کے لیے پوری گھوم گئی تو دوسری جانب سے آتی دھوپ تیزی سے چہرے پہ پڑی۔ اے سی کی ٹھنڈک کی وجہ سے دھوپ میں تپش نہیں تھی۔ لیکن آنکھوں کو وہ اسی طرح چندھیا گئی۔

وہ وہیں دھوپ میں نہائی سیاہ سفید راہداری میں کھڑی دور جاتے کیف کو دیکھے گئی۔

وہ پینٹ سپلائیز خرید کے گھر واپس آئی تو سلیم لان میں کیف کی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ وہ کار سے نکلی اور ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے اسے دیکھا۔

''تم ادھر کیوں بیٹھے ہو؟''

سلیم نے چہرہ اٹھا کے اسی بسوری ہوئی شکل کے ساتھ اسے دیکھا۔

''کیونکہ کیف نوکری چھوڑ کے چلا گیا ہے۔'' ساتھ ہی وہ گردن بھی سہلا رہا تھا۔ ''تمہیں کیسے معلوم۔''

''وہ اپنا سامان لینے آیا تھا۔ لے کر چلا گیا۔''

وہ چند منٹ وہیں کھڑی رہی۔ دل ایک دم خالی ہو گیا تھا۔ غائب دماغی کی کیفیت کے ساتھ وہ اندر واپس آئی۔

ماں بیڈ پہ لیٹی تھیں۔ ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ تکیوں کے سہارے بیٹھی ماہی سے ویڈیو کال کر رہی تھیں۔ اسے دیکھ کے چہک اٹھیں۔

''آ گئی میری بیٹی؟ اچھا یہ جرابیں تو اتار دو۔ معید بار بار پہنا دیتا ہے۔ مجھے گرمی ہو رہی ہے۔ مالا سن رہی ہو۔''

''جی۔ اتارتی ہوں۔'' معید نے کچھ کہا تھا ان جرابوں کے بارے میں مگر اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔ وہ ماں کے قدموں میں بیٹھی۔ سر جھکائے اس نے پائینچے اوپر کیے۔ تنگ سفید جالی دار جرابیں پتہ نہیں کیوں معید ماں کو پہنا دیتا تھا۔ اس نے جرابیں اتاریں اور ان کو سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔ اگر وہ اہم ہوئیں تو معید خود ہی ان کو دوبارہ پہنا دے گا۔ جرابوں کا ماں کی سرجری سے کیا تعلق؟

وہ صوفے پہ بیٹھ کے ہیلز اتارنے لگی۔ ماں موبائل پہ ماہی سے ویڈیو کال کیے گئیں۔

اتنے میں بخت بی لانڈری والے کپڑے لیے باتھ روم سے نکلی۔ پھر ماں کے بیڈ کے ساتھ رکی' سائیڈ ٹیبل پہ رکھی جرابیں اٹھائیں اور ٹوکری میں ڈال کے باہر نکل گئی۔

اسے نہیں اندازہ تھا کہ وہ ماں کو موت کے منہ میں دھکیل رہی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف اپارٹمنٹ کی کھڑکی کے سامنے کرسی پہ بیٹھا تھا۔ وہی کرسی جس پہ چند گھنٹے قبل بیٹھا مالک اسے استعفیٰ دینے

کا حکم دے رہا تھا۔ اس کے ذہن کے پردے پہ وہ منظر ابھرا۔

''میں رات سے پہلے استعفیٰ دے دوں گا۔'' اس نے مالک سے وعدہ کیا تھا۔

''استعفیٰ دے کر تم اس لڑکی کی زندگی سے نکل جاؤ گے۔ تم مجھے اپنی زبان دے رہے ہو۔ کیونکہ.... اس کو تم پہ شک پڑ گیا ہے۔''

وہ بری طرح چونکا اور کرسی پہ بیٹھے مالک کو دیکھا۔ ''کیا مطلب؟''

"پی ٹی اے میں جب کوئی ایمپلائی اپنا ایکسس کوڈ استعمال کر کے کسی کا ڈیٹا نکلواتا ہے' تو اس ایمپلائی کا کوڈ ریکارڈ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتا ہے۔ میں نے تمہارے اس نمبر کو زیرِ نظر رکھا ہوا تھا۔ حال ہی میں تمہارے نمبر کا ڈیٹا نکلوایا گیا ہے۔''

''اس بات کا کشمالہ سے کیا تعلق؟''

"جس آفیسر نے ڈیٹا نکالا ہے' وہ کشمالہ کا کلاس فیلو تھا۔ دونوں نے ساتھ یونیورسٹی سے گریجویٹ کیا تھا۔ اور اب...'' مالک مسکرایا۔ ''تمہاری لڑکی کو معلوم ہے کہ تم اس اپارٹمنٹ میں رہتے ہو۔''

اس کا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب پہ رینگ گیا۔ مالا نے اس کو پانی لینے بھیجا اور پیچھے سے اس کا والٹ کھولا۔ اسمارٹ۔ لیکن اسے مالا کو کوئی توجیہہ تھمانی ہو گی۔ ان نوٹوں کی۔ اور اس اپارٹمنٹ کی۔ وہ عزت سے اس کی زندگی سے نکلنا چاہتا تھا۔

ہوٹل لابی میں کشمالہ سے مل کے اس نے اپنی طرف سے سارے جھول دور کر دیے تھے لیکن دل ایک دم خالی ہو گیا۔ وہ مالک کی باتوں میں کیوں آ رہا تھا؟ یہ اس کی زندگی تھی۔ وہ چاہے تو.... نہیں۔ اس نے سر جھٹکا۔

یہ ایک جھوٹی زندگی تھی۔ ایک دھوکہ۔ وہ مزید اس لڑکی کے ساتھ یہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان دونوں کا کوئی مستقبل نہیں تھا۔ اسے اس کی زندگی سے دور جانا تھا۔ مالک ٹھیک کہہ رہا تھا۔ محبت میں گرفتار ہوا مرد کسی کام کا نہیں رہتا۔

وہ مبین منزل پہنچا تو عصر کی اذانیں ہو رہی تھیں اور آسمان پہ سیاہ بادل جمع ہو رہے تھے۔ مالا ابھی گھر نہیں آئی تھی۔ وہ پینٹ سپلائیز لینے گئی تھی۔

کیف نیچے بیسمنٹ کی گیلری تک آیا۔ سلیم اپنے کمرے سے نکل رہا تھا۔ کیف اسے گھورتے ہوئے آگے آیا' اور اس کو گردن کے پیچھے سے دبوچ لیا۔ اس سے پہلے کہ ہکا بکا سلیم مزاحمت کرتا' وہ اسے گدی سے پکڑے دھکیل کے اندر لے گیا اور دروازہ بند کیا۔

''میری شکایتیں لگاتے رہے ہو مالا بی بی سے ہاں؟'' اس کے کان کے قریب ہو کے وہ غرایا۔ گردن ویسے ہی دبوچ رکھی تھی۔

''مجھے چھوڑو کیف بھائی۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔'' سلیم ایک دم گھبرا گیا۔

''کیا کہا ہے تم نے بی بی سے؟''

''مالا باجی سے کچھ نہیں کہا میں نے۔'' وہ کراہتے ہوئے بولا تو کیف نے جھٹکے سے اس کی گردن چھوڑی۔ وہ تیزی سے کمرے کے دوسرے کونے میں جا کھڑا ہوا اور گردن سہلاتے ہوئے آنکھوں میں خوف لیے اسے دیکھا۔ اس نے کیف کو کبھی اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

''پھر کس سے کہا ہے؟'' کیف غراتے ہوئے قریب آ رہا تھا۔

''وہ... وہ معید بھائی آئے تھے اس دن تمہارے کمرے میں۔'' کیف رک گیا۔ ''انہوں نے جا کے اوپر مالا باجی سے کہا کہ... کہ کیف کا ٹوتھ برش بھی نہیں ہے یہاں۔ وہ یہاں نہیں رہتا۔ وہ کہاں جاتا ہے۔ اوپر کچن میں وہ بات کر رہے تھے۔ میں نے اتنا ہی سنا ہے۔''

(اُف۔ بلڈی ٹوتھ برش)

''میں پوچھ رہا ہوں تم کیا کہتے رہے ہو میرے بارے میں؟''

''کچھ نہیں کہا۔ ماہی باجی پوچھ رہی تھیں اس دن تمہارے بارے میں۔ قسم لے لو میں نے کچھ نہیں کہا۔''

''تم نے خود بتایا ہوگا۔ وہ کینیڈا میں ہوتی ہے۔ اسے کیا پتہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔''

سلیم نے گردن سہلاتے ہوئے اسے ناراضی سے دیکھا جیسے یہ بات بہت بری لگی ہو۔

''انہیں سات سمندر پار رہ کے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے ہر گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ ہاں جی۔''

اس سے بات کرنا فضول تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ گیلری سے اپنے کمرے کی طرف جاتے اس نے سلیم کی آواز سنی۔ ''ماہی باجی کو سب کی خبر ہوتی ہے اچھا۔''

اس کے کمرے میں کچھ تھا ہی نہیں جو اسے اٹھانا تھا۔ ایک نظر اس جگہ کو دیکھ کے وہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا آیا۔ مالا کے آنے تک اسے اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ وہ ایک آخری دفعہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن لان میں آتے ہی وہ ایک دم ٹھٹک کے رکا۔

مالا کے کمرے کی دیوار گیر کھڑکی کھلی تھی۔ جس کی وجہ سے ہوا کے لیے کھول دی گئی تھی۔ اندر حورِ جہاں کا بیڈ لگا

نظر آ رہا تھا۔ ساتھ کرسی پہ ایک ادھیڑ عمر خاتون بیٹھی مسکراتی ہوئی ان سے محوِ گفتگو تھیں۔ وہ وہیں رک کے انہیں دیکھنے لگا۔ وہ انہیں پہچانتا تھا۔ یہ زیاد کی والدہ تھیں۔

وہ حورِ جہاں سے کوئی بات پوچھ رہی تھیں۔ دفعتاً کھڑکی پہ نظر پڑی تو اسے دیکھ کے مسکرا دیں۔

''بیٹے مجھے جائے نماز تو لا دو۔ آپ سے کہہ رہی ہوں سلیم بیٹا۔''

کیف نے دائیں بائیں دیکھا۔ پھر اپنی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔ غالباً حورِ جہاں نے انہیں کہا تھا کہ سلیم سے کہہ دے جائے نماز لانے کو۔ معید نہ جانے کہاں تھا۔ اور سلیم نیچے اپنی گردن سہلا رہا تھا۔ کیف نے گہری سانس لی اور گھر کے داخلی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ معلوم تھا اندر آنے پہ اس کی بے عزتی ہونی ہے۔ لیکن چلو۔ ایک آخری دفعہ ہی۔

لاؤنج سے اس نے جائے نماز اٹھائی اور مالا کے کمرے کی طرف آیا۔ دستک دے کر دروازہ کھولا۔

وہ دونوں خواتین کسی بات کے درمیان میں تھیں۔ حورِ جہاں مسکرا رہی تھیں اور نگینہ بیگم جوش سے کہے جا رہی تھیں۔

''بس اب میں مزید دیر نہیں کرنا چاہتی۔ آپ مالا کا ہاتھ میرے زیاد کے ہاتھ میں دے دیں۔ میرا بیٹا بہت سلجھا ہوا' بہت نیک اور تابعدار ہے۔ وہ آپ کی بیٹی کو بہت خوش رکھے گا۔'' وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے کہہ رہی تھیں۔ وہ جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ پھر کھنکھار کے آگے آیا اور جائے نماز ان کے ساتھ رکھی۔ نگینہ بیگم نے پلٹ کے اسے دیکھا اور مسکرائیں۔ ''شکریہ بیٹے۔''

''سلیم مصروف تھا اس لیے میں آ گیا۔'' اس نے محتاط لہجے میں کہتے ہوئے حورِ جہاں کو دیکھا۔ وہ مسکرا کے نگینہ کی بات پہ غور کر رہی تھیں۔ اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ یا شاید نظر انداز کر گئیں۔ کیف واپس پلٹ گیا البتہ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔

''میں مالا سے بات کروں گی' نگینہ۔ زیاد جیسے لڑکے تو پھر لاکھوں میں ایک ہوتے ہیں۔'' وہ خوش تھیں۔ وہ دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔ ایک دم اس کے دل پہ کسی نے زور کا گھونسا مارا تھا۔ اتنے زور کا کہ سانس بند ہونے لگا تھا۔

وہ مالا سے ملنے آیا تھا۔ ڈھنگ سے خدا حافظ کہنے۔ لیکن اب وہ اس کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ بخت بی کو کچن میں دیکھ کے وہ رکا۔ اور دھیمی آواز میں بولا۔

''میں جارہا ہوں۔کل سے کام پہ نہیں آؤں گا۔''

وہ ہیں ہیں کرتی رہ گئیں مگر کیف باہر نکل چکا تھا۔اس کی آنکھیں جل رہی تھیں اور سر درد کرنے لگا تھا۔

وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ میں واپس آیا تو ریسپشن پہ رکا۔وہاں موجود لڑکی اب بدل چکی تھی۔اسے اپنے اپارٹمنٹ کا لاک تبدیل کروانے کا کہہ کے وہ اوپر آ گیا۔

اپارٹمنٹ میں آ کے اس نے بتیاں نہیں جلائیں۔مغرب کے اترتے ہی اندر اندھیرا بڑھنے لگا تھا لیکن اسے پرواہ نہیں تھی۔وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آیا۔اور وضو کر کے اسی اندھیر ماحول میں نماز ادا کی۔پھر تسبیح ہاتھ میں لیے وہ کھڑکی کے سامنے رکھی کرسی پہ جا کے بیٹھ گیا جہاں چند گھنٹے قبل مالک بیٹھا تھا۔

تب سے اب تک وہ وہیں بیٹھا تھا۔اندھیرا بڑھتے ہی سڑک پہ رواں دواں ٹریفک روشن ہونے لگی۔اس نے تسبیح کے دانے گرانے کی کوشش کی لیکن دل نہیں لگ رہا تھا۔وہ وہیں بیٹھا بس خاموشی سے نیچے گزرتے ٹریفک کو دیکھے گیا۔

زیادہ دیر نہیں گزری جب صبح سے اکٹھے ہوئے سیاہ بادل بالآخر برسنے لگے۔

پانی دھاروں کی صورت اپارٹمنٹ بلڈنگ سے ٹکرانے لگا۔ایسی تیز بوچھاڑ تھی کہ خدا کی پناہ۔

وہ اپنی زار و قطار روتی ہوئی کھڑکی کو دیکھے گیا۔بالکل خاموشی سے۔اسے کچھ دیر ایک ایسے تعلق کے ٹوٹنے کا سوگ منانا تھا جو کبھی بنا ہی نہ تھا۔اور پھر.... اس نے گردن موڑ کے میز پہ بکھری چیزوں کو دیکھا۔پھر اسے اپنے کام میں مصروف ہو جانا تھا۔

آج کی رات ... سوگ کے نام۔

یہی بارش مبین منزل کی کھڑکیوں پہ بھی برس رہی تھی۔سیاہ سفید لباس والی لڑکی اسٹوڈیو کی کھڑکی میں بیٹھی دیوار سے سر لگائے، شیشے پہ پڑتی پانی کی بوندوں کو دیکھ رہی تھی۔کانوں میں ہینڈز فری لگے تھے جن سے ماہی کی آواز سماعتوں میں اتر رہی تھی۔

''ماں کہہ رہی تھیں آج نگینہ آنٹی آئیں اور انہوں نے تمہارا رشتہ مانگا۔''

مالا کھڑکی کے شیشے پہ لڑھکتے قطرے دیکھ رہی تھی۔جب کوئی قطرہ نیچے گر کے فنا ہو جاتا تو وہ پلکیں اٹھا کے کسی دوسرے قطرے کا تعاقب کرنے لگتی۔

''ہاں میں نے سنا تھا۔'' وہ یوں بولی جیسے عام سی بات ہو۔

''تمہیں حیرت نہیں ہوئی؟''

''نہیں۔ مجھے اندازہ تھا کہ زیاد مجھ میں انٹرسٹڈ ہے۔ یہ جلد یا بدیر ہونا تھا۔''

''تم زیاد کے لیے ہاں کر دو گی؟''

''ہاں۔ کیونکہ وہ ایک قابل انسان ہے۔ اس میں کوئی کمی نہیں ہے۔''

''لیکن؟''

''میں نے لیکن نہیں کہا۔''

''تمہاری بات لیکن کی طرف جا رہی ہے۔''

''پتہ نہیں ماہی... ''مالا نے سینے پہ مٹھی رکھی۔''میرا دل... ایسے لگتا ہے جیسے جل رہا ہو۔ جیسے اندر آگ سی لگ گئی ہو۔''

''اور یہ کب سے ہے؟''

''جب سے کیف نے کہا کہ وہ جاب چھوڑ کے جا رہا ہے...''

''مالا...''ماہی حق دق رہ گئی۔''تمہیں کیف پسند ہے؟''

''نہیں یار۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ ویسے بھی وہ شادی شدہ ہے۔''

''بالکل۔ کسی شادی شدہ آدمی کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ سوائے ارطغرل کے۔''

مگر مالا اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ اس کا دماغ کہیں اور اٹکا ہوا تھا۔''میں بہت اداس ہوں۔ مجھے غصہ ہے شاید۔ اس نے کہا تھا وہ مجھے چھوڑ کے نہیں جائے گا۔ اور اب وہ ایک دم سے مجھے چھوڑ کے چلا گیا۔''

اس نے خدا حافظ کہے بنا کال کاٹ دی۔ اسٹوڈیو اندھیر تھا۔ وہ اس اندھیرے میں بیٹھی باہر گرتی بارش دیکھتی رہی۔ پھر موبائل کی اسکرین روشن کی۔ اندھیرے میں اس کا چہرہ چمکنے لگا۔

اس نے کیف کے نمبر پہ کال ملائی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے کیا کہنا تھا لیکن اسے کچھ تو کہنا تھا۔

اپارٹمنٹ کی کھڑکی کے ساتھ کرسی پہ بیٹھے کیف نے بیل بجنے پہ چہرہ جھکا کے موبائل کو دیکھا۔

گرین آئیز کالنگ۔ وہ اداسی سے مسکرا دیا۔ وہ لوگوں کے نام اپنے فون میں ایسے ہی محفوظ کرتا تھا۔

کیف نے گھنٹی بجنے دی۔ یہاں تک کہ وہ بج بج کے خاموش ہو گئی۔ پھر اس نے پاور کا بٹن دبا کے فون آف کر دیا۔

پھر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک اسی رنگ اور ماڈل کا موبائل نکالا اور اسکرین روشن کی۔ مسڈ کالز، میسجز، نوٹیفیکیشنز کی بھرمار تھی۔ یہ اس کا دوسرا فون تھا جو اس کی اصل زندگی تھی۔ جو فون اس نے بند کیا تھا' اس میں صرف مالا اور اس سے جڑے لوگوں کے نمبر فیڈ تھے۔ یہ دونوں فون ہر وقت ایک ساتھ اس کے پاس ہوتے تھے۔ ان کے کور بھی ایک جیسے تھے۔

اسے مالا والا فون اب نہیں کھولنا تھا۔ اسے اس لڑکی سے دور رہنا تھا۔ وہ مزید اس کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے ماتھے کو ہاتھ لگایا تو محسوس ہوا اسے بخار ہو رہا ہے۔ کچھ نہ کھانے کی وجہ سے کمزوری بھی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ وہاں سے اٹھا اور لاؤنج کے تھری سیٹر پہ جا کے لیٹ گیا۔ جوتے ابھی تک پیروں میں تھے۔ وہ جوتے اتار کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا کرتا تھا کیونکہ اسے صفائی پسند تھی۔ لیکن آج اس نے جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔ وہ وہیں لیٹا بارش کی شیشے سے ٹکرانے کی آوازیں سننے لگا۔ اور ان کو سنتے سنتے کب سو گیا اسے معلوم نہ ہوا۔

مالا نے اسٹوڈیو کی بتیاں روشن کیں تو ایک دم کھڑکی اندھیر نظر آنے لگی۔ باہر کا منظر سیاہ پڑ گیا۔ اب صرف کھڑکی پہ قطرے گرتے دکھائی دے رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ پرانے ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس اسٹوڈیو کے فرش پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی تھی۔ ماتھے پہ سبز سلک کا رومال لپیٹ کے گردن پہ گرہ لگا رکھی تھی۔ سامنے پینٹ برشز اور نیا سفید پیلیٹ رکھا تھا۔

(چار ہفتوں میں صرف پینٹنگ بنائی جا سکتی ہے۔ آرٹ نہیں۔)

مالا نے سر جھکائے ٹیوب سے سفید ایکریلک پینٹ پیلیٹ پہ نکالا۔ پھر سیاہ ٹیوب اٹھائی۔ اسے آج صرف سفید اور سیاہ کو مکس کرنا تھا۔

(آرٹ بنانے کے لیے کوئی ڈیڈ لائن نہیں رکھی جا سکتی۔)

کیف کی آنکھ کھلی تو وہ صوفے پہ اوندھا لیٹا تھا۔ ایک بازو نیچے گرا ہوا تھا۔ جسم گرم اور سر بھاری ہو رہا تھا۔ بدقت وہ اٹھا اور صوفے کا سہارا لے کر کھڑا ہوا۔

(کیونکہ آرٹ خوشی سے نہیں تخلیق کیا جا سکتا۔)

فرش پہ آلتی پالتی کیے بیٹھی لڑکی اب سیاہ پینٹ کو سفید پیلیٹ پہ نکال رہی تھی۔ پھر اس نے راؤنڈ ایج برش اٹھایا اور پینٹس کو مکس کرنے لگی۔ اس کے چہرے پہ مغموم مسکراہٹ تھی۔

(نہ ہی آرٹ پیسے کمانے کے لیے ہوتا ہے۔)

وہ بدقت کچن تک آیا۔سر درد سے پھٹا جارہا تھا۔اس نے ایک مگ کافی میکر کے نیچے رکھا۔اور کیپسول اندر ڈالا۔بٹن دبایا اور خود کچن سنک کی طرف آیا۔اب وہ گردن جھکا کے چہرے پہ پانی ڈال رہا تھا۔اندر لگی آگ قدرے ٹھنڈی ہوئی۔

(آرٹ بنتا ہے درد سے...)

مالا اب کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔برش کو کنارے سے پکڑے وہ اسے نرمی سے شیشے پہ پھیر رہی تھی۔شفاف شیشے پہ سرمئی رنگ کی پہلی اسٹروک نے جلتے دل کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔

(آرٹ بنتا ہے ٹوٹے دل سے...)

وہ گیلے چہرے کے ساتھ کافی مگ اٹھائے لونگ روم میں واپس آیا۔بڑی میز کے قریب اس نے مگ رکھا۔اور کپڑا اٹھا کے ایک طرف اچھال دیا۔کپڑے کے نیچے رکھی شے اس کی منتظر تھی۔

(اس کے لیے ذہن کے تخلیقی حصے کا شور سے خالی ہونا ضروری ہے۔)

وہ کھڑکی کے ساتھ کھڑی بہت انہماک سے شیشے پہ بارش کے قطرے بنا رہی تھی۔

اس کا ذہن ہر قسم کی آوازوں سے خالی تھا......

کیف نے پینٹ برش اٹھایا اور سرخ رنگ کی آئل پینٹ کی ڈبی اٹھائی۔ڈھکن کھولا تو پینٹ کی بو سارے میں پھیلنے لگی۔اس نے برش اندر ڈبویا' اور پھر جھک کے میز پہ موجود شے پہ برش پھیرنے لگا۔اس چیز کا رنگ خاکی سے بدل کے سرخ ہونے لگا۔

اس کا ذہن اب ہر قسم کے شور سے خالی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح وہ اسٹوڈیو میں کھڑی مسکرا کے اپنی پینٹنگ کو دیکھ رہی تھی جو اس نے کھڑکی کے شیشوں پہ بنائی تھی۔اس کے ساتھ سبحان صاحب کھڑے تحیر سے کھڑکی کے شیشوں کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا یہ الوژن ہے؟ یا یہ واقعی...'' وہ آگے بڑھے اور پینٹ شدہ شیشے کو چھوا۔وہ خشک تھا۔مالا مسکرا دی۔

کھڑکی کے شیشے پہ ایک الوژن پینٹ کیا گیا تھا۔شفاف شیشہ مکمل طور پہ دھندلایا ہوا تھا اور اس پہ بڑے چھوٹے پانی کے قطرے تھے۔ہر قطرے کے اندر باہر کا منظر یعنی نیچے کا لان اور سامنے والے گھر نظر آرہے تھے لیکن الٹے ہو کر۔

''باہر کا منظر الٹا کیسے نظر آرہا ہے؟'' انہوں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ وہ مسکرا دی اور شانے اچکا دیے۔

''یہ بارش کے قطرے دراصل آنسو ہیں۔ اور آنسو تب نکلتے ہیں جب ہمارا دکھ ہمیں ہماری ساری زندگی الٹا کے دکھائے۔''

''کشمالہ یہ امیزنگ آرٹ ہے۔ امیزنگ۔'' وہ خوشی سے اس کی طرف مڑے۔ ''کیا آپ یہ ہمارے ریسٹورانٹ کی گلاس وال پہ بنا سکتی ہیں؟ گلاس وال کے باہر باغیچہ ہے۔ اندر سے دیکھنے والوں کو یوں لگے گا کہ باہر بارش ہو رہی ہے۔ امیزنگ۔''

''میں بنا سکتی ہوں۔ لیکن اس میں کافی وقت لگے گا۔ میری امی بیمار ہیں تو میں صرف دن کے دو گھنٹے کام کر سکتی ہوں۔'' وہ اپنی شرائط بتا رہی تھی۔ اوشن چھوڑنے کے بعد وہ پہلا دن تھا جب مالا کو لگ رہا تھا کہ وہ پھر سے جینے لگی ہے۔ اس کی زندگی بے کار نہیں تھی۔ وہ کام کرنے لگی ہے۔ وہ پھر سے اپنا کیرئیر بنا سکتی ہے۔

ماں تندرست ہو رہی تھیں اور اب سب کچھ اپنی جگہ پہ آ جائے گا۔

اس کی یہ خوشی چند گھنٹے کی مہمان رہی۔ کیونکہ دوپہر میں اسے محسوس ہوا کہ ماں کو بخار ہو رہا ہے۔ وہ سانس بھی قدرے زور سے لے رہی تھیں جیسے پھیپھڑے زور لگا رہے ہوں۔ اس نے معید کے کہنے پہ انہیں پیناڈول دے دی۔ خود وہ ساری رات کی جاگی ہوئی تھی۔ ماں کے ساتھ ہی سو گئی۔

مغرب کے قریب اس کی آنکھ کھلی تو فوراً چونک کے سیدھی ہو بیٹھی۔ ماں بھی سو رہی تھیں۔ اس نے آگے بڑھ کے ماں کے ماتھے کو چھوا۔ وہ اب زیادہ گرم تھا۔ ایک ریفلیکس سیٹ ہو چکا تھا۔ ادھر ماں کو ذرا سا کچھ ہو۔ ادھر معید کو کال کی۔

''معید ماں کو بخار ہے۔''

وہ اپنے کمرے میں تھا۔ نیند میں بولا۔

''کتنا بخار ہے؟''

''مجھے کیا پتہ کتنا ہے۔''

''ڈاکٹر کو کبھی یہ نہیں بتاتے مالا کہ کسی کو بخار ہے۔ ہمیشہ یہ بتاتے ہیں کہ کتنا بخار ہے۔ تم تھرما میٹر لگاؤ۔ میں آ رہا ہوں۔''

وہ شاید ابھی ہسپتال سے آ کے سویا تھا۔ نیچے آیا تو اوتی Scrubs میں ملبوس تھا (سرجنز کو نائٹ سوٹ سے زیادہ

یہ اسکر بز آرام دہ لگتے ہیں۔)معید ماں کے سرہانے جھکا اور ان کے ماتھے پہ ہاتھ رکھ کے محسوس کیا۔

"ایک سو دو بخار۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ پیناڈول دی تھی؟"

"ہاں اس سے کم ہوا لیکن تھوڑی دیر بعد پھر چڑھ گیا۔"

"ہوں۔" اس نے آنکھیں ملیں اور ماں کے ساتھ کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ان کا فربہی سفید ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ بار بار پرک کرنے سے ان کے ہاتھوں اور بازوؤں پہ نشان اب نیلے جامنی ہوتے جا رہے تھے۔ معید سوچتی نظروں سے انہیں دیکھے گیا۔ وہ غنودہ سی نظر آ رہی تھیں۔

انہیں کیا ہو رہا تھا؟ کل ٹیسٹ رزلٹس بھی بہتر تھے۔ انفیکشن بھی نہیں لگ رہا۔ سی ایس ایف بھی سیٹل ہو رہا ہے۔ پھر ماں کو بخار کیوں ہے؟

اور ماں کا تنفس کیوں اکھڑ رہا ہے؟

سوچتے سوچتے اس نے دوسرا ہاتھ ماں کی پنڈلیوں پہ پھیرا جو لحاف کے نیچے تھیں۔ ایک دم وہ تیزی سے جھٹکا کھا کے اٹھا۔ زور سے لحاف ہٹایا اور ماں کے پائنچے اونچے کیے۔

ان کی سفید پنڈلیاں برہنہ تھیں۔

"مالا..." معید کا سانس رک گیا۔ "ماں کی جرابیں کہاں ہیں؟"

"ماں تنگ ہو رہی تھیں تو میں نے اتار دیں۔"

"کب؟ کب اتاریں؟" وہ تیزی سے پانچوں انگلیوں سے ان کی پنڈلیوں کو دبا کے کچھ محسوس کر رہا تھا۔

"دو دن پہلے۔"

معید نے چہرہ اٹھا کے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ "مالا میں نے تمہیں کہا تھا وہ جرابیں نہیں اتارنی۔"

"تم نے نہیں کہا تھا۔ اور ماں کو گرمی ہو رہی تھی۔ مجھے لگا تم پہنا دو گے۔"

"مالا.. مالا..." اس نے کراہ کے ضبط کیا۔ پھر وہ کچھ نہیں بولا۔ وہ بس وہاں سے اٹھا۔

"ان کی پنڈلیوں کو ہاتھ نہیں لگانا۔ میں آ رہا ہوں۔" پھولتے سانس سے کہتا وہ باہر بھاگا۔

(مالا میں ماں کو یہ جرابیں پہنا رہا ہوں۔ دیکھ رہی ہو؟)

معید نے راہداری میں کھونٹی پہ لگی چابی کھینچ کے اتاری اور باہر بھاگا۔ پورچ میں کار کھڑی تھی۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے کار اسٹارٹ کی اور فل ریس دی۔ وہ کس اسپیڈ پہ جا رہا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا۔

(یہ جرابیں نہیں اتارنی۔ یہ کمپریشن اسٹاکنگز(compression stockings) ہیں۔)

وہ کار کو بھگاتے ہوئے فارمیسی تک لایا۔ پھر اندھا دھند اندر داخل ہوا تو اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

(یہ خون کو گردش میں رکھتی ہیں۔ آپریشن کے بعد حرکت نہ کرنے سے ماں کی پنڈلیوں میں خون کا clot بننے کا خدشہ ہے۔)

''کلیگزین.... مجھے clexane چاہیے۔ ایمرجنسی ہے۔'' وہ آہستہ آواز میں کہہ رہا تھا یا وہ چلا رہا تھا۔ اسے اپنی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ صرف فارماسیسٹ دکھائی دے رہا تھا جو تیزی سے اسے پکھا انجیکشن تھمار ہا تھا۔

(کلاٹ ایک چھوٹا سا جما ہوا خون کا لوتھڑا ہوتا ہے۔ ایک دفعہ پنڈلی میں بن جائے تو وہ کسی زہریلے جانور کی طرح آہستہ آہستہ اوپر جسم کی طرف سفر کرتا ہے۔)

گھر میں وہ بھاگتے ہوئے داخل ہوا۔ انجیکشن بنایا اور ماں کے قریب بیٹھا۔ مالا کچھ پوچھ رہی تھی لیکن اسے آواز نہیں آرہی تھی۔ وہ کپکپاتے ہاتھوں سے ان کے جسم میں انجیکشن لگا رہا تھا۔

(یہ جما ہوا لوتھڑا جسم میں تین جگہوں پہ پھنس سکتا ہے۔ دل، دماغ اور پھیپھڑے۔)

''ماں کو فوراً ایمرجنسی میں لے کر جانا ہے۔ میں وہیل چیئر لاتا ہوں۔ تم ماں کو تیار کرو۔'' اس نے خود کو کہتے سنا اور پھر سے باہر بھاگا۔

(یہ دل میں پھنس جائے تو دل بند ہو جاتا ہے۔ دماغ میں پھنس جائے تو دماغ مر جاتا ہے۔ اور پھیپھڑوں میں پھنس جائے تو سانس بند ہو جاتا ہے۔ تینوں صورتوں میں یہ ایک ننھا سا لوتھڑا انسان کی جان لے لیتا ہے۔)

ماں نیم بے ہوش سی وہیل چیئر پہ بیٹھی تھیں۔ گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی تھی۔ سفید چادر سر اور کندھوں کے گرد لپٹی تھی۔ آنکھیں نیم وا تھیں۔ معید وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے ہسپتال کی عمارت میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ تیز ساتھ بھاگ رہی تھی۔

(اس کو ایمبولزم کہتے ہیں۔ اس سے بچانے کے لیے یہ جرابیں پہنائی جاتی ہیں۔)

وہ سی ٹی اسکین روم کے باہر کھڑے تھے۔ معید ان کو سی ٹی کے تختے پہ لٹا رہا تھا۔ اسٹاف ڈائی ڈالنے کے لیے ان کے ہاتھ کی وین کو پھر سے پرک کر رہا تھا۔ ایک اور سوئی۔ ایک اور نشان۔

(ایمبولزم ایک دفعہ بن جائے تو پھر وہ انسانوں کو چند گھنٹوں میں مار دیا کرتا ہے۔ اس لیے مالا ان کی جرابیں نہیں اتارنی۔)

معید نے یہ سب اس وقت سوچا تھا۔ بتایا نہیں تھا۔ اس لمحے اسے احساس ہوا کہ اسے تفصیل سے ان جرابوں کا مقصد سمجھانا چاہیے تھا۔

وہ دونوں سرد کاریڈور میں باہر کھڑے تھے۔ ان کے چہرے سفید اور سانسیں اٹکی ہوئی تھیں۔

''میں اتنے سال سے میو ہسپتال میں سرجریز کا حصہ ہوں۔'' معید دیوار سے ٹیک لگائے چھت کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''آج تک میرے سامنے ان گنت لوگوں کو ایمبولزم ہوا ہے۔ جانتی ہو ان میں سے کتنے لوگ بچے؟''

''کتنے؟''

معید نے نظریں اس کی طرف موڑیں۔

''زیرو۔'' وہ بولا تو آواز آہستہ تھی۔ کشمالہ کا سانس وہیں اٹک گیا۔

''ایمبولزم سے کوئی نہیں بچتا 'مالا'۔''

''مگر... میں نے گوگل پہ پڑھا تھا کہ دو تہائی لوگ بچ جاتے ہیں۔''

''گوگل کی ہر بات پریکٹیکل نہیں ہوتی۔ میں تمہیں وہ بات بتا رہا ہوں جو حقیقی زندگی میں پیش آتی ہے۔ لوگ ایمبولزم سے نہیں بچتے کیونکہ ایمبولزم کی وقت پہ تشخیص نہیں ہو پاتی۔ ایمبولزم کی پہلی بڑی علامت موت ہے۔ اچانک سے سرجری کے بعد بندہ مر جاتا ہے۔ بس لوتھڑے کا پتہ ہی مرنے کے بعد چلتا ہے۔''

''ایسے مت کہو معید۔ اُف۔ میں نے کیوں ماں کی جرابیں اتاریں۔ مجھے واقعی یاد نہیں تھا کہ تم نے مجھے کچھ کہا تھا اس کے بارے میں۔''

''تمہاری غلطی نہیں ہے۔ مجھے بھی چیک کرنا چاہیے تھا۔ ہم ماں سے ایک لمحے کی بھی غفلت نہیں برت سکتے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے تین دن ماں کو آئی سی یو میں رکھا گیا۔ سی ٹی اسکین کے مطابق کلاٹ ان کے پھیپھڑوں میں جا کے پھنس گیا تھا۔ لیکن بروقت کلیگزین ملنے سے ان کا خون پتلا ہونا شروع ہوا۔ سی ٹی ہر روز نہیں کیا جا سکتا۔ درمیان میں گیپ دینا ضروری تھا۔ اس لیے چوتھے روز جب سی ٹی کیا گیا تو کلاٹ چھوٹا ہوتا دکھائی دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ اب بہتر تھیں۔

سرجن کا کہنا تھا کہ اگر معید بروقت ماں کو کلیگزین کا انجیکشن نہ لگاتا تو یہ کلاٹ پھیپھڑوں میں پھنس کے ان کا سانس روک سکتا تھا۔

''جن کے بیٹے ڈاکٹر نہیں ہوتے ہوں گے وہ کیا کرتے ہوں گے معید؟''

وہ دونوں ماں کے بستر کے ساتھ بیٹھے تھے اور وہ پوچھ رہی تھی۔ ''ہمارے پاس سب کچھ ہے۔ تم خود ماں کو مینیج کر رہے ہو کیونکہ تم سرجن ہو۔ لیکن جن کے گھر میں کوئی ڈاکٹر نہیں ہوتا ہو گا وہ کتنا خوار ہوتے ہوں گے ہمارے اس ہیلتھ سسٹم میں۔''

''تم نے ابھی سرکاری ہسپتال نہیں دیکھے مالا۔ خواری جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے ہمارے ہسپتال شروع ہوتے ہیں۔ ایک واحد ہسپتال جہاں سسٹم بہترین ہے اور مریض اکیلا بھی ہے تو اس کے علاج کا پروٹوکول پورا ہوتا ہے وہ سی ایم ایچ ہے لیکن انہوں نے بھی عام عوام کے لیے دروازے بند کر رکھے ہیں۔ لوگ بے چارے کہاں جائیں۔''معید اس موضوع پہ گھنٹوں بول سکتا تھا۔ مگر مالا نے اس سے وہی سوال کیا جو وہ بار بار پوچھ رہی تھی۔

''ماں ٹھیک ہو جائیں گی نا؟''

''ہاں۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ اب سے ان شاءاللہ وہ ریکوری کی طرف ہوں گی۔ یکم مئی کو ماں کا ٹیومر ڈائیگنوز ہوا تھا اور ڈاکٹر وہرا نے ہمیں چھ ماہ دیے تھے۔ یکم نومبر تک۔ لیکن دیکھو۔ ہمیں ڈاکٹر واصف مل گئے اور ہمیں معلوم ہوا کہ ماں کو منجیوما ہے۔ ابھی بائیوپسی کی رپورٹ آنی ہے لیکن امید ہے کہ ڈاکٹر واصف کی بات درست نکلے گی۔ جو اللہ یہاں تک لایا ہے وہ آگے بھی لے جائے گا۔''

اور یہ ایک فقرہ اس کے ذہن میں پیوست ہو گیا۔ جو اللہ یہاں تک لایا ہے وہ آگے بھی لے جائے گا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ لیے اور چہرہ اٹھا کے زیرِ لب دعا مانگنے لگی۔ واشف انت الشافی۔ شفا دینے والے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس دفعہ جب ماں گھر آئیں تو وہ واقعی صحت کی طرف گامزن تھیں۔ جو اللہ یہاں تک لایا تھا وہی آگے بھی لے کر جا رہا تھا۔ ماں پہلے سے زیادہ ذہنی طور پہ بیدار ہو چکی تھیں۔ ان کا زخم بھر رہا تھا۔ خون کا کلاٹ اندر ہی اندر گھل کے غائب ہو چکا تھا۔ اور سب سے اچھی بات۔ ماں کے ٹیومر کی بائیوپسی رپورٹ آ چکی تھی۔

یعنی ان کے آپریشن کے وقت برین سے جو ٹیومر نکالا گیا تھا اس کے حصے تین مختلف لیبارٹریز کو بھیجے گئے تھے۔ اور تینوں کی بائیوپسی رپورٹ ایک جیسی تھی۔

گریڈ ون منجیوما۔ سب سے زیادہ بے ضرر منجیوما۔

سرجن نے سرجری کے دوران ٹیومر کا ایک بہت چھوٹا سا حصہ برین میں چھوڑ دیا تھا کیونکہ وہ ان جگہوں سے چپکا ہوا تھا جو جسم کے اعضاء کنٹرول کرتے ہیں۔اس کو کاٹا جاتا تو جسم مفلوج ہو جاتا۔وہ اتنا چھوٹا سا بچا ہوا ٹیومر تھا کہ اگر وہ برین میں رہتا بھی تو کوئی مسئلہ نہ تھا۔اس کو دوبارہ تکلیف دہ بننے میں بیس سے پچیس سال لگنے تھے۔

کہاں وہ ڈاکٹر دوہرا کی چھ ماہ کی ٹائم لائن سے لڑ رہے تھے۔اور کہاں بیس سے پچیس سال کی امید ان کے لیے آبِ حیات تھی۔

اگلے دو ہفتے تک ماں اتنی بہتر ہو گئیں کہ اب وہ پرانی باتیں یاد کرنے لگی تھیں۔رمضان کب شروع ہوا؟ مالا کب لاہور واپس آئی؟ انہیں کچھ بھی یاد نہ تھا۔عیدان کی بیماری میں آئی اور گزر گئی۔مالا کو احساس ہوا کہ انہیں یہ بھی یاد نہیں تھا کہ زیاد نے اس کا رشتہ مانگا ہے۔وہ بھی خاموش رہی۔یہ وقت ان باتوں کا نہیں تھا۔

وہ اپریل میں لاہور واپس آئی تھی لیکن ماں کے ذہن میں نئی یادداشتیں نہیں بن رہی تھیں۔انہیں بہت کچھ یاد نہ تھا۔ایک دن جب وہ ان کے بالوں میں برش پھیر رہی تھی،ماں اس سے پوچھنے لگیں۔

”عزہ کی شادی ہو گئی؟“

”جی ماں میں اسی کے لیے تو لاہور آئی تھی۔“

”لیکن مجھے کیوں نہیں یاد؟“ وہ حیران تھیں۔

وہ ہر دفعہ اس سوال کے جواب میں کہتی کہ ”ماں... آپ کے برین پہ ٹیومر کا اتنا پریشر تھا کہ وہ یادداشت کے حصے کو متاثر کر رہا تھا۔“ لیکن اس دفعہ برش چلاتے ہوئے وہ جل کے بولی۔

”کیونکہ ان دنوں آپ ٹن (مدہوش) ہوتی تھیں۔“ کہہ کے زبان دبالی۔لیکن خلاف توقع حورِ جہاں بیگم زور سے ہنس دیں۔ایک چپت پیچھے بیٹھی مالا کے گھٹنے پہ لگائی۔

”پرے بدتمیز۔ماں کو ایسے کہتے ہیں۔“ وہ برا مان کے بھی ہنسے جا رہی تھیں۔مالا نے نرمی سے ان کے سیاہ سفید بالوں کو اپنے ہاتھوں میں تھاما،پھر اپنا چہرہ پیچھے سے ان کے کندھے پہ رکھا۔

”ماں آپ کو کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتی؟“ اس نے سوچا نہیں تھا کہ ایسا ہو گا۔لیکن ایک دم وہ زور زور سے رونے لگی تھی۔اتنے ہفتوں کی بے بسی،خوف اور امید.... سب آنسوؤں کی صورت آنکھوں سے باہر نکلا تھا۔وہ اب صرف ایک لڑکی تھی جو اپنی ماں کو کھونے سے ڈرتی تھی۔

”میری بیٹی...“ ماں جو پہلے ہنس رہی تھیں،وہ اس کا سر اپنے ساتھ لگائے خود بھی رونے لگی تھیں۔وہ ایک ماں

تھیں جو اپنے بچوں کو اکیلا چھوڑ کے اگلے جہاں جانے سے ڈرتی تھیں۔ آنسو ان کی بوڑھی آنکھوں سے نکل کے جھریوں زدہ چہرے پہ نیچے بہنے لگے۔ ان کے چہرے کا ٹیڑھا پن ٹیومر کے نکلتے ہی درست ہو گیا تھا۔ جیسے استری کر دیا گیا ہو۔

مالا نے ماں کو اس بیماری میں دوسری دفعہ روتے دیکھا تھا۔ پہلی دفعہ تب جب آپریشن کے بعد بڑے ماموں اسلام آباد سے ملنے آئے اور کچھ دن یہیں رہے۔ ان کو دیکھتے ہی ماں نے پہلی دفعہ کہا۔ بھائی جان مجھے درد ہو رہا ہے۔ اور وہ سن رہ گئی۔ ماں کو درد بھی ہو رہا تھا؟

"بس میری ماں بچ جائے" کی دعائیں کرتے کرتے یاد ہی نہ رہا تھا کہ ماں کو بھی درد ہو سکتا ہے۔ دوسری دفعہ وہ اب روئی تھیں۔ مالا کے سامنے۔

"معید تو لڑکا ہے ماں۔ کچھ نہ کچھ کر لے گا۔ ماہی کی تو فیملی ہے۔ میرا تو آپ کے علاوہ کوئی نہیں ہے ماں۔ میں کیا کرتی اگر آپ کو کچھ ہو جاتا۔" وہ ان کے کندھے سے سر ٹکائے روئے جا رہی تھی۔ آنسو ان کے کندھے پہ رکھے دوپٹے میں جذب ہو رہے تھے۔

یہ اس لمحے تھا جب ماں نے آنسو پونچھے اور چہرہ اٹھایا۔ اس کا ماتھا چوما۔ اور انہیں جیسے یاد آیا۔ "کچھ دن پہلے نگینہ میرے پاس آئی تھی۔"

مالا فوراً سے پیچھے ہوئی اور برش اٹھا لیا۔ گیلے چہرے کے ساتھ وہ ان کے بالوں میں برش پھیرنے لگی تاکہ پیچھے ہو جائے اور وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکیں۔

"وہ زیاد کے لیے تمہارا رشتہ مانگ رہی تھی' مالا۔"

مالا کے ہاتھ اوپر سے نیچے چلتے رہے۔ اسے اسٹوڈیو کی کھڑکی یاد آئی جو آنسوؤں سے بھری تھی۔ اسے کیف یاد آیا جو اس دن سے غائب تھا۔ دونوں میں سے کسی نے دوسرے کو کال نہیں کی تھی۔

"تم سوچنا اس بارے میں' بیٹے۔ زیاد اچھا لڑکا ہے۔ شریف ہے۔ برسرِ روزگار ہے۔" وہ اب ڈھیرے ڈھیرے زیاد کے بارے میں بہت سی باتیں کہہ رہی تھیں۔

"میں سوچوں گی' ماں۔" وہ بولی تو اس کی آواز بہت آہستہ تھی۔ کیا وہ زیاد کے بارے میں سوچنا چاہتی تھی؟ یا کسی وجہ سے وہ اس موضوع کو ٹال رہی تھی؟ کچھ تھا جو ادھورا رہ گیا تھا۔ اور اسے اس کے مکمل ہونے کا انتظار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا اور ماں کا سب سے زیادہ جھگڑا میٹھا کھانے پہ رہتا تھا۔ سرجری کے بعد چونکہ وہ زیادہ ہلتی جلتی نہیں تھیں اس لیے خود سے میٹھا کھا نہیں سکتی تھیں۔ ماں کو ہلانا جلانا بھی ایک الگ مسئلہ تھا۔

فزیو تھیراپسٹ روز گھر آتی اور ان کو ایکسرسائیز کرواتی۔ وہ نوجوان سی لڑکی تھی۔ چلبلی سی۔ جینز ٹاپ پہنے بلاک ہیلز سے ٹھک ٹھک چلتی ہوئی کمرے میں آتی۔ اور خوشگوار انداز میں اعلان کرتی۔

''آنٹی اٹھ جائیں۔ فزیو کا وقت ہو گیا ہے۔''

اور اپنے بیڈ پہ لیٹی ماں کی شکل سے لگتا وہ اس کو کچا چبا جائیں گی۔ ان کو وہ ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی کیونکہ وہ ان سے جسمانی مشقت کرواتی تھی۔ اس کے آنے کا ٹائم فکس تھا۔ اور آنے سے پہلے ماں کی وہ حالت ہوتی جیسے ٹیوشن ٹیچر کے آنے سے پہلے بچوں کی ہوتی ہے۔ بس کسی طرح چھٹی کا بہانہ بن جائے۔

''مالا آج تو مہمان آنے ہیں۔ تم فزیو تھیراپسٹ سے کہو کل آجائے۔''

''میں نے مہمانوں سے بات کر لی تھی۔ وہ چھ بجے کے بعد آئیں گے۔ فزیو کی چھٹی نہیں ہونی ماں۔''

وہ بھی حورِ جہاں کی بیٹی تھی۔ جیسے بچپن میں ماں زبردستی ٹیوشن اور قاری صاحب پہ بھیجتی تھیں اُسے بھی سارے بدلے گن گن کے لینے تھے۔ ماں پہلو بدل کے رہ جاتیں۔

''ہونہہ۔ مجھے تو وہ نقلی تھیراپسٹ لگتی ہے۔ میرے سارے جوڑ ہلا جاتی ہے۔''

اس کے جوڑ ہلانے سے یہ ہوا کہ جون کے آغاز میں ماں جو بالکل بیڈ پہ تھیں اب اٹھ کے بیٹھنے لگ گئی تھیں۔ جون کے وسط تک وہ کھڑی ہونے لگیں۔ اور جون کے آخری دنوں میں پہلی دفعہ انہوں نے واکر کے سہارے چند قدم اٹھائے۔

جولائی شروع ہوا تو ماں بالآخر واکر سے کمرے کا چکر کاٹنے لگیں۔ باتھ روم بھی اب وہ واکر سے جا رہی تھیں۔ ہر شام فزیو تھریاپسٹ ایکسرسائز کروانے آتی۔ اور آخر میں وہ ان کو کھڑا کرتی۔ وہ واکر سے چند قدم چل کے مالا کے بیڈ پہ بیٹھ جاتیں اور پھر وہیں بیٹھی رہتیں۔ فزیو کے جانے پہ وہ ایسے خوش ہوتیں جیسے بچے سکول کی چھٹی کی گھنٹی بجنے پہ ہوتے ہیں۔

یہ ان کی روز کی روٹین تھی۔ فزیو چلی جاتی۔ اور بخت بی چائے لے آتی۔ مالا اور ماں وہیں بیڈ پہ بیٹھے بیٹھے چائے پیتے۔ ساتھ ہی ماہی کو ویڈیو کال ملا لیتے۔ ماہی کی اس وقت فجر بھی نہیں ہوئی ہوتی لیکن وہ ماں کے لیے اٹھ جایا کرتی تھی۔ پھر وہ تینوں خوب باتیں کرتے۔

گئے دنوں کی باتیں کرتے۔ پرانے قصے۔ سب کچھ خواب سا لگتا تھا۔ کہاں ماں ٹیومر کی مریض تھیں۔ اور کہاں وہ دونوں اب مالا کے بیڈ پہ بیٹھ کے گپیں لگا رہے تھے۔ ماہی نے گپوں کے لیے gup کا لفظ ایجاد کیا ہوا تھا۔ وہ ہر کسی کے نام کو چھوٹا کر کے آگے ایس لگا دیتی تھی۔ یوں ان کی شامیں ایک جیسی ہوتیں۔ گپس لگاتے لگاتے کٹ جاتیں۔ پھر رات ہو جاتی اور ماں کی نائٹ روٹین شروع ہو جاتی۔ ان کا بیڈ بنانا۔ ایکسٹرا شیلس۔ دوائیاں۔ اینٹی بائیوٹک۔

درمیان میں معید کو شک ہوا کہ ماں کو منجائٹس ہو گیا ہے کیونکہ ٹیسٹ رپورٹس میں کچھ لیولز ہائی آ رہے تھے۔ یہ اس صورت میں ہوتا ہے جب دماغ کی منجی کی تہہ میں انفیکشن ہو جائے جسے منجائٹس کہتے ہیں اور یہ جان لیوا ہو سکتا تھا۔

لیکن ڈاکٹر واصف کا کہنا تھا کہ یہ منجائٹس نہیں ہے۔ وہ کہتے کہ جب وہ تندرست لگ رہی ہیں اور اس سے بہتر ہو نہیں سکتی تھیں اور ٹیومر بھی منجیوما ہے (کیونکہ تین لیبارٹریز یہ کہہ چکی ہیں) تو پھر مسئلہ کیا ہے۔ ہر چیز ٹھیک ہے۔ یہ لیولز بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ اینٹی بائیوٹک آہستہ آہستہ ان کو تندرست کر دے گی۔ اور یوں معید کچھ دن کے لیے مطمئن ہو جاتا۔ پھر دوبارہ وہ ٹیسٹ کرواتا۔ بظاہر ماں تندرست تھیں لیکن وہ لیولز نیچے نہیں جا رہے تھے۔ کہاں گڑبڑ تھی جسم میں۔ یا شاید وہ وہمی ہو رہا تھا۔

اس دن معید کے ساتھ اس کا ایک دوست اینڈوکرائینولوجسٹ گھر آیا اور ماں کی شوگر وغیرہ کا فالو اپ کرنے لگا۔ وہ اس وقت بیڈ پہ اٹھی بیٹھی تھیں۔ دوپٹہ سر پہ لے کر کانوں کے پیچھے اڑس رکھا تھا۔ سفید بال قلموں سے نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔ مالا نے سوچا صبح ان کا ہیئر ڈائی لگا دے گی۔

"آہ... میٹھا نہیں کھا سکتی۔ حسرت ہی رہے گی اب یہ۔" وہ شکوہ کرتے ہوئے ڈاکٹر جعفر سے کہنے لگیں۔

"کس نے کہا ہے آپ میٹھا نہیں کھا سکتیں؟ معید..." اس نے تحکم سے کہا۔ "آنٹی کی شوگر چیک کرو اور گھر میں جو بھی میٹھا ہے لے آؤ۔"

"ہیں ہیں کیا مطلب؟" وہ جو صوفے پہ بیٹھی موبائل پہ لگی تھی، ہڑبڑا کے اٹھی۔ معید بھی فکرمند ہو گیا۔

"ماں کی شوگر ہائی ہوئی تو انفیکشن ہو سکتا ہے۔"

"میں اینڈوکرائینولوجسٹ ہوں یا تم؟" ڈاکٹر جعفر بگڑ کے بولا۔ "میں شوگر ہائی نہیں ہونے دوں گا۔ اگر ہم ان کو میٹھا کھلا کے ساتھ ہی (اس نے انسولین کی ایک قسم کا نام لیا) لگا دیں تو شوگر ہائی نہیں ہو گی۔"

بخت بی نے انڈوں کا حلوہ بنایا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ماں مزے سے پیالے میں انڈوں کا حلوہ کھا رہی تھیں جبکہ مالا اور معید بے بسی سے انہیں گھور رہے تھے۔ اس دن سے ڈاکٹر جعفر ماں کا فیورٹ ڈاکٹر بن گیا۔ وہ دوپہر کے کھانے کے بعد پیالہ بھر کے انہیں میٹھا کھانے دیتا اور ساتھ ہی مالا ان کو انسولین کی وہ قسم لگا دیتی جو اس نے کہی تھی۔ وہ کھانے سے پہلے کی شوگر بھی نوٹ کر کے بتاتی۔ اور ساتھ یہ بھی کہ وہ کیا اور کتنا کھا رہی ہیں۔ انسولین فوراً جسم میں جا کے شوگر لیول کم کر دیتی۔ یہ ایک خطرناک چیز تھی لیکن چونکہ اینڈوکرائینولوجسٹ خود اس کو مانیٹر کر رہا تھا اس لیے ماں کا شوگر لیول ٹھیک رہا۔

اور وہ ایک دم خوش رہنے لگیں۔ وہ ہر روز میٹھا بنواتیں۔ جعفر کا کہنا تھا کہ مریض خوش نہیں ہو گا تو صحت مند نہیں ہو گا۔ جون کے مہینے میں انہوں نے بہت میٹھا کھایا۔ جعفر نے جولائی میں بھی انہیں میٹھا کھانے دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اگست میں جب زخم مکمل بھر جائے گا اور وہ چلنے پھرنے لگیں گی، تب ہم اس کو روک دیں گے۔

البتہ ماں کو سختی سے منع تھا کہ وہ جعفر کی اجازت کے بغیر میٹھا نہیں کھا سکتیں۔ آہستہ آہستہ وہ میٹھے میں ایک دن کا گیپ دینے لگا۔ ماں کو یہ بات پسند نہیں آئی لیکن مجبور تھیں۔

وہ بھی گیپ والا دن تھا۔ لیکن مالا نے صبح دیکھا کہ بخت بی شاہی ٹکڑے بنا رہی ہیں۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ ماں سے جا کے پوچھا تو انہوں نے سر جھکا کے معصومیت سے کہا۔ ”معید نے کہا تھا۔“

اس نے معید کو کال کی۔ وہ ہسپتال تھا۔

”کون سے شاہی ٹکڑے؟ میں نے تو نہیں کہا۔“ مالا کو ساری بات سمجھ آ گئی۔ اسے ماں کی معصومیت پہ ہنسی بھی آئی۔ لیکن خیر... دوپہر میں وہ چپ چاپ شاہی ٹکڑوں کا پیالہ لیے ماں کے پاس گئی اور انہیں تھما دیا۔

”بس ایک پیالہ کھانا ہے آپ نے۔“ ماں نے چپ چاپ سر جھکا لیا۔ کچھ نہیں کہا۔ دوبارہ نہیں مانگا۔ مالا کو لگا ماں کو بالآخر اپنی شوگر کا احساس ہونے لگا ہے۔

رات کو اس نے بخت بی اور معید کے ساتھ کچن میں میٹنگ کی۔

”اب مجھ سے پوچھے بغیر گھر میں میٹھا نہیں بنے گا۔“

معید نے سر ہلایا۔ "ہاں اور مالا... اب ماں کو آج کی حرکت پہ کچھ نہ کہنا۔ میں نے انہیں ایک پیالہ دے دیا ہے۔ وہ مزید نہیں مانگیں گی۔“

مالا کا منہ کھل گیا۔ ”معید میں انہیں ایک پیالہ دے چکی تھی۔ انہوں نے تم سے الگ سے مانگا ہے؟“

معید نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ اس نے کیسے ماں کی معصومیت پہ بھروسہ کرلیا؟

پھر دونوں نے ایک دم بخت بی کو دیکھا۔ وہ بھی منہ کھولے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ایک پیالہ تو باجی کو میں نے بھی دیا ہے۔''

"بختے بی۔" وہ دونوں چلائے تھے۔

اور ماں کمرے میں بیٹھیں، ہم ٹی وی کا کوئی ڈرامہ لگائے مزے سے شاہی ٹکڑے کھا رہی تھیں۔ پس ثابت ہوا کہ وہ ان کی بھی ماں تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اندرون شہر کی گندی میلی گلیوں میں سے ایک کے اندر بنے اس گھر میں آج بھی بہت رش تھا۔ البتہ وی آئی پی کے لیے مختص قالین والے کمرے میں صوفے پہ کروفر سے بیٹھی کبیرہ بیگم تنہا تھیں۔

ٹانگ پہ ٹانگ جمائے وہ مضطرب سی اپنی ہیرے کی انگوٹھیاں مروڑ رہی تھیں۔ بوائے کٹ بال ہمیشہ کی طرح سیٹ تھے۔ کانوں میں موتیوں کے ٹاپس اور آنکھوں میں برہمی تھی۔

سامنے بیٹھا بکھرے بالوں اور بدبودار لباس والا عامل پیٹر مسیح آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔ کبیرہ بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''بچ کیسے گئی حورِ جہاں؟'' وہ ایک دم تڑپ کے بولیں تو عامل نے آنکھیں کھولیں۔

''جادو نے اس کے خون کو اس کے خلاف کردیا تھا۔ خون میں شیطانی لوتھڑا بنایا گیا تھا۔ لیکن...'' عامل نے گہری سانس اندر کھینچی۔ ''کیا کریں... اس کے بچوں نے علاج کروالیا۔''

''ہونہہ۔ کیا فائدہ ہوا۔'' وہ ناخوشی سے ایک انگوٹھی کو بار بار اتارتی اور واپس پہنتی۔ ''اتنے جادو کے باوجود اسے بچنا ہی تھا۔''

''جادو نے اس کے جسم کو بہت کھوکھلا کردیا ہے۔ کبھی تو عامل کا وقت بھی آئے گا۔'' وہ زیرِ لب مسکرایا۔ کبیرہ نے ہونہہ کہہ کے سر جھٹکا۔ اور دوسرے موضوع کی طرف آئی۔

''ماہی... اس کی بیٹی کی ساس کسی کو بتا رہی تھی کہ اس کی پریگنینسی ٹھیک جارہی ہے، ایک کام کہا تھا تمہیں۔ کہ اس کے بچہ نہیں ہونا چاہیے۔ وہ بھی تم سے نہیں ہوا سائیں۔''

عامل نے ڈھیلے سے انداز میں کندھے اچکائے۔

''ہمارا قصور نہیں ہے۔وہ لڑکی پڑھائی بہت کرتی ہے۔صبح شام کی دعائیں۔اس سے معاملہ خراب ہو جاتا ہے۔ہم جادو بھیجتے ہیں لیکن وہ اثر نہیں کرتا۔''

''یعنی میں اب وہ دن دیکھوں گی جب عباد اور ماہی اپنی مکمل فیملی سیلیبریٹ کر رہے ہوں گے اور میری بیٹی گھر بیٹھی ہو گی؟ ناممکن۔'' کبیرہ نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ایسے کہ ناخن ہتھیلیوں میں پیوست ہو گئے۔

عامل کا جل لگی آنکھوں سے مسکرایا۔''فکر نہ کرو۔انسان سست پڑ جاتے ہیں۔کسی نہ کسی دن وہ دعا مانگنا بھول جائے گی۔کبھی نہ کبھی وہ ناغہ کرے گی۔ہم تاک میں ہوں گے اور اسی دن حملہ کریں گے۔''

مگر کبیرہ کی تسلی نہیں ہوئی۔اسی ناخوشی سے عامل کو دیکھ کے گویا ہوئیں۔''اور وہ زیاد؟ اس کا اچھا حساب تمام کیا تم نے؟ اس کی ماں رشتہ لینے پہنچ گئی کشمالہ کے گھر۔''

''اس کی ماں کا بھی وہی مسئلہ ہے، کبیرہ بیگم۔وہ پڑھتی پڑھاتی بہت ہے۔یہ پڑھنے پڑھانے والے لوگ سارا دھندا خراب کر دیتے ہیں۔'' وہ جی بھر کے بدمزہ ہوا۔''زیاد کی ماں نے اپنی پڑھائی سے اور ماہی نے اپنی پڑھائی سے اپنی اپنی اولاد کو محفوظ کر رکھا ہے۔اب میں کہاں سے نقب لگاؤں؟''

''کس کام کے ہو پھر آپ میرے؟''

''زیاد کی ماں کا کچھ کرتا ہوں۔جب حورِ جہاں جیسی پڑھنے پڑھانے والی عورت جادو سے بیمار پڑ سکتی ہے تو زیاد کی ماں کیا چیز ہے۔'' وہ آنکھیں بند کر کے کچھ بڑبڑانے لگا۔پھر اسی کیفیت میں بولا۔''زیاد کشمالہ کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کے معاملے میں سنجیدہ ہے۔تمہاری بیٹی کا معاملہ مجھے یہاں ہوتا نہیں دکھائی دے رہا۔''

''میری بیٹی کی شادی زیاد سے ہی ہو گی اور تم کرواؤ گے یہ سب۔'' کبیرہ اب بے چینی سے ناخن چبانے لگی تھیں۔یہ وہ صرف تب کرتیں جب وہ شدید بے بسی کا شکار ہوتیں۔

خاندان والوں کی باتیں... اپنی بیٹی کا بڑھتا وزن... یہ سب اسے ہراساں کرتا تھا۔اور پھر دھوم دھام سے شادی کر کے اور ایک اچھا داماد لے کر خاندان پہ دھاک بھی بٹھانی تھی۔کبیرہ کو ہمیشہ یہی فکر ہوتی تھی کہ اپنی دھاک ہر ایک پہ قائم کیسے رکھنی ہے۔

اور اگر یہ سب نہ ہو سکا.... اور اسے ماہی کا بچہ اور مالا کا بسا ہوا گھر دیکھنا پڑا... تو؟ یہ کسی بھیانک خواب سے کم نہیں ہو گا۔

''کشمالہ زیاد کو پسند نہیں کرتی۔اس کی زندگی میں کوئی اور ہے۔'' عامل ایک دم چونک کے بولا۔کبیرہ بھی اپنے

خیال سے جاگی۔ چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''واہ۔تمہارے موکل تو بڑے کام کے ہیں۔ کون ہے اس کی زندگی میں؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''کوشش کرتا ہوں پتہ کرنے کی۔'' عامل نے بڑے جوش سے آنکھیں موندیں۔ لیکن اگلے ہی پل اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ہڑبڑا کے اس نے آنکھیں کھولیں۔

''نہیں۔کوئی نہیں۔'' ہاتھ بے اختیار گردن تک گیا۔ وہ درد کئی دن تک محسوس ہوتا رہا تھا۔

''مگر تم نے کہا...''

''کہا نا... موکل کو غلطی لگی تھی۔ کوئی نہیں ہے کشمالہ کی زندگی میں۔ میں دیکھتا ہوں اس معاملے کو'' وہ کھانستے ہوئے بات بدل گیا۔ ''زیاد کی ماں کو بہت تیزی ہے نا رشتہ کرنے کی۔ پہلے اس کا بندوبست کرتا ہوں''

اب وہ کبیرہ بیگم کو وہ فہرست تھما رہا تھا جو اسے درکار تھی۔ نقدی۔ بکرے۔ اور فیورز۔ کسی کی سفارش۔ کسی کا تبادلہ۔

اکثر لوگ سوچتے ہیں کہ جادو جنات کا کام کرنے والے اپنے لیے جنات سے کہہ کے دولت کیوں نہیں کما لیتے؟ ایسا اس لیے ہے کہ جنات انسان کو دولت نہیں لا کے دے سکتے۔ دولت انسان کو انسانوں سے کمائی ہوتی ہے۔ یہ نصیب سے ملتی ہے۔ محنت سے بڑھتی ہے۔ اور حکمت سے خرچ کرنے پہ قائم رہتی ہے۔ جنات اس معاملے میں بے بس ہوتے ہیں۔ وہ تکلیف دے سکتے ہیں۔ یا کسی کا حال عامل تک پہنچا سکتے ہیں۔ عامل ان کاموں کے لیے جنات کو قید کرتے اور ان پہ ظلم کرتے ہیں۔ اس لیے ضروری نہیں ہے کہ جنات ہر کام درست کر دیں۔ یا ہر خبر سچی پہنچائیں۔ جنات جھوٹ بھی بہت بولتے ہیں اور اگر انہیں جواب معلوم نہ ہو تو اپنی طرف سے گھڑ کے سنا دیتے ہیں۔ عامل اپنے کلائنٹ سے پھر بھی پیسے بٹور لیتا ہے۔ البتہ ایسے گندے میلے علاقوں میں رہنا اس کی مجبوری ہوتی ہے کیونکہ برے جنات اور شیاطین قریب تب آتے ہیں جب انسان ویرانے اور گندی جگہوں پہ رہے۔ انہیں جنات کو قابو کرنے کے لیے بہت سے غلاظت سے بھرے کام کرنے پڑتے ہیں۔

ایسے میں کچھ جنات ہوتے ہیں جو عامل کے قبضے سے چھوٹ جاتے ہیں۔ عامل ان کو مارنے یا ان کی روزی تنگ کرنے کا ڈراوا دیتا ہے۔ لیکن جس دن کسی جن کو یقین ہو جائے کہ عامل اس کی موت اور رزق پہ قادر نہیں ہے، وہ عامل کے شکنجے سے خود کو آزاد کر لیتا ہے۔

لیکن انسان آزاد نہیں ہو سکتے۔ جو انسان عامل کی چوکھٹ ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے اور اسے اپنا کام کروانے کا چسکا

پڑ جاتا ہے، وہ کبھی اس چوکھٹ سے آزاد نہیں ہوتا۔ اگر وہ توبہ بھی کر لے کہ میں اب دوبارہ یہاں نہیں آؤں گا تو عامل اپنے جنات کے ذریعے اس کو ڈراتا ہے۔ انسان سمجھتا ہے کہ اس کے دشمن پھر سے پیچھے لگ گئے ہیں سو وہ بھاگ کے عامل کے پاس دوبارہ آتا ہے۔ اور یوں عامل اپنے کلائنٹ کبھی نہیں کھوتے۔ جنات کے ساتھ ساتھ انسان بھی اس کی قید میں ہوتے ہیں۔

کبیرہ بیگم بھی ایک قیدی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماں کے ایمبولزم والے معاملے کے بعد مالا نے ریستوران والے پراجیکٹ کو روک دیا تھا۔ لیکن جون کے آخر میں جب ماں بہتر ہونے لگیں اس نے ریستوران جوائن کر لیا۔ وہ روز ایک سے دو گھنٹے کے لیے وہاں جاتی تھی۔ اس کا ہاتھ برش اور رنگوں پہ پھر سے چلنے لگا تھا۔

ریستوران کا نام گلاس ٹاؤن تھا۔ وہاں ہر روز معمول کی گہما گہمی ہوتی۔ ریستوران کے ہال کے باہر ایک برآمدہ تھا جس کی شیشے کی دیوار نے اسے باغیچے سے الگ کر رکھا تھا۔ مالا گلاس وال کے اندر کی طرف فرش پہ بیٹھ جاتی۔ نیچے چند کشن بچھا لیتی اور پھر آلتی پالتی کیے وہ رنگ مکس کرنے لگتی۔ کانچ کی پلیٹوں کے ٹکرانے کی آواز، سلور کے چمچ کی کھٹکار، لاہور کے لوگوں کی گوسپ، موبائل کی بجتی گھنٹیاں وہ سب سنتے ہوئے کام کرتی جاتی۔ آوازیں اچھی تھیں۔ خاموشی بری تھی۔ خاموشی ہسپتال کے آئی سی یو کی یاد دلاتی تھی جس میں صرف مشینوں کی بپ بپ کے علاوہ کوئی آواز نہ ہوتی تھی۔

ہر روز گلاس وال کے ساتھ اپنا کام پھیلانے سے پہلے وہ موبائل اسکرین پہ تاریخ دیکھتی۔ ڈاکٹر وہرا کی ٹائم لائن چھ ماہ کی تھی۔ یکم نومبر تک۔ وہ ٹائم لائن کبھی ذہن سے جاتی ہی نہیں تھی۔ جیسے سزائے موت کے قیدی کو سزا سنا کے آزاد کر دیا جائے تو وہ بار بار اس تاریخ کو یاد کرتا ہے جب اس کو پھانسی دی جانی تھی۔ ہر روز وہ گنتی کہ یکم نومبر آنے میں کتنے دن تھے۔

اور ہر روز وہ گنتی کہ کیف کو گئے کتنے دن بیت چکے تھے۔ یہ حساب کتاب بھی ذہن سے نہیں جاتا تھا۔

کیف گیا تو زندگی سے بھی کچھ چلا گیا۔ تعاقب ہونے کا احساس پھر سے چھانے لگا۔ لیکن اس نے پھر کوئی گارڈ نہیں رکھا۔ وہ رکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ سیکیورٹی گارڈ چیزوں کو پیچیدہ بنا دیتے تھے۔ یا شاید وہ صرف کیف تھا۔ مالا نے اس خوف کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا۔ ماہی مسلسل اسے قرآنی آیات بھیجتی۔ ان کو پڑھ کر دم مالا۔ ماں پہ جادو

ہے۔ وہ ان کو پڑھتی اور پورے انہماک سے پڑھتی لیکن ماں کی صحت یابی کے لیے۔ جادو کا سوچ کے نہیں۔ اسے جادو جنات پہ یقین نہیں تھا۔ وہ ہوتے ہیں لیکن کسی اور کے ساتھ۔ کسی اور زمانے میں۔ اس کی ماں پہ کوئی جادو نہیں تھا۔ ماہی وہمی تھی۔

اس کے بعد گھر میں خون نہیں آیا نہ ہی کسی نے کوئی اور حرکت کی۔ ہاں ایک تعاقب ہونے کا احساس تھا لیکن وہ اس کو نظر انداز کر دیتی تھی۔

وہ ریستوران پہنچتی تو ماں کا ٹیکسٹ میسج آتا۔

(پہنچ گئی ہو؟) وہ مسکرا کے جواب لکھتی۔ جی ماں۔ روز اس کی کوشش ہوتی کہ پہنچتے ساتھ ہی ان کو پہلے میسج کرے لیکن ان کا میسج پہلے آجاتا۔ وہ منٹ گن رہی ہوتی تھیں۔ وہ کام کر رہی ہوتی تو ماں کا میسج آتا۔ (ساتھ ساتھ کچھ کھاتی پیتی بھی رہنا۔ ان موئے ریستوران والوں سے کہو تمہیں فری میں کھانا دیا کریں۔) ماں بھی ٹپیکل ماں تھیں۔ وہ ہنس کے روز انہیں میسج کرتی کہ جی وہ مجھے کافی دیتے ہیں۔

ماں کو خالی پیٹ کافی پینا پسند نہ تھا لیکن وہ عمر کے اس حصے میں تھی جب انٹر مٹنٹ فاسٹنگ ایک روٹین بن جاتی ہے۔ (انٹرمٹنٹ فاسٹنگ کرنے والے لوگ رات کے کھانے اور اگلی دوپہر کے کھانے میں بارہ سے سولہ گھنٹے کا گیپ دیتے ہیں اور اس دوران سوائے پانی یا بلیک کافی کے کچھ نہیں کھاتے۔) وہ صبح صبح کافی سے زیادہ کچھ پی بھی نہیں سکتی تھی۔ اور کافی سے اسے کیف یاد آتا لیکن وہ اس کو ذہن سے جھٹک دیتی۔ ریستوران سے نکلنے سے پہلے ماں کا میسج آجاتا۔ (نکل پڑی ہو؟) وہ کہتی (جی راستے میں ہوں) حالانکہ وہ دروازے پہ ہوتی تھی۔ غرض ان دو ڈھائی گھنٹوں میں ماں کے بار بار میسج آتے۔

یکم مئی کو جب ڈاکٹر دوہرا نے وہ ڈیڈ لائن دی تھی تو مالا کو لگتا تھا اس نمبر سے اب کبھی میسج نہیں آئے گا۔ لیکن ڈاکٹر دوہرا غلط تھے۔ وہ بار بار دہرا کے دل کو یقین دلاتی۔ ڈاکٹر دوہرا نے کہا تھا وہ گلائیوما ہے لیکن وہ منجیوما نکلا۔ اب میری ماں کبھی بیمار نہیں ہوں گی۔

مگر یکم نومبر کی تلوار ذہن پہ لٹک رہی ہوتی۔ بس یہ یکم نومبر گزر جائے پھر زندگی میں سکون آجائے گا۔

جون کے اختتام تک اس کی زیادہ سے چند ایک بار ٹیکسٹ پہ ہی بات ہوئی۔ وہ ماں کی خیریت پوچھنے کے لیے میسج کرتا تھا۔ ساتھ ہی وہ اپنے مسئلے بھی بیان کرتا۔ جیسے اس کے آفس میں آگ لگنے سے اس کا اسٹور روم جل گیا اور ذمہ داری زیاد پہ آگئی حالانکہ وہ چھٹی پہ تھا۔ وہ اس بات سے کافی پریشان تھا۔ پھر اس کے حالات بہتر ہوتے

لگے تو وہ کم پریشان لگنے لگا۔ البتہ رشتے والے معاملے پہ دونوں نے کوئی بات نہیں کی۔

یہ گیارہ جولائی کی بات ہے۔ آج صبح تاریخ دیکھتے وقت اسے کیف کا کمپیٹیشن یاد آیا۔ کیا وہ اسے جیت جانے کے بعد مالا کو بتائے گا؟ اسے یقین سا تھا کہ وہ جیت جائے گا۔ وہ کامیاب ہو جائے گا۔ پتہ نہیں کیوں۔ اس نے فون رکھ کے پینٹ برش اٹھایا ہی تھا کہ زیاد کی کال آنے لگی۔

بنا بتائے اس نے کیسے کال کر لی؟ مالا کام کے دوران کسی کا فون نہیں اٹھاتی تھی لیکن وہ زیاد تھا۔ اس نے ہینڈز فری کانوں میں لگائے۔

"آپ نے کیسے کال کی۔ خیریت؟" وہ برش کو پینٹ میں ڈپ کر رہی تھی۔ رف کرتا ٹراؤزر پہنے بال پونی میں باندھے اس نے ماتھے پہ سلک کا سبز رومال باندھ کے پیچھے گرہ لگائی ہوئی تھی۔

"کیا یہ آپ کا ورک ٹائم ہے؟"

"ہے تو سہی۔"

"لیکن میرے لیے آپ وقت نکال لیں گی۔" وہ پراعتماد تھا۔ ہمیشہ کی طرح۔ مالا نے ایک نظر اپنے بکھرے پینٹس اور برشز کو دیکھا۔ کیا اسے زیاد سے کہنا چاہیے کہ وہ ابھی مصروف ہے۔ وہ کسی اور وقت کال کر لے؟ یا شاید وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ اس کے لیے وقت نکال سکتی تھی۔ وہ اس کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اگر اس نے دوبارہ کال نہ کی؟ اسے خود پہ حیرت ہوئی۔ وہ توجہ کے لیے اتنی ضرورت مند کب سے ہو گئی تھی؟ شاید اس لیے کہ وہ ایموشنل ٹراما میں تھی۔ کیا ٹراما ابھی چل رہا تھا یا گزر گیا؟ وہ فیصلہ نہیں کر سکی۔

"بتائیے۔"

وہ اس کو اپنی جاب کے بارے میں بتانے لگا۔ کیسے وہاں مسائل چل رہے تھے اور کیسے اس نے بمشکل خود کو ان سے نکالا ہے۔ وہ اس سے اس کی رائٹنگ کا پوچھنے لگی۔ وہ اس بارے میں کچھ دیر بولے گیا۔ وہ جانتی تھی وہ تمہید باندھ رہا ہے۔ اس کے ہاتھ برش سے پینٹ مکس کر رہے تھے لیکن وہ انہیں شیشے پہ نہیں اتار رہی تھی۔ اسے زیاد کی تمہید ختم ہونے کا انتظار تھا۔

"آپ جانتی ہوں گی کہ میری امی نے کچھ دن پہلے آپ کی والدہ سے بات کی تھی۔ ہمارے بارے میں۔" مشکل گفتگو شروع ہو چکی تھی۔ اس نے برش رکھ دیا اور سبز رومال سے ڈھکا سر جھکا دیا۔

"جی۔ مجھے معلوم ہے۔"

''کیا آپ نے اس بارے میں سوچا؟''

''دیکھیں زیاد۔'' جواب اس کے پاس تیار تھا۔ ''میری ماں بیمار ہیں۔ ان کی ریکوری میں چند ماہ لگیں گے۔ پھر ہم ان کا گھٹنے کا آپریشن کروائیں گے۔ ان کے وزن کی وجہ سے دونوں گھٹنوں کا آپریشن ایک ساتھ نہیں ہو سکتا۔ درمیان میں چھ ماہ کا گیپ دینا ہوگا۔ اگر ہم دسمبر میں ایک گھٹنے کی سرجری کرواتے ہیں تو دوسرے کی سرجری اگلے جون میں ہوگی۔ پھر اس کی ریکوری میں بھی چار پانچ ماہ لگیں گے۔ یعنی اگلے ڈیڑھ سال تک میں ماں کے علاوہ کسی اور بارے میں نہیں سوچ سکتی۔''

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

''دراصل جب امی نے یہ بات سوچی تھی، تب آنٹی صحت سے تھیں۔ ہمیں خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اتنی بیمار پڑ جائیں گی۔'' وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔ "آپ کی بات درست ہے۔ آپ کو جتنا وقت چاہیے آپ لے لیں۔ آرام سے اس بارے میں سوچیں۔ لیکن وقت کی وجہ سے انکار مت کیجیے گا۔''

''آپ کو لگتا ہے میں اور آپ ایک ساتھ رہ سکتے ہیں؟'' وہ پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرائی۔

''میرے ساتھ کوئی بھی رہ سکتا ہے، کشمالہ۔ آپ اپنی بات کریں۔'' اس کا اعتماد اور مسکراہٹ وہ فون کے دوسری طرف سے بھی محسوس کر سکتی تھی۔

''میرے ساتھ ہر کوئی نہیں رہ سکتا۔ آپ کے بارے میں، میں سوچوں گی۔ لیکن میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتی۔''

''ایک بات پوچھوں؟'' وہ قدرے توقف سے سوچتے ہوئے کہنے لگا۔ ''آپ نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟''

''ابھی تک؟''

''آپ غالباً اٹھائیس برس کی ہیں۔ مجھ سے دو سال چھوٹی ہیں۔ لڑکیوں کی شادیاں عموماً پچیس سال تک ہو جاتی ہیں۔ آپ نے کیوں نہیں کی؟''

وہ چپ ہو گئی۔

''آپ کو عمر کی بات بری تو نہیں لگی؟ میں دراصل ایک صاف گو انسان ہوں۔ جو دل میں ہو، کہہ دیتا ہوں۔ عمر کا ذکر اس لیے کر رہا ہوں کیونکہ خوبصورت لڑکیوں کی شادیاں بہت جلد ہو جاتی ہیں۔ آپ اتنی ٹیلنٹڈ اور اتنی پرفیکٹ ہیں، اس لیے پوچھا۔'' اس نے بہت نرمی سے اپنی بات کی وضاحت کی۔

"کیونکہ میرا نہیں خیال کہ شادی دنیا کا سب سے ضروری کام ہے۔ مجھے پہلے اپنا کیریئر بنانا تھا اور خود پہ فوکس کرنا تھا۔اور آج کل لڑکیوں کی شادیاں اس سے بھی لیٹ ہوتی ہیں۔" اس کی آواز دھیمی ہوگئی۔ کچھ برا لگا تھا اسے۔

"میرا خیال ہے کہ شادی کیریئر سے پہلے آتی ہے۔ خصوصاً لڑکیوں کے لیے۔ کیونکہ لڑکیاں لڑکوں سے جلد ایج کرتی ہیں۔ پہلے مجھے بہت حیرت ہوتی تھی یہ دیکھ کے کہ میرے اردگرد کام کرنے والی خواتین تمیں کا ہندسہ عبور کرنے کے بعد اتنی چڑچڑی کیوں ہونے لگتی ہیں۔اب خود تمیں کا ہندسہ عبور کیا ہے تو اندازہ ہوا ہے کہ بوڑھے ہونے کا خوف بہت شدید ہوتا ہے۔اس لیے اپنی زندگی کو کسی بھی چیز میں لگ کے گزر نہ جانے دیں۔ بے شک میرے بارے میں مت سوچیں۔انکار بھی کردیں۔لیکن... کشمالہ... اپنا وقت مزید مت ضائع کریں۔اپنے بارے میں سوچنا شروع کریں۔" وہ بہت نرمی سے کہہ رہا تھا۔ وہ بالکل خاموش ہوگئی۔

"میرے مینیجر مجھے بلا رہے ہیں۔ہم پھر بات کریں گے۔" اس نے شائستگی سے کہہ کے کال کاٹ دی۔

اس وقت اسے زیاد کی بات بری لگی تھی۔ لیکن زیاد ایسا ہی تھا۔ حقیقت پسند۔اور حقیقت ناولز اور فلموں سے دور ہوتی ہے۔ حقیقت میں یہی سب ہوتا ہے۔لوگوں کے لڑکیوں کے بارے میں یہی خیالات ہوتے ہیں۔

وہ ریستوران کے واش روم میں گئی اور سنک کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔ چہرہ دائیں بائیں موڑا۔ ہر روز وہ پمپل ڈھونڈتی تھی۔ جھریاں کبھی نہیں ڈھونڈیں۔ کیا اس کی آنکھوں کے نیچے جھریاں تھیں؟ نہیں۔ اسے نظر نہیں آئیں۔اس نے تھوڑی نیچے کر کے اپنے سر کے بال دیکھے۔ان میں کچھ کچھ سفید تھے۔ پانچ سے چھ بال۔ یہ تو اٹھارہ سال کی عمر سے تھے۔اسٹریس والے دنوں میں زیادہ سفید ہوجاتے اور پھر ٹھیک ہو جاتے۔ ماہی کے اس سے زیادہ سفید تھے اور وہ ڈائی کر لیتی تھی۔

کیا میں نے اوشن کے پیچھے اتنے برس اپنی زندگی ضائع کر دی؟ اور اب اوشن بھی میرے ہاتھ میں نہیں رہا۔ صرف بینک اکاؤنٹ میں جمع ہوا کچھ پیسہ باقی رہا۔ کیا میں تمیں کی عمر تک شادی نہیں کروں گی تو مجھ سے کوئی شادی نہیں کرے گا؟

زیاد کی باتوں نے اسے الجھا دیا تھا۔اس نے بے اختیار کیف کی واٹس ایپ چیٹ کھولی۔ اس نے اپنا واٹس ایپ اس روز سے آف کر رکھا تھا۔اس کا لاسٹ سین جون کی اس تاریخ کا تھا جب وہ دونوں آخری دفعہ ملے تھے۔ کیف نے نمبر کیوں آف کر دیا تھا؟ کیف کہاں چلا گیا تھا؟

وہ اسے مس کرتی تھی۔ ایک بے نام سا احساس تھا جو کیف کی غیر موجودگی میں ہوتا تھا۔ وہ تھا تو وہ ریلیکسڈ رہتی تھی۔ مسئلہ ہوتا تو اسے کہہ دیتی۔ کیف کے پاس ہر بات کا جواب ہوتا تھا۔ وہ اپنے الفاظ سے اس کی زندگی میں کچھ اضافہ کرتا تھا۔ کوئی اچھی بات۔ کوئی نصیحت۔ وہ گیا تو اپنے ساتھ بہت کچھ لے گیا۔ اور پیچھے خاموشی چھوڑ گیا۔ آوازیں اچھی تھیں۔ خاموشی بری تھی۔

اپنے اپارٹمنٹ کچن میں کھڑا زیاد موبائل کان سے لگائے مالا سے بات کر رہا تھا اور نگینہ بیگم جو اس کے اپارٹمنٹ کی دیکھ بھال کے لیے آج یہاں آئی تھیں، ماتھے پہ ہاتھ رکھے سن رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ تاسف سے سر بھی ہلا رہی تھیں۔ فون بند کر کے اس نے ماں کو دیکھا جو ابھی داخل ہوئی تھیں اور انہوں نے اس کی آخری باتیں سن لی تھیں۔

"امی میں کچھ نہ کچھ کھا لیتا ہوں۔ اتنا سب نہ بنوایا کریں۔ اکیلے ہلکان ہوتی ہیں کچن میں آپ۔"

"اکیلے کہاں بیٹا۔ ملازمہ ہے میرے پاس۔ وہی کروا دیتی ہے۔ لیکن..." انہوں نے نرمی سے اسے پکارا۔ "بیٹے... آپ کشمالہ سے بات کر رہے تھے؟"

"جی۔" اس نے موبائل رکھتے ہوئے فریج کھولا اور پانی کی بوتل نکالی۔ آج اس کی چھٹی تھی اور وہ گھر پہ تھا۔ اس لیے آرام دہ لباس میں ریلیکسڈ نظر آ رہا تھا۔

"آپ کو کشمالہ سے یوں نہیں کہنا چاہیے کہ وہ اپنا وقت ضائع کر رہی ہے۔"

"لیکن امی وہ اپنا وقت ضائع کر رہی ہے۔" وہ فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔ "ایسے اگر وہ خود کو پس پشت ڈالتی رہی تو وہ یہ قیمتی سال ضائع کر دے گی۔"

"ہاں بیٹے میں آپ کی بات سمجھ سکتی ہوں۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہو۔ لیکن آپ کو اسے یہ نہیں کہنا چاہیے۔" وہ اوپری کیبنٹ سے ٹفن باکسز نکالنے لگیں۔ زیاد اپنی جاب کی وجہ سے شہر کے دوسرے کونے میں رہتا تھا۔ وہ ہفتے میں ایک دفعہ یہاں آ کے اس کا فریج بھر جاتی تھیں۔

"امی آپ مجھے جانتی ہیں۔ میں وہ کہتا ہوں جو مجھے ٹھیک لگتا ہے۔" وہ ان کے ساتھ آ کھڑا ہوا اور اوپری کیبنٹ سے ان کو باکسز نکال نکال کے دینے لگا۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھے گئیں۔

"خود حورے آپا بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ وہ نہیں چاہتیں ان کی وجہ سے ان کی بیٹی اپنی زندگی ضائع کرے۔ اور اب تو وہ ٹھیک ہیں۔ معید کا بھی یہی کہنا ہے کہ وہ ماں کا خیال رکھ سکتا ہے۔ فوراً نہیں لیکن سال بھر میں ہم شادی

کر سکتے ہیں۔ یہ باتیں میں اس کی فیملی سے طے کر سکتی ہوں' بیٹے۔ لیکن آپ کو اس کو یہ احساس نہیں دلانا چاہیے۔ لڑکیاں بہت نازک ہوتی ہیں۔ ان کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔"

"ہوں۔" وہ کاؤنٹر سے ٹیک لگائے' ہتھیلیاں کاؤنٹر ٹاپ پہ جمائے کھڑا سوچنے لگا۔ "اس طرح تو میں اس سے کبھی دل کی بات نہیں کہہ سکوں گا۔ مجھے ہر بات پہ سوچنا پڑے گا کہ وہ بہت حساس ہے؟"

"نہیں بیٹے۔ ایک دفعہ شادی ہو جائے تو میاں بیوی کو ایک دوسرے کی سمجھ آ جاتی ہے کہ دوسرے کا مطلب وہ نہیں ہے۔ یوں فون پہ آپ کہو گے تو برا لگے گا۔"

وہ اب ایک باکس سے کھانا دوسرے میں پلٹ رہی تھیں۔ پھر ڈھکن بند کیا اور سنک کی طرف بڑھیں۔ نل کھول کے ہاتھ دھوتے ہوئے انہوں نے بات جاری رکھی۔

"کشمالہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ اور اتنے عرصے بعد آپ کسی لڑکی کے لیے مانے ہو۔ میں تو بہت خوش ہوں۔ لیکن اگر آپ چاہتے ہو بیٹے کہ وہ آپ سے شادی کے لیے رضامند ہو جائے تو آپ کو اس کی حساسیت کا خیال رکھ کے اس سے بات کرنی ہوگی۔ اس کو دکھی کر کے تو نہیں مجبور کرنا شادی کے لیے۔"

"کیا میں نے اسے دکھی کر دیا؟" وہ فکرمند ہوا۔ نگینہ بیگم نے محبت سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"اس کو کال کر کے اس سے معذرت کر لینا۔ آپ نے اس کو محبت سے بیاہ کے لانا ہے۔ ایک نئی زندگی کی شروعات دل دکھانے سے نہیں ہونی چاہیے۔"

زیاد نے مسکرا کے ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ "تھینکس امی۔ میں اس سے سوری کر لوں گا۔ اور آئندہ بھی خیال رکھوں گا کہ کشمالہ کا دل میری وجہ سے نہ دکھے۔ آپ بتائیں آپ کی ملازمہ ٹھیک کام کر رہی ہے؟"

"بس گزارا کر دیتی ہے۔ پتہ نہیں کیوں ایک بازو میں درد رہنے لگا ہے۔" وہ بار بار اپنے ایک بازو اور گردن کو دبا کے کہہ رہی تھیں۔ زیاد چونکا۔

"اپائنٹمنٹ لوں؟"

"نہیں بیٹے۔ یہ درد مجھے بیماریوں کے درد نہیں لگتے۔ بس ہمارے رشتے داروں کی نظریں ہیں۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ مسکرا کے اب ٹفن اس کے فریج میں رکھ رہی تھیں۔

اتنے عرصے بعد بالآخر کشمالہ کی صورت میں ان کے گھر میں خوشی آنے والی تھی۔ ہر ماں کی طرح نگینہ بیگم بہت خوش تھیں۔ انہوں نے تو ابھی سے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ بری کیسے اور کب بنانی ہے۔ فنکشن کہاں رکھیں

گے۔ کس کو بلانا ہے اور کس کو نہیں۔

بس کشمالہ مان جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر آئی تو چپ چپ سی تھی۔ دل اداس تھا۔ ماں سو رہی تھیں۔ وہ ان پہ ایک نظر ڈال کے لان میں آ گئی۔ گارڈ چیئر خالی رکھی تھی۔ دل چاہا سلیم سے کہے کہ اس کرسی کو ہٹا دے۔ جب اس پہ بیٹھنے والا ہی موجود نہیں ہے تو کیا فائدہ۔ لیکن پھر نہیں کہا۔ سوچا ماہی یا صفورا کو کال ملا کے ان سے پوچھے کہ کیا وہ بوڑھی ہو رہی تھی؟ لیکن نہیں پوچھا۔

آج ماں کے سارے کام کرتے ہوئے اس نے ان سے بھی زیادہ بات نہیں کی۔ دل بہت برا ہو رہا تھا۔ وہ چپ چاپ سر لپیٹ کے سونے لیٹ گئی۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ لیکن وہ آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ یہ احساس کہ وہ اپنی زندگی ضائع کر رہی ہے، بہت دل ڈبو دینے والا تھا۔

صبح وہ کام پہ آئی تو اس کا چہرہ ویران تھا۔ اس نے لمبی سبز قمیض کے نیچے سفید ٹراوزر پہن رکھا تھا۔ دوپٹہ گردن میں مفلر کی طرح لپیٹ کے دونوں پلو آگے ڈالے ہوئے تھے۔ بندھے ہوئے بالوں کے اوپر سلک کا سبز رومال لپٹا تھا۔ اور دائیں گال پہ ایک دانہ نکلا ہوا تھا۔

وہ ویران چہرہ لیے گلاس وال کے ساتھ فرش پہ بیٹھ گئی۔ گلاس وال کا نچلا حصہ اچھا خاصہ پینٹ ہو چکا تھا۔ وہ سر جھکا کے اپنے پینٹ نکالنے لگی۔

تبھی پلیٹوں، کانٹوں کے ٹکرانے کی آوازوں کے درمیان اسے شناسا سا آوازیں سنائی دیں۔ اوہ۔ اس نے ماتھے کو چھوا۔ اس کی لاہور کی دوستوں نے کہہ رکھا تھا کہ آج وہ گلاس ٹاؤن میں گیٹ ٹوگیدر کریں گے۔ انسٹا پہ انہوں نے اسے پیغام بھیجا تھا لیکن کل سے اس نے فون آف کر رکھا تھا۔ اب وہ لڑکیاں سامنے سے آتی نظر آئیں تو مالا کو سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے۔ وہ تو تیار بھی نہیں ہوئی تھی۔ صد شکر کہ وہ گلاس وال کے باہر باغیچے میں بیٹھ گئی تھیں۔ وہ اندر تھی اور فرش پہ تھی۔ شیشہ دھندلایا ہوا تھا۔ وہ اسے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ نہ ان کو معلوم تھا کہ وہ وہاں پینٹ کرتی ہے۔ اس نے صرف کام کا بتایا تھا۔ جب تک وہ اسے نہیں دیکھیں گی، وہ یہیں چھپی رہے گی۔ آج اسے کسی سے نہیں ملنا تھا۔ ان چاروں سے تو ہر گز نہیں۔

وہ چاروں اس کی کلاس فیلوز تھیں۔ اور شادیوں کے بعد سیٹل ہو چکی تھیں۔

"تم نے انسٹا پہ شہرین کی اسٹوری دیکھی؟" ان کی گفتگو شروع ہو چکی تھی۔ "اس نے اپنی برتھ ڈے پہ بنٹو کاظمی کا

جوڑا پہنا ہوا تھا۔ نیا نیا پیسہ آیا ہوا ہے۔"

"ہاں شہرین اپنے آن لائن بزنس سے کما رہی ہے۔ اب وہ ڈینا اور بنٹو پہنتی ہے۔"

"یار وہی نا۔ نیا پیسہ ہی ہے۔"

وہ بارش کے قطرے بناتے ہوئی شدید اکتا رہی تھی۔ لاہور کی سوشلائیٹس کی گفتگو انہی باتوں کے گرد گھومتی تھی۔ کسی کے پاس نیا پیسہ آرہا ہے تو کیوں آرہا ہے؟ کون سستے برانڈ پہنتا ہے اور کون انویسٹمنٹ پیس میں انویسٹ کرتا ہے۔ بچوں کی اسکولنگ۔ اور فلپینو ملازمائیں۔

پھر باتیں گوسپ کی طرف چلی گئیں۔ ایک لڑکی بتا رہی تھی کہ انسٹا پہ ان کے سوشل سرکل کی کس کس خاتون نے نقلی برانڈ پہن کے تصویریں کھنچوا رکھی تھیں۔

"ہونہہ۔ سینتوری پہنچ گئی علیزے لیکن نقلی برانڈز پہننا نہیں چھوڑے اس نے۔"

جب گوسپ ختم ہوئی تو وہ ذکر شروع ہوا جو ہر ایک کی دکھتی رگ ہوتا ہے اور جس سے اکیسویں صدی میں ایک دوسرے کو نیچا دکھایا جاتا ہے۔

سفر کے قصے۔

"یار صلہ .... تم کتنے عرصے سے یہاں ہو۔ ٹریول کیوں نہیں کرتی ہو۔"

مالا نے برش پھیرتے ہوئے گہری سانس لی۔ ٹریولنگ۔ یہ وہ موضوع تھا جس پہ لاہوری سوشلائٹس گھنٹوں بول سکتی تھیں۔ جو گزشتہ ایک سال سے پاکستان سے باہر نہ گیا ہو وہ ایسے مواقع پہ سخت شرمندہ ہوتا تھا۔ اور دوسرے اپنے سفر کے قصے سنا کے اسے مزید برا محسوس کرواتے تھے۔

وہ چپ چاپ اپنی چیزیں سمیٹ کے وہاں سے کھسک آئی اور سیدھی ریستوران کے واش روم میں چلی گئی۔ آج پھر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔

وہاں جھریاں نہیں تھیں۔ سر میں پانچ چھے سفید بال البتہ ویسے ہی تھے۔ اگر وہ بھی اب تک شادی کر چکی ہوتی تو اس کی پریشانیاں یہی ہوتیں۔ فلپینو نینی۔ شوہر کا کاروبار۔ ٹریول۔ بچوں کی اسکولنگ۔ ان لڑکیوں کی زندگی مکمل تھی۔ صرف اس کی ادھوری تھی کیونکہ اس نے شادی نہیں کی تھی۔

اس کا دل مزید خراب ہونے لگا۔ زیادکی باتیں، ان لڑکیوں کی چمکتی دمکتی زندگیاں، ہر چیز ایک دم خود پہ حاوی ہونے لگی۔ اس نے ہاتھ دھوئے اور چہرے پہ پانی ڈال کے باہر نکل آئی۔ اپنی الجھنوں میں اس نے غور نہیں کیا کہ

بائیں گال پہ گرے پینٹ لگا ہوا ہے جو اس کے آستین کے کف کے ساتھ چہرے تک پہنچا تھا۔

گیلے چہرے اور پینٹ کے داغ سے لاعلم وہ باہر نکلی۔ ابھی وہ ریستوران کی بیرونی ایگزٹ تک پہنچی ہی تھی کہ.....

''کشمالہ۔''

آواز پہ اس کا سارا وجود جیسے نمک کا مجسمہ بن گیا۔ حالانکہ ابھی تک اس نے مڑ کے نہیں دیکھا تھا۔

یہ آواز.... یہ آواز...

مالا اپنی ایڑھیوں پہ گھومی۔

سامنے... لابی کے دہانے پہ... وہ کھڑا تھا۔

کیف جمال۔

''تم؟'' وہ بے یقین تھی۔

کیف مسکراتے ہوئے قدم قدم چلتا اس کے سامنے آرکا۔ بالکل سامنے۔ سیاہ جینز پہ پہنی سفید ڈریس شرٹ کے کف موڑ رکھے تھے اور کالر کے نیچے دو بٹن کھلے تھے۔ شرٹ آدھی جینز میں اڑسی تھی اور آدھی باہر تھی۔ کندھوں پہ سیاہ بیک پیل ڈالے وہ بڑھی ہوئی شیو اور بھوری آنکھوں کے ساتھ مسکرا رہا تھا۔

''جی میں۔ کیف۔''

وہ سامنے آیا تو ایک دم ساری دنیا میں روشنیاں بکھر گئیں۔ اسے معلوم ہی نہ ہوا اور کب ایک خوبصورت مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

''تم یہاں کیسے؟'' وہ اتنی حیران تھی کہ بیان نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اتنی خوش تھی کہ اندازہ نہیں کر سکتی تھی۔

''میں لاہور چھوڑ کے جا رہا تھا۔ سوچا جاتے جاتے آپ سے اپنی آدھے مہینے کی تنخواہ لیتا جاؤں۔ گھر گیا تو معید نے بتایا کہ آپ یہاں ملیں گی۔''

''یعنی تم صرف تنخواہ لینے آئے ہو؟'' وہ بھی مسکرا دی۔

''آپ کو یقین نہیں آ رہا؟''

''اب تو تمہارے پاس کافی پیسے ہیں۔ میرے چند ہزار کی کیا اہمیت؟''

''کس نے کہا مجھے تنخواہ نوٹوں میں چاہیے؟''

کشمالہ مسکرا دی۔

''چلو کافی پیتے ہیں۔'' اس نے پیشکش کر دی لیکن پھر ہال کے دوسرے کونے کی طرف دیکھا جہاں گلاس وال کے پار بیٹھی لڑکیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ چمکتی دمکتی لڑکیاں ہاتھ ہلا ہلا کے باتیں کر رہی تھیں۔ قہقہے لگا رہی تھیں۔

کیف نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ پھر غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ ان لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے کسی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔

''اتنی سی زندگی ہے' کشمالہ۔ اس کو ناپسندیدہ لوگوں کو برداشت کرنے میں کیوں گزاریں؟''

وہ پورے دل سے مسکرا دی۔

''پھر کہاں چلیں؟''

''جہاں لوگ سچے اور باتیں سادہ ہوں۔'' وہ مسکرایا تو گال کا گڑھا گہرا ہوا۔ ''اگر آپ مجھے ایک ایسی جگہ چائے پلا دیں جہاں کی چائے میں پینا چاہتا ہوں' تو سمجھیں آپ نے تنخواہ برابر کر دی۔''

وہ تنخواہ اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر چکی تھی لیکن شاید کیف نے فون کے ساتھ اس اکاؤنٹ کو بھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی اپنا بینک اکاؤنٹ نہ چیک کرے؟ خیر اسے کیا۔

اسے اندازہ بھی نہیں تھا کہ اس کے گال پہ سرمئی پینٹ لگا ہے۔ بس پینٹ اسسیریز کا بیک پیک کندھوں پہ ڈالا' اور اس کے ساتھ چلی آئی۔ کسی اور سے وہ اس حلیے میں نہیں مل سکتی تھی۔ نگینہ آنٹی اور زیاد سے تو کبھی بھی نہیں۔ لیکن وہ کیف تھا۔ وہ مالا کی کمفرٹ زون تھا۔

قریباً پون گھنٹے بعد وہ دونوں دہلی گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ یہ سرخ اینٹوں سے بنا بڑا سا شہر دروازہ تھا۔ دروازوں کے نام عموماً ان کے رخ کے حساب سے رکھے جاتے تھے۔ یہ دروازہ دہلی کو فیس کرتا تھا۔ اس لیے یہ دہلی دروازہ تھا۔ والڈ سٹی کے محکمے نے گزشتہ چند برسوں میں قدیم لاہور کے ان چند مقامات کو ریسٹور کیا تھا۔ یہ یورپین شہروں کے تاریخی مقامات جیسے صاف ستھرے اور چمکتے دمکتے نہیں تھے۔ لیکن پھر بھی یہ سیاحتی معیار پہ پورے اترتے تھے۔

''تم تب سے لاہور میں ہو؟ واپس نہیں گئے؟'' وہ تحیر سے کہتے ہوئے دہلی دروازے کے اندر داخل ہو رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے گردن گھما گھما کے اطراف کو دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔ مجھے اپنا پلان بنانا تھا۔ خاموشی اور تنہائی میں۔''

اندر ایک بارونق بازار تھا۔ دونوں اطراف میں دکانیں تھیں اور ہر طرف سے گلیاں نکلتی تھیں۔ مصالحوں کی خوشبو زور سے نتھنوں میں گھسی۔ مگر اچھی لگی۔

''بنالیا؟''

''جی۔ بنالیا۔'' کیف مسکرایا۔ اس کی آنکھوں کی چمک اور عزم بھی اسے اچھا لگا۔

''لاہور دوبارہ آؤ گے؟'' وہ ایک بغلی گلی سے نکل کے شاہی حمام کی طرف جارہے تھے۔ دھوپ، شور، مصالحہ جات کی خوشبو... اس سب میں اسے اونچا بولنا پڑ رہا تھا۔

''نہیں آؤں گا۔'' وہ سامنے دیکھ کے قدم اٹھا رہا تھا۔

''کیوں؟''

''کیونکہ لاہور نے میرا دل توڑا ہے۔ دوبارہ دل تڑوانے نہیں آؤں گا۔'' اس نے مالا کو دیکھے بغیر کہا اور آگے بڑھ گیا۔ وہ وہیں کھڑی رہ گئی۔ کبھی کبھی اسے لگتا تھا کہ اس نے زارا والی بات جھوٹ میں کہی ہے۔ تاکہ وہ ''کاش ہم مختلف حالات میں ملے ہوتے'' کا اثر زائل کر سکے۔ پچھلے ایک ڈیڑھ ماہ تک کیف اور کیف کے ہر قدم پہ اس نے بہت سوچا تھا۔ اس کی پراسراریت ایک طرف۔ اسے نہیں لگتا تھا وہ شادی شدہ تھا۔

وہ شاہی حمام کے داخلی برآمدے میں کھڑا تھا۔ مڑ کے اسے دیکھا جو وہیں گم صم سی کھڑی تھی اور مسکرایا۔

''آپ اپنے لاہور کا تعارف نہیں کروائیں گی مجھ سے؟'' وہ اسے آگے کا اشارہ کر رہا تھا۔ کیا باتوں کے اثر ایسے ہی زائل ہو جایا کرتے ہیں؟

''آف کورس۔ یہ شاہی حمام ہے...'' وہ گہری سانس لے کر اس کی طرف آئی۔ ''اور یہ شاہجہان نے بنوایا تھا۔ علم الدین انصاری نے اس کی تعمیر کروائی تھی۔'' وہ دونوں اب داخلی برآمدے میں کھڑے تھے اور وہ گردن اٹھائے چھت کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں رنگین نقش و نگار اور پھول بوٹے بنے تھے۔

''مغل بہت صاف ستھرے لوگ تھے۔ انہوں نے شہر دروازے کے ساتھ ایک حمام اس لیے بنوایا تاکہ جو بھی لاہور آئے، پہلے غسل کرے اور صاف ستھرا ہو کے شہر میں داخل ہو۔ اگر وہ آج کے لاہور کی آلودگی دیکھ لیتے تو...'' اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''آپ نے کہا اسے شاہجہان اور علم الدین انصاری نے بنوایا۔'' وہ گردن اٹھائے چھت کو دیکھتے ہوئے

بولا۔ ”لیکن عمارتوں کو ان کے معمار تعمیر کرتے ہیں۔ آرکیٹیکٹ۔“

مالا نے کندھے اچکا دیے۔ ”آرکیٹیکٹ تو صرف ڈیزائن کرتے ہیں۔ پیسہ تو شاہجہان نے لگایا۔ اور سپروائز علم الدین انصاری نے کیا۔“

اس نے گردن مالا کی طرف موڑی اور ایک شکوہ بھری نظر اس پہ ڈالی۔

”بلڈنگ بنانے کے لیے سب سے اہم معمار ہوتا ہے۔ لیکن لوگ معماروں کو بھول جایا کرتے ہیں۔ اسی لیے... شاہی حمام کے معمار نے اپنی تصویر ہمیشہ کے لیے یہاں محفوظ کر دی۔“ کیف نے انگلی سے اوپر اشارہ کیا۔

”کیا؟ کدھر؟“ اس نے حیرت سے سر اٹھایا۔ اسے آج تک معلوم نہیں ہوا تھا کہ شاہی حمام کی داخلی چھت پہ بنے پھول بوٹوں میں معمار نے اپنی بہت سی تصویریں بنا رکھی تھیں۔

”امید ہے اب آپ شاہی حمام کے معمار کو نہیں بھولیں گی۔“

وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو وہاں دن کے باوجود نیم اندھیرا سا تھا۔ زرد بتیوں نے خوبصورت سا سماں باندھ رکھا تھا۔ اندر ماحول ٹھنڈا سا تھا۔ جولائی کی دھوپ اور حدت یہاں کم تھی۔

”کب جانا ہے؟“

”شام چار بجے کی فلائیٹ ہے۔ اسلام آباد کی۔“

مالا نے افسوس سے سر جھکا کے پھر موبائل نکالا اور ماں کو آڈیو نوٹ بھیجنے لگی۔ ”ماں آج مجھے دیر ہو جائے گی۔“ نوٹ بھیج کے سینڈ کیا۔ وہاں سگنل کمزور تھے۔ فون رکھ کے وہ کیف کی طرف مڑی۔

”جانتے ہو شاہجہان کے زمانے میں لوگ واٹس ایپ پہ آڈیو نوٹ کیسے بھیجتے تھے؟“

کیف کی آنکھیں اچھنبے سے چھوٹی ہوئیں۔ ”کیسے؟“

مالا نے مسکراہٹ دبالی۔ اور اسے حمام کے ہال کمرے کے ایک کونے میں جانے کو کہا۔ خود وہ کافی دور دوسرے کونے میں جا کھڑی ہوئی۔ لاہور آنے والے مہمانوں کو لاہوری سب سے پہلے یہ جادو کا کرتب دکھاتے تھے۔ اسے بھی کیف کو دکھانا تھا۔

اب وہ دونوں کافی دور کونوں میں کھڑے تھے۔ مالا نے دیوار کی طرف منہ کر کے سرگوشی کی۔ ہلکی سی سرگوشی۔

”فلائیٹ پہ پیسے کیوں ضائع کیے؟ بس سے چلے جاتے؟“

سرگوشی نے دیواروں میں سفر کیا اور وہ کئی فٹ دور کیف کے کان کے قریب آ کے گونجی۔ وہ چونک گیا۔ پھر مڑ کے

ستائش سے اسے دیکھا جو اپنے کونے میں اتنی خوش کھڑی تھی جیسے یہ جادوئی دیواریں اس نے بنائی ہوں۔ وہ واپس مڑا اور حمام کی دیوار کے کونے میں سرگوشی کی۔

''مجبور آدمی ہوں۔ مذاق نہ بنائیں۔''

کشمالہ بے اختیار ہنس دی۔ اس کی ہنسی بھی سرگوشی کی صورت کیف کو سنائی دی۔ دل پہ پڑا بوجھ بڑھ گیا۔

''اسی لیے کہتے ہیں کہ دیواروں کے کان ہوتے ہیں۔ شاہی حمام کی دیواروں کے کان ہوتے تھے۔'' وہ واپس ہال کے وسط میں آئی اور گردن اونچی کی۔ اوپر سے چھت میں بڑا سا سوراخ تھا۔ وہاں سے سورج کی روشنی مالا کے پینٹ لگے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

''یہاں کھڑے ہو کے اگر غسل کرنے والے تولیہ مانگتے تو آواز سیدھی حمام کی ریسیپشن تک جاتی۔ یہ ان کا انٹرکام تھا۔''

''جیسا کہ میں نے کہا، یہ معمار کا کمال تھا۔ کہ اس نے ایسی دیواریں بنائیں جو آوازوں کو سفر کرنے دیتی تھیں۔'' وہ کہتے ہوئے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اب وہ دونوں چھت کے روشن سوراخ کے عین نیچے کھڑے تھے۔

''جب میں ریستوران آیا تو آپ پریشان لگ رہی تھیں۔ سب ٹھیک ہے؟''

مالا کی مسکراہٹ مدھم ہو گئی۔ کیف کے ساتھ وہ سب بھول گئی تھی۔ ایک دم سے تلخ حقیقت پھر سے یاد آنے لگی۔

''چلو تمہیں سرجن سنگھ اسٹریٹ دکھاتی ہوں۔ وہاں چائے پیتے ہیں۔'' وہ ٹال گئی۔ اسے یہاں سے نکلنا تھا۔ اسے ڈر تھا یہ دیواریں کان رکھنے کے ساتھ ساتھ یادداشت بھی رکھتی تھیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ بول بیٹھے اور الفاظ امر ہو جائیں۔

گلی سرجن سنگھ اندرون لاہور کی ان قدیم گلیوں میں سے ایک تھی جسے والڈ سٹی پروجیکٹ کے تحت صاف کر کے ری اسٹور کیا گیا تھا۔ ریسٹوریشن کا مطلب تھا پینٹ کرنا اور چند گملے اور بتیاں لٹکا دینا۔ اس حصے کو ریسٹور کرنے میں والڈ سٹی نے بارہ سال لگائے تھے۔ مگر یہ گلی انسٹاگرام جنریشن کے لیے بہت پرکشش شے تھی جو چند فلٹرز لگا کے اس میں تصاویر کھنچواتے تو لگتا کہ اٹلی میں کھڑے ہیں۔

وہ گلی کے دہانے پہ تھے جب کیف نے پکارا۔

''آپ کو کیا بات پریشان کر رہی ہے؟''

مالا کے قدم وہیں پتھر ہو گئے۔ گلی کے گھروں کی بھوری اینٹوں کی طرح۔

''پریشان نہیں ہوں۔ سوچ رہی ہوں۔''

وہ قدم قدم چلتا اس کے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ بھوری آنکھیں دھوپ سے چھوٹی کیے ہوئے تھا۔

''کسی نے کچھ کہا ہے نا؟''

سبز رومال والی لڑکی اس کا چہرہ دیکھے گئی۔ آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ وہ آج بھی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ دھوپ کا راستہ روکے۔ لیکن دھوپ تو اس کی پشت پہ بھی تھی۔ دھوپ تو ہر جگہ تھی۔ وہ کہاں تک اس کی ڈھال بن سکتا تھا۔ حقیقت حقیقت تھی۔

''مجھے لگتا ہے میں نے اتنے برس اپنی زندگی ضائع کر دی۔ اور اب مجھے سمجھوتے کرنے پڑیں گے۔''

کیف نے اسے مزید غور سے دیکھا۔ ''کام کے معاملے میں؟''

''شادی کے معاملے میں۔'' اس پل گلی سرجن سنگھ کے دہانے پہ کھڑی لڑکی کو بھول گیا کہ وہ اس کا ڈرائیور تھا۔ اس وقت وہ صرف دھوپ سے روکنے والی ایک دیوار تھا جو سرگوشیاں سن سکتا تھا۔

''کسی نے آپ کو آپ کی عمر کا احساس دلایا ہے؟''

''یہ حقیقت ہے۔''

''حقیقت ہوتی تو آپ کو خود احساس ہوتا۔ مجھے لگتا ہے احساس دلایا گیا ہے۔''

مالا نے گہری سانس لی۔ اسے آج کیف پہ اعتبار کرنا تھا۔ اس سے بات کر کے وہ پچھتائے گی نہیں۔

''زیاد۔ اس نے مجھے پروپوز کیا ہے۔'' اس کی آواز گلی سرجن سنگھ میں سرگوشی بن کے گونجی۔ ''اور جب میں نے وقت مانگا تو اس نے مجھے احساس دلایا کہ میں پہلے ہی بہت وقت ضائع کر چکی ہوں۔'' پھر اس نے جلدی سے وضاحت دی۔ ''زیاد کا کوئی غلط مطلب نہیں تھا۔ اس نے بہت شائستگی سے ایک نارمل بات کہی۔ بس مجھے لگا کہ...''

''آپ مجھ پہ بھروسہ کرتی ہیں؟''

ایک دم سے ہوا چلنے لگی۔ گرم دھوپ میں ٹھنڈی ہوا۔

''ہاں۔'' اس کا سر خود بخود ہلا۔ اسے کیف پہ کیے گئے تمام شکوک بھول گئے۔

کیف نے مزید کچھ نہیں کہا۔ وہ آگے بڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے چلتی آئی۔ گلی سرجن سنگھ کے وسط میں ایک بیٹھک بنی تھی۔ اس کا نام عثمان کی بیٹھک تھا۔ وہ دراصل ایک ریستوران تھا جو قدیم طرز پہ بنایا گیا تھا۔ وہ دونوں

چند اسٹیپ چڑھ کے اندر آئے تو دیوان خانہ نظر آیا۔ وہ مختلف رنگوں سے سجا تھا۔ اینٹوں والی دیوار پہ رنگ برنگے چنگیر آویزاں تھے۔ چھت سے جھولتے فانوس کانچ کی رنگین بوتلوں سے مزین تھے۔ وہ دونوں وہیں آمنے سامنے موڑھوں پہ بیٹھ گئے۔

''لاہور آئے ہو لیکن تم نے خلیفہ کی خطائی اور فیکے کی مٹھائی نہیں کھائی ہو گی۔''

''مجھے unhygenic چیزیں کھانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ صرف چائے پینی ہے۔''

مالا ہنس دی۔ ''تم اتنے نخریلے کیوں ہو؟ آج کھا کے دیکھو۔ یہ صاف ستھری ہوتی ہیں۔ نہیں ہوتے تم بیمار۔''

اس نے وہاں موجود چھوٹے لڑکے کو دو کا اشارہ کیا۔ وہ سمجھ کے باہر چلا گیا۔ وہاں خطائیاں اور کڑک چائے اکٹھی سرو کی جاتی تھی۔

''اب آپ میری بات سنیں۔'' وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔ اور وہ غور سے سننے لگی۔ رنگین بوتلوں سے بنے فانوس کی مدھم روشنی کیف کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

''ٹھیک ہے میں اپنے ٹریک ریکارڈ سے ایک ناکام انسان لگتا ہوں۔ لیکن میں انسانوں کو جانتا ہوں۔ میں وہ چیزیں سینس کر سکتا ہوں جو عام لوگ نہیں کرتے۔ میری بات شاید آپ کو بری لگے لیکن کبھی نہ کبھی آپ کو اس کی ضرورت پڑے گی۔''

''تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے ہم پھر کبھی نہیں ملیں گے۔''

''ہم پھر کبھی نہیں ملیں گے۔'' وہ اتنے حتمی انداز میں بولا کہ مالا کے دل کو کسی نے مٹھی میں دبایا۔

''کیوں؟''

''تعلقات میں ایک چیز ہوتی ہے ریڈ فلیگ۔'' وہ اس کا سوال نظر انداز کر گیا۔ ''سرخ جھنڈے۔ جب وہ نظر آئیں تو سنبھل جانا چاہیے۔'' اس نے آواز دھیمی کی۔ ''زیاد ایک ریڈ فلیگ ہے۔''

''زیاد بہت اچھا انسان ہے۔''

''میں نے کب کہا وہ برا انسان ہے۔''

لڑکا مٹی کے پیالوں میں چائے اور خطائیوں کی پلیٹ لے آیا تھا۔ ان دونوں نے ساتھ ساتھ اپنے کپ اٹھائے۔ وہ میٹھا نہیں کھاتی تھی لیکن اندرونِ شہر کی خطائیوں کی الگ بات تھی۔ اس نے ایک خطائی اٹھائی اور چائے میں ڈبونے لگی۔

''یقیناً زیاد ایک بہت اچھا انسان ہوگا لیکن آپ کا اس کے ساتھ گزارا نہیں ہو سکے گا۔''

اس نے مٹی کا پیالہ گھونٹ بھر کے نیچے کیا۔ چہرے پہ جھنجھلاہٹ تھی۔

''تم مجھے زیاد کے خلاف کیوں کر رہے ہو؟''

کیف نے گہری سانس لی۔

''کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ آپ کو ہرٹ کرے گا۔ اور میں نہیں چاہتا کہ کوئی بھی آپ کو ہرٹ کرے۔ خود میں بھی نہیں۔''

وہ وہیں بیٹھی رہ گئی۔ عثمان کی بیٹھک میں اب صرف خاموشی تھی۔ یا خطائیوں کی خوشبو۔

دفعتاً گلی کی کسی کھلی کھڑکی سے کسی کے گانے کی آواز آنے لگی۔ ایک چھوٹی سی ڈھول نما شے گلے میں ڈالے اس کو تھپے سے پیٹتے ہوئے ایک آدمی کوئی پنجابی لوک گیت گا رہا تھا۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ عثمان کی بیٹھک میں سیاح آئے بیٹھے ہیں۔

''تم نے مجھے کبھی ہرٹ نہیں کیا' کیف۔ نہ کر سکتے ہو۔''

لیکن کیف نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کے چہرے پہ ملال تھا۔ وہ خود کو سزا سنا چکا تھا۔

وہ آج اس کی زندگی سے نکلنے کے لیے آیا تھا۔ گزشتہ چھ ہفتے کشمالہ سے دور رہ کے وہ یہی سوچتا رہا تھا۔ کیا اسے کشمالہ کو حقیقت بتا دینی چاہیے؟ حقیقت بتانے کے بعد وہ اس سے معافی مانگ سکتا تھا۔ لیکن اگر مالا نے اسے معاف کر دیا؟ تو پھر؟ سزا تو نہ ملی۔ اور کیف کو اپنے کیے کی سزا خود کو دینی تھی۔

اس نے اس لڑکی کے ساتھ دھوکہ کیا تھا۔ اس کی سزا یہی تھی کہ کشمالہ اس کو کبھی معاف نہ کرے۔ اور وہ اس گناہ کا بوجھ ساری عمر اٹھاتا رہے۔ وہ اس لڑکی کے قابل نہیں تھا۔ وہ اسے حقیقت بتا کے مزید ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''کر سکتا ہوں۔'' وہ بولا تو اس کی آنکھیں زخمی تھیں۔ ''شاید کر چکا ہوں۔ کبھی آپ کو میرے بارے میں کچھ سننے کو ملے تو... '' وہ رکا۔ اس کا جرم قابل معافی نہیں تھا۔ ''تو بے شک مجھے معاف نہ کیجیے گا۔ بس اتنا یاد رکھیے گا کہ میں مجبور تھا۔ میں برا آدمی نہیں ہوں۔ شاید ہوں۔ لیکن میں نے ہمیشہ آپ کی حفاظت کرنی چاہی ہے۔ میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

''کھل کے کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو۔ کیونکہ مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے کیف۔ تم جب چاہو جاب پہ واپس آ سکتے ہو۔''

وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ اسے معلوم تھا وہ یہ کہے گی۔ وہ کبھی نہ کبھی یہ کہے گی اور یہ ایک فقرہ اس کے قدموں کی زنجیر بن جائے گا۔ پھر وہ خود کو سزا کیسے دے گا۔ اس نے زارا کو اپنی بیوی بتانے کا جھوٹ اسی لیے بولا تھا۔ تاکہ وہ اس تک جاتے سارے راستے بند کر دے۔ وہ چھ ہفتے اس سے دور اسی لیے رہا تھا۔ تاکہ وہ اسے بھول جائے۔

لیکن کشمالہ مبین ایسی لڑکی نہیں تھی جو گزرے وقت کے ساتھ بھول جائے۔

''میں جاب پہ واپس نہیں آ سکتا۔'' اس نے خود پہ جبر کر کے الفاظ جوڑے۔ ''میں نے کہا نا ہم آج کے بعد نہیں ملیں گے ورنہ ہم دونوں کی زندگیاں پیچیدہ ہو جائیں گی۔''

رنگین بوتلوں سے بنا فانوس ہوا سے ذرا ذرا سا جھولنے لگا تھا۔ گانا گاتے پنجابی گویے کی آواز مسلسل سنائی دے رہی تھی۔

''جہاں تک رہا زیاد... تو اس سے شادی سوچ سمجھ کے کیجئے گا۔ زیاد آپ کو ہرٹ کرے گا اور بہت ہرٹ کرے گا۔ وہ نارسیسسٹ ہے۔ پیٹر پین سنڈروم۔''

''Peter Pan Syndrome?''

اسے حیرت ہوئی۔

کیف نے اثبات میں سر ہلایا۔

"All boys grow. Except Peter Pan. The boy who doesn't grow

o."

(تمام لڑکے بڑے ہو جاتے ہیں سوائے پیٹر پین کے۔ یہ وہ لڑکا ہے جو کبھی بڑا نہیں ہوتا۔)

وہ کچھ کہہ نہیں سکی۔ اسے یقین تھا کہ کیف غلط کہہ رہا تھا۔

''کبھی بھی پیٹر پین کے لیے وینڈی مت بننا' کشمالہ۔ اور جہاں تک بات ہے عمر کی... '' کیف مسکرایا۔ اور وہ بھی اس کو دیکھ کے مسکرا دی۔ وہ مسکراتا تھا تو اس کی ساری کلفت دور ہو جاتی تھی۔ ''تو عمر صرف ایک نمبر ہے۔ سر کے بال خود سے سفید نہیں ہوتے۔ ہم سفید بال کماتے ہیں۔ چہرے پہ جھریاں خود سے نہیں آ جاتیں۔ یہ کمائی جاتی ہیں۔ یہ ہمارے تجربے اور عقل کے پختہ ہونے کی قیمت ہے۔''

پھر اس نے دل پہ انگلی رکھی۔ ''بس دل مطمئن ہونا چاہیے۔ اگر دل شادی کے بغیر خوش نہیں ہے تو شادی کر کے بھی خوش نہیں ہو گا۔ اگر آپ گلی سرجن سنگھ میں خوش نہیں ہیں تو اٹلی کی گلیوں میں بھی خوش نہیں ہوں گی۔''

مالا نے ایک نظر خطائیوں کی پلیٹ کو دیکھا۔ کیف نے ان کو چھوا تک نہیں تھا۔ اس نے ایک خطائی اٹھائی اور اس کی طرف بڑھائی۔

''کیا واقعی اب لاہور نہیں آؤ گے؟''

''نہیں آؤں گا۔'' اس نے خطائی پکڑ لی لیکن کھائی نہیں۔

''او کے۔ لیکن محنت کرنا مت چھوڑنا۔ اگر تمہارا بزنس پلان کوئی قبول نہ کرے تو وہ لوگ اس کے قابل نہیں ہوں گے۔ تم نئے لوگ ڈھونڈنا۔''

اس کی نصیحت پہ وہ مسکرایا۔ اور خطائی جیب میں ڈال لی۔

''اور آپ تعلقات میں سرخ جھنڈوں کو نظر انداز نہیں کریں گی۔''

مالا نے مسکرا کے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ اس بارے میں سوچے گی۔

''اور اگر میرے بارے میں کچھ برا سنیں تو مجھے بے شک معاف مت کیجئے گا۔ میں مجبور تھا۔''

مالا نے پھر سے سر ہلا دیا۔ کچھ تھا جو کیف جمال میں ہمیشہ پراسرار سا تھا۔ کچھ جو وہ چھپاتا تھا۔ لیکن اس نے کریدا نہیں۔ کیونکہ وہ نہیں بتائے گا۔

''میری فلائٹ کا وقت ہونے والا ہے۔''

''میں ڈراپ کر دیتی ہوں۔'' اس نے اٹھتے ہوئے پیشکش کی۔ کیف کے پاس کار نہیں تھی۔ وہ اس کو ایک آخری سہولت دینا چاہتی تھی۔

ائیر پورٹ کے سارے راستے وہ خاموش رہا۔ کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ وہ اس سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔ جب ائیر پورٹ آیا تو کیف نیچے اتر گیا لیکن اسے اترنے سے منع کر دیا۔

''میں چلا جاؤں گا'' اس کی کھڑکی کے پاس رک کے اس نے کہا۔ وہ اسٹیئرنگ وہیل پہ ہاتھ رکھے گردن اٹھائے باہر کھڑے کیف کو دیکھ رہی تھی۔ کیا واقعی وہ اب کبھی لاہور نہیں آئے گا؟

''کشمالہ...'' اس نے ایک آخری نظر اس پہ ڈالی۔ اور جیب میں رکھی خطائی کے بوجھ کو محسوس کیا۔ ''آئی ایم سوری۔ ہر چیز کے لیے۔''

وہ کس چیز کی معافی مانگ رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں سکی۔ بس سر ہلا دیا۔ وہ کیوں اتنا پراسرار تھا؟

مالا کی کار آگے بڑھ گئی تو کیف جمال نے مڑ کے ائیر پورٹ کی طرف دیکھا۔ سامنے ڈومیسٹک فلائٹس کا بورڈ

نظر آ رہا تھا۔

کیف نے واپس پلٹ کے اس کی کار کو دیکھا۔

وہ دور جا رہی تھی۔

کیف نے دوبارہ بورڈ کو دیکھا۔ اور پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ لیکن وہ اس طرف نہیں گیا۔ وہ وہیں رکا کھڑا رہا۔ اس کی نظریں مالا کی دور جاتی کار پہ جمی تھیں۔

اسے کشمالہ کے کافی دور جانے کا انتظار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر واپس آئی تو اسے معلوم نہ تھا کہ اس کے گال پہ پینٹ لگا ہوا ہے۔ یہ تو جب ماں نے بتایا کہ چہرہ آئینے میں دیکھو تو وہ حیران سی کمرے میں آئی۔ اور ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پہ نظر ڈالی تو اوسان خطا ہو گئے۔

او نو۔ میں اس پینٹ کے ساتھ پھرتی رہی اور کیف نے مجھے بتایا تک نہیں۔ بدتمیز۔

اسے پہلے غصہ آیا اور پھر ہنسی۔ چہرہ دھو کے وہ باہر آئی اور فون نکال کے آن کیا۔ صفورا کے میسجز آئے ہوئے تھے۔

''کدھر غائب ہو مالا؟''

اس کا موڈ اچھا تھا۔ اس نے فوراً کال ملالی۔ اور گیلا چہرہ سکھاتے ہوئے وہیں کھڑکی کے ساتھ کرسی پہ بیٹھ گئی۔

''تم آج صلہ وغیرہ کے ساتھ برنچ پہ نہیں تھیں۔ میں نے ابھی انسٹا پہ ان کی اسٹوریز دیکھی ہیں۔ مجھے تمہاری فکر ہونے لگی۔ تم ٹھیک ہو؟ امی ٹھیک ہیں؟''

''ہاں اب میں ٹھیک ہوں۔'' وہ بشاشیت سے بولی۔ ''کیف کی کمپنی ہمیشہ مجھے ٹھیک کر دیتی ہے۔''

''کیف؟ اس نے تو جاب چھوڑ دی تھی؟''

''ہاں۔ لیکن وہ تب سے لاہور میں ہی تھا۔ آج اسلام آباد جا رہا تھا تو مجھ سے ملنے آیا۔ ہم ایک ساتھ پرانے لاہور میں گئے۔''

صفورا خاموشی سے سنتی رہی۔

''میں اسے کبھی کبھی سمجھ نہیں پاتی ہوں۔ وہ کیا چاہتا ہے؟ اس نے مجھے یہ بھی کہا کہ اس نے خاندان والوں سے چھپ کے شادی کر رکھی ہے۔''

''ناممکن۔''

''مجھے بھی یقین نہیں آتا۔''

''مالا.... کل مجھے لاہور آنا ہے۔''صفورا سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔''کیف کیا چاہتا ہے اس کو ذرا بیٹھ کے ہم ڈسکس کریں گے۔''

صفورا اس کی کوئی بہترین دوست نہیں تھی لیکن وہ سمجھدار لڑکی تھی اور ہمیشہ اچھا مشورہ دیتی تھی۔ کیف نے اسے اتنا الجھا دیا تھا کہ وہ اب واقعی صفورا کے ساتھ بیٹھ کے اس معاملے کو ڈسکس کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

رات بھر وہ کیف کے بارے میں سوچتی رہی۔ وہ زیاد کے لیے ہاں نہیں کہہ سکتی تھی کیونکہ کیف نے اسے الجھا رکھا تھا۔ کیا وہ اس میں دلچسپی رکھتا تھا؟ پھر وہ کیوں چاہتا تھا کہ خود کو مالا سے دور کر دے؟ وہ کس سے بھاگ رہا تھا؟ جب تک اس کا ذہن کلیئر نہ ہو وہ کیسے زیاد سے ایک نیا تعلق بنا سکتی تھی؟

اگلی صبح صفورا کا فون آ گیا۔ وہ لاہور آ چکی تھی اور اپنی امی کے گھر تھی۔ اس نے مالا سے وہیں آنے کو کہا۔ وہ بھی اس سے اپنے گھر نہیں ملنا چاہتی تھی۔ اسے کھل کے صفورا سے بات کرنی تھی۔ وہ کیف کی کزن تھی۔ وہ اسے مالا سے بہتر طور پہ جانتی تھی۔

وہ صفورا کے گھر پہنچی تو دوپہر روشن تھی۔ ملازم اسے سیدھا ڈرائینگ روم میں لے آیا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو صفورا وہیں بیٹھی تھی۔ مالا کو حیرت ہوئی۔ وہ اسے لینے باہر نہیں آئی۔ نہ وہ اس سے ملنے کے لیے اٹھی۔ بس اس نے سر اٹھا کے تیار سی مالا کو دیکھا جو گلابی چکن کاری کی لمبی قمیض اور دوپٹے میں ملبوس تھی۔ سفید ٹراؤزر کے ساتھ سفید ہائی ہیلز پہنے، وہ بال کھولے فریش سی لگ رہی تھی۔

صفورا اس کے برعکس تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ اور گیلی تھیں۔

''بیٹھو مالا۔ ہمیں بات کرنی ہے۔''

کچھ غلط تھا۔ اس سارے منظر نامے میں کچھ غلط تھا۔ کچھ جو وہ نہیں جانتی تھی۔ کیا کیا ہے کیف نے؟

گلابی لباس والی لڑکی ایک صوفے پہ بیٹھ گئی۔ اس کی سبز آنکھوں میں الجھن تھی۔ اس کے بھورے بال چہرے کے دونوں اطراف میں گر رہے تھے جنہیں وہ کان کے پیچھے نہیں اڑس رہی تھی۔

''صفورا تم ٹھیک ہو؟''

صفورا چپ چاپ اسے دیکھنے لگی۔ اس نے رف سا لباس پہن رکھا تھا اور وہ بنا میک اپ کے تھکی تھکی سی لگ رہی تھی۔ وہ ایک ویل ڈریسڈ' ہمیشہ ٹپ ٹاپ سے رہنے والی ورکنگ وومن تھی۔ ہارڈ کور فیمینسٹ۔ وہ اتنی بجھی بجھی کیوں تھی؟

''مالا مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے۔'' وہ بولنے لگی تو نظریں گود میں رکھے ہاتھوں پہ تھیں۔ ''مجھے کیف کو کبھی تمہارے پاس جاب نہیں دلوانی چاہیے تھی۔''

''کیا کیا ہے کیف نے؟''

''کیف نے ہم دونوں کو دھوکہ دیا ہے۔'' صفورا نے گیلی آنکھیں اٹھائیں۔ ان میں افسوس بھی تھا اور غصہ بھی۔ مالا ہتھیلیاں اپنے دائیں بائیں صوفے پہ رکھے کنارے پہ یوں بیٹھی تھی جیسے غیر آرام دہ ہو۔

''کیا مطلب؟ کیسا دھوکہ؟''

''کیف تین ماہ پہلے میرے پاس آیا تھا۔ اس نے مجھے کہا کہ میں اسے تمہارے پاس جاب دلوا دوں کیونکہ اس نے کسی سے سنا تھا کہ تمہیں گارڈ کی ضرورت ہے۔''

وہ سناٹے میں رہ گئی۔

''اس کو کیسے معلوم تھا؟''

''میں نے بھی یہی پوچھا لیکن اس نے بات گول مول کر دی۔ اور مالا میں اس وقت تک اتنی تھک چکی تھی ہر دوسرے ہفتے ایک نیا گارڈ تمہارے پاس بھیج بھیج کے کہ میں نے اسے ہاں کہہ دی۔ مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آئی ایم سو سوری۔'' صفورا کی آنکھ سے آنسو ٹپکا۔

وہ سانس روکے سن رہی تھی۔

''کیف کو کیسے معلوم کہ مجھے گارڈ چاہیے تھا؟''

''کیونکہ اسے کسی نے کہا تھا کہ وہ میرے ذریعے تمہارے پاس جاب حاصل کرے۔'' صفورا نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ''ایک ماہر فرید نامی امیر آدمی نے۔''

اس کے دل پہ کسی نے زور سے مکا مارا۔ ایسے کہ تکلیف سارے بدن کو کاٹ گئی۔ مالا نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔

''یہ نہیں ہو سکتا۔ ماہر فرید تو میرا تعاقب کار ہے۔ کیف اس کے لیے کام کرتا رہا ہے؟ نہیں۔''

''ماہر فرید نے اسے مجبور کیا کہ وہ میرے پاس آئے اور مجھے کہے کہ میں اس کی سفارش تم سے کروں۔''

مالا کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ڈرائینگ روم کی کھڑکی کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ وہاں مخمل کے اونچے پردے نفاست سے بندھے تھے۔ باہر لان نظر آرہا تھا جس کی گھاس دھوپ میں جھلس رہی تھی۔

''یعنی تم یہ کہہ رہی ہو کہ کیف میرے پاس ماہر فرید کے کہنے پہ جاب کر رہا تھا۔'' اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

صفورا نے جواب نہیں دیا۔ مالا اسی طرح بے یقینی سے بولتی گئی۔

''وہ اتنا عرصہ میری جاسوسی کرتا رہا۔ وہ میرے بارے میں ماہر فرید کو رپورٹ کرتا رہا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

اسے لگ رہا تھا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

''نہیں مالا۔ اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

وہ ایک عجیب سا لمحہ تھا۔ کشمالہ چونک کے اپنی دوست کی طرف مڑی۔

''مگر تم نے کہا کہ اس نے ماہر فرید کے کہنے پہ میرے پاس جاب کی۔''

''مالا اگر وہ ماہر فرید کے کہنے پہ تمہارے پاس نوکری کرتا اور تمہاری جاسوسی کرتا تو ہاں کبھی نہ کبھی میں اسے معاف کر دیتی۔ لیکن اس نے یہ نہیں کیا۔''

''کیا کہہ رہی ہو صفورا...''

صفورا اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پہ احساسِ جرم تھا۔

''آئی ایم سو سوری مالا۔''

''کیا کیا ہے کیف نے؟''

''اس نے مجھے کہا کہ میں اس کو تمہارے پاس جاب انٹرویو کے لیے بھیجوں، میں نے بھیج دیا لیکن...''

کشمالہ کا سانس جہاں تھا وہیں رک گیا۔

''لیکن کیف تمہارے پاس انٹرویو کے لیے نہیں گیا۔''

اس عجیب سے لمحے میں کشمالہ مبین کی ساری دنیا تھم سی گئی۔

''میرا کزن کیف جمال تمہارے پاس کبھی نہیں آیا' مالا۔ اس نے کبھی تمہارے پاس جاب نہیں کی۔ تم کیف جمال سے کبھی نہیں ملیں۔''

صفورا ڈرائینگ روم کے دروازے تک گئی اور کسی کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔

کشمالہ کی نظریں چوکھٹ کی طرف اٹھ گئیں۔وہاں ایک نوجوان چلا آرہا تھا۔خوش شکل۔لیکن درمیانے قد کا۔ماتھے پہ بکھرے بال۔چہرے پہ بڑھی شیو۔پیروں میں ٹمیالے سفید جوگرز۔اس کا سر جھکا ہوا تھا۔

"یہ میرا کزن کیف جمال ہے۔"صفورا بولی تو آواز میں غصہ بھی تھا اور دکھ بھی۔

کشمالہ نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ کیف نہیں ہے۔"وہ چند قدم پیچھے ہٹی یہاں تک کہ وہ مخمل کے پردے کے ساتھ جا لگی۔

"یہ کیف نہیں ہے۔"

اس اجنبی نوجوان نے پشیمانی سے سر اٹھایا۔وہ اس چہرے کو نہیں جانتی تھی۔

"یہی کیف ہے۔میرا کزن کیف۔"

"پھر وہ کون تھا؟ وہ جو ڈیڑھ ماہ میرے گھر میں رہا۔وہ جو میرے اتنا قریب رہا۔وہ کون تھا؟"

وہ بولی تو اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔شاک۔خوف۔بے یقینی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند لمحے کے لیے ہم اس ہوٹل سوئیٹ میں ہوئی ملاقات کی طرف واپس جاتے ہیں۔

"اب میں تمہیں ایک تیسری بات بتاتا ہوں' کیف جمال۔"ماہر فرید کی آواز میں سختی در آئی۔وہ کیف کے سامنے کھڑا تھا۔

"تمہارے خیال میں اتنے پرسنل معاملے کے لیے میں تم جیسے لوزر کو کیوں ہائر کروں گا؟"

اس طرزِ تخاطب پہ کیف جمال کے کانوں کی لوئیں سرخ ہوئیں۔

"شاید اس لیے کہ میرے پاس کچھ ایسا ہے جو آپ کو چاہیے۔"

"درست۔"ماہر فرید نے اثبات میں سر ہلایا۔"جانتے ہو وہ کیا ہے؟"

کیف نے سوچنے کی کوشش کی۔وہ ایک ناکام اور مقروض انٹر پیرونیئر تھا۔ایک عام سا فوٹوگرافر جسے ہر کوئی لوزر کہتا تھا۔

اس کے پاس ایسا کیا تھا جو ماہر فرید کو چاہیے تھا؟

"سوچ لیا۔نہیں سمجھ میں آیا؟ اب میں بتاتا ہوں۔"ماہر فرید بولا تو اس کی آنکھوں میں استہزاء تھا۔

''تمہارے پاس....'' وہ رکا۔ توقف کیا۔'' کچھ بھی نہیں ہے۔''

صفورا کے کزن کیف جمال کا سانس جہاں تھا' وہیں رہ گیا۔

''سوائے تمہارے نام کے۔ مجھے صرف تمہارا نام چاہیے۔'' ماہر فرید بہت دیر بعد مسکرایا۔

''Lucky name'' ۔'' اسٹرا سے کافی پیتے بیربل نے لقمہ دیا۔

''میرا نام؟'' کیف متحیر رہ گیا۔'' مگر آپ نے کہا تھا کہ مجھے اس لڑکی کے پاس جاب کرنی ہوگی۔''

''میں نے یہ کبھی نہیں کہا۔ کیا میں نے ایسا کہا مالک؟''

ماہر نے مالک کو دیکھ کے پوچھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ تم اپنی کزن سے بات کرو گے۔ اسے جاب کے لیے راضی کرو گے۔ جب وہ تمہیں اس لڑکی کے پاس جانے کو کہے گی' تو تم مجھے بتاؤ گے۔ اور میں تمہاری جگہ کسی اور کو وہاں بھیجوں گا۔''

بالآخر کیف جمال کی سمجھ میں سارا معاملہ آنے لگا۔ ان کو صرف اس کی شناخت چاہیے تھی۔

''مجھے کیوں نہیں؟''

''کیونکہ تم ایک لوزر ہو اور رہو گے۔ میں اتنا اہم کام ایک لوزر سے نہیں کروا سکتا۔ میں کسی ایسے شخص کو وہاں بھیجوں گا جو مضبوط اعصاب کا ہوگا۔ اسٹریٹ اسمارٹ۔ جس کو انسانوں کے چہرے پڑھنے آتے ہوں گے۔ وہ ایسی باتیں سن سکتا ہو جو کسی اور کو سنائی نہیں دیتیں۔ وہ جس پہ میں اعتماد کرتا ہوں گا۔ کیونکہ اس کا اپنا بہت کچھ داؤ پہ لگا ہوگا۔ اور تم کیف جمال یہ کام نہیں کر سکتے۔ اس لیے گھر جاؤ۔''

اس نے اپنے بھاری ہاتھ سے کیف کا کندھا تھپکا۔

''اور دو ماہ تک میری دی گئی مراعات سے فائدہ اٹھاؤ۔'' پھر وہ قدرے توقف سے بولا۔'' تم نے پوچھا تھا کہ تم دو ماہ کے بعد بھی اس لڑکی کی جاب کر سکتے ہو یا نہیں۔ تو یہ میرا جواب ہے۔ تم اس کی جاب نہ پہلے کرو گے نہ بعد میں۔ میں وہاں کسی اور کو بھیجوں گا۔''

تھوڑی دیر بعد کیف جمال روپوں کا پیکٹ لیے وہاں سے نکلا تو اس کے کندھے ہلکے تھے۔ اسے اگلے دو ماہ کچھ نہیں کرنا تھا۔ صرف ماہر فرید کی دی گئی دولت انجوائے کرنی تھی۔ زبردست۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

انسان کا کا نام اس کی پہچان ہوتا ہے۔ اس کی شخصیت نہیں۔ جو انسان ہمیں اپنا جو نام بتاتا ہے' ہم اس کو اسی نام

سے پکارتے ہیں۔

خود کو کیف جمال کہلوانے والا نوجوان اس وقت ائیر پورٹ پہ کھڑا تھا۔ اس نے کشمالہ کے جانے کا انتظار کیا اور ایک دفعہ پھر سے ڈومیسٹک فلائٹس کے بورڈ کو دیکھا۔

(میں کسی ایسے شخص کو وہاں بھیجوں گا جو مضبوط اعصاب کا مالک ہوگا۔)

پھر اس نوجوان نے سر پہ پی کیپ پہنی' اور جیبوں میں ہاتھ ڈالے مخالف سمت میں چلنے لگا۔ وہ ڈومیسٹک فلائٹس والے حصے کی طرف نہیں جا رہا تھا۔

(جو اسمارٹ ہوگا۔ اسٹریٹ اسمارٹ۔ جس کو انسانوں کے چہرے پڑھنے آتے ہوں گے)

پی کیپ والا نوجوان چلتے ہوئے بار بار وقت دیکھتا تھا۔ اسے دیر ہو رہی تھی۔

سامنے انٹرنیشنل فلائٹس کا بورڈ چمک رہا تھا۔

(جو وہ باتیں سن سکتا ہو جو کسی اور کو سنائی نہیں دیتیں۔)

وہ سیکورٹی سے گزرنے کے بعد اب ائیر لائن کاؤنٹر کی طرف آ رہا تھا۔ مطلوبہ کاؤنٹر کے سامنے چند قطاریں بنی تھیں۔ اس نے رک کے دیکھا۔ اکانومی کلاس، بزنس کلاس۔

وہ سیدھا بزنس کلاس کی طرف بڑھ گیا۔

(وہ جس پہ میں اعتماد کرتا ہوں گا۔)

بورڈنگ پاس لے کر وہ پاسپورٹ کنٹرول تک آیا۔ اوراوورسیز پاکستانیوں (بیرون ملک مقیم پاکستانیوں) کے کاؤنٹر پہ جا کے رکا۔

اپنی باری آنے پہ اس نے ایف آئی اے کے آفیسر کی طرف اپنا نیلا پاسپورٹ بڑھایا۔

(کیونکہ اس کا اس سب میں بہت کچھ داؤ پہ لگا ہوگا۔)

آفیسر نے شیشے کی کھڑکی کے پار سے پی کیپ والے نوجوان کا چہرہ دیکھا اور پھر پاسپورٹ پکڑا (برطانوی شہری۔)

اب آفیسر روٹین کے بے کار سوالات پوچھ رہا تھا۔

"کیمرے میں دیکھیں۔"

نوجوان نے کیپ اتار دی اور ایک سنجیدہ نظر کیمرے پہ ڈالی۔

"ریکارڈ کے لیے اپنا نام بتائیں۔"

وہ اسی سنجیدگی سے پلک جھپکے بنا بولا۔

"ماہر علی فرید۔"

آفیسر نے بورڈنگ پاس دیکھنے کے باوجود پوچھا۔

"کہاں جارہے ہیں؟"

"استنبول۔"

"کیوں؟"

"گھر ہے وہاں میرا۔ اب جاؤں؟" لہجے کا اکھڑپن واضح تھا۔ آفیسر نے ایک ناپسندیدہ نظر اس پہ ڈالی' اور پاسپورٹ اسٹیمپ کر کے اس کی طرف بڑھا دیا۔

کچھ دیر بعد وہ جہاز کے اندر بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ جب جہاز ٹیک آف کر گیا اور نیچے پھیلا لاہور چھوٹا دکھائی دینے لگا تو ترکش ایئر ہوسٹس نے آ کے ایک دفعہ پھر پوچھا۔

"کیا میں آپ کو ویلکم ڈرنک آفر کر سکتی ہوں؟"

"پہلے ترکش قہوہ۔ پھر ٹھیک آدھے گھنٹے بعد اسپریسو ڈبل شاٹ۔" اس نے سنجیدگی سے حکم دیا اور پیر لمبے کر کے فٹ ریسٹ پہ رکھ لیے۔ پھر فوڈ ٹرے پہ لیپ ٹاپ سیٹ کیا۔ اور اسکرین روشن کی۔ سامنے یوزر اکاؤنٹ کا نام نظر آ رہا تھا۔

KAIF

کیف کو کلک کر کے کھولتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے موبائل پہ واٹس ایپ میسج ٹائپ کیا۔

"زارا... میں فلائٹ میں ہوں۔ صبح آفس میں ملاقات ہوتی ہے۔"

چند ہزار کلومیٹر دور استنبول کے ڈسٹرکٹ بیشکتاش کے ایک علاقے لیونت میں ایک عمارت کے کارنر آفس میں زارینہ فرید اپنی پاور چیئر پہ بیٹھی تھی۔ لیپ ٹاپ سامنے کھلا تھا اور وہ ماہر کا میسج پڑھ کے مسکرا رہی تھی۔

پھر اس نے انٹر کام اٹھایا اور اپنے ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتے ہوئے ریسیور میں بولی۔

"شبنم۔ ماہر بے واپس آ رہے ہیں۔ اسٹاف کو اطلاع کر دو۔"

اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گلابی لباس والی لڑکی سفید چہرہ لیے صوفے کے کنارے بیٹھی تھی۔ وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

کیف جمال سامنے کرسی پہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

وہ ایک عام سا نوجوان تھا۔ ایک لوزر۔

''جو آدمی کیف بن کے آپ کے پاس آیا' وہ خود ماہر فرید تھا۔'' اس فقرے کی بازگشت ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔

''جب کل تم نے فون پہ بتایا کہ تم کیف سے ملی ہو تو میں کھٹک گئی۔ کیونکہ کل ایک فیملی فنکشن پہ کیف ہمارے ساتھ تھا۔ وہ فوٹو گرافی کر رہا تھا۔ میں اسی وقت کیف کے پاس گئی۔ اور پھر اس نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔'' صفورا نے چہرہ اس کی طرف موڑا۔ اس کی آنکھوں سے بے بسی بھرے غصے کے انگارے نکل رہے تھے۔

''بتاؤ سب مالا کو۔''

وہ گم صم سی اس اصلی کیف جمال کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل بھی ''اس'' کیف جیسا نہ تھا۔

''میں ایک صبح اٹھا تو ایک آدمی میرے گھر کے باہر کھڑا تھا۔'' کیف جمال نے اپنی کہانی کا آغاز کیا۔ اس کے پاس یہ کہانی گھڑنے کے لیے تین ماہ کا وقت تھا۔ جب کبھی یہ معاملہ کھلے گا' اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کہنا ہے۔

''لمبی کالے شیشوں والی کار۔ اس نے گن پوائنٹ پہ مجھے کار میں بٹھایا اور ایک ہوٹل لے گیا۔ وہاں ایک لگژری سوئیٹ میں اس نے میری ملاقات ماہر فرید سے کروائی۔''

وہ ساکت سی سن رہی تھی۔

''ماہر فرید خطرناک آدمی تھا۔ ایک سائیکو پیتھ ہے۔ ان کے ساتھ چند اور گارڈز بھی تھے جن کے پاس پستول اور رائفلز تھیں۔ میں ڈر گیا تھا۔''

''تم ڈر گئے تھے یا تم نے ان سے پیسے لیے ہیں؟'' صفورا ابھی تک اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''آپا۔'' کیف جمال نے چہرہ اٹھا کے بے بسی سے اسے دیکھا۔ ''اگر میں نے پیسے لیے ہوتے تو میری حالت بدلی ہوئی نظر آتی۔''

''پھر تم نے اپنے قرضے کیسے ادا کیے؟''

''وہی بتا رہا ہوں۔ وہاں پہنچا تو اس آدمی... ماہر فرید نے کہا کہ اس نے میرے قرضے ادا کر دیے ہیں۔ بدلے

میں مجھے اس کو اپنی شناخت دینی ہوگی۔ ان کے پاس guns تھیں آپا۔ وہ خوفناک لوگ تھے۔ میں ڈر گیا تھا۔ میں کیا کرتا۔"

خوف.... ہراساں کر دینے والا احساس کشمالہ کو اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔ وہ خطرناک آدمی اتنے دن اس کے قریب رہا۔ اگر اسے کچھ ہو جاتا؟

"اس نے میرا آئی ڈی کارڈ وغیرہ لے لیا۔ پھر بعد میں' میں نے آپ کو جو اپنی سی وی بھیجی تھی اس پہ تصویر نہیں تھی۔"

کشمالہ چونکی۔ اسے یاد آیا اس سی وی پہ کیف جمال کی تصویر نہیں تھی۔ مگر کیف... ماہر کے پاس سب کچھ تھا۔ آئی ڈی کارڈ۔ ہر چیز۔ سب کیف کے نام پہ اس کی تصویر کے ساتھ تھا۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔

"میں بھی تم سے ملنے نہیں آسکی اتنا عرصہ۔ پہلے دبئی پھر تھائی لینڈ چلی گئی۔" صفورا افسوس سے کہہ رہی تھی۔ کیف نے شرمندگی سے اسے دیکھا۔

"آپ انٹر پیر ونیئرز کی جن ری ٹریٹس پہ دبئی اور تھائی لینڈ گئی تھیں' ان پہ آپ کو ماہر فرید کی کمپنی نے بھیجا تھا۔"

صفورا نے چونک کے اسے دیکھا۔ "کیا مطلب؟"

"اس کے سفید بالوں والے مینیجر نے مجھے بتایا تھا۔ انہوں نے اپنی ایک شیل کمپنی کی طرف سے وہ ری ٹریٹس ارینج کروائی تھیں۔"

صفورا صدمے سے بیٹھی رہ گئی۔

"اور میں سمجھی میں اتنی قابل ہوں کہ مجھے خود اپروچ کیا گیا ہے۔" صفورا نے ماتھے کو چھوا۔ پھر غصے سے کیف کو دیکھا۔ "اور تم اتنے ذلیل انسان ہو کہ جب میں واپس آئی تم مجھے کال کر کے کہتے رہے کہ کشمالہ مہمانوں سے چڑتی ہے۔ اس لیے اس کی والدہ کو دیکھنے نہ آئیں۔ تم صرف مجھے مالا سے دور رکھنا چاہتے تھے تاکہ تمہارا پول نہ کھلے۔"

"انہوں نے مجھے دھمکایا تھا۔ ماہر فرید نے کہا تھا وہ میری کیا میرے پورے خاندان کی جان لے لے گا۔ میں کیا کرتا۔"

"تم اس کو لوزر کہتی تھیں صفورا۔" وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولی۔ "وہ کچھ بھی تھا مگر وہ لوزر نہیں تھا۔"

اور اسے ایک ایک کر کے سب یاد آنے لگا۔

"اس کے پاس برانڈڈ چیزیں ہوتی تھیں۔ ہر چیز مہنگی تھی۔ وہ ہر وقت ائیر پوڈز لگائے کال پہ ہوتا تھا۔ وہ بہت

کام کرتا تھا۔ اور وہ بہت کم سوتا تھا۔ وہ خود کو چھپا نہیں سکتا تھا۔ مجھے شک ہوتا تھا لیکن..وہ اتنا مہربان تھا صفورا کہ...‘‘اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ ابھی تک شاک میں تھی۔

’’کہ مجھے لگا وہ برا آدمی نہیں ہے۔‘‘

’’وہ اپنا آفس ریموٹلی مینیج کر رہا تھا۔‘‘ کیف جمال دھیرے سے بولا۔

’’اس کے پاس اتنا وقت تھا؟‘‘

’’وہ سی ای او تھا۔ سی ای او ورک ہارڈ نہیں ورک اسمارٹ کرتے ہیں۔ یعنی کم وقت میں کام کرتے ہیں۔‘‘

’’اس نے تمہیں کیوں ہائر کیا؟ تمہارے اندر کون سے سرخاب کے پر لگے تھے کیف؟‘‘ صفورا ابھی تک غصے سے کیف کو دیکھ رہی تھی۔

کیف نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔

’’میرے نام کی وجہ سے۔ کیف۔‘‘

’’اس نام میں ایسا کیا خاص ہے؟‘‘

’’یہ اس کے باپ کا نام تھا۔‘‘

کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ وہ بس یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

’’میں نے اسے گوگل کیا تھا۔ اس کے انٹرویوز مجھے مل گئے تھے۔ لیکن وہ اس نے بعد میں ہٹوا دیے۔ اس نے اپنا سوشل میڈیا بھی بند کر دیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ کیوں۔ اب سمجھ آیا وہ خود گارڈ بننے جا رہا تھا۔‘‘

مگر کشمالہ کی سوئی ایک جگہ اٹک گئی تھی۔

’’کیف اس کے باپ کا نام تھا۔ وہی باپ جس کو اس نے ایکسیڈنٹ میں مار دیا؟‘‘

’’جو ایکسیڈنٹ میں مرا وہ اس کا سوتیلا باپ تھا۔ اس کا اصل باپ اس سے کئی سال پہلے برین ٹیومر سے مرا تھا۔ اس کا نام قاسم فرید تھا۔ قاسم علی امتیاز فرید۔ اس کے نام کے پہلے حروف جوڑو تو کیف بنتا تھا۔‘‘

Kasim Ali Imtiaz Farid

KAIF

’’کیف اس کی کمپنی کا نام بھی ہے۔ ماہر فرید دو سال پہلے اپنا فیملی بزنس چھوڑ کے استنبول چلا گیا تھا۔ اس نے وہاں پہ کیف نامی کمپنی بنائی تھی۔ جیسے شہزادے کسی زمانے میں اپنا تخت تاج چھوڑ کے چلے جاتے تھے۔ اس کے

انٹرویو میں لکھا تھا کہ وہ تین ہزار افراد کی کمپنی بنانا چاہتا ہے۔ وہ جو اس نے خود شروع کی ہو۔ نہ کہ اس کے باپ کے پیسے سے بنی ہو۔"

وہ اس بات پہ چونکی۔ آہستہ آہستہ یقین آنے لگا تھا۔ اور اس یقین کی تکلیف بہت زیادہ تھی۔

"وہ خطرناک آدمی ہے اور آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اس کے پاس ایک البم تھا جس میں لڑکیوں کی زخمی تصاویر تھیں۔ میں نے کہا نا وہ ایک سائیکو ہے۔ اور...." کیف تیزی سے کہہ رہا تھا۔ "اور اس کے ہوٹل سوئیٹ کی شیشے کی کھڑکی پہ ہر طرف آپ کی تصاویر لگی تھیں۔ وہ آپ کو عرصے سے اسٹاک کر رہا تھا۔"

وہ اس کی بات سن رہی تھی۔ یا شاید نہیں سن رہی تھی۔ بس صوفے کی گدی کو مٹھیوں میں بھینچے بیٹھی رہی۔

"وہ کچھ بنا رہا تھا۔ کسی بزنس پلان پہ کام کر رہا تھا۔" اسے یاد آیا۔ "مگر نہیں۔ وہ کچھ اور بنا رہا تھا۔"

پھر وہ چونکی۔

"ماہر فرید.... وہ کیا ہے؟ وہ کام کیا کرتا ہے؟" اس کی آواز آہستہ تھی۔

"وہ آرکیٹیکٹ ہے۔ معمار۔"

اور اس ایک لمحے میں سارے پزل کے ٹکڑے ایک ساتھ فٹ بیٹھتے گئے۔

"وہ عمارتیں بناتا ہے۔ یونیک عمارتیں۔ "کیف" اس کی آرکیٹیکچرل فرم ہے۔ وہ اپنے آفس سے تین ماہ کی چھٹی پہ آیا تھا۔ کیونکہ اسے ایک خاص عمارت بنانی تھی۔ مجھے یہ اس کے مینیجر نے بتایا تھا۔"

وہ آرکیٹیکٹ تھا۔ اور ماہی کہتی تھی جنونی آرکیٹیکٹ صرف سیاہ اور سفید پہنتے ہیں۔ ان کے لیے سرمئی زون کچھ نہیں ہوتی۔

کشمالہ نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ آنکھوں سے گرم گرم آنسو بہنے لگے۔

سب جھوٹ تھا۔ سب فریب تھا۔

اسے زندگی میں کسی انسان سے اتنی نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی ماہر فرید سے ہوئی تھی۔

(میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی' کیف۔) اس نے دل ہی دل میں اس کیف کو پکارا جو اتنا عرصہ اس کے قریب رہا تھا۔

اور گزشتہ روز... فلائیٹ میں بیٹھے... لیپ ٹاپ پہ کام کرتے ماہر فرید نے رک کے جیب سے ٹھنڈی خطائی نکال کے دیکھی تو اس کے چہرے پہ ایک زخمی تاثر بکھر گیا۔

''میری خواہش ہے کہ تم مجھے کبھی معاف نہ کرو مالا۔''

اس نے کناروں سے ٹوٹی ہوئی خطائی واپس جیب میں ڈال دی۔

ہر ٹوٹی چیز جڑنے کے قابل نہیں رہتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول

''لاہور''

قسط نمبر:۵

''یک طرفہ عشق کبھی نہیں مرتا۔
بس یہ شکست کھا کے چلا جاتا ہے
دل کے ایک خفیہ خانے میں
جہاں یہ چھپ کے بیٹھا رہتا ہے
سمٹ کے زخمی وجود کی مانند
کچھ بدقسمت لوگوں کے لیے
یہ تلخ اور کم ظرف بن جاتا ہے۔
اور جو بعد میں آتے ہیں
وہ ادا کرتے ہیں قیمت
اس زخم کی
جو دیا تھا پہلے آنے والے نے۔
لیکن مجھے اعتراف کرنے دو
کہ یک طرفہ عشق بہتر ہے
ایک اصلی، دو طرفہ عشق سے۔
بلکہ یک طرفہ عشق ہی ہے
بہترین عشق

کیونکہ

جو کبھی شروع ہی نہیں ہوا۔

اس کے ختم ہونے کا

ڈر نہیں ہوتا۔"

(ایلی نیو مارک۔ سارہ ڈیسن)

وہ تینوں اس وقت بوسفورس کے کنارے بنے ایک ریسٹوران میں موجود تھے۔ اطراف میں استنبول کی جامنی شام پھیلی تھی۔ عبدالمالک اور زارینہ ساتھ ساتھ بیٹھے تھے جبکہ بیر بل ان کے مقابل براجمان تھا۔ بائیں جانب ریسٹوران کی گہما گہمی تھی اور دائیں جانب بوسفورس کا اندھیر ہوتا پانی دکھائی دیتا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کی آوازوں کے ساتھ چھری کانٹے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"ماہر پہنچ چکا ہوگا۔" چھری کانٹے سے کباب کا ٹکڑا توڑتی زارینہ بولی تو لہجے میں خوشی تھی۔ وہ بڑی سیاہ آنکھوں اور کندھوں تک آتے بل دار بالوں والی خوبصورت لڑکی تھی۔ کانوں میں بڑے ائیر رنگز اور گردن میں سنہرے رنگ کی تین چار مختلف سائز کی زنجیریں تھیں۔

"کیا وہ ہمیں جوائن کرے گا؟" مالک نے پلیٹ سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔ وہ ہمیشہ کی طرح تھری پیس سوٹ میں ملبوس، سفید بالوں کو جیل سے برابر کیے ہوئے تھا۔ چہرے کی پتھریلی سنجیدگی برقرار تھی۔

"جی بابا۔ میں نے اسے لوکیشن بھیج دی تھی۔" وہ ساتھ ساتھ واٹس ایپ بھی چیک کر رہی تھی۔ چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

"وہ نہیں آئے گا۔" بیر بل نے لقمہ لیتے ہوئے کہا تو دونوں نے ہاتھ روک کے اسے دیکھا۔ ان کو اپنی طرف دیکھتے پا کے بیر بل نے مسکرا کے شانے اچکائے۔

"کیونکہ وہ آتے ساتھ ہی تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہے گا۔" اس کا مخاطب مالک تھا جس نے بس ایک نظر بیر بل کو دیکھا اور سر جھٹک کے کھانا کھانے لگا۔ زارینہ نے ایک تادیبی نظر بیر بل پہ ڈالی لیکن اسے پرواہ نہ تھی۔ گھنگھریالے بالوں والا بیر بل ایک کان میں بالی پہنے جینز اور جوگرز میں ملبوس تھا۔ کلائی میں دو تین بریسلیٹ بھی تھے۔ کالے، سلور۔

''زارا...'' دفعتاً وہ کھنکھارا۔ ''اگر ماہر نے تمہارے بابا سے کیا وعدہ پورا کیا' اور ان کے ساتھ واپس چلا گیا تو کیف کون سنبھالے گا؟'' وہ خلاء میں دیکھتے ہوئے انگلیوں پہ گنتا جمع تفریق کر رہا تھا۔ ''ظاہر ہے تم۔ یعنی تم دونوں ایک ملک میں نہیں رہو گے۔''

زارینہ کی رنگت بدلی۔ آنکھوں میں برہمی در آئی۔ وہ آگے کو جھکی اور حتمی انداز میں بولی۔

''جہاں ماہر ہوگا' وہیں زارا ہوگی۔''

بیربل مسکرا کے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ وہ زارا کا موڈ خراب کرنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

''اس نے دو ماہ بعد آنے کا وعدہ کیا تھا۔'' مالک نے ناخوشی سے کہتے ہوئے پلیٹ پرے کھسکائی اور نیپکن اٹھایا۔ ''اور اب تین ماہ ہونے کو آئے ہیں۔ میں اس لیے خاموش رہا تاکہ وہ اپنا ڈیزائن مکمل کر لے۔'' پھر اسی سنجیدگی سے زارا کو دیکھا۔ ''کیا اس کا ڈیزائن اپروو ہو جائے گا؟''

''ماہر صرف آرکیٹیکٹ نہیں ہے' بابا۔ وہ آرٹسٹ ہے۔ اس کے ڈیزائن یونیک ہوتے ہیں۔ پھر کیف کے نو آرکیٹیکٹس اس کے ساتھ اس بلڈنگ پہ کام کرتے رہے ہیں۔''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے' زارا۔ میں نے پوچھا' کیا اس کا ڈیزائن اپروو ہو جائے گا۔''

زارینہ قدرے بجھ سی گئی۔ کندھے اچکا کے کھانے پہ سر جھکا لیا۔

''میں کیف کے معاملات ڈنر ٹیبل پہ شیئر نہیں کر سکتی۔''

''یعنی تمہیں اس کے ڈیزائن پہ تحفظات ہیں۔ ہوں۔'' مالک نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہہ رہا تھا۔

بیربل نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''مالک ... تم تھکتے نہیں ہو ایک روبوٹ کی طرح زندگی گزارتے ہوئے؟''

مالک نے سفید ابرو اٹھا کیا پنے بھتیجے کو دیکھا جو ہمیشہ اسے مایوس کرتا تھا۔

''تم نہیں تھکتے اپنے باپ کا پیسہ اڑاتے ہوئے؟''

بیربل نے ہنس کے شانے اچکا دیے۔ ''تم اور ماہر کبھی مجھ سے خوش نہیں ہو گے۔ اس لیے میں اپنی زندگی دو روبوٹس کو خوش کرنے میں نہیں گزار سکتا۔''

''بیر۔'' زارا نے تادیبی نظروں سے اسے دیکھا لیکن وہ ٹیک لگائے' ایک بازو کرسی کی پشت پہ پھیلائے محظوظ سا

کہہ رہا تھا۔

"میرا باپ... میرا بھائی.... اور میرے چچا..." مالک کی طرف اشارہ کیا... "تم سب روبوٹس ہو۔ پیسہ کماتے ہو' پیسہ گنتے ہو۔ تمہاری کوئی زندگی نہیں ہے۔" پھر سینے پہ انگلی سے دستک دی۔ "میری ہے۔"

"ماہر ہمارے خاندان کا وارث ہے۔" مالک سپاٹ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "وہ تمہاری طرح پیسہ اور وقت ضائع نہیں کرتا۔"

(استنبول ائیر پورٹ کی ایگزٹ پہ ایک سیاہ کار موجود تھی۔ فربہ سا ڈرائیور اردل پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔ پی کیپ پہنے' جوگرز سے چلتا ہوا ماہر کار کے قریب آیا' لیکن بیٹھا نہیں۔ وہ قدم قدم چلتا ڈرائیونگ ڈور تک گیا اور پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھ کے اس حصے کو غور سے دیکھنے لگا۔)

"وہ اپنے باپ کا بیٹا ہے۔ کاروبار سے محبت اس کے خون میں ہے۔"

(وہ سیدھا کھڑا ہوا اور دروازہ کھولے کھڑے اردل کے مقابل آرکا۔ گھور کے اسے دیکھا۔

"میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ کار کہیں لگی ہے۔ میں پوچھوں گا کہ کار کس سے لگی ہے۔"

اردل نے جلدی سے نظریں جھکا دیں۔

"مجھ سے لگی ہے' ماہر بے۔ آپ میری تنخواہ سے سارا نقصان پورا کر لیجئے گا۔"

ماہر نے سمجھ کے سر ہلایا۔ "یعنی بیریل سے لگی ہے۔ بیٹھو۔")

"ہماری انویسٹمنٹ ہولڈنگ کو اس نے اپنے باپ کی طرح سنبھال رکھا تھا۔ لوگ ماہر فرید کو اپنا پیسہ دیتے تھے تاکہ وہ اس کو انویسٹ کرے۔"

(کار سرخ پل کے اوپر سے گزر رہی تھی اور وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ پی کیپ اب ساتھ والی سیٹ پہ رکھی تھی اور اس کے بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ استنبول اداس لگتا تھا۔ اپنے اندر کی طرح۔)

"وہ دوسرے انسانوں کا پیسہ بھی انویسٹ کرتا ہے۔ بہترین جگہ پہ اثاثے خریدتا ہے۔ اور پھر وہ انہیں درست وقت پہ بیچتا ہے۔ ماہر کے اندر وہ Killer instinct ہے جو کاروبار کرنے کے لیے چاہیے ہوتی ہے۔"

(اپنے اپارٹمنٹ کی بیل پہ اس نے ہاتھ رکھا ہی تھا کہ دروازہ کھل گیا۔ اسکارف اور اسکرٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر ہاؤس کیپر (فیضی) نے مسکرا کے اس کا استقبال کیا۔ ماہر نے ایک نظر اس پہ ڈالی' اور پھر مڑ کے فربہ ڈرائیور کو دیکھا جس کا کوٹ پھنسا ہوا لگ رہا تھا۔

''ماشاءاللہ تم دونوں کی صحت بتا رہی ہے کہ بیربل کی بیکری کے کیکس میرے گھر آتے رہے ہیں۔'' مسکرا کے کہتے ہوئے وہ اندر داخل ہوا اور شو ریک پہ جوتے اتارے۔ اردل اور فیضی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اب کیا کریں؟)

''اور اس کا بخت بلند ہے۔ وہ جس چیز میں ہاتھ ڈالتا ہے اسے سونا بنا دیتا ہے۔ پیسہ بخت سے آتا ہے بیربل۔ وہ تمہاری طرح ایک فلاپ بیکری میں پیسہ ڈبو کے قلاش نہیں ہو جاتا۔ اور نہ ہی...'' طنز سے کہا'' ....اور نہ ہی ایسا ہے کہ بیکری اس کے خرچے اٹھانے کے لیے ناکافی ہو جائے اور اس کا اصل خرچا اپنے باپ کے کاروبار سے آنے والے ماہانہ الاؤنس پہ ہو۔''

بیربل نے نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''کہہ لو۔ جو کہنا ہے کہہ لو۔ مجھے کون سا فرق پڑتا ہے۔''

مالک نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔ زارا کھنکھاری اور باپ کی طرف چہرہ کیا۔

''بابا... اگر آپ کو ماہر کے بخت پہ اتنا بھروسہ ہے تو اسے کیف کو آگے بڑھانے دیں۔ میں مانتی ہوں کیف ایک ڈوبتی ہوئی فرم ہے۔ اور وہ کامیاب نہیں ہوا۔ وہ ایک اسٹرگل کرتا ہوا انٹرپرونیئر ہے۔ لیکن ابھی دو سال ہوئے ہیں۔ اس کو وقت دیں۔''

''اس ملک میں....'' مالک نے ناپسندیدگی سے ادھر ادھر دیکھا۔ مختلف میزوں پہ ترک اور ٹورسٹ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اور آواز دھیمی کی۔ ''اس غریب اور قلاش ملک میں کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ ڈالرز کی ہوس میں مبتلا لوگوں کا ملک ہے۔ یہ صرف تمہارے کزن کو لوٹ رہے ہیں۔ کیف ایک فیلیئر ہے اور رہے گا۔ اس لیے اسے چاہیے کہ واپس آ جائے۔''

زارا اب نزاکت سے ٹشو سے انگلیاں صاف کر رہی تھی۔

''میں حیران ہوں کہ ماہر نے واپس آنے کی بات کیسے مان لی۔ آپ نے اسے کیسے راضی کیا' بابا؟ وہ تو لاہور اس لیے گیا تھا تا کہ اپنے ڈیزائن پہ سکون سے کام کرے۔''

بیربل کی آنکھیں چمکیں اور لب ''اوہ'' میں سکڑے۔ اس نے مسکرا کے پہلے مالک کو دیکھا اور پھر زارا کو۔ مالک نے اپنی بیٹی کو آگاہ نہیں کیا تھا۔ انٹرسٹنگ۔

''یہ میرا اور ماہر کا معاملہ ہے۔ تم درمیان میں نہ بولو۔'' وہ سرد لہجے میں ٹوک گیا تو زارا خاموش ہو گئی۔ بیربل

مسکرا کے اٹھ گیا اور موبائل اٹھا کے جیب میں ڈالا۔

''چونکہ میں ایک ناکام بیکر ہوں اس لیے میں بل نہیں دوں گا۔'' مالک کو دیکھتے ہوئے ایک آنکھ دبائی۔ ''اب چلتا ہوں۔ ماہر پہنچ گیا ہوگا۔'' اور زرارا کو ہاتھ ہلاتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ مالک نے ناراضی سے اسے جاتے دیکھا۔

''Disappointment۔'' وہ بڑبڑایا۔

زارینہ نے مسکرا کے اسے الوداعی ہاتھ ہلایا اور پھر سوچتی نظروں سے باپ کو دیکھا۔

مالک کا چہرہ ہمیشہ کی طرح ٹھنڈا اور بے تاثر تھا۔ ماہر اور اس کے درمیان کیا معاملہ طے پایا تھا؟ وہ فیصلہ نہیں کر سکی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استنبول کو جولائی کی گرمی لاہور کی طرح بھسم نہیں کرتی تھی۔ بلکہ دھوپ اور ٹھنڈی ہوا ساتھ ساتھ رہتیں۔ سورج ڈھلتا تو دھوپ ڈوب جاتی اور سارے میں بہار جیسی ٹھنڈ پھیل جاتی۔ بوسفورس کے پانیوں سے بگلے اڑ اڑ کے استنبول کی اونچی اپارٹمنٹ بلڈنگز کے اوپر چکر کاٹتے۔

استنبول کے ضلع سریار میں سفارت خانے تھے اور وہاں غیر ملکیوں کی اکثریت رہتی تھی۔ سریار میں ترابیہ نام کا ایک بے انتہا سرسبز علاقہ تھا جو بوسفورس کے کنارے واقع تھا۔

استنبول اپارٹمنٹس کا شہر تھا۔ یہاں بوسفورس کنارے بنے اونچے محل نما ''یالی'' (یلی) بہت کم تھے۔ اور وہ عموماً پرانے ترک امراء یا غیر ملکی شاہی خاندانوں کے زیر استعمال ہوتے تھے۔ یا ان میں سے کچھ کرائے پہ حاصل کر کے ترکش ڈرامے شوٹ کیے جاتے تھے۔ شہر کے باقی امراء ان کو افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے اگر انہیں بوسفورس کنارے رہنا ہوتا تو وہ لگژری اپارٹمنٹس کو ترجیح دیتے۔

ہم اس وقت اپنی کہانی کو ترابیہ (استنبول) کی ایک لگژری اپارٹمنٹ بلڈنگ تک لے کر جا رہے ہیں۔ سڑک کنارے ایک سیاہ جالی دار گیٹ تھا جس کے اندر جاؤ تو ایک باغیچے میں گھری کئی منزلہ اونچی عمارت کھڑی تھی۔ عمارت کی بالائی ترین منزل پہ ڈوپلیکس پینٹ ہاؤسز بنے تھے۔ یعنی دو منزلہ اپارٹمنٹ۔

باہر سے اپارٹمنٹ اور اندر سے جیسے دو منزلہ گھر ہو۔

ایک پینٹ ہاؤس اپارٹمنٹ کے باہر ''Farid'lar'' کی تختی لگی تھی۔

فریز۔

بیر بل گھر میں داخل ہوا تو ہمیشہ کی طرح سامنے ایک سفید راہداری نظر آئی جو لونگ روم تک جاتی تھی۔ اس نے رک کے جوتوں کے اسٹینڈ پہ جوگرز اتارے۔ اور چابیاں ہاتھ میں گھماتا ننگے پیروں سے آگے آیا۔

سامنے ایک وسیع لونگ روم تھا۔ ایک طرف دو منزلہ اونچی گلاس وال تھی جس کے پردے سیاہ اور سفید تھے۔ اس وقت وہ ہٹے ہوئے تھے اور ان کے پار بوسفورس کا سیاہ پانی اور کنارے پہ کھڑی کشتیاں نظر آتی تھیں۔

لونگ روم میں ہر چیز سفید اور سیاہ رنگ میں مزین کی گئی تھی۔ وہاں کوئی تیسرا رنگ نہ تھا۔

ایک طرف لکڑی کا سیاہ سفید زینہ اوپر جاتا تھا جہاں ایک منی لاؤنج بنا تھا اور وہاں بیر بل کا کمرہ بھی تھا۔ لیکن ابھی وہ اس کمرے میں نہیں جا سکتا تھا۔ اسے تفتیش کے ایک کڑے مرحلے سے گزرنا تھا۔

لونگ روم میں ایل کی شکل میں سیاہ رنگ کے طویل صوفے رکھے تھے۔ سامنے ایک آتش دان تھا جس کے آگے دو سیاہ ونگ چیئرز رکھی تھیں۔

بیر بل نے لونگ روم میں قدم رکھا تو سامنے ماہر فرید بیٹھا نظر آیا۔ وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، ننگے پیروں سے وہاں بیٹھا تھا۔ پی کیپ میز پہ رکھی تھی۔ اور اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔

"خوش آمدید برو۔" بیر بل مسکرا کے قریب آیا لیکن ماہر نے وہیں سے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔

وہ درمیان میں رک گیا۔ بظاہر نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

"میری کار پہ ایک ڈینٹ ہے... جیسے یہ کہیں لگی ہو اور بعد میں مرمت کر کے اسے مٹانے کی کوشش کی گئی ہو۔"

"چچ چچ... اردل بالکل دھیان نہیں رکھتا تمہاری کار کا۔" وہ سینے پہ بازو لپیٹے افسوس سے بولا۔ ماہر نے ابرو اٹھائی۔

"اردل۔ ہوں۔ اور یہاں...." اس نے آتش دان کی طرف اشارہ کیا۔ "ایک سفید سوان رکھی تھی جو مجھے کسی نے تحفے میں دی تھی۔ وہ غائب ہے۔"

پھر اس نے سامنے بنے سفید اوپن کچن کی طرف اشارہ کیا۔

"وہاں سامنے کاؤنٹر پہ میرے مگز سجے تھے جن میں سے تین غائب ہیں۔"

لونگ روم کے پردوں کی طرف اشارہ کیا۔ "ادھر ایک کارنر لیمپ تھا جو اب موجود نہیں ہے۔"

''فیضی خانم....'' بیربل اسی سنجیدگی سے پریشان کھڑی ہاؤس کیپر کی طرف گھوما۔ ''ماہر کچھ پوچھ رہا ہے۔ آپ کیوں گھر کا خیال نہیں رکھتیں؟''

فیضی خانم نے بےبسی سے باری باری دونوں بھائیوں کو دیکھا۔ پھر ندامت سے سر جھکایا۔

''یہ سب مجھ سے ٹوٹا ہے' ماہر بے۔''

''یقیناً آپ سے ٹوٹا ہے فیضی خانم۔'' ماہر نے بیربل کو دیکھتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ ''اور یقیناً میری بائیک بھی آپ ہی باہر لے کر گئی ہوں گی۔ اس کی جی پی ایس ہسٹری بتا رہی ہے کہ میرے پیچھے وہ کئی دفعہ استعمال کی گئی ہے۔''

مگر بیربل کے اطمینان میں فرق نہیں آیا۔ اس نے افسوس سے فیضی خانم کو دیکھا۔

''چچ چچ.... اس عمر میں کیا شوق پال لیے ہیں آپ نے؟....''

فیضی نے اب کی دفعہ شدید ناراضی سے بیربل کو دیکھا۔ وہ کچھ کہتیں لیکن ماہر کا اگلا سوال آ چکا تھا۔

''ونگ چیئر پہ تو کوئی نہیں بیٹھا؟''

''نہیں۔'' ان دونوں نے ایک ساتھ کہا۔ سچ تھا۔ پھسل گیا۔

''ہوں۔'' ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا اور مڑ کے آتش دان کے ساتھ رکھی خالی چیئرز کو دیکھا۔ ان پہ بیٹھنے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ یہ ماہر فرید کا ایک ایسا اصول تھا جس کی پابندی کرنا کسی کے لیے مشکل نہیں تھا۔ ونگ چیئرز ٹی وی سے بہت دور تھیں۔ کسی کو وہاں بیٹھنے کی ضرورت بھی نہ تھی۔ نہ ہی ماہر خود وہاں بیٹھتا تھا۔

''تفتیش مکمل ہو گئی ہو تو میں بیٹھ جاؤں؟''

ماہر نے گردن موڑی اور اس کے ننگے پیروں کو دیکھا۔ پھر طنز سے مسکرا کے بولا۔

''یقیناً مجھے دیکھ کے تم نے جوتے اتارے ہوں گے۔ مشکل پیش آ رہی ہو گی۔ ہوں؟''

مگر وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بیٹھا۔

''خوش آمدید ماہر فرید۔ ہم نے تمہیں بالکل مس نہیں کیا کیونکہ تمہاری پابندیاں زندگی کو بورنگ بنا دیتی ہیں۔ اگر ہمارے ابا نے اپنا سب کچھ تمہارے نام نہ کیا ہوتا' اور تم اس اپارٹمنٹ کے مالک نہ ہوتے' تو میں ان سوالوں کے کچھ اور جواب دیتا۔''

''تمہارے نام کچھ کیا ہوتا تو اب تک ہم سب سڑک پہ ہوتے۔''

''بقول مالک... تمہارا کیف جلد سڑک پہ آنے والا ہے۔ ویسے تم نے ڈنر پہ ہمیں جوائن کیوں نہیں کیا؟''

ماہر نے سر جھکا اور کھڑکی کی طرف چہرہ کر لیا۔ اونچی گلاس والے پہ چھت سے لٹکتے فانوس کی روشنیوں کا عکس پڑ رہا تھا۔

''میں آتے ساتھ ہی مالک کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔''

بیربل دل کھول کے ہنس دیا۔ ماہر نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے مسکرا کے سر جھٹکا۔

''کچھ نہیں۔ تم بتاؤ۔ تین ماہ کی محنت کے بعد بھی تمہارے ہاتھ کچھ نہیں لگا۔'' بیربل کے لہجے میں افسوس در آیا۔ ''یعنی وہ لڑکی کچھ نہیں جانتی تھی۔''

وہ دونوں ایل شیپ سیاہ صوفے پہ ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے تھے۔ سفید اوپن کچن میں فیضی حانم کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ اور دو منزلہ گلاس وال کے پار چھائی رات اب مزید تاریک ہوتی جا رہی تھی۔

''تم اس سے کیوں ملے تھے؟'' اب کے ماہر بولا تو آواز مدھم تھی۔

بیربل نے بغور اپنے بھائی کو دیکھا جو صوفے کی پشت پہ بازو پھیلائے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ کچھ اداس سا تھا اس کے بارے میں۔

''کیونکہ مالک نے کہا تھا کہ اس سے ملو۔ تا کہ تمہیں ویک اپ کال ملے۔ ورنہ تم کیف جمال کی شناخت میں اتنے کھو چکے تھے ماہر، کہ تمہارا فوکس ختم ہو چکا تھا۔ تم اس لڑکی سے obsessed ہو چکے تھے۔ تم ہمیشہ یہی کرتے ہو۔ ایک چیز کو لے کر obsessed ہو جاتے ہو اور ارد گرد کی چیزیں فراموش کر دیتے ہو۔ ہم نے تمہارا ساتھ دیا جہاں تک دے سکتے تھے۔ لیکن ہمیں ہی تمہیں اس میس سے نکالنا تھا۔ میں بار بار وہاں تمہارے لیے آتا تھا۔''

وہ آزردگی سے مسکرایا۔ ''تمہیں بھی میرا یقین نہیں ہے۔''

''ماہر..... '' بیربل بیزار سا ہوا۔ ''تمہاری لاحاصل تلاش پہ مجھے تین ماہ پہلے تک یقین تھا۔ لیکن تم غلط تھے۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ تم نے صرف وقت ضائع کیا۔ میں اس چیز میں اب تمہاری حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا۔''

لونگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ صرف کچن سے فیضی کی کٹنگ بورڈ پہ کھٹ کھٹ کر کے سبزی کاٹنے کی آواز آنے لگی۔ ماہر کے آتے ہی اپارٹمنٹ سے تمام بیکری آئٹمز غائب ہو چکے تھے اور ان کی جگہ سبز پتوں والی سبزیوں نے لے لی تھی۔

"تمہیں اس کام میں تین ماہ نہیں ضائع کرنے چاہیے تھے۔ جب تمہیں معلوم ہو چکا تھا کہ وہ لڑکی کچھ نہیں جانتی' تو واپس آ جاتے۔ لیکن نہیں۔ تم یہ سب اس لڑکی کو بچانے کے لیے کر رہے تھے۔"

"یعنی تمہیں بھی مجھ پہ یقین نہیں تھا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور قدم قدم چلتا آتش دان تک آیا۔ مینٹل شیلف کے اوپر قطار میں بہت سی خوشبو دار کینڈلز رکھی تھیں۔ چھوٹے بڑے گلاس جارز میں مختلف رنگوں اور خوشبوؤں سے بھری کینڈلز۔

"کیا میں غلط ہوں؟ کیا تم اس لڑکی کو بچانا نہیں چاہتے تھے؟ یا جیسے مالک کہتا ہے.... کیا تم انتقام نہیں لینا چاہتے تھے؟"

"میں اسے بچانا چاہتا تھا' بی۔ اور میں انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ لوں گا۔ کبھی نہ کبھی میں انتقام لوں گا۔" اس نے جیب سے لائٹر نکالا اور اس کا شعلہ جلایا۔

"لیکن ابھی میں صرف ایک وجہ سے یہ سب کر رہا تھا۔ وہ وجہ جو تم میں سے کوئی سننا نہیں چاہتا۔" اس نے لائٹر کے شعلے سے وسط میں رکھی ایک موم بتی کے دھاگے کو سلگایا۔ دھاگے نے فوراً آگ پکڑ لی۔

"ماہر... موو آن کر لو۔ جیسے ہم نے کر لیا۔ کچھ لوگ مر جاتے ہیں۔ اور واپس نہیں آتے۔ کوئی انتقام' کوئی پلان مرے ہوؤں کو واپس نہیں لاتا۔" تلخی سے کہہ کے بیربل اٹھا اور زینے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے پیروں کی دھمک زینے پہ اوپر جاتی محسوس ہوئی اور پھر وہ اپنے کمرے میں گم ہو گیا۔

ماہر نے ایک نظر خالی ونگ چیئرز کو دیکھا اور پھر سیڑھیوں کے ساتھ بنے ایک دروازے کو۔ یہ اس گھر کا تیسرا بیڈروم تھا جہاں کوئی نہیں رہتا تھا۔

موم بتی کی موم پگھل رہی تھی اور سارے میں صندل وڈ کی خوشبو پھیلنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جب سے صفورا اور اس کے کزن کیف سے مل کے آئی تھی' گم صم سی بیٹھی تھی۔ اس کو رونا بھی نہیں آ رہا تھا۔ کہنے کو تو اس نے سارے کنارے ملا لیے تھے لیکن کیا اس کے دل و دماغ کو یقین بھی آ گیا تھا؟

شاید نہیں۔

ابھی وہ دکھ کے پہلے اسٹیج "شاک" میں تھی۔ دماغ شل تھا اور وہ باتیں اندر جذب نہیں ہو رہی تھیں۔ وہ خالی خالی نظروں سے ماں اور معید کو دیکھ رہی تھی جو لاؤنج میں بیٹھے کسی بات پہ ہنس رہے تھے۔ معید سیب کے ٹکڑے کر

کے ماں کو کھلا رہا تھا اور بخت بی ان کی وہیل چیئر کے پیچھے کھڑی ان کے بال برش کر رہی تھیں۔

''میں کہتی تھی بختو ... میرے بالوں میں اتنی خشکی کیوں ہوگئی ہے۔ کڑوے تیل سے بھی نہیں جاتی تھی نہ دہی انڈے سے۔ موا ٹیومر تھا سر میں۔''

معید نے سر پہ ہاتھ مارا۔

''ماں یار کتنی دفعہ بتاؤں... ٹیومر کا سر کی خشکی سے تعلق نہیں ہوتا۔''

''دیکھو میرے بال بھی کتنے گر رہے ہیں آج کل۔ پہلے ایسے نہیں گرتے تھے۔ یقیناً دواؤں کی گرم تاثیر کی وجہ سے۔''

وہ گرے ہوئے بال ہاتھ پہ لپیٹ کے ان کو گولا بنا رہی تھیں۔

معید ہنس دیا۔ ''ماں کوئی چیز گرم یا ٹھنڈی تاثیر کی نہیں ہوتی۔ کتنی دفعہ سمجھاؤں' چیزوں کی مقدار اور استعمال سے گرمائش پیدا....''

''جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ڈاکٹر بنے اور ماں کو ٹوک رہا ہے۔ ہونہہ۔'' ماں نے خفگی سے سر جھٹکا۔ معید جب بھی ان کی گرم یا ٹھنڈی تاثیر کی بات کی تصحیح کرتا تو وہ اسے عاق کرنے تک پہنچ جاتی تھیں۔ معید سر جھٹک کے اٹھ کھڑا ہوا۔ تبھی ماں کو یاد آیا۔

''معید' میرے آپریشن کے دوران سرجن نے تمہیں اندر بلا کے میرا دماغ کھلے ہوئے دکھایا تھا؟''

''جی ماں۔ دکھایا تھا۔''

''اندر کیا تھا؟'' ماں نے دلچسپی سے پوچھا۔ بال برش کرتی بخت بی بھی غور سے سننے لگی۔

''اندر آپ کے خیالات چل پھر رہے تھے۔'' وہ جل کے بولا۔ ''ایک کیڑہ کبیرہ کے نام کا تھا۔ ایک ممانی کے نام کا۔ اور بتاؤں؟''

ماں کا موڈ آف ہوگیا۔ کشن اٹھا کے اسے دے مارا۔

''پرے بدتمیز۔'' معید ہنستے ہوئے ایک طرف ہوگیا اور کشن صوفے پہ بیٹھی مالا کو جا لگا۔

وہ ایک دم چونکی۔ جیسے کسی خواب سے جاگی ہو۔

پھر تیزی سے اٹھ کے کمرے کی طرف بھاگی۔ ماں اور معید نے تعجب سے اسے جاتے دیکھا۔

اسے کیا ہوا؟ لیکن وہ دروازہ بند کر چکی تھی۔

اس کا دکھ شاک سے نکل کے ''انکار'' کے مرحلے میں داخل ہو چکا تھا۔

یہ سب جھوٹ ہے۔صفورا اور کیف جمال جھوٹ بول رہے ہیں۔وہ اندر الماریاں کھولتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔کیف ہی کیف ہے۔وہ میری آنکھوں میں دیکھ کے اتنے دن جھوٹ نہیں بول سکتا۔

ایک پرس کے اندر سے بالآخر اسے وہ مل گیا۔کیف کے اپارٹمنٹ کا کارڈ۔اس نے وقت دیکھا نہ کسی کے سوال کا جواب دیا۔بس لاؤنج میں بیٹھے معید اور ماں کو ''کام سے جا رہی ہوں۔'' کہہ کے باہر نکل گئی۔

اپارٹمنٹ بلڈنگ کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے مالا کے چہرے پہ پریشانی تھی۔

اس کا دکھ انکار سے اگلے مرحلے ''تکلیف اور گلٹ'' میں داخل ہو چکا تھا۔

اگر وہ ماہر فرید تھا' اور کیف جمال نہیں تو اس نے مالا کو کیوں نہیں بتایا؟ کیا وہ اس قابل نہیں تھی کہ کوئی اس پہ بھروسہ کرتا؟ کیا ضروری ہے ہر کوئی اس کو دھوکہ دے؟ ظہیر... کیف... سب اسے ہی کیوں توڑ کے چلے جاتے تھے؟ کیا اس کے ساتھ کوئی مسئلہ تھا؟

وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ میں داخل ہوئی تو باہر شام اتر رہی تھی۔استقبالیہ ڈیسک پہ دو لڑکیاں بیٹھی تھیں۔وہ اسے دیکھ کے مسکرائیں البتہ ایک کی آنکھوں میں سوالیہ نشان تھا۔اس نے مالا کو یہاں پہلی دفعہ دیکھا تھا۔وہ ان سے نظر ملائے بنا سیدھی لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔کارڈ پہ اپارٹمنٹ نمبر درج تھا۔

چند منٹ بعد وہ پانچویں فلور کے اس اپارٹمنٹ کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ کیا کر رہی تھی؟ وہ کس سے ملنے جا رہی تھی؟ کیا وہ وہاں ہوگا؟

مالا نے شل ہوئے دماغ کے ساتھ گھنٹی بجائی۔پھر مٹھیاں بھینچ لیں۔ایک دو تین۔

جواب نہ پا کے اس نے کارڈ اسکینر سے ٹکرایا۔سرخ بتی جلی۔کارڈ دروازہ کھولنے سے قاصر تھا۔

وہ بار بار کارڈ لگانے لگی لیکن سرخ بتی کے ساتھ ٹوں ہوتی۔مسلسل انکار۔

''کیا میں آپ کی ہیلپ کر سکتی ہوں میم؟''

وہ چونک کے مڑی۔پیچھے سے وہی ریسپشنسٹ چلتی آ رہی تھی۔اس نے سی سی ٹی وی میں مالا کو بار بار دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے دیکھ لیا تھا۔

''دروازہ نہیں کھل رہا۔'' کشمالہ جبراً مسکرائی۔

''اوہ۔ماہر صاحب نے چند ہفتے قبل لاک چینج کروا دیا تھا۔''

ماہر۔اس کا سانس رک گیا۔کارڈ والا ہاتھ پہلو میں آن گرا۔

چند لمحے کے لیے وہ بالکل سن رہ گئی۔ پھر غصے کی ایک شدید لہر اس کے اندر اٹھی۔وہ سوائے اس کے ہر ایک کے لیے ماہر تھا۔

''اور کہاں ہے ماہر؟''

''ان کی فلائٹ تھی کل۔ استنبول کی۔ان کا پرنٹر کام نہیں کر رہا تھا سو انہوں نے سفری کاغذات مجھ سے پرنٹ کروائے تھے۔'' ساتھ ہی اس نے وضاحت کی۔

''استنبول۔'' مالا نے ابرو اٹھائی۔انکار کا مرحلہ گزر چکا تھا۔بالآخر صفورا اور کیف جمال کی باتیں اندر جذب ہونے لگی تھیں۔

''کیا آپ یہ دروازہ میرے لیے کھول سکتی ہیں۔ماہر صاحب مجھے جانتے ہیں۔''

لڑکی نے شانے اچکائے۔

''میں ایسے دروازہ نہیں کھول سکتی۔ یہ مالک صاحب کا اپارٹمنٹ ہے۔ مجھے ماہر یا مالک سے پوچھنا پڑے گا۔اگر آپ چاہیں تو میں انہیں ابھی کال کر لیتی ہوں۔''

مالا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اسی سنجیدگی سے بولی۔

''انہیں کال ضرور کریں۔ لیکن اپارٹمنٹ کھلوانے کے لیے نہیں۔ میرا ایک پیغام دینے کے لیے۔'' وہ ایک ایک لفظ پہ زور دے کر کہہ رہی تھی۔

''ماہر فرید سے کہنا' کشمالہ مبین آئی تھی۔ بس اتنا کافی ہے۔''

کارڈ وہیں پھینکا اور تیز قدموں سے لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔ ریسپشنسٹ نے آرام سے اسے جاتے دیکھا اور شانے اچکا دیے۔

امراء کے ان اپارٹمنٹس میں ایسے قصے عام تھے۔ مرد اپنی گرل فرینڈز کو اپارٹمنٹ لے کر دے دیتے اور ان سے ملنے آتے رہتے۔ پھر کسی دن اچانک سے بیوی آ کے اپارٹمنٹ کھلوانے اور فساد برپا کرنے کی دھمکیاں دیتی تھی۔ چونکہ اس اپارٹمنٹ میں کوئی عورت نہیں رہتی تھی' اس لیے اسے کسی ہنگامے کی توقع نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی ان کا عملہ اس امر میں تربیت یافتہ تھا۔اس کے جاتے ہی ریسپشنسٹ نیچے آئی اور فون کا ریسیور اٹھایا۔

''عبد المالک فرید کو کال ملائیں۔'' وہ عام سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

انکار کے بعد غصے کی باری تھی۔ یہ دکھ کا تیسرا اسٹیج تھا۔

گھر کی طرف ڈرائیو کرتے ہوئے اس کے ہاتھ غصے سے کپکپا رہے تھے۔

یہ سب کیسے ہو گیا اس کے ساتھ؟ وہ اس کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اس نے کیسے اسے اتنا بڑا دھوکہ دے دیا؟ ساتھ ہی وہ بار بار اپنا فون بھی چیک کر رہی تھی۔ شاید وہ میسج کر دے۔ شاید وہ کال کر لے اور اسے بتا دے کہ وہ سب ایک غلط فہمی ہے۔ اسے "سودے بازی" کا مرحلہ کہتے ہیں جو غصے کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔ کچھ ایسا معجزانہ ہو جائے جو یہ ثابت کر دے کہ ماہر فرید کوئی نہیں تھا۔ وہ کیف جمال ہی تھا۔ گھنی دھوپ میں ہمیشہ اس کا سایہ بننے والا۔ نہ کہ پیروں تلے سے زمین کھینچنے والا۔

کمرے میں آ کے اس نے دروازہ بند کیا اور وہیں زمین پہ بیٹھتی گئی۔

ایک دم سے آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا بہہ نکلا۔ آنسوؤں کو بالآخر یقین آ گیا تھا کہ ان کی منزل باہر بہہ جانے میں تھی۔ وہ نکلے اور پھر نہیں رکے۔ وہ وہیں بیٹھ کے رونے لگی۔

انکار، غصہ، سودے بازی.... سب آنسوؤں میں بہہ گیا۔ اور اب سب سے طویل مرحلہ شروع ہونا تھا۔

ڈپریشن اور درد کا مرحلہ۔

یہ تم نے کیا کیا کیف؟ میری آنکھوں میں دیکھ کے تم اتنے عرصے تک جھوٹ بولتے رہے۔ یہ تم نے کیسے کر لیا؟ کتنا پتھر دل تھا تمہارا؟ وہ بار بار کیف کو مخاطب کر رہی تھی۔

وہ کہیں بھی نہیں تھا۔

اور وہ ہر جگہ تھا۔

یہ ایسا دکھ جو اندر سے کاٹتا تھا۔ روح ایسی چھلنی ہوئی کہ اسے لگا وہ اپنے پیروں پہ کھڑی نہیں ہو سکے گی۔

جانے کب وہ روتے روتے بیڈ پہ جا کے لیٹ گئی اور منہ سر لپیٹ لیا۔

جب جاگی تو جسم بخار میں پھنک رہا تھا اور معید اسے ڈرپ لگا رہا تھا۔ وہ کینولے کی سوئی کی تکلیف سے جاگی تھی۔ سر بھاری ہو رہا تھا اور جسم میں جان نہیں تھی۔

"مالا... کیا ہوا ہے؟" وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے ایک نظر بازو میں پیوست سوئی کو دیکھا اور دوسری نظر اوپر اسٹینڈ پہ لگی ڈرپ پہ ڈالی۔ آنکھیں ابھی تک بھیگی ہوئی تھیں۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ بس کروٹ کے بل لیٹے لیٹے وہ رونے لگی۔ ایک دم زور زور سے۔

ماں اس کے ساتھ لیٹی ہوئی تھیں۔ کروٹ اس کی طرف موڑے۔ وہ پیار سے اس کا کندھا تھپکنے لگیں۔

''میری پیاری بیٹی۔ میری بہادر بیٹی۔ نہ روؤ۔ اب تو میں ٹھیک ہوں۔''

مالا مزید اونچی آواز سے رونے لگی۔

''بیٹے میں ٹھیک ہوں اب۔'' ماں کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ معید بھی یہی سمجھا کہ وہ ماں کے لیے پریشان ہے۔

''مالا' ماں ٹھیک ہیں۔ تم کیوں پریشان ہوتی ہو؟''

مگر اس نے جواب نہیں دیا۔ وہ اونچا اونچا رو رہی تھی۔ جیسے بچے روتے ہیں۔ اور بچے ایسے اس لیے روتے ہیں کہ وہ تکلیف کو سمجھ نہیں پاتے نہ اپنے احساسات کو۔ جب وہ کسی سچوئیشن کو ڈیل نہ کر سکیں تو رونے لگ جاتے ہیں۔ جیسے رو کے وہ اپنے مسئلے فکس کر لیں گے۔ اور پھر رو رو کے وہ سو جاتے ہیں اور جب جاگتے ہیں تو ان کو اپنا مسئلہ بھول چکا ہوتا ہے۔

لیکن وہ بچہ نہیں تھی۔ وہ رو رو کے دوبارہ سو گئی تھی۔ اور جب جاگی تو اس کو اپنا مسئلہ نہیں بھولا تھا۔ اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ اور ہونٹ خاموش تھے۔ لیکن دل... دل میں ایک کرب' ایک تکلیف کا بیج جڑ پکڑ چکا تھا۔ اور کشمالہ جانتی تھی کہ اب وہ ساری زندگی اس کرب سے پیچھا نہیں چھڑا سکے گی۔ وہ کسی پہ اعتبار نہیں کر سکے گی۔ مکمل اعتبار۔ اور وہ کسی سے اتنی نفرت نہیں کر سکے گی جتنی اسے ماہر فرید سے محسوس ہوتی تھی۔

جب کوئی انسان دھوکہ کھاتا ہے' تو اس کا اعتبار صرف دھوکے باز سے نہیں ہٹ جاتا۔ بلکہ وہ اگلے ملنے والے ہر انسان کے لیے ڈیمج (مسخ) ہو جاتا ہے۔

ماہر فرید نے اسے ڈیمج کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر رائد کے اسلامک سینٹر میں اس روز ماہی نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ان سے ایک طویل گفتگو کرنے دوبارہ ضرور آئے گی۔

لیکن وہ نہیں جا سکی۔

ڈاکٹر رائد نے اسے جو مسنون دعاؤں اور کلمات کی کاپی تھمائی تھی' وہ اس کو اگلے چند دن پڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ ماں ٹھیک ہونے لگیں اور ماہ بینہ کو لگا کہ اسے جادو اور جنات کے معاملے میں مزید نہیں پڑنا چاہیے۔ اس کو اس

سب کونظر انداز کر دینا چاہیے۔ زیادہ وہم بھی اچھا نہیں ہوتا تھا۔ جتنا زیادہ وہ جادو اور جنات کے بارے میں سوچتی' اتنا اسے اندھیرے سے خوف آتا۔

دوسری طرف ماں تندرست ہو رہی تھیں۔ روزان سے ویڈیو کال ہو جاتی تھی۔ خود اس کی حالت بھی بہتر تھی۔ اور اسے لگ رہا تھا کہ اب سب ٹھیک ہو رہا ہے۔

آہستہ آہستہ وہ جو روز رقیہ شرعیہ (رسول اللہ ﷺ کا بیان کردہ مسنون دم جو قرآنی آیات کا مجموعہ ہے اور جسے منزل بھی کہتے ہیں) کا اہتمام کرتی تھی' اس میں دھیرے دھیرے ناغہ ہونے لگا۔ کبھی ایک دن سستی میں چھوڑ دیا۔ اور کبھی بھول گئی۔

یہاں تک کہ جولائی کی ایک صبح ماہی اس حالت میں اٹھی کہ اس کی کمر میں شدید درد ہو رہا تھا۔ وہ درد کے باوجود کوڑے کے تھیلے اٹھائے گھر سے باہر آئی تاکہ انہیں ڈمپ کر سکے کیونکہ آج کوڑے والے نے آنا تھا۔ وہ رات کوڑا باہر نہیں رکھتی تھی ورنہ رکون (ایک جانور) آ کے سارے تھیلے پھاڑ دیتے تھے۔

وہ جیسے ہی باہر نکلی' آسمان سے خون کے چند قطرے اس کے اوپر گرے۔ ماہی نے چونک کے سر اٹھایا۔ اس کے چہرے' کندھوں اور بازوؤں پہ سرخ پتلا کیا گیا خون جگمگا رہا تھا۔

اور گھر کے سامنے بغیر کسی قدرتی وجہ کے پانی پڑا تھا۔

''اللہ لاالہ الاھو الحی القیوم۔'' منہ سے بے اختیار آیت الکرسی نکلی۔ قرآن کی سب سے بڑی آیت۔ اس سے بڑا کچھ نہ تھا۔ لیکن پھر بھی... خوف.... پریشانی.... اور دل ڈوبنے کا احساس اسے اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔

کبیرہ تائی اور ان کے جادو ٹونے اس کا پیچھا نہیں چھوڑنے والے۔ اسے اس معاملے کو ہلکا نہیں لینا چاہیے۔

دو روز بعد وہ وین کوور میں ڈاکٹر رائد کے اسلامک سینٹر کے باہر موجود تھی۔ اندر بیٹھنے کی بجائے وہ باہر پارک میں ایک سنگی بنچ پہ بیٹھی تھی۔ عباد آج اس کے ساتھ آیا تھا۔ ان دونوں کے سامنے ڈاکٹر رائد بیٹھے ان کے سوالات کے جواب دے رہے تھے۔ ماہی کا سلک اسکارف میں لپٹا گول چہرہ بجھا ہوا دکھائی دیتا تھا۔

''کیا یہ جادو کبھی پیچھا چھوڑیں گے؟'' اس نے پارک کے گھاس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ قریب میں ایک آدمی اپنے کتے کو واک کروا رہا تھا۔ ایک طرف ایک بچہ اپنی ماں کی انگلی پکڑے چل رہا تھا۔

''پیچھا تو بیماریاں بھی نہیں چھوڑتیں۔ ہو کے رہتی ہیں۔ یہ سب نصیب کی باتیں ہیں۔''

ماہی نے الجھن سے انہیں دیکھا۔

''اتنا آسان ہے کیا کسی پہ جادو کرنا؟''

''ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان جن پیدا ہوتا ہے جو موت تک اس کے ساتھ رہتا ہے۔'' وہ اسے وہ بات بتانے لگے جو وہ پہلے سے جانتی تھی لیکن تحمل سے سنے گئی۔ عباد اس گفتگو سے ناخوش نظر آتا تھا۔ اسے ہمیشہ لگتا تھا کہ ماہی اس بارے میں کچھ زیادہ ہی وہم کرتی تھی۔

''صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پیدا ہونے والا شیطان مسلمان ہو گیا تھا۔ باقی ہم سب کے ساتھ جو شیطان موجود ہے وہ کافر ہی ہے۔ وہ آپ کے دل میں منفی خیالات ڈالتا ہے۔ نماز سے توجہ بھٹکاتا ہے۔ اور وہ آپ کی ساری زندگی کی کہانی کا گواہ ہوتا ہے۔''

''شیخ....'' عباد کھنکھارا۔ ''یہ پہلے ہی ڈرتی ہے۔ آپ اسے مزید ڈرا رہے ہیں۔''

ماہی نے چہرہ موڑ کے عباد کو سر سے پیر تک گھورا۔

''ابھی وہ انسان پیدا نہیں ہوا جس سے ماہی ڈرتی ہو۔''

''میں جنات کی بات کر رہا ہوں' میڈم۔'' عباد نے جتا کے کہا تو ماہی نے نظریں پھیر لی۔

''ان کی الگ بات ہے۔ اچھا۔'' وہ دھیمی ہوئی۔

ڈاکٹر رائد مسکرا دیے اور بات جاری رکھی۔

''انسان کے ساتھ موجود جن انسان کو ہر وقت دیکھتا ہے۔ جب انسان لباس اتارتا ہے تو فرشتے حیا کر کے رخصت ہو جاتے ہیں۔ لیکن آپ کا ہمزاد جن وہیں رہتا ہے۔ اس لیے باتھ روم میں بولنا منع ہے۔ یعنی باتھ روم میں آپ کو موبائل تک نہیں استعمال کرنا چاہیے اور جلدی باہر آنا چاہیے کیونکہ ایسی جگہوں پہ شیاطین ہوتے ہیں۔ وہ آپ کو وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے آپ کو معلوم نہیں ہوتا۔ جو لوگ جتنا زیادہ وقت باتھ رومز میں گزارتے ہیں' ان پہ اتنی جلدی جنات کے اثرات ہوتے ہیں۔''

''یعنی گندگی جادو کی طرف لے کر جاتی ہے؟'' وہ یہ سب جانتی تھی لیکن دہرا رہی تھی۔ عرصہ پہلے کی سمجھی ہوئی باتیں اب بھولنے لگی تھیں۔

''بالکل۔ جب کوئی انسان جادو سیکھتا ہے تو سب سے پہلے وہ گندگی اور بدبو کے قریب رہنے لگتا ہے۔ اسے گندے کام کرنے پڑتے ہیں تاکہ برے جنات اس کی طرف متوجہ ہوں۔ پھر وہ چلے کاٹتا ہے اور ان جنات کو قابو

کرتا ہے۔ جادوگر یا عامل جنات کو دو چیزوں سے ڈراتا ہے۔ کہ وہ ان کا رزق روک دے گا۔ اور وہ ان کو مار دے گا۔ کمزور ایمان والے جنات اس کے قابو میں آجاتے ہیں۔''

''بس اتنی سی بات پہ؟''

''جنات آپ کی طرح سمجھدار اور ذہین نہیں ہوتے' ماہ بینہ۔ وہ ایک کمتر آئی کیو والی مخلوق ہیں۔ ان کے پاس انسان جیسی عقل ہے نہ وژن۔ وہ بے وقوف ہوتے ہیں۔ ڈر جاتے ہیں۔ اور عاملین کے چنگل میں پھنس جاتے ہیں۔ سوائے ان جنات کے جو مسلمان ہیں اور جن کو یہ ایمان ہے کہ ان کا رزق اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

''جیسے کچھ کمزور انسان مافیا کے ہاتھوں میں پھنس جاتے ہیں اور بلیک میل ہوتے ہیں۔'' عباد سمجھ کے کہنے لگا۔

''جی۔ اور پھر عامل اس جن سے کام لینے لگتا ہے۔ مثلاً اسے آپ پہ جادو کرنا ہے۔'' انہوں نے ماہی کی طرف اشارہ کیا۔

ماہی نے تھوک نگلا۔ (میری مثال ضرور دینی تھی۔) مگر ڈاکٹر رائد بے خبر سے کہہ رہے تھے۔

''ایسے میں عامل اپنے قیدی جن (موکل) سے کہے گا کہ ماہ بینہ کے ہمزاد جن سے پوچھو اس کے بارے میں۔ اب آپ کا ہمزاد جن اپنے جن بھائی کو ہر پوچھی گئی بات بتا دے گا۔ اور پھر موکل آپ کے ہمزاد کے ذریعے آپ کو تکلیف پہنچانا شروع کرے گا۔ اس تکلیف کو جادو کہتے ہیں۔ جادو کروانے کے لیے عامل کو کئی ماہ منتر پڑھنے پڑتے ہیں۔ اور پھر یہ موکل پہ بھی منحصر ہے کہ وہ کتنا اسمارٹ ہے۔''

''جیسے کرائے کے قاتل جتنے اسمارٹ ہوں اتنی صفائی سے کام کرتے ہیں۔'' عباد سمجھ رہا تھا۔

''بالکل۔ موکل بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ کچھ بے وقوف ہوتے ہیں۔ عامل کہے کہ فلاں کی بہو بولتی بہت ہے' کچھ ایسا کرو کہ ساس کے سامنے زبان نہ چلائے تو موکل اس کا ایکسیڈنٹ کروا کے اسے گونگا کر دیتے ہیں۔ انہیں زبان نہ چلانے کا مطلب سمجھ نہیں آتا۔ لیکن کچھ بہت اسمارٹ ہوتے ہیں۔ وہ کئی سو برس سے جی رہے ہوتے ہیں۔ انہیں عامل ایک دفعہ کسی انسان کے پیچھے لگا دے تو بھلے عامل کا کلائنٹ فیس ادا کرنا چھوڑ بھی دے' وہ اسمارٹ جن اس انسان کے پیچھے پڑ جاتا ہے اور اس پہ نئے نئے تجربے کرتا ہے۔ لیکن.....''

اور وہ سانس روکے اسی لیکن کا انتظار کر رہی تھی۔

''آپ کا ہمزاد آپ پہ جادو تب کر سکتا ہے جب آپ اس کو موقع دیں۔''

''یعنی؟''

''اگر آپ رسول اللہ ﷺ کی بتائی گئی چند دعائیں پڑھ لیں۔ جیسے گھر سے نکلنے اور گھر میں داخل ہونے کی دعا' باتھ روم جانے اور نکلنے کی دعا اور میاں بیوی کی خلوت میں پڑھی جانے والی دعا' تو آپ کے ہمزاد کا منہ بند ہو جاتا ہے۔ جیسے کسی نے سی دیا ہو۔ اور وہ کسی عامل یا موکل کو آپ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔''

ماہی نے گہری سانس لی۔ گویا ایک بھاری سل سینے سے ہٹی۔ اس تاریک سرنگ کے آخر میں روشنی کی کرن تھی۔ امید تھی۔

''بس اتنی سی چیز ہمیں جادو سے محفوظ رکھ سکتی ہے؟''

''یہ اتنی سی چیز نہیں ہے۔ یہ اہم کام ہیں۔ گھر سے نکلنا' گھر میں آنا' باتھ روم سے نکلنا اور جانا' میاں بیوی کا ایک دوسرے سے ملنا' ان اہم کاموں کو کرتے وقت آپ نے اللہ کا نام لیا یعنی اللہ کی پناہ طلب کر لی۔ فجر اور مغرب کے وقت آیت الکرسی پڑھ لی۔ صبح شام کی دعائیں پڑھ لیں۔ رقیہ شرعیہ روز باقاعدگی سے پڑھ لی۔ تو سمجھیں آپ نے اللہ کی پناہ طلب کر لی۔ وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر جاندار کا دل ہے۔ جب اس کی پناہ مانگ لی تو وہ پناہ کیوں نہیں دے گا؟''

''اور نظر بد۔ وہ بھی تو لگ جاتی ہے۔ انسٹا پہ ایک تصویر پوسٹ کرو تو نظر لگ جاتی ہے۔ کیا کریں؟''

''اپنی نعمت کو دیکھ کے ماشاءاللہ لاقوۃ الا باللہ پڑھ لیں۔ نظر نہیں لگے گی۔''

''میں نے کئی دفعہ ماشاءاللہ پڑھا ہے۔ پھر بھی لگی ہے۔'' وہ مصر تھی۔ اسے نظر سے ہمیشہ خوف آتا تھا۔

''ماشاءاللہ پڑھنے کے باوجود اگر مصیبت آتی ہے تو جان لیں کہ وہ مصیبت آپ کے نصیب میں لکھ دی گئی تھی۔ اس کا وقت' جگہ' سب لکھا ہوا تھا۔ آپ نے صرف اس کا حل نکالنا ہے۔ ہر چیز کو نظر نہ سمجھا کریں۔ نظر بالکل لگتی ہے اور جادو بھی ہوتا ہے۔ لیکن نظر سب کچھ نہیں ہے۔ جادو سب کچھ نہیں ہے۔ یہ چیزیں تب اثر کرتی ہیں جب اللہ اجازت دے۔ اپنا معاملہ اللہ سے درست رکھیں تو وہ ان چیزوں کو آپ پہ اثر انداز ہونے کی اجازت نہیں دے گا۔''

پارک میں ٹھنڈی ہوا چلنے لگی۔ اس میں موسم گرما کے پھولوں کی مہک بھی تھی۔ اور امید کی خوشبو بھی۔

''اور اگر....'' ماہی نے پلکیں جھکائیں۔ ''میں دعاؤں کا ناغہ کرنے لگوں اور جادو میری زندگی میں جگہ بنانے لگے.... تو کیا کروں؟''

''ایسے میں آپ کو اپنے آپ سے جادو اتارنا ہوگا۔ اس کا علاج کرنا ہوگا۔''

''اور جادو کا علاج کیسے ہوتا ہے؟'' ماہی نے کہتے ہوئے گود میں رکھے ہاتھ کو بے اختیار اپنے معدے سے نیچے

رکھا۔

اس کے ہاتھ کے پار ایک زندگی سانس لے رہی تھی۔

یہ اس قید خانے میں سانس لینے والی پہلی زندگی نہیں تھی۔

یہ ماہی کا پہلا بچہ نہیں تھا۔

"میں اپنے اوپر سے جادو کیسے اتاروں؟"

ڈاکٹر رائد نے گہری سانس لی۔

عباد اور ماہ بینہ جواب کے منتظر تھے۔ یہ سوال ان کے لیے بہت اہم تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ سادان کے آفس میں اس وقت تناؤ پھیلا تھی۔ کبیرہ اپنی اونچی کرسی پہ بیٹھے' پین کا بٹن نیچے اوپر کر رہی تھیں۔ پین کی کلک کلک خاموشی میں دراڑ ڈال رہی تھی۔ وہ زرد رنگ کے کافتان میں ملبوس تھیں۔ بوائے کٹ بال۔ کانوں میں دمکتے موتی۔ گردن میں ہیروں کی لڑی۔ خوب کالی کر کے بنائی گئی اسموکی آئیز جن میں سارے زمانے کی ناراضی بھری تھی۔

کبیرہ ناخوش تھیں۔ اور برہم بھی۔

"نگینہ کی ایک رشتے دار مجھے بتا رہی تھی کہ زیادا ور کشمالہ کا رشتہ طے ہونے والا ہے۔"

میز کے اس پار بیٹھی مہمان خاتون نے افسردگی سے اطلاع دی۔ مہمان بھورے سنہرے سیدھے بالوں والی ان کی ہم عمر خاتون تھی جس نے لان کا کامدار جوڑا اور گردن میں قیمتی پتھروں کی مالا پہن رکھی تھی۔ کوچ کا برانڈڈ بیگ میز پہ رکھا تھا۔ ساتھ کافی اور سینڈوچ بھی رکھے تھے جنہیں دونوں خواتین نے نہیں چھوا تھا۔

"کیا کروں میں اس نگینہ کا؟ وہ پیٹر مسیح تو اب کسی کام کا نہیں رہا۔" کبیرہ نے زور سے پین کی نب ٹیبل میٹ میں گاڑھ دی۔ آنکھوں سے شرارے چھوٹ رہے تھے۔

"زیاد کا رشتہ عنایہ سے ہونا چاہیے تھا لیکن نہیں۔ جو کام کروانا چاہوں' حور جہاں کی بیٹیاں درمیان میں آ جاتی ہیں۔ اوپر سے.... وہ تندرست ہو رہی ہے۔" اس کی آواز آہستہ ہوئی۔

مہمان فرزین بیگم نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔ "اتنے سخت جادو کے باوجود؟"

"وہی تو نہیں سمجھ میں آ رہا۔ ماہی کا بچہ بھی ہونے والا ہے۔ ڈھائی ماہ رہ گئے ہیں۔ اب کیا خاک مس کیرج ہوگا

اس کا؟"

فرزین بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "پیٹر مسیح کے پاس کوئی تو حل ہوگا۔"

"کہتا ہے نگینہ اور ماہی دونوں پہ اس کا جادو نہیں چل رہا۔ کیونکہ وہ پڑھائی بہت کرتی ہیں۔"

"کبیرہ...." فرزین کھنکھاریں۔ "کیا ضروری ہے کہ تم زیاد کو ہی اپنا داماد بناؤ؟ اور بھی اچھے لڑکے...."

"مجھے زیاد ہی چاہیے۔" وہ ایک دم پھنکاری۔ حسد اور نفرت سے اس کی آنکھیں سلگنے لگیں۔ "اب زیاد میری ضد ہے۔ ہر وہ لڑکا جس کو میں داماد بنانا چاہتی ہوں اُسے حورِ جہاں کی بیٹی نہیں اڑا سکتی۔ حد ہوتی ہے ناانصافی کی۔"

خاموشی ایک دفعہ پھر سے چھا گئی۔ کبیرہ اب سامنے خلاء میں دیکھتی کچھ سوچ رہی تھیں۔

"یہ نگینہ راستے سے ہٹ جائے .... بیمار وغیرہ پڑ جائے... تو یہ معاملہ ٹل جائے گا۔"

"یہی بتانے آئی ہوں۔" فرزین کے لہجے میں کچھ تھا۔ "ایک راستہ ہے۔"

"کیا؟" کبیرہ چونکیں۔

"نصرت آپا نے کچھ دن پہلے اپنے بیٹے کی طلاق کروائی ہے۔ جانتی ہو کیسے؟"

کبیرہ کی آنکھوں میں چمک اتر آئی۔ وہ سانس روکے آگے کو ہوئی۔ پین چھوڑ دیا۔

"کیسے نہیں.... کس سے؟" وہ ہلکی سی مسکرائیں۔

فرزین بھی مسکرائیں۔

"واہگہ بارڈر کے قریب ایک عامل ہے۔ بہت پہنچا ہوا ہے۔ مسلمان ہے اور اس کی پاور بہت زیادہ ہے۔"

(پاور کا لفظ جادوگر اور عاملین اپنے جادو کی طاقت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ جتنے کامیاب جادو کرواتے ہیں مثلاً طلاقیں، اتنی ان کی پاور بڑھتی ہے اور ہر اگلا جادو جلد اثر کرتا ہے۔)

"نصرت آپا کی بہو بھی بہت پڑھائیاں کرتی تھی۔ حافظ قرآن تھی۔ لیکن انہوں نے ایک ہفتے میں اس پہ ایسا عمل کروایا کہ بیٹے نے تین طلاقیں لکھ دیں۔ یہ پیٹر مسیح جیسے مہینوں پڑھائی کرنے والے لوگ آؤٹ ڈیٹڈ ہیں' کبیرہ۔ ان سے بہتر بندہ مل گیا ہے ہمیں۔ اس کے پاس کوئی بہت شاطر سا موکل (جن) ہے جو سینکڑوں سال سے جادو کرتا آرہا ہے۔ ہفتے میں کام کروا دیتا ہے۔"

کبیرہ کا چہرہ جوش سے تمتمانے لگا۔ "مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

''ایسے کیسے؟ پہلے اپائنٹمنٹ لینی پڑتی ہے۔'' فرزین نے آنکھیں گھمائیں اور موبائل نکالا۔'' اگلے ہفتے کی لے لیتی ہوں۔ ہر ایک سے نہیں ملتا وہ۔ اور ایسے جلدی جلدی عمل کرتا ہے کہ بس۔ ہاں پیسے بہت لے گا لیکن تم اس کے پاس جاؤ اور پھر دیکھو۔ تمہاری دشمن کی دونوں بیٹیوں کو ایک ہفتے میں نہ اجاڑ دے تو جو چور کی سزا وہ میری سزا۔''

فرزین موبائل کے بٹن دباتی مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھی۔

وہ بریگیڈیئر کی بیوی تھی۔ اور اس کے پاس پیسے کی فراوانی تھی۔

انسان پیسہ کماتا ہے اچھا کھانے کے لیے۔

جب اچھا کھانا افورڈ کر سکے تو وہ اچھا پہننا چاہتا ہے۔

جب یہ بھی ہو جائے تو وہ اپنا فون اور پھر اپنی سواری اپ گریڈ کرتا ہے۔

اس کے بعد وہ اپنی رہائش کو خوبصورت بناتا ہے۔

یہ بھی ہو جائے تو وہ دنیا گھومتا ہے۔

فرزین اور کبیرہ کے پاس اتنا پیسہ تھا کہ وہ دنیا گھوم چکی تھیں۔

اس کے بعد اگلا مرحلہ ہوتا ہے طاقت حاصل کرنے کا۔

کچھ لوگ ہر شے پانے کے بعد انسانیت کو اپنی طاقت بناتے ہیں اور سوشل ورک کرنے لگتے ہیں۔ کچھ اپنی روح کو طاقتور کرنے کے لیے دین کی طرف نکل پڑتے ہیں۔ اور کچھ طاقت کے لیے سیاست کا رخ کرتے ہیں۔

جو یہ سب نہ کرنا چاہیں، وہ دوسروں کی زندگیوں کو اپنی طاقت سے کنٹرول کرنا چاہتے ہیں۔

اور عاملوں کا کاروبار یہی لوگ چمکاتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(ترابیہ) سریار میں واقعہ ماہر فرید کے ڈوپلیکس اپارٹمنٹ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پہ بیشکتاش کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ بیشکتاش اپنے فٹبال کلب کے لیے دنیا بھر میں مشہور ہے۔ لیکن استنبول کے لوگوں میں یہ اپنے کاروباری مراکز کے لیے معروف ہے۔ یہاں صبح جلد ہوتی ہے اور رات دیر سے۔

بیشکتاش میں لیونت نامی علاقہ شہر کا پریمیم بزنس ہب ہے۔ یہاں سڑک کنارے اونچی نیچی عمارتیں اور شاپنگ پلازے بنے ہیں۔ ہر کارنر پہ ایک کافی شاپ ہے جہاں سے کافی کے بھرے ہوئے کپ لیے بغیر لوگ اپنے کام کی طرف رخ نہیں کرتے۔

اس صبح بھی بہت سے لوگ بھاپ اڑاتی کافی پکڑے شاپ سے نکل رہے تھے۔ شبنم بھی ان میں سے ایک تھی۔

شبنم دبلی پتلی سی پستہ قد لڑکی تھی۔ بال کس کے جوڑے میں بندھے تھے اور آنکھوں پہ بڑا سا چشمہ لگا تھا۔ کافی کپ لیے وہ شاپ سے نکلی اور سڑک پار کرنے لگی۔ اس نے سیاہ بلاک ہیلز پہن رکھی تھیں اور کندھوں پہ بیک پیک تھا۔

سڑک پار کر کے وہ ایک گھنے درختوں سے ڈھکی اسٹریٹ کی طرف چل دی۔ مین روڈ پہ بنے کاروباری مراکز پیچھے رہ گئے۔

یہ قدرے پرسکون علاقہ تھا۔ یہاں گھنے درخت تھے اور اونچی چار دیواری میں بنے ولاز۔ یہ بظاہر رہائشی کالونی لگتی تھی لیکن دراصل یہ سب کاروباری مراکز تھے۔ ان کے مالکان نے کمرشل آفس لینے کے بجائے خاموش اور پرائیوٹ ولاز کو ترجیح دی تھی۔

چند سر سبز گلیاں عبور کر کے وہ تقریباً آٹھ منٹ میں ایک ولا کے سلاخ دار سیاہ گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔ واچ مین نے اسے دیکھتے ہی گیٹ کا بٹن دبایا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ شبنم نے ایک مسکراہٹ اس کی طرف اچھالی لیکن اس نے منہ پھیر لیا۔ اس کا موڈ اچھا نہیں تھا۔ آج کسی کا بھی نہیں ہونا تھا۔

ولا چار منزلہ تھا اور اس کے داخلی دروازے پہ بڑا بڑا ''کیف'' لکھا تھا۔ ایسے کہ انگریزی حرف اے کی درمیانی ڈنڈی غائب تھی اور وہ الٹا وی لگتا تھا۔

مستطیل سرمئی ولا کے ہر آفس میں ایک بڑی کھڑکی نظر آ رہی تھی۔ باہر اسٹریٹ سر سبز تھی لیکن ولا کی چار دیواری کے اندر نہ کوئی درخت تھا نہ پودا۔ محض سرمئی دیواریں تھیں اور سرمئی فرش۔ ٹھنڈا اور بے حس۔

شبنم مسکراتے ہوئے آفس کے داخلی دروازے تک آئی تو شیشے کے دروازے خود بخود کھل گئے۔ سامنے چمکتی ہوئی ریسپشن نظر آئی جو سفید اور سیاہ رنگ میں بنی تھی۔

مرمریں ڈیسک کے پیچھے بیٹھی لڑکی شبنم کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''شبنم... میں روز ساڑھے آٹھ بجے آتی تھی۔ آج ساڑھے سات کیوں آئی ہوں؟'' ترکش ریسپشنسٹ ناخوشی سے شکایت کر رہی تھی۔

اس کے شکایتی لہجے کا چھوٹی سی شبنم پہ کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ مسکرا کے آگے آئی اور ایک کہنی ڈیسک پہ رکھی۔ دوسرے ہاتھ میں کافی کپ تھا۔

''کیونکہ آج ہمارا باس واپس آرہا ہے سیلین۔ تم پہلی دفعہ اس سے ملوگی۔''

سیلین کو یہ نوکری کرتے ہوئے ایک ماہ ہوا تھا۔ ابھی تک اس کی باس سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔

''لیونت میں ساڑھے سات بجے اپنا آفس کون کھولتا ہے شبنم؟'' وہ منہ بسورے بولی۔

''وہ فارنرز جن کے پاس ڈالرز ہوں۔'' شبنم نے یاد کروایا۔

''ہونہہ۔'' سیلن نے ناک سے مکھی اڑائی۔ ترکش مڈل کلاس کی طرح فارنرز کی نوکری کی اسے بھی ضرورت تھی۔ وہ ملک میں پیسہ لاتے تھے ترکش لوگوں سے کہیں زیادہ پروفیشنل ہوتے تھے اور بہتر تنخواہ دیتے تھے۔ ورنہ ترکی کی گرتی ہوئی اکانومی اور بڑھتی مہنگائی میں لوکل بزنس کی نوکری کرنے سے گھر نہیں چلتے تھے۔

''تم بہت خوش نظر آرہی ہو۔'' سیلین نے مشکوک نظروں سے شبنم کو دیکھا۔ ''حالانکہ باقی سب چڑچڑے اور ناخوش لگ رہے ہیں۔''

''کیونکہ ماہر بے کے آنے کے بعد سب کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے۔'' شبنم نے عینک کے پیچھے سے آنکھیں گھمائیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ وہ دونوں ریسپشن ڈیسک پہ سر ایک دوسرے کی طرف جھکائے کھڑی سرگوشیوں میں بات کر رہی تھیں۔

''ماہر اس شرکت (کمپنی) کا فاؤنڈنگ پارٹنر ہے نا؟''

''ہاں۔ وہ چیف آف دی ڈیزائن ہے۔ یعنی ڈیزائن پارٹنر۔ اور اس کی کزن زارینہ کمپنی کی مینیجنگ پارٹنر ہیں۔ وہ بزنس سائیڈ کو دیکھتی ہیں۔ اور ماہر ڈیزائن کو۔'' وہ اپنے باس کا ذکر بہت فخر سے کرتی تھی۔

''میں نے سنا ہے اس کے پاس بہت پیسہ ہے۔ پھر اس نے لندن چھوڑ کے اس ملک میں کمپنی کیوں بنائی جو....'' سیلین نے آنکھیں گھما کے اطراف میں دیکھا۔ ''مسلسل ڈوب رہی ہے۔''

شبنم نے شانے اچکا دیے اور کافی کا گھونٹ بھرا۔ ''یہ تو مجھے نہیں معلوم' لیکن کیف کبھی نہ کبھی اپنے پیروں پہ ضرور کھڑی ہوگا۔'' وہ فخر سے بولی۔ ''اور آج کل جس عمارت کے ڈیزائن پہ ماہر کام کر رہا ہے' وہ قطر کے ایک بینک کی عمارت ہے۔ اگر ہمیں یہ پروجیکٹ مل گیا' تو دیکھنا' کیف اٹھ جائے گا۔''

''لیکن باس تو تین مہینے سے آفس میں نہیں تھا۔ وہ کام کیسے کر رہا تھا؟''

''آہ سیلین....'' شبنم نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''اسی لیے تمہیں کوئی ریسپشنسٹ سے اوپر کی نوکری نہیں دیتا۔ آرکیٹیکٹس گرافک ٹیبلیٹس پہ کام کرتے ہیں۔ انہیں کام کرنے کے لیے ایک ساتھ ہونے کی ضرورت نہیں

ہوتی۔ ماہر کے ساتھ کیف کے نو آرکیٹیکٹ ایک ہی عمارت پہ کام کر رہے تھے۔ وہ دن میں گھنٹوں زوم میٹنگز کے ذریعے ساتھ کام کرتے تھے۔ ماہر کی یہ عادت ہے۔ وہ کنیٹیکسچوئل آرکیٹیکٹ ہے۔ جب اسے کوئی ماسٹر پیس بنانا ہوتا ہے تو وہ کہیں دور جا کے خاموشی سے کام کرتا ہے۔"

"تمہاری باتوں سے تو وہ محنتی سا باس لگتا ہے۔ لیکن ہر کوئی اسے ناپسند کیوں کرتا ہے؟"

"ارے نہیں۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم اسے ناپسند نہیں کرتے۔" شبنم آگے ہوئی اور مسکرائی۔ "ہم سب اس سے نفرت کرتے ہیں۔"

سیلین کے لب کھل گئے۔

"کیوں؟" پھر اسے یاد آیا۔ آواز دھیمی کی۔ "کیا وہ واقعی کسی زمانے میں سائیکو پیتھ تھا؟ میں نے اسٹاف سے سنا ہے۔"

شبنم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اس نے زور سے خالی کپ ڈسٹ بن کی طرف اچھالا۔ پھر آگے جھکی اور عینک کے پیچھے سے سیلین کو گھورا۔

سیلین گڑبڑا گئی۔ "میں مذاق کر رہی....."

"ہمارا باس سائیکو پیتھ تھا نہیں۔ وہ ابھی تک سائیکو پیتھ ہے۔"

سیلین کی آنکھیں تعجب سے کھل گئیں۔ اسے ماہر فرید کی سیکرٹری سے ان الفاظ کی امید نہیں تھی۔

"شرم کرو شبنم۔ وہ تمہارا باس ہے۔ اسے معلوم ہوا تم اس کے بارے میں یہ کہہ رہی ہو تو....."

"اسے پہلے سے معلوم ہے۔" شبنم نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ "وہ برا نہیں مانتا۔ ماہر کو کسی بات سے فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ وہ انسان نہیں ہے۔ وہ ایک مشین ہے۔ روبوٹ۔ اس کی کوئی زندگی نہیں ہے۔ وہ روبوٹ کی طرح فکسڈ ٹائم ٹیبل کے ساتھ زندگی گزارتا ہے۔"

(ڈپلیکس اپارٹمنٹ کے کچن میں فیضی خانم دو کیتلیاں ایک دوسرے کے اوپر رکھے قہوہ تیار کر رہی تھیں۔ قریب میں ایک دروازہ ادھ کھلا تھا جس سے ماہر کا بیڈروم نظر آ رہا تھا۔ سیاہ سفید سا کمرہ جس کی سنگھار میز کے سامنے وہ کھڑا تھا۔ شرٹ کے کف کھلے تھے اور ٹائی گردن میں مفلر کی طرح پڑی تھی۔ وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے اپنی چھوٹی بڑھی شیو کو دیکھ رہا تھا۔)

"مثلاً میں دیکھے بغیر بتا سکتی ہوں کہ وہ صبح فجر کی اذان کے ساتھ جاگا ہوگا۔ اور اس نے ٹھیک سات بجے شیو بنائی

ہو گی۔"

(ماہر نے بڑھی ہوئی شیو پہ ہاتھ پھیرا۔ پھر اسے رکھنے کا ارادہ کر کے ڈریسنگ روم کی طرف آیا۔ وہاں اس کے تمام کپڑے نفاست سے آویزاں تھے۔ سوٹ۔ شرٹس۔ سب سیاہ' سفید یا سرمئی کا کوئی شیڈ لیے ہوئے تھا۔)

"وہ سیاہ یا سفید کے علاوہ کوئی رنگ نہیں پہنتا۔ زیادہ سے زیادہ سرمئی۔ کیونکہ آرکیٹیکٹس صرف سیاہ یا سفید پہننا پسند کرتے ہیں۔"

(ڈریسنگ روم میں ایک طرف شیلف پہ جوتوں کے کئی جوڑے رکھے تھے۔ دوسری طرف کچھ دراز بنے تھے۔ اس نے ایک دراز کھولا جس میں کف لنکس سجے تھے۔ تمام کف لنکس پہ ایم ایف لکھا تھا۔ صرف ایک جوڑا ایسا تھا جس پہ کے ایف لکھا تھا۔ (قاسم فرید)۔ اس نے مسکرا کے انہیں دیکھا لیکن انہیں چھوا نہیں۔ اپنے ایم ایف والے کف لنکس نکالے اور پہننے لگا۔)

"اس کی زندگی میں ہر چیز کیلکولیٹڈ ہوتی ہے۔ وہ گھر سے نکلنے سے پہلے صرف ایک کپ ترکش قہوہ پیتا ہے۔ اور کافی پینے سے آفس آنے تک ماہر کسی سے بات نہیں کرتا۔ اس کو صبح صبح عام انسانوں سے بات کر کے توانائی خرچ کرنا بھی پسند نہیں ہے۔"

(اب وہ ایش گرے سوٹ میں ملبوس' جیل سے بال سیٹ کیے' کچن کاؤنٹر کے سامنے کھڑا اپنا کافی کپ اٹھا رہا تھا۔ فیضی خانم خاموشی سے دوسرے کام کر رہی تھیں جب...

"فیضی خانم...." کپ سے گھونٹ بھرتے اور فون پہ سرسری نگاہ دوڑاتے ہوئے ماہر نے پکارا۔ وہ تحیر سے پلٹیں۔

"جی ماہر بے؟"

"آپ کو نہیں لگتا ہمارے گھر میں کسی چیز کی کمی ہے؟" اس نے خالی کپ واپس رکھا اور مسکرا کے انہیں شکریہ کہا۔ پھر جواب کا انتظار کیے بنا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ وہ تعجب سے اسے جاتے دیکھتی رہیں۔)

"اس کا گھر آفس سے سولہ منٹ کی ڈرائیو پہ ہے۔ وہ ٹھیک سات پینتیس پہ گھر سے نکلتا ہے۔ ڈرائیور اردل اس کے کار میں بیٹھنے سے پہلے ہی کار کا ٹمپریچر سیٹ کر رکھتا ہے۔ ایک ڈگری بھی اوپر نیچے نہیں۔"

(اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سیاہ سلاخ دار گیٹ کے ساتھ اس کی سیاہ کار تیار کھڑی تھی۔ اسے دیکھتے ہی سوٹ میں ملبوس ڈرائیور اردل نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہ موبائل پہ سر جھکائے اندر بیٹھا۔)

''وہ آفس کے راستے میں کہیں نہیں رکتا۔ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔ درمیانی راستے میں وہ مخصوص پوڈ کاسٹ سنتا ہے اور فنانشل ٹائمز' بلوم برگ اور اسکائی نیوز کی شہ سرخیاں دیکھ لیتا ہے۔ اس کو صبح صبح تمام اسٹاک ریٹس اور قیمتیں معلوم ہوتی ہیں۔ وہ ایک منٹ بھی ضائع نہیں کرتا۔''

(ماہر کی سیاہ کار ترابیہ سے لیونت کی طرف سفر کر رہی تھی۔ کار میں ایک پوڈ کاسٹ گونج رہی تھی۔ وہ پچھلی سیٹ پہ بیٹھا فون اسکرین اسکرول کرتا آج کے ریٹس دیکھ رہا تھا۔ نمبرز ہی نمبرز۔

''اردل... کار روکو۔'' دفعتاً اس نے پکارا تو اردل نے تعجب سے اسے بیک ویو مرر میں دیکھا۔ پھر کار روک دی۔

سامنے پھولوں اور پودوں کی ایک دکان تھی۔)

''چونکہ وہ درمیان میں کہیں نہیں رکتا' اس لیے ٹھیک سات اکاون پہ وہ یہاں ہوگا۔''

ریسپشن پہ کھڑی شبنم نے گھڑی دیکھی اور مسکرا کے دروازے کو دیکھا۔ وہ بس آنے ہی والا تھا۔ پھر وہ سیلین کو مزید معلومات دیتے ہوئے کہنے لگی۔

''ماہر بے کو آفس میں کوئی فالتو چیز پسند نہیں۔ اسی لیے آفس میں کوئی پھول یا پودا نہیں ہے کیونکہ ان کا خیال رکھنے کے لیے مالی رکھنے پڑتے ہیں اور ماہر پیسہ اور وقت ان چیزوں پہ ضائع نہیں کرتا جن میں اسے کوئی مفاد نظر نہ آئے۔ کہا تھا نا' میرا باس انسان نہیں' مشین ہے۔''

سیلین نے چچ کہتے ہوئے ایک کان کی لو کو چھوا۔

شبنم اب بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ سات باون ہو چکے تھے اور ماہر نہیں آیا تھا۔ پہلی دفعہ اسے بے چینی ہوئی۔ کبھی کبھی وہ پانچ منٹ جلدی آجاتا تھا لیکن دیر سے نہیں۔

آٹھ بج کے پانچ منٹ پہ شیشے کے دروازے کھلے اور وہ بالآخر اسے نظر آیا۔ شبنم کا چہرہ کھل اٹھا۔

سوٹ میں ملبوس ماہر سنجیدہ چہرے کے ساتھ اندر آرہا تھا۔ شبنم کو دیکھ کے مسکرایا اور ایک نظر اس کے لباس کو دیکھا۔

''یہ کلر تم پہ بالکل اچھا نہیں لگتا' شبنم۔''

''شکریہ ماہر بے۔ میں سیلری ملتے ہی ایسے تین مزید ڈریسز لوں گی۔'' وہ بھی مسکرا کے بولی۔ پھر اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ماہر کے پیچھے آتے اردل نے ایک شے شبنم کے ہاتھوں میں تھمائی۔

وہ ایل پودہ تھا۔سفید گملے میں لگا ننھا سا کیکٹس ۔ڈیسک پلانٹ ۔اس نے ناسمجھی سے اردل کو دیکھا جو لاعلمی سے شانے اچکا کے پیچھے ہو گیا۔

''اس کا کیا کرنا ہے ماہر بے؟'' شبنم نے بغور ماہر کو دیکھا۔اور اس کی چند دن کی بڑھی شیو کو بھی۔

''یہ میرے آفس میں جائے گا۔'' تحکم سے کہہ کے اس نے نظریں پھیریں۔ریسپشنسٹ کے غیر شناسا چہرے کو دیکھ کے رکا۔

''تم یقیناً ویلین ہو۔نئی ریسپشنسٹ۔''

ماہر چند قدم آگے آیا اور ریسپشن ڈیسک کے سامنے رکا۔بغور سر سے پیر تک سیلین کو دیکھا۔وہ قدرے کنفیوزڈ نظر آتی تھی۔

''خوش آمدید ماہر بے۔''

''سیلین حانم... ریسپشنسٹ کی بنیادی ڈیوٹی کیا ہوتی ہے؟''

وہ کچھ کہنے لگی لیکن وہ کہہ رہا تھا۔

''مسکرانا۔صرف مسکرانا۔ریسپشنسٹ وہ پہلا انسان ہوتی ہے جسے ہم صبح دیکھتے ہیں۔اس لیے اس کے مسکرا کے ورکرز کو خوش آمدید کہنے سے دن کا آغاز بہتر ہوتا ہے۔''

سیلین نے چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ طاری کر لی۔''جی ماہر بے۔''

''میں چھوٹی چھوٹی باتوں پہ جاب سے نہیں نکالتا۔ناغے اور کام میں سستی بھی نظرانداز کر دیتا ہوں۔لیکن ایک چیز میں برداشت نہیں کرتا۔''

سیلین سانس روکے سن رہی تھی۔

''جوتے۔برے جوتے۔'' ماہر فرید کی مسکراہٹ غائب ہو چکی تھی اور اب وہ ناپسندیدگی سے سیلن کے جوتوں کو دیکھ رہا تھا۔اس نے گڑبڑا کے اپنے پیروں میں موجود اسٹائلیو دیکھے۔

''میرے آفس میں کوئی اتنے غیر آرام دہ جوتے پہن کے نہیں آتا۔اگر تم دوبارہ مجھے ان جوتوں میں نظر آئیں تو دروازہ اس طرف ہے۔'' سختی سے کہا اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

عام حالات میں شبنم مسکراتی لیکن فی الحال ہاتھ میں پکڑے ننھے سے پودے نے اسے لاجواب کر دیا تھا۔یہ کیا ہو گیا تھا ماہر کو؟

وہ ماہر کے پیچھے بھاگی لیکن وہ اس کا انتظار کیے بغیر اوپر جا چکا تھا۔ وہ سیڑھیوں کی طرف لپکی اور جب وہ ہانپتی ہوئی بالائی منزل پہ پہنچی تو وہ پہلے سے مین ہال میں کھڑا تھا۔

وہاں اسٹاف کے کیبن بنے تھے۔ وہ ایک کیبن کے ساتھ رکا ہوا تھا اور جھک کے کام کرتی لڑکی کے گرافک ٹیمپلیٹ کو دیکھ رہا تھا۔ لڑکی نے اپنا کام دکھاتے ہوئے اشتیاق سے پوچھا۔

''کیسا ہے یہ سر؟''

''بہت برا۔ ڈیلیٹ کر کے دوبارہ بناؤ۔'' عام سے انداز میں کہہ کے وہ سیدھا ہوا اور آگے بڑھ گیا۔ لڑکی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ غصے سے مٹھی بھنچی۔

''سر آپ میری حوصلہ افزائی بھی کر سکتے تھے۔'' اس نے پیچھے سے پکارا۔

ماہر فرید سے ''کیف'' میں کوئی کچھ بھی کہہ سکتا تھا۔

وہ جاتے جاتے پلٹا اور اسی ٹھنڈے انداز میں لڑکی کو دیکھا۔

''کر سکتا تھا اگر میں تمہاری ماں ہوتا۔ لیکن میں تمہارا باس ہوں۔ مجھے بہترین کام چاہیے۔ ورنہ دروازہ...'' انگلی سے اشارہ کیا۔ ''اس طرف ہے۔ "اور آگے بڑھ گیا۔

ماہر جب دروازے کا لفظ منہ سے نکالتا تھا تو اطراف میں موجود ورکرز سر جھکائے بنا آواز کے ''اس طرف ہے'' خود ہی کہہ دیتے تھے۔

شبنم پودا لیے تیزی سے اس کے پیچھے بھاگی۔ وہ اپنے آفس کے دروازے پہ اپنا فنگر پرنٹ لگا رہا تھا۔ دروازہ کھلا اور وہ دونوں ساتھ ساتھ اندر آئے۔

وہ ایک نفاست سے سجا آفس تھا۔ اس میں بھی کوئی رنگ نہ تھا سوائے سیاہ اور سفید کے۔ دیواروں پہ عربی کیلیگرافیز آویزاں تھیں۔ کرسیوں کی پشت پہ کیف کا لفظ کندہ تھا۔ ایک دیوار گیر کھڑکی تھی جس سے کیف کی سرمئی چار دیواری نظر آتی تھی۔

دوسری طرف کنسول ٹیبل رکھی تھی جس پہ قطار میں چھوٹی بڑی سینٹڈ کینڈلز بجی تھیں۔

''اس پودے کو کہاں رکھوں ماہر بے؟''

مگر ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ سیدھا کینڈلز والی ٹیبل تک گیا اور اس کا دراز کھولا۔ وہاں دو لائٹرز رکھے تھے۔

ماہر نے جیب سے تیسرا لائٹر نکالا اور شبنم کو دکھایا۔

''یہ لائٹر میں یہاں رکھ کے گیا تھا' شبنم۔ لیکن کسی نے اسے نکال کے....'' اس نے تھوک نگلا۔ ''کسی.. کسی عورت کے پرس میں ڈال دیا تھا۔ مجھے یہ اس عورت سے ملا ہے اور میں اسے واپس لے آیا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ میرے آفس میں میری غیر موجودگی میں کون آیا تھا؟''

''یہ سوال آپ مجھ سے پہلے بھی کر چکے ہیں۔ ہم نے سی سی ٹی وی بھی چیک کیا تھا۔ آپ کے آفس کے اندر کیمرے نہیں ہیں اس لیے کچھ کہہ نہیں کہہ سکتے۔ صفائی میں اپنے سامنے کرواتی ہوں۔ دروازہ صرف میرے اور آپ کے فنگر پرنٹ سے کھلتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم یہ کیسے ہوا۔'' شبنم نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے پودا کھڑکی میں رکھ دیا۔

ماہر اب خاموشی سے ایک کینڈل جلا رہا تھا۔ شبنم نے غور سے کینڈل کا نام پڑھا۔ واٹر للی۔ (پانی کا ایک پھول)۔ اس کی خوشبو میں ونیلا اور ہائیسنتھ (پھول) کا معمولی سا ٹریس بھی شامل تھا۔

وہ ماہر کے موڈ کو اس کی جلائی گئی موم بتیوں سے پہچان لیتی تھی۔ وہ پانی کے پھول کی یہ موم بتی تب جلاتا تھا جب اسے کام کرنا ہوتا تھا۔ ماہر کو پانی دیکھتے ہوئے کام کرنا پسند تھا۔ لیکن ان کا یہ اسٹوڈیو آفس پانی سے کافی دور تھا۔ ایسے میں پانی کے پھول کی خوشبو کافی تھی۔

''نو بجے ہم ماڈل میکرز کے ساتھ بیٹھیں گے اور نو چالیس پہ پروجیکٹ ٹیم کے ساتھ۔'' وہ کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ لٹکاتے ہوئے ہدایت دے رہا تھا اور شبنم اپنے ٹیب پہ نوٹ کر رہی تھی۔ ''مجھے نو چالیس پہ کانفرنس روم میں تمام ڈرائنگز چاہیے ہیں۔ فلور پلان' سائٹ پلان' ''سیکشن'' ایلی ویشن سب کچھ۔ مجھے رینڈرنگز ریوائز کرنی ہیں۔ ماڈل کو تھوڑا سا improve کرنا ہے۔''

شبنم نے چونک کے اسے دیکھا۔ دو دن بعد پریزنٹیشن تھی اور وہ آج کہہ رہا تھا کہ اسے رینڈرنگز (عمارت کا ایک قسم کا تھری ڈی ماڈل) میں بہتری لانی ہے۔ ماڈل تو مکمل ہو چکا تھا۔ پھر کیا ماہر اپنے ڈیزائن کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار تھا؟

شبنم دروازے کی طرف بڑھی تو وہ اپنی کنٹرول چیئر پہ بیٹھا اور جیب میں ہاتھ ڈال کے باہر نکالا تو اس میں ٹوٹی ہوئی خطائی تھی جو مزید ٹوٹ چکی تھی۔

چند بھر بھرے دانے جیب سے نکل کے زمین پہ گرے۔ کڑک چائے' پرانے لاہور اور عثمان کی بیٹھک کی خوشبو ایک دم سارے میں پھیل گئی۔ ایک اداس مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

اس نے دراز کھولا اور خطائی اندر رکھ دی۔ شبنم کے دروازہ بند کرنے سے پہلے ہی باہر سے آتی زارینہ نے دروازہ تھام لیا۔ ماہر نے چونک کے سر اٹھایا اور ایک دم تیزی سے دراز بند کیا۔

اندر آتی زارینہ نے اس کا دراز بند کرنا نوٹس کیا تھا' لیکن نظر انداز کر کے آگے آئی اور مسکرا کے اس کے سامنے کرسی کھینچی۔ وہ سفید بنا آستین کے ڈریس میں ملبوس تھی' پیروں میں سفید لانگ بوٹس تھے جو گھٹنوں سے ذرا نیچے تک آتے تھے۔ گردن میں لمبی چھوٹی بہت سی سنہری زنجیریں پہن رکھی تھیں۔ بل دار بال دونوں کندھوں پہ بلو ڈرائی کر کے سیٹ کیے گئے تھے۔

''ہم نے تمہیں بہت مس کیا ماہر۔'' وہ سامنے بیٹھی اور لانگ بوٹس والی ٹانگیں ایک دوسرے کے اوپر چڑھا لیں۔

''جانتا ہوں۔'' ماہر نے باکس سے ٹشو کھینچا اور جھک کے زمین پہ گرے ذرے صاف کیے۔ پھر ٹشو پیپر بن میں پھینکتے ہوئے سیدھا ہوا۔ زارینہ نے غور سے اس کی اس حرکت کو دیکھا۔

''لاہور میں تمہارے جیسے صفائی اور نفاست پسند آدمی نے کیسے گزارا کیا ہو گا؟''

ماہر نے کہنیاں میز پہ رکھیں اور سنجیدگی سے زارینہ کو دیکھا۔

''مجبور آدمی کہیں بھی گزارا کر سکتا ہے' زارا۔ چاہے وہ لاہور ہو۔ یا ذہنی امراض کا انسٹی ٹیوٹ۔''

کہتے ہوئے اس نے ایک نظر اپنی میز پہ ڈالی۔

میز کے کونے پہ ایک فریم الٹا رکھا تھا۔ اس فریم کو سیدھا کرنے کی اجازت کسی کو نہ تھی۔

زارینہ نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔

''کیا تمہیں کچھ ملا؟''

ماہر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''جو معلومات میں نے تمہیں بابا سے چھپا کے دی تھیں... کبیرہ سادان کی... وہ کام آئیں؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہی تھی۔

''اونہوں۔'' ماہر نے نفی میں سر ہلا دیا۔ زارینہ نے غور سے اسے دیکھا۔ آنکھیں چھوٹی کیے۔ وہ کھڑکی میں رکھے کیکٹس کے پودے کو دیکھ رہا تھا۔ گزشتہ ایک ماہ سے وہ اس سے ایسا ہی کٹا کٹا سا تھا۔ چپ۔ بجھا ہوا۔

''کیا تم واقعی بابا کے کہنے پہ لندن واپس چلے جاؤ گے؟''

''میں نے ان سے وعدہ کیا ہے' زارا۔ اور میں اپنی زبان سے نہیں پھرتا۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بنا اپنا سسٹم

آن کر رہا تھا۔

کچھ تھا ماہر فرید میں جو بدل گیا تھا۔ کیا یہ اس کی بڑھی شیو تھی۔ یا... اس نے گردن گھمائی۔ کھڑکی میں رکھا پودا تھا؟

''تمہیں پودوں کا شوق کہاں سے ہوا؟''

''زارا.... مجھے نو بجے کی میٹنگ سے پہلے کچھ کے پی آئی زد دیکھنے ہیں۔ پلیز؟'' دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"شیور۔ تم کام کرو۔" زارینہ نے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پہ سجالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ جاتے جاتے اس نے ایک نظر اس کے دراز پہ ضرور ڈالی تھی۔ وہ جانتی تھی ماہر لاہور کیوں گیا تھا۔ وہ اس کی لاحاصل تلاش سے واقف تھی۔ لیکن ماہر نے کہا تھا کہ اس بہانے وہ دو ماہ خاموشی اور سکون سے اپنے ڈیزائن پہ کام بھی کرے گا۔ وہ ماہر کو جانتی تھی۔ وہ جہاں بھی جاتا تھا' صرف کام کرتا تھا۔ لیکن لاہور میں کچھ ہوا تھا۔ کچھ ایسا جس نے اسے زارین... اپنی بہترین دوست... سے بھی دور کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ جب سے ماہر فرید کے اپارٹمنٹ سے آئی تھی' اسے چپ لگ گئی تھی۔

وہ کیف جو پہلے اپنا اپنا لگتا تھا' ایک اسٹرگل کرتا انٹر پرینیئر' اس کا وجود ہی نہیں تھا۔ وہ سر سے پیر تک جھوٹ کا مجسمہ تھا۔ دھوکہ۔ فریب۔

وہ اس وقت اپنے اسٹوڈیو میں زمین پہ بیٹھی تھی۔ موبائل پہ ماہی کو ویڈیو کال ملائے' وہ ایک خالی کینوس سامنے رکھے ہوئے تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''کتنا کوئی کمبخت نکلا' کیف۔'' ماہی نے جیسے ہی سنا' اس کا مارے شاک کے منہ کھل گیا۔ اور پھر... اسے شدید غصہ چڑھنے لگا۔ ''مجھے مل جائے یہ کہیں' اس کو جان سے نہ مار ڈالوں تو میرا نام ماہ بینہ نہیں ہے۔''

سر جھکائے کینوس کو دیکھتی مالا کے آنسو مزید تیزی سے بہنے لگے۔ اس کا ڈپریشن کا مرحلہ طویل ہو رہا تھا۔

''رومت' مالا۔'' اسکرین پہ ماہی بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ مالا کو روتے دیکھ کے وہ بھی پریشان ہو گئی تھی۔ ''کیف نے بہت برا کیا ہے۔ خود کو کیا بتاتا رہا اور نکلا کیا۔ ایک انتہائی امیر کبیر آدمی۔ ایک تو مجھے یہ سارے امیر آدمی لگتے ہی برے ہیں۔ privileged۔ باپ کے پیسے پہ عیش کرنے والے۔''

ماہی کے کمرے کے کونے میں اسٹڈی ٹیبل پہ کام کرتے عباد نے مڑ کے غور سے اسے دیکھا۔

''سارے امیر آدمی، ماہی؟'' اس نے جتایا۔ تو ماہی نے ناک چڑھایا۔

''اچھا منہ سے نکل گیا تھا۔ سارے امیر آدمی مجھے برے لگتے ہیں سوائے ایک کے۔ خوش؟ اب مجھے بات کرنے دو۔''

وہ مالا کی طرف متوجہ ہوئی جو سامنے رکھے تین بٹا تین فٹ کے خالی کینوس کو بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

کیف کی ساری کہانی اس کینوس میں نظر آ رہی تھی۔

''وہ خود کو ایک اسٹرگل کرتا انٹرپیرونیئر بتاتا تھا۔ مجبور۔ مقروض۔'' مالا نے ایک دم گیسو کا ڈبہ جارحانہ انداز میں کھولا اور برش سفید گیسو سے ڈبویا۔ آنسو بدستور بہہ رہے تھے۔ ''مجھے وہ اپنی طرح لگتا تھا۔ اسکریچ سے اپنا کام شروع کرنے والا، اپنی زندگی تعمیر کرنے والا۔ لیکن ایسے امیر لوگوں کو اسٹرگل کا مطلب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ منہ میں سونے کا نوالہ لیے پیدا ہوتے ہیں۔ باپ کا پیسہ ساری عمر کے لیے کافی ہوتا ہے۔ انہیں کون سا اپنا بزنس سیٹ کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ یہ کسی لڑکی کا تعاقب کرنے میں تین ماہ اور بہت سا پیسہ برباد کر سکتے ہیں۔''

وہ اب جارحانہ انداز میں گیسو کو کینوس پہ برش سے پھیلا رہی تھی۔ کینوس پہ ایک سفید سی تہہ بنتی جا رہی تھی۔

''تمہیں اس کو ڈھونڈ کے اس کا وہ حشر کرنا چاہیے کہ وہ آئندہ کسی بھی لڑکی کے ساتھ یہ کرنے سے باز رہے۔'' ماہی کو شدید غصہ آ رہا تھا۔

''کہاں سے ڈھونڈوں؟ وہ استنبول واپس چلا گیا ہے۔ اس کے پیچھے تو نہیں جا سکتی نا۔''

''میں تو کہتی ہوں انسٹا پہ اسے ڈھونڈتے ہیں۔ اور اس کے بھائی کو بھی۔ اور اس کو میسج کرتے ہیں کہ...''

''ماہی۔'' اس نے سختی سے روکا۔ ''ہمیں ان سے دور رہنا ہے۔ وہ خطرناک لوگ ہیں۔ اسلحہ استعمال کرنے والے۔ کیف جمال نے بتایا تھا نا اس کے بارے میں۔''

''ہاں۔ ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یقیناً وہ سب وہ خود ہی کر رہا تھا۔ خون کے چھینٹے، وہ لائٹر... تمہیں بس تنگ کر رہا تھا۔ اُف مجھے تو سوچ کے ہی خوف آ رہا ہے۔ ایک سائیکو پیتھ جس نے مبینہ طور پہ اپنے سوتیلے باپ کو مارا ہے، وہ ہمارے گھر میں تھا۔ تمہارے اتنے قریب۔'' ماہی نے جھرجھری لی۔

پھر چہرے پہ سوچ ابھری۔ ''لیکن اس نے کچھ کیا نہیں۔''

''اس نے میرا انسانوں سے اعتبار اٹھا دیا ہے۔ کیا یہ کم ہے؟'' وہ برش کو کینوس پہ رگڑتی جا رہی تھی۔

''ہاں مگر اس نے ڈیڑھ ماہ تمہارے پاس جاب کی۔ اس نے تمہیں ہرٹ نہیں کیا۔ پھر اس نے اچانک جاب

چھوڑ دی اور ڈیڑھ ماہ تک تمہارے سامنے نہیں آیا۔ جاتے جاتے ایک دن بس تم سے ملا۔ اس کا مقصد کیا تھا؟"

"وہ سائیکو پیتھ ہے۔ ایسے لوگ مہینوں کسی کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔"

"مگر مالا تم اس کا ذکر ہمیشہ اتنے اچھے لفظوں میں کرتی تھیں کہ میری نظر میں اس کا امیج بہت اچھا تھا۔ حالانکہ تم نے مجھے اس کی تصویر تک نہیں دکھائی کبھی۔ خیر اب مجھے شوق بھی نہیں ہے۔ مگر اس سب میں کچھ مسنگ ہے مالا؟ یاد کرو۔ وہ تم سے کیا چاہتا تھا۔ کچھ تو ہوگا۔"

"وہ بار بار پوچھتا تھا کہ میری دشمنی کس سے ہے۔" وہ اب غائب دماغی سے گیسو کی ایک اور تہہ کینوس پہ پینٹ کر رہی تھی۔ "کبیرہ تائی کے بارے میں بھی پوچھتا تھا۔ بقول کیف جمال اسے مجھ سے کوئی انفارمیشن چاہیے تھی۔ اور وہ مجھے نقصان بھی پہنچانا چاہتا تھا۔"

"کیا یہ کیف جمال سچ بول رہا ہے؟ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اس نے پیسے نہ لیے ہوں۔" ماہی کا ازلی مشکوک لہجہ عود کر آ گیا۔

مالا نے ہاتھ روک کے چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں برہمی تھی۔

"مجھے ماہر فرید کے مقابلے میں کسی پہ بھی اعتبار کرنا پڑے تو میں کرلوں گی۔"

"مالا اب تم منطق کے خلاف جا رہی ہو۔ تم لوگوں کو بلیک اینڈ وائٹ دیکھتی ہو۔ یا اچھے ہیں یا بہت برے ہیں۔ مجھے لگتا ہے اپنے غصے میں تم اس ساری کہانی میں کچھ مس کر رہی ہو۔"

مالا نے زور سے برش زمین پہ رکھا۔ سفید چھینٹے اڑ کے اس کے کپڑوں اور چہرے پہ جا گرے۔

"میرے ساتھ اس نے اتنا غلط کیا اور تم مجھے الزام دے رہی ہو؟"

"میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ جس آدمی کا ذکر تم اتنے اچھے لفظوں میں کرتی تھی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس میں اتنی برائیاں ہوں اور ہمیں شک بھی نہ ہوا ہو۔ اس نے کسی وجہ سے تمہیں ٹارگٹ...."

"یو نو واٹ ماہی... تمہارا ہمیشہ سے یہی مسئلہ رہا ہے۔ تمہیں ہر ایک سے زیادہ عقلمند بننے کا شوق ہوتا ہے۔ ماہی سب جانتی ہے۔ ماہی کے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے۔" وہ غصے سے کہہ رہی تھی۔ "تم صرف مجھے غلط ثابت کرنے کے لیے بات کو دوسرے اینگل سے دیکھ رہی ہو۔ اس آدمی نے مجھے اتنا بڑا دھوکہ دیا۔ اور تم چاہتی ہو کہ میں اس سے نفرت بھی نہ کروں؟"

ماہی بھی اتنی ہی پٹھان تھی جتنی کہ مالا۔ اس کی بھی تیوری چڑھ گئی۔

"تم نے مالا کبھی زندگی میں میرا مشورہ مانا ہو تو پھر بات کرو۔ میں نے ظہیر کے بارے میں کیا کہا تھا؟ یاد کرو۔"

"تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔"

"ہاں تم رہو اپنی دنیا میں۔"

دونوں طرف سے غصے سے فون ایک ساتھ بند ہوا۔ مالا نے تیزی سے برش کو گیسو میں ڈبویا اور بار بار کینوس پہ رگڑنے لگی۔ جیسے آج سارا ڈبہ ختم کر دے گی۔ غصے سے اس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

اپنے بیڈروم میں موجود ماہی نے بھی اتنے ہی غصے اور جھنجلاہٹ سے فون رکھا۔

"سمجھتی کیا ہے مالا اپنے آپ کو۔" اب وہ کڑھ رہی تھی۔ اسٹڈی ٹیبل پہ کام کرتے عباد نے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔

"ماہی... تم نرمی سے بھی بات کر سکتی تھیں۔ مالا پہلے ہی پریشان ہے۔ اس کے ساتھ اتنا دھوکہ ہوا ہے۔ اس کو چاہیے کہ پولیس کال کرے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے اس کو مشورہ دینے کی۔ وہ ہمیشہ اپنی مرضی کرتی ہے۔ اب میں اس سے کبھی بات نہیں کروں گی۔ کبھی بھی نہیں۔" وہ ہر ناراض بہن کی طرح مستقبل کی پلاننگ کر رہی تھی۔

عباد نے عینک کے پیچھے سے افسوس سے اسے دیکھا۔

"جب تمہاری مجھ سے لڑائی ہوتی ہے تب بھی تم ایسی ہی پلاننگ کرتی ہو؟"

"نہیں۔ تمہارے لیے تو میں زہر تک خرید لاتی ہوں۔" وہ جل کے بولی تو عباد "ٹھیک ٹھیک" کہہ کے سمجھتے ہوئے واپس کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کینوس کو سفیدی سے ڈھکنے کے بعد مالا نے تھک کے برش رکھ دیا۔ اور گیلی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ تبھی میسج ٹون بجی۔

اس نے تیزی سے موبائل اٹھایا۔ شاید ماہی کا میسج ہو اور وہ سوری کہہ رہی ہو۔ لیکن وہاں زیاد کا میسج جگمگا رہا تھا۔

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟"

اس کی انگلیاں میکانکی انداز میں ٹائپ کرنے لگیں۔

"آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ کل بات کریں گے۔"

"اپنا خیال رکھا کریں۔ آپ بہت اہم ہیں۔"

آنسو پھر سے بہنے لگے۔ وہ کس فریبی کی باتوں میں آ کے زیاد کو غلط سمجھنے لگی تھی؟ ہاں زیاد تلخ حقائق بیان کر دیتا تھا لیکن وہ سچ بولتا تھا۔ جو تھا وہی دکھائی دیتا تھا۔ کم از کم زیاد سلطان سچا تو تھا۔ وہ ماہر فرید کی طرح گھما کے سوال نہیں پوچھتا تھا۔

اور کیا سوال پوچھا تھا ماہر فرید نے اس سے؟

''آپ کو کیسے معلوم کہ کسی آدمی کے پاس آپ کی تصویر ہے؟''

وہ ایک دم سناٹے میں رہ گئی۔ کیف جمال نے کہا تھا کہ ماہر کے پاس البم میں اس کی تصویر تھی۔

اسے آج تک دل سے یقین نہیں آیا تھا کہ کسی آدمی کے پاس واقعی اس کی تصویر تھی۔

جب اس نے کیف یعنی ماہر سے یہ بات عزہ کی شادی کے دوران کہی تھی، تب بھی اسے اس بات پہ مکمل یقین نہیں تھا۔ لیکن...

اس کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

اگر کیف جمال نے ماہر فرید کے پاس اس کی تصویر دیکھی ہے جس کی پشت پہ حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ لکھا تھا، تو وہ بات درست تھی۔ اور اگر وہ بات درست تھی.... تو اس کا مطلب تھا کہ.... ماہی کی تھیوری بھی درست تھی۔

ماں پہ واقعی جادو کیا جا رہا تھا۔

وہ ان باتوں کو نہیں مانتی تھی۔ اس کے پاس اپنی وجوہات تھیں۔ لیکن اس وقت وہ اتنی ٹوٹی ہوئی تھی کہ اسے اس سب کی ایک وضاحت نظر آنے لگی۔ ایک خوف سا محسوس ہونے لگا۔

کسی اَن دیکھی طاقت سے۔ کسی غیر مرئی مخلوق سے۔ وہ جو وہاں سے اسے چھپ کے دیکھ سکتی تھی جہاں سے وہ اس کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

کیا وہ مخلوق اس کے خاندان کے پیچھے لگ چکی تھی؟

اور کون تھا جو اس کام میں انوالوڈ ہو سکتا تھا؟

پہلے ایک ہی نام ذہن میں آتا تھا۔ کبیرہ تائی۔ اور اب ایک نام کا اضافہ ہو چکا تھا۔

ماہر فرید۔ یقیناً۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنے بیڈروم میں سنگھار میز کے سامنے بیٹھی کبیرہ بیگم مسکرا رہی تھیں۔ انہوں نے سلک کا نائٹ گاؤن پہن رکھا تھا

اور ہاتھ میں موبائل تھا۔ وہ موبائل پہ ایک ٹرانزیکشن دیکھ رہی تھیں جو انہوں نے ابھی ابھی اس نئے عامل کے اکاؤنٹ میں کی تھی۔ ایک بھاری رقم ادا کرنے کے بعد عامل نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ زیاد اور کشمالہ کے رشتے پہ عمل کرنا شروع کر دے گا۔

ان دونوں کی شادی نہیں ہوگی۔ نگینہ بیمار پڑ جائے گی اور یہ زیاد اپنی ماں کی بیماری میں لگ کے رشتے کی بات پسِ پشت ڈال دے گا۔

ماہی کے ہاں کبھی اولاد نہیں ہوگی۔

اور حورِ جہاں کے بارے میں جو عامل نے بتایا تھا' اس نے کبیرہ کی روح تک پرسکون کر دی تھی۔

کبیرہ بیگم نے موبائل رکھا اور خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے مسکرائیں۔ ہاتھ سے اپنے بوائے کٹ بالوں کو چھوا۔ پھر نرمی سے وگ اتاری۔ اور وگ اسٹینڈ پہ رکھ دی۔

نیچے سے اس کا سر بالوں سے صاف تھا۔ ننھے ننھے نیلاہٹ مائل بالوں کی جڑیں نظر آ رہی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ بال کسی قدرتی وجہ سے نہیں گرے بلکہ باقاعدگی سے استرے سے صاف کیے جاتے ہیں۔ اس نے ایک سیرم کی بوتل اٹھائی اور چند قطرے ہاتھوں پہ مل کے سر کی صاف جلد پہ لگانے لگیں۔

ان کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

بالآخر برسوں بعد انہیں ایک ایسا عامل ملا تھا جس سے ملتے ہی انہیں اس کے عمل کی طاقت پہ یقین آ چکا تھا۔

وہ کوئی عام عامل نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس عامل سے اب تمہارا تعارف ہونے جا رہا ہے' وہ پیٹر مسیح کی طرح نہیں ہے کہ کہیں اپنی دوکان سجا لے اور لوگ جوق در جوق اس کے پاس کام کروانے آئیں۔

نہیں۔ وہ اپنے آپ میں یکتا ہے۔

اس کی کوئی دکان نہیں ہے۔ کوئی گدی' کوئی مرکز نہیں ہے جہاں وہ عام لوگوں سے ملے۔ اس سے ملاقات کے لیے اپائنٹمنٹ لینی پڑتی ہے اور اپائنٹمنٹ ہر ایک کو نہیں ملتی۔

جن پہ عامل کو بھروسہ نہیں ہوتا' ان سے اس کا رابطہ صرف واٹس ایپ پہ ہوتا ہے۔

اس عامل کی شناخت خفیہ تھی۔ وہ کون ہے' اور کہاں مقیم ہے' یہ اس کے کلائنٹس بھی نہیں جانتے تھے۔ وہ سب اس

کو "سرکار" کہہ کے مخاطب کرتے تھے۔ عمل اور سحر کی اس دنیا میں اس کا کوئی دوسرا نام نہ تھا۔

اس وقت تم سرکار کو ایک نیم تاریک کمرے میں دیکھ سکتے ہو۔ یہ اس کے عمل کا کمرہ ہے۔ یہاں روشنی کم تھی اور گرمی کے باوجود ٹھنڈ تھی۔

کمرے کے وسط میں عامل نے زمین پہ چوکڑی مار رکھی تھی۔ اس کا لباس گدلا اور بدبودار تھا۔ سر پہ اس نے نارنجی رومال باندھ کے پیچھے گرہ لگا رکھی تھی اور اس رومال سے الجھے الجھے سفید بال نکل رہے تھے۔ اس نے ایک لمبا بدبودار چغہ بھی پہن رکھا تھا جس پہ مختلف ہندسے اور قرآن کریم کی آیات الٹی کر کے لکھی گئی تھیں۔ یہ لباس شیاطین کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔

اس کے سیاہی مائل ہاتھوں میں بڑے بڑے دانوں والی ایک مالا تھی جو تسبیح کی طرح لگتی تھی لیکن اس پہ اللہ کا نام نہیں لیا جاتا تھا بلکہ گن گن کے منتر پڑھے جاتے تھے۔

سامنے چند چیزیں زمین پہ رکھی تھیں۔ اس کمرے میں دوسرا کاٹھ کباڑ بھی تھا لیکن نیم اندھیر ہونے کی وجہ سے وہ نظر نہیں آتا تھا۔

وسیع کمرے کے شمالی کونے میں پانچ چھ فٹ کی تکون لکڑی کھڑی تھی (جیسے پارٹیشن ہو)۔ اس کے پار ہلکی سی روشنی جلی تھی۔ یہاں سے وہ جگہ صاف دکھائی نہ دیتی تھی۔

فی الحال عامل کا دھیان ان اشیاء کی طرف لگا تھا جو سامنے بکھری تھیں۔

ایک پتلا۔ چند تصاویر۔ سوئیاں۔ بھوری سی روشنائی جس میں اس کا کھردرا ہاتھ قلم ڈبو ڈبو کے ایک کاغذ پہ تعویذ لکھ رہا تھا۔

اس کے سامنے بکھری تصاویر تمہاری جانی پہچانی ہیں۔

ایک سبز آنکھوں والی لڑکی کشمالہ کی تھی۔ ساتھ ایک سانولی رنگت والے مسکراتے ہوئے زیاد کی۔ تیسری تصویر میں بھوری آنکھوں اور بھرے گالوں والی ماہی تھی۔ اور چوتھی تصویر حورِ جہاں کی تھی۔

اسے ان سب لوگوں پہ عمل کا آغاز کرنا تھا۔

یہ عمل عامل سرکار کے اپنے لیے نہیں تھا۔ یہ کلائنٹ کے لیے تھا۔ لیکن آج اسے صرف ان تصاویر پہ عمل نہیں کرنا تھا۔ اسے کسی اور پہ بھی عمل کرنا تھا۔ ایک ذاتی دشمن پہ۔

اس کے جادو اکثر کامیاب ہوتے تھے، چاہے سامنے والا کتنی ہی پڑھائیاں کرتا ہو۔ اس نے کئی طلاقیں کروائی

تھیں' کئی لوگوں کو بیماریاں کروا کے معذور کیا تھا۔ کچھ تو مر بھی گئے تھے۔ اس نے کئی لوگوں کی شادیوں میں بندش ڈالی تھی۔ کئی کو بے اولاد رہنے پہ مجبور کیا تھا۔ کئی کے بچے پیٹ میں مارے تھے۔ کئی مرے ہوئے لوگوں کے منہ میں تعویذ ڈال کے ان کے پیچھے رہ جانے والے خاندان اجاڑے تھے۔

اور ہر کامیاب جادو کے بعد اس کی پاور بڑھتی تھی۔

اس کے قبضے میں ایک ایسا جینئس موکل تھا جو اپنے کام کو بہت مہارت سے سرانجام دیتا تھا۔

اس کے جادو سب پہ ہی چل جاتے تھے۔

سوائے ایک انسان کے۔

اس ایک انسان سے اس کی خاموش دشمنی کئی برس پرانی تھی۔

اس ایک انسان پہ عامل سرکار کا منتر نہیں چلتا تھا۔

ان چار تصویروں کے قریب ایک لکڑی کی صندوقچی رکھی تھی۔ عامل سرکار نے آہستہ سے اس کا ڈھکن کھولا۔ اور اندر موجود کاغذوں کو الٹ پلٹ کیا یہاں تک کہ اس کے ہاتھوں سے ایک تصویر ٹکرائی۔

اس نے تصویر نکالی اور اسے اپنے چہرے کے قریب کیا۔

یہ ہی انسان تھا۔ اس کا پرانا دشمن۔

تصویر میں ایک نوجوان مسکرا رہا تھا۔ مسکرانے سے اس کے گال میں گڑھا پڑتا تھا۔ اس کی آنکھیں ہلکی بھوری تھیں اور بال جیل سے پیچھے کیے گئے تھے۔

عامل نے تصویر کو پلٹا تو پیچھے لکھا نظر آیا۔

''رابیل اور قاسم کا بیٹا ماہر۔''

اس کے نحوست زدہ چہرے پہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

''بہت وقت ہو گیا ہم نے تمہاری تصویر نہیں نکالی' ماہر فرید۔''

اس نے مسکرا کے تصویر کو مخاطب کیا۔

''بہت عرصے سے ہم نے تمہیں نظرانداز کیا ہے۔ کیونکہ ہمیں دوبارہ تمہارے اوپر وار کرنے کے لیے اپنی پاور بڑھانی تھی۔ اور اب ہم اس مطلوبہ پاور تک پہنچ چکے ہیں۔''

اس نے چہرہ اٹھا کے خلاء میں دیکھا۔ اسے وہ نظر آ رہا تھا جو کسی اور کو نظر نہیں آتا تھا۔

''بالآخر تمہارا نمبر ایک دفعہ پھر آ گیا ہے۔ ان لوگوں کے بہانے'' (سامنے رکھی تصویروں پہ نظر ڈالی۔) ''تم پہ کام کرنے کا موقع بھی مل ہی گیا ہے۔ لیکن.....''

اس نے تصویر نیچے رکھ دی۔

''تم پہ ہم بعد میں آئیں گے۔ پہلے ان کے رشتے کے معاملے کو دیکھتے ہیں۔''

اس نے مالا اور زیاد کی تصاویر کو سامنے رکھا۔ دوسرے تمام کلائنٹس کے کاموں کو پسِ پشت ڈال کے اسے اس کام کو ترجیح دینی تھی۔ اس کے بعد ماہر فرید کی باری تھی۔

اسے ماہر فرید کی باری آنے کا برسوں سے انتظار تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد گھر میں داخل ہوا تو ہر طرف خاموشی تھی۔ یہ خاموشی اس کے ماں باپ کے گھر کی پہچان تھی۔ وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا اندر آیا۔ سامنے لونگ روم بنا تھا جس کی بتیاں مدھم تھیں اور اس میں ایک طرف آرام دہ کرسی پہ سلطان صاحب بیٹھے تھے۔ سادہ ٹراوزر شرٹ میں ملبوس' وہ اخبار چہرے کے سامنے پھیلائے ہوئے تھے۔

آہٹ پہ اخبار کا کونا موڑا تو چہرہ نظر آیا۔ عینک کے اوپر سے جھانک کے غور سے اسے دیکھا۔ ان کا اکلوتا بیٹا ان کے سامنے کھڑا تھا۔ سیاہ پینٹ پہ نیلی پولو شرٹ پہنے۔ جیبوں میں ہاتھ ڈالے۔ کلین شیو دراز قد زیاد۔

''تم ہو؟'' ایک نظر اسے سر سے پیر تک دیکھا اور واپس اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''جی ابو۔ کیسے ہیں آپ؟'' اس نے نرمی سے پوچھا۔ ان کے چہرے کو دیکھتا وہ ان کی اگلی بات کا منتظر تھا۔

''اپنا بتاؤ۔ جاب کیسی جا رہی ہے؟ ترقی ہوئی یا نہیں؟''

زیاد کے چہرے کی جوت بجھ سی گئی۔

''ابو جاب پہ ہر مہینے تو پروموشن نہیں ملتی۔ وقت لگتا ہے۔''

''ایک ہماری ہی اولاد کو وقت لگتا ہے۔ ورنہ اصغر صاحب کا بیٹا بھی تمہارا کلاس فیلو تھا۔ تمہارے جیسی جاب کر رہا تھا۔ دیکھو کہاں پہنچ گیا ہے۔'' طنز سے کہتے ہوئے سر جھٹکا۔ نظریں اخبار پہ تھیں۔

سامنے کٹہرے میں کھڑے زیاد نے ضبط سے گہری سانس اندر کھینچی۔

''ابو... اس کی فیلڈ الگ ہے۔ تنخواہ ہماری برابر ہی ہے۔ اور پھر میں رائٹنگ بھی کرتا ہوں۔ مجھے...''

''کیا فائدہ اس رائٹنگ کا جو چار پیسے نہ کما کے دے۔''

''پیسے کمانے کے لیے جاب ہے نا۔لکھائی تو بس میرا شوق ہے۔''

''زیاد۔''

یہ تفتیش مزید جاری رہتی لیکن اندر سے نگینہ بیگم کی کراہتی ہوئی آواز آئی تو وہ چونکا۔سر کے خم سے ابو کے سامنے سے ہٹنے کی اجازت چاہی جسے انہوں نے نہیں دیکھا اور پھر لمبے ڈگ بھرتا امی کے کمرے تک آیا۔شائستگی سے دستک دی اور ادھ کھلا دروازہ پورا کھول دیا۔

وہ بستر پہ لیٹی تھیں۔ملازمہ ساتھ کھڑی ان کے پیر دبا رہی تھی۔

''امی....'' وہ پریشان سا ہو کے ان کے ساتھ بستر پہ بیٹھا۔وہ نحیف لگ رہی تھیں۔

''کیا ہوا ہے؟'' زیاد نے ان کا بوڑھا ہاتھ تھاما۔وہ گرم تھا۔

''بس بیٹے.... جسم بہت درد کر رہا ہے۔'' وہ نقاہت سے مسکرائیں۔''لیکن میں ٹھیک ہوں۔فکر نہ کرو۔''

ساتھ ہی ملازمہ کو جانے کا اشارہ کیا۔''جاؤ تم دونوں کھانا کھالو۔''

بنگالی ملازمہ عورت سر ہلا کے اٹھ گئی۔زیاد نے اس کے جانے کا انتظار کیا اور جب وہ دروازہ بند کر کے چلی گئی تو وہ ان کی طرف گھوما۔اس کے چہرے پہ بے بسی بھرا غصہ تھا۔

''ابو کو آپ کو کوئی فکر نہیں ہے۔آپ بیمار ہیں اور کسی نے مجھے نہیں بتایا۔''

''بیٹے تمہارے ابو کو پہلے کب فکر ہوئی ہے ہماری؟ کیوں خود کو ان کی وجہ سے اذیت دیتے ہو۔'' انہوں نے اپنے بوڑھے کپکپاتے ہاتھوں میں اس کا ہاتھ تھاما۔زیاد نے شکست خوردگی سے سر جھکا دیا۔اس کی ماں بیمار نظر آ رہی تھی اور وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

''آپ میرے ساتھ چلیں۔''

''نہیں بیٹے۔میرا اپارٹمنٹس میں دم گھٹتا ہے۔یہ اچھا بھلا گھر چھوڑ کے کیسے چلی جاؤں۔پھر یہاں ملازم ہیں میرے پاس۔سارا کام کر دیتے ہیں۔'' ساتھ ہی انہوں نے تکلیف سے آنکھیں بند کیں۔دوسرے ہاتھ سے بائیں کندھے کو مسلا۔

زیاد نے تشویش سے انہیں دیکھا۔''امی کیا ہوا ہے؟ ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لی؟''

''بیٹا یہ ڈاکٹر والا مسئلہ نہیں ہے۔'' انہوں نے آنکھیں کھولیں اور درد کے باوجود مسکرائیں۔''یہ کوئی اور ہی مسئلہ لگتا ہے۔'' ان کے دوسرے ہاتھ میں تسبیح تھی۔

"کیسا مسئلہ؟" اس نے نرمی سے ماں کے ماتھے پہ آئے بال پیچھے کیے۔

"کوئی پیچھے پڑا ہوا ہے ہمارے۔ مجھے کچھ خواب آئے ہیں۔" ان کی کراہتی آواز دھیمی ہوئی۔ "لگتا ہے کوئی جادو کررہا ہے ہم پہ۔"

زیاد جو نرمی سے ان کے بال کان کے پیچھے اڑس رہا تھا' ٹھٹھک کے رک گیا۔ اور آنکھوں میں تحیر لیے انہیں دیکھا۔

"آپ تو اتنا پڑھتی ہیں۔ آپ پہ جادو کیسے ہو سکتا ہے؟"

"بیٹے جادو ہر ایک پہ ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ کتنا نماز روزے کا پابند کیوں نہ ہو۔ لیکن...." وہ نقاہت سے مسکرائیں۔ "اتر بھی جائے گا۔ میں زیادہ پڑھائی کروں گی۔ اللہ خیر کرے گا۔" انہوں نے بوڑھا ہاتھ اس کے سانولے ہاتھ کے اوپر رکھا اور مسکرائیں۔

"مگر کون ہے جو ہمارے پیچھے پڑا ہے۔"

"ہمارے خاندان میں بہت سے لوگ اس کام میں ملوث ہیں' بیٹے۔ شاید وہ تم سے اپنی بیٹیوں کا رشتہ کروانا چاہتے ہوں۔"

"مگر ہم کشمالہ کا رشتہ مانگ چکے ہیں۔ عجیب زبردستی ہے۔" وہ جھنجھلایا۔

"مجھے معلوم ہے بیٹے۔ اس لیے ہمیں اس جادو ٹونے کے اثر کرنے سے پہلے ہی تمہارا اور کشمالہ کا رشتہ طے کرنا ہوگا۔"

"میں کشمالہ سے بات کرتا ہوں۔" وہ سوچ کے کہنے لگا۔ "آپ کو لگتا ہے اگر کشمالہ اور میرا رشتہ طے ہو جائے تو یہ لوگ باز آجائیں گے؟"

"جب تک شادی نہ ہو وہ اپنی کوششیں کرتے رہیں گے۔ لیکن...." نگینہ بیگم نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی۔ "میرا رب ہے نا۔ اس کے کلام سے ان جادوگروں کی سازشیں اور جادو ناکام ہو جائیں گے۔"

"او کے۔ میں چند دن کی چھٹی لے لیتا ہوں۔ ہم پاکستان جائیں گے اور حورِ جہاں آنٹی کے گھر جا کے باقاعدہ رشتے کی بات کریں گے۔ آپ سفر کر لیں گی؟"

نگینہ نے مسکرا کے سر ہلایا۔ "اپنے بیٹے کی خوشی کے لیے میں ضرور کروں گی۔"

وہ ہلکا سا مسکرا دیا اور نرمی سے ان کے بالوں کو کان کے پیچھے اڑسا۔ پھر گردن موڑ کے بند دروازے کو دیکھا جس

کے پار لاؤنج میں ابو بیٹھے تھے۔ زیاد کے چہرے پہ اداسی اتر آئی۔

''ابو نے ساری عمر آپ پہ ظلم کیے ہیں۔ ان کے رویے کی وجہ سے میں اس گھر میں نہیں رہتا۔ لیکن آپ ہیں کہ چپ چاپ برسوں سے برداشت کرتی آرہی ہیں۔ آپ جیسا حوصلہ اور صبر ہر ایک میں نہیں ہوتا۔''

''بیٹے عورت کو برداشت کرنا ہوتا ہے۔ گھر ایسے نہیں بستے۔''

زیاد نے سر ہلا دیا۔ اور نرمی سے ان کا ہاتھ تھپتھپایا۔ ''میں پھر بھی آپ کی اپائنٹمنٹ لے رہا ہوں۔ ہم ڈاکٹر کو ضرور دکھائیں گے اوکے؟'' نرمی سے کہہ کے وہ جیب سے فون نکالنے لگا۔

باہر لاؤنج میں بیٹھے سلطان صاحب اسی بے حسی سے کان لپیٹے اخبار پڑھ رہے تھے۔

قریباً گھنٹے بھر بعد جب زیاد اپنے ماں باپ کے گھر سے نکلا اور گاڑی کی طرف بڑھا تو آسمان سے خون کے چند چھینٹے آ کے اس کی نیلی شرٹ پہ گرے۔ اس نے چونک کے سر اٹھایا تو ایک عجیب سا پرندہ اڑتا ہوا دور جا رہا تھا۔ زیاد نے انگلیوں سے گردن کو چھوا جہاں چند قطرے گرے تھے۔ پتلا سا سرخ مائع۔

اس نے تشویش سے آسمان کو دیکھا۔ پرندہ اب بہت دور جا چکا تھا۔

کون تھا جو اس کا اور کشمالہ کا رشتہ نہیں ہونے دینا چاہتا تھا؟

کون تھا جو اس کی خوشیوں کے پیچھے پڑا تھا؟

اتنے عرصے بعد اس کا دل شادی کرنے اور سیٹل ہو جانے پہ آمادہ ہوا تھا۔ ایسے میں کیوں یہ جادوگر یا عامل اس کی خوشیوں کے پیچھے پڑے تھے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دن کی روشنی اونچی کھڑکیوں سے اندر آتی اس کے سارے آفس کو منور کیے ہوئے تھی۔ وہ پین سے گرافک ٹیبلیٹ کی اسکرین پہ لکیریں کھینچ رہا تھا۔ کوٹ پیچھے اسٹینڈ پہ ٹنگا تھا اور سفید شرٹ کے کف موڑے ہوئے تھے۔ سر جھکائے وہ کام میں منہمک تھا جب دروازے پہ دستک ہوئی۔

ماہر نے اکتا کے چہرہ اٹھایا تو دیکھا' گلاس ڈور کے پار بیربل کھڑا ہے۔ بھائی کو اپنی طرف متوجہ پا کے بیربل نے مسکرا کے ہاتھ ہلایا۔ اس کی ناگواری مزید بڑھ گئی۔ پین نیچے رکھا اور میز پہ لگا بٹن دبایا تو دروازہ کھل گیا۔

بیربل ازلی خوشگوار موڈ میں چلتا ہوا اندر آیا۔ ایک ہاتھ میں وہ چابیوں کا گچھا عادتاً گھما رہا تھا۔ ماہر نے اونچی کرسی پہ پیچھے ٹیک لگائی اور سر سے پیر تک اسے دیکھا۔ جینز' جوگرز اور آدھی آستین کی شرٹ پہنے' اس کے

گھنگھریالے بال فٹبالرز کی طرح سیٹ تھے۔

''جانتے ہو بزنس چلانے کے لیے سب سے اہم چیز کیا ہوتی ہے؟''

''باپ کا بہت سارا پیسہ؟'' بیربل مسکرایا۔

''موجودگی۔ بزنس کے مالک کی اپنی موجودگی۔ تمہیں اس وقت اپنی بیکری میں ہونا چاہیے تھا۔''

''کوئی اور نصیحت' ماہر بے؟''

ماہر نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''آج کے دور میں اگر کسی کو پیسہ کمانے کا شوق ہو تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ (سنگل انکم) ایک آمدنی پہ گزارا ناممکن ہو چکا ہے۔ ایک آمدنی صرف ضروریات پوری کر سکتی ہے۔ تعیشات کے لیے انسان کو آمدنی کے...'' انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی۔'' دو ذرائع چاہئیں۔ تم ساری زندگی اپنے باپ کی کمپنی کے ماہانہ الاؤنس پہ گزارا نہیں کر سکتے بیربل۔''

''کبھی لیکچر دینے کے علاوہ اپنے چھوٹے بھائی کے لیے وقت نہیں نکال سکتے؟''

بیربل نے خفگی سے پلکیں دو تین دفعہ جھپکائیں۔ ماہر چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر پین ایک طرف رکھا اور اسکرین بجھاتے ہوئے اٹھا۔

''کیوں نہیں۔ وقت ہے میرے پاس۔ چلو قہوہ پیتے ہیں۔'' اس کے دوستانہ انداز پہ بیربل نے قدرے تعجب اور شک سے اسے دیکھا۔

''وائی بے... (واؤ) آج ماہر آفندی نے میرے لیے خود وقت نکالا ہے۔'' (آفندی ادب کا طرزِ تخاطب تھا جسے بیربل الٹ معنوں میں استعمال کرتا تھا۔)

ماہر محض مسکرا دیا اور کف کے بٹن بند کرنے لگا۔ بیربل نے ہونٹ سکوڑ کے کچھ گنگناتے ہوئے گردن ادھر ادھر موڑی تو کھڑکی میں رکھا کیکٹس نظر آیا۔ اس کے ابرو اوپر اٹھے۔ تحیر سے ماہر کو دیکھا۔ وہ اب کوٹ پہن رہا تھا۔

''یہ اپنا ہم شکل پودا لینے کی کیا ضرورت پیش آئی؟''

ماہر نے کوٹ پہن کے کالر ذرا جھٹکے اور مسکرا کے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ بیربل کو یاد آیا۔ سیاہ سفید فرش پہ بیٹھی سیاہ لباس والی لڑکی جو ساتھ رکھے پودے پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ اس کے لبوں پہ بکھر گئی۔

زارینہ ہال میں ایک اسٹاف کے ساتھ کھڑی چند کاغذات دیکھ رہی تھی۔ اس نے دونوں کو باہر نکلتے دیکھا تو اسٹاف سے معذرت کر کے تیزی سے اس طرف آئی۔ ایسے کہ ان دونوں کی اس جانب پشت تھی۔ ماہر کے آفس کا دروازہ ابھی واپس چوکھٹ سے نہیں لگا تھا جب زارینہ نے اسے تھام کے روک لیا۔ پھر ان کو جاتے دیکھتی رہی۔

بیربل گزرتے ہوئے تمام اسٹاف کو مسکرا کے ہاتھ ہلا رہا تھا اور وہ اسے جوابی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً وہی جونیئر آرکیٹیکٹ ان کے قریب آئی اور ٹیبلیٹ ماہر کو دکھایا۔

''اب؟'' بہت امید سے اس نے اپنے باس کے چہرے کو دیکھا جس نے اس کے کام پہ صرف ایک نظر ڈالی تھی۔

''تمہارے فلور پلان کی سرکولیشن میں سیکیورٹی گیپ ہے۔ یہ بینک بلڈنگ ہے۔ تمہارا گھر نہیں۔'' گھور کے اسے دیکھا۔ ''دوبارہ سے بناؤ۔''

لڑکی نے خفگی سے ٹیب واپس لیا اور پیر پٹخ کے آگے بڑھ گئی۔

''وہ دل میں تمہیں سائیکو پیتھ کہہ رہی ہو گی۔'' بیربل نے اس کے قریب سرگوشی کی۔

ماہر نے مسکرا کے سر جھٹکا۔

''سائیکو پیتھ ود ڈالرز۔'' (وہ ذہنی مریض جس کے پاس ڈالرز ہیں)۔

بیربل نے جھرجھری لی۔

''میری بیکری میں اگر کوئی میرے نام رکھتا تو اب تک میں اسے فائر کر چکا ہوتا۔''

''تمہارے خیال میں وہ تمہارے نام نہیں رکھتے ہوں گے؟'' ماہر ہلکا سا ہنسا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے لفٹ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ''ہر باس کے نام رکھے جاتے ہیں۔''

''تم نے اپنی باس کا کیا رکھا تھا؟''

وہ دونوں لفٹ کے دہانے پہ کھڑے تھے جب بیربل نے پوچھا۔ ماہر کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''بیر۔'' اس کی آنکھوں میں تنبیہہ تھی۔ بیربل نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

''تمام تمام۔ (اوکے اوکے) نہیں پوچھتا۔''

لفٹ کے دروازے کھلے اور وہ دونوں اندر سوار ہو گئے۔ لفٹ اوپر چلی گئی تو زارینہ نے تیزی سے ماہر کے آفس کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوئی۔ آج وہاں صندل وڈ کی موم بتی کی خوشبو پھیلی تھی۔

وہ ماہر کی میز تک آئی اور دھڑکتے دل سے دراز کھولا۔ وہاں کچھ کاغذات کے اوپر ٹوٹی ہوئی خطائی رکھی تھی۔

زارینہ نے تعجب سے اسے دو انگلیوں میں اٹھایا۔ چند ذرے مزید بھربھرا کے نیچے گرے۔

ماہر ایسے بسکٹ یا بیکری میں بنی چیزیں نہیں کھاتا اور یہ باسی بسکٹ بیربل کی بیکری کا نہیں لگتا تھا۔ پھر؟

وہ جو بھی چیز تھی، زارینہ کو پسند نہیں آئی تھی۔ اس نے بنا سوچے سمجھے خطائی کو ٹشو میں لپیٹا اور مٹھی میں دبائے باہر نکل آئی۔ پھر ہال کے دوسرے کونے میں رکھی ایک ڈسٹ بن میں اسے پھینک دیا۔

ولا کی چھت پہ ایک اوپن ایئر کیفے بنا تھا۔ استنبول پہ اترتی شام وہاں سے دکھائی دے رہی تھی۔ اطراف کی اسٹریٹس کے اونچے سرسبز درخت آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا رہے تھے۔

ماہر اور بیربل ایک میز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے اور شبنم کافی کے دو کپ ان کے سامنے رکھ رہی تھی۔

''تمہاری پسندیدہ کافی بیربل۔ کوکونٹ ملک کے ساتھ۔'' اس نے مسکرا کے اطلاع دی۔

بیربل نے کپ اٹھایا اور آنکھیں بند کر کے سونگھا۔ پھر داد دینے والے انداز میں اسے دیکھا۔

''شبنم تم میرے پسندیدہ لوگوں کی فہرست میں دوسرے نمبر پہ آ گئی ہو۔''

''پہلے پہ کون ہے۔''

''میں خود۔'' اس نے ہنس کے کافی کا کپ ہونٹوں سے لگایا۔ شبنم نے محض 'ہوں'' کر کے استہزایہ نظروں سے اسے دیکھا۔ پھر ماہر کو آنکھوں میں کوئی اشارہ کیا اور وہاں سے ہٹ گئی۔

''اب بتاؤ.... تم ٹھیک ہو؟'' بیربل کے چہرے پہ فکرمندی تھی۔

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا گردن موڑے اطراف میں رکھی کرسیوں کو دیکھ رہا تھا۔ دور آسمان پہ نارنجی سورج کی آخری کرنیں بکھری تھیں۔ اس سوال پہ محض شانے اچکا دیے۔

''مجھے کیا ہونا ہے؟''

''کیا ہم نے تمہیں زبردستی اس لڑکی سے دور کر کے برا کیا ہے؟'' بیربل سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

ماہر کی بھوری آنکھیں ڈوبتے سورج پہ جمی تھیں۔

''مجھے کوئی کسی کام پہ مجبور نہیں کر سکتا۔ مالک اور تم نے مجھے صرف یاد کروایا تھا کہ میں فوکس لوز کر رہا ہوں۔ جو ہوا ٹھیک ہوا۔''

''میں تمہیں لاہور سے اس لیے نکالنا چاہتا تھا کیونکہ تم خود کو اور اس لڑکی، دونوں کو ہرٹ کر رہے تھے۔ لیکن...''

بیر بل نے گہری سانس لی۔ کچھ تھا ماہر کے بارے میں جو بہت اداس کر دینے والا تھا۔

''لیکن اگر تم اس سے دور رہ کے خوش نہیں ہو تو اس کے پاس واپس جاؤ' اس سے معافی مانگو اور پھر فیصلہ کرو۔''

''وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی۔''

''اگر تم اسے اصل بات بتا دو تو شاید....''

''میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھے معاف کرے' بی۔ تم نے درست کہا تھا۔ دھوکہ انسان کو ڈیمج کر دیتا ہے۔ میں نے اسے ڈیمج کر دیا ہے اور مجھے اس بوجھ کے ساتھ رہنا ہے۔''

''ابھی اس کو معلوم نہیں ہوا ہو گا۔ اس سے پہلے کہ کوئی اور اسے بتائے' تم خود اسے بتا دو۔''

ماہر زخمی سا مسکرایا اور اپنا کپ اٹھایا۔ پھر اس میں رکھے ترکش قہوے کو دیکھا جس میں سورج کی نارنجی کرنوں کا عکس ابھر رہا تھا۔

''اس کے پاس میرے اپارٹمنٹ کا کارڈ تھا۔ جلد یا بدیر وہ میرے پیچھے جائے گی۔ اسے معلوم ہو جائے گا۔''

''یوک آرتک بے۔ (no way)....'' بیر بل سانس روکے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''میں سمجھا تھا کہ یہ ایک Obsession ہے.... لیکن تمہیں واقعی اس لڑکی سے محبت ہو گئی ہے۔''

ماہر نے خاموشی سے قہوے کا گھونٹ بھرا۔ اندر تک کڑواہٹ گھل گئی۔

''اگر محبت ہو گئی ہے تو پھر اسے چھوڑ کے کیوں آئے ہو؟ واپس جاؤ۔ معافی مانگو۔ ورنہ موو آن کیسے کرو گے۔''

''میں معاملہ ختم کر چکا ہوں۔'' وہ سر جھکائے قہوے کی پیالی کو دیکھ رہا تھا۔

''چچ... کیا فائدہ ہوا اس لڑکی کا دل دکھانے کا۔'' بیر بل افسوس سے سر ہلاتا کہہ رہا تھا۔ ''تمہیں یقین تھا کہ وہ کچھ جانتی ہے۔ اگر واقعی ایسا ہوتا تو تمہیں مالک کی بات نہ ماننی پڑتی۔''

''وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔'' وہ واپس گردن موڑ کے بادلوں کو دیکھنے لگا جن کے کنارے سرخ ہو رہے تھے۔ اس نے کہا تھا کہ حورِ جہاں کی بیٹی جانتی ہے۔ حورِ جہاں کی بیٹی کشمالہ...'' اس نے تصویر پہ لکھی سطر دہرائی۔ ''شاید اس نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ یا شاید مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔ کہاں غلطی ہوئی ہے؟'' وہ خود سے بڑبڑایا۔ اس ساری equation میں کچھ مسنگ تھا۔

''شاید تمہیں تسلیم کر لینا چاہیے کہ کوئی کچھ بھی نہیں جانتا۔ جو گزر چکا وہ گزر چکا۔ جیسے ہم نے سمجھوتہ کر لیا ہے' تم بھی کر لو۔'' بیر بل کا لہجہ سنجیدہ تھا۔ ''تم صرف ایک کام کر سکتے ہو۔ اس لڑکی سے ملنے جاؤ۔ یا اس سے بات

کرو۔ اس کو سچ بتا دو۔"

"کیا بتاؤں۔ یہ کہ میں اپنا انتقام لینے نکلا تھا۔ یا یہ کہ میں اس کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔" ماہر نے سر جھٹکا اور قہوے کا آخری گھونٹ اندر اتارا۔ "سچ مجھے معافی نہیں دلوائے گا' بی۔"

بیربل چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

"تیسری بات بتا دو۔" وہ بولا تو اس کی آواز مدھم تھی۔

ماہر فرید کے چہرے پہ تکلیف ابھری لیکن وہ اسے دبا گیا۔

"ہر بات ہر ایک کے لیے نہیں ہوتی۔"

"یعنی میرے یہاں آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔" بیربل خفا ہوا۔ "میں نے صرف ماہر فرید کا وقت ضائع کیا۔"

ماہر پہلی دفعہ مسکرایا۔

"ماہر فرید وقت اور پیسہ کسی پہ تب تک انویسٹ نہیں کرتا' جب تک اسے منافع نہ نظر آئے۔ شبنم۔" اس نے دو انگلیوں سے دور کھڑی شبنم کو پکارا۔ وہ ناک پہ عینک درست کرتی مسکراتی ہوئی آگے آئی۔ ماہر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی کہنی اور کندھے کے درمیان تک پہنچتی شبنم اس کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ وہ دونوں اس کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہوا؟" بیربل نے باری باری ان دونوں کو دیکھا۔

شبنم نے مسکرا کے ایک کاغذ بیربل کے سامنے رکھا۔

"یہ ان تمام چیزوں کا بل ہے جو ماہر کے گھر میں تم نے توڑی یا خراب کی ہیں۔ یہ بل تمہیں ایک ہفتے کے اندر اندر ادا کرنا ہے ورنہ یہ تمہاری ماہانہ الاؤنس سے کٹ جائے گا جو تمہیں فرید ہولڈنگ کی طرف سے ملتی ہے۔"

بیربل نے حیرت سے کاغذ تھاما اور پھر اس پہ نظر دوڑائی۔ پہلے وہ ہنسا۔

"یو آر تنگ' ماہر۔ (ہرگز نہیں' ماہر)۔ میں تمہارا بھائی ہوں۔ تمہاری چیز میری چیز ہے۔" ہنس کے ماہر کو دیکھا۔ لیکن ماہر کے تاثرات نہیں بدلے تو بیربل کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ پہلے چہرے پہ بے یقینی ابھری۔ پھر خفگی۔

"تبھی میں کہوں آج ماہر آفندی نے اپنے بھائی کے لیے وقت کیسے نکال لیا۔"

"اگلی دفعہ میرے آفس آنا تو بل ساتھ لے کر آنا۔" ماہر نے اس کا کندھا نرمی سے تھپکا تو بیربل ناراضی سے کاغذ کو مٹھی میں مروڑتے ہوئے اٹھا۔

''شبنم... آج سے تم میری لسٹ میں سیکنڈ لاسٹ نمبر پہ ہو۔''

''لاسٹ پہ کون ہے؟''شبنم نے مسکرا کے پلکیں جھپکیں۔

''ایک سائیکو پیتھ جس کے پاس بہت ڈالرز ہیں۔''وہ جل کے بولا اور خفگی سے آگے بڑھ گیا۔

''ہم بیربل سے مذاق کرر ہے ہیں نا۔''شبنم نے مسکرا کے اس کے قریب سرگوشی کی۔''تا کہ وہ آئے روز یہاں آ کے ہمارا وقت ضائع نہ کرے۔ہم اصل میں اس سے پیسے تو نہیں لیں گے نا۔''

جواب نہ پا کے شبنم نے گردن اٹھا کے اپنے باس کا چہرہ دیکھا۔لیکن اس کے تاثرات دیکھ کے وہ گڑبڑا کے جلدی سے بولی۔

''یعنی ہم لیں گے۔ہم اس سے پیسے لیں گے۔سمجھ گئی۔''

وہ محض ایک تنبیہی نظر اس پہ ڈالتا آگے بڑھ گیا۔شبنم نے گہری سانس لی۔پیسہ ماہر فرید کی واحد محبت تھا اور پیسے کے معاملے میں وہ مذاق نہیں کرتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس نیم تاریک کمرے میں موجود عامل نے آج بھی ویسے ہی چوکڑی مار رکھی تھی اور اس کے ہاتھ کاغذ کے ایک پرچے پہ چند حروف لکھ رہے تھے۔زعفرانی روشنائی میں قلم ڈبو ڈبو کے لکھے جانے والے الفاظ اس کے موکلوں کو اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔اس کے جھکے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔اس کو اشارہ مل چکا تھا۔

عمل اثر کرنے لگا تھا۔

اور سینکڑوں میل دور اپنے کمرے میں سوئی کشمالہ مبین کی نیند ایک دم سے ٹوٹی۔

لیکن آنکھ نہیں کھلی۔

اس نے آنکھ کھولنی چاہی لیکن پلکیں بھاری تھی۔کھلتی نہیں تھیں۔اس نے جسم ہلانا چاہا لیکن سینے پہ بوجھ تھا۔جیسے کوئی سینے پہ بیٹھا ہو۔اس کی زبان ہلنے سے انکاری تھی۔اس نے لب کھولنے چاہے لیکن وہ ہلتے نہیں تھے۔

اس نے دل ہی دل میں پڑھنے کی کوشش کی۔اللہ لا الہ... لیکن آیت الکرسی کے پہلے الفاظ نہیں پڑھے جا رہے تھے۔

کوئی دھیرے دھیرے اس کا کمبل کھینچ رہا تھا۔آہستہ آہستہ۔تھوڑا سا کھینچتا پھر رک جاتا۔تنگ کرنے کا سا انداز۔دروازہ چرچرانے کی آواز بھی آئی۔جیسے کوئی اندر آیا ہے۔بیڈ کے کنارے پہ بوجھ بڑھا۔جیسے کوئی ساتھ

بیٹھا ہے۔

وہ ساکت لیٹی تھی۔ آنکھیں بند تھیں۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ کوئی کمرے میں ہے۔ کوئی ہے جو جان بوجھ کے آوازیں نکال کے اسے تنگ کر رہا ہے۔ وہ اسے ڈرانا چاہ رہا ہے۔

اس کا سارا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ اس نے پھر سے پڑھنا چاہا۔ **اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم۔**

یکدم زبان کا تالا کھل گیا۔ وہ بنا آواز کے آیت الکرسی پڑھنے لگی۔ ایک دم سینے سے بوجھ ہٹا۔ ذہن کسی تاریک سمندر میں ڈوب کے باہر نکلا۔ کشمالہ نے چونک کے آنکھیں کھولیں اور جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔

اب ہر طرف سکوت تھا۔ ماں ساتھ خاموشی سے سو رہی تھیں۔ دروازہ بھی بند تھا۔ مقفل۔ ویسے ہی جیسے وہ بند کر کے سوئی تھی۔

وہ گھبرا کے بستر سے نیچے اتری اور لائٹ جلائی۔ اس کا سانس تیز چل رہا تھا اور دل ایسے بری طرح سے دھڑک رہا تھا جیسے سینہ توڑ کے باہر آ جائے گا۔ وہ بار بار گھبراہٹ سے آیت الکرسی پڑھ رہی تھی۔

کوئی تھا۔ کوئی تھا وہاں۔ کیف باہر گارڈ ڈیوٹی پہ ہوگا۔ وہ اس سے پوچھے گی کہ...

یکدم وہ بالکل ساکت ہو گئی۔ کیف؟ کہاں سے آیا کیف؟ کیف تو اسے چھوڑ کے جا چکا تھا۔

وہ وہیں بیڈ پہ پیر اوپر کر کے بیٹھ گئی اور اپنے گرد بازو لپیٹ کے خود کو جیسے گلے سے لگا لیا۔ ایک دم سے آنکھوں سے آنسو بہنے لگ گئے۔

اتنے دن بعد اتنا شدید سلیپ پیرالسز (sleep paralysis) ہوا تھا۔ اتنے دن بعد اتنا ڈر لگا تھا۔ کیا وہ اب کبھی بتی بجھا کے نہیں سو سکے گی؟

اس نے بھیگی آنکھوں سے اطراف میں دیکھا۔ اور کرب سے آنکھیں بند کیں۔

ایک دم ذہن میں جھما کہ ہوا۔

مالا نے آنکھیں کھولیں۔ اور حیرت سے سوچا۔ بلکہ یاد کرنا چاہا۔

ابھی وہ خواب میں کیا دیکھ رہی تھی؟

سینے پہ دباؤ بڑھنے سے پہلے وہ کیا دیکھ رہی تھی؟

اس نے آنکھیں بند کر کے یاد کرنا چاہا۔

اگر ابھی یاد نہ کیا تو وہ نہیں یاد کر سکے گی۔ خواب دیر ہونے پہ بھول جاتے ہیں۔

اس نے دیکھا تھا کہ ایک تاریک سا کمرہ ہے جس میں روشنی کم ہے۔ اور کمرے کے وسط میں ایک ہنڈیا رکھی ہے۔ ایک سیاہ چغے والا آدمی اس ہنڈیا کے ساتھ بیٹھا ہے۔ اس کے ہاتھ سیاہ ہیں اور وہ سر پہ نارنجی رومال لپیٹے ہوئے ہے۔ سر جھکائے وہ کاغذ پہ تعویذ لکھ رہا ہے۔ اس کے سامنے مالا اور زیاد کی تصویریں رکھی ہیں۔ یک دم وہ زیاد کے چہرے پہ خون ڈالنے لگتا ہے۔ قطرہ قطرہ سرخ خون۔

پھر ایک دم سے وہ جادوگر چہرہ اٹھا کے مالا کو دیکھتا ہے۔ سیدھا اس کی آنکھوں میں جیسے وہ سامنے بیٹھی ہو۔ اور وہ مسکراتا ہے۔ اس کی آنکھیں سیاہ ہیں۔ اور نارنجی رومال سے نکلتے اس کے بال بالکل سفید ہیں۔ اس کے چہرے پہ سفید داڑھی بھی ہے۔ چھوٹی سی داڑھی۔ اور اس نے نارنجی رومال کے نیچے جالی دار ٹوپی پہن رکھی ہے۔ جیسی معید مسجد پہن کے جاتا ہے۔

وہ آدمی کون تھا؟ اس کا چہرہ اس نے زندگی میں پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ بوڑھا آدمی جس کے بال بالکل سفید تھے۔ وہ چہرہ اسے یاد رہ گیا۔ گو کہ وہ اجنبی تھا' لیکن وہ اس چہرے کو بھرے مجمع میں شناخت کر سکتی تھی۔ البتہ عجیب بات یہ تھی کہ خواب میں اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اس شخص کو جانتی ہے۔ بہت اچھی طرح سے۔ ایک شناسا سا احساس تھا اس شخص کے چہرے میں۔ کیا اس کی شکل کسی سے ملتی تھی؟

وہ جو بھی تھا' اس کے پاس مالا اور زیاد کی تصویر تھی۔ کیا وہ مالا اور زیاد کے رشتے پہ جادو کرنا چاہتا تھا؟ کیا کوئی نہیں چاہتا کہ ان کا رشتہ بنے؟ لیکن ابھی تو رشتہ بنا ہی نہیں تھا۔ اُف میرے اللہ۔ میرے پیچھے کون پڑا ہے؟

اس نے موبائل اٹھایا اور لاؤنج میں آ گئی۔ ساری بتیاں جلا دیں۔ اب کچھ ڈر کم ہوا تو ماہی کو ویڈیو کال ملائی۔

ماہی کے ہاں دوپہر تھی۔ وہ اپنے لونگ روم میں لمبی لیٹی مالا کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔

(میں ساری زندگی بات نہیں کروں گی اس سے۔) وہ بھیگی آنکھوں سے بڑبڑا رہی تھی۔ سامنے کچن کاؤنٹر پہ لیپ ٹاپ رکھے' اونچے اسٹول پہ بیٹھ کے کام کرتے عباد نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''ابھی اس کی کال آئی تو تم نے سب بھلا دینا ہے۔''

''ماہی کے غصے کو ہلکا مت لو' اچھا۔'' وہ واقعتاً غصے سے بولی۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی تو ماہی نے تیزی سے میز پہ رکھا فون اٹھایا۔ مالا کا نام دیکھتے ہی جلدی سے اٹھ کے بیٹھی اور کال ریسیو کی۔

''سوری مالا۔ میں بہت غلط بول گئی۔'' وہ مالا کا چہرہ دیکھتے ہی روہانسی ہو کے بولی اور آنکھوں سے آنسو بہنے

لگے۔

''سوری ماہی۔ میں نے بھی غلط ری ایکٹ کیا۔'' مالا اداس لگتی تھی۔ اس کے کھلے بال کانوں کے پیچھے اڑسے تھے اور سبز آنکھیں بے چین سی تھیں۔

عباد نے مسکراہٹ دبا کے اسے دیکھا۔

''میں اس سے ساری زندگی بات نہیں کروں گی۔'' زیر لب ماہی کی نقل اتاری۔

ماہی نے چہرہ اٹھا کے اسے خفگی سے دیکھا۔

''بہنوں کے درمیان نہ بولو۔ اچھا۔'' پھر وہ مالا کی طرف متوجہ ہوئی اور گیلے چہرے کے ساتھ مسکرائی۔

''اور سناؤ کیسی ہو؟''

بہنوں کی ناراضی ایسی ہی ہوتی ہے۔ کوئی ایک بات کر لے تو سارے گلے شکوے بھول جاتے ہیں۔ پھر اسے خیال آیا۔ ''تمہارے ہاں تو رات ہوگی۔ کیا ہوا؟''

''مجھے بہت برا sleep paralysis ہوا ہے۔ اور ایک خواب بھی آیا ہے۔'' چونکہ وہ ایک برا خواب نہیں تھا بلکہ آگاہی دینے والا خواب تھا اس لیے وہ ماہی کو سنائے گئی۔

''میں اس آدمی کو پہچانتی تھی خواب میں۔ جیسے ... اس کی شکل کسی سے ملتی ہے۔ کچھ شناسا سا تھا۔ اُف ماہی مجھے یاد کیوں نہیں آرہا؟'' وہ بے بس نظر آرہی تھی۔ ماہی نے غور سے اسے دیکھا۔

''اب تمہیں یقین آیا مالا کہ یہ سب جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے اس میں جادو اور جنات کا ہاتھ ہے؟''

مالا نے تکان سے اسے دیکھا اور کندھے اچکائے۔ ''شاید۔''

''شاید۔ تم اب بھی شاید کہہ رہی ہو لڑکی۔ ہوش کرو۔ کوئی ہے جو ہم پہ جادو کر رہا ہے۔ یقیناً کبیرہ تائی نے کوئی عامل ہائر کیا ہوگا۔''

''ہمیں کنفرم تھوڑی ہے کہ یہ کبیرہ ہی ہیں۔''

''وہی ہیں۔ میں بتا رہی ہوں مالا یہ وہی ہیں۔ ماں کی سب سے بڑی دشمن۔'' ماہی تیز تیز کہہ رہی تھی۔ ''ہمیں ماں کا مزید خیال کرنا ہوگا۔ صبح شام رقیہ پڑھنی ہوگی۔ ماں پہ مسلسل دم کرنا ہوگا۔ ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔''

مالا نے سر ہلا دیا۔ ''میں ماں کے ساتھ ہوں۔ وہ ٹھیک ہو رہی ہیں۔ اب کچھ نہیں ہوگا۔'' اس نے بڑ بڑا کے جیسے خود کو تسلی دی۔

''ویسے مالا' ہماری لڑائی اس کمبخت ماہر فرید کی وجہ سے ہوئی ہے۔ خود تو فارغ ہے' تمہارا تعاقب کرنے کے علاوہ اسے کوئی کام نہیں۔ ہمیں بھی ٹینشن میں ڈال دیا۔''

''فارغ تو ہے۔ لیکن باتیں کیسی بڑی بڑی کرتا تھا۔'' وہ یاد کر کے بتانے لگی۔ رات کے تین بجے کیف کی باتیں یاد کرنا بھی عجیب لگ رہا تھا۔ ''انسان پیسے سے نہیں جیت سکتا، بزنس کرنے کے لیے یہ چاہیے ہوتا ہے۔ وہ چاہیے ہوتا ہے۔ ہونہہ۔ (سر جھٹکا)۔ اسے کیا معلوم بزنس کی اسٹرگل کیا ہوتی ہے۔ اس کے پاس تو باپ کا پیسہ تھا۔''

''اور کیا کہتا تھا؟'' ماہی اس کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ ظہیر کے دھوکہ دینے پہ اتنی ڈسٹرب نہیں ہوئی تھی جتنی کیف کی وجہ سے لگ رہی تھی۔

''اسے صبح صبح گولڈ' کرنسی' اسٹاک مارکیٹ' سب کے ریٹس معلوم ہوتے تھے۔'' وہ اس کے لہجے میں بتانے لگی۔ ''میں کیف ہوں۔ مجھے پتہ ہوتا ہے۔ اور...'' اسے یاد آیا۔ ''میں وقت اور پیسہ وہاں ضائع نہیں کرتا جہاں مجھے منافع کی امید نہ ہو۔''

''یہ تو کسی فلم کا ڈائیلاگ ہے شاید۔'' ماہی کو یہ بات شناسا سی لگی۔ وہ قدرے حیران ہوئی۔ پھر کچھ سوچ کے ہنسی آئی۔ ''اتنا امیر تھا وہ۔ بخت بی اور سلیم کے ساتھ گزارا کیسے کیا ہوگا۔''

البتہ مالا نہیں ہنسی۔ وہ اداس تھی۔

''اسی لیے وہ ہمارے گھر میں نہیں رہتا تھا۔ یہاں صرف ہم پہ نظر رکھنے آتا تھا۔ اس کے اسٹینڈرڈ اونچے تھے۔ وہ ہمارے گھر سے کچھ نہیں کھاتا تھا۔ صرف کافی پیتا تھا۔'' ایک زخمی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ پھیل گئی۔ ''اس نے خطائی بھی نہیں کھائی تھی کیونکہ وہ بیکری آئٹمز نہیں کھاتا تھا۔ وہ اکثر سیاہ اور سفید پہنتا تھا۔''

ماہی نے سمجھ کے سر ہلا دیا۔

''مجھے ایک آرکیٹیکٹ نے بتایا تھا کہ جو آرکیٹیکٹس اپنے کام سے جنون کی حد تک محبت کرتے ہیں' وہ صرف سیاہ اور سفید پہنتے ہیں۔ حالانکہ میں تو سارے کلرز پہنتی ہوں۔''

''شکر ہے تم نے یاد کروا دیا کہ تم بھی ایک آرکیٹیکٹ ہو۔ ہم تو بھول گئے تھے۔'' دور بیٹھے کام کرتے عباد نے لقمہ دیا۔ ماہی نے اسے نظر انداز کیا اور بات جاری رکھی۔

''سنو مالا... عباد کا خیال ہے کہ تمہیں پولیس کو انوالو کرنا چاہیے۔''

''یہ پاکستان ہے' ماہی۔ یہاں پولیس کچھ نہیں کرتی۔ صرف بدنامی ہوگی ہماری۔'' پھر اس نے سر جھٹکا۔ ''وہ

ایک فراڈ تھا۔ اور شکر ہے وہ میری زندگی سے نکل گیا۔" پھر خیال آیا تو تیزی سے بولی۔ "ماہی ... سوچنا بھی مت کہ تم اسے کانٹیکٹ کرو گی۔ نہ ہی تم اسے انٹرنیٹ پہ سرچ کرو گی۔ ورنہ میں بہت ناراض ہوں گی۔"

"نہیں کروں گی۔ پکا وعدہ۔" ماہی نے مسکرا کے کہا۔ "مجھے ویسے ہی سارے ..." عباد کو دیکھ کے جلدی سے تصحیح کی۔ "اکثر امیر لوگ برے لگتے ہیں۔ تم سوچو بھی نہیں کہ میں اس کمبخت' گھٹیا' دھوکے باز ماہر فرید سے کبھی بات کروں گی۔"

اس نے مسکرا کے اپنی بہن کو یقین دلایا تھا۔ مالا اداسی سے مسکرا دی۔

پھر وہ اوپر اپنے اسٹوڈیو میں چلی آئی۔ وہاں ایک دراز میں اس نے کیف جمال سے منسلک چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے کاغذات۔ employment contract۔ شناختی کارڈ کی کاپی۔ سی وی۔ سب کچھ جعلی تھا۔ اس نے سب جمع کر کے ٹیبل پہ رکھا۔ اور وہیں بیٹھ کے بس اس سب کو دیکھے گئی۔

ملال۔ افسوس۔ اس شخص کی وجہ سے وہ اتنی کڑوی ہوگئی کہ اپنی بہن سے لڑ بیٹھی؟

ایسا نہیں تھا کہ ماہی اور اس کی لڑائی نہیں ہوتی تھی۔ ٹین ایج تک ہفتے میں دو لڑائیاں لازماً ہو جاتی تھی۔ لیکن جب سے ماہی کی شادی ہوئی تھی' ان کی ایک لڑائی دو ماہ میں ایک دفعہ ہوتی تھی۔ فاصلے کی وجہ سے لڑائیوں میں کئی کئی ماہ کا گیپ آنے لگا۔ بہن بھائیوں کی لڑائیاں اس دنیا کی سب سے نارمل چیز ہیں۔ لیکن یہ لڑائیاں کسی تیسرے کی وجہ سے نہیں ہوتی تھیں۔ اسے کیا ہوتا جا رہا تھا؟

فجر کے بعد وہ اپنے کمرے میں آئی تو ماں اٹھی بیٹھی تھیں۔ بخت بھی ساتھ بیٹھی ان کے بالوں کی چوٹی بنا رہی تھی۔

"آپ کب جاگیں؟" وہ فکرمندی سے کہتی ان کے قریب آئی اور ان کا ہاتھ تھام کے ان کے ساتھ بیٹھی۔ کتنے دن سے وہ ان کو توجہ نہیں دے رہی تھی۔ صرف کیف کی وجہ سے۔

ماں نے اپنی جھریوں زدہ بھوری آنکھوں سے اسے دیکھا اور مسکرائیں۔ پھر اس کے ہاتھ پہ اپنا بوڑھا ہاتھ رکھا۔

"تم اوپر اسٹوڈیو میں تھیں۔ یقیناً کام کر رہی ہو گی۔ اتنا قیمتی کام ہے تمہارا۔ میری وجہ تم کام بھی نہیں کر سکتیں۔" وہ ملال سے کہہ رہی تھیں۔

وہ وہیں سن بیٹھی رہ گئی۔ ماں نے اس کے کام کو قیمتی کہا تھا۔ کتنے برسوں سے وہ یہ بات سننا چاہتی تھی۔ اور کیا قیمت ادا کی تھی اس بات کی۔

''ماں...''اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''مالا میں تو اب ٹھیک ہوں۔ پھر تم کیوں...'' وہ ہچکچائیں۔ جیسے الفاظ تلاش کیے۔'' بیٹے تم اپنے آپ کو بہت محنت سے اس مقام تک لائی تھیں۔ تم نے بہت لگن سے اپنی زندگی تعمیر کی تھی۔ تم واپس کیوں بدل رہی ہو؟''انہوں نے ایک ہاتھ سے اس کے بالوں کو چھوا جو الجھے ہوئے سے جوڑے میں بندھے تھے۔

''تم اتنے برسوں کی محنت کو کیسے ضائع کر سکتی ہو؟''

اور یہ وہ لمحہ تھا جب کشمالہ کسی خواب سے جاگی۔ بس ایک لمحے میں دکھ ڈپریشن کے مرحلے سے نکل کے ''قبولیت'' کے اسٹیج میں داخل ہو گیا۔

بس اس ایک لمحے میں اس نے قبول کر لیا کہ کیف اس کی زندگی سے جا چکا تھا۔

''میں واپس نہیں بدلوں گی' ماں۔'' اس نے مسکرا کے ان کا ہاتھ تھاما۔'' میں کشمالہ ہوں۔ میں کسی کی وجہ سے بھی اپنے آپ کو نہیں بدلوں گی۔ میں آج سے کام پہ واپس جاؤں گی۔ او کے؟''مسکرا کے نم آنکھوں سے انہیں یقین دلایا۔ ماں بھی نرمی سے مسکرادیں۔ بخت بی پیار سے ان کے بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔

ان کے بال آج بھی بہت زیادہ گرے تھے۔ شاید گرم دواؤں کا اثر تھا۔

شاید۔

دفعتاً فون کی ٹون بجی تو اس نے چونک کے موبائل اسکرین دیکھی۔

''امی اور میں کچھ دیر پہلے ہی پاکستان پہنچے ہیں۔'' زیاد کا میسج وہاں جگمگا رہا تھا۔ گزشتہ روز لاہور میں ان کے ایک رشتے دار کی وفات ہو گئی تھی۔ یقیناً اس وجہ سے ان کو آناً فاناً آنا پڑا۔

''میں چاہتا ہوں کہ میں اور آپ ایک دفعہ مل کے بات کر لیں۔''

''شیور۔ آج ہی ملتے ہیں۔'' اس کی انگلیاں میکانکی انداز میں جواب لکھنے لگیں۔

وہ کشمالہ تھی۔ ایک نرم خو اور مہربان لڑکی۔ وہ کیف کی نفرت میں خود کو زہر آلود نہیں ہونے دے گی۔ وہ کیف کو بھلا کے اپنی زندگی میں واپس جائے گی۔ وہ ایک برا خواب تھا جو ختم ہو چکا تھا۔ اسے زیاد کے رشتے کے متعلق سوچنا تھا۔ کام پہ فوکس کرنا تھا۔ ماں کو توجہ دینی تھی۔

اس کی زندگی میں اور بھی غم تھے۔

کیف کے سوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"بطور آرٹسٹ آپ کو رنگ کیوں اچھے لگتے ہیں؟"

(مالا آئینے کے سامنے کھڑی تھی۔ گیلے کنڈیشنڈ بال شانوں پہ بکھرے تھے اور وہ نرمی سے ان کو برش کر رہی تھی۔ چہرہ دائیں بائیں گھما کے دیکھا۔ ایک دانہ بھی نہ تھا۔ آج بالآخر وہ فریش لگ رہی تھی۔)

"کیونکہ رنگوں کی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ ہر رنگ بات کرتا ہے۔"

(ماہر سیاہ پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس' آئینے کے سامنے کھڑا اپنی ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔ بال جیل سے پیچھے کو برش کیے گئے تھے۔ اور ہلکی ہلکی شیو موجود تھی۔ ٹائی باندھ کے اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ پندرہ جولائی۔)

"آپ کا فیورٹ رنگ کون سا ہے؟"

(مالا الماری کے سامنے کھڑی ہینگرز سے آویزاں کیے کپڑے دیکھ رہی تھی۔ چند ہینگرز آگے پیچھے کیے اور پھر ایک جوڑا نکالا۔ سفید لمبی قمیض اور ٹراؤزرز کے ساتھ آرگنزا کا سرخ دوپٹہ۔)

"سرخ۔"

(ماہر نے ڈریسنگ روم کا دراز کھولا تو نفاست سے آرگنائزڈ کیے کف لنکس اور گھڑیاں سامنے تھیں۔ اس نے "کے ایف" والے کف لنکس نکالے اور مدھم مسکراہٹ کے ساتھ انہیں پہننے لگا۔ گڈ لک کے لیے۔)

"سرخ؟ کیوں؟"

(وہ آئینے کے سامنے کھڑی سفید پتھر والے ٹاپس پہن رہی تھی۔ لمبے بال اب خشک کر کے سیٹ کر دیے تھے اور سفید لباس کے ساتھ سرخ دوپٹہ کندھے پہ پن اپ کر دیا تھا۔ اس کا چہرہ پرسکون تھا۔)

"کیونکہ سرخ رنگ گفتگو کرتا ہے۔"

(کیف کے کانفرنس روم میں آج میزیں مختلف طریقے سے لگائی گئی تھیں۔ کھڑکی کے ساتھ رکھی ایک اونچی میز پہ بڑا سا تھری ڈی ماڈل رکھا تھا۔ ایک سرخ رنگ کی مستطیل عمارت۔ عمارت کا سرخ خول ہموار نہ تھا۔ بلکہ وہ ٹکڑوں کی صورت میں سرخ فائبر گلاس سے بنایا گیا تھا اور ہر ٹکڑے میں سرخ کا ایک مختلف شیڈ تھا۔ کہیں نارنجی جیسا۔ کہیں انار جیسا۔ اوپر لگی مصنوعی روشنیاں حرکت کر رہی تھیں جن کے باعث وہ جھلملاتے ہوئے سرخ شیشوں

والی عمارت لگتی تھی۔)

"اور کیا کہتا ہے سرخ رنگ؟"

(کیف کے آرکیٹیکٹس اپنے قطری مہمانوں کو وہ ماڈل دکھا رہے تھے۔ بعض نے آنکھوں پہ آرٹیفیشل ریلٹی والے چشمے بھی چڑھا رکھے تھے جن کے باعث وہ خود کو عمارت کے اندر محسوس کر رہے تھے۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس ماہر فرید خاموشی سے ایک معمر قطری آدمی کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا جو مسکرا کے ان کی پریزنٹیشن دیکھ رہا تھا۔ فیصلہ اس کے ہاتھ میں تھا۔)

"سرخ کہتا ہے کہ مجھے یاد رکھو۔"

(مالا نے الماری کھولی اور جھک کے جوتوں والا خانہ دیکھا جہاں قطار میں جوتے لگے تھے۔ دو سرخ جوتے ایک ساتھ رکھے تھے۔ سرخ فلیٹ جوتے۔ اور سرخ ہائی ہیلز۔ اس نے مسکرا کے ہائی ہیلز نکالیں۔)

"یہ رنگ توجہ کھینچتا ہے۔ یہ تاریخ میں لکھا جاتا ہے۔"

(طویل کانفرنس ٹیبل کے گرد تمام افراد بیٹھے خاموشی سے سن رہے تھے۔ اب ماڈل وسط میں رکھا تھا۔ ایک طرف بڑی اسکرین پہ پریزنٹیشن چل رہی تھی۔ ماہر فرید ہاتھ ہلاتے ہوئے وہاں چلتی سلائیڈز کی وضاحت کر رہا تھا۔ بار بار اس کی نظریں معمر قطری کی طرف اٹھتیں۔ اس کا مسکراتا چہرہ بے تاثر تھا۔)

"ریڈ رائڈنگ ہڈ کا چغہ کسی اور رنگ کا ہوتا تو یاد نہ رہتا۔"

(وہ ریستوران میں داخل ہوئی تو کافی کے روسٹ ہوئے دانوں کی خوشبو نتھنوں سے ٹکرائی۔ وہ متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی لکڑی کے زینے تک چلی آئی۔ سفید بیگ کہنی سے لٹکا تھا۔ سرخ دوپٹہ کندھے پہ سیٹ تھا۔ گردن میں ڈائمنڈ کا ننھا سا لاکٹ تھا۔ وہ اعتماد سے سرخ ہیلز کے ساتھ لکڑی کے زینے پہ چڑھنے لگی۔)

"ریڈ شوز والی فیری ٹیل میں لڑکی کے جوتے سیاہ ہوتے تو بھول جاتے۔ لیکن ان کی رنگت کی سرخی نے انہیں یاد رکھوایا۔"

(ماہر ریموٹ کے بٹن دباتا سلائیڈز بدل رہا تھا۔ طویل میز پہ بیٹھے افراد اسے سن رہے تھے۔ زارینہ اور دوسرے آرکیٹیکٹس درمیان میں چند باتوں کا اضافہ کرتے تھے۔ معمر قطری اسی مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلا رہا تھا۔)

"سرخ خون کا رنگ ہے۔ اور آگ کا بھی۔"

(ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی زارینہ نے ماہر کی نگاہوں کے تعاقب میں کانفرنس ٹیبل کے ایک دہانے پہ بیٹھے

بوڑھے قطری کو دیکھا۔ اور پھر دوسرے دہانے پہ کھڑے اپنے پروجیکٹ کے بارے میں بتاتے ہوئے ماہر کو۔ وہ ماحول کا تناؤ محسوس کرسکتی تھی۔)

"جب آپ سرخ پہنتے ہیں تو آپ کے جانے کے بعد بھی آپ کا ذکر کیا جاتا ہے۔"

(زیاد سلطان کھڑکی کے ساتھ ایک میز پہ بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک نظر اس پہ ڈالی۔ وہ مسکرا کے اعتماد سے چلتی اس کی طرف آرہی تھی۔)

"مگر بہت سے لوگ سرخ سے غیر آرام دہ بھی ہوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ سرخ ٹو مچ ہے۔"

(معمر قطری مسکرا کے نوٹس لے رہا تھا۔ ماہر اب اس کی سیدھ میں کانفرنس ٹیبل کی سربراہی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ ہاتھ ہلا کے عربی میں بات کرتے ہوئے وہ اپنا مدعا بیان کررہا تھا۔ اس کے تمام اعصاب تنے ہوئے تھے۔)

"لوگوں کے لیے تو ہر چیز ٹو مچ ہوتی ہے۔ لوگوں کی سننے والے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ انسان کو وہ رنگ پہننا چاہیے جس کے لیے اس کا دل چاہے۔"

(زیاد اور کشمالہ ریستوران کی ٹیبل پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ویٹر کافی سرو کررہا تھا۔)

(کیف کے کانفرنس روم میں بچھی طویل میز پہ بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ لیکن سربراہی کرسیاں صرف دو تھیں۔ ایک دوسرے کی سیدھ میں۔ ایک پہ ماہر فرید موجود تھا اور وہ سیدھ میں رکھی کرسی پہ بوڑھا قطری۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"میں اس پروجیکٹ کو قرمزی (سرخ) کے نام سے پکارتا ہوں۔" ماہر فرید سربراہی کرسی پہ بیٹھا' اپنے بزنس فیس پہ مسکراہٹ سجائے کہہ رہا تھا۔ البتہ اس کے جسم کے تمام اعصاب اس وقت تنے ہوئے تھے۔

"دنیا کے میٹروپولیٹن شہروں میں عمارتوں کو نمایاں بنانے کے لیے انہیں اونچا بنایا جاتا ہے۔" وہ معمر قطری کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "لیکن میرے نزدیک یہ aesthetic آلودگی ہے۔ ساری اونچی عمارتیں ایک جیسے لگتی ہیں۔ اسی لیے ہم نے پروجیکٹ قرمزی کو بہت اونچا نہیں رکھا۔ اس کی تین منزلیں بیسمنٹ میں' اور نو منزلیں زمین سے اوپر ہیں۔"

معمر قطری نے مسکرا کے سر ہلایا اور نوٹ بک میں نوٹ کیا۔

"ہم نے اسے ایک چوکور بلڈنگ کے طور پہ بنایا ہے جس کی چھت برابر نہیں ہے۔ یعنی جیسا کہ آپ دیکھ سکتے ہیں چوکور کی چار لکیریں ہوتی ہیں۔ ایک لکیر پہ ہم نے نو فلورز ڈالے ہیں۔ دوسری پہ آٹھ۔ ایک پہ گیارہ۔"

"بیوٹی فل۔" معمر قطری نے نوٹس لیتے ہوئے کہا لیکن اس کے تاثرات ویسے ہی تھے۔ سپاٹ۔

"ہم نے عمارت کی تعمیر چار دیواری سے شروع کی ہے۔ اس کا کوئی بیرونی لان نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے اس کا لان اندر رکھا ہے۔"

سب کی نظریں ماڈل کی طرف اٹھیں۔ وہ چوکور عمارت اندر سے کھوکھلی تھی یعنی اس کے اندر ایک بڑا سا چوکور احاطہ خالی تھا جس میں سبز گھاس بچھی تھی۔ اوپر سے اس احاطے کی کوئی چھت نہ تھی۔

"لوگ کارنرز یا ٹاپ فلور آفس سورج کی روشنی کے لیے لیتے ہیں۔ ہم نے درمیانی احاطہ بنا کے عمارت کے ہر آفس کو بھرپور روشنی اور ویو فراہم کیا ہے۔ کیفے، ریستوران، سب اسی سبز احاطے کے اندر ہے۔"

"جیسے lego اسٹرکچر ہو۔" معمر قطری نے سر ہلا کے سمجھتے ہوئے کہا۔ وہ چوکور احاطہ بچوں کے کھیلنے والے لیگوز کی طرح تھا۔

"ہمارا کانٹرکٹ یہیں تک تھا۔" ماہر نے ریموٹ کا بٹن دبا کے پریزنٹیشن بند کی اور سنجیدگی سے اپنے بوڑھے کلائنٹ کو دیکھا۔ "آپ نے ہمیں ہائر کیا تھا کانسپٹ اور اسکیل ماڈل کے لیے۔ آپ اس کے لیے ہمیں پے کر چکے ہیں۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا آپ دوحا میں اپنے بینک کی بلڈنگ کو اس ماڈل کے مطابق بنانا چاہتے ہیں؟"

وہ بظاہر سادگی سے پوچھ رہا تھا۔ انداز میں بے پرواہی تھی۔ لیکن درحقیقت اس کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ اگر کیف کو یہ پروجیکٹ نہ ملا تو کیا ہوگا؟

"قاسم ہوتا تو بہت خوش ہوتا۔" بالآخر معمر قطری نے مسکرا کے کہنا شروع کیا۔ وہ انگلیوں میں اپنا پین گھما رہا تھا۔ نظریں ماہر کے کف لنکس پہ جمی تھی۔

ماہر نے تھوک نگلا۔ بدقت مسکرا کے سر کو خم دیا۔ کانفرنس روم میں ایک اداس سی خاموشی چھا گئی۔

"قاسم اور میں نے کئی پروجیکٹس ایک ساتھ کیے تھے۔ خود تمہارے ساتھ ماہر..." اس نے پین والے ہاتھ سے سیدھ میں بیٹھے ماہر کی طرف اشارہ کیا۔ "...میں نے ایک لمبا عرصہ کام کیا ہے۔ اس لیے آج تمہارا یہ اسٹوڈیو دیکھ کے..." اطراف میں نگاہیں دوڑائیں۔ "....مجھے خوشی ہو رہی ہے۔ قاسم دیکھتا تو زیادہ خوش ہوتا۔"

ماہر نے پھر سے سر کو جنبش دی۔ بولا کچھ نہیں۔

"یہ ماڈل بہت خوبصورت ہے۔ Colossal architectural mass۔" اس نے انگریزی میں

تعریف کی۔ وہ بس اس کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ قطر کے عربوں کو لمبی تمہیدوں کی عادت تھی۔

''پریکٹیکل۔ اکنامکل۔ ممتاز اور نمایاں۔ استنبول میں یہ عمارت بنی ہوتی تو اس کی قدردانی کی جاتی.... ''اس نے سانس کا وقفہ لیا اور سر کو پیچھے ٹکایا' ایسے کہ تھوڑی اور ابرو دونوں اٹھی ہوئی تھیں۔ اور قطر میں اس انداز کا ایک ہی مطلب ہوتا تھا۔ (نہیں۔)

اس لمحے ماہر کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ کیا کہنے جا رہا ہے۔ اس نے دل میں ایک دعا مانگی۔ بہت شدت سے۔

''لیکن... ''بوڑھا کھنکھارا۔

(آہ... یہ سارے لیکن....) ماہر نے میز پہ رکھی مٹھی بھینچ لی۔ چہرہ البتہ بے تاثر اور پروفیشنل رہا۔

''لیکن... ماہر... ''بوڑھے نے شیو کھجائی۔'' یہ سرخ ہے۔''

''بالکل... یہ سرخ ہے۔'' ماہر نے اٹھی گردن کے ساتھ سر کو جنبش دی۔

''اور ہم عربوں کو سرخ نہیں پسند۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔'' دوہا میں ہم اتنی بڑی عمارت سرخ رنگ میں نہیں بنا سکتے۔ وہاں ہمیں سرخ رنگ چاہیے ہو تو ہم مونیومنٹ بناتے ہیں' سرخ بتیوں کی روشنی ڈال کے عمارتوں کو اندر باہر سے سرخ کر لیتے ہیں۔ لیکن.... یہ سرخ بہت زیادہ ہے۔ ہم اسلامک آرکیٹیکچر کو پسند کرتے ہیں۔ خاکی اور فیروزی رنگ کو۔ خاکی... (پین سے فرش کی طرف اشارہ کیا) جو زمین کا رنگ ہے۔ اور فیروزی... ''پین کو چھت کی طرف بلند کیا۔'' جو آسمان کا رنگ ہے۔ ہم ان رنگوں سے نہیں ہٹنا چاہتے۔''

پھر وہ آگے کو جھکا اور دونوں کہنیاں میز پہ رکھ کے بغور ماہر کا چہرہ دیکھا۔

''مجھے یہ ماڈل منظور ہے۔ لیکن یہ رنگ نہیں۔ اس کو خاکی' نیلا' یا بھورا بھی کر دو تو میں ابھی اگلا کانٹرکٹ سائن کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

تمام نظریں ماہر کے چہرے کی طرف اٹھیں۔ وہ خاموشی سے اپنے باپ کے پرانے دوست کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی بات مکمل کر رہا تھا۔

''ہمارے کانٹریکٹ میں ایک شق یہ تھی' ماہر' کہ ہم ماڈل میں اپنی مرضی کی تبدیلی کروا کے اس کانٹرکٹ کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔''

ماہر اپنی جگہ سے اٹھا' کوٹ کا بٹن بند کیا' اور اپنے چمکتے سیاہ بوٹس سے چلتا ہوا طویل میز کے دوسرے سرے تک آیا۔ یہاں تک کہ وہ اب بوڑھے قطری کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

قطری اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اس سے قد میں چند انچ چھوٹا تھا۔

''ہمارے کانٹریکٹ میں' عبدالحمید صاحب... ایک شق یہ بھی تھی کہ اگر کیف تبدیلی پہ راضی نہ ہوا تو ہم آپ کے لیے کام کرنے کے پابند نہیں ہیں۔''

''تمہیں اپنی ٹیم سے مشورہ کرنا چاہیے۔ اور سوچ کے مجھے ایک ہفتے میں جواب دینا چاہیے۔'' اس نے نرمی سے کہا لیکن ماہر ہلکا سا مسکرایا۔

''یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔'' اس نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ زارا اور دوسرے آرکیٹیکٹس نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ وہ خوش نظر نہیں آ رہے تھے۔

بوڑھے نے مسکرا کے اس کے بڑھے ہاتھ کو تھاما۔ ماہر اس سے گلے ملا اور تین دفعہ اس کے دائیں رخ کو بوسہ دیا۔ پھر پورے ادب واحترام سے ان کے وفد کو لیے باہر آیا۔

اس کا ہر انداز کہہ رہا تھا کہ.... دروازہ اس طرف ہے۔

وہ رخصت ہو گئے اور اس کی ٹیم بجھی بجھی سی کانفرنس ہال سے نکل گئی تو وہ اپنے آفس میں چلا آیا۔ پھر خاموشی سے گلاس وال کے سامنے جا کھڑا ہوا اور باہر دیکھنے لگا۔

زارینہ اس کے پیچھے اندر آئی۔ اس کا چہرہ بھی بجھا ہوا تھا۔

''ماہر... ایک رنگ ہی تو تھا۔ ہم بدل سکتے تھے۔''

وہ پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے گلاس وال کے ساتھ کھڑا باہر دیکھ رہا تھا۔ چہرہ بے تاثر تھا۔

''ٹھیک ہے ہم نے پہلے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ ہم تمہارے فیصلے سے متفق ہوں گے۔ لیکن تم نے رنگ کی بات کو انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ تھوڑی سی لچک دکھا دیتے۔''

''زارا...'' وہ آہستہ سے اس کی طرف گھوما۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ ''کبھی کسی قطری بوڑھے کے سامنے آئندہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے مت بیٹھنا۔ Its offensive۔''

''ماہر!'' زارا کے ابرو تن گئے۔ ''انہوں نے انکار میرے بیٹھنے کے طریقے کی وجہ سے نہیں' تمہاری ضد کی وجہ سے کیا ہے۔ میں نے تمہیں کہا تھا' ان کو رنگ کے بارے میں پہلے سے بتا دو۔ وہ سرخ رنگ پہ نہیں مانیں گے لیکن تم نے....''

''مجھے اکیلا چھوڑ دو زارا۔''

اس کے انداز میں بےزاری تھی۔ وہ کف لنکس نوچتے ہوئے اتار رہا تھا۔ زارا چند لمحے بےبسی بھرے غصے سے اسے دیکھے گئی۔ کف لنکس اتار کے وہ میز تک آیا اور دراز کھول کے انہیں اندر ڈالا۔ پھر ایک دم ٹھٹھک کے رکا۔ چہرہ اٹھایا تو چونکا ہوا لگ رہا تھا۔

''میرا دراز کس نے کھولا ہے؟ شبنم....'' انٹرکام اٹھا کے شبنم کو بلانے لگا تھا جب زارا گہری سانس لے کر بولی۔

''میں نے کھولا تھا۔ میں ایک فائل ڈھونڈ رہی تھی۔ اندر ایک ٹوٹا ہوا بسکٹ رکھا تھا۔ میں نے اٹھا کے پھینک دیا کہ تم نے دیکھ لیا تو خفا ہو گے۔ کسی اسٹاف نے صفائی کے دوران لاپرواہی سے اندر چھوڑ دیا ہو گا۔''

وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔

''اف زارا...'' کرب سے آنکھیں میچیں۔

''کیا میں نے کچھ غلط کیا؟'' زارینہ کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔

''نہیں۔'' اس نے گہری سانس لیا اور جھٹکے سے دراز بند کیا۔ ''اچھا کیا جو پھینک دیا۔ میں نے بھی یہی کرنا تھا۔''

کچھ تھا جو اس میں بدل گیا تھا۔ کچھ جو ایک کیکٹس کے پودے اور ایک ٹوٹی ہوئی خطائی سے بڑھ کے تھا۔

وہ چلی گئی تو کمرے میں سناٹا چھا گیا۔ اب صرف وہ تھا یا اس کی تنہائی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کافی شاپ میں کافی کی مخصوص خوشبو پھیلی تھی۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ پس منظر میں ہلکا سا میوزک بج رہا تھا۔ زیاد ہمیشہ کی طرح ڈیسنٹ لگ رہا تھا۔ نیلی پولو شرٹ پہنے اس کے بال سلیقے سے بنے تھے اور چہرے پہ سنجیدگی تھی۔ وہ اسے اپنی ماں کی طبیعت کے بارے میں بتا رہا تھا اور وہ دھیان سے سن رہی تھی۔

''معلوم نہیں انہیں کیا ہوتا جا رہا ہے کشمالہ۔'' وہ آزردہ دکھائی دیتا تھا۔ ''اب میں آپ کی کیفیت سمجھ سکتا ہوں۔ کیسے آپ اپنی امی کے لیے پریشان ہوتی تھیں۔''

اسے اپنا خواب یاد آیا۔ لیکن بولی کچھ نہیں۔

''چیک اپ کروایا؟''

''وہاں کروایا تھا۔ اب یہاں سے بھی کروائیں گے۔ ڈاکٹرز کا کہنا ہے کہ کسی چیز کا اسٹریس ہے۔ بظاہر سب ٹھیک ہے لیکن وہ بہت تکلیف میں لگتی ہیں۔ جیسے....'' اس کی آواز مدھم ہوئی۔ ''کوئی ان دیکھی طاقت انہیں ہرٹ

کر رہی ہے۔''

کشمالہ سن رہ گئی۔ ساکت۔ جامد۔

''آپ ان دیکھی چیزوں پہ یقین کرتے ہیں؟''

''پہلے نہیں کرتا تھا۔ لیکن کچھ دن سے گھر میں عجیب واقعات ہو رہے ہیں۔'' وہ پریشان لگتا تھا۔ وہ بالکل ساکت سی سنے گئی۔

''کبھی گھر سے باہر نکلو تو پانی پڑا ہوتا ہے۔ کبھی خون کے چھینٹے میرے کپڑوں پہ آتے ہیں۔ امی کو بھی چند ہفتوں سے برے خواب آرہے ہیں۔ شاید کوئی پیچھے پڑا ہے۔''

اُف۔ کیا یہ ہر گھر کی کہانی تھی؟ کیا زیاد کا بھی کوئی دشمن تھا؟ یا کیا ان دونوں کا دشمن ایک ہی تھا۔

''آپ کو کیا لگتا ہے کوئی آپ کو کیوں نقصان پہنچانا چاہتا ہے؟''

''مجھے یہی نہیں سمجھ میں آتا۔ امی کا خیال ہے کہ...'' وہ رکا۔ آواز دھیمی ہوئی۔ ''کوئی ہمارا رشتہ ختم کروانے کے لیے یہ کر رہا ہے۔ اس سے پہلے یہ سب نہیں ہوتا تھا۔'' وہ رکا اور گہری سانس لے کر تصحیح کی۔ ''کافی عرصے سے یہ نہیں ہوا تھا۔''

''پہلے کب ہوا؟'' وہ چونکی۔

''جب سبرینہ کی ڈیتھ ہوئی۔ میری منگیتر کی۔ ان دنوں یہ واقعات ہونے لگے تھے۔ اس سے پہلے میں ان باتوں کو نہیں مانتا تھا لیکن تب ایسا بہت کچھ ہوا تھا جو پیرانارمل تھا۔''

''کیا کوئی یہ چاہتا ہے کہ آپ کی شادی نہ ہو؟'' وہ چونک گئی۔

''امی کو ایسے ہی لگتا ہے۔'' اس نے شانے اچکا دیے۔ چند لمحے کے لیے میز پہ خاموشی چھا گئی۔

''میری امی نے ایک بہت مشکل زندگی گزاری ہے کشمالہ۔ سبرینہ سے منگنی کے بعد ہمیں لگا کہ فائنلی میں ان کو ایک خوشی دینے جا رہا ہوں۔'' اس نے کافی کا گھونٹ بھرنے کے لیے کپ اٹھایا۔ ''لیکن اس کی ڈیتھ کے بعد امی بہت غمگین رہنے لگی تھیں۔ یہ تو آپ کی وجہ سے وہ بالآخر زندگی کی طرف لوٹ کر آئی ہیں۔''

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ زیاد نے بات مکمل کی۔

''اور شاید میں بھی۔'' پھر وہ کھنکھارا۔ ''آپ نے کیا سوچا؟''

''سوچ رہی ہوں ابھی۔'' وہ گہری سانس لے کر پیچھے ہوئی جیسے کوئی فیصلہ نہ کر پا رہی ہو۔ ''کیا آپ اپنی منگیتر

کی موت کے غم سے نکل آئے ہیں؟"

"کسی اپنے کی موت کا ٹراما بہت شدید ہوتا ہے۔ اب میں کافی بہتر ہوں۔ لیکن میں نے یہ جان لیا ہے کہ جب تک میں آگے نہیں بڑھوں گا' اور محبت کو اپنی زندگی میں داخل نہیں ہونے دوں گا' میں heal نہیں کروں گا۔"

"آپ کو لگتا ہے محبت انسان کو heal کر سکتی ہے؟"

وہ مسکرایا اور اسی نرمی سے کہنے لگا۔ "محبت ہی تو انسان کو heal کرتی ہے۔ محبت سب سے بڑا مرہم ہے۔ جب محبت دروازے پہ دستک دے تو اسے اندر آنے دینا چاہیے کیونکہ وہی ہمیں تندرست کر سکتی ہے۔"

وہ کتنا اچھا بولتا تھا۔ کتنی خوبصورت باتیں کرتا تھا۔ وہ مسکرا کے اسے دیکھے گئی۔ بہت دن بعد دل پہ پڑے بوجھ ہٹنے لگے تھے۔

"کیا آپ محبت کو اپنی زندگی میں داخل ہونے دیں گی؟"

کشمالہ نے چہرہ جھکا دیا۔ وہ ابھی تک فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔

"ہمیں پہلے ایک دوسرے کو تھوڑا جان لینا چاہیے۔" وہ سوچ سوچ کے کہنے لگی۔ "مثلاً ایک دوسرے کو اپنے بارے میں بتانا چاہیے۔ جیسے ہماری زندگی میں ترجیحات کیا ہیں۔"

"میں سن رہا ہوں۔" وہ نرمی سے مسکراتے ہوئے اسے سننے لگا۔

"مجھے دیکھ کے آپ کو کیا لگتا ہے' کہ میں کیسی ہوں؟"

زیاد نے مسکرا کے ایک نظر اسے دیکھا' پھر اس کے بیگ کو اور پھر نگاہ جھکا کے اس کی ہائی ہیلز کو۔

"آپ high-maintenance ہیں۔"

کشمالہ ہلکا سا ہنس دی۔ کانوں میں پہنے ڈائمنڈز چمک اٹھے۔

"میں high-maintenance ہوں۔ بالکل۔ لیکن میں نے یہ زندگی اپنے لیے خود تعمیر کی ہے۔ یہ لائف اسٹائل۔ یہ خود پہ پیسے خرچ کرنا۔ یہ سب میں نے بہت محنت سے کیا ہے۔ چاہے بیگز ہوں' کپڑے ہوں یا ہائی ہیلز.... یہ میرے لیے بہت معنی رکھتے ہیں۔"

"حالانکہ آپ دراز قد ہیں۔ آپ کو ہائی ہیلز کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ حیران ہوا۔ مالا چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ وہ اسے ان ہائی ہیلز کا مطلب نہیں سمجھا سکتی تھی۔ وہ کسی ایسے شخص کو ان ہیلز کا مطلب نہیں سمجھا سکتی تھی جس نے پانچ برس پہلے کی کشمالہ کو نہ دیکھا ہو۔

''میں آپ کو نہیں سمجھا سکتی کہ میرے لیے ہائی ہیلز میرے اپنے پیسے سے خریدی جیولری' اور میرے پودے کتنے اہم ہیں۔ میں سطحی نہیں ہوں۔ لیکن میں خود کو بہت بنا سنوار کے رکھتی ہوں۔ اگر آپ مجھے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتے ہیں' تو آپ کو ان چیزوں کو ایسے ہی قبول کرنا ہوگا۔''

''کشمالہ کیا آپ کے لیے چیزیں اہم ہیں؟ کیونکہ میرے لیے انسان اور رشتے اہم ہیں۔'' وہ الجھ سا گیا تھا۔

''میں نے کہا نا میں آپ کو نہیں سمجھا سکتی۔ میرے لیے رشتے بہت اہم ہیں لیکن اتنا ہی اہم میرے لیے میرا کام ہے۔ میری زندگی اپنے کام کے بغیر ادھوری ہے۔ میں کام کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ مجھے کوئی میڈیوکر لائف نہیں چاہیے۔ جس میں میں ایک گھریلو عورت بن کے صبح سے شام تک گھر صاف کرتی رہوں۔ مجھے زندگی میں کوئی مقصد چاہیے۔ کیا آپ ایک ایسی ورکنگ وومن سے شادی کرنا چاہتے ہیں جو اپنے کام پہ کبھی کمپرومائز نہ کرے؟''

وہ کوئی بیس سال کی لڑکی نہیں تھی جو سوچے سمجھے بنا ایک تعلق میں چلی جاتی۔ وہ اٹھائیس برس کی تھی۔ اسے اپنی ترجیحات اور ضروریات پہلے دن سے بیان کرنی تھیں۔

''یہ اکیسویں صدی ہے۔'' وہ صرف مسکرا دیا۔ ''عورت کے کام پہ کسے اعتراض ہو سکتا ہے۔ آپ جو کرنا چاہیں آپ کر سکتی ہیں۔ نہ کمانا چاہیں تب بھی میں اچھا کما لیتا ہوں۔ کام کرنا چاہیں تو ضرور کریں۔ میں اکیلا رہتا ہوں۔ اگر آپ مجھ سے شادی کرتی ہیں تو آپ کو نہ سسرال کی خدمت کرنی ہوگی' نہ ہی میں کسی کام کا بوجھ آپ پہ ڈالوں گا۔ میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو بیوی کو کچن تک محدود کر دیتے ہیں۔ میری ماں کے گھر بھی ہیلپرز ہیں۔ میں آپ کو بھی رکھوا دوں گا۔ گھر کے کام عورت کو کرنے چاہیے لیکن اگر آپ ساتھ اپنا کام بھی کرتی ہیں تو آپ دو جگہ انرجی نہیں لگا سکتیں۔ میں اس بات کو انڈراسٹینڈ کرتا ہوں۔ بائی دی وے آپ کا اسسٹنٹ کہاں گیا؟'' زیاد کو اچانک یاد آیا۔

اس کے چہرے سے سایہ گزرا۔

''اس کو میں نے جاب سے فارغ کر دیا۔ آپ کی بات درست تھی۔ وہ کچھ ناقابل اعتبار سا تھا۔ خیر آپ... آپ اپنے بارے میں بتائیں۔'' اس نے زیاد کے تبصرے سے پہلے بات پلٹ دی۔

''میں ایک سادہ انسان ہوں۔'' وہ صاف گوئی سے کہنے لگا۔ ''میں جھوٹ کو ناپسند کرتا ہوں۔ جو ہوں وہی نظر آتا ہوں۔ مجھے سچی اور کھری بات پسند ہے۔ مجھے بیک چینلز سے کام کرنا نہیں پسند۔ ہر چیز کلیئر ہونی چاہیے۔ میں وہی کپڑے پہنتا ہوں جو افورڈ کر سکوں۔ جو بات دل میں ہو وہی زبان پہ ہوتی ہے۔ میں جھوٹی تعریف نہیں کر سکتا

کیونکہ میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں غلط مشورہ نہ دیتا ہوں نہ سنتا ہوں۔ میری زندگی میں ایک ہی عورت آئی تھی اور وہ تھی سبرینہ لیکن میں اگر نئے تعلق میں جاؤں گا تو کسی بد دیانتی کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ بلکہ اپنے دل کو مکمل خالی کر کے نیا رشتہ بناؤں گا۔ پوری نیک نیتی کے ساتھ۔''

وہ درست کہہ رہا تھا۔ اس نے آج تک کشمالہ سے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ وہ اتنی نازک نہیں تھی کہ کسی کی سچی بات برداشت نہ کر سکے۔ خامیاں ہر ایک میں ہوتی ہیں۔ زیاد میں اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ ایک یہی خامی تھی کہ وہ کچھ زیادہ ہی کھری بات کرتا تھا۔ یہ زندگی تھی۔ فلم نہیں۔ یہاں لوگ پرفیکٹ نہیں ہو سکتے تھے۔ کہیں نہ کہیں سمجھوتہ کرنا پڑتا ہے۔ اور وہ زیاد کی اس عادت کے ساتھ سمجھوتہ کر سکتی تھی۔

''میں ابھی آپ کو کوئی حتمی جواب نہیں دے رہی۔ لیکن آپ نے پہلے ہی پلان کر رکھا ہے کہ آنٹی کے ساتھ میرے گھر آئیں گے۔ تو ضرور آئیں۔ تب تک میں فیصلہ کر چکی ہوں گی۔'' بہت سوچ سمجھ کے اس نے یہی کہا اور پھر وہ مسکرا دی۔ اس کی ایک مسکراہٹ نے بالآخر زیاد سلطان کے دل میں امید جگا دی۔

سبرینہ کی موت کے بعد اسے Happy endings پہ بھروسہ نہیں رہا تھا۔ لیکن اب... اب بالآخر ایک امید بندھی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس رات ماہر کے گھنٹی کرنے پہ فیضی حاتم نے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا تو دیکھا' وہ کوٹ ہاتھ سے پکڑے کندھے پہ ڈالے ہوئے تھا۔ شرٹ کے کف مڑے ہوئے تھے اور ٹائی ڈھیلی تھی۔

''خوش آمدید ماہر بے۔'' فیضی نے فکرمندی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کا کوٹ لیا تو ماہر نے بند مٹھی بلند کی۔ فیضی نے اپنی ہتھیلی پھیلائی۔ ماہر نے مٹھی کھولی۔ کے ایف والے کف لنکس فیضی کی ہتھیلی پہ گرے۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' انہوں نے تشویش سے پوچھا۔ وہ بس اداسی سے مسکرایا اور جھک کے جوتے اتارنے لگا۔

''کچھ کھائیں گے؟'' وہ جرابوں سے چلتا ہوئے راہداری میں آگے بڑھ رہا تھا جب فیضی پریشانی سے پیچھے آئیں۔

''اونہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا اور قدم قدم چلتا آتش دان کی طرف آیا۔ وہاں قطار میں بجھی موم بتیاں اس کی منتظر تھیں۔ ایک اپنی جگہ سے دو انچ آگے رکھی تھی۔ اس نے آہستہ سے اس کو پیچھے دھکیلا۔ اب وہ برابر ہو گئیں۔ پھر اس نے جیب سے لائٹر نکالا اور اس کا شعلہ کونے میں رکھی ایک موم بتی کے قریب کیا۔

موم بتی جل اٹھی۔ وہ لائٹر رکھ کے مڑا تو سامنے کچن کاؤنٹر پہ نظر پڑی۔ وہاں بیر بل کی بیکری کے کیکس کے دو ڈبے رکھے تھے۔اس نے سوالیہ نظروں سے فیضی حاتم کو دیکھا۔

"میں نے کہا تھا نا کہ گھر میں بیکری آئٹمز ..."

"یہ بیر بل آپ کے لیے لایا تھا۔" وہ جلدی سے بولیں۔ ماہر کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ پھر وہ سست روی سے چلتا ہوا کاؤنٹر تک آیا۔

پہلے ڈبے کے اوپر لکھا تھا۔"اگر پروجیکٹ اپروو ہو جائے تو اس ڈبے کو کھولیں۔"

ماہر نے ڈھکن اٹھایا۔ اندر فونڈنٹ سے بنا ایک چوکور کیک رکھا تھا جو سرخ عمارت کی ہو بہو کاپی تھی۔اس کے چہرے پہ مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

پھر اس نے دوسرا ڈبہ دیکھا۔

"اگر پروجیکٹ مسترد ہو جائے تو اس ڈبے کو کھولیں۔"

ماہر نے ڈھکن اٹھایا تو دوسرا ایک نظر آیا۔

وہ ایک انسانی چہرے کی شکل کا کیک تھا۔معمر قطری بینکر کا چہرہ جس کے دانت ڈریکولا جیسے بنے تھے اور آنکھوں سے خون بہہ رہا تھا۔

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

"ایڈیٹ۔" اور سر جھٹک کے ڈھکن واپس گرا دیا۔

"یہ دس منٹ میں میرے گھر سے غائب ہونے چاہیے ہیں۔"

فیضی حاتم کو اشارہ کر کے وہ جیب سے تھرتھراتا موبائل نکالتے ہوئے لونگ روم میں واپس آیا۔ ایل شیپ صوفے... اونچی گلاس وال کے سیاہ سفید مخملیں پردے... اور آتش دان کے قریب رکھی سیاہ ونگ چیئرز۔ سب اسے خاموشی سے دیکھے گئیں۔ موم بتی کی موم پگھل رہی تھی اور سارے میں کیکٹس فلاور اور جیڈ لیف کی خوشبو پھیل رہی تھی۔ یہ نئی موم بتی تھی جو اس نے کل آرڈر کی تھی۔ اس کی خوشبو فیضی حاتم کے لیے نئی تھی۔

وائٹ ہنیر کالنگ۔ وہ فون ہاتھ میں لیے صوفے پہ بیٹھا اور اس کے بج بج کے ختم ہونے کا انتظار کیا۔ مالک اسے دوپہر سے کال کر رہا تھا اور وہ اس وقت مالک سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔

گھنٹی خاموش ہوئی تو مالک کا میسج موصول ہوا۔

''وہ اپارٹمنٹ بلڈنگ آئی تھی۔وہ جان گئی ہے۔'' انگریزی کے دو الفاظ نے ساری کہانی سمیٹ دی۔ ماہر نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

ذہن میں گھڑی کی ٹک ٹاک پاکستان آنے کے وقت سے بج رہی تھی۔ ابھی نقارہ بجا تو ابھی بجا۔اور بالآخر وہ بج اٹھا تھا۔سب کچھ جل کے راکھ ہو گیا تھا۔یقیناً وہ اب اس سے نفرت کرتی ہو گی۔ خطائی اور کڑک چائے کی خوشبو اس نفرت کے آگے اسے بھول جائے گی۔

اس نے صوفے پہ ٹیک لگا لی اور پیر لمبے کر کے میز پہ رکھ لیے۔پھر چھت سے لٹکتے فانوس کو دیکھنے لگا۔ ہر طرف خاموشی تھی۔

''بیربل بتا رہا تھا کہ... ''فیضی خانم میز پہ پانی کا گلاس رکھتے ہوئے بولیں۔وہ فانوس کو دیکھتے ہوئے سنے گیا۔اس کا سارا اسٹاف بیربل کو خبریں پہنچاتا تھا۔

''کہ اگر صرف عمارت کا رنگ بدل دیتے تو یہ پروجیکٹ آپ کو مل جاتا۔'' وہ گلاس رکھ کے سیدھی ہوئیں اور ناسمجھی سے اسے دیکھا۔''ایک رنگ ہی تو تھا ماہر بے۔آپ نے کیوں نہیں بدلا؟''

اس نے فانوس کو دیکھتے ہوئے گہری سانس لی۔''جس زمانے میں لیونارڈو ڈونچی نے مونا لیزا بنائی تھی' آرٹسٹ پورٹریٹس بناتے ہوئے اپنے سبجیکٹ کا چہرہ سنجیدہ بناتے تھے۔ کیونکہ ایک پورٹریٹ بنانے میں کئی ہفتے لگ سکتے تھے۔کوئی انسان ہفتوں تک مسکرا کے آرٹسٹ کے سامنے نہیں بیٹھ سکتا تھا۔لیکن ڈونچی نے لیزا نامی اپنی ماڈل کے لیے موسیقار ہائر کیے جو اسے انٹرٹین کرتے تھے۔اور وہ مسکراتے ہوئے پوز کیے رکھتی تھی۔ یوں اس نے وہ بنایا جو اس زمانے کے لوگ نہیں بناتے تھے۔ نہ پسند کرتے تھے۔اس نے مسکراہٹ پینٹ کی۔اسے آرٹ کہتے ہیں۔ میں نے 'فیضی خانم' آرٹ بنایا تھا۔ میں اسے ایک بے وقوف عرب بوڑھے کے حوالے نہیں کر سکتا تھا۔''

''لیکن انہوں نے آپ کا ڈیزائن ریجیکٹ کر کے آپ کو افسردہ کر دیا ہے۔''فیضی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے اپنے مہربان مالک کے موڈ کو بہتر کریں۔ ماہر نے فانوس سے نظریں ہٹا کے اسے دیکھا۔

''تمہیں کیسے معلوم کہ میں افسردہ ہوں؟''

''کیونکہ آپ خاموش ہیں۔آپ نے تین ماہ ضائع کیے اس ڈیزائن کے پیچھے۔''

''فیضی خانم... ''وہ ہلکا سا مسکرایا۔گال میں گڑھا بنا۔''میں افسردہ نہیں ہوں۔ میں سوچ رہا ہوں۔''

''یہی کہ کیف کو کیسے اس مسئلے سے نکالیں گے۔'' وہ واقعتاً پریشان تھیں۔

''اونہوں۔''صوفے کی پشت سے سر ٹکائے اس نے فیضی کو دیکھا تو اس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔''وہ قطری بینکر میرے پاس اس لیے آیا تھا کیونکہ ہم استنبول والے یورپ کی دوسری آرکیٹیکچرل فرمز سے سستے ہیں۔ ہمیں بھی اس کے نام کی ضرورت تھی تا کہ ہمارا پورٹ فولیو بہتر ہو۔ لیکن ...'' وہ سیدھا ہوا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ فیضی حانم سے کافی دراز قد تھا۔ وہ گردن اٹھائے اسے دیکھنے لگیں۔

''لیکن جب اس نے فیصلہ سنانے کے لیے منہ کھولا تو میں نے دعا مانگی تھی کہ وہ میرا ڈیزائن ریجیکٹ کر دے۔''

فیضی حانم کے لب حیرت سے کھل گئے۔

'' کیونکہ اس نے فیصلہ سنانے سے پہلے مجھے ایک مہنگا مشورہ دے دیا تھا۔ یہ عمارت قطر میں کام نہیں کرے گی۔ لیکن ...'' وہ مسکرایا۔ دل سے۔'' یہ استنبول میں کام کرے گی۔ میں اس عمارت کو غلط جگہ کے لیے ڈیزائن کر رہا تھا۔''

''یعنی آپ اس کے انکار سے خوش ہیں؟''

ماہر نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔'' کیونکہ میں ایک بزنس مین ہوں۔ اور بزنس مین کا لالچ قبر میں جا کے ہی ختم ہوتا ہے،فیضی حانم۔ اور مجھے لالچ آ گیا ہے۔'' وہ مسکرایا تو گال کا گڑھا گہرا ہوا۔'' میرے آرٹ کو قطری کیوں بنائیں؟ میں خود کیوں نہ بناؤں؟ ہوں؟''

وہ تحیر سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''میں نے نہ تین ماہ ضائع نہیں کیے ہیں نہ ہی ایک پیسہ۔ میں نے قطری بینک کے پیسے پہ ماڈل بنایا ہے، انہوں نے مجھے ہر گھنٹے کے لیے پے کیا ہے۔ میں نے کہا نا' میں افسردہ نہیں ہوں۔ میں صرف سوچ رہا ہوں کہ میں یہ کیسے کروں گا۔''

پھر اس نے موبائل نکالا اور ایک کال ملائی۔

''واعظ... میں نے تمہیں کرتال (استنبول کا ایک انڈسٹریل علاقہ) میں اپنا کمرشل پلاٹ بیچنے کے لیے کہا تھا۔ لیکن میرا ارادہ بدل گیا ہے۔ اس پلاٹ کو مارکیٹ سے ہٹا لو۔ میرے پاس اس جگہ کو ڈیویلپ کرنے کا ایک آئیڈیا ہے۔''

وہ اپنے رئیل اسٹیٹ ایجنٹ سے فون پہ بات کرتے ہوئے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ فیضی حانم گم صم سی اسے جاتے دیکھ رہی تھیں۔

اس کا مالک وقت اور پیسہ وہاں ضائع نہیں کرتا تھا جہاں سے اسے منافع کی امید نہ ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لاہور کے گلاس ٹاؤن نامی ریستوران میں اس صبح مہمانوں کا رش معمول کی طرح لگا تھا۔ انگریزی ناشتے اور چائے کافی کی مہک سارے میں پھیلی تھی۔ ایسے میں لان اور برآمدے کے درمیان بنی شیشے کی دیوار کے ساتھ فرش پہ کشمالہ بیٹھی تھی۔ ماتھے پہ سبز رومال باندھے وہ پینٹ کا سامان اطراف میں بکھرائے برش سے شیشے پہ آنسو بنا رہی تھی۔ یا شاید وہ بارش کے قطرے تھے۔

کوئی شیشے کے دوسری طرف سے گزرتا تو شیشہ گہرا ہو جاتا۔ لمحے بھر کے لیے اسے اپنا عکس بھی دکھائی دیتا۔ سبز رومال چہرے پہ پینٹ کے دو دھبے وہی قمیض..... ایک دم سے ذہن میں قدیم لاہور کی وہ دوپہر تازہ ہوتی۔ گلاس ٹاؤن کے انگریزی ناشتے کی مہک پس منظر میں چلی جاتی اور اس کے دل و دماغ میں خطائی اور کڑک چائے کی خوشبو پھیل جاتی۔

اس نے کس کے آنکھیں میچیں۔ مجھے کیف کے بارے میں نہیں سوچنا۔ مجھے اپنے بارے میں سوچنا ہے۔

آنکھیں کھول کے سر جھٹکا اور برش سے سرمئی پینٹ مکس کرنے لگی۔ اس کا چہرہ پیلیٹ پہ جھکا ہوا تھا۔ برش کی ٹپ پہ پینٹ لگا کے سر اٹھایا تو شیشے میں اپنا عکس نظر آیا۔

اس کے پیچھے کوئی کھڑا تھا۔ سیاہ چغے میں۔ ماتھے پہ نارنجی رومال باندھے۔ اس نے اپنا گندے میلے ناخنوں والا سیاہ ہاتھ مالا کے کندھے پہ رکھا۔

وہ چیخ مار کے مڑی۔ برش ہاتھ سے گر گیا۔ گھبرا کے اس نے اطراف میں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ قریبی میزوں پہ موجود لوگ مڑ مڑ کے اسے دیکھنے لگے۔

"سوری سوری..." وہ ہانپتے ہوئے انداز میں معذرت کرتی چیزیں اٹھانے لگی پینٹ کے چند چھینٹے دیوار پہ جا پڑے تھے۔ وہ جلدی سے انہیں صاف کرنے لگی۔ پھر ایک دفعہ دوبارہ مڑ کے اپنے اطراف میں دیکھا۔

وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ لیکن اسے کندھے پہ ہاتھ کا دباؤ واضح محسوس ہوا تھا۔

اس کا دل ابھی تک بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ بار بار گھبرا کے دائیں بائیں دیکھتی تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے بہت قریب موجود ہے۔ اس پہ نظر رکھے ہوئے۔

وہ زیر لب آیت الکرسی پڑھنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ سادان اپنے مرمریں اسٹوڈیو میں کھڑے عینک لگائے چند آرٹیکلز کا جائزہ لے رہی تھیں۔ سامنے مخملیں ڈبوں میں زیورات کے مختلف ڈیزائن رکھے تھے۔ وہ ایک ایک کو غور سے دیکھتیں اور آگے بڑھ جاتیں۔ کانوں میں ہینڈز فری لگے تھے جن میں فرزین بیگم کی پریشان آواز گونج رہی تھی۔

"سنا ہے نگینہ بیماری کے باوجود زیاد کے ساتھ پاکستان آ گئی ہے۔ وہ جلد حور جہاں کے گھر جائے گی۔ مالا اور زیاد کا رشتہ طے کرنے۔ لگتا ہے یہ والا عامل بابا بھی ناکام ہو گیا۔"

"اونہوں۔" کبیرہ نے مسکرا کے ایک زمرد کا جڑاؤ کنگن اٹھایا اور غور سے اونچا کر کے روشنیوں میں دیکھا۔ "نہیں ہو گا۔"

"کیا نہیں ہو گا؟"

"یہ رشتہ نہیں ہو گا۔ مجھے یقین ہے۔ تم دیکھتی جاؤ۔" وہ بہت اعتماد سے کہہ رہی تھیں۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح سے دوپہر تک ماہر اپنے آفس میں کام کرتے ہوئے کتنی ہی دفعہ کھڑکی میں رکھے کیکٹس کو دیکھ چکا تھا۔ وہ مرجھایا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کی جڑیں کمزور اور رنگ بھورا پڑ رہا تھا۔

شبنم دو دفعہ وضاحت دے چکی تھی۔ تیسری دفعہ پوچھنے پہ وہ برا مان گئی۔

"ماہر بے... مجھ سے میٹنگز فکس کروا لیں، ڈنرز ارینج کروا لیں، جو کہیں میں کر دوں گی لیکن میں پودوں کا خیال نہیں رکھ سکتی۔ میں نے پودے کبھی نہیں رکھے۔ آپ کے ساتھ رہ رہ کے میں بھی مشین بنتی جا رہی ہوں۔"

مالک اسے آج بھی کال کر رہا تھا لیکن وہ اس سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ مالک نے میسج کر کے کیف جمال کی کارگزاری ماہر کو بتا دی تھی۔ کیف کی کزن صفورا نے کیف سے مالک کا نمبر لے کر اسے کال کی تھی اور اسے بہت سنائی تھیں۔ ساتھ یہ بھی بتایا کہ انہوں نے کیف سے اسلحے کے زور پہ جو کام کروایا ہے اس کا حساب انہیں دینا پڑے گا۔ اور یہ کہ وہ لوگ اس کی دوست کے قریب نہ آئیں تو بہتر ہو گا۔

ماہر نے مالک کو کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ اپنا کام کرتا رہا۔

"وائی وائی وائی... " (واؤ)

آواز پہ وہ چونکا۔ بیربل دروازہ کھول کے اندر آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ طنزیہ مسکراہٹ سے لبریز تھا۔ گھنگریالے بال

ہوا سے جھول رہے تھے۔

''میں مصروف ہوں' بی۔'' کی بورڈ پہ ٹائپ کرتے ماہر نے سر اٹھا کے اسے تکان سے دیکھا۔یقیناً مالک اسے بھی کیف جمال کی کتھا سنا چکا تھا۔

''وائی بے.... کیا کہا تھا میں نے تمہیں ماہر فرید؟'' بیر بل اس کے سامنے آیا اور میز پہ ہتھیلی رکھ کے اس کی طرف جھکا۔اس کی آنکھوں میں 'میں نے کہا تھا' والی چمک تھی۔

''بی... میرے پاس وقت نہیں ہے۔'' اس نے سختی سے اپنی بات دہرائی۔

''میں نے کہا تھا کہ وہ لڑکا کیف جمال تمہیں دھوکہ دے گا۔وہ تمہیں ولن بنا کے پیش کرے گا۔لیکن تم نے کیا کہا؟''

''بیر بل میرا دماغ نہ خراب کرو اس وقت...''

''تم نے کہا کہ بیر بل ایک کیک بنانے والا آدمی ہے۔بیر بل ایک سنگل سورس آف انکم پہ گزارا کرنے والا آدمی ہے۔'' وہ طنز سے مسکراتے ہوئے اسے اس کے الفاظ لوٹا رہا تھا۔ماہر لب بھینچے برہمی سے اسے دیکھے گیا۔

''بیر بل باپ کی دولت لٹانے والا آدمی ہے۔بیر بل کو تو کسی چیز کا پتہ ہی نہیں چلتا۔اس لیے بیر بل کی بات کیوں سنی جائے؟ ہوں؟... پھر کون درست ثابت ہوا؟''

ماہر نے انٹر کام اٹھایا اور دبا دبا سا غرایا۔

''شبنم۔''

''نہیں نہیں ماہر بے.... میری پوری بات سنیں۔'' وہ میز پہ ہاتھ رکھے جھکا کھڑا تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔''کیف جمال نے اسے کہا ہے کہ تم ایک گینگسٹر ہو۔تم نے اسلحے کے زور پہ اس بے چارے کو مجبور کیا تھا۔''

شبنم بھاگتی ہوئی اندر آئی اور بوکھلا کے ان دونوں کو دیکھا۔ماہر نے بازو اٹھا کے اشارہ کیا۔

''نکالو اس آدمی کو میرے آفس سے۔''

''نہیں نہیں... مجھے ذرا اپنے اسٹریٹ اسمارٹ بھائی سے حساب کتاب تو کرنے دو۔''

''بیر بل... چلو یہاں سے۔ماہر کا موڈ پہلے ہی خراب ہے۔'' شبنم نے اسے بازو سے تھاما اور باہر لے جانے لگی۔

''بیر بل کی نصیحت نہ سننے کا انجام دیکھ لیا؟ دیکھ لیا؟'' وہ بلند آواز میں کہتا جا رہا تھا اور شبنم اسے کھینچ کے باہر لا رہی تھی۔

ماہر نے ہاتھ جھلا کے ''جاؤ جاؤ'' کہا اور بدمزگی سے بڑبڑاتے ہوئے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''چھوڑو مجھے۔ تم ویسے بھی میری سیکنڈ لاسٹ فیورٹ ہو۔'' باہر نکل کے بیر بل نے خفگی سے اپنا بازو چھڑا لیا۔ پھر کالر درست کیے' بالوں میں ہاتھ پھیرا اور مسکرا کے شبنم کو دیکھا۔

''کاش میرا باپ زندہ ہوتا۔ اور یہ منظر دیکھتا۔ پھر اسے احساس ہوتا کہ اس کا کون سا بیٹا زیادہ اسمارٹ ہے۔''

''تمہارا باپ زندہ ہوتا تو تمہارے کریڈٹ کارڈز کے بل بھی دیکھتا جن میں وہ تمام تحفے درج ہیں جو تم لڑکیوں کے لیے خریدتے ہو۔ وہ بھی ایک جیسے۔ کسی دن تمہاری ساری گرل فرینڈز ایک ساتھ بیٹھ گئیں نا تو تم بچو گے نہیں۔'' شبنم نے عینک کے پیچھے سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''تم کیوں جلتی ہو؟'' وہ مسکرا کے سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ شبنم پیر پٹخ کے رہ گئی۔ وہ اسٹاف کے ہال کے سامنے سے گزرا تو کئی سر اٹھے۔ کئی مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا۔ وہ سب کو مسکرا کے سلام کہتا آگے بڑھ رہا تھا جب ایک دم رک گیا۔

لفٹ سے چند افراد نکل رہے تھے۔ ان کے پاس ایک ٹرالی تھی جس میں سرسبز پودوں والے گملے تھے۔

''پودے؟'' اس نے حیرت سے ابرو اٹھائی۔

''ہاں۔ ماہر نے سارے آفس میں پودے لگانے کا کہا ہے۔''

بیر بل کے چہرے پہ بھرپور مسکراہٹ ابھر آئی۔ وہ آگے بڑھنے لگا لیکن شبنم نے اس کو کہنی سے واپس کھینچا۔

''بل ادا کرو ماہر کا۔ وہ جو تم نے اپارٹمنٹ اور کار کا نقصان کیا تھا۔''

''بل؟'' بیر بل نے مسکرا کے سر ہلایا۔ ''ابھی ادا کرتا ہوں۔ سود سمیت۔'' بازو چھڑا کے وہ مسکرا کے آگے بڑھا۔ اس کا رخ کیفے ٹیریا کی انچارج خاتون کی طرف تھا جو پودے ارینج کروا رہی تھیں۔

''آبلہ جم... '' (پیاری آپا) مسکرا کے تابعداری سے انہیں روکا۔ وہ رکیں اور اسے دیکھ کے مسکرا دیں۔

''خوش آمدید بیر بل بے۔'' وہ اسے سر ہلا ہلا کے دعائیں دینے لگیں۔

''ماشاءاللہ ... کیف سرسبز ہونے جا رہا ہے۔'' وہ سراہتے ہوئے کہنے لگا۔ شبنم ان دونوں کے ساتھ آ کھڑی ہوئی۔ وہ مشکوک نظروں سے بیر بل کو گھور رہی تھی۔ اس کا کوئی بھروسہ نہ تھا۔

''ہاں۔ ماہر بے نے سارے آفس میں پودے لگانے کے لیے کہا ہے۔''

''جانتی ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟''

وہ ان کی طرف جھک کے رازداری سے گویا ہوا۔ خاتون چوکنی ہوئیں۔ شبنم کے بھی کان کھڑے ہو گئے۔

''کیا؟''

''آپ کے ماہر فرید جہاں چھٹیاں گزارنے گئے تھے' وہاں کی ایک لڑکی سے انہیں محبت ہو گئی ہے۔ وہ کسی باغبان کی بیٹی ہے۔ اسی کو خوش کرنے کے لیے ماہر یہ سب کر رہا ہے۔''

جہاں شبنم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ وہاں خاتون نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔ ایک لمحہ شاک میں گزرا۔ دوسرے ہی لمحے وہ بڑی ایکسائٹمنٹ سے بولیں۔

''واقعی؟ کوئی لڑکی ہے کیا؟''

''اور نہیں تو کیا؟ عشق اور مشک چھپائے تھوڑی چھپتے ہیں۔ ورنہ.. '' وہ ہنس کے بولا۔ ''اس روبوٹ کو کون بدل سکتا تھا؟''

''بیربل۔'' شبنم نے زور سے پیر پٹخا۔

بیربل مسکرا کے ہاتھ ماتھے تک لے گیا۔

''اپنے باس کو میرا سلام کہنا۔'' ایک آنکھ دبائی اور کندھے سے نادیدہ گرد جھاڑتا آگے بڑھ گیا۔ ساتھ ہی وہ زیرلب ہنستا جا رہا تھا۔

''اور مانگیں مجھ سے بل۔''

''آبلہ... '' شبنم پریشانی سے گویا ہوئی۔ ''یہ تو ایسے ہی بولتا رہتا ہے۔ جھوٹا ہے ایک نمبر کا۔ پلیز یہ بات آگے کسی کو نہ کہنا۔''

''توبہ توبہ میں کیوں کہوں گی؟ مجھے علم ہے بیربل کی عادت کا۔ مجھو اس نے بات کی اور... '' ہونٹوں پہ زپ لگانے کا اشارہ کیا۔ ''اور بات دفن ہو گئی۔'' وہ اسے یقین دلاتی آگے بڑھ گئیں۔ البتہ چہرہ ایکسائٹمنٹ سے تمتمتا رہا تھا۔

شام سے پہلے یہ بات سارے آفس کو معلوم ہو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد نے کہا تھا وہ اور نگینہ آنٹی اس کا رشتہ مانگنے آئیں گے اور وہ آ گئے تھے۔

اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے فروٹ باسکٹس اور مٹھائی کے ٹوکرے اندر جاتے دیکھے تھے۔ جیسے روایتی خاندانوں میں ہوتا ہے' سب کچھ ویسے ہی ہو رہا تھا۔ کھڑکی سے اس نے زیاد کا ہاتھ پکڑ کے اسٹک کے سہارے چلتی نگینہ آنٹی کو بھی دیکھا تھا۔ وہ پہلے کی نسبت کمزور اور بیمار لگ رہی تھیں۔ مالا نے یاسیت سے سوچا... کیا ان کا دشمن ایک ہی تھا؟ وہ جس نے اس کی ماں کو بیمار کیا' وہی نگینہ آنٹی کو بیمار کر رہا تھا؟

''بیمار اللہ کرتا ہے۔ وہی ہنساتا وہی رلاتا ہے۔ جادو تو بس ایک سبب ہے۔''

ماہی نے اس کی بات سن کے فوراً سے تبصرہ کیا۔ ماہی کا چہرہ اس وقت اس کے فون کی اسکرین پہ نظر آ رہا تھا۔

سنگھار میز کے آئینے کے سامنے اس نے فون سیٹ کر رکھا تھا یوں کہ وہ ماہی کو دیکھ سکتی تھی۔ اور ماہی اسے۔ وہ اپنا عکس دیکھتے ہوئے تیار ہو رہی تھی۔ ہلکے نم بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ سبز آنکھوں پہ بھورا لائنر لگا تھا۔ دائیں بائیں گھما کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ ایک پمپل بھی نہیں تھا۔ شکر۔

''تم نے فیصلہ کر لیا؟''

''ابھی تھوڑا ہی فیصلہ سنانا ہے۔ ابھی وہ رشتہ مانگیں گے۔ پھر کچھ دن بعد ہم انہیں جواب دیں گے۔ ہماری روایات بھول گئی ہو کیا؟'' مالا برش سے چہرے پہ فنشنگ پاؤڈر ہلکا ہلکا ٹیپ کر رہی تھی۔ اس نے فیروزی ڈوپٹے کے ساتھ ہم رنگ چکن کاری کی قمیض پہن رکھی تھی جس کے چوڑی دار آستین تھے۔

''مگر تم خوش ہو نا' مالا؟'' ماہی سوچتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

''آج خوش ہوں۔'' وہ اب چہرے پہ بلش لگا رہی تھی۔ رخسار گلابی پڑنے لگے۔ جو بھی ہو رہا تھا اسے برا نہیں لگ رہا تھا۔

''مالا...'' ماہی کھنکھاری۔ ''تمہیں زیاد پسند تھا یا.... '' تھوک نگلا.. ''ماہر فرید؟''

مالا کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ شاکی نظروں سے اسکرین پہ نظر آتی ماہی کو دیکھا۔

''ظاہر ہے زیاد۔ کیف کے بارے میں میں ایسا نہیں سوچتی تھی۔ وہ ایک اچھا کولیگ تھا۔ ایک دوست کی طرح۔ مجھے نہیں پتہ وہ کیا تھا۔'' وہ جھنجھلائی۔ ''لیکن جو وہ تھا' وہ وہ نہیں تھا۔ زیاد کم از کم ایک سچا انسان ہے۔ جو نظر آتا ہے وہی ہے۔''

''تم اسے ابھی تک کیف کہتی ہو۔ حالانکہ اس کمبخت کا نام ماہر ہے۔''

مالا نے جواب نہیں دیا۔ وہ اب کانوں میں فیروزی پتھروں والے ٹاپس پہن رہی تھی۔

"ویسے وہ کمبخت مل جائے مجھے کہیں' میں نے اس کا منہ نہ توڑ دیا تو....."

"ماہی اس کا ذکر مت کیا کرو۔ وہ میری زندگی سے جا چکا ہے۔ اب میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"لیکن تم اس سے نفرت کرتی ہو' مالا۔ اور نفرت کا تعلق اتنا ہی مضبوط ہوتا ہے جتنا محبت کا۔"

ٹاپس پہنتے پہنتے اس کی انگلیاں تھم گئیں۔ پھر اس نے سر جھٹکا۔

"ماہی تم اس کو نہ اسٹاک کرو گی نہ سرچ کر کے کوئی میسج کرو گی۔ اچھا۔" اسے ماہی کی عادت کا علم تھا۔ اس لیے دوبارہ تنبیہہ کی۔ "اور اگر کبھی اس نے تم سے رابطے کی کوشش کی تو تم جواب تک نہیں دو گی۔]]

یونہی ایک ڈر سا تھا کہ وہ کسی دوسرے کے ذریعے مالا سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ یا شاید امید تھی۔

ماہی آگے سے ہنس دی۔

"مجھ سے رابطے کی اس نے کوشش کی تو ایسی طبیعت صاف کروں گی کہ یاد رکھے گا۔ امیر باپ کا بیٹا ہو گا اپنے ملک میں۔ میرے ہاتھ لگ گیا نا کسی دن....." ماہی دانت کچکچا کے کہہ رہی تھی۔ اسے اس سائیکو پیتھ امیر آدمی پہ بہت غصہ تھا۔ سوائے ایک کے اُسے سارے امیر آدمی برے لگتے تھے۔

"لیکن مالا..... تم واقعی زیاد سے شادی کر لو گی؟" ماہی نے پکارا۔ وہ کچھ متذبذب تھی۔ مالا جلدی جلدی بالوں میں برش پھیر رہی تھی۔

"میں تم سے بعد میں بات کروں گی۔ ابھی مجھے مہمانوں کے پاس جانا ہے۔"

بات ادھوری رہ گئی۔ فیروزی لباس والی لڑکی نے آئینے میں اپنا عکس دیکھا اور مسکرا دی۔ پھر اسے اپنی خوشی پہ حیرت ہوئی۔ وہ واقعی بہتر محسوس کر رہی تھی۔ کیف پس منظر میں چلا گیا تھا۔ اب صرف زیاد تھا اور اس کے لیے زیاد کا بڑھا ہوا ہاتھ۔

وہ سفید ہیلز سے چلتی باہر آئی تو لمبے بال کندھے پہ ایک طرف ڈالے ہوئے تھے۔

باہر لاؤنج میں سب بیٹھے تھے۔ معید اور ماں ایک تخت پہ۔ اور سامنے صوفوں پہ نگینہ آنٹی اور... زیاد۔

اسے دیکھ کے وہ ہلکا سا مسکرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ سیاہ شلوار قمیض میں ملبوس تھا۔ ہمیشہ کی طرح ٹال ڈارک اور ہینڈسم۔ کلین شیو' نفاست سے کٹے بال' اور اس کے چہرے کی مسکراہٹ۔

نگینہ آنٹی بھی محبت سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کا چہرہ مزید نحیف ہو گیا تھا۔ وہ تکلیف میں لگتی تھیں۔ ابھی تک

ان کی بیماری ڈائیگنوز نہیں ہوئی تھی۔

وہ ان کے سامنے ایک سنگل صوفے پہ بیٹھ گئی۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ لی۔ مالا کے آنے سے پہلے ہی نگینہ آنٹی رشتے کی بات کرچکی تھیں۔ اس سے پہلے نگینہ آنٹی نے ماں سے اس کا رشتہ عام بات چیت کے دوران مانگا تھا۔ اس بات کو کئی ہفتے بیت چکے تھے۔ اب وہ پورے چاہ سے آئی تھیں۔ اور روایتی خاندانوں کی طرح معید اور ماں نے سوچنے کا وقت لیا تھا، جب تک وہ لاؤنج میں آئی وہ سب خاندان والوں کی نارمل باتیں کررہے تھے۔ موسم کا حال۔ کس کے ہاں کیا چل رہا ہے۔

زیادہ زیادہ تر خاموشی سے مسکراتا رہا۔ اور بھی بس نرمی سے مسکرائے گئی۔ ان دونوں کو آپس میں بات چیت کی ضرورت نہیں تھی۔ بس خاموشی باتیں کرتی رہی۔

آج بہت عرصے بعد وہ کھل کے خوش ہوئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استنبول کے علاقے لیونت میں بنے ''کیف'' نامی چار منزلہ ولا پہ آج کی صبح مختلف سی اتری تھی۔ ماہر فرید کی کار جب گیٹ سے اندر داخل ہوئی' اور وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا باہر نکلا' تو ویلے نے آگے بڑھ کے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

''پلانٹس بہت اچھے لگ رہے ہیں آفس میں' ماہر بے۔''

ماہر محض ہوں کہہ کے آگے بڑھ گیا۔ گلاس ڈور کھلے اور سامنے کیف کی ریسشنسٹ نظر آئی۔ آج اس کی مسکراہٹ کچھ زیادہ ہی معنی خیز تھی۔

''پلانٹس سے ہمارا اسٹوڈیو آفس سج سا گیا ہے' ماہر بے۔'' اس نے مسکرا کے کہا تو ماہر نے سر کی جنبش سے تعریف وصول کی اور لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔ یونہی اسے محسوس ہوا کہ اس کے پیچھے بیگ لے کر آتے ڈرائیور اردل اور ریسپشنسٹ کے درمیان معنی خیز مسکراہٹ کا تبادلہ کیا ہے۔

''پلانٹس بہت اچھے لگ رہے ہیں' ماہر۔''

لفٹ میں ایک آرکیٹکٹ نے' اوپر مین ہال میں ڈیزائنرز کے گروپ نے' یہاں تک کہ صفائی کرتے خاکروب نے بھی دانت نکال کے جب کہا تو وہ ٹھٹکا۔ مڑ کے اطراف میں نظر ڈالی۔ آنکھیں سوچنے والے انداز میں چھوٹی کیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اسٹاف کی نظریں اس پہ ہیں۔ کچھ سر اوپر ہوئے۔ دبی دبی ہنسی۔

اس روز والی جونیئر آرکیٹیکٹ اسے دیکھتے ہی اپنا ٹیب لیے آ گئی۔ مسکرا کے اسے اپنا کام دکھایا۔

''اب کیسا بنا ہے؟''

ماہر نے ایک نظر اس کے ٹیبلیٹ کو دیکھا۔''سر کولیشن ٹھیک ہے اب لیکن...''

''کہتے ہیں تو پلانٹس ایڈ کر دوں؟'' پلکیں جھپکا کے معصومیت سے بولی تو وہ چونکا۔ ٹیب واپس تھمایا تو وہ ہنسی دبائے وہاں سے چلی گئی۔ وہ اسے سوچتی نظروں سے دیکھنے لگا۔ کوئی گڑبڑ تھی۔

اس کے آفس کے باہر شبنم کا ڈیسک رکھا تھا۔ اسے آتے دیکھ کے شبنم غڑپ سے سر جھکائے کچھ تلاش کرنے لگی۔

''شبنم۔'' وہ اس کے ڈیسک کے پاس رکا۔

''جی ماہر بے؟'' وہ تھوڑی سینے سے لگائے دراز میں ہاتھ مار رہی تھی۔

''کوئی بات ہوئی ہے کیا آفس میں؟''

''مجھے کچھ نہیں پتہ۔'' وہ اب پوری جھک کے پیپر بن میں پڑے کاغذ ادھر ادھر کر رہی تھی۔

''شبنم۔'' وہ دانت پہ دانت جما کے بولا لیکن وہ سر اٹھانے سے انکاری تھی۔ وہ آفس ڈور کی طرف بڑھا۔ اسی وقت قریبی کیبن میں موجود دو لڑکیاں' جو ایک ساتھ ایک اسکرین پہ کام کر رہی تھیں' ماہر کو دیکھ کے مسکرائیں اور سر قریب کیے آپس میں کہنے لگیں۔

''لڑکی فلورسٹ ہے۔''

''نہیں اس کا باپ باغبان ہے۔''

انہوں نے دانستہ طور پہ آواز اتنی اونچی رکھی تھی کہ وہ سن لے۔ ابھی کل ہی تو ان دونوں کو ماہر سے ڈانٹ پڑی تھی۔

''بیربل۔'' اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ پھر تیزی سے واپس شبنم کے ڈیسک تک آیا۔ شبنم جو ابھی سیدھی ہوئی تھی اس نے فوراً چہرے کے آگے ایک فائل پھیلا لی۔

''گارڈ کو اطلاع کر دو۔ آج سے بیربل فرید کا ہمارے آفس میں داخلہ بند ہے۔'' وہ غصے سے غرایا اور پھر رکا نہیں۔ سیدھا اپنے آفس میں چلا گیا اور دروازہ ٹھاہ کی آواز سے بند کیا۔

شبنم نے فائل ہٹائی۔ اور بڑے ہی سکون سے ریسور اٹھا کے لائن ملائی۔

''گارڈ ... آج سے بیربل فرید کا بارہویں دفعہ ہمارے آفس میں داخلہ بند ہے۔''

گیٹ پہ بنی کینوپی میں موجود گارڈ نے تابعداری سے اس کا فرمان سنا اور فون رکھتے ہوئے ساتھ والے گارڈ کو مخاطب کیا۔

''اچھا ہوا ماہر بے نے اس کا داخلہ بند کیا۔ کئی دن سے وہ خالی ہاتھ آ رہا تھا۔''

''ہاں۔ اس دفعہ اسے چاکلیٹ۔ ٹھلاوے کے بغیر داخل نہیں ہونے دینا۔ ہر دفعہ وہ ہمیں پستہ ٹھلاوے سے راضی کر لیتا ہے۔'' دونوں اب سر جوڑے ان تمام چیزوں کے بارے میں سوچ رہے تھے جو بیربل کی بیکری پہ بنتی تھیں اور اس نے ابھی تک انہیں نہیں کھلائی تھیں۔

اوپر ماہر کے آفس میں شبنم نے ہدایت کے مطابق کیف جمال کو وڈیو کال ملا دی تھی۔ ماہر سیٹ پہ ٹیک لگائے بیٹھا کمپیوٹر اسکرین پہ جاتی گھنٹی دیکھ رہا تھا۔

سلسلہ ملتے ہی کیف جمال کا چہرہ روشن ہوا۔ وہ غالباً ابھی ابھی نیند سے جاگا تھا اور ماہر فرید کی شکل دیکھ کے اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

''دیکھیں ماہر صاحب... '' وہ جلدی سے کہنے لگا لیکن ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے روک دیا۔ پیچھے ٹیک لگائے وہ اجلی سفید شرٹ اور گرے ٹائی میں ملبوس تھا۔

''تمہارا بزنس پلان کہاں تک پہنچا' کیف؟'' نرمی سے پوچھا۔ چہرے پہ مسکراہٹ بھی تھی۔

''بنا رہا ہوں۔'' کیف نے تھوک نگلا اور لہجے کو سرسری سا بنایا۔

''چچ۔'' ماہر نے سر جھٹکا۔ ''کہا تھا نا' تم کبھی کامیاب نہیں ہو گے۔ لوزر تھے اور رہو گے۔ خیر... میں نے تمہیں اس لیے فون نہیں کیا۔''

اس نے کڑک چائے کا گرما گرم مگ اٹھایا اور ایک گھونٹ بھرا۔

''جانتا ہوں آپ نے کس لیے فون کیا ہے۔'' کیف کی نیند کھل چکی تھی اور ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ''آپ یقیناً یہ وڈیو کال ریکارڈ کر رہے ہیں اور اس میں مجھ سے جھوٹ بولنے کا اعتراف کروائیں گے تاکہ اس کی کاپی صفورا اور کشمالہ کو بھجوا کے مجھے جھوٹا ثابت کر سکیں۔ لیکن میں آپ سے نہیں ڈرتا۔ میں نے انہیں کچھ غلط نہیں کہا۔ میں اپنے الفاظ پہ قائم ہوں۔''

ماہر فرید ہلکا سا ہنس دیا۔

''ہمارے ہوٹل سوئیٹ کی میٹنگ کی ویڈیو اور آڈیو میرے پاس ہے' کیف۔ تمہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لیے وہی کافی تھی۔ لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' مسکراہٹ اس کے لبوں سے جدا نہیں ہو رہی تھی۔

''پھر؟ کیا چاہتے ہیں آپ؟'' کیف جمال اس کی آنکھیں پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ماہر نے اسے پہلی دفعہ فون کیا تھا۔

''تم نے کشمالہ سے کہا کہ... میں نے تمہیں اسلحے کے زور پہ ڈرایا تھا۔ یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی۔'' اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔ ''میں صرف تمہاری غلطی کی تصحیح کے لیے تمہیں کال کر رہا ہوں۔''

اس نے چائے کا ایک اور گھونٹ بھرا۔ پھر اپنے کالر کی نادیدہ شکن درست کی۔

''تم مجھے سمجھ نہیں سکے' کیف۔ دیکھو...'' وہ واقعتاً سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔'' جو ڈیل تم نے کی تھی' وہ ایک مافیا باس یا گینگسٹر سے نہیں کی تھی۔ وہ ایک...'' سینے پہ انگلی رکھی۔ ''بزنس مین کے ساتھ کی تھی۔ میں ایک بزنس مین ہوں۔ مجھے اسلحہ پسند نہیں ہے۔ مجھے نمبرز پسند ہیں۔ نمبرز اس دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہوتے ہیں۔ ٹھہرو میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔''

اس نے میز پہ رکھے کاغذات اٹھائے اور کیمرے میں لہرائے۔

''یہ تمہارے کریڈٹ کارڈ بلز ہیں۔ وہ تمام عیاشیاں جو تم نے ان تین ماہ میں میرے کھاتے سے کی ہیں۔''

کیف خاموش مگر سوچتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ ماہر کاغذ سے پڑھ کے بتا رہا تھا۔

''ریستوران کے بل۔ مہنگے گیجٹس کی چائنہ اور سنگاپور سے امپورٹ۔ دبئی کا ایک ٹور۔ ہوٹل بکنگ۔ شاپنگ۔ کھانے۔ خواتین کے استعمال کی بہت سی چیزیں جو غالباً تم نے تحفوں میں دی ہیں۔ تم نے ماشاءاللہ تین ماہ میں تین کارڈز کی لمٹس ختم کی ہیں۔''

اس نے کاغذ رکھے اور کیف جمال کی آنکھوں میں دیکھا۔

''اور تین ماہ بعد تم نے ہماری ڈیل توڑ دی۔'' اس کی مسکراہٹ اب غائب تھی۔'' تم نے کشمالہ سے جھوٹ بولا۔''

''آپ مجھ سے کسی بات کا اعتراف ویڈیو کال پہ نہیں کروا سکتے۔''

ماہر نے کاغذ رکھے اور مسکرا کے اسے دیکھا۔

''تمہیں یاد ہے میں نے تمہیں ایک بات کہی تھی۔''

''کیا؟''

''یہی کہ ایک ملین ڈالرز کمائے نہیں جاتے۔ کسی سے لیے جاتے ہیں۔ میں نے یہ دولت اپنے باپ سے لی تھی۔ اور مجھے اپنے باپ کی دولت کا ضیاع سخت ناپسند ہے۔ سوچو.. کیف... پھر میں وہ دولت تمہارے اوپر کیوں ضائع کروں گا؟''

''کیونکہ میں ایک امیر آدمی کا ایڈونچر تھا۔ آپ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ میں ایک لوزر ہوں؟'' وہ تلخ ہوا۔

''نہیں۔ کیونکہ میں ایک بزنس مین کا بیٹا ہوں۔ اور میرے باپ نے کئی سال پہلے مجھے ایک نصیحت کی تھی۔ کہ اچھا بزنس مین کبھی بھی کام مکمل ہونے سے پہلے پوری پے منٹ نہیں کرتا۔'' وہ مسکرایا اور پیچھے ٹیک لگا لی۔ ''میں نے بھی نہیں کی۔ میں نے صرف تمہارے قرضے ادا کیے اور تمہیں نئے جوتوں کے لیے رقم کا ایک پیکٹ دیا۔ تمہاری باقی خرچوں کے لیے مالک نے تمہیں تین کریڈٹ کارڈز بنوا کے دیے تھے۔ تمہیں کبھی کارڈز ایشو نہ ہوتے اگر مالک اپنے تعلقات استعمال نہ کرتا۔''

''پھر؟'' کیف جمال نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''ہم نے ان تین بینک اکاؤنٹس میں ایک خطیر رقم ڈالی تھی۔ لیکن بل کی ڈیٹ آنے سے پہلے' ہم رقم نکال لیتے تھے۔ کہا نا۔ یہ میرے باپ کے پیسے ہیں۔ ہمارے نام کی وجہ سے بینکرز کو تسلی تھی کہ رقم ادا ہو جائے گی۔ تم ایک کے بعد ایک کارڈ ختم کرتے آئے اور ہم نے بینک کو تم سے کانٹیکٹ نہیں کرنے دیا۔ لیکن پھر کیف جمال.... تم نے ڈیل توڑ دی۔''

''ایک منٹ...'' وہ جیسے کسی خواب سے جاگا۔ بوکھلا کے اسے دیکھا۔ ''وہ کریڈٹ کارڈ میرے نام پہ ہیں۔ مالک کے اسسٹنٹ نے مجھے بینک لے جا کے بنوائے تھے۔ ان کے... ان کے بلز ادا نہیں ہوئے کیا؟''

''میں کام مکمل ہونے سے پہلے پوری پے منٹ نہیں کیا کرتا' کیف۔ میں ایسے شخص کے بلز کیوں ادا کروں گا جس نے اپنی طرف کی ڈیل توڑی ہے؟''

''نہیں پلیز۔ آپ ایسے نہیں کر سکتے۔'' وہ بوکھلا کے کہہ رہا تھا۔ اس کا رنگ سفید پڑ رہا تھا۔ ٹانگوں سے جان نکل رہی تھی۔ ''یہ لاکھوں کے بل ہیں۔ میرے بائیومیٹرکس اور میرے شناختی کارڈز پہ یہ کارڈز مجھے ایشو ہوئے تھے۔ میں انہیں ادا نہیں کر سکتا۔''

مگر ماہر فرید کا چہرہ سپاٹ تھا۔ سرد اور سپاٹ۔

''یہ خرچ تم نے کیے ہیں۔ ان کا بل بھی تم ہی بھرو گے۔ تم نے کہا تھا نا کشمالہ سے کہ تم نے ماہر فرید سے پیسے نہیں لیے۔ تو دیکھو۔ میں نے تمہاری بات سچ کر دی۔''

''نہیں پلیز۔ یہ نہ کریں۔ میں بینک ڈیفالٹر بن جاؤں گا۔ میں برباد ہو جاؤں گا۔''

ماہر زخمی سا مسکرایا اور آگے کو جھکا۔ ''یہ تمہیں ماہر فرید کے بارے میں جھوٹ بولنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا۔''

''آپ جو کہیں گے میں کروں گا۔ میں کشمالہ کو سچ بتا دوں گا۔ میں کہوں گا آپ کا کوئی قصور نہیں۔ میں سب اپنے ذمے لے لوں گا۔''

''اب دیر ہو چکی ہے' کیف۔ اب تمہاری کسی گواہی کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔''

''پلیز.... ''اس کا سارا خون نچڑ چکا تھا۔ ''میرے کوئی بااثر رشتے دار بھی نہیں ہیں جو مجھے بچا سکیں۔ صفورا ویسے ہی میری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔''

''میں نے کہا نا' کیف جمال.... میں ایک بزنس مین ہوں۔ مجھے کسی کو مارنے کے لیے بندوق نہیں اٹھانی پڑتی۔ میرے لیے... ''کریڈٹ کارڈ بلز اٹھا کے دکھائے... ''نمبرز کافی ہوتے ہیں۔''

پھر اس نے بٹن دبا کے کال بند کی۔ اور انٹر کام اٹھایا۔

''مالک کے اسسٹنٹ سے کہو کہ وہ بینک مینیجرز کو ہرا سگنل دے دیں۔ ہمارا اس آدمی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ اپنی وصولی اس سے خود کر سکتے ہیں۔'' سپاٹ لہجے میں کہہ کے اس نے ریسیور رکھا اور پھر اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس کے چہرے پہ کسی قسم کا ترس یا رحم نہ تھا۔ ڈیل توڑنے والوں کو اس نے کبھی پوری پے منٹ نہیں کی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس شام فیضی خانم نے اس کے لیے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولا تو ان کے چہرے پہ کچھ تھا جس کو دیکھ کے ماہر ٹھٹھک گیا۔

''مہمان آئے ہیں۔'' انہوں نے دبے لفظوں میں اشارہ کیا۔ ماہر کی نظریں جوتوں کے ریک تک گئیں۔ وہاں کسی کے جوتے نہیں تھے۔ اس نے اچنبھے سے بوٹس اتارے اور جرابوں سے چلتا ہوا آگے آیا۔ راہداری عبور کی اور سامنے لونگ روم کے دہانے پہ رکا۔

آتش دان کے ساتھ رکھی دائیں ونگ چیئر پہ عبدالمالک فرید بیٹھا تھا۔ سوٹ میں ملبوس' جیل سے سفید بال

سمیٹے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ پیروں میں چمکتے ہوئے سیاہ بوٹ پہنے ہوئے تھا۔

ماہر نے ایک نظر اس کے جوتوں کو دیکھا۔

''فیضی حاتم... پلیز میرے چچا کو کارپٹ شوز لا دیں۔'' بہت ضبط سے کہا۔ پھر قدم قدم چلتا آگے آیا۔

''تمہیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں تھی۔''

''میں تمہیں تمہارا وعدہ یاد کروانے آیا ہوں' ماہر۔'' وہ سنجیدگی سے سامنے کھڑے ماہر کو دیکھ رہا تھا۔ اور ماہر اس کے جوتوں کو۔

''مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ میں واپس آ جاؤں گا۔''

فیضی نے کارپٹ شوز لا کے مالک فرید کے سامنے رکھے لیکن وہ اسی طرح بوٹ والا پیر جھلاتا رہا۔

''اور کیف؟'' مالک نے ابرو اٹھائی۔

''میں اسے بھی ساتھ ساتھ مینج کروں گا۔'' ماہر اس کے زمین پہ رکھے بوٹ کو دیکھ رہا تھا۔ ''میں کیف کو بند نہیں کروں گا۔''

''کیف ایک فیلیئر ہے۔ تم اس میں اپنے باپ کی کمائی جھونک رہے ہو اور اس نے تمہیں کبھی پروفٹ نہیں دیا ماہر۔''

''میں تمہارے لیے کیف کو بند نہیں کر سکتا۔ واپس آنے کا وعدہ کیا تھا۔ آ جاؤں گا۔ جیسے لاہور تمہارے کہنے پہ چھوڑ دیا تھا۔''

مالک چند لمحے افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔

''بیربل ٹھیک کہتا ہے۔ تمہیں فیری ٹیلز کی طرح ایک لڑکی کا سیوئیر بننے کی فینٹیسی ہے۔''

''میں کسی فیری ٹیل میں نہیں جی رہا۔ کیا تم اپنے جوتے اتار سکتے ہو؟'' وہ بہت ضبط سے بولا۔ ''پلیز؟''

''اگر میں تمہیں وہاں سے نہ نکالتا تو تم واپس نہ آتے۔ تم اس لڑکی کے لیے سب چھوڑ کے وہیں رہ جاتے۔ افسوس۔''

''میں اپنی مرضی سے واپس آیا ہوں کیونکہ میں ایک مشین ہوں اور مجھے پیسہ بنانے میں زیادہ دلچسپی ہے۔''

مالک ونگ چیئر سے اٹھا۔ اور بوٹس سے چلتا ہوا اس کے عین سامنے آیا۔ ماہر نے دیکھا' اس کے بوٹ لاؤنج کے وسط میں بچھے سفید مخملیں قالین سے ایک فٹ دور تھے۔ اُف۔

''کاش تم مجھ پہ اعتبار کرنا سیکھ جاؤ۔ تم مجھے اپنی بیٹیوں سے زیادہ محبوب ہو۔'' مالک اس کے چہرے کو دیکھ کے بولا تو انداز میں نرمی تھی۔

اس نے مالک کے بوٹس سے نظریں ہٹا کے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں ماہر ہوں۔ اور ماہر فرید کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ چاہے وہ اس کا بھائی ہو یا اس کے باپ کا بھائی۔ تم نے میرا ساتھ اس لیے دیا کیونکہ تم مجھے واپس لے جانا چاہتے تھے۔'' وہ اب اس کے چہرے کو دیکھ کے تکلیف سے کہہ رہا تھا۔ ''نہ بیر بل اور نہ تم... کسی نے میرا اعتبار نہیں کیا۔ کاش تم لوگ کرتے۔ وہ کہتا ہے میں عشق کے روگ میں یہ کر رہا تھا۔ تم کہتے ہو میں انتقام کے لیے یہ کر رہا تھا۔ کسی کو میری اصل وجہ پہ یقین ہی نہیں ہے۔''

''ماہر...''

مگر وہ اسی کرب سے کہے جا رہا تھا۔

''میں یہ سب اس لڑکی یا انتقام کے لیے نہیں کر رہا تھا۔'' اس کی بھوری آنکھوں میں نمی ابھری۔

''میں صرف ایک بھائی ہوں جو اپنی بہن کو ڈھونڈ رہا ہے۔''

سیاہ سفید لونگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ آج وہاں کسی موم بتی کی خوشبو نہیں تھی۔

''میں صرف اپنی ہلال کو ڈھونڈ رہا ہوں۔''

مینٹل شیلف پہ وہ فریم اسی طرح الٹا رکھا تھا۔

''ماہر...'' مالک نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''وہ مر چکی ہے۔''

اس نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ اٹھایا۔ آنکھیں ابھی تک گیلی تھیں۔

''جس دن وہ مرے گی نا' مجھے یہاں (سینے پہ انگلی رکھی) یہاں معلوم ہو جائے گا۔''

''ہم نے تمہارا اتنا ساتھ دیا جتنا دے سکتے تھے' ماہر۔'' مالک اب کے بولا تو اس کی آواز میں بھی غصہ تھا۔ ''اب جب سب کچھ ٹھیک ہو چکا تھا' جب تمہاری ماں اور ہلال کی موت کو دو برس بیت چکے تھے' تو تم ایک صبح ہم سب کی زندگیاں ڈسٹرب کر کے ہمیں وہاں لے گئے۔ ایک جھوٹی امید دلا کے۔ اور ہم نے تمہیں وہ سب کرنے دیا۔ کیوں؟ کیونکہ ماہر فرید ہمیشہ درست ہوتا ہے۔''

''واللہ' میں ہمیشہ درست ہوتا ہوں۔'' وہ بھی اسی کے انداز میں بولا۔

''مگر اس دفعہ تم غلط تھے۔ تم نے اس جنون کے پیچھے اپنا فوکس کھو دیا۔ تم نے اپنی عمارت پہ ٹھیک سے کام نہیں کیا

بلکہ ایک ایسا ماڈل بنایا جو عشق کے رنگ میں رنگا تھا۔اس لیے اب ہمیں مزید مت آزماؤ۔اپنے باپ کی خواہش کو پورا کرو اور واپس آجاؤ۔ بیربل رہے یہاں' زارا رہے یہاں' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔لیکن تمہیں واپس آنا ہے۔''

وہ مالک کے سامنے سے ہٹ گیا اور کھڑکی کی قریب جا کھڑا ہوا۔ وہ مالک کے جوتوں کو سفید قالین پہ چلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

باہر رات کی تاریکی میں ڈوبا بوسفورس نظر آرہا تھا۔ کنارے پہ بندھی کشتیوں کے اندر لگے بلب جل رہے تھے۔روشنی بھی تھی مگر اندھیرا بھی تھا۔

''تم لوگ میری فیملی نہیں ہو مالک۔میں وہاں صرف کام کرنے واپس آوں گا۔میری فیملی... '' حلق میں کوئی گولہ سا اٹکا۔''صرف بیربل اور ہلال ہیں۔''

''Narcissist۔'' مالک بڑبڑایا تھا۔پھر اسے اپنے پیچھے جوتوں کے جانے کی آواز سنائی دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ بند ہوا۔

وہ مڑا اور فیضی حانم کو پکارا۔

''فرش صاف کریں۔ابھی۔اسی وقت۔'' پھر وہ وہاں رکا نہیں۔تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

''شش...''

فیضی موپ سے فرش صاف کر رہی تھیں جب اوپر سے آواز آئی۔انہوں نے سر اٹھا کے دیکھا۔بیربل ریلنگ پہ جھکا مسکرا کے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''میرا مشین بھائی سامنے تو نہیں ہے؟'' آہستہ سے پوچھا۔

''نہیں۔''

''اور دوسری مشین بھی واپس چلی گئی؟'' وہ دبے قدموں زینے اترنے لگا۔فیضی نے مسکراہٹ دبا کے اسے دیکھا۔

''جی۔ویسے وہ آپ کے چچا ہیں۔''

''چچا وہ صرف ماہر کا ہے۔مجھے لگتا ہے میں ایڈاپٹڈ ہوں۔'' پھر چہرے کے زاویے بگاڑ کے مالک کی نقل اتاری۔''بیربل بے شک یہاں رہے۔زارا بے شک یہاں رہے۔تم واپس آجاؤ' ماہر۔ہونہہ۔ مجھے تو آج تک کسی نے واپس آنے کے لیے نہیں کہا۔''

''کیوں؟''

اب وہ فیضی کے بالکل سامنے آ چکا تھا۔ راز داری سے بتانے لگا۔

''دراصل مالک زارا اور ماہر کی شادی کروانا چاہتا ہے۔ اور میں چونکہ زارا کے قابل نہیں ہوں.. الحمدللہ (چہرے پہ دونوں ہاتھ پھیرے) اس لیے مجھ سے اسے ایسی کوئی امید نہیں ہے۔''

''آپ اپنے چچا کو نام سے کیوں پکارتے ہیں؟'' فیضی نے اپنی الجھن سامنے رکھی۔ بیربل جواب میں ہنس دیا۔

''گلاب کو جس نام سے پکارو وہ گلاب رہتا ہے۔ ایسے ہی مشین کو جس نام سے پکارو وہ مشین ہی رہتی ہے۔''

فیضی بھی ہنس دیں۔ پھر چہرے پہ خفگی طاری کی۔

''آپ کا بھائی آپ سے بہت ناراض ہے کیونکہ آپ نے اس کی ورک پلیس پہ فضول باتیں پھیلائی ہیں۔''

''ارے یار... یہ جو سفید بالوں والا روبوٹ ابھی آیا تھا نا' وہ اس ورک پلیس کو بند کروا کے دم لے گا۔ چند دن میں سب اپنے گھروں کو چلے جائیں گے اور اس بات کو بھول جائیں گے۔''

کار کا ریموٹ ہاتھ میں گھماتا وہ انہیں الوداع کہتا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ فیضی خانم افسوس سے اسے جاتے دیکھتی رہیں۔ پھر ایک نظر انہوں نے مینٹل شیلف پہ رکھی کینڈلز کے ساتھ پڑے فریم کو دیکھا۔

وہ آج بھی الٹا رکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چلی ویک کے اس چھوٹے سے گھر میں صبح اتر رہی تھی۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا اور ہر طرف جامنی سا اندھیرا تھا۔

ماہی لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز دوپٹہ لیے تسبیح پڑھ رہی تھی۔ اور عباد کچن میں کھڑا اپنا ناشتہ بنا رہا تھا۔ دفعتاً دانے گراتا اس کا ہاتھ رکا۔

''میں ابھی تک اس سائیکو پیتھ کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔'' اس کے دماغ سے ماہر فرید نہیں نکل رہا تھا۔ غصہ' بے بسی' اسے بہت کچھ ایک ساتھ محسوس ہو رہا تھا۔

''چھوڑو ماہی۔ رات گئی بات گئی۔'' عباد نے کافی میکر کے نیچے مگ رکھا۔ پھر اس سے پوچھا ''ناشتہ بنا دوں۔''

''میرے خاندان والوں نے دیکھ لیا تو کہیں گے' کتنا زن مرید شوہر ہے۔''

''جانتی ہو میں نے ایک دفعہ پرندے پالے تھے۔ آسٹریلین برڈز۔''وہ انڈے کو پیالے میں پھینٹتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ماہی صوفے پہ نیم دراز گور سے اس کی بات سنے گئی۔''وہ بہت سے پرندے ایک پنجرے میں ساتھ رہتے تھے۔ سب کی اپنی ڈولیاں تھیں۔''اس نے انڈا پین میں ڈالا۔ شرشر کی آواز آئی اور انڈے کی مخصوص مہک سارے میں پھیلتی گئی۔

''جب مادہ ڈولی کے اندر انڈہ لگاتی اس کا نر باہر اس کا پہرہ دیتا۔ پھر اس کے لیے چونچ میں دانے لاتا اور اس کے منہ میں رکھتا۔ پھر اس کے سر پہ چونچ سے پیار کرتا۔''وہ ساتھ ایک توس پہ اوا کاڈو کو گودا پھیلا رہا تھا۔

''وہ تین انچ کا پرندہ اپنی بیوی کا خیال رکھتا تھا۔ بطخیں بھی ایسے ہی کرتی ہیں۔ مرغے بھی۔ کس نے سکھایا ہے ان پرندوں کو اپنی مادہ کا خیال رکھنا؟ اللہ تعالیٰ نے۔ تا کہ ان سے انسان بھی سیکھیں۔''

اس نے ٹرے میں جوس' اور ناشتے کی پلیٹس سجائیں اور پھر انہیں لیے ماہی کے قریب آیا۔

''یہ زن مریدی نہیں ہوتی۔ یہ وہ فطرت ہے جس پہ مخلوق کو پیدا کیا گیا ہے۔ صرف ہم انسان اس سے ہٹ گئے ہیں۔''

ماہی نے مسکرا کے تشکر سے اسے دیکھا۔ وہ ناشتہ اس کے سامنے رکھ کے' اب اپنا فون اور بیگ اٹھا رہا تھا۔ اسے کام کے لیے نکلنا تھا۔

''جب آسٹریلین برڈز اپنی مادہ کا خیال رکھ سکتے ہیں.... ''وہ دروازے تک گیا اور باہر نکلنے سے پہلے رک کے اپنی بات مکمل کی.... ''جب بطخا اپنی بطخ کا خیال رکھ سکتا ہے... تو مجھے بھی چاہیے کہ میں... ''توقف کیا....

''کہ میں بطور انسان اپنی گائے کا خیال رکھوں۔''

ماہی جو فخر سے مسکرا رہی تھی' اس کی مسکراہٹ یکدم غائب ہوئی۔

''اللہ کی قسم آج میں تمہیں مار ڈالوں گی۔''

اس نے کشن اٹھا کے زور سے عباد کی طرف پھینکا۔ لیکن وہ ہنستے ہوئے باہر نکل کے دروازہ بند کر چکا تھا۔ شیشے کا دروازہ لاک کرتے ہوئے اس نے صوفے پہ بیٹھی' غصے سے لال سرخ ہوتی ماہی کو دیکھا۔ وہ انگلی اٹھا کے اس کی اگلی پچھلی نسلوں کو کوئی وارننگ دے رہی تھی۔ عباد ہنستے ہوئے آگے بڑھ گیا۔ سامنے اس کی کار کھڑی تھی۔

دروازہ کھولتے ہوئے وہ ٹھٹھک کے رکا۔

''کیا نام بتایا ہے ماہی نے؟ ماہر فرید؟''وہ الجھ گیا۔''کہاں سنا ہے میں نے یہ نام؟''

پھر پلٹ کے گھر کی طرف دیکھا۔ ماہی سے پوچھے؟ لیکن نہیں۔ اس وقت وہ واپس جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ کار میں بیٹھ گیا لیکن دماغ الجھ گیا تھا۔

اس نے یہ نام کہیں سنا تھا۔ کسی اخبار میں۔ شاید انٹرنیٹ پہ۔ یا شاید کسی اور انسان سے۔

اسے یاد نہیں آرہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استنبول کی وہ صبح جولائی کی دوسری صبحوں سے مختلف نہ تھی۔ دھوپ کی تپش اور ٹھنڈ ساتھ ساتھ تھیں۔

ماہر اس وقت کانفرنس روم میں بیٹھا تھا۔ ساتھ ایک شیشے کی پیالی میں قہوہ رکھا تھا۔ چند افراد ابھی میٹنگ سے اٹھ کے گئے تھے۔ اور وہ گرافک ٹیبلیٹ پہ پین سے کچھ ڈرا کر رہا تھا۔ دفعتاً سر اٹھایا اور گردن کو دائیں بائیں اسٹریچ کیا تو شیشے کے دروازوں کے پار نظر پڑی۔

شبنم کے ڈیسک کے ساتھ بیربل کھڑا تھا۔ اس نے مسکرا کے ماہر کو ہاتھ ہلایا۔ ماہر کے لب بھینچ گئے۔

''شبنم۔'' اس نے انٹرکام اٹھا کے سختی سے پوچھا۔ ''اسے کس نے داخل ہونے دیا؟''

''پہلی بات۔ وہ آپ کا بھائی ہے۔ ہم اسے نہیں روک سکتے۔ یہ غیر اخلاقی حرکت ہے۔ اور دوسری بات۔ وہ بہت سارا بقلاوہ ساتھ لایا ہے۔ وہ بھی چاکلیٹ اور پستے والا۔''

''شبنم، تم اسی وقت اس نوکری سے فارغ ہو۔''

اس نے برہمی سے فون واپس پٹخا۔

شبنم نے او کے کہہ کے ریسور رکھا اور مسکرا کے بیربل کو دیکھا۔

''کیا کہا مشین نے؟''

مجھے نوکری سے نکال دیا۔''

بیربل کا منہ کھل گیا لیکن شبنم نے عینک اتاری اور سانس کی بھاپ شیشوں پہ ڈالی۔

''اٹس او کے۔ ماہر مجھے ہفتے میں دو تین دفعہ نوکری سے نکالتا ہے۔ تم اندر جاؤ۔'' پھر رومال سے عینک صاف کرتے ہوئے بولی۔ ''کیا پیو گے؟''

''میں ترکش قہوہ پیوں گا اور ماہر اپنا غصہ۔'' بیربل نے ہنس کے کہتے ہوئے ٹشو باکس سے ایک ٹشو کھینچا اور آگے بڑھ گیا۔

وہ کانفرنس روم میں داخل ہوا تو ماہر کرسی پہ ٹیک لگائے' ہاتھ روکے اسی کا منتظر تھا۔ خاموش۔ سنجیدہ۔

بیربل نے سفید ٹشو لہرایا اور اس کے سامنے رکھا۔

''یہ کیا ہے؟''

''صلح کا جھنڈا۔'' بیربل مسکرا کے برابر والی کرسی پہ بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جما لی۔ ''تمہیں منانے آیا ہوں بھائی۔ تم مجھ سے ناراض ہونا۔ تم میرا سب سے قیمتی رشتہ ہو۔''

''اصل بات بتاؤ۔'' وہ تکان سے بولا۔ بیربل نے تھوڑی کھجائی۔

''میرے کارڈز کی limit ختم ہوگئی ہے۔ اور میرا الاؤنس آنے میں ایک ہفتہ باقی ہے۔ ایک تو میرے ابا سارے جائیداد پہ تمہیں سانپ بنا کے بٹھا گئے ہیں۔ اس لیے پلیز یہ ناراضی ختم کرو۔ تمہارے بینک اکاؤنٹ سے میری چھوٹی چھوٹی خوشیاں بندھی ہیں۔''

ماہر بے اختیار دھیرے سے ہنس دیا۔ پھر جیب سے والٹ نکالا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔

''لے لو جو چاہیے۔''

''شکر ہے تمہارے اندر ابھی انسانیت باقی ہے۔'' بیربل نے مسکرا کے اس کے کارڈز دیکھے۔ پھر من پسند کارڈ نکالا اور اسے اپنے فون میں ڈالنے لگا۔

''میں ابھی تک تمہاری معذرت کا منتظر ہوں۔''

''یار...'' بیربل بدمزہ ہوا۔ کارڈ موبائل میں ڈال چکا تھا سو اس کا والٹ واپس کرتے ہوئے منہ بنایا۔ ''یہ لوگ تمہیں سائیکو پیتھ کہہ دیتے ہیں' تمہیں فرق نہیں پڑتا۔ اور اتنی سی بات پہ تم خفا ہوگئے ہو۔ ویسے بھی مالک نے یہ آفس جلد بند کروا دینا ہے۔ سب اس بات کو بھول جائیں گے۔''

ماہر سر جھٹک کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

''ویسے میں تمہیں مس کروں گا۔ کاش تمہیں کشمالہ کچھ بتا دیتی تو تمہیں واپس نہ جانا پڑتا۔''

اس ذکر پہ اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں اور دو انگلیوں سے ناک کی ہڈی مسلنے لگا۔

''مالک ٹھیک کہتا ہے۔ میرے باپ کی جگہ مجھے ہی سنبھالنی ہے۔ اسے کوئی اور نہیں سنبھال سکتا۔ میں کب تک بھاگوں گا؟ اس شہر سے۔ اس کے لوگوں سے۔''

''مجھے تو کبھی کسی نے برائے نام بھی واپس آنے کے لیے نہیں کہا۔ اب تو میں نے جیلس ہونا بھی چھوڑ دیا

ہے۔'' وہ جلے کٹے انداز میں کہہ رہا تھا۔ ماہر مسکرا کے اسے دیکھا گیا۔ بیربل کا کوئی علاج نہ تھا۔

''حالانکہ میں بھی قاسم فرید کا بیٹا ہوں۔ لیکن بیربل سے کوئی پیار نہیں کرتا۔ ظاہر ہے... جب بڑا بھائی اتنا کامیاب ہو اس کا اتنا اعلیٰ کیریئر ہو تو چھوٹے بھائی کو سب نظرانداز کر دیتے ہیں۔''

ماہر جو مسکرا کے اسے دیکھ رہا تھا' اس کی بات پہ اس کی مسکراہٹ مٹی۔ ایک دم وہ سیدھا ہو کے بیٹھا۔

''کیا کہا تم نے؟'' وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

بیربل رکا اور نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

''مذاق کر رہا ہوں یار۔ میں تم سے کبھی جیلیس نہیں ہوا۔''

''شش... '' ماہر نے ہاتھ اٹھا کے اسے خاموش کروایا۔ اس کا دماغ تیزی سے چل رہا تھا۔

''جب بڑا بھائی اتنا کامیاب ہو اس کا اتنا اعلیٰ کیریئر ہو تو چھوٹے بھائی کو سب نظرانداز کر دیتے ہیں۔'' وہ بڑبڑایا۔

''اب تم میری فیلنگو ہرٹ کر رہے ہو' ماہر۔''

(جاتے وقت سلیم کا کہا گیا فقرہ کانوں میں گونجا... ''ماہی باجی سب جانتی ہوتی ہیں۔ انہیں سب کی خبر ہوتی ہے۔'')

''اس کی بہن... اس کی چھوٹی بہن... '' وہ بڑبڑاتے ہوئے سیدھا ہوا اور کی بورڈ پہ انگلیاں چلانے لگا۔

''کیا ہوا ماہر؟'' بیربل اب فکرمند ہوا۔

''میں نے یہ سب کیوں شروع کیا تھا؟ کیونکہ ''اس'' نے مجھے کہا تھا کہ حورِ جہاں کی بیٹی ہلال کے بارے میں جانتی ہے۔ میں نے پوچھا' وہ کون ہے۔ اس نے جواب میں کہا' تم اس لڑکی کو جانتے ہو۔ اور میں نے سوچا کہ میں نے حورِ جہاں کا نام کہاں سنا ہے۔'' وہ یاد کرتے ہوئے کی بورڈ پہ انگلیاں چلا رہا تھا'' پھر مجھے یاد آیا کہ جو البم مجھے ملا تھا' اس میں ایک لڑکی کی تصویر کے پیچھے حورِ جہاں کا نام لکھا تھا۔''

''ہاں۔ اسی لیے تم کشمالہ کے پیچھے گئے تھے۔''

''ہاں کیونکہ میں سمجھا' وہ البم والی لڑکی کی بات کر رہا ہے۔ میں کسی دوسری حورِ جہاں کی بیٹی کو نہیں جانتا تھا۔ اس لیے جب مالک نے بتایا کہ اس کی ایک بہن بھی ہے... کینیڈا میں... تو میں نے اسے نظرانداز کیا۔ جب بڑی بہن ایک کامیاب کیریئر کی مالک ہو' سامنے ہو تو دور بیٹھی چھوٹی بہن کو سب نظرانداز کر دیتے ہیں۔''

''تم کیا کہہ رہے ہو؟''

''یہی کہ میں غلط نہیں تھا۔ میں صرف غلط بہن کے پیچھے گیا تھا۔'' اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ''مجھے مالک نے اس کی بہن کی معلومات دی تھیں۔ یہیں کہیں کسی فولڈر میں تھیں۔ میں نے غور نہیں کیا تھا۔''

''کیونکہ ماہر فرید ایک چیز کے پیچھے Obsessed ہو کے باقی سب کو نظر انداز کر دیتا ہے۔'' بیربل جتا کے بولا۔

''یہ رہا۔'' بالآخر اس کو وہ فولڈر مل گیا۔ بیربل اس کے ساتھ جھکا اسکرین کو دیکھنے لگا۔

وہ ایک پاسپورٹ کی بلیک اینڈ وائٹ مدھم سی تصویر تھی۔ اس پہ ایک اسکارف میں ملبوس لڑکی کا چہرہ نظر آرہا تھا۔ اس نے شاید یہ پہلے بھی دیکھی تھی۔ لیکن لوگ اپنے پاسپورٹ کی تصویر جیسے نہیں لگتے۔ ہوتے ہیں۔ لیکن لگتے نہیں ہیں۔ اب کے اس نے غور سے نام پڑھا۔

''ماہ بینہ مبین۔ وہ سب اسے ماہی کہتے تھے۔ میں نے اس کے اصل نام پہ دھیان نہیں دیا۔'' وہ بالآخر مسکرایا۔

''حورِ جہاں کی وہ بیٹی جو ہلال کے بارے میں جانتی ہے، وہ کشمالہ نہیں تھی۔'' اس نے اسکرین کی طرف اشارہ کیا۔ ''وہ یہ لڑکی تھی۔ حورِ جہاں کی دوسری بیٹی۔''

بیربل الجھن سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''لیکن... اس نے کہا تھا کہ وہ بیٹی جسے تم جانتے ہو۔ اور تم تو صرف البم والی لڑکی کے نام سے واقف تھے۔ اس لڑکی ماہ بینہ کو نہیں جانتے۔''

''کس نے کہا میں اسے نہیں جانتا۔'' اس نے مسکرا کے فون نکالا اور کانٹیکٹ لسٹ کھولی۔ اس کی انگلیاں ٹائپ کر رہی تھیں۔

''ون ان ففٹی۔'' (پچاس میں سے ایک۔)

ون ان ففٹی کے نام سے محفوظ کردہ ایک نمبر سامنے آیا۔ ماہر نے انٹر کام اٹھایا اور شبنم سے کہا کہ وہ نمبر پہ واٹس ایپ کال ملائے۔ وہ اپنے فون سے کال نہیں ملانا چاہتا تھا۔ بیربل سمجھ نہیں سکا کہ کیوں۔ وہ بس ناسمجھی سے اپنے بھائی کو دیکھے گیا جو ایک دم پر جوش ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہی کھانے کے برتن کاؤنٹر پہ لگا رہی تھی جب موبائل بجا۔ یہ عباد کے آنے کا وقت تھا۔ اس نے مصروف سے

انداز میں موبائل اسکرین دیکھی۔ کسی دوسرے ملک کا کوڈ تھا۔اس کے ہاتھ صاف نہ تھے۔سو احتیاط سے انگلی سے کال کنیکٹ کی اور اسپیکر آن کر دیا۔

کینیڈا میں دیسی لوگ ایسی اسپام کالز کرتے تھے۔اسکائپ وغیرہ سے۔اور اسکام کرنے کی کوشش کرتے۔ بینک اکاؤنٹ نمبر مانگتے۔ٹیکنالوجی سے نابلد بوڑھے گورے گوریاں اکثر ان کے چنگل میں پھنس جاتے تھے۔

اسے ویسے ہی صبح سے عباد اور ماہر فرید پہ بہت غصہ چڑھا ہوا تھا۔اس نے طے کرلیا کہ وہ ان دونوں کا غصہ اس دیسی اسپام کالر پہ نکالے گی۔

''ہیلو؟'' پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہہ کے وہ پلیٹس لگانے لگی۔

''ماہ بینہ مبین؟'' مردانہ آواز اسپیکر پہ گونجی۔ اسی وقت باہر عباد کی کار رکتی دکھائی دی۔لیکن ماہی کا اس طرف دھیان نہیں تھا۔

''یس۔کون؟'' اپنا نام لینے پہ وہ حیرت سے پلٹی۔

''میں ماہر فرید بات کر رہا ہوں۔''

وہ بے یقینی سے گھومی۔ پلیٹیں گرتے گرتے بچیں۔ منہ سے کمبخت نکلنے ہی لگا تھا۔

''واٹ؟'' اس کا چہرہ سرخ ہوا۔ زور سے پلیٹیں رکھیں اور گھوم کے فون تک آئی۔ اس کی اتنی مجال؟

''ہیلو ماہی؟'' وہ غالباً مسکرایا تھا۔

ماہی مائی فٹ۔ اس نے دانت کچکچائے۔ چہرہ غصے سے تمتمانے لگا۔

''تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم مجھے کال کرو۔''

عباد گلاس ڈور کے باہر کھڑا لاک کھول رہا تھا۔ اس نے اچنبھے سے ماہی کو دیکھا جو اس کی طرف پشت کیے فون پہ کسی سے غصے میں بات کر رہی تھی۔

''مسٹر ماہر فرید... میں مالا نہیں ہوں جو چپ چاپ برداشت کروں گی۔ میں ماہی ہوں۔ اگر تم مجھے اس لیے کال کر رہے ہو کہ میں مالا سے تمہاری کوئی سفارش کروں تو....''

''مجھے تم سے ملنا ہے۔ میں وین کوور آؤں گا۔تم بتاؤ کب آؤں۔'' اس کا لہجہ بے تکلف تھا۔ اندر آتا عباد ٹھٹھک کے رکا۔

ماہی کی بھی آنکھیں کھل گئیں۔ اس کی اتنی مجال۔

''اوہیلومسٹر... یہ پاکستان نہیں ہے جہاں میں چپ چاپ تمہیں استنبول کا ٹکٹ کٹوانے دو گی۔ اگر تم میرے شہر میں آئے تو میں کھڑے کھڑے پولیس بلوالوں گی۔''

''لیکن جب تم میرے شہر میں آئی تھیں تو کیا میں نے ایسے تمہارا استقبال کیا تھا؟''

وہ جہاں تھی وہیں رک گئی۔ ساکت۔ متحیر۔

عباد بھی اس کے عین عقب میں رک گیا۔

''کیا؟'' ماہی نے ناسمجھی سے کہا۔ ''میں کب...''

''میں لوگوں کے نمبر ان کے نام سے محفوظ نہیں کرتا۔ اسی لیے تمہارے نمبر کا نام میں نے ''ون ان ففٹی'' رکھا ہوا ہے۔''

ماہی کا سانس جہاں تھا وہیں رک گیا۔ اسے لگا وہ ہل نہیں سکے گی۔ ون ان ففٹی؟

''یاد آیا میں کون ہوں؟ نہیں تو میں بتاتا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ اور اس کی آواز ماہی کے گھر میں گونج رہی تھی۔

''میں ماہر فرید ہوں۔ اور میں اپنا وقت اور پیسہ کبھی ایسی جگہ خرچ نہیں کرتا جہاں سے مجھے فائدے کی امید نہ ہو۔ اور تمہارے اوپر ماہ بینہ مبین میں نے بہت کچھ خرچ کیا ہے۔ اب مجھے تمہاری مدد چاہیے۔ بتاؤ۔ میں تمہارے شہر وین کوور کب آؤں؟''

وہ بالکل سفید چہرہ لیے سن رہی تھی۔ لب کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ون ان ففٹی۔ ناممکن۔

پیچھے کھڑا عباد خاموشی سے آگے آیا۔ ماہی گم صم سی عباد کو دیکھے گئی۔ اس نے سنجیدگی سے فون اس کے ہاتھ سے لیا۔

''میں ماہی کا شوہر عباد بات کر رہا ہوں ماہر فرید صاحب۔''

ماہی سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔ پلک جھپکے بنا۔

''ہم وین کوور میں نہیں رہتے۔ ہم اس کے قریب چلی ویک میں رہتے ہیں۔ آپ جب چاہیں یہاں آسکتے ہیں۔ ہمارے گھر کے دروازے آپ کے لیے ہمیشہ کھلے ہیں۔''

''تھینک یو عباد۔'' اس نے مسکرا کے فون رکھ دیا۔

ماہی ابھی تک شل تھی۔

''تم نے اسے گھر بلالیا؟''

''مجھے یاد آ گیا تھا۔ یہ وہی آدمی ہے۔ وہ واحد امیر آدمی جس کو تم دنیا کا سب سے مہربان آدمی کہتی تھیں۔'' عباد سنجیدہ تھا۔''اور اگر یہی مالا کا کیف ہے تو مالا اس کے بارے میں غلط ہے۔ میں اپنے گھر کے دروازے اس شخص پہ نہیں بند کر سکتا جس نے میری بیوی پہ ایک دفعہ نہیں دو دفعہ احسان کیے ہوں۔ ہم اس سے ملیں گے اور اس کی بات سنیں گے۔''

وہ حتمی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

کانفرنس ہال میں بیٹھے ماہر نے ریسور رکھا تو دیکھا بیربل کے لب ابھی تک حیرت سے کھلے تھے۔

''وائی بے.... تم اس کی بہن کو کیسے جانتے ہو؟''

''مالک کو میرا پیغام دینا۔ میں واپس نہیں جا رہا کیونکہ مجھے کچھ مل گیا ہے۔ میں اپنی بہن کو پھر سے ڈھونڈ نے نکل رہا ہوں۔''

وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا تو بیربل ساتھ ہی کھڑا ہوا۔

''مگر تم اس کی بہن کو کیسے جانتے ہو؟''

ماہر ہلکا سا مسکرایا۔ بہت دن بعد وہ اپنی جون میں واپس نظر آیا تھا۔

''کیونکہ میں ایک بزنس مین ہوں۔ اور کبھی کبھی میں کچھ کریزی قسم کی investments کرتا ہوں۔ چیزوں پہ نہیں۔ انسانوں پہ۔ میرے باپ نے مجھے سکھایا تھا کہ انسان پہ کی گئی انویسٹمنٹ کبھی نہ کبھی کام آتی ہے۔'' پھر اس نے اسکرین پہ کھلی پاسپورٹ پکچر کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ لڑکی میری ایک انویسٹمنٹ ہے۔ اور یہ ہلال کے بارے میں جانتی ہے۔ کیسے، کیوں، مجھے نہیں معلوم۔ لیکن میں اپنی بہن کو واپس ضرور لاؤں گا۔ مالک کو بتا دینا۔''

وہ اس کا کندھا تھپک کے آگے بڑھ گیا۔ اس کا رخ اپنے آفس کی طرف تھا۔

اندر آتے ہی وہ سیدھا میز تک آیا اور الٹا رکھا فریم سیدھا کیا۔

وہ ایک بھوری آنکھوں والی نو سال کی لڑکی کی تصویر تھی۔ اس کے بال بیربل کے جیسے گھنگھریالے تھے اور اس کے گال میں ایک ڈمپل پڑتا تھا۔

تصویر کے کونے میں قلم سے لکھا تھا۔

لالی۔

(باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول ''لاہور''

قسط نمبر:٦

''میرے لیے درخت ہمیشہ سے بہترین استاد رہے ہیں۔
میں ان کی عزت کرتا ہوں جب وہ رہتے ہیں جنگلوں میں
اپنے قبیلوں اور خاندانوں کے ساتھ۔
لیکن میرے دل میں ان کی عزت بڑھ جاتی ہے
جب میں دیکھتا ہوں کسی تنہا کھڑے درخت کو۔
وہ ہوتے ہیں اکیلے لوگوں کی طرح۔
عظیم' تنہا لوگ۔
ان کی بلند ترین شاخوں سے
دنیا سرسراتی ہوئی گزرتی ہے۔
اور ان کی جڑیں لامکاں میں پیوست ہوتی ہیں۔
لیکن وہ خود کو ان سب میں کھو نہیں دیتے۔
وہ اپنی ساری زندگی کوشش کرتے ہیں
اپنے قوانین کے تحت چلنے کی
خود کو اپنے اصل قدم تک پہنچانے کی۔
کیا زیادہ مثالی اور مقدس ہوگا
ایک خوبصورت' مضبوط کھڑے درخت سے؟

اور جب ایسے درخت کو کاٹا جاتا ہے'

تو اس کے گول تنے میں تم اس کی تاریخ پڑھ سکتے ہو۔

اس کے سالانہ دائرے' اس کے زخم'

ساری تکلیف جو اس نے دیکھی'

اس کی بیماریاں اور خوشیاں...

سب وہاں رقم ہوتا ہے۔

تنگدست سال کے دائرے

اور خوشحال برس کے دائرے...

وہ حملے جو اس نے برداشت کیے

وہ طوفان جو اس نے جھیلے...

اور ہر کسان کو معلوم ہوتا ہے کہ

سب سے سخت اور نفیس لکڑی

ہوتی ہے اس درخت کی

جس کے دائرے سب سے تنگ ہوتے ہیں۔

اور سب سے مضبوط اور نہ تباہ ہو سکنے والے درخت

اُگتے ہیں بلند پہاڑوں اور پر خطر چوٹیوں پر۔

درخت خانقاہیں ہیں۔

جس کو ان کی زبان سننی آتی ہے'

وہ جان سکتا ہے ان کا سچ۔

وہ علم یا تصورات نہیں پڑھاتے۔

بلکہ وہ سمجھاتے ہیں زندگی کا قدیم ترین قانون۔

ایک درخت کہتا ہے تم سے

کہ میری قوت ہے میرا ایمان۔

میں نہیں جانتا اپنے باپ دادا کو۔

یا ان اولادوں کو جو ہر بہار

میرے بیج سے جنم لیں گی۔

میں صرف اس بیج کی زندگی جی رہا ہوں

جس سے میں خود نکلا ہوں۔

مجھے اس بیج کو اس کی بہترین بلندی پہ پہنچانا ہے

ایک مکمل درخت بن کے۔

مجھے اپنی جہد مقدس لگتی ہے۔

اور جب تم پریشان ہوتے ہو

تو یہ درخت تمہیں کہتے ہیں'

تم پریشان اس لیے ہو کہ تمہاری راہیں

تمہیں اپنی ماں اور اپنے گھر سے دور لے جا رہی ہیں۔

لیکن ہر وہ قدم جو تم اٹھاؤ گے'

وہ تمہیں دراصل ماں کے قریب لے جا رہا ہے۔

گھر نہ یہاں ہے' نہ وہاں ہے۔

انسان کا گھر اس کے من میں ہے۔

یا وہ کہیں نہیں ہے۔

ہر قدم گھر کی طرف ہی جاتا ہے۔

ہر قدم نیا جنم ہوتا ہے۔

ہر قدم موت ہوتا ہے۔

ہر قبر ماں ہوتی ہے۔

درخت ہم سے زیادہ عقلمند ہوتے ہیں۔

جیسے ان کی زندگیاں ہم سے لمبی ہوتی ہیں۔

جس نے بھی درختوں کی زبان کو سننا سیکھ لیا
وہ کبھی بھی درخت نہیں بننا چاہتا۔
وہ کچھ بھی نہیں بننا چاہتا
سوائے اس کے
جو وہ خود اصل میں ہے۔
یہی ہے تمہارا گھر۔
اور یہی ہے تمہاری خوشی۔''

(جرمن شاعر اور ناول نگار ہرمن ہیسے کی کتاب سے اقتباس)

نشانتاشی (استنبول) کی ایک خوبصورت اسٹریٹ کے کارنر پہ ایک بوتیک بیکری تھی جو گلابی پھولوں سے بجی تھی۔ اندر کا سارا ڈیکور بھی پیسٹل کلرز میں کیا گیا تھا۔

بیکری کے کچن میں بیربل شیف یونیفارم پہنے کھڑا تھا۔ بال جالی دار ٹوپی میں مقید تھے۔ اس کے سامنے اسٹینڈ پہ کیک رکھا تھا جس کے اوپر وہ جھک کے احتیاط سے ڈیکور کر رہا تھا۔ دفعتاً سر اٹھا کے گردن دائیں بائیں گھمائی تو نظر دیوار پہ آویزاں ٹی وی اسکرین پہ پڑی۔ وہاں سی سی ٹی وی کیمراز کی فوٹیج نظر آ رہی تھی۔ وہ چونکا۔ بیکری کے دروازے کو کھول کے زارینہ اندر آتی دکھائی دے رہی تھی۔

بیربل کے چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔

''ہش...'' ہونٹوں سے آواز نکال کے ساتھ کام کرتے انٹرن شیف کو پکارا۔ وہ جو دونوں ہاتھوں سے ڈوہ گوندھ رہا تھا' فوراً قریب کھسکا۔ ''حاضر' شیف!''

''کل میں نے تمہیں ڈوہ بنانا سکھائی تھی۔ آج میں تمہیں سکھاؤں گا کہ شیطان کی انگلی لگا کے تماشہ کیسے دیکھتے ہیں۔''

دروازہ دھاڑ سے کھلا تو وہ دونوں تیزی سے دور دور ہوئے۔ زارینہ کی ناک پہ غصہ دھرا تھا اور وہ لانگ بوٹس سے ٹھک ٹھک چلتی تیزی سے ان کی طرف آ رہی تھی۔ اس نے سفید مڈی ڈریس پہن رکھا تھا' اور بل دار بال کندھوں پہ پھیلے تھے۔

''یہ تم کیا باتیں پھیلا رہے ہو؟''

وہ اس کے سر پہ پہنچی اور ہتھیلی ورک ٹیبل پہ رکھ کے آگے جھکی۔ آنکھوں سے شرارے پھوٹ رہے تھے۔

''وعلیکم السلام' زارا۔ میں خیریت سے ہوں۔ پوچھنے کے لیے شکریہ۔''

بظاہر کیک پہ جھکے بیربل نے سر اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''بیربل' مجھے غصہ نہ دلاؤ۔'' وہ اس کی طرف جھک کے غرائی۔ ''سچ سچ بتاؤ۔ ماہر کس کے ساتھ انوالوڈ ہے؟''

بیربل نے گہری سانس لی اور سیدھا ہوا۔ اب ان دونوں کے درمیان صرف ایک کیک تھا۔

''کبھی سوچا مجھے کتنا برا لگتا ہو گا جب تم ہر بات میں صرف ماہر کے لیے فکر مند ہوتی ہو۔ بیربل سے تو کوئی پیار نہیں کرتا۔''

زارا کی برداشت اب ختم ہو چکی تھی۔ اس نے ساتھ رکھی چھری اٹھائی اور کیک کے اوپر جارحانہ انداز میں لے گئی گویا اس کے اندر گاڑنے لگی ہو۔

''اچھا اچھا بتاتا ہوں..... '' بیربل نے جلدی سے دونوں ہاتھ کھڑے کیے۔ ''پوچھو... کیا پوچھنا چاہتی ہو؟''

''ماہر کیا کرتا رہا ہے اتنے مہینے۔''

''تم اس کی بیسٹ فرینڈ ہو نا۔ خود پوچھ لو۔''

وہ ایک نظر زارا کے چھری والے ہاتھ کو دیکھتا اور دوسری کیک پہ ڈالتا۔ البتہ اس کے ہاتھ تیار تھے۔ ادھر وہ حملہ کرے۔ ادھر وہ کیک نیچے سے کھینچ لے۔

''وہ بدل گیا ہے۔'' وہ غصے سے بولی لیکن آواز میں بے بسی تھی۔ ''کچھ ہوا ہے اس کو۔ وہ پہلے ہر بات مجھ سے شیئر کرتا تھا۔ اب جیسے اپنے خول میں چلا گیا ہے۔''

''تم جیلس ہو کیا؟''

بیربل کی نظریں اس کے ہاتھ میں پکڑی چھری پہ تھیں۔

''میں کیوں جیلیس ہوں گی؟'' وہ سنبھل کے مسکرائی۔ ''میں بطور ایک دوست اس کے لیے فکر مند ہوں۔''

''ہاؤ سوئیٹ۔'' بیربل نے معنی خیز انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

''پھر؟'' زارا نے سوالیہ انداز میں ابرو اٹھایا۔ ''کون ہے وہ لڑکی؟''

''پہلے چھری۔ پھر لڑکی۔'' اس نے ہاتھ بڑھایا۔ زارا چند لمحے اسے گھورتی رہی' پھر زور سے چھری اسے تھمائی۔

''میں نے اسے صرف ایک دفعہ دیکھا تھا۔'' وہ ریلیکس انداز میں چھری دور رکھتے ہوئے بتانے لگا۔ ''مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ ماہر آفندی کو لڑکی پسند ہے اور لڑکی کو پودے۔ اور یہ عشق کا غم ایسا ہے کہ وہ بہت جلد اس سے نکل نہیں سکے گا۔''

زارینہ کچھ دیر کے لیے کچھ بول نہ سکی۔ بدقت الفاظ جمع کیے۔

''لیکن... ان دونوں کے درمیان جو بھی تھا' وہ ختم ہو گیا نا؟'' وہ جیسے خود کو امید دلا رہی تھی۔ ''ماہر اسے چھوڑ کے آ گیا ہے اور وہ نارمل طریقے سے کام کر رہا ہے۔ وہ اسے بھلا دے گا۔''

بیربل دھیرے سے ہنسا۔

''میں ماہر کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ اسے پہلی دفعہ محبت ہوئی ہے۔ اور وہ اسے اگلے کئی سال نہیں بھلا سکے گا۔ یہ جو اتنے دن سے وہ کیف میں روبوٹ کی طرح کام کرتا دکھائی دے رہا ہے نا' یہ سب اداکاری ہے' زارا۔ وہ لڑکی ایک دفعہ اس کے سامنے آ جائے' اس کا خول فوراً ٹوٹ جائے گا۔ ماہر اپنے محبوب لوگوں سے دستبردار نہیں ہوا کرتا۔''

بیکری کچن میں چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔ صرف بیکرز کے دائیں بائیں چلنے کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔

''کیسی ہے وہ؟'' وہ ایک دم بالکل سنجیدگی سے بولی۔

''خوبصورت۔ ٹیلنٹڈ۔ groomed۔''

''ماہر کو کیا پسند ہے اس میں؟''

بیربل رک گیا۔ اس نے سوچنے کی کوشش کی۔ ''معلوم نہیں۔ کہتی ہو تو پوچھ کے بتا دوں؟ ویسے بھی وہ غمِ عشق کا شکار ہے۔ شاید اس کی یاد میں کوئی غزل ہی کہہ دے۔''

''بابا نے اسے کیسے راضی کیا لندن جانے کے لیے؟'' زارا نے نظرانداز کر کے اگلا سوال داغا۔

''مجھے کیا معلوم۔ جیسے تمہارا باپ مشین۔ ویسے ہی میرا بھائی مشین۔ اب دو مشینوں کی آپس کی ڈیلز وہی جانیں۔ ویسے...'' بیربل نے یاد کرنے کی اداکاری کی۔ ''تمہارے والد صاحب جانتے ہیں اس لڑکی کو۔ ساری تفصیل ہے ان کے پاس۔ انہوں نے بھی تمہیں نہیں بتایا؟ چچ...''

زارینہ چونک اٹھی۔ پہلے چہرے پہ بے یقینی ابھری اور پھر زخمی پن۔

''بابا جانتے ہیں؟''

''ہاں۔ بے شک پوچھ لو ان سے۔''

زارینہ متذبذب سی اسے گھورے گئی۔

''مجھے تمہارا یقین نہیں ہے۔ تمہارے منہ سے اکثر جھوٹ ہی نکلتے ہیں۔''

''میرا منہ جھوٹا سہی' کم از کم میرا اپنا ہے۔'' آگے جھک کے اس کے قریب سرگوشی کی۔'' کیونکہ اس کو کسی بوٹوکس نے نہیں چھوا۔''

زارا تیزی سے پیچھے ہوئی' اس کی رنگت بدلی۔

''بدتمیز۔'' غصے سے پیر زمین پہ مارا اور مڑ گئی۔ وہ مسکرا کے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

''ایسے لگاتے ہیں شیطان کی انگلی۔ اب ہوگا باپ بیٹی میں جھگڑا۔''

فخر سے ساتھ کھڑے انٹرن کو بتایا جو بہت عقیدت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''لیکن ہیر بل بے... آپ کو اس سے کیا فائدہ ہوگا؟''

''دیکھو دوست...'' اس نے انٹرن کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور سمجھانے والے انداز میں بولا۔'' ہر بات فائدے یا نقصان کے لیے نہیں کی جاتی۔ کچھ چیزیں میں اپنے اندر کے شیطان کے ہاتھوں مجبور ہو کے کرتا ہوں۔ جتنا عذاب میرا بھائی اور چچا مجھے دیتے ہیں' یہ تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے۔ سیکھو مجھ سے۔''

''وائی بے۔ آپ بہت ذہین ہیں شیف۔'' وہ دانت نکوس کے بولا۔ ہیر بل نے مسکرا کے اسے دیکھا اور پھر اسے خیال آیا۔

''سچ سچ بتاؤ۔ تم لوگوں نے بھی میرے نام تو نہیں رکھے ہوئے؟''

''اللہ اللہ۔ آپ کوئی ماہر بے جیسے باس تھوڑی ہیں جو ہم آپ سے تنگ ہوں۔ ہم تو آپ کو صرف شیف یا patron پیٹرون (باس) کہہ کے پکارتے ہیں۔'' مسکرا کے بتایا تو ہیر بل کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس کی بیکری کا ماحول اتنا دوستانہ اور ہنسی مذاق والا تھا کہ اسے یقین تھا یہاں کوئی اس کا نام نہیں رکھ سکتا۔ ماہر کو بس ہر ایک پہ شک کرنے کی عادت تھی۔ ہونہہ۔ وہ سر جھٹک کے دستانے اتارنے لگا۔

''میں ذرا ایک دوست سے ملنے جا رہا ہوں۔ پیچھے کام دیکھ لینا۔'' انٹرن شیف کا کندھا تھپکا اور باہر نکل گیا۔

شیف نے اسے جاتے دیکھا اور جب وہ چلا گیا تو اس نے مسکرا کے فون نکالا اور واٹس ایپ پہ بیکری کے ورکرز کا

گروپ کھولا جس میں بیربل نہیں تھا۔اس کی انگلیاں میسج ٹائپ کرنے لگیں۔

"pinnochio (پی نوکیو) بیکری سے چلا گیا ہے۔رات تک نہیں آئے گا۔آج کام کے بعد پارٹی کریں گے۔"

مسکرا کے فون رکھا اور کام میں مصروف ہو گیا۔

(پی نوکیو ایک فیری ٹیل کردار ہے جو جھوٹ بولنے اور مسئلے کھڑے کرنے کے لیے مشہور ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ شام اترتے ہی کچن سے کھانے کی مہک اٹھنے لگی۔ جب تک ماں کھانا بناتی تھیں' ایسی برکت ہوتی کہ کم نہیں پڑتا تھا، مگر جب سے کچن کا چارج بخت بی کے ہاتھ میں آیا تھا' اکثر دوپہر کا سالن شام تک نہیں بچتا تھا۔ ماں بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع نہیں کرتی تھیں۔ان کا کہنا تھا کہ اگر کھانے کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لی جائے تو اس کھانے میں نہ بے برکتی ہوتی ہے' اور نہ ہی اس میں ملا ہوا زہر یا جادو اثر کرتا ہے۔ لیکن بخت بی ایسی باتوں پہ کم دھیان دیتی تھی۔اسی لیے آج پھر سرِ شام پلاؤ بناتے شروع ہو گئی تھی۔

مالا اس وقت ماں کے ساتھ کمرے میں بیٹھی تھی۔اس کا ذہن زیاد کے رشتے والے معاملے میں الجھا ہوا تھا۔ دفعتاً ماں نے اسے آواز دی کہ انہیں باتھ روم لے جائے۔معید لاؤنج میں بیٹھا کانوں پہ ہینڈز فری چڑھائے یوٹیوب پہ کوئی ویڈیو دیکھ رہا تھا اور بخت بی کچن میں لگی تھی۔تبھی انہوں نے مالا کو پکارا تھا ورنہ وہ اب کوشش کرتی تھیں کہ اپنا بوجھ بخت بی پہ ڈالیں۔

مالا ان کے پکارتے ہی فوراً سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ جتنا ماں اس کو کم سے کم کام کہنے کی کوشش کرتی تھیں' اتنا وہ ان کے کاموں کے لیے سب سے پہلے کھڑی ہوتی تھی۔ بات صرف فرمانبرداری کی نہیں تھی۔ وہ ماں کو کسی دوسرے پہ نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ جس دن سے ماں بیمار ہوئی تھیں' مالا کے لاشعور میں ایک خوف سا بیٹھا تھا۔ کہ کسی دن وہ اچانک سے کمرے میں داخل ہو گی اور ماں گری ہوئی ملیں گی۔ان کے سر سے خون بہہ رہا ہو گا۔ یہ خوف اسے رات میں ایک دم سے جگا دیا کرتا تھا۔ وہ اٹھ کے چیک کرتی۔ ماں گر تو نہیں گئیں؟ حالانکہ ماں آرام سے سو رہی ہوتیں۔

انہیں باتھ روم میں چھوڑ کے وہ باہر آئی تو موبائل بج رہا تھا۔زیاد کالنگ۔

اس کے چہرے پہ ایک خوبصورت مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے ائیر پوڈز کانوں میں لگائے اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ ماں کو ابھی باتھ روم میں کچھ وقت لگنا تھا۔ اور اسے اوپر اسٹوڈیو سے کچھ سامان بھی اٹھانا تھا۔

''کچھ سوچا آپ نے؟'' تمہید کے چند فقروں کے بعد ہی وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔ وہ اس کی آواز سنتے ہوئے زینے چڑھنے لگی۔ کھلے بال شانوں پہ بکھرے تھے اور چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ وہ بہت دن بعد خوش اور مطمئن نظر آتی تھی۔

''سوچ رہی ہوں۔'' اسٹوڈیو اندھیر پڑا تھا۔ مالا نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا تو سارے میں روشنیاں بکھر گئیں۔ زیاد نے اس کی زندگی میں بھی ایسے ہی روشنی کی تھی۔

''کتنا وقت لیں گی سوچنے میں؟'' وہ گہری سانس لے کر بولا جیسے تھک گیا ہو۔

وہ ہلکا سا ہنس دی۔

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بس ماں کو ابھی اکیلا نہیں کرنا چاہتی۔''

''میں ابھی شادی کی بات کر بھی نہیں رہا۔ ہم شادی تب کریں گے جب آنٹی مکمل طور پہ صحت یاب ہو جائیں گی۔''

''ان شاءاللہ۔ آپ کی امی کیسی ہیں؟''

وہ ان کی خیریت پوچھتے ہوئے کیبنیٹس کے سامنے بیٹھی اور ان کے دروازے کھولنے لگی۔ اسے صبح ریستوران لے جانے کے لیے چند پینٹنگ ٹولز چاہیے تھے جو انہی کیبنیٹس میں رکھے تھے۔

''عجیب پراسرار سی بیماری لگ گئی ہے ان کو' کشمالہ۔'' وہ اداس ہوا۔ ''میری امی نے ایک بہت مشکل زندگی گزاری ہے۔ میرے ابو کافی... '' زیاد نے رک کے الفاظ کا چناؤ کیا۔ '' کافی سخت تھے۔ ان کو امی شروع دن سے نہیں پسند تھیں۔ کیونکہ امی خوبصورت نہیں تھیں۔''

''ارے۔ اتنی گریس فل ہیں وہ۔ ایسے نہ کہیں۔'' اسے واقعی حیرت ہوئی۔

''امی سانولی تھیں اور ابو کا رنگ گورا تھا۔ بس وہ ہماری سوسائٹی کے خوبصورتی کے معیار پہ پوری نہیں اترتی تھیں۔''

''حالانکہ سانولا رنگ تو اتنا خوبصورت ہوتا ہے۔'' اسے افسوس ہوا۔ آج کے دور میں بھی کوئی کلر شیمنگ کر سکتا تھا کیا؟ اور پھر... مائیں تو ہوتی ہی خوبصورت ہیں۔

''مگر میری ماں کو ہمیشہ سے بدصورتی کا طعنہ ملا۔ ان کی ذات بہت کمپلیکس میں چلی گئی۔ لیکن انہوں نے ابو کی ہر اچھی بری بات برداشت کی۔ میرے لیے۔ میں امی کی زندگی کی تمام خوشیوں کا محور ہوں۔ امی اور ابو کی میرڈ

لائف سے میں نے یہ سیکھا ہے کہ بیوی کی عزت سب سے اوپر ہوتی ہے۔اور میں نے بہت پہلے فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنی بیوی پہ کبھی تنقید نہیں کروں گا۔اس کا دل نہیں دکھاؤں گا۔اس کو وہ عزت اور مرتبہ دوں گا جو اس کو ملنا چاہیے۔"وہ رکا اور ٹھہر ٹھہر کے نرمی سے بولا۔"کشمالہ میں آپ کو کبھی ہرٹ نہیں کروں گا۔"

(وہ آپ کو ہرٹ کرے گا۔وہ نارسیسٹ ہے۔پیٹرپین سنڈروم۔وہ لڑکا جو کبھی بڑا نہیں ہوتا۔)

کیبنیٹ کھولتے ہوئے وہ رکی۔ایک آواز ذہن میں گونجی تھی۔اندرونِ لاہور کی گلیاں اور ٹوٹی ہوئی خطائی کی خوشبو۔اس نے سر جھٹکا۔

"سب شادی سے پہلے کہتے ہیں کہ وہ بیوی کو ہرٹ نہیں کریں گے۔لیکن کرتے ہیں۔"

"آپ مجھے آزمالیں۔کیوں نا ہم فوراً شادی کے بجائے کچھ عرصہ ایک دوسرے کو جاننے میں گزاریں؟کوئی انسان کتنی اداکاری کر سکتا ہے؟میں جیسا اب ہوں ویسا ہی رہوں گا۔"پھر یاد آنے پہ بولا۔"ہاں میں تھوڑا سا تلخ ہوں۔میں چیزوں کو تنقیدی نظر سے دیکھتا ہوں۔میرے ابو کے رویے نے شاید مجھے ایسا بنا دیا ہے۔لیکن آپ نے میری اصلاح کرنی ہے۔ہمیشہ۔کبھی میری کوئی بات بری لگے تو آپ مجھے بتائیں گی۔اور میں اس عادت کو ختم کرلوں گا۔"

"مجھے سچ بولنے والے کبھی برے نہیں لگتے۔"وہ ہلکا سا مسکرائی اور بازو بڑھا کے کیبنٹ میں پیچھے پیچھے رکھا ایک باکس نکالا۔پھر اسے اپنے سامنے فرش پہ رکھ کے کھولا۔

اس کے اندر مٹیالے سفید جوگرز رکھے تھے جن کے گلابی تسمے تھے۔

مالا نے دھیرے سے انگلیاں ان جوگرز پہ پھیریں۔یہ اس کے تھے۔کسی زمانے میں۔

اس کے لبوں پہ اداس سی مسکراہٹ بکھر گئی۔کہاں سے چلے تھے۔کہاں پہنچ گئے تھے۔

"آپ لوگ کل آجائیں۔ہم آپ کو اپنا جواب سنا دیں گے۔"وہ جوگر اٹھا کے الٹ پلٹ کر کے دیکھنے لگی۔سارے فیصلے ہو چکے تھے۔زیاد کی آواز ایک دم کھل اٹھی۔

"واقعی؟میں امی کو بتاتا ہوں۔وہ بہت خوش ہوں گی۔"

اس نے فون رکھا اور پیار سے اس جوگر کو ہاتھ میں اٹھائے دیکھنے لگی۔پھر محسوس ہوا اس کے اندر کچھ ہے۔شاید جراب۔اس نے ہاتھ ڈال کے باہر نکالا تو ایک کھڑکھڑاتا ہوا پلاسٹک کا خالی پیکٹ تھا۔اسے یہ پیکٹ یاد تھا۔وہ مسکرا دی۔بلکہ اسے وہ دن آج بھی یاد تھا جب اس نے یہ پیکٹ اس جوگر میں ڈالا تھا۔اور پھر ماں نے اسے....

ماں... وہ کرنٹ کھا کے اٹھی۔ ماں باتھ روم میں تھیں۔ وہ انہیں بھول گئی تھی۔ اوہ خدایا۔

وہ تیزی سے باہر بھاگی۔ اندھا دھند زینے پھلانگے اور نیچے لاؤنج میں آئی۔ معید اسی طرح ہیڈ فونز چڑھائے ویڈیو میں مگن تھا۔ بخت بی کچن میں پیاز فرائی ہونے کے شور میں الجھی تھی۔

مالا بدحواسی سے دوڑتی ہوئی کمرے میں آئی۔ اور تیزی سے دروازہ کھولا۔ دروازوں کے پار والے منظر اسے ہمیشہ خوفزدہ کرتے تھے۔

دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اس کا بیڈ روم نظر آیا۔ سامنے... باتھ روم کے دروازے کے سامنے.... ماں فرش پہ گری ہوئی تھیں۔

ایک لمحے کے لیے وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔ شاک.. خوف... وہ منجمد ہو گئی۔

ماں فرش پہ گرے گرے اٹھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ چہرے پہ شدید درد کے آثار تھے۔ اسے دیکھا تو اسی تکلیف سے بولیں۔

"مالا... بیٹے کہاں چلی گئی تھی؟ میں نے تمہیں اتنی آوازیں دیں...."

اس نے چیخ روکنے کے لیے دونوں ہاتھ منہ پہ رکھ لیے۔ ہاتھ کانپنے لگے تھے۔ ایک لمحے کے لیے وہ بت بن گئی۔ یہ سب کیسے ہوا؟

وہ ماں کو باتھ روم میں بھول گئی تھی۔ انہوں نے اسے آوازیں دیں لیکن جب وہ نہیں آئی تو اس بوڑھی عورت نے خود باہر آنے کی کوشش کی۔ وہ وہیل چیئر پہ بیٹھیں اور اسے بدقت چلاتے ہوئے باتھ روم سے باہر آئیں۔ لیکن کمرے کے فرش پہ قالین کے مڑے ہوئے حصے کی وجہ سے ان کا پاؤں رپٹ گیا اور وہ وہیل چیئر سے اوندھے منہ نیچے گریں۔ گرتے گرتے انہوں نے ساتھ رکھے صوفے کا سہارا لیا جس سے وہ منہ کے بل گرنے سے بچ گئیں۔ اب اپنے وزن کے باعث ان سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ ان کے چہرے پہ بے بسی تھی اور تکلیف تھی۔

"ماں... میری ماں.... اف..." وہ ایک دم رونے لگی۔ پھر تیزی سے ان کے پاس آئی اور ان کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لیا۔ کیا وہ ٹھیک تھیں؟ کیا ان کا خون نکل رہا تھا؟ وہ ان کو اٹھانے کے بجائے یہ دیکھ رہی تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

"نہ میری بیٹی... نہ روؤ۔" ماں اسے روتے دیکھ کے پریشان ہو گئیں۔ "تم روؤ گی تو میرا دل دکھے گا۔ تمہاری غلطی نہیں ہے۔"

مگر وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے روئے جا رہی تھی۔ اس نے کندھے سے تھام کے ماں کو اوپر اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ ان کا وزن نہیں سہار سکتی تھی۔ ذہن قدرے جاگا تو وہ زور سے چلاتے ہوئے معید کو آواز دینے لگی۔

''معید .... کیف... سلیم... جلدی آؤ...'' وہ گھر کے سارے مردوں کو آوازیں دے رہی تھیں۔

چند لمحے میں سب دوڑے چلے آئے۔ معید۔ بخت بی۔ سلیم۔ سب نے بھاگ کے ماں کو سہارا دیا اور اوپر صوفے پہ بٹھایا۔ معید جلدی سے ان کے پیر اور ٹانگیں چیک کرنے لگا۔ معجزانہ طور پہ ان کے صرف پیر پہ موچ آئی تھی۔ کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا تھا۔

لیکن وہ روئے جا رہی تھی۔ مسلسل نفی میں سر ہلاتے ہوئے۔ ماں اپنی تکلیف بھول کے پریشانی سے اس کو دیکھ رہی تھیں۔

''میری بیٹی... تم نہ روؤ۔ تمہاری غلطی نہیں ہے۔''

لیکن اسے معلوم تھا کہ یہ سب اس کی غلطی ہے۔ اتنے مہینے سے ایک خوف سا دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ آپریشن کے بعد ہسپتال کے کمرے کا دروازہ کھول کے اندر داخل ہوگی تو اندر کا منظر کیسا ہوگا؟ وہ کبھی اپنے کمرے کا دروازہ کھول کے داخل ہوگی تو وہ ماں کو کسی بری حالت میں دیکھے گی۔ بند دروازوں کے پیچھے کے منظر اسے ہمیشہ ڈراتے تھے۔ وہ ان کا سایہ بن کے ان کے ساتھ رہتی تھی۔ آج وہ کیسے انہیں بھول گئی؟

''مالا تمہاری غلطی نہیں ہے۔ میں بھی ہیڈ فون لگائے ہوئے تھا ورنہ سن لیتا۔ میری غلطی ہے۔'' معید بھی پریشانی سے کہتا اس کو چپ کروانے لگا۔ لیکن وہ ماں کے قدموں میں نیچے بیٹھی ان کا ہاتھ تھامے سر جھکائے روئے جا رہی تھی۔

''میں آپ کو دوبارہ کبھی نہیں بھولوں گی ماں۔'' وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔

''بیٹے میں ٹھیک ہوں...''

''مالا یار... شکر کرو کوئی نقصان نہیں ہوا۔ صدقہ دو اور رونا بند کرو۔ بس۔'' معید نے اب کے اسے ڈپٹا۔ لیکن وہ سر جھکائے مسلسل رو رہی تھی۔ معید نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس کا کرب کیا تھا۔ اور نہ ہی ماہی۔

ماہی سمجھتی تھی کہ وہ بدنصیب ہے کیونکہ وہ ماں سے دور ہے اور ان کی بیماری میں ان کی خدمت نہیں کر پا رہی۔ دنیا صرف ماں کی بیماری کے وقت اس کے پاس موجود اولاد کو دیکھتی ہے۔ لیکن ماں کی صحت کے دنوں میں کون ان کے پاس تھا اور کون انہیں چھوڑ کے چلا گیا تھا یہ صرف اولاد کو یاد رہتا ہے۔ یہ اسے یاد تھا۔ ماں کو شاید بھول گیا ہو۔

مائیں بھلا دیتی ہیں۔ لیکن اسے سب یاد تھا۔

اسے معلوم تھا اب اسے کیا کرنا ہے۔ بند دروازے کے پیچھے نظر آنے والے اس ایک منظر نے سارے فیصلے کروا دیے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سریار (استنبول) کی وہ اونچی اپارٹمنٹ بلڈنگ اس رات مصنوعی بتیوں سے روشن کھڑی دکھائی دیتی تھی۔ ٹاپ فلور کے ڈپلیکس پینٹ ہاؤس کے اندر جھانکو تو سیاہ سفید لونگ روم میں زرد بتیاں جلی تھیں۔ اوپن کچن میں فیضی حانم کام کرتی دکھائی دے رہی تھیں۔ اور لونگ روم کے ایل شیپ سیاہ صوفے پہ ماہر بیٹھا تھا۔ اس نے دونوں پیروں کی قینچی بنا کے میز پہ رکھی ہوئی تھی۔ اور گود میں کشن کے اوپر لیپ ٹاپ رکھے ہوئے تھا۔ سفید شرٹ کے آستین کہنیوں تک موڑ رکھے تھے اور بال ماتھے پہ بکھرے تھے۔ وہ کچھ دیر پہلے آفس سے آیا تھا لیکن لباس تبدیل کیے بغیر یہاں بیٹھ گیا تھا۔ اسے رات کی تنہائی اور خاموشی میں یہ ویڈیو کال کرنی تھی۔

پیچھے آتش دان کے اوپر شیلف پہ رکھی ایک موم بتی جل رہی تھی۔ ڈارک روسٹ کافی کی مہک والی موم بتی۔ لیکن ماہر فرید اس وقت اس خوشبو سے بے نیاز اپنی ساری توجہ اسکرین پہ مرکوز کیے ہوئے تھا۔ وہاں ایک سفید اپارٹمنٹ کے کچن کا منظر نظر آ رہا تھا۔ اور سامنے چھوٹے باب کٹ بالوں والی ماہی بیٹھی تھی۔

اس کا چہرہ بھی ویسا ہی سنجیدہ تھا۔ اور ابرو خفگی سے اکٹھے تھے۔ یا شاید ندامت سے۔ اپنی بہن کو بتائے بغیر اس کے دشمن سے بات کرنے کی ندامت۔

''لانگ ٹائم' ماہی۔'' وہ نرمی سے بولا تو ماہی نے گہری سانس لی۔

''جی... لانگ ٹائم۔'' پھر اسے کچھ یاد آیا۔ وہ قدرے آگے جھکی اور اس کی آنکھوں میں بغور جھانکا۔

''جب ہم پہلی دفعہ ملے تھے' تو آپ اکیلے نہیں تھے' ماہر صاحب۔ آپ کے ساتھ آپ کی محبوبہ بھی تھی۔ وہ کہاں گئی؟''

ماہر کے چہرے پہ اداس سی مسکراہٹ ابھری۔

''ہمارے درمیان جدائی آ گئی۔''

''آپ نے اسے چھوڑ دیا؟ ناممکن۔''

وہ ہلکے سے شانے اچکا کے رہ گیا۔ ''سچ کہہ رہا ہوں۔ چھوڑ دیا اسے۔'' پھر توقف سے بولا۔ ''میں تم سے ملنے

وین کو ور آؤں گا۔"

ماہی نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔"آپ کو جو پوچھنا ہے ویڈیو کال پہ پوچھ سکتے ہیں۔اتنی دور آنے کی کیا ضرورت ہے؟"

"میں وہ باتیں سنتا ہوں جو کہی نہیں جاتیں۔اگر مجھے ویڈیو کال پہ جواب مل جاتے تو میں کشمالہ کا ڈرائیور نہ بنتا۔"

"یہ آپ نے بہت غلط کیا۔" ماہی کے ماتھے پہ بل پڑے۔ایک دم سے سب یاد آیا تھا۔"آپ نے میری بہن کو بہت بڑا دھوکہ دیا ہے۔"

"جانتا ہوں۔غلط کیا ہے۔مگر کیا کروں؟" ہلکے سے کندھے اچکائے۔"مجھے اپنی بہن کو ڈھونڈنا تھا۔"

"آپ کی بہن کے بارے میں ہم کیسے جان سکتے ہیں؟"

"یہ تو مجھے نہیں معلوم۔لیکن تم جانتی ہو۔میں نے تمہیں اس کی تصویر بھیجی ہے۔وہ دو سال پہلے لاپتہ ہوئی تھی جب وہ نو سال کی تھی۔"

"میں نے آپ کی بھیجی ہوئی تصویر دیکھی ہے لیکن میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا نہ اس کا نام سنا ہے۔میں واقعی نہیں جانتی۔"

"تمہیں یاد آجائے گا۔آہستہ آہستہ۔"

"جب میں جانتی ہی نہیں تو مجھے کیسے یاد آئے گا؟" وہ متذبذب سی تھی۔اس آدمی کو بات سمجھ میں کیوں نہیں آرہی تھی۔

"ویسے..." وہ توقف سے پوچھنے لگی۔"ہلال لاپتہ کیسے ہوئی تھی؟"

ماہر کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرایا۔"لوگ کہتے ہیں وہ مرگئی ہے۔میرا دل نہیں مانتا۔"

"شاید لوگ درست کہتے ہوں اور آپ denial میں ہوں۔"

"وہ زندہ ہے۔اور وہ میرا انتظار کررہی ہے۔مجھے صرف اسے ڈھونڈنا ہے۔"

وہ بہت سکون اور یقین سے کہہ رہا تھا۔وہ اب بھی ویسا ہی تھا۔وہی "مجھے سب معلوم ہوتا ہے" والا انداز۔

"آپ نے مالا سے پوچھا؟"

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ذہن چند لمحے کے لیے مبین منزل میں واپس چلا گیا۔

جس روز مالا کے اوپر لفٹ میں کسی نے حملہ کیا تھا' اس روز گھر آنے کے بعد' جب وہ شادی میں جا رہی تھی' ماہر نے اسے روکا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' کامدار لباس میں ملبوس لڑکی جھمکا درست کرتے ہوئے کار میں بیٹھ رہی تھی۔ اس نے پکارا تو رک کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ کسی ایسے ہی مصروف لمحے میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا جب وہ زیادہ غور نہ کر سکے۔

''یہ بچی کون ہے؟'' موبائل پہ ہلال کی تصویر دکھائی۔

''مجھے نہیں پتہ۔ کون ہے؟'' کشمالہ نے اچھنبے سے تصویر دیکھی۔

''کیا آپ نے اس کو دیکھا تھا؟ یہ سیلون میں لفٹ کے آس پاس تھی۔''

مالا نے جھک کے غور سے اس تصویر کو دیکھا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ اس کے چہرے پہ شناسائی کی کوئی رمق نہ تھی۔

''نہیں تو۔ میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ ایسے ہی کسی کی بچی ہوگی۔ مجھ پہ حملہ کسی آدمی نے کیا تھا۔'' اور دروازہ کھول کے اندر بیٹھ گئی۔

ماہر نے آنکھیں کھولیں۔ وہ استنبول میں اپنے اپارٹمنٹ میں بیٹھا تھا اور سامنے لیپ ٹاپ پہ ماہی نظر آ رہی تھی۔ چند لمحے کے لیے بھی مبین منزل میں واپس جانا دل کو کتنا اچھا لگا تھا۔

''میں نے کشمالہ سے پوچھا تھا۔'' وہ سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔ ''جس دن اس پہ لفٹ میں کسی نے حملہ کیا تھا۔ مگر وہ نہیں جانتی تھی۔''

''کسی نے؟ وہ حملہ آپ نے نہیں کیا تھا؟ اور وہ لائٹر؟'' ماہی کا لہجہ تفتیشی تھا۔

ماہر فرید نے بہت ضبط سے گہری سانس لی۔ مٹھیاں بھنچ گئی تھیں۔

''میں اس پہ حملہ کر کے اپنے ہی نام کا لائٹر کیوں گراؤں گا؟ کسی نے یہ جان بوجھ کے کیا تھا تا کہ کشمالہ کو میرا نام معلوم ہو جائے اور وہ ماہر فرید کو ڈھونڈتے ہوئے کیف جمال کی اصلیت تک پہنچ جائے۔''

''یعنی آپ کے دشمن آپ پہ نظر رکھے ہوئے تھے۔''

ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''میرے دشمن پہلے دن سے جانتے تھے کہ میں کیا کر رہا ہوں۔''

''لیکن وہ چاہتے تو مالا کو صاف صاف بتا سکتے تھے۔ لفٹ میں حملے کا ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ کے بارے میں معلومات اکٹھی کر کے آپ کی تصویر کے ساتھ مالا کے پتے پہ بھیج دیتے' اور وہ دیکھتے ہی آپ سے سوال کرتی اور آپ انکار نہ کر سکتے۔ ماہر فرید کا کھیل پہلے ہی دن ختم ہو جاتا۔''

''میں نے اس بارے میں بہت سوچا ہے۔ واقعی میرا دشمن یہ کرسکتا تھا۔ میرے بارے میں کشمالہ کو آگاہ کر دیتا اور وہ مجھے نوکری سے نکال دیتی۔ لیکن پھر وہ یہ ضرور سوچتی کہ اسے یہ معلومات کس نے بھیجی ہیں؟ اور یوں وہ جان جاتی کہ اس کہانی میں کوئی تیسرا کردار بھی ہے۔ مگر میرا دشمن ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے ہمیشہ مجھے ولن بنا کے پیش کیا ہے۔ اب بھی اس نے یہی کرنا تھا۔''

ماہی چونکی۔ ''آپ جانتے ہیں اپنے دشمن کو۔''

اس نے گہری سانس لی۔ ''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ اس کا نام سرکار ہے' اور وہ ایک بوڑھا عامل جادوگر ہے۔ وہ بہت عرصے سے میرے پیچھے ہے۔ لمبی کہانی ہے۔ پھر سناؤں گا۔ ابھی صرف اتنا جان لیں کہ میں برسوں سے اس سرکار کو ڈھونڈ رہا ہوں اور وہ مجھے مل نہیں رہا۔ صرف وہ ہلال کے بارے میں جانتا ہے۔ اور اس سرکار اور ہلال تک کیسے پہنچنا ہے' یہ صرف حورِ جہاں کی بیٹی جانتی ہے۔ وہ بیٹی جس کو میں جانتا ہوں۔ یعنی کہ تم۔''

''یہ سب آپ کو کسی نے بتایا تھا؟''

''ہاں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ جیسے اس سے زیادہ وہ نہیں بتائے گا۔ ہر بات کا اپنا ایک وقت ہوتا ہے۔

''لیکن کشمالہ ہلال کے بارے میں نہیں جانتی تھی۔ پھر آپ دو ماہ اس کے ساتھ کیوں رہے؟'' ماہی کی آنکھوں میں مشکوک سا تاثر ابھرا تھا۔ ماہر نے گہری سانس لی۔ اس سوال کا جواب وہ خود بھی ڈھونڈ رہا تھا۔

''پتہ نہیں۔ شاید اس لیے کہ کشمالہ کے ساتھ ہونے والے واقعات جادو کی نشاندہی کرتے تھے۔ میں نے سوچا شاید اس پہ بھی وہی سرکار جادو کروا رہا ہو۔ اگر مجھے کشمالہ کا دشمن مل جائے کیونکہ دشمن ہی جادو کرواتے ہیں' تو میں اس کے ذریعے سرکار کو ڈھونڈ لوں گا۔''

''یعنی آپ کشمالہ کے ڈرائیور بنے تھے اس جادوگر کی تلاش میں جو اس پہ جادو کروا رہا تھا۔ کیونکہ آپ کا دشمن بھی وہی تھا۔'' ماہی کو بالآخر اس کا مقصد سمجھ میں آنے لگا تھا۔

''ہاں۔ مجھے کشمالہ کے دشمن کو ڈھونڈنا تھا۔ اس کی تصویر ملی تھی مجھے سرکار کے البم سے۔ اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ سرکار کشمالہ کو جانتا ہے۔ میں اتنے ماہ اپنے اور کشمالہ کے خاندان کے درمیان کوئی لنک ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''پھر؟ کچھ ملا؟''

"کچھ خاص نہیں۔ ماہر فرید اور کشمالہ مبین کے خاندانوں میں کوئی لنک نہیں تھا۔ تمہاری کبیرہ تائی پہ مجھے شک ہوا تھا' لیکن ان کا میرے خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ البتہ..." وہ کھنکھارا۔ "کبیرہ بیگم نے ایک جادوگر ہائر کیا ہوا تھا تمہارے اوپر جادو کروانے کے لیے۔"

ماہی ایک دم سیدھی ہو کے بیٹھی۔ آنکھیں پوری کھل گئیں۔

"دیکھا۔ میں۔ کہتی تھی نا' کبیرہ تائی ہمارے اوپر جادو کرواتی ہیں۔ ماہی کے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے۔" وہ لمحے بھر کے لیے ماہر فرید کے مالا کو دھوکہ دینے کا سارا غصہ بھول گئی۔

"لیکن یہ کوئی عام سا عامل تھا۔ پیٹر مسیح نام کا۔ یہ وہ سرکار نہیں تھا جسے میں ڈھونڈ رہا ہوں۔" وہ اسکرین کو دیکھتے ہوئے بڑے اطمینان سے اپنی کارگزاری بتا رہا تھا اور ماہی یک ٹک سنے جا رہی تھی۔

"میں پیٹر مسیح کے پاس گیا تھا۔ وہ ہلال کے بارے میں نہیں جانتا تھا۔ البتہ اس نے مجھے تمہاری تصویر دکھائی تھی۔ کبیرہ بیگم کافی عرصے سے تم پہ جادو کروا رہی ہیں۔ بالخصوص..." وہ رکا۔ "تمہارے بچے پہ۔"

ماہی کی آنکھوں میں گلابی پن ابھرا۔ دونوں خاموش ہو گئے۔ وہ اس کی اس تکلیف سے واقف تھا۔ اسے یاد تھا۔ ماہی اور اس کے بچوں کی موت۔ وہ بچے جو پیدا ہونے سے پہلے مر جاتے تھے۔

"پریشان مت ہو۔" وہ نرمی سے بولا۔ "میں نے اس پیٹر مسیح کا علاج کر دیا تھا۔ وہ تمہارے اوپر جادو نہیں کرے گا۔"

"آپ کو کیسے معلوم؟ آپ تو ادھر ہیں۔"

"ماہی! اس دفعہ تمہارے بچے کو کچھ نہیں ہو گا۔"

اس نے نرمی سے تسلی دی۔

ایک آنسو ماہی کی آنکھوں سے ٹپکا۔

"اور اگر کبیرہ تائی نے کسی اور کو ہائر کر لیا' کسی زیادہ خطرناک جادوگر کو' تب؟" وہ خوفزدہ تھی۔ "کیا معلوم کبیرہ تائی اسی سرکار کو ہائر کر لیں؟"

"ایسے اتفاق نہیں ہوا کرتے' ماہی کہ کبیرہ بیگم پیٹر مسیح سے مایوس ہو کے جس جادوگر کو ہائر کریں وہ سرکار ہی نکلے' یعنی میرا دشمن۔ اونہوں۔" ماہر فرید نے ناک سے مکھی اڑائی۔ وہ بچگانہ بات کہہ رہی تھی۔

"لیکن وہ میرے بچے کے پیچھے پڑی ہیں۔ وہ کچھ نہ کچھ ضرور کریں گی۔" وہ بے بس تھی۔ کیا عذاب تھا

یہ۔ کہاں سے آ گیا تھا یہ جادوان کی زندگیوں میں۔

وہ زخمی سا مسکرایا۔

''میں نے تم سے کئی برس پہلے کہا تھا ماہی کہ تمہارے بچے کی زندگی لکھی جا چکی ہے۔ ہم عربی میں کہتے ہیں کہ...''

''مکتوب۔'' وہ بے اختیار بولی۔

''مکتوب۔'' ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اگر تمہارے بچے کی زندگی ہے تو کوئی جادو اس کو تم سے نہیں چھین سکتا۔ اگر نہیں ہے تو تمہاری کوئی احتیاط اس کو بچا نہیں سکتی۔''

ماہی نے دھیرے سے سر ہلایا اور ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔

''تھینک یو۔ ہر چیز کے لیے۔'' پھر اس نے آنکھیں صاف کیں۔ ''لیکن آپ نے مالا کے ساتھ بہت برا کیا۔''

اس نے جواب نہیں دیا۔ بس گردن موڑ کے کھڑکی کے سیاہ پردوں کو دیکھنے لگا۔ ہر بات کا جواب نہیں ہوتا۔

''اور آپ کو تو کوئی فرق ہی نہیں پڑا۔'' اب کے ماہی کو اس پہ غصہ آیا۔ ''امیر آدمی ہونے کے فائدے۔ آپ نے ٹکٹ لیا اور اپنی زندگی میں واپس چلے گئے۔ اس سے معافی تک نہیں مانگی۔''

''کیسی ہے وہ؟'' وہ ابھی تک گردن موڑے باہر دیکھ رہا تھا۔ یہ سوال پوچھنے سے ہی تکلیف ہو رہی تھی۔

''گالیاں نکال رہی تھی آپ کو۔''

وہ ہلکا سا مسکرایا اور واپس اسکرین کو دیکھا۔

''اچھا؟'' جیسے محظوظ ہوا ہو۔ ''مثلاً کون سی گالیاں؟''

ماہی کو اس پہ مزید غصہ آیا۔ اس ڈھیٹ آدمی کا خول اتنا مضبوط تھا کہ اسے فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا۔ لیکن وہ بھی ماہی تھی۔ ابھی اڑاتی ہے اس کی رنگت۔ ٹھہر و ذرا۔

''ماہر صاحب... آپ نے اس کا اعتبار توڑا ہے۔ اور وہ آپ کو کبھی معاف نہیں کرے گی۔''

''مجھ سے بات کرنے پہ وہ تمہیں معاف کر دے گی؟'' ماہر نے غور سے اسے دیکھا۔ ''یا شاید تم نے ابھی تک اسے نہیں بتایا؟''

''میں اسے بتا دوں گی، اچھا۔'' ماہی کی رنگت بدلی۔ تیزی سے بولی۔ ''یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ ویسے بھی میں اس کو ان دنوں میں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی۔''

''ان دنوں؟'' وہ چونکا۔'' کیا ہوا؟ آپ کی امی ٹھیک ہیں؟''

''ہاں وہ ٹھیک ہیں۔اصل میں .... ''لہجہ سرسری بنایا۔'' مالا اور زیاد کی شادی ہونے جارہی ہے نا۔تو میں اس کی خوشی آپ کی وجہ سے کیوں خراب کروں؟''

اس نے تیزی سے لیپ ٹاپ میز پہ رکھا اور پیر نیچے اتارے۔ پھر بے یقینی سے اسکرین کو دیکھا۔

''وہ زیاد سے شادی کر رہی ہے؟'' اس کا سانس رک گیا تھا۔

ماہی نے ہتھیلی پہ تھوڑی جما کے غور سے اسے دیکھا۔

''آپ کو کیا فرق پڑتا ہے' ماہر صاحب؟''

مگر اس کے ماتھے پہ پڑے بل بتا رہے تھے کہ اسے کیا فرق پڑتا تھا۔

''وہ اس سے شادی کیسے کرسکتی ہے؟ میں نے اسے منع کیا تھا۔وہ آدمی... زیاد.... (جیسے منہ میں کرواہٹ گھل گئی۔) وہ اس کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔''

''اچھا۔اور کچھ؟'' ماہی نے سادگی سے پلکیں جھپکائیں۔

''وہ... '' ماہر نے ایک مٹھی بھینچ لی۔چہرے پہ شدید غصہ ابھرا۔غصہ اور بے بسی۔

''وہ کشمالہ کے قابل نہیں ہے۔وہ بہت.... '' اسے جیسے زیاد کی شان میں کہنے کو الفاظ نہیں مل رہے تھے۔ضبط کر کے گہری سانس لی۔'' تم اس کو سمجھاتی کیوں نہیں ہو؟''

اس کی بلند آواز پہ فیضی خانم بھی پلٹ کے اسے دیکھنے لگیں۔ وہ اس زبان سے ناواقف تھیں جن میں وہ گفتگو کر رہے تھے لیکن وہ ماہر کا چہرہ پڑھ سکتی تھیں۔ وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔ اتنے دنوں سے خود پہ طاری کیے خول میں دراڑیں پڑ رہی تھیں۔

''کیوں؟ مجھے تو بہت پسند ہے زیاد۔'' ماہی کی معصومیت ہنوز برقرار تھی۔'' میں تو چاہتی ہوں ان دونوں کی شادی ہو جائے۔ مالا اس کے ساتھ بہت خوش رہے گی۔''

ماہر نے برہمی سے اسے دیکھا۔اس کا چہرہ غصے سے دہکنے لگا تھا۔اس کے معصومانہ فقرے جیسے اس کے زخموں پہ نمک ڈال رہے تھے۔

''کتنا جانتی ہو تم اس آدمی کو؟''

''کزن ہے ہمارا۔اور بہت اچھا ہے وہ۔'' وہ زور دے دے کر بول رہی تھی۔لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

''اچھا ہونے اور compatible ہونے میں فرق ہوتا ہے' ماہ بینہ بی بی۔ میں نے اسے منع کیا تھا کہ وہ اس سے شادی نہ کرے۔ وہ اس کو ہرٹ کرے گا لیکن اس نے میری بات نہیں سنی۔''

''اور آپ کون تھے؟ اوہ ہاں۔ وہ آدمی جس نے اسے دھوکہ دیا۔ اور اتنا عرصہ اسے جھوٹ بولا۔ وہ آپ کی بات کیوں سنے گی؟''

''تمہاری سنے گی نا؟ تو سمجھاؤ اس کو کہ وہ اپنی زندگی خراب نہ کرے۔''

دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو ماہر نے سر اٹھا کے راہداری کو دیکھا۔ پھر اسی انداز میں بولا۔

''میں چلتا ہوں۔ مجھے کچھ کام ہے۔''

اس کا سارا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ اسکرین فولڈ کی اور پیچھے کو ٹیک لگا لی۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور لبوں پہ مٹھی رکھے وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ ماتھے پہ ابھی تک بل پڑے تھے۔

بیربل زیرِ لب کچھ گنگناتے ہوئے راہداری سے آتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھا تو چہرہ کھل اٹھا۔ شیطانی مسکراہٹ لبوں پہ بکھر گئی۔

''ماہر بے کا موڈ کیوں خراب ہے؟'' مسکرا کے ایل شیپ صوفے کے دوسرے کنارے پہ بیٹھا۔ ''یقیناً تمہاری محبوب چیز یعنی پیسوں کا نقصان ہوا ہوگا۔''

''بکومت۔'' وہ جھڑک کے بولا تو بیربل کے لب اوہ میں سکڑے۔ چہرے پہ ہمدردی ابھر آئی۔

''لگتا ہے نقصان لیراز میں نہیں' ڈالرز میں ہوا ہے۔''

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ بس ابرو بھینچے باہر دیکھتا رہا۔ بیربل نے غور سے اسے دیکھا۔

''بات ہوئی کشمالہ کی بہن سے؟''

''ہوں۔ اسے کچھ نہیں یاد۔''

''میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ لیکن نہیں' ماہر بے کبھی غلط نہیں ہوتے۔ اور میں تو.....''

''وہ زیاد سے شادی کر رہی ہے۔'' وہ ایک دم بے بسی بھرے غصے سے بولا تو بیربل ٹھٹک کے رک گیا۔ اسے سیاق و سباق سمجھنے میں چند لمحے لگے۔

''کون زیاد؟'' پھر یاد آیا۔ ''اچھا وہ۔ ٹال ڈارک اینڈ ہینڈسم؟''

''ہینڈسم نہیں ہے وہ۔''

بیر بل کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔اس نے بازوؤں کا تکیہ بنا کے پیچھے ٹیک لگائی اور فیضی حانم کو پکارا۔

"فیضی حانم ...چولہا دیکھیں۔ کچھ جل رہا ہے۔"

ماہر نے جیسے سنا ہی نہیں۔ بڑبڑاتے ہوئے باہر دیکھتا رہا البتہ فیضی حانم بھاگتی ہوئی آئیں اور تعجب سے بیر بل کو دیکھا۔

"میں تو کچھ نہیں پکا رہی۔آپ کو کہاں سے اسمیل آرہی ہے۔"

بیر بل نے بدمزہ ہو کے انہیں دیکھا۔سارا ٹمپو ہی توڑ دیا تھا۔

"کاش آپ تھوڑی عقلمند ہوتیں۔لیکن پھر ہمارے پاس کیوں ہوتیں؟ جائیں کام کریں۔"اور انہیں جانے کا اشارہ کیا۔

ماہر اب اپنی جگہ سے اٹھ کے کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے وہ شدید مضطرب نظر آرہا تھا۔

"میں نے کیا کہا تھا' زارا؟"بیر بل نے تصور میں اپنی کزن کو مخاطب کیا اور کالر کھڑ کھڑایا۔پھر مسکرا کے اٹھا اور اپنے بھائی کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔

"وہ جس سے بھی شادی کرے' تمہیں کیا؟"

"وہ آدمی اس کے قابل نہیں ہے۔"وہ باہر نظر آتے سیاہ پانی اور کنارے پہ کھڑی کشتیوں کو دیکھ کے تکلیف سے کہہ رہا تھا۔

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟تم صرف اپنی جیلسی میں ایک آدمی کو برا ثابت کرنے پہ تلے ہو۔"

"میں جیلیس نہیں ہوں۔"اس نے سر جھٹکا۔

"نظر آرہا ہے۔"بیر بل نے طنز سے اسے دیکھا۔"لیکن اس آدمی میں مسئلہ کیا ہے؟کماتا نہیں ہے؟اخلاق کا برا ہے؟ریپوٹیشن خراب ہے؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔بس...."وہ اب کے بولا تو آواز ہلکی تھی۔"بس وہ..."ماہر کو سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔وہ جھنجھلا سا گیا۔"بس وہ اس کے جیسا نہیں ہے۔تھوڑا تلخ ہے۔ہر چیز پہ تنقید کرتا ہے۔وہ اس کے ساتھ کیسے رہے گی؟"

"بس؟ اتنی سی بات؟"وہ سنجیدگی سے کہتا اس کے سامنے آیا۔"ہر انسان کے اپنے پرسنالٹی ایشوز ہوتے

ہیں ماہر۔ تمہارے بھی ہیں۔ خود تمہارے ساتھ رہنا کتنا مشکل ہے کوئی مجھ سے پوچھے۔ ایسے ہی اس زیاد کے اندر بھی تلخی ہوگی۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس کی وجہ کیا ہے۔ شاید گھر کا ماحول ایسا ہو یا اس نے بچپن میں بہت دکھ دیکھے ہوں جس نے اس کو تلخ بنا دیا ہو۔ بہت سے مرد تلخ ہوتے ہیں لیکن اپنی من پسند بیویوں کے ساتھ وہ سیٹ ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ برسرِ روزگار ہے شریف ہے ہینڈسم بھی ہے...."

"ہینڈسم نہیں ہے وہ۔" ماہر فرید نے انگلی اٹھا کے تنبیہ کی تو بیربل کے چہرے پہ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"وائی بے... یہ لڑکی پہلے کیوں نہیں آئی تمہاری زندگی میں؟ میں روز تمہاری ایسی جلتی ہوئی شکل دیکھتا اور میرے دل کو سکون ملتا۔"

"بیر..." ماہر نے گہری سانس لی۔ اب کے آواز میں بے بسی تھی۔ "وہ اس کو ہرٹ کرے گا۔ اسے اس سے شادی نہیں کرنی چاہیے۔"

"پھر کس سے کرنی چاہیے؟"

"کسی سے بھی کر لے۔" ہاتھ جھلا کے پھر سے باہر دیکھنے لگا۔ "بس اس سے نہ کرے۔"

"کسی سے بھی کر لے؟" بیربل نے تعجب سے اسے دیکھا۔ "اور تم کہاں ہو اس سب میں؟"

"میرا اور اس کا کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے۔ مجھ سے ویسے ہی وہ نفرت کرتی ہوگی۔ میں اس کی زندگی سے جا چکا ہوں۔ لیکن...."

"لیکن تمہیں ہر اس شخص سے مسئلہ ہوگا جو اس لڑکی کی زندگی میں آئے گا۔"

"میں نے اسے منع کیا تھا کہ...."

"منع نہ کرتے ماہر۔ اس کا سامنا کرتے۔" وہ تیزی سے اس کے سامنے آیا اور برہمی سے بولا۔ "مرد بن کے اس سے معافی مانگتے اور اپنے منہ سے اس کو بتا دیتے کہ تم کیف نہیں ہو۔ تم ماہر فرید ہو۔ وہ کسی اور کے بجائے تم سے سنتی تو تمہیں معاف کر دیتی۔ اور اب بھی اگر وہ ناراض ہے تو تمہیں اس کے پیچھے جانا چاہیے تھا۔"

"میں کسی کے پیچھے نہیں جایا کرتا۔"

"واللہ ماہر فرید کسی کے پیچھے نہیں جاتا...." بیربل نے غصے سے دونوں ہاتھ اٹھا کے نیچے گرائے۔ "ایک زمانہ تھا جب تم اسی طرح غرور سے کہتے تھے کہ تم کسی کے پیچھے نہیں جاؤ گے۔ ماں کے بھی نہیں۔ ہلال کے بھی نہیں۔ کیونکہ تم نفرت کرتے تھے ہلال سے۔"

اس کی آواز بلند ہونے لگی۔ ماہر کے دل پہ کسی نے ہاتھ ڈالا تھا۔

وہ یک ٹک اپنے چھوٹے بھائی کو دیکھے گیا جو اس کو غصے سے دیکھتے ہوئے ہاتھ اٹھا کے کہہ رہا تھا۔

"تم ماہر... تم نفرت کرتے تھے ہلال سے... تمہیں یاد ہے؟ نہیں؟ مگر مجھے یاد ہے۔ اور آج تم اسی ہلال کے لیے دنیا کے ایک ملک سے دوسرے کی طرف بھاگ رہے ہو۔ شاید اپنا گلٹ ختم کرنے کے لیے۔ کل کو تم یہی کشمالہ کے ساتھ بھی کرو گے۔ تم یہاں اپنے غرور میں رہنا کہ تم اس کے پیچھے نہیں جاؤ گے۔ لیکن گیس واٹ..." اس کی آواز دھیمی ہوئی اور لہجہ مزید تلخ۔

"ہر انسان بیربل یا فیضی حاتم نہیں ہوتا ماہر جو وہ ماہر فرید کی بات ماننے کا پابند ہو۔ وہ کیوں مانے تمہاری بات؟ اسے اچھا بندہ مل رہا ہے۔ وہ کرلے گی شادی۔ اور اگر تم مرد بن کے اس کے پاس نہیں جا سکتے اور اس سے معافی مانگ کے اس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم اس کے عشق میں گرفتار ہو تو پھر تمہیں اس کو اس کے حال پہ چھوڑ دینا چاہیے۔ وہ زیاد سے شادی کرے یا زیاد کے باپ سے... تم اپنے آپ کو اس لڑکی سے دور رکھو۔" انگلی اٹھا کے اس نے بڑے بھائی کو تنبیہہ کی۔ "اس کی زندگی زیاد نہیں، تم خراب کر رہے ہو۔ تم۔"

ماہر خاموشی سے سن رہا تھا۔ بیربل نے انگلی نیچے گرائی اور گہرے گہرے سانس لے کر اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

"میری بات مانو... اور اس لڑکی کو بھول جاؤ۔ تم بس مشین کی طرح کام کرو اور پیسہ بناؤ۔ پیسہ آئے گا ہمیشہ تمہارے کام۔ صرف پیسہ۔"

اس ڈھیٹ روبوٹ کو سمجھانا بے کار تھا۔ بیربل مڑا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

پھر وہ رات گئے تک اپنے کمرے سے نہیں نکلا۔ وہ ماہر سے ناراض تھا۔ اور اسے انتظار تھا کہ کب اس کا بھائی اسے منانے آئے گا۔ ماہر عموماً اس کو منانے کے لیے پیسے کا سہارا لیتا تھا۔ خاموشی سے اس کے دروازے پہ آتا اور ایک کریڈٹ کارڈ رکھ کے چلا جاتا۔ بیربل کو لاشعوری طور پہ اسی کارڈ کا انتظار تھا۔

قریباً گھنٹے بھر بعد ماہر فرید نے اس کا دروازہ بجایا۔

وہ بیڈ پہ لیٹا فون دیکھ رہا تھا، بس خفگی سے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ ماہر چوکھٹ میں کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کارڈ نہیں تھا البتہ کندھے پہ چھوٹا بیگ تھا۔

"میں دو دن کے لیے جا رہا ہوں۔"

''کہاں؟''

''حورِ جہاں کی بیٹی سے ملنے۔'' سادگی سے بتایا تو ہیر بل نے گہری سانس لی۔ یعنی اس کی تقریر کے بعد بھی وہ ہلال کی لاحاصل تلاش میں وین کوور جا رہا تھا۔ وہ کشمالہ مبین سے دستبردار ہو چکا تھا۔ وہ اس کو نہیں سمجھا سکتا تھا۔ اس نے بس اثبات میں سر ہلا دیا اور واپس فون کو دیکھنے لگا۔ ماہر باہر نکل گیا اور اپارٹمنٹ میں خاموشی چھا گئی۔

''اف ہیر بل... ''اس نے اپنے سر پہ چپت رسید کی۔'' کیا ضرورت تھی اتنا بولنے کی؟ اب تمہاری سچائی تمہارے خرچے اٹھائے گی کیا؟''

اسے ماہر کے کارڈ نہ رکھنے کا غم ستا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنے کمرے میں سوئی کشمالہ مبین کی آنکھ ایک جھٹکے سے کھلی۔ وہ ڈر کے ایک دم اٹھ بیٹھی۔ جلدی سے ٹیبل لیمپ جلایا۔ کمرے میں زرد روشنی پھیلی تو قدرے سکون آیا۔ وہ تیز تیز سانس لیتی خود کو نارمل کرنے لگی۔

اس نے آج پھر ایک خواب دیکھا تھا۔ حالانکہ وہ آیت الکرسی پڑھ کے سوئی تھی۔ لیکن پھر بھی بہت بھیانک خواب آیا تھا۔

وہی سفید بالوں والا عجیب سا عامل زمین پہ بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے تصویریں اور پتلے رکھے تھے۔ وہ ایک پتلے کے اندر سوئیاں چبھو رہا تھا۔ ہر سوئی کے اندر جاتے ہی پتلے کے اندر سے خون نکلنے لگتا۔ وہ عامل کے کندھے کے پیچھے سے جھک کے اس پتلے کو دیکھ رہی تھی۔ یکایک پتلے میں زیاد کی شبیہہ آنے لگی۔ اس کے سامنے اب زیاد لیٹا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور اس کے جسم میں جگہ جگہ سے خون نکل رہا تھا۔

عامل نے قلم اٹھایا اور ایک کاغذ سامنے رکھا۔ پھر قلم کی نب زیاد سلطان کے خون میں ڈبو ڈبو کے اس چوکور کاغذ پہ کچھ لکھنے لگا۔ خواب میں بھی مالا کو معلوم تھا کہ وہ تعویذ لکھ رہا ہے۔ مگر وہ بدحواسی سے زیاد کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا بند آنکھوں والا چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور ہونٹ نیلے۔

آگے کیا ہوا اسے نہیں یاد۔ لیکن وہ عامل... اس کا چہرہ اتنا شناسا کیوں لگتا تھا؟ جیسے اس کی شکل کسی سے ملتی ہو۔

اس نے بے اختیار جھرجھری لی۔ پھر سائیڈ ٹیبل پہ رکھا گلاس اٹھایا اور غٹاغٹ پانی پی گئی۔ اور تب اسے خیال آیا کہ اس نے پانی پینے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھا۔ جلدی سے بسم اللہ اول آخر پڑھا لیکن دل میں کہیں ایک سوئی سی چبھی تھی۔ جو کسی بھی عامل کی جادوئی سوئی سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔

اسے بیٹھے بیٹھے کچھ یاد آیا تھا۔ اس نے دھیرے سے سر بیڈ کراؤن سے لگایا اور ہاتھ اٹھا کے اپنی انگلیوں کے پوروں کو دیکھا۔ ایک زمانہ تھا جب وہ ان پہ تسبیح پڑھا کرتی تھی۔ ماہی اور وہ ماں کے ساتھ ان کی جائے نماز پہ بیٹھ کے سروں پہ دوپٹے لپیٹ کے تسبیح پڑھتی تھیں۔ وہ زمانہ کہاں کھو گیا؟ رزق کی دوڑ دھوپ نے وہ سب کیوں بھلا دیا؟

یہ تو ماں کی بیماری کے دوران ماں کو کھونے کے خوف سے شروع کی جانے والی تسبیح اور اذکار تھے۔ یہ تو اضطراب کی نمازیں اور دعائیں تھیں۔ وہ امن کے دنوں کی نمازیں کہاں گئیں؟ وہ خوشیوں پہ شکرانے کی تسبیحات کہاں گئیں؟ اس نے انگلی کے پوروں پہ پڑھنا چاہا لیکن عادتیں چھوٹ جائیں تو جسم غیر آرام دہ ہو جاتا ہے۔ دماغ وہ کام کرنے نہیں دیتا۔ اس کا دل اُچاٹ سا ہو گیا۔ وہ سونے کی دعا پڑھ کے واپس لیٹ گئی۔

شاید جوگرز اور اس پلاسٹک کے خالی پیکٹ نے اسے بہت کچھ یاد دلا دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلی صبح بیربل فرید نے اپنی بیکری میں ایک اسپیشل آرڈر تیار کروایا۔ بہت سا چاکلیٹ اور پستہ بقلاوہ۔ پھر ان کے ڈبے پیک کروا کے وہ کیف کے دفتر چلا آیا۔ ماہر کی غیر موجودگی میں وہ ایسے ہی کیف کے اسٹاف کے ساتھ پارٹی کیا کرتا تھا۔

سب خوش اور ریلیکسڈ نظر آرہے تھے۔ مردوں نے ٹائی نہیں پہنی تھی اور عورتیں اونچی آواز میں ہنس رہی تھیں۔ وہ مسکرا کے شبنم کے ڈیسک کی طرف آیا اور کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ وہ البتہ اداس نظر آتی تھی۔

''اب یہ مت کہنا کہ تم میرے روبوٹ بھائی کو مس کر رہی ہو۔''

''اللہ میرے اوپر ایسا برا وقت نہ لائے۔'' شبنم نے کانوں کو باری باری چھوا۔ ''میں تو کاموں کے لیے پریشان ہوں۔ ماہر ایک دم سے چلا گیا ہے۔ اتنا کام پڑا ہے۔'' اس کو اپنے غم تھے۔

''میں ناراض تھا اس سے لیکن اس سے اتنا نہیں ہوا کہ مجھے منا کے جاتا۔ اور نہیں تو ایک کریڈٹ کارڈ ہی چھوڑ جاتا۔ لیکن نہیں۔ آج کل کے بھائیوں کا خون سفید ہو گیا ہے۔'' بیربل نے خفگی سے سر جھٹکا پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ قدرے بے چینی ہوئی۔ ناراضی اپنی جگہ لیکن اسے بھائی کی فکر تھی۔

''اب تک پہنچ گیا ہو گا وہ؟'' سرسری سا پوچھا۔ شبنم نے عینک کے پیچھے سے گھور کے اسے دیکھا۔

''صبح پہنچ گیا تھا۔ زارا کو بتا دیا تھا اس نے۔ اسی کو بتاتا ہے سب سے پہلے۔''

''ہونہہ۔''بیربل کا دل مزید خفا ہوا۔'' کیا تھا جو مجھے بھی میسج کر دیتا۔ویسے کتنے گھنٹے کی فلائٹ ہوتی ہے وین کوور کی؟''

''وین کوور؟''شبنم نے نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

''ہاں۔تم نے ہی ماہر کی وین کوور کے لیے سیٹ بک کروائی ہوگی نا۔''

''نہیں۔وہ تو لاہور گیا ہے۔''

شبنم نے جس بے نیازی سے بتایا بیربل اتنی ہی تیزی سے سیدھا ہوا۔لب کھل گئے۔چند لمحے وہ کچھ بول نہیں سکا۔

''لاہور؟حورِ جہاں کی بیٹی سے ملنے؟''وہ زیرِ لب بڑبڑایا۔ماہر نے یہ نہیں کہا تھا کون سی بیٹی۔

''وائی وائی وائی....''وہ بے یقینی سے بڑبڑایا .....اور پھر ایک دم وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنسنے لگا۔

شبنم نے کوفت سے اسے دیکھا۔دور بنے cabins میں کام کرتے لوگ بھی اسے دیکھنے لگے جو ہنستا چلا جارہا تھا۔

''تمہیں کیا ہوا ہے؟''

''تمہارے ماہر بے کی بڑی بے عزتی ہونے والی ہے آج۔کاش میں ان کی ملاقات لائیو دیکھ سکتا۔''

''کس کی ملاقات؟''شبنم الجھ کے اسے دیکھنے لگی تو وہ ہنسی دبا کے آگے جھکا اور رازدارانہ انداز میں سرگوشی کی۔

''ماہر اسی لڑکی سے ملنے گیا ہے۔''

''وہ باغبان کی بیٹی؟''شبنم کی آنکھیں کھل گئیں۔

بیربل ایک دفعہ پھر ہنس دیا۔''ہاں۔وہی۔''

''واہ۔کیا وہ اسے ساتھ لے آئے گا؟''شبنم کی آنکھیں چمکیں۔چہرے پہ ایکسائٹمنٹ پھیل گئی۔

''معلوم نہیں۔لیکن سوچو شبنم.... کتنا مزا آئے اگر ماہر وہاں جا کے اسے کہے کہ مجھے تم سے محبت ہوگئی ہے اور وہ آگے سے کہے...(نقل اتارتے ہوئے) دروازہ اس طرف ہے!''

شبنم بے اختیار ہنس دی۔پھر زور سے ایک فائل اٹھا کے اس کے کندھے پہ ماری۔

''تم بہت خراب ہو بیربل۔''

وہ دونوں ایک ساتھ ہنستے جارہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد سلطان کے لاہور کے آبائی گھر میں اس صبح رونق لگی تھی۔ ڈرائیور مٹھائی اور فروٹ کی ٹوکریاں گاڑی میں رکھوار ہا تھا۔ نگینہ بیگم روائتی خاندانوں کی طرح خالی ہاتھ جانا گناہ سمجھتی تھیں۔ انہوں نے بہت سے دوسرے تحائف بھی بیڈ پہ سامنے بچھا رکھے تھے۔

زیاد سنگھار میز کے سامنے کھڑا تیار ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ سیاہ کرتا پہنے' وہ بین گلے کے بٹن بند کر رہا تھا۔ اسے آئینے میں پیچھے بیڈ پہ بیٹھی نگینہ بیگم کا عکس نظر آ رہا تھا۔ وہ سفید نفیس لباس میں ملبوس' سر پہ کلف لگا دوپٹہ لیے' ہلکے میک اپ میں تیار لگ رہی تھیں۔

''تمہارے ابو کو بتا دوں۔ ہمارے ساتھ آئے نہیں تو یہ نہ کہیں کہ مجھے خبر نہیں دی۔'' وہ فون پہ نمبر ملاتے ہوئے کافی پر جوش نظر آ رہی تھیں۔ دوسری طرف گھنٹی جا رہی تھی۔ نگینہ بیگم نے فون اسپیکر پہ لگا کے بیڈ پہ رکھا اور خود زیور کے ایک ڈبے کو کھولنے لگیں۔ وہ پرفیوم کی بوتل اٹھاتے ہوئے ان کا عکس دیکھ رہا تھا۔ ساعت فون کی گھنٹی پہ لگی تھی۔

سلسلہ ملتے ہی سلطان صاحب کی بےزار آواز سنائی دی۔

''کیا بات ہے؟''

''ہم زیاد کے رشتے کے لیے جا رہے ہیں۔ انہوں نے جواب کے لیے آج بلایا ہے۔'' نگینہ بیگم خوشی اور جوش سے بتانے لگیں۔

''فون پہ ہی بتا دیتے۔ تم ماں بیٹا ایسے ہی ٹکٹ بھر کے وہاں گئے۔ پہلے تمہارے بیٹے کی عام سی نوکری ہے۔ اوپر سے اتنے خرچے۔''

زیاد نے آہستہ سے پرفیوم کی بوتل کھولی۔ نگینہ بیگم نے گہری سانس لی۔ اور سبھاؤ سے بولیں۔

''ایسی باتیں فون پہ کہاں طے ہوتی ہیں۔ خود جانا پڑتا ہے۔ لڑکی والوں کی چوکھٹ پہ جوتیاں گھسانی پڑتی ہیں۔ آپ دعا کیجئے گا کہ اچھا جواب موصول ہو۔''

''بی بی اچھا جواب تو مشکل ہی ہے۔ ان کی بیٹی دیکھ رکھی ہے میں نے۔ گوری اور خوبصورت ہے۔ اور تمہارا بیٹا تمہارے جیسی رنگت لیے پیدا ہوا تھا۔ اوپر سے عام سی نوکری۔ وہ کہاں دیں گے اپنی بیٹی تمہارے بیٹے کو؟''

زیاد نے ضبط سے آنکھیں بند کیں۔ پھر گہری سانس لے کر ان کی باتوں کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی۔

''میرا بیٹا اپنے آپ میں بہت خوبصورت ہے' سلطان صاحب... '' نگینہ بیگم نے جھکی آنکھوں مگر مضبوط لہجے میں کہا۔ ''اللہ اس کے نصیب بھی خوبصورت کرے گا۔ آپ دعا کیجئے گا۔''

سلطان صاحب نے بڑبڑا کے کال کاٹ دی تو نگینہ بیگم کتنی ہی دیر دل مسوس کے بیٹھی رہیں۔ زیاد نے پرفیوم خود پہ چھڑکا تو باسی ماحول میں خوشبو سی پھیل گئی۔ پھر وہ ان کے پاس آ کے بیٹھا۔ نگینہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''امی... کیوں دل چھوٹا کرتی ہیں؟ وہ ایسے ہی کہتے ہیں۔ ان کا اندر سے یہ مطلب نہیں ہوتا۔''

ایک آنسو نگینہ بیگم کی آنکھ سے ٹپکا اور جھریوں زدہ سانولے چہرے سے نیچے لڑھک گیا۔

''کاش ماں باپ اپنی اولاد کی رنگت کا انتخاب کر سکتے' بیٹے۔''

''امی... یہ پرانے زمانے کی باتیں ہوگئی ہیں۔ اب مجھے ان سے فرق نہیں پڑتا۔ آج کل کوئی کسی کو رنگت کا طعنہ بھی نہیں دے سکتا۔ آپ ان باتوں کو نظرانداز کر دیا کریں۔'' پھر اس نے نرمی سے ماں کے ہاتھ تھامے۔ ''میرے لیے آپ اس دنیا کی سب سے خوبصورت عورت ہیں۔ مجھے کسی قسم کا احساس کمتری نہیں ہے۔ اور ابو بوڑھے ہیں۔ ذرا چڑچڑے ہیں۔ کہہ کے بھول جاتے ہوں گے۔ آپ بھی بس بھول جائیں۔''

وہ زخمی سا مسکرا دیں۔ پھر آنکھیں صاف کیں اور زیور کا ڈبہ اٹھا کے اسے دکھایا۔

''یہ میری والدہ کا سیٹ تھا۔ اس میں فیروزے جڑے ہیں۔ میری رنگت پہ تو یہ کبھی اچھا نہیں لگا۔ کشمالہ پہ اچھا لگے گا۔ میں سوچ رہی ہوں کہ آج بات پکی کر دیں اور میں یہی انگوٹھی کشمالہ کو پہنا دوں۔ کیا کہتے ہو؟''

وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ ''جیسے آپ کی مرضی۔'' پھر گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ نگینہ نے مسکرا کے اپنے دراز قد بیٹے کو دیکھا۔ وہ بہت عرصے بعد اتنا خوش اور مطمئن نظر آتا تھا۔

مگر کشمالہ کے گھر جاتے ہی زیاد کو احساس ہونے لگا کہ کچھ غلط تھا۔ حورِ جہاں کا رویہ تو ٹھیک تھا۔ انہوں نے گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا تھا۔ لیکن کشمالہ کچھ بجھی بجھی سی تھی۔ اس نے عام سا لباس پہن رکھا تھا اور بال بندھے ہوئے تھے۔ پیروں میں فلیٹ جوتے تھے۔ میک اپ بھی نہیں تھا۔

حورِ جہاں اور نگینہ بیگم تخت پہ ساتھ ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں اور وہ سامنے صوفے پہ بیٹھا بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ ساتھ موجود معید بھی کچھ خاموش سا تھا۔

فضا میں ایک عجیب سا تناؤ تھا جسے زیاد سلطان محسوس کر سکتا تھا۔

لنچ سے پہلے کشمالہ نے بخت بی کو آواز دی اور کہا کہ ماں کو وضو کروا کے نماز کے لیے لے جائیں۔ ماں اس بات پہ اتنی خوش نہیں نظر آتی تھیں۔ ابھی تو اذان ہوئی تھی۔ ظہر کا کافی وقت تھا۔ وہ ڈھنگ سے مہمانوں سے بات تو کر لیں لیکن کشمالہ نے بخت بی کو آنکھیں دکھائیں تو وہ وہیل چیئر پہ ماں کو اندر لے گئی۔

ان کے جاتے ہی زیاد قدرے سیدھا ہو کے بیٹھا۔ سینے میں تنگی سی محسوس ہونے لگی۔ وہ بس کشمالہ کو دیکھ رہا تھا۔

"آنٹی... کشمالہ نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" معید کھنکھارا اور بات کا آغاز کیا۔ معید اور زیاد سامنے دو صوفوں پہ بیٹھے تھے۔ اور کشمالہ نگینہ بیگم کے ساتھ ماں کی جگہ پہ تخت پہ بیٹھی تھی۔ معید بولنے لگا تو اس نے نرمی سے اسے ٹوکا۔

"میں اپنا فیصلہ خود سنا سکتی ہوں معید۔" وہ رخ موڑ کے نگینہ بیگم کو دیکھنے لگی۔ وہ اب کے کچھ پریشانی سے اسے دیکھ رہی تھیں جیسے سمجھ نہ پا رہی ہوں۔

"نگینہ آنٹی... میں معذرت کرتی ہوں کہ میں نے آپ کو یہاں بلایا۔ اور یہاں بلا کے میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ لیکن رات میں کچھ ایسا ہوا کہ..." وہ زیاد کو دیکھے بغیر کہہ رہی تھی۔ دل میں کچھ تھا جو اسے جکڑ رہا تھا۔ یونہی ابو کی باتیں یاد آنے لگیں۔

"کہ مجھے احساس ہوا میں ابھی شادی نہیں کر سکتی۔"

"لیکن بیٹا..."

"پلیز میری بات سنیں۔" اس نے نرمی سے ان کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ "میں جانتی ہوں کہ آپ جلدی شادی کے لیے اصرار بھی نہیں کر رہے۔ لیکن میں ابھی منگنی بھی نہیں کر سکتی۔ میں اپنی ماں کی طرف سے توجہ نہیں ہٹا سکتی۔ ان سب جھمیلوں میں پڑ کے میں ان کو نقصان پہنچا رہی ہوں۔"

"حالانکہ ہم ماں کا خیال رکھ سکتے ہیں۔" معید نے اضافہ کیا۔ "لیکن مالا بضد ہے کہ وہی ماں کا خیال رکھے گی۔" جیسے وہ بے بس تھا۔ وہ صبح اس سے ایک لمبی بحث کر چکا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ وہ نہیں مانے گی۔ جب وہ پانچ سال پہلے لاہور چھوڑ کے اسلام آباد گئی تھی، تب بھی اس نے معید کی نہیں مانی تھی۔ اب بھی نہیں مانے گی۔ اس کے پاس مالا کے فیصلے کا احترام کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

"میں اس وقت ذہنی طور پہ اتنی ڈسٹرب ہوں کہ میں ایک نیا رشتہ نہیں بنا سکتی۔" اس نے پہلی دفعہ چہرہ موڑ کے زیاد کو دیکھا۔ زیاد کے چہرے پہ ایک زخمی سا تاثر تھا۔ مالا کے دل کو کچھ ہوا۔ اسے اپنا خواب یاد آیا۔

"آئی ایم سو سوری۔ آپ لوگ بہت اچھے ہیں اور مجھے آپ سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ لیکن میں اس وقت شادی

کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

"لیکن بیٹے..." نگینہ بیگم کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ انہوں نے فکر مندی سے اس کا ہاتھ تھاما۔ "ہم بہت امید سے آئے تھے۔"

"امی..." زیاد ہلکا سا کھنکھارا۔ وہ بے اختیار اسے دیکھنے لگی۔ کیا وہ اس سے ناراض ہو جائے گا؟ کیا وہ اس سے نفرت کرنے لگے گا؟ کیا وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھ کے وہاں سے اٹھ جائے گا؟

دل کو کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

"کشمالہ غلط نہیں کہہ رہی۔" وہ اپنے ازلی نرم انداز میں کہنے لگا۔ جیسے تکلیف سے کہہ رہا ہو لیکن خود کو سنبھالے ہوئے ہو۔ "اگر ایک انسان ذہنی طور پہ ڈسٹرب ہو وہ بھی ماں کی بیماری کی وجہ سے تو ہمیں اس پہ اتنا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے جسے وہ اٹھا نہ سکے۔"

مالا کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"میں سمجھ سکتا ہوں آپ جس کیفیت کا شکار ہیں۔ جب سے امی بیمار رہنے لگی ہیں میں زیادہ بہتر طور پہ سمجھنے لگا ہوں۔ آپ اپنے آپ پہ بوجھ نہ ڈالیں۔ میں بھی یہیں ہوں اور آپ بھی یہیں ہیں۔ پہلے آنٹی کو ٹھیک ہونے دیں۔ اور ہماری طرف سے بالکل بے فکر ہو جائیں۔ اب ہم اس موضوع پہ بات نہیں کریں گے۔"

"میں یہ نہیں چاہتی کہ آپ لوگ میرا انتظار کریں یا..."

"کشمالہ..." زیاد نے نرمی سے ٹوکا۔ "میں نے کہا نا آپ ہماری طرف سے بے فکر ہو جائیں۔ کوئی کسی کے انتظار میں نہیں رہے گا۔ میں یہ کہہ کے کہ ہم آپ کا انتظار کریں گے آپ کو بوجھل نہیں کر سکتے۔ آپ آزاد ہیں۔ میں آزاد ہوں۔ مستقبل میں کیا ہو گا اس کی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔ لیکن ابھی ہم آپ کے فیصلے کا احترام کریں گے۔"

اس کی آواز میں کرب تھا اور انداز میں وقار۔ وہ ممنونیت سے اسے دیکھے گئی۔ نگینہ آنٹی نے بھی بجھے دل سے سر ہلا دیا۔ معید نے بھی ایک شاکی نظر مالا پہ ڈالی جیسے کہہ رہا ہو کہ کتنے اچھے انسان کو تم نے اپنے ہاتھ سے جانے دیا مالا۔ ہمیشہ غلط فیصلے کرتی ہو۔ ہمیشہ۔

وہ سر جھکا کے آنکھیں صاف کرنے لگی۔ وہ انہیں نہیں بتا سکی کہ وہ صرف ماں کی وجہ سے انکار نہیں کر رہی تھی۔ اسے اس کے خواب نے بھی ڈرا دیا تھا۔ وہ cursed (جادو زدہ) تھی۔ اس پہ اور اس کی ماں پہ جادو تھا۔ اور اس لیے بہتر تھا کہ زیاد سلطان ان کے cursed خاندان سے دور رہے۔ ورنہ... ورنہ اسے ڈر تھا کہ زیاد کے

ساتھ کچھ برا ہوگا۔ کچھ ایسا برا جو..... خواب یاد آتے ہی اس نے پھر سے جھرجھری لی۔

ہر بات بتائی جانے والی نہیں ہوتی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ان کے جانے کے بعد وہ گھر پہ نہیں رکی۔ بس اپنا پینٹنگ کا سامان لیے ریستوران چلی آئی۔ آج صبح نہیں آسکی تھی تو سوچا ساری شام وہاں لگا دے۔ شاید ذہن بٹ جائے۔ لیکن کام میں دل ہی نہیں لگ رہا تھا۔ بار بار زیاد سلطان کی اداس آنکھیں سامنے آجاتی تھیں۔ البتہ اس کے دل میں زیاد کی عزت بڑھ گئی تھی۔ زیاد نے اس سب کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا تھا۔ اس نے شریفانہ طریقے سے بات کو ختم کردیا تھا۔ اگر وہ کہتا کہ وہ اس کا انتظار کرے گا تو اس کے دل کا بوجھ بڑھ جاتا۔ لیکن اس نے مالا کو بوجھل ہونے نہیں دیا۔ اس نے بات صاف کی۔ جیسے وہ ہمیشہ کرتا تھا۔

اور کیف کہتا تھا' وہ اس کا دل دکھائے گا۔

اُف کیف۔ اس نے کراہ کے زور سے برش رکھا۔ وہ زمین پہ گلاس وال کے سامنے بیٹھی اس پہ آنسو پینٹ کررہی تھی۔ یہ کیف کہاں سے آجاتا تھا بار بار؟ کسی نہ کسی خیال کی کڑی اس سے جاملتی تھی۔ ہر چند دن بعد اسے لگتا تھا کہ وہ اسے بھول گئی ہے۔ پھر کوئی چھوٹی سی بات اس کی یاد دلا دیتی۔

آج کتنے دن ہوگئے تھے کیف کو اس کی زندگی سے نکلے؟ شاید دس۔ شاید بارہ۔ اس نے اب حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ امیر باپ کا امیر بیٹا۔ وہ اپنے ملک واپس چلا گیا تھا اور وہ اس کے فریب کا تاوان آج بھی ادا کررہی تھی۔ ہونہہ۔

"مالا..."

وہ جو زمین پہ بیٹھی' سر جھکائے برش پہ پینٹ اٹھا رہی تھی' ایک دم ساکت ہوگئی۔

آواز عقب سے آئی تھی۔ وہ اس آواز کو پہچانتی تھی۔

وہ اسے لاکھوں کے مجمع میں پہچان سکتی تھی۔

پھر اس نے سر جھٹکا۔ نہیں۔ یہ وہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اسے وہم ہوا تھا۔ یقیناً۔ وہ ہلی نہیں۔ سانس بھی نہیں لیا۔ بس برش کو پینٹ میں مکس کیے گئی۔ برش کے بال سرمئی رنگ سے لتھڑ چکے تھے لیکن وہ غائب دماغی سے اسے پیلیٹ پہ رگڑے جارہی تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

"کشمالہ..." وہ آواز پھر سے آئی تھی۔ برش اس کے ہاتھ سے نیچے جاگرا۔ اس نے گردن اٹھائی۔ سامنے

گلاس وال تھی جو آدھی پینٹ ہو چکی تھی۔ اس کے شیشے میں ایک عکس دکھائی دے رہا تھا۔ عقب میں کھڑا ایک ہیولہ۔

دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔

''کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟'' اس کی آواز دھیمی تھی۔ سرگوشی میں کی جانے والی درخواست۔

وہ کسی خواب کی سی کیفیت میں کھڑی ہوئی۔ گود میں رکھی چیزیں نیچے جا گریں۔ پینٹ کی ٹیوب۔ ڈسٹر۔ ٹشو۔ چاک۔ اب وہ پورے قد سے کھڑی تھی لیکن اس کی نووارد کی طرف پشت تھی۔

کیا پیچھے مڑ کے دیکھنا چاہیے؟ کیا وہ نمک کا مجسمہ بننے کا خطرہ مول لے سکتی تھی؟

''میں جانتا ہوں تم میری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتیں۔ لیکن ایک دفعہ.... میری بات سن لو۔''

وہ آپ سے کب تم پہ آیا تھا؟ فراق میں؟ یا اس سے پہلے کی قربت میں؟ کون سا فاصلہ کب طے ہوا تھا۔

وہ دھیرے سے اس کی طرف پلٹی۔

وہ وہم نہیں تھا۔ وہ حقیقت تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

سیاہ پینٹ پہ سفید شرٹ پہنے جس کے آستین موڑ رکھے تھے۔ پیروں میں سیاہ بوٹ اور کلائی میں قیمتی گھڑی تھی۔ اس کا لباس اس کیف سے کہیں زیادہ قیمتی اور برانڈڈ لگتا تھا جس کو وہ جانتی تھی۔ بال جیل لگا کے پیچھے کر رکھے تھے۔ چہرے کی شیو ویسی ہی بڑھی تھی۔ اور اس کی بھوری آنکھیں... وہ کشمالہ پہ جمی تھیں۔

''کیسی ہو؟''

یہ اس کا کیف نہیں تھا۔ یہ ماہر فرید تھا۔

لمحے بھر میں اس کی یادداشت تازہ ہوئی۔ جیسے کسی نے منہ پہ طمانچہ مارا ہو۔ یہ اس کا فریب کار تھا۔

وہ چند ثانیے ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھے گئی۔ پھر سارا خون سمٹ کے چہرے میں آ گیا۔ پہلو میں گری مٹھی بھنچ گئی۔ کیا وہ کیف کو تھپڑ مار سکتی تھی؟

لیکن اطراف میں گزرتے ویٹرز۔ میزوں پہ بیٹھے مہمان۔ ابھی کوئی ان کی طرف متوجہ نہ تھا۔ وہ ان کو متوجہ کر بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ ایک دم پلٹی اور جھک کے زمین سے اپنی چیزیں اٹھانے لگی۔ کینوس بیگ میں برشز ڈالے۔ موبائل بیک پیک میں پھینکا۔

وہ بے چینی سے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ اپنی چیزیں اٹھا کے وہ ماہر کو دیکھے بغیر ایک طرف سے نکل گئی تو وہ بے

اختیار اس کے پیچھے گیا۔

"مالا... پلیز..."

کشمالہ کے قدم ٹھہرے۔

"میں تمہیں نہیں جانتی۔" مڑے بغیر دبا دبا سا بولی۔ "آئندہ میری ورک پلیس پہ مت آنا۔"

"پھر کہاں آؤں؟"

"کہانا' میں تمہیں نہیں جانتی۔ تماشہ مت بناؤ۔" غرا کے کہا اور پھر وہ رکی نہیں۔ تیز قدموں سے ریستوران کی ایگزٹ کی طرف بڑھ گئی۔

"میں ہر چیز کی وضاحت کر سکتا ہوں۔" وہ راہداری میں آگے چلی جا رہی تھی اور وہ اس کے پیچھے چلتا اتنا آہستہ بول رہا تھا کہ صرف وہی سن سکے۔

لیکن اس نے نہیں سنا۔ سنا بھی تو رکی نہیں۔

باہر ریستوران کا پارکنگ ایریا گاڑیوں سے بھرا تھا۔ اسٹریٹ پولز اور دوسری زرد بتیاں رات کے اندھیرے کو خوبصورت بنا رہی تھیں۔

مالا نے ویلے کو اپنی کار لانے کو کہا اور اس کے ڈیسک کے ساتھ کھڑی انتظار کرنے لگی۔ دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ وہ اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا ہے۔ وہ اس کا پرفیوم پہچانتی تھی۔ یہ وہی تھا۔ کیف۔

"مالا..."

اس نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ یہ وہ نہیں تھا۔ یہ اس کا کیف نہیں تھا۔

"میں تمہارا تعاقب کار نہیں ہوں۔ بس یہی واضح کرنا چاہتا ہوں۔" اس کے کندھے کے قریب کھڑا وہ سامنے دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولا۔ دور سے وہ دونوں پارکنگ ایریا میں ساتھ کھڑے دو راہگیر نظر آتے تھے جو ایک دوسرے سے لاتعلق اپنی اپنی کارز کے منتظر تھے۔

"پھر میرا تعاقب مت کرو۔ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔" راہگیر لڑکی کا چہرہ غصے اور بے بسی کی حدت سے سرخ پڑنے لگا تھا۔

"صرف ایک دفعہ مجھے بتانے دو کہ میں نے ایسے کیوں کیا۔ میں مجبور تھا' کشمالہ۔"

مرد راہگیر سامنے دیکھتے ہوئے بولا تو آواز میں منت تھی۔ اس کی کار سامنے آ چکی تھی۔ ویلے نے باہر نکل کے

چابی اسے تھمائی۔

وہ اندر بیٹھی اور بیک پیک فرنٹ سیٹ پہ ڈالا۔ پھر کھڑکی کا شیشہ نیچے گرایا اور باہر کھڑے اس راہگیر کو دیکھا جو زخمی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''دوبارہ میرے سامنے کبھی مت آنا' کیف۔'' اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ پھر اس نے کار آگے بڑھا دی۔ ماہر نے دیکھا' اس کے دوپٹے کا کنارا دروازے کے بیچ پھنسا باہر سے دکھائی دے رہا تھا۔

موبائل کی تھرتھراہٹ نے اس کی توجہ کشمالہ کی کار سے ہٹا دی۔ اس نے بے زاری سے موبائل اسکرین دیکھی۔ وہاں بیربل کا میسج جگمگا رہا تھا۔

''صرف اتنا بتا دو... تھپڑ تو نہیں پڑا؟ میری اور شبنم کی شرط لگی ہوئی ہے۔''

اس نے زیر لب بیربل کو بہت سے القابات سے نوازتے ہوئے موبائل واپس جیب میں ڈالا۔

''تمہیں میری بات سننی پڑے گی' کشمالہ مبین۔'' وہ دور جاتی کار کو دیکھ کے بڑبڑایا۔

''میں بھی یہیں ہوں۔ اور تم بھی یہیں ہو۔ دیکھتے ہیں پہلے کون ہار مانتا ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر آئی تو شدید ڈسٹرب لگ رہی تھی۔ ماں اور معید سے بات کیے بغیر ہی وہ کمرے میں چلی گئی۔ چند دن سے جو خود کو سنبھالنا شروع کر دیا تھا' تو یوں لگتا تھا کہ اسے کیف سے فرق نہیں پڑتا' لیکن وہ غلط تھی۔ فرق پڑتا تھا۔ کیوں؟ بس یہی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک تو پہلے ہی اتنا بوجھل دن گزرا تھا۔ زیاد کو اس کے منہ پہ انکار کرنا' گزشتہ رات ماں کا گر جانا۔ پھر آج سارا دن اس نے زیاد سے بات نہیں کی تھی حالانکہ زیاد نے ان کے گھر سے نکلتے ہی اسے میسج کیا تھا کہ وہ جانے سے پہلے اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔ اور وہ کچھ ایسا نہیں کہے گا جس سے کشمالہ خود کو بوجھل محسوس کرے۔

لیکن اس نے زیاد کو جواب نہیں دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ ایسا کچھ کہے جس سے وہ کمزور پڑ جائے۔ اتنی ذہنی الجھنوں کے ساتھ وہ کام پہ گئی تھی' کہ شاید پینٹنگ اس کا دھیان بٹا دے۔

اور پھر ایسا دھیان بٹا تھا کہ دماغ کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

وہ باتھ روم کے آئینے کے سامنے کھڑی' جھک کے چہرے پہ پانی کے چھینٹے مار رہی تھی۔ شاید اپنے چہرے پہ رقم اس کی زخمی نگاہوں کا نشان دھو سکے۔ وہ اس کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اسے نفرت ہو گئی تھی اس آدمی سے۔ اور

اسے خوف بھی آیا تھا۔ جو کیف جمال جیسے مرد کو ڈرا دھمکا کے یہ کام کروا سکتا ہے وہ کسی لڑکی کے ساتھ کیا نہیں کر سکتا؟ اور اوپر سے... اس کی تصویر... اور زخمی لڑکیوں کی تصویروں والا البم... اسے سب یاد تھا۔

اس نے گیلا چہرہ اٹھا کے آئینے میں خود کو دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں میں خوف نظر آیا۔ خوف نفرت سے کم تھا' لیکن موجود تھا۔ اُف خدایا۔ اس نے کیسے اس آدمی کو ڈیڑھ ماہ اپنے گھر میں رہنے دیا؟

تولیے سے چہرہ صاف کرتی وہ باہر نکلی تو دیکھا' سامنے وہ چھوٹا سا ڈبہ رکھا تھا۔ اس نے بخت بی سے کہا تھا کہ اوپر جو برشز وہ چھوڑ آئی ہے وہ یہاں لا کے رکھ دیں۔ اور چونکہ وہ اس ڈبے کو کل باہر نکال کے بھول گئی تھی' اس لیے بخت بی اسے بھی اٹھا لائی تھیں۔ شاید انہیں یہ نہیں لانا چاہیے تھا۔

مالا دھیرے سے کرسی پہ بیٹھی اور وہ ڈبہ اٹھا کے گود میں رکھا۔ اندر گلابی تسموں والے جوگرز تھے۔ ایک خالی پیکٹ تھا جس میں ایک بیج بچا ہوا تھا۔ اور چند برشز تھے۔ لمحے بھر کے لیے کیف ذہن سے نکل گیا۔ سب کچھ نکل گیا۔ یاد رہا تو بس اتنا کہ... کبھی یہ جوتے اس کے پیروں میں ہوتے تھے....

تب زندگی مختلف تھی۔

مالا کو اس کے کمرے میں...

ماہر کو ریستوران کے پارکنگ ایریا میں....

ماہی کو کینیڈا میں اپنے سفید گھر میں...

ماں کو لاؤنج میں وہیل چیئر پہ چھوڑ کے... ہم اپنی کہانی کو یہیں روک رہے ہیں....

ہاں اسی لمحے میں قید کر کے.... ہم تمہیں پانچ سال پیچھے لے چلتے ہیں'

جب ان سب کی زندگی آج سے بہت مختلف تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پانچ برس قبل.......

مے فیئر۔ لندن

یہ ایک آفس کا منظر ہے۔ دیواریں سرمئی ہیں اور ان پہ سنہرے وکٹورین فریمز میں کیلگرافیز آویزاں ہیں جن میں عربی آیات اور فارسی اشعار نمایاں ہیں۔ مہاگنی میز کھڑکی کے مقابل رکھی ہے۔ بلائنڈز ہٹے ہیں اور ان سے

آتی دوپہر کی روشنی سارے آفس کو جگمگا رہی ہے۔

کنٹرول چیئر پہ بیٹھا شخص ماہر فرید ہے لیکن وہ اب کے ماہر سے مختلف ہے۔ اس کا چہرہ قدرے کم عمر اور کلین شیو ہے۔ وہ سفید شرٹ اور سیاہ پینٹ میں ملبوس ہے۔ ٹائی کا رنگ سرمئی ہے۔ ویسٹ' کف لنکس' بنے ہوئے بال' سب ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کام کے لیے تیار ہو کے دفتر آیا ہے۔ لیکن اس کے چہرے سے ایسا نہیں لگتا۔ اس کی آنکھیں گلابی ہیں۔ ہلکی سی گیلی۔ اور ہاتھ میں ایک ادھ بجھا سگار ہے جسے وہ ایش ٹرے میں مسل رہا ہے۔ کمرے میں سگار کی میٹھی سی خوشبو پھیلی ہے۔

وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے سامنے رکھے ایک فریم کو دیکھ رہا ہے۔

فریم میں دو افراد موجود ہیں۔ ایک کرسی پہ بیٹھا وجیہہ بوڑھا آدمی جو سوٹ میں ملبوس ہے۔ اور ایک اس کے کندھے کے پیچھے کھڑا ماہر۔ ماہر نے ایک ہاتھ اس کے شانے پہ رکھا ہوا ہے۔ وہ دونوں مسکرا رہے ہیں۔

وہ گیلی آنکھوں سے اس تصویر کو دیکھتا ہے۔ وہ اس کے باپ کی تصویر تھی۔

آج اس کے باپ کو اس دنیا سے گئے پانچواں دن تھا۔

اس نے آنکھیں بند کیں۔ ذہن کی تجوری میں سے بہت سے خانے کھلے پڑے تھے۔ جیسے ساری یادداشتیں آپس میں گڈمڈ ہو رہی ہوں۔ یادداشتیں ٹکڑوں کی طرح سامنے آ رہی تھیں۔ اس نے ایک یاد کو تھامنا چاہا....

ایک کم عمر لڑکا اپنے باپ کے ساتھ گارمنٹس اسٹور پہ بیٹھا تھا۔ وہ دونوں ہتھیلیوں میں چہرہ گرائے پریشانی سے باپ کو دیکھ رہا تھا جو کیش کاؤنٹر پہ براجمان' عینک ناک پہ جمائے' مسکرا کے ایک گاہک سے بات کر رہا تھا۔ پھر اس نے گاہک کو سامان کا تھیلا پکڑایا تو بچہ چونکا۔ قدرے بے چینی سے سیدھا ہوا جیسے اسے روکنا چاہتا ہو۔ اس نے باپ کو اشارہ کیا لیکن باپ متوجہ نہیں تھا۔ اس نے مسکرا کے گاہک کو ایک بیجوں کا ننھا سا پیکٹ تھمایا۔

''ان کو میری طرف سے مٹی میں بو دینا۔'' وہ اب گاہک کو ہدایات دے رہا تھا۔ بچہ خفگی سے اسے دیکھے گیا۔

''ابا... اس نے کم پیسے دیے ہیں۔'' ان کے جاتے ہی وہ بے چینی سے بولا۔ ''اگر کوئی ایک پینی بھی زیادہ دے دے' تو آپ فوراً بتا دیتے ہیں۔ کم پہ کیوں نہیں بتایا؟''

اس کے باپ نے مسکرا کے اسے عینک کے اوپر سے دیکھا۔

''اس کے پاس جتنے تھے' اس نے دے دیے۔ جو نہیں دیے' وہ اس کے اوپر میری انویسٹمنٹ ہے۔''

''اس سے کیا ہوگا؟'' وہ الجھا۔

''اب وہ میرا دوست بن گیا ہے۔اور زندگی میں انسانوں کے اوپر انویسٹمنٹ کر کے ان کو دوست بنالینا چاہیے۔دوست کام آتے ہیں۔ پیسہ نہیں۔''

گارمنٹس کی دکان ماضی کے جھروکوں میں مدھم ہوگئی۔

اس کی جگہ مارکیٹ اسٹالز نے لے لی۔ یہ بھی پرانے لندن کی ایک مارکیٹ تھی۔وہ نوعمرلڑ کا ہاتھ میں کتاب لیے باپ کے برابر چلتا آ رہا تھا۔اس کے چہرے پہ جھنجلاہٹ تھی۔

''ابا میرا ایگزام ہے۔میں نے پڑھنا ہے۔میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟''

''تم یہاں انسانوں کو پڑھنا سیکھو گے۔تمہیں اپنے باپ کی طرح انسانوں کو دوست بنانا آنا چاہیے'ماہر۔''

''ابا....''اس نے اکتا کے سر جھٹکا۔'' مجھے گارمنٹس کا کام نہیں کرنا۔''

''تمہیں جو بھی کرنا ہے'اس کام میں انسان تمہاری مدد کریں گے اگر وہ تم پہ بھروسہ کرتے ہوں۔تمہیں انسانوں کی سمجھ ہوگی تو ان کا بھروسہ جیتو گے نا۔''

''اور اس سے کیا ہوگا؟''

وہ دونوں مارکیٹ کے اسٹالز کے درمیان چلتے جا رہے تھے۔

''وہ تمہاری بات مانیں گے۔ جو تم کہو گے'وہ وہی کریں گے۔جیسے قاسم فرید کی بات کا سب اعتبار کرتے ہیں'ویسے ہی ایک دن ایسا آنا چاہیے جب اس شہر کے لوگ کہیں کہ وہ ماہر فرید کی ہر بات کا اعتبار کرتے ہیں۔''

پرانے لندن کی مارکیٹ مدھم ہو کے کہیں گم ہوئی۔ایک دوسری یاد ابھر کے آئی تو اس نے اس کا سرا کھینچا۔ایک منظر سا بنتا چلا گیا۔

وہ ایک گارمنٹ فیکٹری کے اندر کا منظر تھا۔ بڑا سا ہال کمرہ۔اردگرد رکھے ورک اسٹیشنز ۔ان کے درمیان وہ ٹین ایج نوجوان اپنے باپ کے ساتھ کھڑا تھا۔اس کے ایک ہاتھ میں کتاب دبی تھی۔

وہ اب بوڑھے ہو چکے تھے۔بال ہلکے ہلکے سفید تھے۔وہ ان کے کان کے پاس جھک کے کہہ رہا تھا۔

''ابا... یہ آدمی آپ سے جھوٹ بول رہا ہے۔میری بات مانیں۔اس کے ساتھ کام نہ کریں۔''

قاسم فرید نے مسکرا کے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔اب اس کا قد ان سے نکلتا ہوا تھا اور وہ ناخوش نظر آ رہا تھا۔

''اور تمہیں کیسے معلوم؟''

''میں ماہر ہوں۔ مجھے معلوم ہوتا ہے۔'' ہلکے سے شانے اچکائے۔انہوں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔

"پھر ہم وہی کریں گے جو ماہر کہتا ہے۔ کیونکہ ہم ماہر کا اعتبار کرتے ہیں۔" انہوں نے مسکرا کے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرا دیا۔ وہ دونوں ایک ساتھ آگے چلنے لگے....

ماہر نے چہرہ ہتھیلیوں سے اٹھایا۔ اس کی گلابی آنکھیں اب بھی گیلی تھیں۔ نظریں سامنے بنی کھڑکی پہ جمی تھیں جہاں سے سورج کی اداس کرنیں اندر داخل ہو رہی تھیں۔

ان کے سنہرے پن میں ایک باسی منظر ابھرنے لگا۔

وہ ایک خوبصورت اور نفیس سے گھر کا لونگ روم تھا۔ نوجوان ماہر سینٹر ٹیبل پہ کاغذ پھیلائے سر جھکائے ایک اسکیچ بنا رہا تھا۔ اس نے کچن سے آتی آوازوں کی طرف سے کان لپیٹ لیے تھے۔

کچن کے سامنے وہ تینوں کھڑے تھے۔ ایک سیاہ گھنگھریالے بالوں والی خوبصورت عورت۔ اس کے ساتھ ایک چھوٹا گھنگریالے بالوں والا لڑکا جو منہ پھلائے کھڑا تھا۔ وہ عورت غصے سے زور زور سے ہاتھ ہلاتے ہوئے اپنے سامنے کھڑے قاسم فرید سے لڑ رہی تھی۔

"یہ تمہارا بیٹا ہے' قاسم۔ تمہاری گارمنٹ فیکٹری کا ملازم نہیں جو تم ہر صبح اصرار کرنے لگ جاتے ہو کہ اسے کام پہ لے کر جاؤ گے۔ یہ ایک بچہ ہے۔"

"ماہر اس کی عمر کا تھا جب میرے ساتھ مارکیٹ اسٹالز تک جاتا تھا۔" وہ نرمی سے گہری سانس لے کر کہہ رہے تھے۔

"تب تم ایک اسٹال کے مالک تھے' قاسم۔ اب تم ایک فیکٹری کے مالک ہو۔ کچھ تو اپنے اسٹیٹس کا خیال کرو۔"

"مجھے بیربل کو دنیا دکھانی اور دنیا سکھانی ہے۔ ورنہ وہ کیسے جان پائے گا کہ اس کے باپ نے یہ سفر کہاں سے شروع کیا؟"

"ششش"

منہ بسورے کھڑے گھنگریالے بالوں والے لڑکے نے آواز پہ اسے دیکھا۔ وہ مسکرا کے اسے اپنے پاس بلا رہا تھا۔ بیربل نے ماں باپ کو دیکھا پھر ماہر کو۔ پھر ہلکا سا مسکرایا اور دھیرے سے کھسک کے اس کے پاس چلا آیا۔ وہ دونوں ابھی تک کچن میں کھڑے بحث کر رہے تھے۔

بیربل چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتا ہوا اس کے ساتھ کارپٹ پہ آ کے بیٹھ گیا۔

"مجھے فیکٹری نہیں جانا۔" اس نے ماہر کے قریب ہو کے شکایت کی۔ اس نے گہری سانس لی۔

''یہ... تمہیں معلوم ہے... ہمارے ابا ہمیشہ سے خوشحال نہیں تھے۔'' وہ دھیرے دھیرے بتانے لگا۔'' ساٹھ کی دہائی میں ہمارے دادا کے ساتھ وہ انگلینڈ آئے تھے اور تب سے اب تک انہوں نے بہت سی جابز کی ہیں۔ پٹرول پمپ پہ۔ ریستوران پہ ویٹر کی۔ گارمنٹس اسٹور پہ سیلز مین کی۔ جانتے ہو ہر جاب سے انہوں نے کیا کمایا ہے؟''

''پیسے؟''

''اونہوں۔'' وہ مسکرایا اور اس کے ناک کو پین سے ہلکا سا چھوا'' دوست۔ انہوں نے ہر جاب سے دوست کمائے ہیں۔ اور آج ہمارے ابا کے پاس ایک گارمنٹ فیکٹری ہے کیونکہ ان کو peoples skill آتی ہے۔ انسانوں کو مینیج کرنا۔ انہوں نے اپنے سارے خاندان کو قطر اور لندن میں سیٹل کروا دیا ہے۔ کیونکہ لوگ ابا پہ بھروسہ کرتے ہیں۔ ان کے کہنے پہ لوگوں کو جاب دیتے ہیں۔ جانتے ہو ابا کے دوست چائے خانوں کے ملازموں سے لے کر قطر کی رائل فیملیز تک پھیلے ہیں۔ کیا تم ابا پہ بھروسہ کر کے ان کی بات نہیں مان سکتے؟''

''مگر میں نے نہیں جانا فیکٹری۔'' وہ منہ پھلا کے اسی طرح بولا تو ماہر نے گہری سانس لی۔ پھر ایک افسوس بھری نظر اٹھا کے کچن میں کھڑے میاں بیوی کو دیکھا۔ وہ ہنوز بحث کر رہے تھے.... اس کے سر میں درد ہونے لگا۔

منظر دھوئیں کے مرغولے میں غائب ہو گیا۔ اور جب دھند چھٹی تو اب ایک اور منظر سامنے تھا۔

وہ ایک آفس میں بیٹھا تھا۔ میز کے اس پار رابیل فرید بیٹھی تھی۔ گھنگھریالے بال جوڑے میں لپیٹے' گردن میں ہیروں کی لڑی پہنے' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی تھی۔ چہرہ سپاٹ تھا۔

''ماہر... مجھے مجبور مت کرو۔ میں قاسم کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔''

''ماں...'' وہ کرسی سے اٹھا اور گھوم کے اس کے سامنے آیا۔ اس کے چہرے پہ بے چینی اور پریشانی تھی۔

''ماں پلیز ایسا نہ کریں۔ پلیز۔'' اس نے گھٹنوں کے بل ماں کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ اس کی آنکھیں نم تھیں۔ چہرے پہ منت تھی۔

''میں فیصلہ کر چکی ہوں۔ مجھے نہیں رہنا اس کے ساتھ۔''

''آپ اس وقت میں ان کو کیسے چھوڑ کے جا سکتی ہیں جب ان کا برین ٹیومر ڈائیگنوز ہوا ہے؟ ان کو اس وقت آپ کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔''

''میں مزید اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔'' اس نے سختی سے اپنے ہاتھ چھڑائے۔

"بیربل کیا کرے گا۔ وہ چھوٹا ہے۔ ایسے مت کریں۔" وہ ٹوٹے ٹوٹے الفاظ میں کہہ رہا تھا۔ "ہماری فیملی ٹوٹ جائے گی۔ ابا بیمار ہیں۔ ان کو مت چھوڑ کے جائیں۔"

آنسو اس کے چہرے پہ پھسل رہے تھے۔ لیکن وہ اسی طرح گردن کڑائے بیٹھی تھیں۔ چہرے پہ افسوس تھا لیکن فیصلہ اٹل تھا.....

وہ اٹھ کے چلی گئیں تو وہ کتنی ہی دیر زمین پہ بیٹھا رہا۔ پھر ایک دم اٹھا اور کھڑکی تک آیا۔ وہاں ایک ڈسپلے ٹیبل پہ ایک سفید عمارت کا ماڈل رکھا تھا۔ اس نے پوری قوت سے ماڈل کو دھکا دیا۔ ننھی سفید عمارت دھڑام سے زمین بوس ہوگئی۔ سارے ٹکڑے بکھر گئے۔....

وہ منظر اس ماڈل کی کرچیوں کے عکس میں غائب ہو گیا۔

اور اب کے ایک نیا منظر سامنے آنے لگا۔

ایک اپارٹمنٹ کے اندر زرد بتیاں جلی تھیں۔ ایک بڑی سی کھڑکی تھی جس کے باہر بارش تیز تیز برس رہی تھی۔ بھیگتی کھڑکی کے آگے دو لوگ کھڑے تھے۔ ان کے چہرے ٹھیک سے دکھائی نہ دیتے تھے۔ ایک کوٹ میں ملبوس ماہر تھا اور دوسری گھنگھریالے بالوں والی عورت۔

"تم ایک دفعہ شمس سے مل کے تو دیکھو۔"

"میں جانتا ہوں اس شمس کو اچھی طرح۔" وہ پوری قوت سے چلا رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور آواز ٹوٹی ہوئی تھی۔ "وہ میرے باپ کا ملازم تھا۔ آپ اس کو میرے باپ کی جگہ پہ نہیں لا سکتیں۔"

"ماہر یہ میری زندگی ہے۔ میں یہ فیصلہ کر سکتی ہوں۔" وہ بھی جواباً چلائی تھی۔

"میرے باپ کی سرجری ہونی ہے monday کو۔ اور آپ اسی دن شادی کرنے جا رہی ہیں؟"

"میں نے اپنی زندگی کے اتنے سال دے دیے اس شخص کو۔ اور کیا کروں اس کے لیے؟ خدارا مجھے اپنی مرضی سے گزارنے دو۔" وہ بھی چیخ رہی تھی۔

"اگر آپ نے شمس الدین سے شادی کی نا تو میں آپ سے ساری عمر نہیں ملوں گا۔ میں آپ کو بتا رہا ہوں۔" اس نے زور سے میز پہ ہاتھ مارا۔ میز پہ رکھی ساری چیزیں نیچے گر گئیں۔ ایک گلدان۔ تین پھول۔ دو گلاس۔

پھر وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ اسے پیچھے سے پکار رہی تھیں لیکن وہ نہیں سن رہا تھا۔

وہ باہر سڑک پہ آیا تو بارش پوری قوت سے برس رہی تھی۔

"ماہر..." پیچھے سے بیربل بھاگتا ہوا آیا۔اس کے گھنگریالے بال لمبے تھے اور پونی میں مقید تھے۔اس کے پیروں میں سلیپرز تھے۔وہ بنا بغیر فٹ پاتھ پہ چلنے لگا۔اس کے بال' کپڑے' سب کچھ بھیگتا گیا لیکن وہ نہیں رکا۔

"ماں کو کرنے دو شادی۔کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ بھاگتا ہوا اس کے کندھے کے قریب آیا۔

"تمہیں سمجھ کیوں نہیں آرہی؟" وہ اس کی طرف گھوما اور پوری قوت سے چلایا۔"ابا اور ماں کی ڈائیوورس کو تین ماہ ہوئے ہیں۔اور وہ اگلے ہی دن شادی کرنے جارہی ہیں۔اس کا مطلب ہے ماں ایسے ہی ابا کو الزام دیتی رہیں۔انہوں نے اس... اس شمس کی وجہ سے ابا سے طلاق لی تھی۔" اس کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

"نہیں ماہر۔" بیربل کو اس کی بات پہ جیسے افسوس ہوا۔"شمس نے ماں کو دو ہفتے پہلے پروپوز کیا ہے۔اس سے پہلے ایسا کچھ نہیں تھا۔انہوں نے مجھے خود بتایا ہے۔"

اس نے افسوس سے بیربل کو دیکھا۔"ماں ایک غلط فیصلہ کرنے جارہی ہیں۔وہ آدمی جو میرے باپ کا باڈی گارڈ بن کے ہماری زندگی میں آیا تھا' وہ میری ماں کو ورغلاتا رہا ہے۔میں نے اسے نکالا تھا ملازمت سے کیونکہ میں نے اس کی چوری پکڑی تھی۔اور اس نے اس سے بڑا نقب لگالیا۔"

"ماہر تم ہر کسی کو غلط سمجھتے ہو۔" وہ دونوں بارش میں کھڑے بھیگ رہے تھے۔

"میں لوگوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا' بیربل۔اس آدمی نے یہ پہلے دن سے پلان کررکھا تھا۔وہ ماں سے شادی ماں کی دولت کے لیے کررہا ہے۔وہ دولت جو ابا نے ماں کو دی ہے۔تم جاؤ کرو شادی میں شرکت۔میں نہیں آؤں گا۔میرا باپ ہسپتال میں ہے۔"

"میں نہیں کروں گا شرکت اور میں بھی ابا کے پاس ہوں گا۔مگر ماں کو ایسے نہ کہو۔"

"رہو تم اپنی دنیا میں۔" وہ ہاتھ جھلا کے بکتا جھکتا آگے بڑھ گیا۔بیربل برستی بارش میں تنہا کھڑا رہ گیا۔

بارش والی رات آہستہ آہستہ پانی میں گھل کے فنا ہوگئی۔اور اس کی جگہ ایک سنہرے دن کا منظر ابھرنے لگا۔

وہ ایک خوبصورت انگلش کنٹری ہاؤس کا لان تھا۔گھاس پہ دو بنچ آمنے سامنے نصب تھے۔ایک پہ ماہر بیٹھا تھا۔ٹانگ پہ ٹانگ جمائے جینز پہ پولو شرٹ پہنے' اس کا چہرہ پہلے سے دبلا لگ رہا تھا۔اور آنکھوں تلے حلقے گہرے ہورہے تھے۔ہاتھ میں ایک سگار تھا جو سلگ رہا تھا۔اسے لبوں میں دبا کے ایک سانس اندر کھینچا' اور آنکھیں بند کیں۔دھوئیں کے مرغولے ہوا میں بلند ہوئے۔آنکھیں کھولیں تو دیکھا ... دھوئیں کے بادلوں کے پار زارا کھڑی

تھی۔

ہینڈ بیگ کہنی سے لٹکائے وہ ہمیشہ کی طرح سجی سنوری ہوئی تھی۔ اونچی اسکرٹ لانگ بوٹس شانوں پہ پھیلے بال۔ وہ اسے افسوس سے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے' قاسم تایا کو تمہاری یہ نئی ایڈکشن کتنی بری لگتی ہے۔'' وہ ناخوشی سے کہتے ہوئے اس کے سامنے بیٹھی۔

ماہر نے سگار والا ہاتھ سامنے کیا اور الٹ پلٹ کے اسے دیکھا۔

''یہ میری محبوبہ ہے۔ اس کو میں ابا کے کہنے پہ بھی نہیں چھوڑ سکتا۔'' شانے اچکا کے پھر سے لبوں سے لگالیا۔

زارا نے غور سے اسے دیکھا۔

''مجھے معلوم ہے تم صبح سے یہاں بیٹھے کیوں اسموکنگ کر رہے ہو۔'' وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''بیربل نے بتایا ہے مجھے۔ اب تم دونوں بھائیوں کی ایک بہن بھی دنیا میں آچکی ہے۔''

''وہ شمس کی بیٹی ہے۔ میری کچھ نہیں لگتی۔'' وہ تلخ ہوا۔ جبڑا تک بھینچ گیا۔

''تم کب سے نہیں ملے اپنی ماں سے؟''

''ملا تھا۔ چار ماہ پہلے۔ کچھ ڈاکومنٹس سائن کروانے گیا تھا۔ وہ کمپنی کی شیئر ہولڈر ہیں۔''

''ہاں لیکن ماہر... کبھی ایسے ہی مل لیا کرو۔ جیسے بیربل ملتا ہے۔ وہ تمہیں کتنا بلاتی ہیں۔ ڈنرز پہ۔ تمہاری سالگرہ پہ۔ تم نہیں جاتے۔''

''میں لوگوں کے پیچھے نہیں جایا کرتا۔ میرے سامنے ان کا ذکر مت کیا کرو۔'' وہ بھوری آنکھیں دور سبزے پہ جمائے ہوئے تھا۔

''دیکھو... قاسم انکل کا ٹیومر بھی ٹھیک ہو گیا۔ منگیوما تھا وہ۔ اب وہ بھی سیٹ ہیں۔ وہ کہیں گے تب بھی نہیں جاؤ گے اپنی بہن کو دیکھنے؟''

''کہانا... وہ شمس کی بیٹی ہے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سگار ہاتھ میں تھا۔

''اس کا نام ہلال ہے۔'' زارا نے پیچھے سے پکارا۔ وہ نہیں پلٹا۔ بس ایک نظر اٹھا کے آسمان کو دیکھا۔

ہلال۔

دو روز پہلے لندن کے آسمان پہ چاند کمان کی صورت میں ابھرا تھا۔ ہلال جیسا۔ پھر اس نے سر جھٹکا۔ وہ اس کی

ماں کی بے وفائی کی نشانی تھی۔ اسے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اگر کچھ محسوس ہوا تھا تو نفرت تھی۔

سگار کا ایک اور کش بھرا تو سارا منظر اس کے دھوئیں سے دھندلا گیا۔

دھواں چھٹا تو ایک اور یاد سامنے چلنے لگی....

وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ورک ٹیبل پہ لیپ ٹاپ کے سامنے تیز تیز ٹائپ کر رہا تھا۔ ایک ہاتھ میں سگار تھا۔ دفعتاً دستک ہوئی۔ اس نے بے دھیانی میں یس کہا۔ دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ پھر خاموشی۔ ماہر نے گردن موڑ کے دیکھا۔

قاسم فرید چوکھٹ میں کھڑے تھے۔ ایک تاسف بھری نظر اس کے ہاتھ پہ ڈالی۔ اس نے تیزی سے سگار نیچے کیا۔ انگارے نے اس کی انگلی کے پورے کو چھوا۔ سس کی آواز لبوں سے نکلی۔ مگر تب تک وہ افسوس سے سر جھٹک کے جا چکے تھے۔ اس نے غصے سے سگار مسلا۔ مٹھی بھینچی۔ پھر تیزی سے ان کے پیچھے گیا...

کچھ دیر بعد وہ دونوں کچن میں کھڑے تھے۔ وہ برنر کے ساتھ کھڑے قہوہ بنا رہے تھے۔ اور وہ خاموشی سے سر جھکائے کھڑا تھا۔

''کتنی پیتے ہو ایک دن میں؟''

''دو یا تین...'' اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ وہ سر جھکائے پیالی میں قہوہ انڈیلنے لگے۔

''تمہیں کھا جائے گی یہ۔''

''نہیں چھوڑ سکتا ابا۔'' اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ وہ ایسے وعدے نہیں کرتا تھا جنہیں پورا نہ کر سکے۔

''سگریٹ انسان کو...''

''سگریٹ نہیں ہے یہ۔'' اس نے بات کاٹی۔ ''مجھے بھی نفرت ہے سگریٹ سے۔ اس کے دھوئیں سے۔ یہ سگار ہے۔'' بہت دفعہ کی بتائی بات دہرائی۔ لیکن انہوں نے سر افسوس سے جھٹکا۔

''اپنی ماں سے مل لیا کرو۔ تمہاری بہن کی دوسری سالگرہ تھی۔ اس نے تمہیں بلایا۔ تم نہیں گئے۔''

''وہ میری بہن نہیں ہے۔''

قاسم فرید نے دونوں پیالیاں ٹرے میں رکھیں اور آنکھیں اٹھا کے کو دیکھا۔ پھر جھریوں زدہ چہرے کے ساتھ مسکرائے۔ اب وہ ضعیف نظر آتے تھے۔

''وہ تمہاری بہن ہے۔ ایک وقت آئے گا جب میں اس دنیا میں نہیں ہوں گا اور نہ ہی تمہاری ماں۔ ہم دونوں

کے چلے جانے سے سارے شکوے ختم ہو جائیں گے۔ پھر تمہاری بہن کو تمہاری ضرورت ہوگی۔"

"وہ میری بہن نہیں ہے۔" اس نے ایک پیالی اٹھائی اور وہ دونوں ساتھ ساتھ لاؤنج میں آئے۔

"تم نے ارشاد کو کمپنی سے کیوں نکال دیا' ماہر؟ مجھے تمہارا یوں غصہ کرنا اچھا نہیں لگتا۔"

"وہ میرا اسٹاف ہے' ابا۔ وہ میری غیر موجودگی میں میری ماں کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔"

"ہر اسٹاف اپنے باس کی برائی کرتا ہے۔ کس کس پہ غصہ کرو گے؟ کس کس کی زبان بند کرو گے۔"

"جس جس کی کر سکا۔" وہ سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ جب سے ماں نے ان کو چھوڑا تھا' اس کے اندر بہت سا غصہ جمع تھا۔ وہ افسوس سے اسے جاتے دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے شکر کی ڈلی پیالی میں ڈالی۔ وہ قہوے میں گھلتی چلی گئی اور سارے منظر کو اپنے ساتھ گھول کے لے گئی۔

اب کے جو منظر سامنے آیا... وہ ہسپتال کے ایک کاریڈور کا تھا۔ وہ سنگی بنچ پہ خاموش بیٹھا تھا۔ شل۔ اس کے ساتھ بیربل بیٹھا تھا۔ اس کے گھنگھریالے بال کس کے پونی میں بندھے تھے اور پیروں میں جوگرز تھے۔

"سات سال ابا ٹھیک رہے... پھر اچانک سے کیوں ان کا ٹیومر اتنا بڑھ ہو گیا.... اور ہمیں پتہ ہی نہیں چلا؟" بیربل شل سا سامنے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ ہم علاج کروائیں گے۔" وہ نڈھال لگ رہا تھا۔ آنکھیں ضبط سے گلابی ہو رہی تھیں۔

پھر وہ اٹھا اور سامنے کاریڈور میں لگا دروازہ کھولا۔ اندر بیڈ پہ ابا لیٹے تھے۔ نحیف۔ کمزور۔ سر بالوں سے صاف تھا۔ جسم میں بہت سی نالیاں لگی تھیں۔ وہ نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

وہ ان کے ساتھ بیٹھا اور ان کے ہاتھ تھام لیے۔ اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔

"ماہر..." انہوں نے مدھم آواز میں اسے پکارا' وہ مزید ان کی طرف جھکا۔

"اسموکنگ چھوڑ دو' بیٹے۔ یہ تمہیں کھا جائے گی۔"

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ آنکھ سے آنسو نکلا۔

انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ نیند میں چلے گئے تھے۔ آج کل ان کی یہی کیفیت تھی۔

"تمہارے ابا کو گلائیوما ہے۔" وہ آواز کی طرف مڑا۔ ایک میڈیکل پروفیشنل کے ساتھ مالک کھڑا تھا۔ سوٹ

میں ملبوس۔غمزدہ لگتا تھا۔اس کے بال مکمل سفید نہ تھے۔سیاہ سفید کھچڑی زدہ سے تھے۔

وہ دونوں باہر نکل آئے۔ہسپتال کے گارڈن میں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

''یہ ایک چھوٹا سا منجیوما تھا۔ابا کی سرجری ہوئی۔انہوں نے سات برس بہت اچھے سے گزارے۔پھر یہ گلائیوما کیسے بنا؟''وہ الجھن سے کہہ رہا تھا۔مالک نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''اللہ کے کام ہیں۔کوئی نہیں سمجھ پا رہا۔یہ ایک رئیر کیس ہے۔''

اس نے جیب سے اسگار نکالا اور کپکپاتے ہاتھوں سے لبوں میں ڈالا اور اس کے دہانے کو نم کیا۔پھر ایک butaneلائٹر نکالا۔اس پہ ماہر فرید کنندہ تھا۔

مالک نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''تم نے اندر اپنے باپ سے وعدہ کیا ہے۔''

''میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔''سگار منہ سے نکال کے وہ اس کے دوسرے کنارے کو گھماتے ہوئے لائٹر سے سلگانے لگا۔اس کے ہاتھ مہارت سے کام کر رہے تھے۔

''شمس اور رابیل ملنے آنا چاہتے ہیں۔''

اس نے کچھ نہیں کہا۔سگار لبوں میں دبائے وہ اس کا دوسرا دہانہ گھماتے ہوئے لائٹر سے اسے مزید سلگا رہا تھا یہاں تک کہ اس کا دہانہ برابر جلنے لگا۔

''ان کو منع مت کرنا۔تم چاہو تو اس وقت یہاں سے چلے جانا۔''وہ دھیرے سے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''نہیں۔میں یہیں ہوں گا۔وہ آ سکتے ہیں۔''اس نے کش لیتے ہوئے کہا اور پھر سگار لبوں سے نکالا۔دھواں اڑتا گیا۔

''لیکن وہ اپنی بچی کو ساتھ نہیں لائیں گے۔میں اس کو نہیں دیکھ سکتا۔''

اس کا انداز حتمی تھا۔

زیادہ دیر نہیں گزری جب وہ ہسپتال کے روم کے باہر کاریڈور میں کھڑا تھا۔اس کی نظریں دروازے پہ جمی تھیں۔دروازہ کھلا اور وہ دونوں باہر نکلے۔سیاہ لمبے کوٹ والی رابیل۔اور اس کے ساتھ ایک ادھیڑ عمر مرد۔وہ مرد جو آج بھی اس کے باپ کا ملازم لگتا تھا۔دونوں کی نگاہ ملی۔ماہر نے آج نگاہ نہیں پھیری۔بس سر کو جنبش دی۔رابیل نے بھیگی آنکھوں سے سر ہلایا۔وہ اس عورت سے مختلف تھی جس نے ان کے باپ کو چھوڑا تھا۔وہ بدل گئی تھی۔نہ

جانے کس طرح۔ اس نے غور نہیں کیا۔ بس منہ پھیر لیا۔ کنکھیوں سے محسوس ہوا کہ وہ اس کی طرف آ رہے ہیں۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

سارے منظر دھندلا گئے۔ ساری بصارتیں تاریک ہو گئیں۔

ماہر نے چہرہ اٹھایا۔ اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔ یادوں کا سلسلہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ اپنے باپ کی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ خاموش۔ ویران۔ اس کا سب کچھ ختم ہو گیا تھا جیسے۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور بھاری بوٹس کے اپنی طرف آنے کی آواز سنائی دی۔ ماہر نے نظریں اٹھائیں۔ مالک اس کی میز کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔ گرے سوٹ پہنے' کھچڑی بالوں کو جیل سے سمیٹے' وہ ہمیشہ کی طرح کمپوزڈ تھا۔

''تم آفس کیوں آئے ہو؟ کچھ دن آرام کرو۔'' وہ بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے سامنے والی کرسی پہ بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ اس کا چہرہ اپنے بھائی کی بیماری سے جنازے تک ایسا ہی رہا تھا۔ روبوٹ جیسا۔

''آرام سے کیا غم کم ہو جائے گا؟'' پھر اس نے سر جھکا۔ جیسے کچھ یاد آیا ہو۔

''ابا نے بیربل کے ساتھ اچھا نہیں کیا' مالک۔''

''میرے نزدیک اس نے بیربل کی بھلائی کے لیے فیصلہ لیا ہے۔ وہ بہت impressionable ہے۔ (جلد اثر لینے والا۔) پیسہ ضائع کرتا ہے۔ تمہارے باپ نے بہت محنت سے یہ سب بنایا ہے۔ ہمیں انگلینڈ اور قطر میں سیٹل کروایا ہے۔ بیربل کو اس کا حصہ وہ ابھی دے دیتا تو وہ بہت جلد سب اڑا کے فارغ ہو چکا ہوتا۔''

''مگر اتنی سخت شرط؟'' ماہر نے سامنے رکھا کاغذ اٹھایا اور دیکھا۔ ''بیربل کو اس کا فنڈ (حصہ) تب تک نہیں ملے گا جب تک وہ تیس برس کی عمر کو نہ پہنچ جائے اور اپنی ذاتی کمپنی کا مالک نہ بن جائے جس کا سالانہ ریونیو ابا کی مقرر کردہ ایک مخصوص رقم سے زیادہ ہو۔ تب تک اسے ہر ماہ کمپنی کی طرف سے ایک مختص کردہ جیب خرچ ملے گا جس میں سالانہ پانچ فیصد کا اضافہ کیا جائے گا۔'' اس نے بددلی سے کاغذ رکھا۔ ''بیربل کو کتنا برا لگا ہو گا۔''

''اسے جائیداد میں اپنا حصہ کمانا پڑے گا' ماہر۔ تم کسی کیڑے کو بھی وقت سے پہلے اس کے کوکون (خول) سے نکال دو تو وہ اپنی کمزوری کے باعث باہر کی دنیا میں سروائیو نہیں کر سکتا۔ بیربل پھر انسان ہے۔ تم اس پہ ترس کھا کے اسے اس کے کوکون سے نکالو گے تو وہ اڑنا کیسے سیکھے گا؟''

''انہوں نے ماں کو بھی حصہ دیا ہے۔'' وہ ناخوش نظر آتا تھا۔ ''مجھے ڈر ہے کہ شمس کمپنی میں داخل ہونے کی کوشش کرے گا۔''

"اور ہم اسے ایسا کرنے دیں گے؟ ناممکن۔" مالک کا لہجہ اٹل تھا۔"میں نے وکیل سے بات کرلی ہے۔ قاسم نے اس کا حصہ ایسے مختص کیا ہے کہ اسے گھر بیٹھے ایک رقم ملتی رہے گی لیکن وہ کمپنی کے معاملات میں نہیں بول سکتی۔ قاسم نے یہ سب تمہیں تمہاری ماں کے ساتھ جوڑے رکھنے کے لیے کیا ہے۔"

ماہر نے منہ میں کچھ بڑبڑا کے سر جھٹکا۔اور دراز کھول کے سگار کا پیکٹ نکالا۔ مالک نے ناپسندیدگی سے اس کو دیکھا۔

"تم نے اپنے باپ سے وعدہ کیا تھا کہ اسے چھوڑ دو گے۔"

"کہا نا' یہ میری محبوبہ ہے۔ اور میں اس سے وفادار ہوں۔ ہمارا ساتھ قبر تک کا ہے۔" آزردگی سے مسکرا کے اسے لبوں سے لگالیا۔ مالک نے گہری سانس لی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس وقت مے فیئر کے اس آفس میں ماہر اور مالک' قاسم فرید کی وصیت پہ غور کررہے تھے'ان سے چند کلومیٹر دور'ایک رہائشی علاقے میں بنے چھوٹے سے گھر کے بیڈروم میں تناؤ کا سا ماحول تھا۔

رابیل بیڈ پہ عجیب آزردہ بیٹھی تھی۔ آنکھیں گیلی تھیں۔ سر بیڈ کراؤن سے ٹکا ہوا تھا۔ وقت نے اسے بوڑھا اور کمزور کردیا تھا۔ خوبصورتی کملا گئی تھی اور ایک ویرانی سی تھی جو آنکھوں میں ٹھہری تھی۔

شمس سامنے کھڑا الماری میں نہ جانے کیا تلاش کررہا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر آدمی تھا جس کی آنکھیں چھوٹی اور شاطر تھیں۔ سرمئی بال سرے سے اڑے اڑے سے تھے اور پیشانی کی شکنیں اسے مزید ناپسندیدہ بنارہے تھے۔ تلاش روک کے وہ پلٹا اور ایک طنزیہ نگاہ رابیل پہ ڈالی۔

"کب تک روؤ گی اپنے سابقہ شوہر کے لیے؟"

رابیل نے آنکھیں بند کیں۔ ایک آنسو اس کی آنکھ سے نکلا اور تھوڑی سے نیچے بہتا گیا۔

"وہ ایک مہربان آدمی تھا' شمس۔ میں نے اس کو بہت دکھ دیے ہیں۔"

شمس نے زور سے مٹھی بھینچ لی۔ جیسے بہت ضبط سے خود کو روکا۔

"وہ ایک خودغرض آدمی تھا۔ پلانر تھا۔ اس نے بیربل کو تم سے ملنے کی سزا دی اور اسے جائیداد سے بے دخل کر دیا۔ اور اپنے ڈرگ ایڈیکٹ بیٹے کو ہر شے کا نگران بنا دیا۔"

"ماہر ڈرگز نہیں کرتا۔ وہ صرف سگار پیتا ہے۔" وہ جواباً دبا دبا سا چلائی۔

"ہونہہ... تمہیں کیا معلوم۔ تم سے تو وہ ملتا بھی نہیں ہے۔" الماری کا پٹ زوردار آواز سے بند کیا اور غصے سے بڑبڑاتا باہر نکل گیا۔ رابیل نم آنکھوں سے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ شمس کا یہ انداز اس وقت سے تھا جب سے اس کے وکیل نے اسے کال کی تھی۔

شمس گھر سے باہر نکل آیا اور کھلی فضا میں گہرے سانس لے کر خود کو پرسکون کرنا چاہا۔ پھر موبائل پہ ایک نمبر ملاتے ہوئے وہ سڑک کنارے چلنے لگا۔

"سرکار؟" سلسلہ ملتے ہی وہ بے بسی سے بولا جیسے کوئی بچہ فیل ہونے پہ استاد کے پاس پریشانی سے آتا ہے۔

"کیسے ہو شمس میاں؟" ایک معنی خیز طنز میں ڈوبی آواز سنائی دی۔ شمس نے بے بسی سے سڑک کنارے بنے گھروں کی قطار کو دیکھا۔

"خوش نہیں ہوں۔"

"اب بھی خوش نہیں ہو؟" سرکار کی آواز میں تعجب تھا۔ "تمہارے لیے اتنا لمبا چلا کاٹا میں نے۔ آسان نہیں ہوتا ہنڈیا کا جادو کرنا۔ لیکن سرکار نے کر دکھایا نا۔ تمہارے رقیب کے خون میں جادو ایسا بٹھایا کہ اس امیر بڈھے کا سارا پیسہ اور بڑے بڑے ڈاکٹرز اس کو بچا نہیں سکے۔ لیکن تم اب بھی خوش نہیں ہو؟"

"کیا فائدہ اس کے مرنے کا اگر میں کمپنی میں شراکت دار نہیں بن سکتا۔" وہ بے چینی سے بولا۔ "بڈھا اتنی قانونی پیچیدگیاں چھوڑ گیا ہے کہ اس کا بیٹا اور بھائی مجھے کمپنی کے دروازے سے بھی داخل نہیں ہونے دیں گے۔" بے بسی اب غصے میں بدلنے لگی۔

"ہر کام جادو سے نہیں ہوتا شمس میاں۔ کچھ اپنا بھی ذہن استعمال کرو۔ اس کے بیٹے کو رام کرو۔ اپنا راستہ صاف کرو۔" سرکار کی آواز پرسکون تھی۔

"دیکھو... میں تمہیں تمہاری منہ مانگی قیمت دوں گا۔" شمس کی آواز دھیمی ہوئی۔ "تم کسی طرح ماہر کا دل میری طرف سے صاف کر دو۔ ایک دفعہ وہ مجھے کمپنی میں داخل ہونے دے، آگے میں سب سنبھال لوں گا۔"

سرکار نے گہری سانس لی۔ "ہم بندے کو بیمار کر سکتے ہیں اور مار بھی سکتے ہیں۔ لیکن کسی کے دل سے برسوں پرانی نفرت نہیں نکال سکتے۔ اب تم خود ہاتھ پیر مارو شمس میاں۔ کیا ساری عمر ہم نے تمہارے کام کر کے دینے ہیں؟"

"سرکار پلیز.... میری برسوں کی محنت رائیگاں جائے گی۔"

دوسری جانب چند لمحوں کے لیے خاموشی چھائی رہی۔ پھر سرکار کی پرسوچ آواز گونجی۔

"تمہاری بیٹی کیسی ہے؟"

شمس جہاں تھا' وہیں سن رہ گیا۔ بالکل ساکت۔ چہرہ سفید پڑا۔

"میری بیٹی کا کیا ذکر؟"

"صرف حال پوچھا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ اس سے ملواؤ۔ پریشان کیوں ہو گئے ہو؟"

سرکار کی آواز میں کچھ معنی خیز تھا۔ ایسے راز جن سے جادو کرنے اور کروانے والے واقف ہوتے ہیں۔ شمس نے بدقت تھوک نگلا۔

"میری بیٹی کے بارے میں بات نہ کیا کرو' سرکار۔ وہ معصوم ہے۔ میری سیاہ کاریوں سے اس کا تعلق نہیں ہے۔"

"اچھا اچھا برا نہ مانو۔ ہم کچھ کرتے ہیں۔" سرکار نے ہنس کے فون رکھ دیا۔

شمس نے فون نیچے کیا اور پریشانی سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ سڑک پہ تنہا تھا۔ قریبی گھر خاموش تھے۔ کسی نے اسے یہ کال کرتے نہیں دیکھا تھا۔ لیکن یہ بے چینی ختم نہیں ہوتی تھی۔

یہ ایک ایسی دلدل تھی جس میں پھنس کے نکلنا ناممکن تھا۔ عاملوں کی چوکھٹ پہ ایک دفعہ جو چلا جائے' وہ واپس نہیں جا سکتا تھا۔ ایک عمل کے بعد دوسرا عمل۔ ایک مشکل کے بعد دوسری۔

دوسری جانب اپنے کمرے میں موجود سرکار نے مسکرا کے موبائل رکھا۔ سرکار کا کمرہ وہی تھا جسے تم حال میں سرکار کو عمل کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔ اسی طرح سامان وہاں بکھرا تھا۔ البتہ سرکار کا چہرہ قدرے جوان تھا۔ جھریاں کم تھیں اور اس کے بال سیاہ سفید کھچڑی جیسے تھے۔ سر پہ نارنجی رومال باندھے اس نے پیروں کی آلتی پالتی کر رکھی تھی۔ اس کے سامنے چند کاغذ اور زائچے رکھے تھے۔

"کب تک چھپاؤ گے مجھ سے اپنی بیٹی کو' شمس؟" اس نے مسکرا کے کہا اور ایک کاغذ اٹھا لیا۔ اس کے تعویذ لکھنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آج لندن میں قاسم فرید کی رہائش گاہ پہ ان کی یاد میں ایک ڈنر منعقد کیا گیا تھا جس میں عزیز و اقارب سیاہ لباس پہنے شرکت کرنے آرہے تھے۔ لیکن یہ سوگ صرف اس ایک گھر کا سوگ تھا۔

ان سے کئی ہزار میل دور' لاہور کے ایک مبین منزل نامی گھر میں ماحول مختلف تھا۔

وہاں شادی کے فنکشن پہ جانے سے پہلے والی افراتفری مچی تھی۔

لاؤنج کے تخت پہ حورِ جہاں بیگم بیٹھی تھیں۔ وہ حال کے مقابلے میں قدرے کم فربہ تھیں اور چہرہ زیادہ تروتازہ تھا۔ کامدار کاسنی لباس پہنے' بالوں کی چوٹی بناتی' ساتھ ساتھ اونچی آواز میں ملازمہ کو ہدایات دے رہی تھیں۔

''صغریٰ... ہمیں شادی پہ دیر ہو جائے گی۔ کریلے فرائی کر کے رکھے ہیں۔ انہیں فریج میں رکھ دینا۔ اور پودوں کو پانی لازمی دینا۔''

''اُف ماں... آپ کی تقریر ختم ہو تو میں لائنر لگا لوں آپ کو؟ آنکھیں بند کریں۔'' ان کے سامنے کھڑی ماہی ڈپٹ کے بولی۔ ایک ہاتھ کمر پہ رکھے' دوسرے میں آئی لائنر پکڑے' وہ جھنجھلائی ہوئی لگ رہی تھی۔ وہ انیس بیس سال کی ایک پیاری سی لڑکی تھی۔ باب کٹ بال' گردن میں بھاری چوکر' کانوں میں جھمکے۔ کامدار لباس۔ اور کلائیوں میں سونے کے بھاری کنگن اور چوڑیاں۔ پہلی نظر میں معلوم ہو جاتا تھا کہ اس کی شادی کو کچھ عرصہ ہی گزرا ہے۔

''اچھا اچھا۔'' ماں نے آنکھیں بند کیں۔ وہ جیسے ہی ان پہ جھکی' اور لائنر کی لکیر کھینچنا شروع کی' ماں نے پٹ سے آنکھیں کھول لیں۔

''اوہو صغریٰ... چولہا بند کرو۔ چائے ابل گئی ہو گی۔''

ماہی کا ہاتھ پھسلا اور لائنر ان کی آنکھ کے کنارے پہ لگ گیا۔

اُف۔ وہ دانت پیستی ہوئی سیدھی ہوئی۔

''میں نہیں لگا رہی۔ آپ تقریر کر لیں پہلے۔'' کھٹاک سے لائنر کی کیپ چڑھائی اور سامنے صوفے پہ بیٹھ کے خفگی سے سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔

''اچھا اچھا میری بیٹی۔ اب نہیں بولتی۔ واپس آؤ۔'' انہوں نے پیار سے پکارا لیکن ماہی نے ہونہہ کہہ کے رخ موڑ لیا۔ اس کی ماں سے دن میں تین چار لڑائیاں ہنستے کھیلتے ہی ہو جاتی تھیں۔

''اچھا مالا کو دیکھ آؤ.. کیا وہ آئے گی؟'' ماں کو اس کی ناراضی کی پرواہ ہی نہیں تھی۔ ماہی نے خفگی سے انہیں گھورا اور نہ چاہتے ہوئے اٹھی۔ مالا اپنے کمرے میں تھی اور وہ اب اس سے کوئی تیسری دفعہ پوچھنے جا رہی تھی کہ کیا وہ شادی میں شرکت کرے گی۔ یا ہمیشہ کی طرح انکار کر دے گی۔

مالا اپنے کمرے میں ہی تھی۔ بیڈ پہ بہت سے کاغذ پھیلائے' لیپ ٹاپ دو تکیوں کے اوپر رکھے' وہ سوچ سوچ کے کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ وہ بائیس تئیس برس کی خوبصورت لڑکی تھی۔ بال چھوٹے تھے اور بدقت کندھوں کو چھوتے تھے۔ آنکھیں حورِ جہاں جیسی سبز تھیں اور ہاں... اس کے دونوں رخساروں پہ بہت سے گلابی دانے نکلے تھے۔ اسے شدید ایکنی ہو رہی تھی۔

ماہی نے دھاڑ سے دروازہ کھولا تو وہ چونکی۔ چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

''مالا تم ہمارے ساتھ چل رہی ہو یا نہیں؟''

''میں نے کیا کرنا ہے شادی میں جا کے۔ تم لوگ جاؤ۔ مزے کرو۔'' وہ اپنے ازلی ٹھنڈے انداز میں بولی اور اسکرین کی طرف متوجہ ہوگئی۔ ماہی کے ابرو سوچنے والے انداز میں اکٹھے ہوئے۔ وہ اس کے بیڈ کے قریب آئی اور کندھے کے اوپر سے لیپ ٹاپ اسکرین کو دیکھا۔

''تم کیا کر رہی ہو؟''

''وہ میرا کلاس فیلو ہے نا ظہیر... اس نے مجھے اپنا بزنس پلان بھیجا ہے۔''

''مگر تم نے تو اس کے ساتھ کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔''

''ہاں بابا... میں نہیں کر رہی اس کے ساتھ کام۔ میں صرف اس کا پلان دیکھ کے سوچ رہی ہوں کہ اگر میں اس کھنڈر عمارت کی مالک ہوتی' جسے وہ ریستوران میں تبدیل کرنا چاہتا ہے' تو میں کیا کرتی۔'' وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے پین تھوڑی پہ رکھے کہہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایکسائٹمنٹ بھری چمک تھی۔ ماہی ہلکی سی مسکرائی۔

''میں بتاتی ہوں۔ کیا کرو۔ اس عمارت کو نئے سرے سے رینوویٹ کرو۔ ڈیکور کرو۔ اور اس کا نقشہ ہی بدل دو۔ میں جس دن عباد کے ساتھ کینیڈا شفٹ ہوئی نا' میں نے اس کے بوسیدہ اپارٹمنٹ کو تبدیل کر دینا ہے۔''

ماہی اور ماہی کے اپنا گھر سجانے کے خواب۔

''میری بہن صرف رینوویشن کرنے سے ریستوران کامیاب نہیں ہو جاتے۔ ہر تبدیلی کی کوئی کہانی ہوتی ہے۔''

''اور اگر نہ ہوئی؟''

''تو کہانی بنانی پڑتی ہے۔ اچھا بزنس مین وہ ہوتا ہے جو اس کہانی کو بیچنے کا فن جانتا ہو۔'' پھر اسکرین کو دیکھا۔ ''ایک آئیڈیا ہے میرے ذہن میں... لیکن...''

"لیکن تم اس ظہیر کو فری میں آئیڈیا نہیں دو گی۔ مجھے ناوہ بڑا دو نمبر لگتا ہے ویسے۔"

مالا نے مسکرا کے اسے دیکھا اور افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔"تم جا کے شادی کا زردہ کھاؤ۔ جاؤ۔"

ماہی نے ہونہہ کہہ کے بال جھٹکے اور باہر نکل آئی۔

"آپ کی شہزادی کو کوئی نیا بزنس آئیڈیا سوجھا ہوا ہے، وہ نہیں آرہی۔" ماں کے سامنے آ کے اس نے لائنر اٹھایا اور پھر وارننگ دی۔

"اگر اب آپ نے آنکھیں کھولیں تو اللہ کی قسم چہرے پہ ایسے نقش و نگار بناؤں گی کہ کبیرہ تائی کا دل خوش ہو جائے گا۔"

ماں نے جھک کے اپنی چپل اتاری تو اس نے جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑا۔

"اچھا اچھا... لگا رہی ہوں۔"

بدقت لائنر والا مرحلہ مکمل ہوا۔ ماں نے فوراً سے آنکھیں کھول لیں اور اسے اپنے سر سے ٹلنے کا اشارہ کیا۔ پھر پرس سے اپنی اکلوتی لپ اسٹک نکالی اور چھوٹے آئینے کو ہاتھ میں پکڑے لپ اسٹک لگانے لگیں۔ حورِ جہاں بیگم کا میک اپ بس اتنا ہی ہوتا تھا۔

"ویسے میں اگلے ہفتے امریکہ جا رہی ہوں۔ پیچھے آپ کا مالا کے ساتھ گزارا کیسے ہوگا؟ وہ سارا دن کتابوں میں سر دیے کمرے میں بیٹھی رہے گی۔ آپ تو بور ہو جائیں گی۔" وہ واقعی فکر مند تھی۔

ماں نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"تیری ماں کو فرق نہیں پڑتا۔ شاباش میرے کانٹے لا۔"

"رکھے تو ہیں سامنے۔"

"یہ پرپل والے؟"

"اُف ماں۔ یہ پرپل نہیں ہے۔ لائی لیک (کاسنی) ہے۔ آپ مجھے آج بتا ہی دیں۔ آپ کلر بلائنڈ تو نہیں ہیں۔" ماہی نے ماتھے کو چھوا۔ ماں نے ساتھ رکھا پرس زور سے اس کی طرف دے مارا۔ اس نے بروقت سر پیچھے کر لیا اور ہنستے ہوئے بولی۔

"سوچ رہی ہوں امریکہ سے آپ کے لیے نظر تیز کرنے کی دوا لاؤں۔"

سیڑھیوں سے نیچے آتے معید نے اس کا آخری فقرہ سن لیا تھا۔

''بس ماہی کو آج کل بہانہ چاہیے بار بار ہمیں یاد کروانے کا کہ وہ امریکہ جا رہی ہے۔ پینڈو چلے ہیں نیویارک۔''

اور اس بات پہ ماہ بینہ مبین کے سر پہ لگی' تلووں پہ بجھی۔

''اپنے سسرال میں ایک شادی اٹینڈ کرنے جا رہی ہوں۔ پہلی بہو ہوں خاندان کی۔ سب میرے آگے پیچھے ہوں گے۔''

''ہاں... جوتے لے کر۔''

وہ ہنسا تو ماہی نے غصے سے اسے دیکھا۔

''تم جیسوں کو میں نے امریکہ جا کے شاپنگ کے وقت بالکل یاد نہیں رکھنا۔''

''اوقات تو تمہاری ون ڈالر اسٹور والی ہے۔ وہیں سے دو ڈالرز کے شیمپو اٹھالاؤ گی ہمارے سارے امریکی رشتے داروں کی طرح۔'' وہ اسے چڑانے سے باز نہیں آیا تھا۔ ''اور تم کوئی ساری عمر کے لیے نہیں جا رہی۔ دو ماہ کے لیے جا رہی ہو۔ واپس تمہیں ہمارے پاس ہی آنا ہے۔''

پھر اس نے غور سے ماں بہن کی تیاری دیکھی۔

''آپ دونوں دلہنیں بن کے کہاں جا رہی ہیں؟''

''بخت بی کی بیٹی کی شادی میں۔''

''چلو جی... غریب لوگوں کی شادی ہے' اتنا ڈریس اپ کیوں ہو رہی ہیں جیسے ....''

لیکن حورِ جہاں اور ان کی بیٹی نے معید کو فقرہ مکمل نہیں کرنے دیا۔ دونوں کے چہرے سرخ ہوئے اور آستینیں چڑھا لی گئیں۔

''کوئی امیر غریب نہیں ہوتا۔ خوشی سب کی برابر ہوتی ہے۔''

''دل سے شرکت کرنی چاہیے۔ آئندہ یہ بات نہ کہنا۔''

دونوں ایک ساتھ اس پہ حملہ آور ہوئی تھیں۔ معید نے جلدی سے ہاتھ کھڑے کر دیے۔

''اوہو... میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ جائیں جائیں فیشن شو میں۔ مجھے کیا۔''

دونوں ماں بیٹی نے ہونہہ کہہ کے اسے گھورا اور واپس اپنی تیاریوں میں مگن ہو گئیں۔ جیسے ابھی کسر رہ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد باہر سے آتی آوازیں بند ہو گئیں۔ ماہی اور ماں جا چکی تھیں۔ مالا نے لیپ ٹاپ رکھا اور گردن

دائیں بائیں اسٹریچ کی۔ جیسے تھک گئی ہو۔ پھر بستر سے اتری اور سلیپرز پیروں میں گھسیڑے۔ وہ سادہ لمبے کرتے اور جینز میں ملبوس تھی۔ گردن میں کسی دوسرے سوٹ کا دوپٹہ مفلر کی طرح ڈالا ہوا تھا۔ چہرہ میک اپ سے خالی تھا اور بال شاید صبح کے بعد برش نہیں کیے تھے۔ پونی اٹھاتے ہوئے وہ باہر نکلی اور چھوٹے بال دوسرے ہاتھ میں اکٹھے کیے۔ پھر پونی ان پہ کس کے لپیٹتے ہوئے کچن میں آئی۔

سنک کے اوپر بنی کھڑکی سے باہر پودوں کی کٹنگ کرتی صغریٰ دکھائی دے رہی تھی۔ وہ وہیں کاؤنٹر کے ساتھ اونچے اسٹول پہ بیٹھ گئی۔ تھوڑی مٹھی پہ جمائی اور باہر نظر آتے لہلاتے پودوں کو دیکھنے لگی۔

ماں نے بھی کیا کیا شوق پال رکھے تھے۔ سارے گھر کو پودوں سے بھر رکھا تھا۔ نہ جانے انہیں کیا ملتا تھا ان کا اتنا خیال رکھ کے۔ مالا کو تو ان سب میں فرق کرنا بھی نہیں آتا تھا۔

سبزے کو دیکھتے ہوئے اس نے لمحے بھر کے لیے آنکھیں بند کیں۔ جیسے ہی بصارت اندھیر ہوئی' ذہن کے پردے پہ بہت سے واقعات ابھرنے لگے۔

ابھی کچھ دن پہلے کی ہی بات ہے۔ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہوئے اس کے کلاس فیلوز کا گروپ لنچ پہ اکٹھا تھا۔ سب کھانا ڈالنے کے لیے اٹھ اٹھ کے بفے ٹیبل کی طرف جا رہے تھے۔ وہ بھی جانے کے لیے کھڑی ہوئی لیکن ظہیر نے اسے روکا۔

"مالا... تم سے ایک بات کرنی ہے۔"

ظہیر اس زمانے میں کافی دبلا پتلا ہوا کرتا تھا۔ امیر باپ کا بیٹا تھا اور سب کو معلوم تھا کہ اس کا مستقبل روشن ہے۔ اسے دوسرے انٹرپرونیئرز کی طرح Scratch سے شروع نہیں کرنا پڑے گا۔ وہ واپس اسلام آباد جائے گا اور اپنے باپ کا پھیلا ہوا کاروبار سنبھالے گا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے تعجب سے ظہیر کو دیکھا۔ ریستوران کی زرد روشنیوں میں اس کا ایکنی زدہ چہرہ گلابی لگ رہا تھا۔ وہ چھوٹے بالوں کو ہاف کیچر میں باندھے ہوئے تھی۔ اور سادہ سبز آنکھیں سوالیہ انداز میں ظہیر پہ جمی تھیں۔ جینز کے اوپر لمبا کرتا' گردن میں لپٹا رنگ برنگا اسکارف' پیروں میں پہنے فلیٹ جوتے... میک اپ یا جیولیری کا نام ونشان تک نہ تھا۔

"میرے ابو نے اسلام آباد میں ایک پرانا ریستوران خریدا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں اس کو رینوویٹ کر کے چالو کروں۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم اس پہ میرے ساتھ پارٹنر شپ کر لو۔"

''میں؟'' مالا نے اچھنبے سے سینے پہ انگلی رکھی۔ ''مگر مجھے تو ریستوران مینیجمنٹ کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔''

''تم ذہین ہو۔ پھر تمہیں ہمیشہ نئے آئیڈیاز آتے ہیں۔ اتنے سال سے گروپ پراجیکٹس میں دیکھ رہا ہوں۔'' وہ دبی آواز میں کہہ رہا تھا۔ ساتھ ہی احتیاط سے ادھر ادھر بھی دیکھ لیتا۔ دوسرے کلاس فیلوز دور لفٹ ٹیبل کے گرد کھڑے تھے۔ یقیناً ظہیر ابھی اپنے ارادے کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''ابو جس طرح کا ریستوران بنانا چاہتے ہیں' ایسے ریستوران اسلام آباد میں بہت ہیں۔ مجھے کچھ مختلف کرنا ہے۔ تم میرا ساتھ دو تو...''

''لیکن میں لاہور سے کیسے کام کروں گی۔''

''اسلام آباد شفٹ ہو جاؤ۔''

''نہیں ظہیر۔'' اس نے نرمی سے معذرت کی۔ ''میری ماں یہاں ہیں۔ پھر ماہی کی بھی شادی ہو چکی ہے۔ میں گھر نہیں چھوڑ سکتی...'' وہ رکی۔ کیا اسے ظہیر کو دوسری وجہ بتا دینی چاہیے۔ شاید ابھی نہیں۔

''تم مجھے اس پلان سے باہر ہی سمجھو۔'' اس کا جواب حتمی تھا۔ ظہیر کو حیرت بھی ہوئی اور مایوسی بھی۔

''سوچ کے جواب دینا یار۔ تمہارا کیریئر بن جائے گا۔''

اس نے مسکرا کے سر دائیں بائیں ہلایا۔

''میرا جواب یہی رہے گا۔ میں لاہور نہیں چھوڑ سکتی۔''

وہ منظر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ مالا نے آنکھیں کھولیں۔ کھڑکی کے اس پار دکھائی دیتے پودوں کے پتے ہوا سے جھوم رہے تھے۔ وہ مسکرا دی۔ لیکن یہ مسکراہٹ کہاں سے آئی تھی؟

اس نے پھر سے آنکھیں بند کیں۔ اور اس اصل وجہ کو یاد کیا جو وہ اس دن ظہیر کو نہیں بتا سکی تھی۔

بند آنکھوں کے پیچھے ایک منظر بننے لگا۔

ماہی اور مالا بستر پہ ساتھ ساتھ پیر اوپر کیے بیٹھی تھیں اور ماں ان کے سامنے تھیں۔ ایک ٹانگ موڑے۔ ایک کو لمبی کیے۔ دوپٹہ سر پہ جما کے کانوں کے پیچھے اڑسے۔ درمیان میں مونگ پھلی کی ٹرے رکھی تھی۔ ماں مونگ پھلی کو انگوٹھے اور انگلی سے توڑتیں' اندر سے دانہ نکالتیں' ایک خود منہ میں ڈالتیں اور دوسرا بیٹیوں کو پکڑاتیں۔ حالانکہ وہ اپنی اپنی مونگ پھلی خود بھی نکال رہی تھیں۔ ماہی تو دانتوں سے توڑتی جاتی تھی۔ مالا کی رفتار البتہ سست تھی۔ وہ غور سے ماں کی بات سن رہی تھی۔

"میں نے ثمرین آپا سے سوچنے کے لیے وقت مانگا ہے۔" سر جھکا کے مونگ پھلی کو چھلکے سے علیحدہ کرتے ہوئے ماں کے چہرے پہ مطمئن سی مسکراہٹ تھی۔ "اب تم بتاؤ' مالا۔ سہیل کا اپنا بزنس ہے۔ خوش شکل ہے۔ شریف اور خاندانی بھی ہے۔"

"سب سے بڑی بات ٹریول بہت کرتا ہے۔ کبھی اس ملک جا رہا ہے اور کبھی اس ملک۔" ماہی نے چہک کے لقمہ دیا۔ سفر کرنے کی شوقین ماہی جو پہلے ہی امریکہ جانے پہ پھولے نہیں سما رہی تھی' اس کی خوشی دوگنی ہو گئی تھی۔ مالا نے اسے کہنی ماری۔

"تم چپ کرو۔" اسے ٹوک کے سنجیدگی سے ماں کو دیکھا۔ "آپ نے ثمرین آنٹی کو بتایا ہے نا کہ میں شادی کے بعد بھی فری لانس آرٹسٹ کے طور پہ کام کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں بیٹے۔ ان کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ثمرین چاہتی ہے کہ سہیل کو ہمارے گھر لے آئے تاکہ ہم سب اس سے اور وہ ہم سے مل لے۔ میں نے تو اسے اس کے بچپن میں ہی آخری دفعہ دیکھا تھا۔"

"مگر میں نے اسے انسٹاگرام پہ اچھا خاصا اسٹاک کر لیا ہے۔" ماہی نے مسکرا کے پلکیں جھپکائیں تو مالا بے اختیار ہنس دی۔ ماں نے بھی آہ بھر کے اسے دیکھا۔

"تم نہیں سدھرو گی۔"

"سچی بات ہے' میں تو بہت امپریسڈ ہوئی ہوں۔ اتنا امیر' اوپر سے ہینڈسم' اور پھر ملک ملک پھرنے والا بندہ مل رہا ہے۔ اور مالا کو بھی دنیا گھومنے کا شوق ہے۔ بس میری طرح وہ اس کا اعلان نہیں کرتی' ہاں۔"

ماں نے مونگ پھلی توڑ کے بڑھائی اور ماہی نے اس سے پہلے ہی اُچک لی۔ وہ ایک دفعہ پھر ہنس دی۔ اس کا جواب اس کی ہنسی میں چھپا تھا۔

"اگر آپ کو ٹھیک لگتا ہے تو آپ ان کو بلا لیں۔ ثمرین آنٹی کے بیٹے کی تصویر تو میں نے دیکھ رکھی ہے۔ اچھا ہے ملاقات بھی ہو جائے۔" وہ بظاہر سنجیدگی سے کہہ رہی تھی لیکن چہرے پہ خوشی کی ایک انوکھی رمق تھی۔

ماں اس کو دعا دے کر اٹھ گئیں۔ کپڑے جھاڑے۔ پھر افسوس سے فرش پہ گرے چھلکوں کو دیکھا جو یقیناً ماہی کے ہاتھوں سے پھسل رہے تھے۔

"امریکہ جا کے یہ حرکتیں نہ کرنا۔ ناک کٹواؤ گی میرا۔"

اسی لمحے معید نے چوکھٹ سے اندر جھانکا۔

''اس عمر میں رائینو پلاسٹی (ناک کی سرجری) کروا کے آپ کیا کریں گی' حورِ جہاں بیگم؟''

بہت ہی افسوس سے پوچھا۔ ماں نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔

''آمیرا بیٹا... ذرا اندر آ... میں تیری ڈاکٹری نکالتی ہوں۔''

''ڈاکٹری سے یاد آیا.... معید تم ڈرما (امراض جلد) میں اسپیشلائزیشن کیوں نہیں کر لیتے؟ میری ایکنی کا علاج مفت میں ہو جائے گا۔'' وہ مونگ پھلی توڑتے ہوئے مزے سے بولی تو معید نے ٹھنڈی سانس لی۔

''ہاں سوچ رہا ہوں ڈرما میں چلا جاؤں۔ اس کا مریض نہ مرتا ہے نہ ٹھیک ہوتا ہے۔ پیسہ ہی پیسہ ہوگا۔''

ماں کو جوتے یا ہینگر کی تلاش میں آگے پیچھے مڑتے دیکھ کے وہ وہاں سے کھسک گیا۔ وہ اس کے پیچھے چلی گئیں۔ جیسے ہی دروازہ بند ہوا ماہی جھٹ سے اس کی طرف پلٹی۔ بہت سی مونگ پھلی اچھل کے لحاف پہ گری۔

''اف مالا.... وہ اتنا شاندار بندہ ہے۔ میں تو ابھی سے تمہاری شادی کے لیے ایکسائیٹڈ ہو گئی ہوں۔''

وہ جواباً دھیرے سے ہنس دی۔

''تھوڑی سی ایکسائٹڈ تو میں بھی ہوں۔''

''ہے نا۔ دیکھو کتنا اچھا ہو گیا۔ ادھر تم نے پڑھائی مکمل کی' ادھر اتنا اچھا رشتہ مل گیا۔''

''اور سب سے بڑی بات... وہ ٹریول کا شوقین ہے۔'' وہ دونوں اس بات پہ ایک ساتھ ہنس دیں۔ پھر مالا نے چہرہ موڑا تو سامنے رکھی سنگھار میز کے آئینے میں اپنا عکس نظر آیا۔

''بس اب میں اس ایکنی کا باقاعدہ علاج کرواؤں گی۔'' گردن دائیں بائیں گھما کے اپنے گال دیکھے۔ معید درست کہتا تھا۔ ڈرما کے مریض کے چکر ہر ماہ لگتے ہیں۔ اور ماں ہر ماہ ایک بڑی رقم اس کے علاج کے لیے نہیں نکال سکتی تھیں۔ شاید نکال بھی لیتیں اگر وہ اصرار کرتی۔ مگر وہ ماں پہ کبھی بوجھ نہیں ڈالتی تھی۔ البتہ اب شادی ہونی تھی تو یہ کروانا لازم تھا۔ جہیز کے دوسرے خرچوں میں ان کا خرچ بھی نکل آئے گا۔

اس نے آنکھیں کھولیں۔ وہ ابھی تک کچن کاؤنٹر پہ بیٹھی تھی اور سامنے کھڑکی کے اس پار ملازمہ پودوں کو پانی دیتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ مسکرا دی۔

دوسری بہت سی لڑکیوں کی طرح کشمالہ نے بھی اپنے بہت سے خواب اور نا تمام حسرتیں شادی کے لیے بچا کے رکھی ہوئی تھیں۔ شادی ہو گی تو میں یہ کروں گی۔ کیونکہ شادی خوشی کا دوسرا نام تھا۔ اور وہ واقعی خوش تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک کچا پکا سا مکان تھا جس کے کمرے ایک قطار میں بنے تھے۔ صحن میں قناتیں لگی تھیں۔ ایک کونے میں تختے رکھ کے اسٹیج بنایا گیا تھا جس پہ بھڑکیلے نارنجی اور سرخ لباس والی دلہن' پیلے سونے کا زیور پہنے بیٹھی تھی۔ دوسرے کونے میں ایک موڑھے پہ بیٹھی دبنگ سی عورت دیگ پہ جھکی' چھوٹی پلیٹ سے چاول نکال نکال کے ڈشز میں ڈال رہی تھی۔ اس کی شلوار پہ گھٹنے کے قریب دیگ کی کالک لگ چکی تھی لیکن وہ اس سے بے نیاز تھی۔ بس کھانا پورا ہو جائے۔ جیسے ہی وہ ایک ڈش بھرتی' ساتھ کھڑی کوئی لڑکی اسے اچکتی اور بھاگ کے مہمانوں کے سامنے جا کے رکھ آتی۔

یہ ایک سادہ سی شادی کا منظر تھا۔

صحن میں چارپائیاں بھی تھی اور ٹینٹ سروس کی سرخ کرسیاں بھی۔ شادی میں شریک قریباً سب ہی عورتیں ایک جیسی تھیں۔ چم چم کرتا لباس۔ گہری لپ اسٹک اور لائنر۔ پیلا زیور۔ سوائے حورِ جہاں اور ماہی کے۔ وہی دونوں اپنے کامدار لباس اور اسٹائل کی وجہ سے ان سب سے ممتاز تھیں۔

حورِ جہاں بیگم ایک چارپائی پہ بیٹھی تھیں۔ ایک ٹانگ موڑے' ایک سیدھی لمبی کیے۔ بخت بی نے بہت کہا کہ وہ ان کے لیے ہمسائیوں کی بہو کے جہیز کا صوفہ منگوا دیتی ہے لیکن حورِ جہاں نے سختی سے منع کر دیا۔

''بس کرو بختو۔ ساری عمر چارسدہ میں چارپائیوں پہ بیٹھے ہیں ہم۔ اس میں کیا ہے۔'' اور آرام سے اسی پہ تکیے کے سہارے بیٹھ گئیں۔ ماہی بھی ساتھ ہی ٹک گئی۔ یہ بخت بی کی تیسری بیٹی کی شادی تھی اور ماہی نے ان کی ہر شادی میں شرکت کی تھی۔ اس لیے وہ سب کو پہچانتی تھی۔ سب رشتے داران ہی کے گرد جمع تھے۔

''تم بخت بی کی بھانجی ہو نا۔ زلیخا۔'' ماہی ایک ایک کو نام سے پکار کے پوچھ رہی تھی۔ ''اور یہ چھوٹی کوثر کتنی بڑی ہو گئی ہے۔ اوئے... تم اسکول جاتی ہو یا سارا دن گھر میں اپنی ماں کا سر کھاتی ہو؟''

آنکھیں نکال کے اسے گھورا۔ سب نے قہقہہ لگایا۔

''اور تم نے بڑا وزن کم کیا ہوا ہے سکینہ۔ لگتا ہے تمہارے حصے کا کھانا تمہاری ساس کھا جاتی ہیں۔'' ماہی نے شرارتی آنکھوں سے دیگ سے کھانا ڈالتی عورت کی طرف اشارہ کیا تو ساری لڑکیاں کھلکھلا کے ہنس دیں۔ ماں نے اس کو چٹکی کاٹی۔

''بری بات۔ کسی کے وزن کا مذاق نہیں اڑاتے۔''

''اچھا... آپ کے وزن کا اڑا سکتے ہیں؟'' ماہی نے پلکیں جھپکائیں۔ ماں اونہوں کر کے بخت بی کی طرف

متوجہ ہو گئیں۔

"لڑکا کماتا بھی ہے یا ایسے ہی رشتہ کر دیا ہے' بختو؟"

"نہیں نہیں۔ کماتا ہے۔ اپنی موبائلوں کی دکان ہے۔ بس اللہ بیٹیوں کے نصیب اچھے کرے۔"

"اللہ اچھے نصیب ہی بناتا ہے۔ کچھ خود بھی آواز اٹھانی پڑتی ہے۔" ماں سنجیدگی سے بولیں۔

کسی نے ٹینٹ سروس والوں کی پلاسٹک کی پلیٹیں سامنے لا کے رکھیں۔ کوئی برف اور پانی سے بھرا اسٹیل کا جگ لے آیا۔ پھر چھوٹے سلیم نے پلاسٹک کا سفید ڈونگا سامنے لگایا۔ بہت پتلی اور خوب لمبی چوڑی روٹیاں بھی آ گئیں۔ کھانے میں مرغی کا سالن تھا جس میں بہت سا تیل تیر رہا تھا۔ مگر ماہی جانتی تھی کہ پتلی روٹی اور یہ مصالحے دار سالن بہت مزیدار ہوگا۔

"تمہاری بڑی بیٹی نہیں نظر آ رہی۔" ماں نے غور سے اطراف میں دیکھ کے سوال کیا۔ بخت بی نے سر جھکا دیا۔

"اس کے بندے نے نہیں آنے دیا۔"

"کہا بھی تھا اس نکھٹو کو نہ دو رشتہ۔ مگر تم نے میری ایک نہیں سنی۔" ماں سخت برہم ہوئیں۔ "تاباں سے کہو گھر آ جائے۔ بلکہ میرے پاس آ جائے۔ اس کی ماریں نہ کھاتی رہے۔"

"وہ تاباں کو ابھی تک مارتا ہے؟" سالن ڈالتی ماہی کا ہاتھ رک گیا۔ "پچھلی دفعہ جب وہ منا کے اسے گھر لے کر گیا تھا تو نہ مارنے کی قسم اٹھائی تھی۔"

ماں نے گہری سانس بھری۔ "بد زبان بیوی' اور تشدد کرنے والا شوہر.... یہ کبھی نہیں بدلتے۔ ان کو بدلنا پڑتا ہے۔"

ماہی کو بات سمجھنے میں چند منٹ لگے۔

"باجی... تین بچوں کے بعد اسے کیسے چھوڑے؟ غریب عورت کی تو قسمت میں ہی مار کھانا ہے۔"

"بیٹی غریب کی ہو یا امیر کی' جب تک اپنے لیے آواز نہیں اٹھائے گی' ماریں ہی کھائے گی۔"

"نہیں ماں۔ امیر عورت کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ وہ کھڑے کھڑے شوہر کو گھر سے نکال دیتی ہیں۔ امیروں کے ہی مزے ہیں۔" پھر ساتھ بیٹھی لڑکیوں کو دیکھ کے تبصرہ کیا۔ "اسی لیے مجھے امیر لوگ زہر لگتے ہیں۔"

لڑکیاں پھر سے کھلکھلا دیں۔ "آپ خود بھی تو امیر ہو' باجی۔" وہ سب بہت ستائش سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"دانت نہ نکالو۔ تمہارے لیے میں امیر ہوں۔ مجھ سے پوچھو..." اس نے آہ بھری۔ "میرے شوہر نے میرے

لیے امریکہ کا ٹکٹ بھیجا لیکن اکانومی کلاس۔ یعنی... ''الفاظ تلاش کیے۔'' سب سے سستی سیٹ کا ٹکٹ بھیجا۔ تین جہاز بدل کے امریکہ پہنچوں گی پیسے بچانے کے لیے۔ اتنا نہیں ہوا اس سے کہ مہنگی سیٹ کا ٹکٹ بھیج دیتا۔''

اسے وہی قلق کب سے کھائے جا رہا تھا۔ کنجوس عباد۔ اس کا تیسرا مہینہ چل رہا تھا۔ کیا تھا اگر وہ بزنس کلاس کا ٹکٹ بھیج دیتا۔ لیکن نہیں۔ کنجوس نہ ہو تو۔

''باجی سارا جہاز ایک ساتھ ہی امریکہ جانا ہے۔ سیٹ مہنگی ہو یا سستی۔''

کسی نے لقمہ دیا اور سب پھر سے ہنس دیے۔

''مالا باجی نہیں آئیں؟'' سلیم نے منہ بسور کے پوچھا۔

''بیٹے ان کو کچھ کام تھا۔'' ماں نے پیار سے اسے دیکھا۔ وہ اس زمانے میں ایک کم عمر چھوٹا سا لڑکا ہوا کرتا تھا۔

''مالا باجی کبھی نہیں آتیں۔ ان کو ہمیشہ کام ہوتا ہے۔'' سلیم مزید خفا ہوا۔

کھانا کھاتے ہی ماہی چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو شاباش۔ ڈھولک لاؤ۔ کوئی گانا شانا گاؤ۔ میں چلی گئی نا تو مجھے یاد کرو گے تم لوگ۔''

وہ ان لوگوں کی شادیوں میں ہمیشہ ڈھولک منگوا کے ان کے ساتھ ٹپے گایا کرتی تھی۔ پل بھر میں نیچے سرخ قالین پہ سب کی محفل لگ گئی۔ ایک لڑکی ڈھولک لے کر بیٹھ گئی۔ اور ماہی خود بھی اپنے جوتے اتار کے اسی قالین پہ بیٹھ گئی جہاں ابھی بہت سے لوگ جوتوں کے ساتھ چلے تھے۔ گانوں اور ٹپوں کی آوازیں گونجنے لگیں اور وہ ہنستے ہوئے ان کے ساتھ سر سے سر ملانے لگی۔ غریب کے ساتھ غریب بن جانا اس نے اپنی ماں سے سیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاسم فرید کے گھر کا لونگ روم اس شام موم بتیوں اور فانوسوں کی زرد روشنیوں سے روشن تھا۔ باوردی ملازم آگے پیچھے پھرتے سرو کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ سیاہ لباس میں موجود بہت سے مرد اور خواتین باری باری اندر آ رہے تھے۔

وہ دونوں بھائی دروازے پہ کھڑے تھے۔ بیربل گھنگھریالے لمبے بالوں کی پونی بنائے' سر جھکائے افسردہ سا کھڑا تھا۔ آنے والوں کو بس سر کے اثبات سے جواب دیتا۔

اس کے ساتھ کھڑے ماہر کا چہرہ بے تاثر تھا۔ سفید شرٹ کے سیاہ تھری پیس پہنے' فرنٹ پاکٹ میں ننھا سفید گلاب لگائے' بال جیل سے سمیٹے وہ کسی روبوٹ کی طرح کھڑا تھا۔ وہ تعزیت کرنے والوں کو محض سر کے خم سے

جواب دے رہا تھا۔

مالک البتہ جھک کے سب سے مصافحہ کرتا' ان کا شکریہ ادا کرتا اور انہیں ہاتھ کے اشارے سے اندر کی طرف بڑھ جانے کا اشارہ کرتا۔ مہماں دروازے پہ کھڑے گھر کے تین مردوں سے مل کے اندر چلے آرہے تھے جہاں زارینہ ان کا استقبال کرتی۔

وہ سیاہ اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس تھی۔ بال سیاہ جالی دار اسکارف سے ڈھکے تھے۔ اس کی سیاہ اسٹائیلیٹو ہیلز کی ٹھک ٹھک مہمانوں کی سرگوشیوں سے بلند تھی۔ وہ ملازمین کو ہدایات دیتے ہوئے تمام انتظامات سنبھالے ہوئے تھی۔ اس کی دونوں بڑی بہنیں بھی اپنے شوہروں کے ساتھ موجود تھیں۔

ماہر فون پہ کچھ دیکھ رہا تھا جب مالک نے قریب ہو کے سرگوشی کی۔

''ماہر... کوئی تماشہ مت کرنا۔''

ماہر چونکا۔ ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ اور پھر سامنے۔

ایک دم جسم کے سارے اعصاب تن گئے۔ موبائل والا ہاتھ پہلو میں جا گرا۔

سامنے سے وہ تینوں چلے آرہے تھے۔ شمس' رابیل اور رابیل کی انگلی تھامے ایک چھوٹی سی بچی جس نے سر پہ سیاہ ہیٹ ترچھا کر کے رکھا ہوا تھا۔

''ماہر پلیز اپنا غصہ کنٹرول کرنا۔ اپنے باپ کی بے عزتی مت کروانا۔ آج نہیں۔'' مالک نے دبی دبی سی سرگوشی کی۔

وہ بند ہونٹوں سے سانس لیتا' گھورتی نظروں سے ان تینوں کو دیکھتا رہا۔ بچی سر جھکائے ہوئے تھی۔ ہیٹ کے باعث وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ نہ وہ دیکھنا چاہتا تھا۔

اس نے کنکھیوں سے دیکھا... بیربل کا چہرہ کھل اٹھا ہے۔ وہ تیزی سے ان کے قریب گیا۔ رک کے شمس سے ہاتھ ملایا۔ شمس اس سے افسوس کرنے لگا۔ پھر وہ اپنی ماں سے گلے ملا۔ رابیل سیاہ لباس پہنے ہوئے تھی۔ سر پہ سیاہ سلک کا اسکارف تھا۔ کانوں میں ننھے ہیرے تھے۔ بیربل سے گلے ملتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنسو آنکھوں سے ٹپ ٹپ کے گرتے بیربل کے کندھے میں جذب ہونے لگے۔ ماہر فرید کو ان آنسوؤں سے اب فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ بیربل کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ماں سے مل کے اب اس بچی کے قدموں میں جھکا بیٹھا تھا۔ اسے گلے سے لگا کے پیار کر رہا تھا۔

بس۔ وہ اس سے زیادہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بہت سے جذبات ابل کے اندر سے باہر آنے کو بے تاب تھے۔ اس سے پہلے کہ اس کا ہاتھ کسی پہ اٹھ جائے' وہ تیزی سے پلٹا۔ اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ بہت سی گردنیں اس کی طرف مڑیں۔ کسی نے آواز بھی دی۔ لیکن وہ زینے پھلانگتا اوپر چلا آیا۔

اوپر خاموشی تھی۔ بالائی منزل کا لونگ روم ماہر کے زیرِ استعمال رہتا تھا۔ کھڑکی کے سامنے دو سیاہ ونگ چیئرز ایسے رکھی تھیں کہ ان کا رخ باہر کی جانب تھا۔ وہ ان کے درمیان میں آ کھڑا ہوا اور کھڑکی کے پٹ کھول دیے۔

ٹھنڈی ہوا تیزی سے اندر آئی۔ اس نے چند گہرے سانس لیے اور پھر ونگ چیئر پہ بیٹھتے ہوئے جیب سے وائیڈ چرچل کا پیک نکالا۔ اس کی انگلیاں کپکپا رہی تھیں۔ سگار لبوں میں دبا کے ذرا نم کیا۔ پھر لائٹر جلایا۔

دفعتاً ہیل کی ٹک ٹک سنائی دی۔ اس نے مڑ کے نہیں دیکھا۔ وہ سگار لبوں میں دبائے' گھماتے ہوئے اسے شعلہ دکھا رہا تھا۔

زارینہ آہستہ سے ساتھ والی ونگ چیئر پہ آ بیٹھی۔

''آج ان کو برداشت کرلو۔ پلیز۔''

ماہر نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ جالی دار اسکارف کے ہالے میں اس کا نیوڈ میک اپ زدہ چہرہ فکرمند لگ رہا تھا۔ اس کی پلکیں آج کے مقابلے میں کافی کم اور ہونٹ بہت پتلے تھے۔

''صرف تم مجھے سمجھتی تھیں' زارا۔ اب تم بھی ایسے کہو گی۔'' اسے جیسے دکھ ہوا۔

''ہاں بالکل۔ میں تمہیں سمجھتی ہوں۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''تم اپنی جگہ بالکل درست ہو۔''

''ان کی جراءت دیکھو۔ میرے باپ کے گھر میں اس آدمی اور اس کی بیٹی کو لے کر آ گئی ہیں۔'' اس نے پیچھے ٹیک لگائی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ سگار کا کش بھرا۔ بہت سا دھواں لبوں سے باہر نکلا۔ اس کی مہک سگریٹ کے دھوئیں سے مختلف تھی۔ میٹھی اور فلیورڈ سی۔

''وہ بے شرم ہیں۔ اور کچھ نہیں۔ لیکن ساری سوسائٹی مدعو ہے' ماہر۔ بس تم آج کے دن ہلال کو برداشت کرلو۔''

''میں اس ہلال کو دیکھ نہیں سکتا اور تم کہتی ہو برداشت کرو۔'' وہ غصے سے اونچی آواز میں بولا۔

''Are you talking about me?''

سگار انگلیوں میں رہ گیا۔ دونوں نے چونک کے گردنیں موڑیں۔

وہ چوکھٹ میں کھڑی تھی۔ ماہر نے بس ایک نظر دیکھا۔ جیسے سیاہ فراک میں کوئی ہیولہ سا ہو۔ اور اس سے پہلے کہ

اس کی نگاہ ٹھہرتی' اس نے نگاہ ہی موڑ لی۔

''نکالو اس کو یہاں سے۔'' کوفت سے دبی آواز میں زارا کو مخاطب کیا۔

''ہلال.... بچے... ماہر اَپ سیٹ ہے۔ ہم نیچے چلتے ہیں۔'' زارینہ زبردستی کی خوش اخلاقی سے کہتی اٹھی۔ ماہر کو کنکھیوں سے وہ جاتی دکھائی دی البتہ اسے دو آنکھیں اپنی پیٹھ پہ بہت واضح محسوس ہو رہی تھیں۔ سگار والا ہاتھ اب گھٹنے پہ رکھا تھا۔

''کیا آپ میرے بارے میں بات کر رہے تھے؟'' ہٹ دھرم' ناراض آواز۔ اور پھر چھوٹے قدموں کی آہٹ۔ اس نے کوفت سے پہلو بدلا۔ اسے محسوس ہوا تھا کہ وہ اس طرف آ رہی تھی۔ اس کے سر میں درد ہونے لگا۔ اور یکایک وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ کھڑکی اور ماہر کی آنکھوں کے درمیان حائل ہو گئی۔ اس نے چہرہ موڑ لیا۔ وہ اس کو نہیں دیکھنا چاہتا۔

''کیا آپ میرے بارے میں بات کر رہے تھے؟''

''نہیں۔ تم جاؤ یہاں سے۔'' ماہر نے رخ اس کی طرف سے موڑ لیا۔ کنکھیوں سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ وہ ہٹ دھرمی سے وہیں کھڑی ہے۔ زارا کو اس کی بہن آوازیں دے رہی تھی۔ کسی ملازم نے کسی مہمان پہ کچھ گرا دیا تھا۔ وہ اُف کرتی فوراً نیچے بھاگی۔

لونگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ وہ ترچھا بیٹھا' کھڑکی سے باہر دیکھتا اس چھوٹے سے ہیولے کے جانے کا منتظر تھا۔

''کیا آپ میرے بارے میں بات کر رہے تھے؟'' اس نے چوتھی دفعہ اپنا سوال دہرایا۔

''نہیں۔ تم نیچے جاؤ۔'' وہ اب کے ضبط سے بولا اور سگار لبوں کے قریب کیا۔ کیا وہ ایک بچے کی موجودگی میں اسموک کر سکتا تھا؟ اس کے ہاتھ خود بخود نیچے گر گئے۔

''یہاں ہلال نام کا کوئی اور نہیں ہے۔'' وہ دھیرے سے ساتھ والی ونگ چیئر پہ آ بیٹھی۔ اس کے پیرز مین سے اونچے ہوا میں جھول رہے تھے۔

''کیا اس سگریٹ میں ڈرگز ہیں؟''

ماہر فرید نے چونک کے اس کی طرف چہرہ موڑا۔ بالکل ایک بے اختیار سی نظر اس پہ پڑی۔

وہ اس کو پہلی دفعہ نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسے پہلے بھی دیکھ رکھا تھا۔ تصویریوں میں۔ چند ایک دفعہ سامنے

بھی۔ جب وہ ماں کے پاس دستخط کروانے جاتا تھا۔ گزرتے ہوئے۔ لیکن نظر بھر کے کبھی نہ ڈالی تھی۔

دیکھنے کے باوجود نہیں دیکھا تھا۔

آج وہ پہلی دفعہ نگاہ میں آئی تھی۔ اور ٹھہر سی گئی تھی۔

وہ سفید اور گلابی رنگت والی ایک چھوٹی سی لڑکی تھی۔ چھ سال کی۔ اس نے بنا آستین کے سیاہ فراک پہن رکھا تھا۔ اس کے گھنگھریالے بال بہت لمبے اور شانوں پہ بکھرے تھے۔ آنکھیں بھوری تھیں اور ان کی پلکیں لانبی اور مڑی ہوئی تھیں۔ وہ انہی آنکھوں میں سوال لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ ان آنکھوں کو پہچانتا تھا۔ کئی برس سے وہ ان آنکھوں کو ہر روز آئینے میں دیکھتا تھا۔

"کیا؟" لبوں سے آہستہ سے نکلا۔

"کیا آپ ڈرگز کرتے ہیں؟"

سگار والا ہاتھ صوفے کے ہتھے سے نیچے گر گیا۔

"نہیں... یہ... سگار ہے۔"

"پاپا کہتے ہیں' آپ ڈرگ ایڈکٹ ہے۔ کیا آپ ڈرگ ایڈکٹ ہیں؟" اس نے آہستہ سے پوچھا۔ ساتھ ہی وہ ہاتھوں سے اپنے بال بار بار پیچھے کر رہی تھی۔

ایک لمحے کے لیے وہ کچھ بول نہیں سکا۔ بس یک ٹک اس کو دیکھے گیا۔ نیچے مہمانوں کی آتی آوازیں' فانوسوں کی روشنیاں' موم بتیوں کی مہک' سب غائب ہو گیا۔ بس وہ دونوں دوونگ چیئرز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"اور کیا کہتے ہیں تمہارے پاپا میرے بارے میں؟"

ہلال نے شانے اچکا دیے۔

"بس یہی۔" پھر وہ رکی اور ابرو اکٹھے کر کے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"کیا آپ میرے بارے میں بات کر رہے تھے؟" وہ اپنا سوال نہیں بھولی تھی۔

"نہیں.... " بے اختیار نکلا۔ وہ اب بھی اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ابرو اکٹھے کرنے کے اس انداز کو بھی پہچانتا تھا۔

ہلال نے غور سے اسے دیکھا۔ اس دفعہ وہ اس کے نہیں سے مطمئن ہو گئی تھی۔ پھر گردن دائیں بائیں گھمائی۔ دیوار پہ ایک بڑا فوٹو فریم آویزاں تھا۔ اس میں قاسم فرید مسکرا رہے تھے۔

"کیا یہ بیربل کی طرح آپ کے بھی پاپا تھے۔"

اس کے پہلو میں ایک دم بہت سی تکلیف ہوئی۔ اس نے چہرہ موڑ لیا۔ کھڑکی سے نیچے لان میں لگی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔

''وہ ہمیشہ مجھے کینڈی دیتے تھے۔ جب بھی میں یہاں آتی تھی۔''

وہ ایک دم چونکا۔ بے یقینی سے اسے دیکھا۔ پھر دماغ نے فوراً سے اس کی بات کو ڈی کوڈ کیا۔ وہ یقیناً اس کی غیر موجودگی میں بیربل کے ساتھ آتی ہوگی۔ اس کے اعلیٰ ظرف باپ نے کبھی اس کو گھر آنے سے نہیں روکا تھا۔ پہلو کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

''کیا آپ اس لیے اپ سیٹ ہیں کیونکہ آپ کے پاپا چلے گئے ہیں؟'' وہ اب ہمدردی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ اسی طرح باہر دیکھتا رہا۔ وہ اس کو مزید نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

''جاؤ یہاں سے۔'' اب کے وہ دھیرے سے بولا۔

''مگر نیچے بیربل ہے اور وہ مجھے تنگ کرتا ہے۔'' وہ ونگ چیئر پہ پیچھے ہو کے آرام سے بیٹھی تھی۔

اس نے جواب نہیں دیا۔ لیکن وہ اس کی بات سن رہا تھا۔

''وہ مجھے کہتا ہے میرے بال بہت لمبے ہیں۔ وہ انہیں کاٹ دے گا۔'' اس کا لہجہ روہانسا سا تھا۔

ماہر نے نظریں موڑیں۔ اس کے لمبے گھنگریالے بالوں کو دیکھا۔ کہا کچھ نہیں۔

ہیلا کی آواز زینوں سے اوپر آتی سنائی دی اور پھر زارا کی کوفت بھری پکار۔

''ہلال... کیوں ماہر کو تنگ کر رہی ہو؟ چلو نیچے۔'' اب کے ذرا ڈپٹ کے بولی تھی۔ ماہر نے پہلو بدلا۔ کچھ تھا جو اسے برا لگا تھا۔ لیکن اس نے لب نہیں کھولے۔

''اوکے۔'' وہ بددلی سے اٹھی۔ پیر نیچے اتارے۔ ماہر نے رکی ہوئی سانس خارج کی۔ اب وہ چلی جائے گی۔ لیکن اسے محسوس ہوا کہ وہ اس کے قریب آ رہی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتا' وہ اس کے بائیں جانب آ کے رکی۔ اور آگے بڑھ کے نرمی سے اس کا گال چوما۔

''بائے۔'' ہلکا سا بولی اور پھر دروازے کی طرف بھاگ گئی۔

وہ جہاں تھا وہیں بیٹھا رہ گیا۔ سگار والا ہاتھ ابھی تک نیچے گرا تھا۔

کوئی اتنے برس اپنی ہی آنکھوں سے کیسے نفرت کر سکتا ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ شاپنگ مال کی راہداری میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ پیروں میں گلابی تسموں والے جوگرز تھے۔ بال کسی ہوئی پونی میں بند تھے۔ لمبا ڈھیلا ڈھالا کرتا اور گردن میں لپٹا اسکارف۔ وہ چہرہ گھما گھما کے اطراف میں شاپس کو بھی دیکھتی جا رہی تھی۔ شاپنگ مال کی رونق عروج پہ تھی۔ غالباً سیلز لگی ہوئی تھیں۔

وہ ظہیر سے ملنے آئی تھی۔ اسے اپنا فیصلہ سنانے۔ فون پہ صاف انکار کرنا اچھا نہیں لگا اور اسی لیے اب وہ فوڈ کورٹ جا رہی تھی۔

دفعتاً اس کے سفید جوگرز ایک شاپ کے سامنے رکے۔ شیشے کے دروازوں کے پار روشنیوں میں نہائے جوتوں کے ریکس نظر آ رہے تھے۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی شیشے کی دیوار کے پاس آ رکی۔

سامنے سفید رنگ کے اسٹائیلیٹوز رکھے تھے۔ چار انچ کی لمبی ہیلز والے نازک جوتے جو کسی سنڈریلا کے لیے بنے تھے۔ اس کے لبوں پہ خود بخود مسکراہٹ بکھر گئی۔ انگلیوں سے شیشے کی دیوار کو چھوا۔ ہیلز اور اس کی انگلیوں کے درمیان بس ایک انچ موٹا شیشہ تھا۔ پھر نگاہ ان کی قیمت پہ پڑی۔ اس نے گہری سانس لی۔ ہاتھ نیچے گرا دیا۔

اتنی مہنگی ہیلز وہ ابھی نہیں لے سکتی تھی۔ لیکن کبھی نہ کبھی وہ لے گی۔ جب وہ ایک بزنس مین کی بیوی ہوگی۔ وہ دنیا پھرے گی اور ہر ملک سے بہترین جوتے اکٹھے کرے گی۔ مسکرا کے خود کو تسلی دی اور آگے بڑھ گئی۔ اس کا دل مطمئن تھا۔

ظہیر فوڈ کورٹ میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ میز پہ شاپنگ بیگز بھی تھے اور وہ اسٹرا سے کوئی ڈرنک پی رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی گرمجوشی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے میری آفر کے بارے میں سوچا۔"

"ظہیر... پہلے میری بات تحمل سے سنو۔" وہ سنجیدگی سے کہتی سامنے بیٹھی۔ تھوڑا سا برا بھی لگ رہا تھا۔ بیچارے نے اتنے مان سے کہا تھا اور وہ اس کا مان توڑنے جا رہی تھی۔

"یہ مت کہنا کہ تم انکار کرنے جا رہی ہو۔" ظہیر نے اسٹرا لبوں میں دباتے ہوئے غور سے اسے دیکھا۔

مالا نے تھوک نگلا۔ کسی ہوئی پونی والا سر جھکا دیا۔ انکار کرنا اس کے لیے دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔

"میری شادی ہو رہی ہے۔" چہرہ اٹھا کے سبز آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ظہیر نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"اور تم دوسری لڑکیوں کی طرح شادی کے بعد گھر بیٹھ جاؤ گی؟"

"نہیں۔ میں کام کرتی رہوں گی۔ لیکن جس سے میری شادی ہو رہی ہے وہ بہت ٹریول کرتا ہے۔ ایسے میں میں

تمہارے ساتھ کام نہیں کرسکوں گی۔"

"کون سا کل شادی ہو رہی ہے۔اور میں تمہیں پارٹنر شپ آفر کر رہا ہوں۔ایک سال کام کر لو۔پھر دیکھ لیں گے۔"

"میں ایک ایسے بزنس کا حصہ نہیں بن سکتی جو میری زندگی کے اگلے پانچ سال کے پلان میں شامل نہ ہو۔"

"مالا... تم مجھے مایوس کر رہی ہو۔لڑکیاں چاند پہ جا رہی ہیں۔تمہیں شادی کی پڑی ہے۔"

وہ مسکرا دی۔

"پہلی بات... نیل آرم اسٹرانگ کے بعد کوئی آج تک چاند پہ نہیں گیا۔دوسری بات' جو چاند پہ جاتا ہے' وہ وہاں رہ نہیں جاتا۔اسے واپس گھر آنا ہوتا ہے۔" پھر وہ پیچھے ہو کے بیٹھی اور مسکرا کے شانے اچکائے۔"اور شادی سب کو کرنی ہوتی ہے۔ مجھے بھی کرنی ہے۔ میں کیریئر کے پیچھے اپنی فیملی لائف قربان نہیں کر سکتی۔"

ظہیر قدرے دھیما ہوا۔گلاس پرے کر دیا جیسے موڈ بجھ گیا ہو۔

"میں سمجھ سکتا ہوں لیکن اگر تمہارا ارادہ بدلے تو میری آفر اب بھی ٹیبل پہ موجود ہے۔" قدرے توقف سے وہ کھنکھارا۔"ایک دوست کی حیثیت سے تم مجھے کوئی آئیڈیا دینا چاہو گی ریستوران کے لیے؟"

سبز آنکھوں والی لڑکی مسکرائی۔"تمہیں کیوں لگتا ہے میرا آئیڈیا تمہارے کام آئے گا؟"

"کیونکہ تم نئے آئیڈیاز اور بزنس پلانز بنانے میں بہت اچھی ہو۔"

"اور جس چیز میں ہم اچھے ہوں' اسے کبھی مفت میں نہیں کرنا چاہیے۔" نرمی سے اسے بہت کچھ باور کروا دیا۔وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"چلو تمہیں شادی کی مبارک ہو۔ میں تمہارے لیے کافی لاتا ہوں۔" وہ اٹھ کے ایک کافی شاپ کی جانب چلا گیا تو وہ گردن موڑ کے یونہی اطراف میں دیکھنے لگی۔

قریب میں ایک فربہ مائل عورت اور اس کی نوجوان بیٹی شاپنگ بیگز کے ڈھیر اٹھائے آگے جا رہی تھیں۔ جس طرح وہ تھکے ماندے انداز میں بار بار ایک فہرست کو ہاتھ میں لیے چیزیں گن رہی تھیں' صاف معلوم ہوتا تھا کہ جہیز کی شاپنگ کر رہی ہیں۔ کچھ دن بعد یہی اس کی بھی زندگی ہو گی اور وہ اس تبدیلی کے لیے پورے دل سے تیار تھی۔

اسے سفید اور سلور ہیلز پھر سے یاد آ گئیں۔وہ مسکرا دی۔

ایک دم سے دنیا زیادہ حسین لگنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک سبز گھاس سے ڈھکا وسیع قطع اراضی تھا جس میں جگہ جگہ کتبے لگے تھے۔ کچی پکی قبروں کے اوپر بھی گھاس اُگا تھا۔

گزرگاہ کے قریب ایک کچی قبر تھی جس کا کتبہ سفید رنگ کا تھا۔ اس کے اوپر قاسم فرید لکھا تھا۔

ماہر اس وقت اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا تھا۔ سیاہ سوٹ میں ملبوس' آنکھوں پہ کالے گلاسز پہنے' وہ جیب سے کچھ نکال رہا تھا۔ زارینہ اس کے عقب میں ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔ وہ آج نیوڈ رنگ کے لباس پہ سفید منی کوٹ پہنے ہوئے تھی۔ ہوا سے اس کے بال اڑ اڑ کے پیچھے جا رہے تھے۔ وہ ماہر کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی جو جیب سے باہر آئے تو ان میں ایک پلاسٹک کا پیکٹ تھا۔

''قاسم تایا کے بیج۔'' وہ مسکرا دی۔ وہ بھی آزردگی سے مسکرا دیا۔

''ابا جب بھی اپنا مالی نقصان کر کے کسی انسان کا دل خرید لیتے' اسے بیجوں کا تحفہ دیتے۔ اور کہتے... جا کے انہیں بو دو۔ یہ ہماری شناسائی کی نشانی ہیں۔''

اس نے بیج کا پیکٹ کھولا اور آہستہ آہستہ انہیں قبر کی کچی مٹی پہ چھڑکنے لگا۔

''کتنا شوق تھا تایا کو پودوں کا۔ ان کے جانے کے بعد سے تمہارے گھر کے سارے پودے مرجھا گئے ہیں۔''

ماہر نے دھیرے سے شانے اچکائے۔ ''کیا کریں' زارا۔ وقت ہی نہیں ملتا۔''

سارے بیج چھڑک کے اس نے خالی پیکٹ واپس جیب میں ڈال لیا۔ زارا نے پانی کی بوتل کا ڈھکن کھولا اور آہستہ آہستہ قبر کے اوپر پانی ڈالنے لگی۔ وہ ہاتھ سے بیجوں کو دبانے لگا۔

''تایا چاہتے تھے تم سیٹل ہو جاؤ۔ شادی کر لو۔'' زارا نے لہجہ سرسری سا بنایا۔ البتہ وہ بغور اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''وہی کرنے لگا ہوں۔'' وہ اسی طرح نرمی سے مٹی کو دباتا رہا۔ بیج دفن ہو رہے تھے۔ سن گلاسز کے باعث آنکھیں چھپی ہوئی تھیں۔

زارا کا پانی برساتا ہاتھ رک گیا۔ آنکھوں میں خوشگوار حیرت اتر آئی۔

''کتنی اچھی خبر سنائی ہے تم نے۔'' اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ''اگر تم چاہو تو میں تمہیں کسی اچھی سی لڑکی سے ملوا سکتی ہوں جو...''

''بیربل نے مجھے ملوایا ہے کسی سے۔'' وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے کھڑا ہو رہا تھا۔ اس کی زارا کی طرف پشت تھی۔ وہ جہاں تھی، وہیں رہ گئی۔ گویا پتھر کا مجسمہ ہو۔

''کک... کون؟'' بدقت آواز نکلی۔

''بیربل ان کی فیملی کو جانتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ میرج میٹریئل ہے۔ ہم ایک دفعہ ملے تھے ابا کی ڈیتھ سے پہلے۔ اور آج... '' اس کی طرف مڑتے ہوئے ماہر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''آج شام ہم نے ڈنر پہ جانا ہے۔'' پھر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا تو زارا نے جلدی سے چہرے پہ مسکراہٹ سجالی۔

''میں.. میں خوش ہوں تمہارے لیے۔'' وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پتھروں کی گزرگاہ کی طرف بڑھ گئے۔

''کیسی ہے وہ؟''

''ایک ملاقات میں کہاں معلوم ہوتا ہے؟''

''کیوں؟ تمہاری people skills کے تو سب معترف ہیں۔'' زارا نے اس کی نقل اتاری۔ ''واللہ ماہر لوگوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا۔''

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ ''میں واقعی غلط نہیں ہوتا۔ لیکن ایسے معاملات میں تھوڑا وقت چاہیے ہوتا ہے۔ اچھی لگی تو کرلوں گا شادی۔ نہیں لگی تو کوئی اور سہی۔'' وہ چلتے ہوئے سادگی سے کہہ رہا تھا۔ زارا خاموشی سے سنے گئی۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ ہو چکا تھا۔ بے تاثر۔

وہ دونوں روش پہ چلتے دور ہوتے گئے۔ گھاس پہ پھیلی قبریں تنہا رہ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل میں کھانوں کی خوشبو ہر طرف پھیلی تھی۔ کچن میں بخت بی اور صغریٰ ککنگ کر رہی تھیں۔ چولہوں پر بھی کچھ چڑھا تھا۔ ماں بیکری آئٹمز نہیں لیا کرتی تھیں۔ سب کچھ گھر میں اپنے ہاتھوں سے بنا کے رکھتی تھیں۔ کوکنگ بھی خود کرتیں۔ اور باقی سب کٹنگ وغیرہ میں ان کی مدد کرتے۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں کھڑی تھیں۔ وہاں دو بستر بچھے تھے۔ ایک ماں کا تھا اور دوسرا ان کی چھوٹی بہن کا۔ ماں لوگ تین بہنیں اور ایک بھائی تھے۔ ماموں اسلام آباد میں ہوتے تھے۔ بڑی بہن سرور جہاں امریکہ میں ہوتیں۔ ماہی انہی کی بہو بنی تھی۔ عباد اس وقت کینیڈا میں زیرِ تعلیم تھا۔ یہ چھوٹی بہن نورِ جہاں مبین منزل میں رہتی

تھیں۔ کب سے؟ جب سے مالا نے ہوش سنبھالا تھا۔

ماں اس وقت ان کے پیچھے کھڑی ان کے بالوں کی کنگھی کر رہی تھیں۔ وہیل چیئر پہ بیٹھی نورِ جہاں خالہ معذور تھیں اور بچپن سے ان کے پاس تھیں۔ وہ بوڑھی ہو چکی تھیں لیکن چہرہ آج تک سفید گلابی تھا۔ وہ بس مسکراتی رہتیں اور زیادہ بات نہیں کرتی تھیں۔ ان کا ذہنی توازن کئی برس ہوئے بگڑ چکا تھا۔ کبھی کبھی وہ رونے لگ جاتیں اور کبھی بہت چڑچڑی ہو جاتیں۔ ماں بہت صبر سے ان کے سارے ناز نخرے اٹھاتیں۔ نور خالہ کا کام انہوں نے کبھی بخت بی کے ذمے نہیں لگایا۔

ماہی اکثر کہتی کہ بخت بی کو بھی ان کا کام کرنے دیا کریں۔ آپ اکیلی تھک جاتی ہوں گی۔ لیکن حورِ جہاں بیگم کا کہنا تھا کہ ان کی بہن ان پہ بوجھ نہیں ہے۔ آج وہ اس کی خدمت کریں گی تو کل کو اللہ انہیں خود کسی بھی محتاجی سے بچائے گا۔ ماہی کو بڑا عجیب سا لگتا۔ ناقابلِ یقین سا۔ اس کی اتنی ایکٹیو چلتی پھرتی، سب کچھ سپروائز کرنے والی ماں ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ کبھی بیمار پڑے۔

ہر اولاد کو اپنی ماں کے بارے میں یہی لگتا ہے۔

بہن کے بال بنا کے انہوں نے جھک کے اس سے سرگوشی میں کچھ کہا تو نور خالہ مسکرائیں۔ اور سر ہلا دیا۔ پھر حورِ جہاں بیگم وہاں سے ہٹیں اور تیز قدموں سے چلتی باہر آئیں۔ بخت بی اکثر انہیں اپنی بہن سے سرگوشیاں کرتے دیکھتی تھی۔ نہ جانے وہ انہیں ایسا کیا کہتی تھیں کہ وہ مسکرا دیتیں۔ نور خالہ کا دماغ بچوں کے جیسا تھا۔ یقیناً کوئی معصوم بات ہو گی۔

"بختو... تم کباب فریزر سے نکال کے رکھو۔ اور تم ادھر آؤ۔" انہوں نے دوسری ملازمہ کو گھورا۔ "کونے میں جالے لگے ہیں۔ مجھے نظر آ گئے۔ بی بی۔ تمہیں نہیں آئے؟ اور سلیم اٹھو پودوں کو پانی دو۔ سلیم..."

"آج کے دن بھی آج اپنے پودے نہیں بھولیں۔"

آواز پہ کچن کی چوکھٹ میں کھڑی حورِ جہاں بیگم پلٹیں۔ مالا کو اپنی طرف آتے دیکھا تو چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔

وہ گلابی رنگ کی لمبی قمیض اور سفید چوڑی دار پاجامے میں ملبوس تھی۔ کٹے ہوئے بال کندھوں سے اوپر تک آتے تھے اور کھلے تھے۔ دھلا دھلایا چہرہ اور مسکراتی سبز آنکھیں۔ وہ ان کے قریب آئی تو انہوں نے پیار سے اسے دیکھا۔

"میری بیٹی تیار ہو گئی ہے؟" پہلے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ پھر اگلے ہی لمحے لہجے کو تحکمانہ بنا لیا۔ "چلو

آؤ۔ کچن میں میری مدد کرواؤ۔ اور اپنی بہن کو بھی بلاؤ۔"

(مطلب میرے رشتے والے آرہے ہیں اور میں ہی کام کروں؟) وہ گہری سانس بھرتی ماہی کو بلانے چلی آئی۔

اسے خیال آیا اس نے کافی دیر سے ماہی کو نہیں دیکھا۔ ماہی اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ وہ معید کے کمرے میں تھی۔ وہ اس وقت گھر نہیں ہوتا تھا۔

مالا اندر آئی تو دیکھا.... وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی ہے۔ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے وہ سوچ میں گم ہے۔

"کیا ہوا تمہیں؟"

"میری کمر میں درد ہے۔" اس کا موڈ آف تھا۔" اور غلطی سے میں نے عباد کو بتایا تو اس نے خالہ کو بتا دیا۔ تمہیں پتہ ہے نا خالہ لوگ کتنے وہمی ہیں۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ میں امریکہ نہ جاؤں۔ کہیں بے بی کو کچھ نہ ہو جائے۔"

وہ چڑچڑی ہو رہی تھی۔

"تم اپنی ڈاکٹر سے پوچھ لو۔ وہ کیا کہتی ہے۔"

"اس کے پاس سے آج ہو کے آئی ہوں نا۔ وہ کہتی ہے تم بالکل ٹھیک ہو۔ سفر کر سکتی ہو۔"

"ہاں تو کرونا سفر۔"

"مگر..." وہ رکی جیسے متذبذب ہو۔" اگر بے بی کو کچھ ہوا تو سب مجھے الزام دیں گے۔ کہ مجھے امریکہ جانے کا شوق تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ میں مری نہیں جا رہی امریکہ جانے کے لیے۔ عباد شادی کر کے خود تو واپس چلا گیا ہے۔ میں مہینوں سے یہاں بیٹھی ہوں۔ اب ایک خوشی کا موقع آیا ہے۔ میرا بھی دل چاہ رہا ہے کہ میں جاؤں۔" اس نے گیلی آنکھیں رگڑیں۔

مالا نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھامے۔

"کچھ نہیں ہو گا بے بی کو۔ تم آرام سے سفر کرو اور شادی انجوائے کرو۔ خالہ کی طرح وہم مت پالو۔ اچھا اب باہر آؤ۔ ماں بلا رہی ہیں۔ وہ لوگ گھنٹے تک آجائیں گے۔ اور یہاں ابھی..." مالا نے کھڑکی سے باہر جھانکا۔ لان میں سلیم پائپ پکڑے پانی لگا رہا تھا۔

"یہاں ابھی پودوں کو پانی نہیں لگا۔"

"ارے سب ہو جائے گا۔ ماہی ہے نا۔" ماہی آنسو صاف کرتی نئی توانائی کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا موڈ بہتر ہو گیا تھا۔

"دیکھتے ہیں آج تمہاری ساس تمہیں کتنی سلامی دیتی ہیں۔ اور تم اس سلامی سے ہمیں فوراً ٹریٹ دو گی۔ڈیل؟" ماہی نے مٹھی بند کر کے چھوٹی انگلی باہر نکالی۔

"ڈیل!" وہ ہنس پڑی اور اس کی انگلی سے اپنی انگلی جوڑ لی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ریستوران میں ہلکی زرد بتیاں جلی تھیں۔ پسِ منظر میں آرکسٹرا کے دھیمے سر سنائی دیتے تھے۔ وہ دونوں ایسی میز پہ بیٹھے تھے جو اوپن ایئر ٹیرس کے کونے میں تھی۔ ان کے درمیان کانچ کا ایک ننھا گلدان رکھا تھا جس میں ایک واحد اَدھ کھلا سرخ گلاب تھا۔ ساتھ اونچی موم بتیاں جل رہی تھیں۔

ماہر اسی لباس میں تھا جس میں تم نے اسے صبح قبرستان میں دیکھا تھا۔ کوٹ پیچھے سیٹ کی پشت پہ ڈالے وہ سفید شرٹ کے آستین کہنیوں تک موڑے ہوئے تھا۔ کافی کا بھرا کپ ساتھ رکھا تھا جس کو اس نے ابھی تک چھوا نہیں تھا۔

"کیا پڑھ رہی ہو تم؟" اس نے دوبارہ پوچھا۔ اتنے ہفتوں بعد ملاقات ہوئی تھی۔ وہ اس کی ڈگری بھول گیا تھا۔

"اینتھروپولوجی۔" وہ مسکرا کے بولی۔

ماہر نے گہری سانس لی۔ اس کے زمانے میں یونیورسٹی میں ایسے سبجیکٹس وہ لڑکیاں پڑھتی تھیں جو صرف پارٹی کرنے اور سوشل سرکل بنانے کے لیے کیمپس آتی تھیں۔ نہ جانے آج کل کیا رواج تھا۔ اس نے غور سے اس لڑکی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ بہت خوبصورت تھا۔ یعنی سوسائٹی کے معیار کے مطابق خوبصورت۔ وہ ایک ہی نظر میں دیکھ سکتا تھا کہ اس نے بہت سی سرجریز کروا رکھی تھیں۔

اس کی بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ (آنکھوں کو بادامی شکل دینے کی سرجری) ابرو کافی اٹھے ہوئے تھے۔ (آئی برو لفٹ) گالوں میں بھرے بھرے سیب تھے جیسے۔ (امپلانٹس اور شاید فلرز بھی)۔ بے حد پرفیکٹ ناک۔ (رائینو پلاسٹی)۔ پھولے پھولے ہونٹ۔ (بوٹوکس اور فلرز)۔ بے حد گھنی پلکیں۔ (آئی لیش ایکسٹینشن)۔

"کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟"

وہ چونکا اور جلدی سے ذہن میں چلتی گنتی روکی۔ پھر کائیلی جینیر کی شکل کی لڑکی کو دیکھ کے مصنوعی سا مسکرایا۔

"کچھ نہیں۔" سر جھٹکا۔ پھر کھنکھارا۔ "سو... ضوفشاں..."

''ضوئی...'' سیاہ بالوں کو انگلیوں سے پیچھے کرتے ہوئے مسکرا کے بولی۔

''ضوئی۔۔'' وہ بہت ضبط کر کے مسکرایا۔''تمہارا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟''

''کس سینس میں؟''

یعنی...ایک دن جس کا تمہیں بہت انتظار ہے۔''

''ہوں..''ضوئی نے انگوٹھیوں سے بھرا ہاتھ ایک گال تلے رکھا اور سوچنے لگی۔پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔

''مجھے نا فیری ٹیل ویڈنگ کرنے کا شوق ہے۔''

اور اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ ڈنر کس طرف جا رہا ہے۔لیکن چہرے پہ مسکراہٹ طاری کیے رکھی۔

''اور تم فیری ٹیل ویڈنگ کسے کہتی ہو؟''

اس کی مصنوعی حوصلہ افزائی پہ وہ چہک کے بتانے لگی۔

''مجھے اسپرنگ ویڈنگ کرنی ہے۔چیری بلاسم کے trees کا ڈیکور ہوگا۔اور مجھے انڈین فیملیز کی طرح سات فنکشن کرنے ہیں۔میلاد مایوں' مہندی' سنگیت' بارات' ولیمہ.....''

''یہ چھے ہوئے ہیں۔''اس نے انگلیوں پہ گنا۔ضوئی نے ہاتھ جھلایا۔

''واٹ ایور''وہ اسی جوش سے بتانے لگی۔''اور میں اپنی شادی کا ہیش ٹیگ پر اپر ٹرینڈ کرواؤں گی۔انسٹاگرام میری شادی یاد رکھے گا۔مین ایونٹ پہ میں....''اگلے چند منٹ وہ بولتی رہی۔وہ پیچھے ٹیک لگائے بیٹھا' کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے سنے گیا۔

''تمہارا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟''ضوئی نے دونوں ہاتھ باہم ملا کے تھوڑی ان پہ ٹکائی اور بڑی بڑی مسکراتی آنکھیں اس پہ جما دیں۔

ماہر نے گہری سانس لے کر کپ رکھا۔

''میں ایک تین ہزار افراد کی کمپنی بنانا چاہتا ہوں۔''

''ہیں؟ مگر تمہاری پہلے ہی اتنی بڑی کمپنی ہے۔''

اصلی گلاب کے پھول کے اس پار مصنوعی چہرے پہ ناسمجھی تھی۔

''وہ میرے باپ کی ہے۔میں اپنی کمپنی بنانا چاہتا ہوں۔جو صرف میری ہو۔آرکیٹیکچرل فرم۔کیونکہ میں ایک آرکیٹیکٹ ہوں۔''نرمی سے سمجھانے لگا۔

''تو ابھی تم کیا کام کرتے ہو۔''

ماہر نے گہری سانس لی۔ یہ مشکل ہو رہا تھا۔ (اُف بیربل)

''ہم انویسٹمنٹ مینیجمنٹ کرتے ہیں۔ یعنی... ہم اچھے تعلقات بناتے ہیں۔ اور یوں لوگ ہم پہ اعتماد کرتے ہوئے ہمارے ذریعے اپنا پیسہ انویسٹ کرتے ہیں۔ ہم لندن کے لوگوں کو قطر میں پراپرٹی خرید کے دیتے ہیں۔ دراصل ہم وہ پہلے لوگ ہیں جنہوں نے لندن اور قطر کے درمیان ریئل اسٹیٹ کا کام شروع کیا تھا۔ اب اس انڈسٹری میں بہت لوگ آ گئے ہیں۔''

وہ سر ہلا کے سن رہی تھی لیکن اسے محسوس ہوا کہ وہ سمجھ نہیں پا رہی۔ تب ہی اس کی نگاہ میز پہ رکھے پیکٹ پہ پڑی۔ اس نے لمبی انگلیوں سے اسے اٹھایا۔

''رومیو اور جولیٹ۔ وائیڈ چرچل۔'' نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''یہ تمہارا ہے؟''

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں سگار پیتا بھی ہوں اور انہیں کلیکٹ بھی کرتا ہوں۔''

''مجھے سگریٹ پینے والے مرد ہمیشہ بہت پرکشش لگتے ہیں۔''

''سگار۔'' ماہر نے بہت ضبط سے گہری سانس لی۔ ''میں سگریٹ نہیں پیتا۔ سگار پیتا ہوں۔''

''دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ نہیں؟'' وہ حیران ہوئی۔

میز پہ رکھی اس کی مٹھی بھنچ گئی۔ وہ میرج میٹریل نہیں تھی۔ وہ صرف میرج میٹریل تھی۔

''دونوں ایک چیز نہیں ہیں۔'' وہ تحمل سے سمجھانے لگا۔ ''سگریٹ نکوٹین' تار اور کیمیکل سے بھری ہوتی ہے۔ مجھے اس کی مہک بھی نہیں پسند۔ سگار مختلف ہوتا ہے۔ یہ تمباکو کے پتوں سے بنتا ہے۔ سگار ایک آرٹ ہے۔''

''آرٹ؟ کیسے؟'' وہ واقعی دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔ بے جان ڈنر میں پھر سے جان پڑنے لگی۔ وہ قدرے جوش سے بتانے لگا۔

''سگار کا بنانا بھی ایک آرٹ ہے۔ پتوں کی فرمنٹیشن' تمباکو اس کی رولنگ' پیکنگ' اس کے رنگز' سائز' اس کو باکس سے نکالنے کا انداز سب آرٹ ہے۔ اس کو انگلیوں میں کیسے پکڑنا ہے' ہیومیڈور میں رکھنے کا طریقہ' اس کی مہک کو سونگھنا' کٹ کرنا' سلگانا اور اسموک کرنا... یہ سب ایک پروسیس ہے۔ خالص آرٹ۔ بہت سے لوگ امیر نظر آنے یا cool لگنے کے لیے سگار اسموک کرتے ہیں۔ میں ایسا نہیں کرتا۔ میں اسے آرٹ سمجھ کے کرتا ہوں۔''

''لیکن یہ بھی صحت کے لیے اتنا ہی نقصان دہ ہے جتنا کہ سگریٹ' ہے نا؟''

اس کے کندھے ڈھیلے ہوئے۔ پیچھے کو ٹیک لگائی۔

''ہاں۔ یہ نقصان دہ ہے۔ لیکن یہ ایک چوائس ہے اور میں نے اسے منتخب کیا ہے۔''

''میں تمہیں جج نہیں کر رہی۔ تمہاری زندگی تمہاری مرضی۔'' وہ سگار کا پیک الٹ پلٹ کر کے دیکھ رہی تھی۔

''ویسے کتنے سگریٹ پی لیتے ہو ایک دن میں؟''

ماہر نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے پیکٹ لیا اور اسے زور سے بند کیا۔ پھر مسکرا کے اسے دیکھا۔

''بیس سگریٹ روزانہ۔ کبھی کبھی تو پچیس۔''

''واؤ۔'' اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ وہ اب اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ بل منگوا رہا تھا۔ بیربل کو وہ گھر جا کے پوچھے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبدالمالک فرید اپنے آفس میں بیٹھا' کام میں مصروف دکھائی دیتا تھا جب دروازہ کھلا۔ اس نے الجھے انداز میں سر اٹھایا' تو دیکھا زارینہ اندر آ رہی تھی۔ وہ شدید ناخوش لگتی تھی۔

''زارا' میں بزی ہوں۔'' وہ واپس لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا۔

''اور ماہر کی فکر کون کرے گا؟'' وہ اس کے ڈیسک کے عین سامنے آ کے رکی۔ اس کے خفا لہجے پہ مالک نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ وہ غصے اور بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بالوں کو ڈھیلے کیچر میں باندھے' اس کی آنکھیں روئی روئی سی تھیں۔ مالک نے غور سے اپنی بیٹی کو دیکھتے ہوئے لیپ ٹاپ پرے دھکیلا اور پیچھے ٹیک لگائی۔

''ماہر کو کیا ہوا ہے؟''

''اسے بیربل نے کسی لڑکی سے ملوایا ہے۔ میرج میٹریل۔ وہ اس سے شادی کر لے گا' بابا۔''

''مجھے معلوم ہے۔ اس کا باپ یہی چاہتا تھا۔''

''اور میرا باپ میرے لیے کیا چاہتا ہے؟''

مالک نے گہری سانس لیتے ہوئے انگوٹھے سے کنپٹی کو چھوا۔ ہر کچھ دن بعد زارا یہی مسئلہ لے کر آ جاتی تھی۔ وہ اب تھک گیا تھا۔

''تم اور ماہر یہ بات ایک دفعہ کر چکے ہو۔ اس نے تمہیں صاف انکار کر دیا تھا۔ تمہارے کہنے پہ میں نے قاسم سے بھی بات کی تھی لیکن اس کا کہنا تھا کہ ماہر تمہیں اپنی بہن سمجھتا ہے۔ بہن جیسی کزن۔ بیسٹ فرینڈ۔ وہ تمہارے

بارے میں ایسے سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"اور میں اس کے علاوہ کسی کے بارے میں نہیں سوچ سکتی۔"

زارا نے پلکیں جھپکائیں تو آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اس کی نگاہوں میں باپ کے لیے شکوہ تھا۔

مالک کے تاثرات بدلے۔ چہرے کی لکیریں ڈھیلی ہوئیں۔

"ہم زبردستی کسی کے دل میں اپنے لیے محبت نہیں ڈال سکتے' زارا۔ تمہیں اچھے لڑکوں کی کمی ہے کیا؟"

"مگر مجھے وہی چاہیے۔ صرف وہی۔ بابا پلیز... " وہ گھوم کے میز کے پیچھے آئی اور اس کے سامنے گھٹنوں کے بل فرش پہ بیٹھی۔ پھر اس کے ہاتھ تھام لیے۔ "مجھ سے نہیں برداشت ہو رہا اس کا کسی اور لڑکی کے ساتھ ڈنر پہ جانا۔ پلیز آپ اس کو اس لڑکی سے دور کر دیں۔" وہ بہت بے بس اور دکھی نظر آ رہی تھی۔

"زارا! میں یہ کیسے کر سکتا ہوں۔"

"آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ وہ صرف آپ کی بات مانتا ہے۔"

"میں زبردستی اس سے اپنی بیٹی کے لیے..."

"نہ کہیں۔ اسے میرے لیے کچھ نہ کہیں۔ میں ہینڈل کر لوں گی۔ آئندہ آپ کو کچھ نہیں کہوں گی۔ لیکن اس دفعہ.... پلیز اس دفعہ اس کو اس ضوئی سے دور کر دیں۔"

وہ اس کا ہاتھ پکڑے منت کر رہی تھی۔ مالک فرید نے گہری سانس لی۔ پھر اس کا سر تھپکا۔

"اچھا اٹھو۔ میں کچھ کرتا ہوں۔"

وہ جلدی سے ہتھیلی کی ہشت سے آنکھیں رگڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ مسکارا پھیل گیا تھا۔ مگر چہرے پہ موہوم سی امید جاگ گئی تھی۔

"بیربل نے ملوایا ہے دونوں کو؟" وہ سوچتے ہوئے فون اٹھا کے دیکھنے لگا۔ زارا نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ مالک کچھ دیر سوچتا رہا اور وہ اسے امید سے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنا روبوٹ سا چہرہ اٹھایا اور اب کے وہ بولا تو اس کی آواز میں تنبیہہ تھی۔

"زارینہ.... مجھے ماہر بہت عزیز ہے۔ یہ پہلی اور آخری دفعہ ہے۔ میں اس کے ساتھ بار بار یہ نہیں کر سکوں گا۔"

زارا گیلی آنکھوں سے مسکرا دی اور جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ مالک اب فون اسکرین کو دیکھنے لگا۔ اس کا

دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ماہر کو کسی سے ملنے سے روکنے کے لیے وہ صرف ایک طریقہ استعمال کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کے لاؤنج میں خاموشی چھائی تھی۔ بخت بی برتن اٹھا کے ٹرے میں رکھ رہی تھی۔ کانچ کے کانچ سے ٹکرانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ماں اور ماہی الگ الگ صوفوں پہ بیٹھی سوچ میں گم تھیں۔ مہمانوں کو گئے کچھ دیر ہو چکی تھی اور وہ دونوں خاموش تھیں۔

مالا تھوڑی دیر کے لیے مہمانوں کے سامنے آئی تھی اور پھر روایتی طریقے سے اندر واپس چلی گئی تھی۔ اور وقت بھی کتنا گزر رہا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ہی وہ رخصت ہو گئے۔

وہ جیسے ہی باہر آئی' ان دونوں کو یوں بیٹھے دیکھ کے اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''کیا ہوا؟ کیا انہوں نے کچھ ایسا ویسا کہا ہے؟''

کچھ واہمے تھے جو ان کو دیکھ کے اس کے دل میں آئے تھے۔ ثمرین آنٹی ان سے مالی لحاظ سے کہیں اوپر تھیں۔ دولت ایسی چیز تھی جو ان کے درمیان آ سکتی تھی۔

ماں نے جواب نہیں دیا۔ ماہی بس ماں کو دیکھنے لگی۔ وہ ماں کے اتنا قریب رہتی تھی کہ ان کی سوچ تک پڑھ سکتی تھی۔

''کیا انہوں نے کوئی شرط رکھ دی ہے؟ بھاری جہیز وغیرہ؟''

جس طرح ثمرین آنٹی چپ چپ تھیں' اسے پہلے سے ہی احساس ہو گیا تھا کہ شاید وہ کوئی شرط وغیرہ رکھیں۔ جہیز کی ڈیمانڈ وغیرہ۔ اس لیے کشمالہ نے ان سے ملنے کے بعد کمرے میں جا کے چند گہرے سانس لیے تھے اور خود کو کمپوز کر کے ہر چیز کے لیے تیار کر لیا تھا۔ وہ اس چیز میں اچھی تھی۔ جلدی خود کو سنبھال لیتی تھی۔

''جہیز دینا پڑتا ہے بیٹے۔ وہ بات نہیں ہے۔''

ماں نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ پرسکون نظر آتی تھی۔ اس کی یہی عادت ماں کو سب سے زیادہ پسند تھی۔ وہ مشکل سے مشکل حالات میں بھی بہت ٹھنڈے دماغ سے سوچتی تھی اور ماہی کی طرح واویلا کرنے کے بجائے خود کو فوراً سے کمپوز کر لیتی تھی۔ ماہی کو کانٹا بھی چبھ جائے تو ہر ایک کو اپنا زخم دکھا کے رونا ڈال دیتی تھی۔

''دیکھیں اگر انہوں نے کوئی ایسی بات کی ہے جو آپ کو پسند نہیں آئی تو ہم ادھر رشتہ نہیں کریں گے۔ کوئی مجبوری تو نہیں ہے نا۔'' اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ وہ تو لڑکے کو جانتی بھی نہیں تھی۔ کون سا کوئی جذباتی وابستگی تھی۔

''بات ہی تو نہیں کی انہوں نے۔'' ماں قدرے فکر مندی سے بولیں۔ مالا چونکی۔

''حالانکہ فون پہ یہی کہا تھا کہ رشتہ مانگنے آئیں گی۔ اور یہاں آ کے ادھر ادھر کی باتیں کر کے چلی گئیں۔''

''اور ان کا بیٹا .. پرنس چارمنگ کی اولاد... کیسے اکتایا ہوا بیٹھا تھا۔ میں نوٹ کر رہی تھی۔'' ماہی دبے دبے غصے سے بڑبڑائی۔ (کمبخت)

مالا نے گہری سانس لی۔ دل کو چوٹ لگی لیکن اس نے خود کو پر سکون رکھا۔

''اس کا مطلب ہے ان کو میں پسند نہیں آئی ہوں گی۔ یا ہمارا گھر پسند نہیں آیا ہوگا۔''

''تمہارے میں کیا کمی ہے۔'' حور جہاں بیگم خفا ہوئیں۔ انہیں یہ بات بری لگی تھی۔ ان کی خوبصورت، دراز قد بیٹی کو کوئی ریجیکٹ نہیں کر سکتا تھا۔ ''بات صرف دولت کی ہے۔ انہیں یقیناً گھر نہیں پسند آیا ہوگا۔''

''آپ نے سنا وہ کہہ رہی تھیں ہم سے پہلے کبیرہ کے گھر سے ہو کے آئی ہیں۔ ان کے میاں کبیرہ تائی کے رشتے دار ہیں نا۔'' ماہی کسی اور نہج پہ سوچ رہی تھی۔

''بس پھر کبیرہ تائی نے کہا ہوگا انہیں کہ یہاں رشتہ نہ کریں۔ سمپل۔ چھوڑیں ماں۔ ہم اپنے کام کرتے ہیں اور اپنی زندگی میں واپس جاتے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ماہی نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ جانتی تھی اس کا دل دکھا ہے۔ لیکن وہ ظاہر نہیں کرے گی۔

''ہاں ... مالا کو رشتوں کی کمی تھوڑی ہے۔ ہر دوسرے ہفتے رشتے آتے ہیں۔ بس ہمارے معیار پہ پورے نہیں اترتے۔'' پھر بڑبڑائی۔ ''کمبخت۔''

ان دونوں کو وہیں چھوڑ کے وہ باہر آ گئی۔ چہرہ بظاہر سنبھلا ہوا تھا لیکن دل ... دل پہ بوجھ تھا۔

کون کتنا امیر ہے، اس کا تعین انسان اپنے حوالے سے کرتا ہے۔ بخت بی کے رشتے دار انہیں بہت امیر کبیر سمجھتے تھے، لیکن سہیل اور ثمرین آنٹی کے لیے وہ امیر نہیں تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ ان کی مالی حالت بری تھی۔ بس ان کے پاس کبیرہ تائی کی طرح پیسے کی ریل پیل نہیں تھی۔ اور بہت سے لوگوں کو یہی چاہیے ہوتی ہے۔ کوئی بات نہیں۔ اس نے آنکھ کا گیلا ہوتا کونا رگڑا اور کھڑکی کے ساتھ کرسی پہ بیٹھ گئی۔

شادی ہی تھی۔ یہاں نہ ہوئی تو کہیں اور ہو جائے گی۔ کوئی بات نہیں۔ اس نے خود کو تسلی دی۔ اسے ماہی کی طرح شادی کا کریز نہیں تھا۔ لیکن اسے بھی شادی کے لیے اتنی ہی ایکسائٹمنٹ اور خوشی تھی جتنی ہر لڑکی کو ہوتی ہے۔ کیونکہ اپنی عمر کی ہر لڑکی کی طرح وہ یہی سمجھتی تھی کہ شادی خوشی کا دوسرا نام ہے۔

کھڑکی کے باہر کھڑا بوگن ویلیا کا درخت اپنے جامنی پھولوں کا بوجھ اٹھائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ یہ درخت برسوں سے صبح شام اس کے کمرے میں جھانکا کرتا تھا۔ اور اس نے آج نوٹ کیا تھا کہ اس کے پھولوں میں جامنی کے دو شیڈ نظر آتے تھے۔ کبھی فرصت سے بیٹھ کے اس کو دیکھا ہی نہیں۔ نہ جانے اس کا کیا مقصد تھا؟ سایہ فراہم کرنا؟ لیکن سائے کے لیے تو فائبر گلاس کا شیڈ بھی بنوایا جا سکتا تھا۔ اس کے پھولوں کی خوشبو بھی نہیں تھی نہ ان کے گلدستے بن سکتے تھے۔

وہ گم صم سی بیٹھی اس درخت کو دیکھے گئی۔

اتنے برس سے وہ اسے خاموشی سے کچھ کہہ رہا تھا۔ لیکن وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کیونکہ ابھی اسے درختوں کی زبان نہیں آتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاسم فرید کے گھر کے باہر لگے پودے مرجھائے ہوئے تھے۔ ماہر جب بھی ان کے پاس سے گزرتا' انہیں دانستہ نظر انداز کر دیتا۔ اور اس دوپہر گھر میں داخل ہوتے ہوئے وہ ویسے ہی اتنی عجلت میں تھا' کہ پودوں کی طرف دھیان نہیں دیا۔ داخلی دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوا۔ اس کا رخ سیڑھیوں کی طرف تھا۔ لیکن لونگ روم میں آتی آوازوں کے باعث وہ ٹھہر گیا۔

''بیربل...'' اسے وہ اس دن کے بعد آج نظر آیا تھا۔ تھری سیٹر صوفے پہ بیٹھا' سامنے بڑی اسکرین پہ کوئی animation دیکھتے ہوئے وہ پاپ کارن کھا رہا تھا۔ ماہر کی آواز پہ کرنٹ کھا کے اٹھا۔ جلدی سے پیالہ رکھا اور اس کے سامنے آیا۔ چہرے سے وہ ایک دم گڑبڑایا ہوا لگتا تھا۔

''تم؟'' پریشانی سے ماہر کو دیکھا جو سوٹ میں ملبوس' تیار نظر آتا تھا۔ ''میرا مطلب ہے تم نے آج دوہا (قطر) جانا تھا۔''

لونگ روم کی بتیاں بجھی ہوئی تھیں اور وہاں صرف اسکرین کی نیلی روشنی تھی۔ کھڑکیوں کے بلائنڈز بھی بند تھے۔

وہ دونوں نیم اندھیرے میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''ہاں ائیرپورٹ جا رہا تھا۔ گھر سے کچھ لینے آیا تھا۔ اچھا ہوا تم مل گئے۔'' ماہر کے ماتھے پہ خفگی سے بل پڑے۔ ''میرج میٹریل۔ ہوں؟''

بیربل مسکرایا۔ ''اچھی تھی نا؟''

"کیا تم مجھے جانتے نہیں ہو؟ مجھے یہ سلیکون (silicon) والی لڑکیاں نہیں پسند۔"

"ساری لڑکیاں ایسی ہی ہیں یہاں۔ وہ تمہارے لیے پرفیکٹ تھی۔" بیربل نے اس سے زیادہ خفگی سے منہ بنایا۔ ماہر نے افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے سر جھٹکا۔ پھر کچھ یاد آیا۔ وہ دھیما پڑا۔

"تم ٹھیک ہو؟" اسے اس کا حال پوچھنے کے لیے وقت ہی نہیں ملتا تھا۔

بیربل نے شانے اچکا دیے۔ زبردستی مسکرایا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔ تم جاؤ۔"

"ابا نے ایک سخت فیصلہ لیا ہے، میں جانتا ہوں۔ مجھے بھی اچھا نہیں لگا۔ اگر تم چاہو تو میں اپنے شیئر سے تمہیں..."

"میں کبھی بھی ابا کا فیورٹ چائلڈ نہیں تھا۔" وہ سنجیدگی سے بولا تو ماہر چپ ہو گیا۔ "وہ مجھے تمہارے جیسا روبوٹ بنانا چاہتے تھے۔ مجھے خوشی ہے میں نہیں بنا۔ انہوں نے مجھے اسی چیز کی سزا دی ہے۔ مجھے ان سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میرے لیے میرا الاؤنس کافی ہے۔ خیر تم جاؤ۔"

"بیر..." اس نے گھڑی دیکھی۔ اسے دیر ہو رہی تھی۔ "ہم بیٹھ کے اس پہ بات کریں گے۔ تم ابا کو غلط سمجھ..." اور اسی پل وہ ٹھٹکا۔ کسی تیسرے فرد کی موجودگی کا احساس ہوا۔

ماہر نے گردن موڑی۔

وہ صوفے کے پیچھے سے سر نکالے دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے گھنگھریالے بال اونچی پونی میں بندھے تھے اور نیلی روشنی میں بھوری آنکھیں بلی کی طرح چمک رہی تھیں۔

اس نے چونک کے واپس بیربل کو دیکھا۔

"ماہر... میں سمجھا... تم چلے گئے ہو۔" وہ ہکلایا۔

ماہر نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور پلٹ کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ بیربل بے بسی سے شانے جھٹک کے رہ گیا۔ وہ تیزی سے زینے پھلانگتا اوپر اپنے کمرے میں آیا۔ ڈریسنگ ٹیبل کی چیزیں الٹ پلٹ کیں۔ دراز کھولے۔ وارڈروب کے خانے اوپر نیچے دیکھے۔ مطلوبہ شے نہیں مل رہی تھی۔ یا شاید وہ ڈسٹرب تھا۔

"کیا میں چلی جاؤں؟"

وہ بیڈ سائیڈ ٹیبل کے دراز کھول کے چیک کر رہا تھا جب چوکھٹ سے آواز آئی۔ اس کے ہاتھ تھم گئے۔ لیکن وہ

مڑا نہیں۔

''تم یہاں رہ سکتی ہو۔ میں جا رہا ہوں۔'' سرد لہجے میں کہا اور دوسرا دراز کھولا۔

''کہاں جا رہے ہیں؟'' ننھے قدم قریب آ رہے تھے۔ اسے ایک جگہ ٹھہرے رہنے کی عادت نہیں تھی۔

''دوہا۔'' وہ جواب نہیں دینا چاہتا تھا لیکن نہ جانے کیسے پھسل گیا۔

''آپ دوہا میں کیا کرتے ہیں۔''

''دوہا بھی میرا اپنا شہر ہے۔ وہاں ہمارا دوسرا آفس ہے۔'' وہ غائب دماغی سے دراز کی چیزیں الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

''پتہ ہے میں کہاں رہنا چاہتی ہوں؟'' وہ اس کے کندھے کے قریب آ رکی تھی۔ بے بی پاؤڈر کی خوشبو۔

''کہاں؟'' ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ پنجوں کے بل سائیڈ ٹیبل کے ساتھ بیٹھا تھا اور وہ اس کے برابر تھی۔

''استنبول۔ بیربل کے شہر میں۔ بیربل ترکش ہے نا۔'' وہ مسکرائی۔ اس کے ایک گال میں گڑھا سا بنا۔ وہ اس مسکراہٹ کو بھی پہچانتا تھا۔

''بیربل ترکش نہیں ہے۔ وہ وہاں صرف پڑھنے گیا ہے۔ کیونکہ یہاں کی پڑھائی وہ کر نہیں سکتا۔'' وہ سر جھٹک کے دراز کی چیزیں نکالنے لگا۔

''بیربل ترکش ہے۔'' وہ زور دے کر بولی۔ پھر جواب نہ پا کے پوچھا۔ ''آپ کیا ڈھونڈ رہے ہو؟''

''میرا لائٹر تھا ادھر۔''

''دوہا میں لائٹرز نہیں ہوتے کیا؟''

ماہر نے گہری سانس لی۔ وہ ان سوالوں سے تنگ نہیں ہو رہا تھا۔

''اس پہ میرا نام لکھا تھا۔ مجھے وہی چاہیے۔''

''اگر نہ ملا تو؟'' وہ کبھی ایک پیر پہ کھڑی ہوتی کبھی دوسرے پہ۔ بالوں کو مسلسل انگلیوں پہ لپیٹ رہی تھی۔

''تو میں چلا جاؤں گا۔''

''کیا آپ دوہا سے میرے لیے کچھ لاؤ گے؟''

اس نے ہلال کی طرف دیکھا۔ وہ امید سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا چہرہ شفاف ترین چہروں میں سے تھا۔ پھر

جیسے وہ چونکا۔ وہ شمس کی بیٹی تھی۔ سر جھٹکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اسے جانا تھا۔

''آپ کو اوپر والے کمرے میں رہنے سے ڈر نہیں لگتا؟'' وہ چوکھٹ پہ تھا جب وہ بولی۔ ماہر کے قدم رک گئے۔

''کیوں؟'' مڑ کے تعجب سے اسے دیکھا۔

''اگر آپ صبح سیڑھیاں اترتے ہوئے گر گئے تو؟''

اس کے ابرو اچھنبے سے اکٹھے ہوئے۔ کچھ تھا ہلال کے لہجے میں جو عجیب تھا۔ دکھ۔ ویرانی۔ اس نے بغور اسے دیکھا۔

وہ چھوٹی سی بچی بیڈ کے کنارے کھڑی اس کے جواب کی منتظر تھی۔

''میں کیوں گروں گا؟''

''میری ماما کا روم بھی اوپر ہے۔ اور وہ بار بار سیڑھیوں سے گر جاتی ہیں۔''

ساری کائنات ایک پل کے لیے ساکن ہوگئی۔ اور وہ جیسے نمک کا مجسمہ بن کے رہ گیا۔ شاید اسے پیچھے مڑ کے نہیں دیکھنا چاہیے تھا۔

''ماں سیڑھیوں سے گری ہیں؟ کب؟''

ہلال نے افسردگی سے شانے اچکائے۔ ''کبھی three days بعد۔ کبھی seven days بعد۔'' انگلیوں پہ گن کے دکھایا۔

اسے چند لمحے لگے تھے سمجھنے میں۔ اور واللہ ماہر فرید کے اندازے لوگوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتے تھے۔ جیسے ہی ذہن نے اس بات کو ڈی کوڈ کیا' اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔ گھٹن۔ ہر طرف گھٹن تھی۔ اس نے بے اختیار ٹائی ڈھیلی کی۔

وہ منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے لب کھولے۔ وہ کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا تھا۔ کب۔ کیسے۔ کتنی بار۔ اس نے اور کیا دیکھا۔ لیکن اس کے سامنے ایک چھ برس کی بچی تھی۔ جس کے لمبے بال اونچی پونی میں بندھے تھے۔ اس کی نظریں ہلال کے بالوں پہ ٹھہر گئیں۔

''تم بال مت کٹوانا۔'' وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا' لیکن لبوں سے یہی پھسل گیا۔ الفاظ نے اپنا راستہ خود بنالیا تھا۔ پھر وہ رکا نہیں۔ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگا۔ آج سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ بھی اندر ہی اندر بہت دفعہ گرا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوہا (قطر) کا حمد انٹرنیشنل ائیر پورٹ دنیا کے سب سے خوبصورت ائیر پورٹس میں شمار ہوتا ہے۔عرب بدوؤں نے صحراؤں سے نکلنے کے بعد جس چیز میں ترقی کی ہے'وہ خوبصورت اور پر تعیش عمارتیں بنانا ہے۔لیکن ماہ بینہ مبین کے گرد اس وقت ائیر پورٹ کی دیواریں تنگ ہو رہی تھیں۔یوں لگتا تھا ابھی چھت بھی سر پہ آن گرے گی۔

اسے لاہور سے یہاں لینڈ کیے کچھ دیر ہی ہوئی تھی۔عباد کے پیسے بچانے اور کفایت شعور بہو کا تمغہ حاصل کرنے کے لیے ماہی نے اپنی طرف سے بہت عقلمندی کرتے ہوئے کنیکٹنگ فلائٹس کی جگہ دو دو مختلف فلائٹس بک کروائی تھیں۔ڈائریکٹ فلائٹ بہت مہنگی تھی اور وہ بارہ چودہ گھنٹے ایک ساتھ جہاز میں بیٹھ نہیں سکتی تھی۔کنیکٹنگ فلائٹ پہلے لاہور سے دوہا جاتی'اور وہاں سے فرینکفرٹ اور پھر امریکہ۔لیکن اسے ایک دوسرا آپشن نظر آیا جو ستر ہزار روپے سستا تھا۔وہ لاہور سے دوہا جائے گی'اور وہاں سے الگ فلائٹ لے کر قاہرہ'اور قاہرہ سے نیویارک۔دوہا اور قاہرہ کی فلائٹ connected نہیں تھی۔عباد کی امی نے سنتے ہی بس اتنا تبصرہ کیا تھا کہ دھیان کرنا'بعض اوقات ائیر لائن والے سامان اگلے جہاز پہ بھیج دیتے ہیں اور اگر دوہا پہنچنے پہ تمہیں سامان موصول نہ ہوا'تو تمہاری اگلی دونوں فلائٹس ضائع ہو سکتی ہیں۔لیکن انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

ماہی پہلی دفعہ باہر کے ملک سفر کر رہی تھی اور وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اسے کم عقل یا کم علم سمجھے۔اپنی طرف سے اس نے بہت سستا اور پلان بنایا تھا۔

لیکن دوہا میں اترنے کے بعد جب وہ اپنا سامان لینے بیگیج ایریا میں گئی تو اسے معلوم ہوا کہ اس کا سامان اگلی فلائٹ سے آ رہا ہے جو کہ چھ گھنٹے بعد لینڈ کرنی ہے۔ماہی کو دو گھنٹے بعد قاہرہ کی فلائٹ پکڑنی تھی۔اگر اس نے connecting فلائٹ لی ہوتی'تو اس کا سامان فائنل منزل یعنی نیویارک ہی پہنچتا۔لیکن چونکہ اس نے خود سے الگ فلائٹ لی تھی'وہ سامان لیے بغیر وہاں سے نہیں جا سکتی تھی۔

اس وقت'ایک انفارمیشن ڈیسک کے سامنے کھڑے ماہی کو احساس ہوا کہ اس نے اپنی ساس کی بات نہ مان کے کتنی بڑی غلطی کر دی ہے۔یا شاید وہ آفیسر اسے غلط بتا رہا تھا۔اس کا سامان لیٹ کیسے ہو سکتا تھا؟

"میرا سامان کب آئے گا؟"

اس نے جھک کے پھر سے پوچھا۔کندھوں پہ بیک پیک پہنے'چھوٹے بالوں کو ہیئر بینڈ سے پیچھے کیے'وہ بورڈنگ پاس اور پاسپورٹ ہاتھ میں لیے پریشان کھڑی تھی۔

''آپ کا سامان اگلی فلائٹ سے آ رہا ہے۔ چھ گھنٹے بعد۔'' اب کے آفیسر نے قدرے تنگ آ کے کہا۔ لائن میں ماہی کے پیچھے دوسرے لوگ بھی کھڑے تھے اور وہ ان کا راستہ روکے ایک ہی بات بار بار پوچھے جا رہی تھی۔

''مگر میں نے دو گھنٹے میں قاہرہ کی فلائٹ لینی ہے اور وہاں سے امریکہ جانا ہے۔ میری فلائٹس نان ریفنڈ ایبل ہیں (تبدیل نہیں ہوسکتیں)۔ وہ ضائع ہو جائیں گی۔''

آفیسر نے تھک کے اسے دیکھا۔ ''میں آپ کو یہی سمجھا رہا ہوں۔ آپ کو connecting فلائٹ لینی چاہیے تھی۔ آپ کے ٹکٹ پہ فائنل منزل دوہا لکھی تھی۔ ائیر لائن آپ کا سامان صرف دوہا تک پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔''

کسی نے پیچھے سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کے پیچھے والے کو روکا۔

''ایک منٹ میں بات کر رہی ہوں۔'' اور آفیسر کی طرف جھکی۔ ''لیکن میرا سامان اسی فلائٹ سے آنا چاہیے تھا نا۔ پلیز کچھ کریں۔''

''ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ آپ کو چھ گھنٹے انتظار کرنا ہوگا۔ اور قاہرہ، امریکہ واٹ ایور کے لیے نئی فلائٹ لینی ہوگی۔'' وہ اب کے تلخی سے بولا اور اسے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔ پیچھے لگی قطار میں لوگ انتظار کر رہے تھے۔ کسی نے پھر سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ وہ جھنجھلا کے پیچھے والے سے بولی۔

''دیکھ نہیں رہے میں بات کر رہی ہوں؟ دو منٹ انتظار کر لو۔''

پھر غصے سے انفارمیشن ڈیسک پہ بیٹھے آفیسر کو دیکھا۔

''آپ لوگوں کی غلط مینیجمنٹ کی وجہ سے یہ سب ہوا ہے۔ میں نا آپ کی ائیر لائن کے خلاف ٹوئیٹر پہ ٹرینڈ چلاؤں گی۔ اور.....'' اس کی آواز ٹوٹی۔ اور وہ کیا کرے گی؟ پرایا ملک۔ پرائی جگہ۔ پہلی دفعہ بیرون ملک سفر کیا تھا۔ عباد کا سارا ددھیال جمع ہوگا امریکہ میں۔ شادی پہ سب ماہی کو ہی گوسپ کا موضوع بنائیں گے۔

''میں بات کروں ان سے؟'' پیچھے کھڑے مرد نے آہستہ سے کہا تو وہ غصے سے پلٹی۔ اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔

''میں اپنے حق کے لیے خود بول سکتی ہوں۔ مجھے کسی کی ہیلپ نہیں چاہیے۔''

وہ کوئی پاکستانی تھا۔ ایک تو یہ پاکستانی ائیر پورٹ پہ اکیلی پاکستانی لڑکی دیکھ کے فوراً سے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

''ٹھیک ہے۔ روتی رہو۔'' اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ وہ کلین شیو اور دراز قد آدمی تھا۔ کوٹ بازو پہ ڈالے ٹائی ڈھیلی کیے کھڑا وہ بار بار کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھ رہا تھا۔

"ہم آپ کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔ سوری۔" آفیسر نے اب کے ضبط سے کہا تو وہ چپ چاپ ایک طرف ہو گئی۔ ایک آنسو آنکھ سے ٹپکا۔ پیچھے آتی آوازوں سے اسے اندازہ ہوا کہ وہ آدمی لندن جانے والی اگلی فلائٹ کا ہو چھ رہا تھا۔

وہ ان سب کی طرف پشت کیے کھڑی ہو گئی اور موبائل نکالا۔ وہ اسے پہلے ہی ایئرپورٹ کے نیٹ سے connect کر چکی تھی۔ مالا اور ماں کو کیا پریشان کرتی۔ اسے عباد کو ہی کال ملانی تھی۔

مگر عباد کا فون آف تھا۔ وہ بار بار اسے کال ملانے لگی۔ عباد کام سے دوسرے شہر گیا ہوا تھا۔ وہ سسرال والوں کے ساتھ نہیں تھا۔ اور فی الحال وہ سسرال نہیں کال کر سکتی تھی۔ خالہ بے شک خالہ تھیں لیکن اب وہ ساس بھی تھیں۔

لندن کی فلائٹ کا پوچھنے والا مرد ڈیسک سے ہٹا اور ماہی کے ساتھ سے گزر کے آگے بڑھ گیا۔ وہ سر جھکائے آنسو صاف کرتے ہوئے عباد کو کال ملا رہی تھی۔

وہ چند قدم دور رکا۔ جیسے ضبط سے گہرے سانس لیے۔ پھر وہ واپس آیا۔ اسے محسوس ہوا کہ وہ اس کے سامنے آرکا ہے۔

"رو کیوں رہی ہو؟"

ماہی نے گیلا چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ اتنی جلدی رونے والوں میں سے نہیں تھی لیکن پریگننسی ہارمونز۔ اُف۔

"کیونکہ میں پریشان ہوں۔" پھر غصے سے انفارمیشن ڈیسک کی طرف دیکھا۔ "قطر ایئر لائن کے خلاف میں ٹوئٹر پہ اتنے ٹرینڈز چلاؤں گی کہ یہ یاد رکھیں گے۔"

بازو پہ کوٹ ڈالے آدمی نے افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"اس سے کیا ہوگا؟"

"پتہ نہیں۔" پھر اسے اپنے لہجے کا احساس ہوا۔ "سوری میں کچھ زیادہ ہی بول گئی۔ میں پریشان تھی۔ میری جگہ آپ بھی ہوتے تو یہی کرتے۔" ٹشو سے سرخ ناک رگڑی۔

"میں تمہاری جگہ ہوتا تو ایسے بالکل نہ کرتا۔"

"اچھا؟ آپ کیا کرتے؟"

وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑ کے اس آدمی کو غور سے دیکھنے لگی۔ وہ خوش شکل اور پراعتماد سا تھا۔ قیمتی سوٹ، چمکتے جوتے، کلائی کی گھڑی، اس کی ہر شے سے امارت جھلکتی تھی۔ وہ کوئی عام سا مسافر نہیں تھا جو صرف اس سے بے تکلف

ہونا چاہتا تھا۔

''میں ائیر لائن کو ٹوئیٹر ٹرینڈ کی دھمکی نہ دیتا۔ چچ۔'' جیسے اس پہ افسوس کیا۔ ماہی کے ابرو ناراضی سے اکٹھے ہوئے۔ وہ کچھ کہنے لگی لیکن اس آدمی نے انگلی اٹھا کے اسے روک دیا۔ اور خود واپس انفارمیشن ڈیسک تک آیا۔ وہاں اب رش نہیں تھا۔

''اس مسافر کی اگلی دو فلائٹس قطر ائیر لائن کی نااہلی کی وجہ سے مس ہوئی ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے اس سے مخاطب تھا۔'' پہلے آپ لوگ صرف بیگز توڑتے تھے اب آپ سامان بھی وقت پہ نہیں پہنچاتے۔''

''سر... ان کی فائنل منزل دوہا تھی۔ ان کا سامان یہیں پہنچے گا۔ میں نے انہیں بتایا ہے۔''

''لیکن آپ نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ اگر ائیر لائن کی غلطی کی وجہ سے ان کا مالی نقصان ہوتا ہے تو ائیر لائن اس نقصان کو ادا کرے گی۔''

ماہی نے چونک کے اسے دیکھا۔ لب بے یقینی سے کھل گئے۔ (ہیں؟)

وہ برہمی سے کہہ رہا تھا۔'' یہ آپ کی ویب سائٹ پہ لکھا ہے۔'' ساتھ ہی موبائل اسکرین اس کے سامنے کی۔ آفیسر کے تاثرات بدلے۔ اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔''جی۔ وہ نئی فلائٹ لے کر کلیم داخل کر سکتی ہیں۔ ائیر لائن ان کو نئی فلائٹس کی قیمت ری فنڈ کر دے گی۔''

''اس نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' ماہی کا منہ کھل گیا۔ (کم بخت۔)

وہ مڑ کے اسی خفگی سے اسے دیکھنے لگا۔'' وہ تمہیں کیوں بتائے گا۔ فلائٹ بک کرواتے وقت terms and conditions انسان نے خود پڑھنی ہوتی ہیں۔'' پھر وہ سیدھا ہوا۔'' اب رونا بند کرو۔ اور نئی فلائٹس بک کرواؤ۔''

کہہ کے وہ رکا نہیں۔ آگے بڑھ گیا۔ وہ تیزی سے موبائل نکال کے ویب سائٹ کھولنے لگی۔ اسے اب تسلی سے تمام شرائط و ضوابط پڑھنی تھیں جنہیں وہ '' آئی ایگری'' کا بٹن دبا کے آگے کر دیتی تھی۔ پھر اچانک سے اس نے سر اٹھا کے دیکھا۔

وہ اب وہاں کہیں نہیں تھا۔ ائیر پورٹ کے انسانوں کے ہجوم میں وہ کہیں دور چلا گیا تھا۔ نہ معلوم کون تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ کو شادیاں ہمیشہ بورنگ لگتی تھیں۔ سج سنور کے جاؤ اور ہال کی ایک میز پہ جا کے بیٹھ جاؤ۔ پھر کھانا

کھاؤ' تصاویر بنواؤ اور واپس آ جاؤ۔ اور ماہی کے بغیر تو وہ مزید بورنگ تھیں۔ لیکن کزن کا ولیمہ تھا اور ماں اکیلی نہیں جا سکتی تھیں۔ ان کو کمپنی دینے کے لیے وہ ان کے ساتھ چلی آئی تھی۔ ذہن ماہی کی طرف اٹکا ہوا تھا۔ ماں بھی زیرِ لب اسی کے لیے کچھ پڑھے جا رہی تھیں۔ ان کی بیٹی پہلی دفعہ اکیلے بیرون ملک کا سفر کر رہی تھی۔ وہ بھی تین فلائٹس بدل کے۔ وہ بار بار ماں کو تسلی دیتی کہ ماہی ماہی ہے۔ اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ ٹھیک رہے گی۔ لیکن ماں پریشان سی تھیں۔

ولیمے میں شرکت نے ان کا ذہن قدرے بانٹ دیا۔ آج ان کو تیار کرنے والی ماہی نہیں تھی اس لیے وہ واجبی سا تیار ہوئی تھیں۔ مالا خود بھی ہلکی پھلکی ہی تیار ہوا کرتی تھی۔ اس نے ہلکے کام والا سبز جوڑا پہن رکھا تھا۔ چھوٹے بال کھلے تھے اور کانوں میں نگینوں والے ائیر رنگز تھے۔ گالوں کے دانے آج کل ذرا زیادہ خراب ہو رہے تھے۔ اس لیے وہ میک اپ بالکل نہیں کرتی تھی۔ حتیٰ کہ سبز آنکھوں کے گرد لائنر بھی نہیں لگاتی تھی۔ الرجی سی ہونے لگتی۔ جوتے بھی فلیٹ ہی پہنتی۔ ان کے خاندان میں غیر شادی شدہ لڑکیوں کا میک اپ کرنا یا اونچی ہیلز پہننا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ان سب ارمانوں کو پورا کرنے کے لیے لڑکیاں شادی کا انتظار کرتی تھیں۔

فنکشن ویسا ہی تھا جیسا لاہور کا کوئی بورنگ فنکشن ہوتا ہے۔ یہاں بخت بی کے گھر کی شادی کی طرح دیگ تھی نہ ہی ٹپے۔ بس سجے سنورے لوگ تھے۔ مصنوعی باتیں اور کھوکھلے قہقہے تھے۔

وہ بور سی ہو کے ماں کے ساتھ چل رہی تھی۔ ماں بھی ایک جگہ رک نہیں رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ہر رشتے دار سے مل رہی تھیں۔ وہ بھی ساتھ ہی مسکرا کے سب سے ملتی۔

دفعتاً نگاہ سامنے ایک میز پہ جا ٹھہری۔ وہاں ثمرین آنٹی کبیرہ تائی کے ساتھ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ کبیرہ اس زمانے میں بھی ایسی ہی تھیں۔ وہی ساڑھی پہننے کا انداز۔ وہی بوائے کٹ بال۔ وہ رخ موڑ کے بیٹھی تھیں' ایسے کہ وہ دور سے آتی حورِ جہاں اور کشمالہ کو دیکھ سکتی تھیں۔ انہیں دیکھ کے وہ رسمی سا مسکرا بھی دیں۔ ماں اور کشمالہ بھی مسکرا دیں۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کبیرہ سے ان کی بول چال بند نہیں ہوئی تھی۔

ثمرین آنٹی نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔ ان کی اس جانب پشت تھی۔

اُف۔ اب ان سے بھی ملنا پڑے گا جنہیں امیر بہو چاہیے تھی۔ کشمالہ کا دل تھوڑا خراب ہوا لیکن خیر مجبوری تھی۔ ثمرین اور سہیل مادیت پرست تھے تو کیا ہوا۔ وہ بھی اعلیٰ ظرف تھی۔ مسکرا کے مل لے گی۔

اس نے بس ایک گہرا سانس لیا اور خود کو ٹھنڈا کرلیا۔ پھر ماں کے ساتھ ان کی طرف چل دی۔

کبیرہ کنکھیوں سے انہیں دیکھتی ہوئی ثمرین سے بات کررہی تھیں۔ جب وہ دونوں اتنے قریب آ گئیں کہ سماعت کی حد میں تھیں تو کبیرہ نے چہرے پہ حیرت لاتے ہوئے ثمرین کو مخاطب کیا۔

''آپ سہیل کا رشتہ کررہی تھیں نا حورے کی بیٹی سے۔اس کا کیا بنا؟''

وہ دونوں جہاں تھیں' وہیں رک گئیں۔ساکن۔

''بس کیا بتاؤں کبیرہ۔''ثمرین جس طرح ایک دم پھٹ کے بولیں'مالا اور ماں وہیں رک گئے۔ ساکن۔جامد۔ان کے عین پیچھے۔

''میں نے تو خاندان کی وجہ سے لڑکی پسند کرلی۔حورے کو کہہ بھی دیا۔لیکن سہیل تو اس کو دیکھتے ہی ہتھے سے اکھڑ گیا۔اتنا غصہ ہوا مجھ پہ کہ آپ نے لڑکی کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔دانوں سے بھرا ہوا۔کیا ایسی لڑکی رہ گئی تھی اس کے لیے؟ اب کبیرہ انصاف کی بات کرو'میرا ایک ہی بیٹا ہے'بے انتہا خوبصورت۔اس کے ساتھ لڑکی میچ تو کرنی چاہیے۔اور جس لڑکی کو اپنے چہرے کا ہی خیال نہ ہو'وہ اس کے ساتھ کیسے چلے گی۔''

اسے محسوس ہوا کہ ماں نے اس کا ہاتھ زور سے تھاما ہے۔جیسے اس کو رکے رہنے کا اشارہ کیا ہے۔وہ خود بالکل خاموش کھڑی تھیں۔چہرے پہ کوئی تاثر نہیں تھا۔لیکن مالا....اس نے فوراً بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔ ہر بچہ مشکل میں پڑنے پہ سب سے پہلے ماں کو دیکھتا ہے۔

ماں سامنے دیکھ رہی تھیں۔ مالا کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ان کا ہاتھ ٹھنڈا تھا۔ مالا کا گرم تھا۔اس نے گرم کو ٹھنڈے سے چھڑا لیا۔ایک دم وہ مڑی اور تیزی سے ان سب سے دور ہٹتی گئی۔اس کا رخ میرج ہال کے واش روم کی طرف تھا۔ دماغ سائیں سائیں کررہا تھا۔ابھی اس نے ثمرین کے الفاظ ٹھیک سے اندر اتارے بھی نہیں تھے۔بس اسے اتنا معلوم تھا کہ اسے اپنا چہرہ دنیا سے چھپانا ہے۔

حورِ جہاں بیگم نہ واپس مڑیں'نہ رکیں۔ وہ قدم قدم اٹھاتیں اپنے بھاری وجود کو لیے اسی ٹیبل کے قریب آ ئیں۔انہیں دیکھ کے کبیرہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ مسکرا کے ان کا استقبال کیا۔ثمرین آنٹی کے چہرے پہ پریشانی آئی۔گھبراہٹ سے سلام کیا۔لیکن حورِ جہاں اسی سنجیدگی سے ان کے سامنے کرسی پہ بیٹھیں۔سر پہ شفون کا نیلا دوپٹہ لیے'ایک کندھے پہ شال ڈالے' کانوں اور گردن میں موتی پہنے'سبز آنکھوں والی حورِ جہاں نے بڑے وقار سے ان دونوں کے سلام کا جواب دیا۔

ثمرین گھبرا کے بار بار کبیرہ کو دیکھتیں۔ لیکن کبیرہ مسکرائے جا رہی تھیں۔ دل میں جیسے ٹھنڈ اتر گئی تھی۔

"کیسی ہو کبیرہ؟" حورِ جہاں نے نرمی سے اس سے پوچھا۔

"خوش ہوں۔ مزے میں ہوں۔" کبیرہ کی اسموکی آئیز سے بجی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"عنایہ کیسی ہے؟" انہوں نے اگلا سوال پوچھا۔ کبیرہ اسی طرح مسکرائے گئیں۔

"ٹھیک ہے۔ پڑھائی میں بزی ہے۔"

"اللہ تمہاری بیٹی کو نیک بخت لگائے، کبیرہ۔ بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں۔"

کبیرہ نے مسکرا کے آمین کہا۔ حورِ جہاں کے درس ان پہ بے اثر تھے۔ حورِ جہاں کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ وہ اسی سنجیدگی سے کہنے لگیں۔

"ویسے بیٹے بھی سانجھے ہوتے ہیں۔ ان کا غم بھی سانجھا ہوتا ہے۔ تمہارے انگلینڈ میں ایک ہمسائے تھے ریٹائرڈ بریگیڈیئر محمود صاحب۔ وہ معید کے ابو کے بھی دوست تھے۔ ان کی ڈیتھ کے بعد بھی جب بھی پاکستان آئیں، ہماری طرف ضرور آتے ہیں۔"

کبیرہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

"انہوں نے بتایا تھا تمہارے بیٹے کی موت کا کبیرہ۔ مجھے بہت افسوس ہوا تھا۔" ان کی آنکھیں کبیرہ کے چہرے پہ گڑی تھیں اور آواز آہستہ تھی۔

کبیرہ کی رنگت بدلی۔ ثمرین چونک کے ان دونوں کو دیکھنے لگیں۔

"لیکن میں نے کبھی افسوس نہیں کیا تم سے۔ کیونکہ ہم نہ کسی کی اولاد پہ جھوٹ باندھتے ہیں اور نہ ان کا سچ کسی کو بتاتے ہیں۔ یہ میرے ماں باپ کی تربیت نہیں ہے۔" وہ کبیرہ پہ نظریں جمائے کہہ رہی تھیں۔ ان کی آواز میں ایک دھمکی تھی۔

کبیرہ ساداں بالکل شل رہ گئی۔ بے اختیار ادھر ادھر دیکھا۔ کہیں کوئی سن نہ لے۔

"جس کو دولت چاہیے اس کو دولت ہی ملے گی۔ (ایک کاٹ دار نظر ثمرین پہ ڈالی۔) جس کو صورت چاہیے اس کو صورت ہی ملے گی۔ اللہ شکر خورے کو شکر دے ہی دیتا ہے اور وہی اللہ میری بیٹی کو دوہرا بخت لگائے گا۔ ایسا بخت کہ دنیا دیکھے گی۔ یہ اس کی ماں کی دعا ہے۔ خوش رہو تم لوگ اپنی دنیا میں۔" وہ گھٹنوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھ گئیں۔

دونوں خواتین شل بیٹھی تھیں۔ اپنے اپنے بیٹوں کی وجہ سے۔ پھر ثمرین وہاں سے اٹھ گئیں۔ جاتے جاتے انہوں نے ناپسندیدگی سے کبیرہ کو دیکھا تھا۔ وہ اپنے سہیل کا رشتہ اس عورت کی بیٹی سے نہیں کرسکتی تھیں جو اپنے مرے ہوئے بیٹے کو زندہ بتاتی ہو۔

حورِ جہاں بیگم دھیرے دھیرے چلتی وہاں سے دور جا رہی تھیں۔ انہیں اپنی بیٹی کی تلاش تھی۔

اور میلے میں بچھڑ جانے والے بچے کو اس کی ماں تلاش کر ہی لیتی ہے۔ چاہے وہ جہاں بھی چھپ جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''آئی ایم سوری۔ آپ کا کارڈ کام نہیں کر رہا۔''

یہ ایک دوسرا ڈیسک تھا اور یہاں بیٹھا نوجوان کافی خوش اخلاق تھا۔ نہ اس سے آن لائن ٹکٹ بک ہو رہا تھا۔ نہ کارڈ یہاں کام کر رہا تھا۔ پاکستانی بینکوں کے مسئلے۔ اف۔ اوپر سے اس کے پاس اتنا کیش بھی نہیں تھا کہ ٹکٹ کی قیمت بھر سکتی۔ ایئر لائن تو بعد میں واپس کرے گی۔ ابھی تو لاکھوں روپے کا یہ خرچا اسے ہی کرنا تھا۔

ماہی کو ایک دفعہ پھر ائیر پورٹ کی دیواریں تنگ ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ اسٹریس۔ کچھ پریگننسی ہارمونز۔ اس کا دل دھاڑیں مار مار کے رونے کو چاہ رہا تھا۔

''ایک دفعہ پھر ٹرائی کر دیں۔'' اس نے اپنا کارڈ بڑھایا۔ نوجوان نے پھر سے اسے لگایا لیکن بے سود۔ اس نے معذرت کے ساتھ کارڈ واپس کر دیا۔

ماہی کی آنکھیں پھر سے گیلی ہوئیں۔ کمر کا درد اب شدید ہوتا جا رہا تھا۔ عباد بھی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ اسے اب کہیں بیٹھنا تھا۔ قریبی ویٹنگ ایریا میں لوہے کی غیر آرام دہ کرسیاں رکھی تھیں۔ اور سب فل تھیں۔ وہ ایک راہداری میں مڑ گئی اور چھوٹے قدموں سے آگے چلنے لگی۔ عباد کا فون آف تھا۔ سسرال فون کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ عباد کے خاندان میں باتیں آگے نکل جاتی تھیں۔ سارے پاکستان کو خبر ہو جاتی اور سب کہتے کہ ماہی کی غلطی ہے۔ ساس نے کہا بھی تھا کہ کنیکٹنگ فلائٹ لو۔ سب اس کا مذاق اڑائیں گے۔ چارسدہ کی پینڈو کہیں گے اس کو۔

بیس سالہ ماہ بینہ کی آنکھیں پھر سے بھر آئیں۔ اُف وہ کیا کرے۔

وہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس نے چند لوگوں کو روک کے پوچھا بھی کہ وہ کیا کرے۔ لیکن سب اس مرد جیسے نہ تھے۔ لوگ جلدی میں تھے۔ کسی کی فلائٹ نکلی جا رہی تھی۔ کسی کو سامان اٹھانے کی جلدی تھی۔ کسی کے پاس رک کے مشورہ دینے کے لیے وقت نہیں تھا۔ ایک راہداری میں اسموکنگ رومز بنے تھے۔

شیشے کی دیوار کے پار کچھ مرد اور عورتیں کسی ایک طرف منہ کیے اسموکنگ کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ کیا نشہ تھا یہ بھی۔ ایئر پورٹس پہ بھی ان کو چین نہیں ہے۔ ماہی نے ناپسندیدگی سے انہیں دیکھا اور سر جھٹک کے آگے بڑھنے لگی۔ اور تبھی وہ اسے دوبارہ نظر آیا۔ وہ رک گئی۔

وہ ایک کرسی پہ بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' لبوں میں سگار دبائے ہوئے تھا۔ وہ دوسرے لوگوں کی طرح موبائل استعمال نہیں کر رہا تھا۔ بس خاموشی سے چھت کو دیکھتا کچھ سوچ رہا تھا۔

اس انسانوں سے بھرے ائیر پورٹ پہ ماہ بینہ مبین کو جیسے امید کی ایک کرن نظر آئی۔

وہ شیشے کی دیوار کے قریب آئی۔ اور اس کے عین سامنے آ کے دستک دی۔

وہ اسی طرح اوپر دیکھتا رہا۔ آواز اس تک نہیں پہنچی تھی۔ شاید وہ کسی خیال میں گم تھا۔ کچھ اداس سا تھا اس کے بارے میں۔

ماہی نے جھنجلا کے زور سے شیشہ بجایا۔ چند لوگ ادھر دیکھنے لگے۔ کسی نے اسے بتایا کہ دروازہ باہر سے کھل سکتا ہے۔ وہ سمجھے وہ اندر آنا چاہ رہی ہے۔ کسی نے اس آدمی کو پکارا۔ کوئی اسے بلا رہا ہے۔

وہ چونکا۔ نگاہ شیشے کے پار کھڑی اس لڑکی پہ پڑی تو اس نے گہری سانس لی۔

(ناٹ اگین۔) ماہر فرید نے اکتا کے سوچا۔ پھر کندھے اچکا کے پوچھا۔ (کیا ہے؟)

''باہر آئیں۔'' وہ پریشانی سے اسے باہر بلا رہی تھی۔ صرف وہی تھا جو اسے درست مشورہ دے گا۔

''تم اندر آ جاؤ'' وہ ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ بس دو انگلیوں سے اشارہ کیا۔ یہاں سے آواز نہیں جاتی تھی۔ اس کے اشارے پہ وہ جھنجلا گئی۔

''پلیز باہر آئیں۔''

ماہر قدرے اکتا کے اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر آیا۔ سگار ہاتھ میں تھا۔ شیشے کا دروازہ ذرا سا کھول کے باہر دیکھا۔ بہت سا دھواں بھی باہر آیا

''اندر آ جاؤ۔ میں باہر نہیں آ سکتا۔ میں سگار کے درمیان میں ہوں۔''

''میں اس کے دھوئیں کے قریب نہیں جا سکتی۔'' جھنجلا کے بولی۔ اب اس کو کیا کہے۔ ''آپ پہلے میری بات سن لیں۔ پھر سگریٹ پی لینا۔''

ماہر فرید کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''یہ سگریٹ نہیں' سگار ہے۔'' انگلیوں میں پھنسا سگار اٹھا کے دکھایا۔

''ہاں تو ایک ہی بات ہے۔ وہ بھی زہر۔ یہ بھی زہر۔ اچھا باہر آئیں میری بات سنیں۔''

وہ یوں دروازہ کھول کے نہیں کھڑا ہو سکتا تھا۔ بددلی سے سگار بن میں اچھال دیا اور باہر آ گیا۔

''اب کیا ہوا ہے؟'' گہری سانس لے کر پوچھا۔ چہرے پہ کوفت تھی۔

''میرا شوہر میرا فون نہیں اٹھا رہا۔ اور میرا کارڈ کام نہیں کر رہا۔ میں کیا کروں؟''

ماہر نے گہری سانس لی۔ اُف۔

''تمہارے پاس پانچ چھ گھنٹے ہیں نا۔ بار بار کال کرو۔ اٹھا لے گا۔''

''اگر نہ اٹھایا تو میں کیا کروں گی؟'' وہ پریشان تھی۔ رونے والی۔ چڑچڑی سی۔

''وہ سیڑھیاں دیکھ رہی ہو۔'' اس نے بازو لمبا کر کے ایک طرف اشارہ کیا۔ ''اوپر جاؤ۔ اور جا کے کسی پبلک لاؤنج میں بیٹھ جاؤ۔ اور انتظار کرو۔''

ماہی نے اس طرف دیکھا۔ برقی سیڑھیاں جامد تھیں۔

''لفٹ نہیں ہے؟ میں سیڑھیاں نہیں چڑھ سکتی۔''

وہ چونکا۔ سگریٹ کے دھوئیں سے بچنا۔ سڑھیاں نہیں چڑھ سکتی۔ بات بات پہ رونا۔ اوہ۔ اس کے کندھے ڈھیلے ہوئے تاثرات بدلے۔

''آؤ میرے ساتھ۔''

وہ چپ چاپ اس کے پیچھے چل دی۔ ماہی دوست نہیں بنایا کرتی تھی۔ وہ ہر ایک پہ شک کرتی تھی۔ لیکن کچھ تھا مقناطیسی سا اس آدمی کے بارے میں۔ کچھ ایسا جو دل کو غیر آرام دہ نہیں ہونے دیتا تھا۔ اس وقت وہ ایک غیر ملک میں اکیلی تھی اور سب نے کہا تھا کہ کسی اجنبی بالخصوص پاکستانیوں پہ بھروسہ نہ کرنا۔ لیکن ماہ بینہ مبین نے اس پہ بھروسہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ اسے کچھ دیر اپنے پیچھے چلاتا گیا۔ پھر ایک ایکسیلیٹر کے دہانے رکا۔ وہاں باوردی سیکیورٹی گارڈ کھڑا تھا۔ ماہر نے اپنا فون نکالا اور اس میں موجود کارڈ اسکین کیا۔ پھر اس کی طرف اشارہ کیا۔ ''یہ میری گیسٹ ہے۔''

سیڑھیاں انہیں اوپر لے گئیں جہاں المرجان لاؤنج بنا تھا۔ دنیا کے بہترین ائیر پورٹ کا بہترین فرسٹ کلاس لاؤنج۔ رنگوں اور روشنیوں کی ایک الگ دنیا۔

وہ بے اختیار گردن اوپر نیچے موڑ کے اطراف کو دیکھنے لگی۔ چند لمحوں کے لیے وہ اپنی ساری پریشانی بھول گئی تھی۔

ایک بڑے سے ہال میں جگہ جگہ آرام دہ صوفے رکھے تھے۔ زرد' خوابیدہ سی بتیاں جل رہی تھیں۔ کچھ لوگ آرام کر رہے تھے۔ کچھ اپنے فونز اور لیپ ٹاپس پہ لگے تھے۔ ایک طرف وسیع و عریض تالاب بنا تھا۔ تالاب کے اوپر کی چھت چمکدار تھی۔ اس کی روشنی کے عکس سے تالاب کا پانی جھلملا رہا تھا۔

یہ کوئی اور دنیا تھی۔ اکانومی کلاس میں سفر کرنے والوں کو لوہے کی کرسیاں ملتی تھیں۔ یہ فرسٹ اور بزنس کلاس میں سفر کرنے والے امراء کا لاؤنج تھا۔

ماہر نے پانی کے قریب رکھے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ ٹانگوں اور کمر کو سکون آیا۔ بیگ پیک میز پہ رکھ دیا۔

''اب تم یہاں آرام سے انتظار کرو۔ اوپر ریسٹوران میں بفے لگا ہوا گا۔ وہاں جا کے کھانا کھاؤ اور مسئلے کا کوئی حل نکالو۔'' وہ ہدایات دیتا بس جانے لگا تھا۔

''آپ کہاں جائیں گے؟'' وہ تیزی سے بولی۔ دل ایک دم گھبرا گیا۔

''میں یہیں کہیں بیٹھ جاؤں گا۔ میرا سگار ٹائم تو تم نے خراب کر ہی دیا ہے۔''

''اگر خراب ہو ہی گیا ہے تو آپ یہیں بیٹھ جائیں۔ بس میرا شوہر فون اٹھا لے تو آپ چلے جایئے گا۔'' اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے کیسے روکے۔ ''سوچیں آپ کی بہن مشکل میں ہوتی تو آپ کیا کرتے؟''

اپنی طرف سے ماہی نے ٹپیکل پاکستانیوں والا حربہ استعمال کیا تھا۔

ماہر کے سارے اعصاب تن گئے۔ اس بات کی چوٹ الگ سی تھی۔ اس نے کچھ کہا نہیں۔ خاموشی سے اس کے سامنے صوفے پہ بیٹھ گیا۔

''تھینک یو'' وہ ممنون ہوئی۔ دل کو سکون آیا۔ وہ اکیلی نہیں تھی۔ ''اور سوری۔ آپ کا سگریٹ ٹائم خراب کرنے کے لیے۔''

''سگار۔'' آج اس نے غصے سے تصحیح نہیں کی۔ بس تالاب کو دیکھتے ہوئے دھیرے سے بولا۔

''ایک ہی بات ہے۔ نہیں؟''

''ایک بات نہیں ہے۔ سگریٹ زہر ہے۔'' وہ پانی پہ رقص کرتی روشنیاں دیکھ رہا تھا۔

''اور سگار کیا ہے؟''

''میری محبوبہ۔'' وہ اسی سنجیدگی سے بولا تو ماہی ایک دم ہنس پڑی۔

''سگار آپ کی ایڈکشن ہے۔ محبوبہ وغیرہ نہیں۔'' اپنے ازلی انداز میں بولی۔ پھر احساس ہوا کہ اپنی مدد کرنے والے آدمی کو ناراض کرنا دانشمندی نہیں تھی۔ جلدی سے مسکراہٹ روکی۔ ''سوری میں...''

''کیا پیو گی؟ میں کافی لینے جا رہا ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''تھینک یو۔ میں کیفین سے پرہیز کر رہی ہوں۔''

ماہر فرید نے گہری سانس لی۔ کم عمری کی شادی۔ پہلا بچہ۔ یہ کوئی وہمی لڑکی تھی۔ پریگننسی کھونے سے ڈرنے والی۔ ورنہ اب اتنا کیا پرہیز... خیر۔

وہ عباد کو پھر سے کال ملانے کی کوشش کرنے لگی۔ بے سود۔ تھک کے اس نے ماں اور مالا کو کال کی۔ دونوں فون نہیں اٹھا رہے تھے۔ شاید ابھی ویسے سے واپس نہیں آئے تھے۔ المرجان لاؤنج کے ماحول نے اس کے اعصاب کو ریلیکس کر دیا تھا۔ خیر ہے اس کے پاس بہت وقت ہے۔ وہ بہتر محسوس کر رہی تھی۔

گرین ٹی کا کپ اس کے سامنے میز پہ رکھا گیا تو وہ چونکی۔ پھر فون رکھ دیا۔ وہ اپنا کافی کپ لیے سامنے بیٹھ رہا تھا۔

''آپ کہاں سے آ رہے تھے؟'' اسے پہلی دفعہ اس اجنبی میں دلچسپی ہوئی۔

''لندن سے۔'' وہ گھونٹ بھرتے ہوئے تالاب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے برطانوی لہجے سے پہچان چکی تھی۔

''اور کہاں جا رہے ہیں؟''

''واپس لندن۔''

وہ چونکی۔ ''آپ آتے ساتھ ہی واپس جا رہے ہیں۔ خیریت ہے؟''

''ہاں۔'' وہ زیادہ بولنا نہیں چاہ رہا تھا۔

''پھر آپ کے آنے کا کیا فائدہ؟ ٹکٹ ہی ضائع کر دیے۔ امیر لوگوں کے بھی مزے ہیں۔'' کپ اٹھاتے ہوئے اس نے کہہ ڈالا۔ اب اس سے زیادہ ماہ بینہ اپنی زبان کنٹرول نہیں کر سکتی تھی۔

''اچھا... اور کیا مزے ہیں امیر لوگوں کے؟'' وہ ٹیک لگائے، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا اسے دیکھنے لگا۔

''وہ کسی بھی وقت مرضی کی فلائٹ لے سکتے ہیں۔ میری طرح ائیر پورٹس پہ خوار نہیں ہوتے۔''

''تم اپنے شوہر کے گھر والوں کو کال کر سکتی ہو۔''

''ہرگز نہیں۔ میرا سارا سسرال نیویارک میں اکٹھا ہے۔ ان کو بتا دیا تو وہاں جو میرے ساتھ ہوگا نا'وہ بس مجھے پتہ ہے۔'' جھرجھری لی۔

وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ جیسے تشویش ہوئی ہو۔

''کیا وہ تم پہ ہاتھ اٹھائیں گے؟''

ماہی کا چہرہ گلابی ہوا۔

''کوئی ہاتھ اٹھائے تو سہی۔ میں ہاتھ توڑ کے رکھ دوں گی۔ میری ماں نے مجھے کمزور عورت نہیں بنایا۔ ہاں۔'' اس کا چہرہ تمتمانے لگا تھا۔'' مجھے صرف گوسپ کا موضوع بننے سے ڈر لگتا ہے۔ کوئی مجھے بے وقوف نہ کہے۔ ہاتھ اٹھائیں تو سہی۔'' منہ میں ہی بڑبڑانے لگی۔

''کیا ہر عورت ہاتھ اٹھانے والے شوہر کا ہاتھ توڑ سکتی ہے۔'' وہ تھوڑی پہ انگلیاں رکھے سوچتی نظروں سے اسے دیکھے گیا۔

''بالکل توڑ سکتی ہے۔ اگر وہ پڑھی لکھی ہو اور بالخصوص امیر ہو۔ اب میری ملازمہ کی بیٹی کو دیکھ لیں۔'' وہ کپ میں ٹی بیگ اوپر نیچے کر رہی تھی۔'' روز پٹتی ہے اپنے شوہر سے۔ مگر اسے نہیں چھوڑتی۔ اس دن بازو ٹوٹا ہوا تھا اس کا۔ میں نے پوچھا کیا ہوا ہے تو کہتی سیڑھیوں سے گر گئی تھی۔''

ماہر ایک دم چہرہ موڑ کے تالاب کو دیکھنے لگا۔ مٹھی بھینچ لی۔ اتنے زور سے کہ ناخن ہتھیلی میں پیوست ہو گئے۔

''اب مجھے بتائیں ... سیڑھیوں سے کوئی روز روز گر سکتا ہے کیا؟ مگر نہیں۔ ایک ہی بہانہ ہے سب بے چاری عورتوں کے پاس۔'' پھر تصحیح کی۔'' غریب اور مڈل کلاس عورتوں کے پاس کیونکہ وہی پٹتی ہیں۔ امیر ہوتیں تو کوئی ہاتھ نہ لگا سکتا۔''

''امیر عورتوں پہ بھی تشدد ہوتا ہے۔'' وہ پانی کو دیکھتے ہوئے بولا تو آواز بہت آہستہ تھی۔

ماہی نے ناک سے مکھی اڑائی۔ اب وہ ریلیکس لگتی تھی۔

''نہیں ہوتا۔ اب آپ کے لندن میں کسی عورت کو کوئی انگلی سے بھی چھو لے تو وہ پولیس بلا لے گی اور ...''

''لندن میں ہر سال اٹھانوے ہزار عورتیں اپنے شوہر یا بوائے فرینڈ کے تشدد کا نشانہ بنتی ہیں۔''

ماہی کے لب کھل گئے۔

"کیا؟" اسے یقین نہیں آیا۔ "لیکن وہاں تو آپ پولیس بلا سکتے ہیں۔"

بچپن سے ٹی وی ڈراموں اور فلموں میں یہی دیکھا تھا کہ باہر کے ملکوں میں نہ کوئی بچے کو مار سکتا ہے نہ بیوی کو۔

"یہ اٹھانوے ہزار وہ عورتیں ہیں جو پولیس کو بلاتی ہیں۔ پھر چند دن کی دوری اور ذرا سا جرمانہ بھرنے کے بعد ان کا آدمی ان کو منا لیتا ہے اور وہ واپس اسی ٹاکسک رشتے میں چلی جاتی ہیں۔ لاکھوں عورتیں وہ ہیں جو پولیس نہیں بلاتیں۔ اور وہ عموماً..." اس نے تھوک نگلا... "پڑھی لکھی اور... اور امیر عورتیں ہوتی ہیں۔"

ماہی کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "پڑھی لکھی امیر عورتیں کیوں شوہر کا تشدد برداشت کرتی ہیں؟"

سامنے بیٹھے مرد کی بھوری آنکھوں میں تالاب کے پانی کا عکس ابھرا۔

"شاید ان کے بیٹوں نے ان کو چھوڑ دیا ہوتا ہے۔"

ماہی نے الجھ کے اسے دیکھا۔ "ہیں؟ بیٹے کہاں سے آ گئے؟"

ماہر نے سر جھٹکا۔ اور ہلکے سے کنپٹی کو چھوا۔ جب سے ہلال نے وہ بات کہی تھی' اس کا سر درد سے پھٹے جا رہا تھا۔

"نہیں اٹھایا تمہارے شوہر نے فون؟"

"اس کو تو میں امریکہ جا کے پوچھوں گی۔ کمبخت۔" اس نے دانت کچکچائے۔ پھر گھڑی دیکھی۔ ابھی کافی وقت تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ولیمے سے وہ جلد واپس آ گئی تھیں۔ واپسی کا سارا راستہ اس نے ماں سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ بس کھڑکی کے پار دیکھتی رہی۔ ماں نے بیچ راستے میں اس کا ہاتھ تھاما۔ ان کا ہاتھ اب بھی ٹھنڈا تھا۔

"چھوٹے لوگوں کی چھوٹی باتوں کا برا نہیں مناتے۔"

لیکن اس نے ہاتھ چھڑا لیا۔ بس خشک آنکھوں سے باہر دیکھے گئی۔

گھر آ کے وہ اوپر اسٹوڈیو میں چلی گئی اور دروازہ لاک کر لیا۔ مالا یہی کیا کرتی تھی۔ اسے جب بھی کوئی صدمہ ملتا' وہ خود کو ہر چیز سے الگ کر لیتی۔ دور چلی جاتی۔ سب کو چھوڑ دیتی۔ یہ اس کا سیلف ڈیفنس میکنزم تھا۔

ماں نے دو تین دفعہ بخت بی کے ہاتھ پیغام بھیج کے اسے بلایا لیکن وہ نہیں آئی۔

"ابھی تک دروازہ نہیں کھولا؟" ماں کچن کاؤنٹر کے ساتھ کرسی پہ بیٹھی تھیں جب بخت بی ٹرے واپس لائیں۔

چہرے پہ مایوسی تھی۔حور جہاں بیگم نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اسے جانے کا اشارہ کیا۔

کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر وہ اٹھیں اور کھانے کی ٹرے اٹھالی۔ان کے گھٹنے اب پہلے جیسے نہیں تھے۔ گھر میں وہ سارا دن چلتی پھرتی تھیں۔لیکن سیڑھیاں چڑھنا دشوار تھا۔ ہفتے بعد جا کے اوپر صفائی کا جائزہ لیتیں۔ البتہ آج وہ خود ٹرے اٹھائے سنبھل سنبھل کے سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں۔اسٹوڈیو کی طرف جاتے زینے بیرونی تھے۔لوہے کیے زینے جن کے درمیان خلاء تھا۔ماں اوپر آئیں تو انہیں سانس چڑھ چکا تھا۔چند لمبے گہرے گہرے سانس لے کر تنفس ہموار کیا۔پھر اپنے بھاری ہاتھ سے دروازہ بجایا۔کلائی میں پڑے سونے کے کنگن چھنک اٹھے۔

''بیٹے کھانا کھالو۔کھانے سے کیا ناراضی۔''

''مجھے بھوک نہیں ہے ماں۔آپ جائیں۔''وہ بس ہلکا سا اتنا ہی بولی۔وہ اسٹوڈیو کے فرش کے وسط میں بیٹھی تھی۔گھٹنے سینے سے لگا کے ان پر تھوڑی ٹکا رکھی تھی۔آنسو آنکھوں سے نکل کے چہرے کے دانوں پر سے پھسلتے جا رہے تھے۔

''مالا...میری بیٹی...''انہوں نے اپنے ٹھنڈے ہاتھ سے پھر دستک دی۔مگر وہ نہیں ہلی۔پھر آہستہ سے جھکیں۔ٹرے چوکھٹ پہ رکھی۔ایک ہاتھ سے ریلنگ کا سہارا لیا اور دوسرا گھٹنے پہ رکھے وہیں اوپری زینے پہ بیٹھ گئیں۔دوپٹے کے پلو سے گردن کا پسینہ تھپتھپا کے خشک کیا۔

یہ اوپن ائیرز ینے تھے۔یہاں سے بیٹھ کے دیکھو تو ساری کالونی اور اس کے لہلاتے درخت نظر آتے تھے۔ہر گھر کے سامنے ایک چھوٹا سا سبز قطعہ اس گھر کے مالی کی محنت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

''تم پوچھتی تھیں کہ میں پودے کیوں اگاتی ہوں؟''

ہوا سے ان کا دوپٹہ اڑنے لگا تو اسے سر پہ ٹکا کے کانوں کے پیچھے اڑس لیا۔نگاہیں ان درختوں پہ جمی تھی جو قطار کی صورت میں سرک کنارے اگے تھے۔ہر گھر کا اپنا درخت تھا۔

وہ گھٹنوں سے سر اٹھا کے غور سے سننے لگی۔

''اور میں کہتی تھی کہ پودے آکسیجن پیدا کرتے ہیں۔آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتے ہیں۔''

وہ نیم اندھیرا اسٹوڈیو میں بیٹھی خاموشی سے سنے گئی۔

''لیکن اصل بات یہ نہیں تھی' بیٹے۔ مجھے میرے پودے اس لیے اچھے لگتے ہیں کیونکہ یہ میری طرح تنہا تھے۔تمہارے ابو تمہارے بچپن میں مجھ سے جدا ہو گئے تھے۔''

وہ دھیرے سے اٹھی اور بنا چاپ کے چلتی ہوئی دروازے تک آئی۔ پھر اس کے ساتھ بیٹھی'یوں کہ پشت دروازے سے لگالی۔

''اگر میں لوگوں کی باتوں کو دل پہ لگائے بیٹھی رہتی تو میں زندگی کا یہ سفر کیسے طے کرتی؟ اپنے بچوں کو اکیلے کیسے پالتی؟''

مالا نے سر دروازے سے لکا دیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ آنسو زاروقطار بہنے لگے۔

باہر ماں بھی ایسے بیٹھی تھیں کہ اس طرف پشت تھی۔ دونوں کے درمیان ایک بند دروازہ حائل تھا۔

''ہر پودا تنہا ہوتا ہے کیونکہ وہ اردگرد کے پودوں کو نہیں دیکھتا۔ اس کی جڑ زمین میں ہوتی ہے اور شاخیں آسمان میں۔ وہ اپنے رب کی طرف جانے کے لیے اپنا قد بڑا کرتا ہے۔''

وہ بے آواز رو رہی تھی۔ ساری عمر سنا تھا کہ وہ خوبصورت شکل کی ہے۔ کبھی اپنے بارے میں کوئی ان سکیورٹی نہیں پالی۔ جب اسے لگا کہ وہ لوگ ان کی مالی حیثیت کی وجہ سے پیچھے ہٹ گئے ہیں تو اسے اتنا برا نہیں لگا تھا۔ لیکن آج کیسے دو عورتوں نے مل کے اس کی ساری ذات کو زمین بوس کر دیا تھا۔ وہ الفاظ ''کیا آپ نے اس کا چہرہ دیکھا تھا؟ دانوں سے بھرا ہوا۔'' اس کے دل میں ایسے گڑھے تھے کہ اب نکل نہیں پا رہے تھے۔

چہرے کے چند نشان' سانولی رنگت' چھوٹا قد' موٹاپا.... کیا انسان خوبصورتی کے ان پیمانوں کو آنکھوں میں لیے پیدا ہوا تھا یا یہ معاشرے نے اس کے ذہن میں فٹ کیے تھے؟

ماں کہہ رہی تھیں۔

''پودے کو نہیں پرواہ ہوتی کہ اس کے اردگرد کیا ہو رہا ہے۔ کس کے پھل اس سے زیادہ ہیں اور کس کا پھول اس سے خوشنما ہے۔ وہ بس اپنے بیج کا وفادار ہوتا ہے۔ وہ بیج جس نے اسے جنا ہوتا ہے۔ وہ اپنی ساری توانائی اس بیج کو درخت جتنے قد تک پہنچانے میں صرف کرتا ہے۔''

اس نے آنکھیں کھولیں۔ اسٹوڈیو تاریک اور خاموش تھا۔ اور دھندلا بھی۔ آنسو آنکھوں سے گرنا رک گئے تھے۔

ماں اب گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے کھڑی ہو رہی تھیں۔

''سب لوگ ایک جیسے ناقدرے نہیں ہوتے۔ کسی ایک کی وجہ سے ہر نئی دستک کا راستہ بند نہیں کرنا چاہیے۔''

وہ چونک گئی۔ ماں کو معلوم تھا وہ کیا سوچ رہی تھی۔ وہ اس کی ماں تھیں۔

اب زینے اترنے کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔

اس نے آنکھیں رگڑیں اور موبائل نکالا۔ پھر دھندلی بصارت کے ساتھ ظہیر کو کال کی۔

”ظہیر... میں پارٹنر شپ کے لیے تیار ہوں۔“ اس کی آواز گیلی تھی۔

دوسری جانب خاموشی چھا گئی۔

”مالا... ایسا ہے کہ اب میں تمہیں پارٹنر شپ آفر نہیں کر سکتا۔ سیلری پہ مینیجمنٹ پوزیشن دے سکتا ہوں۔“

”مگر تم نے پارٹنر شپ کہا تھا۔“

”ہاں لیکن ابو کا کہنا ہے کہ بغیر انویسٹمنٹ کے مجھے کسی کو پارٹنر نہیں بنانا چاہیے۔ اگر تم انویسٹ کر سکو تو ہم اس بارے میں بات کر سکتے ہیں۔“

وہ ظہیر کو جانتی تھی۔ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا رشتہ نہیں ہو رہا اور وہ مجبور ہو کے اس کے پاس آئی ہے۔ وہ اس بات سے بھی واقف تھا کہ مالا انویسٹ نہیں کر سکتی۔ ماں نے ماہی کی شادی ابھی چند ماہ پہلے ہی کی تھی۔ ایسے میں وہ ایک خطیر رقم مانگ کے ان کی کمر نہیں توڑ سکتی تھی۔

کیا اسے ایسے شخص کے ساتھ کام کرنا چاہیے جو آفر دے کر پیچھے ہٹ گیا تھا؟ جو اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ کیا ایسا شخص ایک ریڈ فلیگ (سرخ جھنڈا) تھا یا ایک اچھا کولیگ؟

لیکن اس وقت اس کے پاس دوسرا کوئی آپشن نہیں تھا جو اسے جلد سے جلد گھر کے اس ماحول اور خاندان والوں سے دور کر دے۔

”ٹھیک ہے مجھے قبول ہے۔“

اس نے فون رکھ دیا۔ یہ قبول ہے کہنا بہتر تھا اس قبول ہے کہنے سے جس کے خواب ہر لڑکی کی طرح اس نے ساری عمر دیکھے تھے۔ لیکن کشمالہ مبین وہ ان لڑکیوں میں سے نہیں بنے گی جو بار بار چائے کی ٹرالی لائیں اور ریجیکٹ ہوں۔ کیا فائدہ اس شادی کا جس میں دوسرے کے معیار کے مطابق خود کو ایک سانچے میں ڈھالنا پڑے۔

اس نے بھی ہر لڑکی کی طرح سوچا تھا کہ شادی اسے خوشی دے گی۔ لیکن آج اسے علم ہوا تھا کہ شادی خوشی کا دوسرا نام نہیں تھی۔ شادی خوشی کے لیے نہیں کی جاتی۔ کس لیے کی جاتی ہے یا خوشی ہوتی کیا ہے یہ اسے ابھی نہیں معلوم تھا۔ شادی مشکل ہے۔ اکیلے رہنا بھی مشکل ہے۔ اس نے اکیلے رہنے کا انتخاب کر لیا تھا۔

اس نے آنسو صاف کیے اور وہاں سے اٹھی۔ اسے نیچے جا کے ماں کو اپنا فیصلہ سنانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

المرجان لاؤنج کی بالائی منزل پہ ایک پرتعیش اور وسیع وعریض ریستوران بنا تھا۔ وہ اپنا کھانا ڈال کے لایا تو دیکھا' وہ میز پہ ویسے ہی بیٹھی مسلسل کالز کیے جا رہی ہے۔

''کھانا کیوں نہیں کھا رہی ہو؟'' وہ اسے تھوڑی دیر پہلے اپنے ہمراہ اوپر لایا تھا تاکہ وہ کھانا کھا سکیں۔ اب دیکھا تو وہ ایسے ہی بیٹھی تھی۔ قدرے شرمندہ سی۔

''میں پے کیے بغیر کھا نہیں سکتی۔''

''یہ فری ہے۔ تم میری گیسٹ ہو۔ جاؤ شاباش۔ کھانا کھاؤ'' وہ نرمی سے کہہ کے سامنے بیٹھا۔ وہ اب بھی نہیں اٹھی تو ماہر نے گہری سانس لی۔

''کیا تم قطر ائیر لائن سے بدلہ نہیں لینا چاہتیں؟ تم جتنا کھانا کھاؤ گی' ان کو اتنا ہی کھانا اور بنانا پڑے گا۔ نقصان ہی نقصان۔''

تھوڑی دیر بعد ماہ بینہ مبین پلیٹ بھرے اس کے سامنے بیٹھی مزے سے کھا رہی تھی۔ دو تین ڈرنکس اور جوسز بھی ساتھ رکھے تھے۔ ایک تو بھوک اتنی لگی تھی۔ اوپر سے فلائٹ کا کھانا اچھا نہیں لگا تھا۔ اور یہاں تو انواع واقسام کے کھانے دستیاب تھے۔

کھانا اندر گیا تو دماغ کچھ سوچنے کے قابل ہوا۔ نہ ماں یا مالا نے اس کی کال اٹھائی تھی۔ نہ عباد نے۔ سب ٹھیک تو تھے نا؟ اور اس سے پہلے کہ وہ ان کے بارے میں سوچتی' اس کا خیال اس آدمی کی طرف چلا گیا جو پچھلے دو گھنٹے سے اس کے ساتھ موجود تھا۔ ماہی نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ تھوڑا سا کھانا ڈالے غائب دماغی سے کھا رہا تھا۔ اس نے سوائے کارڈ اسکین کرنے کے' اپنا موبائل نہیں نکالا تھا۔ وہ ایک ورکنگ پروفیشنل لگتا تھا۔ کیا اس کے کام نہیں ہوں گے؟ یہاں ہر کوئی فون پہ لگا تھا۔ وہ کیوں دنیا سے کٹا ہوا تھا؟

''آپ میری مدد کیوں کر رہے ہیں؟'' وہ ہاتھ روک کے بغور اسے دیکھنے لگی۔ ماہر نے جھکا سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں ناسمجھی تھی۔

''میں نے تمہارے لیے ایک پیسہ نہیں خرچ کیا۔ اس لاؤنج میں میرے کارڈ پہ کوئی بھی گیسٹ فری میں آ سکتا ہے۔''

''آپ مجھے وقت دے رہے ہیں۔''

''نہیں۔ میں اپنا کھانا کھا رہا ہوں۔ میں اپنا وقت اور پیسہ کبھی ایسی جگہ نہیں لگاتا جہاں سے مجھے منافع نہ آئے۔''

اور اس لمحے ماہی کو خیال آیا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟ آپ نے بتایا ہی نہیں۔''

''تم نے پوچھا نہیں۔'' کہہ کے واپس کھانا کھانے لگا۔ ماہی نے چند ثانیے انتظار کیا۔

''آپ کون ہیں؟'' شائستگی سے دہرایا۔

''معمار۔''

''یہ آپ کا نام ہے یا آپ آرکیٹیکٹ ہیں؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

اور اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔

''میرا نام ماہ بینہ ہے۔'' خود سے بولی۔ ''اور میرے شوہر کا نام عباد ہے۔''

''کہاں سے ڈھونڈا تھا تم نے ایسا لاپرواہ شوہر بینہ؟'' وہ سر جھکائے چھری کانٹے سے اسٹیک کاٹ رہا تھا۔ ماہی نے گہری سانس لی۔ لوگ اکثر اس کے مشکل نام کو چھوٹا کر کے بینہ بنا دیتے تھے۔

''وہ ایسے کبھی نہیں کرتا۔ پتہ نہیں وہ ٹھیک ہے بھی یا نہیں۔'' وہ فکرمند ہوئی۔ ''وہ میرا واحد دوست ہے۔ میں اس کو جانتی ہوں۔''

''واحد دوست؟'' ماہر نے چہرہ اٹھا کے تعجب سے اسے دیکھا۔ ''تم تو بہت غریب نکلیں۔''

''مجھے دوست بنانے کا شوق نہیں ہے۔ ویسے دوست سے یاد آیا' آپ کو ون ان ففٹی کا فلسفہ معلوم ہے؟''

''تم ہی بتا دو۔''

اور وہ واقعی جوش سے بتانے لگی۔ ''میں نے کہیں پڑھا تھا کہ ایک ریسرچ کے مطابق ائیرپورٹ پہ ملنے والے ہر پچاس لوگوں میں سے ایک شخص سے ہم دوبارہ زندگی میں ضرور ملتے ہیں۔''

''مطلب؟''

''مطلب اگر میں ائیرپورٹ پہ پچاس لوگوں کو دوست بناؤں تو ان میں سے کسی ایک سے میں زندگی میں دوبارہ ضرور ملوں گی۔''

''پچاس میں سے ایک۔ بہت دلچسپ۔'' وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔اس کے گال میں گڑھا سا بنا۔

تبھی ماہی کا فون بجنے لگا۔ اس نے جلدی سے کانٹا رکھا ایسے کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ بے اختیار اسکرین دیکھی۔ ماں کالنگ۔ جھٹ فون کان سے لگایا۔

''کدھر تھیں آپ؟ کب سے کال کر رہی ہوں۔'' وہ چھوٹتے ہی بولی۔ پھر رک کے سننے لگی۔'' کیوں؟ کیا ہوا؟''

وہ دھیرے سے وہاں سے اٹھا اور دور کافی بار کی طرف چلا گیا۔ باریستا کو اپنی کافی کا آرڈر نوٹ کروایا۔اور پلٹ کے اس کی طرف دیکھا۔ وہ انیس بیس سال کی لڑکی سرخ چہرہ لیے' غصے سے فون پہ کچھ کہہ رہی تھی۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ ماہر نے افسوس سے سر جھٹکا۔ امیر ہو یا مڈل کلاس۔ سب کے اپنے فیملی ایشوز تھے۔

پھر وہ بار کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑا کافی کے سپ لیتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ کال سے فارغ ہوگئی۔ تب وہ واپس آیا تو دیکھا۔ وہ کھانا چھوڑے بیٹھی ہے۔ اور چہرہ ابھی تک سرخ ہے۔

''انشاءاللہ تمہاری فلائٹ کا انتظام ہوگیا ہوگا؟'' کھنکھار کے کہتا سامنے بیٹھا۔

''نہیں۔ میری امی کا فون تھا۔ وہ پہلے ہی پریشان تھیں۔ میں ان کو مزید کیا پریشان کرتی۔ ویسے بھی ان کے پاس کریڈٹ کارڈ نہیں ہے۔ بہن کا کارڈ بھی نہیں چلے گا۔ بس میرا شوہر فون اٹھا لے۔'' وہ فرسٹریشن سے عباد کو پھر سے کال ملانے لگی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ لڑکی اب غصے اور بے بسی کا شکار نظر آرہی تھی۔ یقیناً اس کی ماں نے اسے کچھ ایسا کہا تھا۔

''ابھی تک فون آف ہے اس کا۔''

''کیا کرتا ہے تمہارا شوہر؟'' وہ اس کا دھیان بٹانے کے لیے بولا اور ٹیک لگا لی۔

''وہ بائیس سال کا ہے۔ اسٹوڈنٹ ہے۔''

''اوہ۔ اتنی جلدی شادی کر لی تم دونوں نے۔''

"اوہ۔ اتنی جلدی شادی کر لی تم دونوں نے۔"

"نہیں کرنی چاہیے تھی شاید۔ کیا فائدہ ہوتا ہے شادی کا۔ دوسروں کی مرضی اور معیار کے مطابق زندگی گزارو۔" وہ جیسے سوچ کچھ اور رہی تھی' بول کچھ اور رہی تھی۔ تلخی ہی تلخی۔

وہ ٹیک لگائے بیٹھا' ایک ہاتھ گال تلے رکھے' بغور اس لڑکی کو دیکھے گیا جس کا چہرہ کسی بھی قسم کی سرجری یا بوٹوکس

سے پاک تھا۔

"تمہارا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟"

ماہی نے بھیگی نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ (سہیل اور ثمرین آنٹی کو الٹا ٹانگ دینا۔ بلکہ اللہ کرے دونوں کو چکن پاکس نکل آئیں۔ بڑا مزہ آئے گا۔)

لیکن جب بولی تو سنجیدگی سے بس اتنا ہی۔

"ہم مڈل کلاس لڑکیوں کی سب سے بڑی فینٹسی شادی ہوتی ہے۔ آپ کی کلاس کی لڑکیوں کی کچھ اور ہوتی ہوگی۔"

وہ ایک دم ہنس دیا۔ زور سے۔ وہ رک کے اسے دیکھنے لگی۔ وہ پہلی دفعہ ہنسا تھا۔ مختلف سا لگا۔

"یقین کرو میری سوسائٹی کی لڑکیوں کی سب سے بڑی فینٹسی بھی شادی کرنا ہے۔" وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔ کافی کا خالی کپ ہاتھ میں گھما بھی رہا تھا۔ اس کی انگلیوں کو سگار کی طلب ہو رہی تھی۔ "لیکن کیا تم شادی کر کے پچھتا رہی ہو؟"

"پتہ نہیں۔ شاید مجھے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔" ایک اجنبی ملک کے ائیر پورٹ پہ سوسئلوں میں گھری ماہ بینہ کو ایک اجنبی کے سامنے دل ہلکا کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی۔ وہ اجنبی تھا ہی ایسا۔

"شاید میں نے غلط کیا۔ میری پڑھائی ادھوری رہ گئی۔ مجھے شوق نہیں ہے کیرئیر بنانے کا۔ میری بہن کو بہت شوق ہے۔ اور"..اس کی آواز بھیگی۔ "مجھے نہیں لگتا اب وہ کبھی شادی کرے گی۔ وہ کیرئیر بنائے گی۔ شاید وہ ٹھیک کہتی ہے۔ کیا رکھا ہے شادی میں؟ بہتر ہے لڑکیاں اپنا کیرئیر بنائیں تاکہ جب وہ ٹریول کریں تو ان کے پاس ان کے اپنے کارڈز ہوں۔" بے بسی سے آنسو آنکھ سے ٹپکا۔

"تمہاری بہن درست کہتی ہے۔ لڑکیوں کو مالی طور پہ خود انحصار ہونا چاہیے۔"

ماہ بینہ مبین کے دل کو دھکا سا لگا۔

"مگر میں گھر بنانا چاہتی تھی۔ ایک خوبصورت گھر۔ جہاں میرا شوہر میرے لیے کمائے۔ اور میں ہمارے بچے پالوں جیسے ہماری ماں نے ہمیں پالا۔ کیا میں غلط ہوں۔"

"نہیں۔" وہ ہلکا سا مسکرایا اور کپ نیچے رکھا۔ "تم بھی درست ہو۔ گھر بنانا تو سب سے ضروری ہے۔ تمہیں بنانا چاہیے۔ اور تمہارے شوہر کو تمہارے لیے کمانا چاہیے۔"

وہ ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔ آنسو پلکوں کی باڑ پہ رک گئے۔

"میں بھی درست ہوں اور میری بہن بھی؟ دونوں ایک وقت میں کیسے درست ہو سکتی ہیں؟"

"جیسے رات اور دن ایک ساتھ رہتے ہیں۔ جیسے اس دنیا میں بہت سی متضاد حقیقتیں ایک ساتھ موجود ہیں۔ ایسے ہی تم بھی درست ہو بینہ اور تمہاری بہن بھی درست ہے۔" وہ آگے کو جھکا اور نرمی سے اس کو دیکھا۔

"تمہیں وہ کرنا چاہیے جو تم کرنا چاہتی ہو۔ گھر بنانا چاہتی ہو۔ گھر بناؤ۔ کام کرنا چاہتی ہو۔ کام کرو۔ دونوں کرنا چاہتی ہو۔ دونوں کرو۔" پھر وہ دائیں جانب شیشے کی دیوار کو دیکھنے لگا جس کے پار دور تک پھیلے جہاز دکھائی دے رہے تھے۔

"اور اگر شوہر سے نہیں بنتی اور اس کو چھوڑ کے کسی اور سے شادی کرنا چاہتی ہو"... اس کی آواز کانپی۔ "تو تمہیں اس کا حق ہے۔ تمہارے بیٹے بھی تمہیں اس کام سے نہیں روک سکتے۔" آخری فقرہ زیر لب کہا تھا۔

"اب اس کے فون نہ اٹھانے پہ میں اسے چھوڑ تھوڑی دوں گی۔" ماہی نم آنکھوں سے مسکرا دی۔ ایک دم اس کا دل مطمئن ہو گیا تھا۔ ہر کسی نے شادی کے وقت کہا تھا کہ اس کی عمر چھوٹی ہے۔ کیوں کر رہی ہے شادی۔ لیکن اس کی قسمت میں ایسا ہی لکھا تھا۔ اور یہ وہ پہلا پڑھا لکھا آدمی تھا جس نے اس کے خیالات کی تصدیق کر دی تھی۔

"لیکن تمہیں اپنی پڑھائی مکمل کرنی چاہیے۔"

"کروں گی۔ لیکن مجھے پڑھائی سے زیادہ پرانے گھروں کو رینوویٹ کر کے بالکل نیا کرنے کا شوق ہے۔"

"میں یہی کام کرتا ہوں۔ ہم قطر میں پرانی اپارٹمنٹ بلڈنگز کو رینوویٹ کر کے تبدیل کر دیتے ہیں۔ اور پھر اسے بیچتے ہیں۔" وہ بے اختیار بولا۔ یہ وہ پہلی بات تھی جو اس اجنبی نے اپنے بارے میں بتائی تھی۔

"اور کیا ہر تبدیلی کی اپنی کہانی ہوتی ہے؟"

"کہانی؟" وہ سمجھا نہیں۔

"میری بہن کہتی ہے کہ آپ کسی جگہ کو ایسے ہی تبدیل نہیں کر سکتے۔ ہر تبدیلی کی اپنی ایک کہانی ہوتی ہے۔ اور ایک اچھے بزنس مین کو اس کہانی کو بیچنا آنا چاہیے۔"

ماہر نے کچھ نہیں کہا۔ بس لبوں پہ مٹھی جمائے اسے دیکھے گیا۔ وہ کھانا کھاتے ہوئے ساتھ ساتھ کسی ریستوران کے بارے میں بتا رہی تھی جس کو اس کی بہن رینوویٹ کرنا چاہتی تھی اور وہ اس کی مدد کر سکتی تھی۔ لیکن وہ سن نہیں رہا تھا۔ اس کا دماغ کہیں اور تھا۔

"اٹھو۔ تمہاری فلائٹ بک کرتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تو وہ حیرت سے اسے دیکھے گئی۔

" مگر عباد نے فون نہیں اٹھایا۔"

"میری فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے۔ میں تمہیں یہاں چھوڑ کے نہیں جا سکتا۔ ابھی میں تمہیں ٹکٹ لے دیتا ہوں۔ تم بعد میں مجھے پیسے واپس کر دینا۔"

" نہیں۔ ہرگز نہیں۔" وہ فوراً سے انکاری ہوئی۔ "میں آپ سے پیسے نہیں لے سکتی۔ میں نے اس لیے آپ کو اپنے ساتھ بیٹھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ مجھے صرف panic ہو رہا تھا۔ ورنہ"....اس کے رخسار سرخ ہوئے۔

"میں تمہیں پیسے نہیں دے رہا۔ ایئر لائن کو دے رہا ہوں۔ جب وہ تمہیں واپس کریں تو تم مجھے واپس کر دینا۔ بات ختم۔ اٹھو۔" اس نے موبائل نکال لیا اور اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیک پیک اٹھائے متذبذب سی کھڑی ہوگئی۔ اف عباد۔

اس سارے پراسیس میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگا۔ بورڈنگ پاس ہاتھ میں آتے ہی اس نے ممنونیت سے اس اجنبی کو دیکھا تھا۔

" تھینک یو۔ لیکن میں یہ پیسے واپس کروں گی۔ مجھے کوئی اکاؤنٹ نمبر یا اپنا کارڈ دے دیں۔"

ماہر نے اس کا بیک پیک اٹھایا اور جیب سے پین نکالا۔ وہ تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔ وہ بیک پیک کے اسٹریپ پہ پین سے ایک فون نمبر لکھ رہا تھا۔ ماہی کے لب کھل گئے۔ ابھی دوہا ائیرپورٹ پہ لینڈ کرتے ہی اس نے harrods سے یہ بیک پیک لیا تھا۔ زندگی کا سب سے مہنگا بیک پیک۔ اور کمبخت نے اس کو داغدار کر دیا تھا۔ لیکن وہ احتجاج کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ بیک پیک واپس رکھ کے ماہر فرید نے مسکرا کے اسے دیکھا۔

"دوہا میرا ہی شہر ہے۔ یہاں اگر کوئی مدد چاہیے ہو تو اس نمبر پہ کال کر دینا۔ ون ان ففٹی۔" پھر جیب سے کچھ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کچھ بیج ہیں۔ اگر وقت ملے تو ان کو لگا دینا۔"

ماہی نے اس کے ہاتھ سے وہ پلاسٹک کا ننھا پیکٹ تھام لیا جو بیجوں سے بھرا تھا۔

وہ دور چلا گیا۔ اور وہ اس اجنبی کو دور جاتے دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ انسانوں کی بھیڑ میں گم ہو گیا۔

پھر اس نے اپنا گیٹ معلوم کرنے کے لیے بورڈنگ پاس دیکھا تو وہ چونکی۔ لب کھلے کے کھلے رہ گئے۔

اس آدمی نے ماہی کو بزنس کلاس ٹکٹ لے دیا تھا۔ یقیناً اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ پریگننٹ ہے۔ اور وہ چاہتا

تھا کہ وہ آرام سے سفر کرے۔ لیکن کیا ائیر لائن بزنس کلاس کا لاکھوں کا ٹکٹ ری فنڈ کرے گی؟ شاید نہیں۔

اس نے پریشانی سے سر اٹھا کے اسے ڈھونڈنا چاہا لیکن وہ اب کہیں نہیں تھا۔

ائیر لائن واپس کرے یا نہیں، وہ اس کے پیسے اس کو ضرور واپس کرے گی۔ چاہے اسے زیور ہی کیوں نہ بیچنا پڑے۔ پتا نہیں کون تھا۔ چار گھنٹے اس کے ساتھ بیٹھا رہا اور اس کی اتنی مدد کی۔ شاید وہ اس سے زندگی میں کبھی دوبارہ نہیں ملے گی۔

ضروری نہیں ہے کہ وہی اس کا پچاس میں سے ایک ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ ایک عجب سی سوگواریت چھائی تھی۔ مالا جا رہی تھی اور معید اس سے بحث کر کر کے تھک چکا تھا۔ ماں نے بحث نہیں کی تھی۔ انہوں نے اسے اجازت دے دی تھی۔ لیکن وہ دکھی تھیں۔

اس وقت وہ کشمالہ کے بیڈ کے کنارے بیٹھی تھیں۔ اس کا بیگ بیڈ پہ رکھا تھا اور وہ اس میں آخری چند چیزیں ڈال رہی تھی۔ سر جھکا تھا اور بال کس کے پونی میں باندھے ہوئے تھے۔

"تم واقعی اسلام آباد جا رہی ہو بیٹے؟" ان کی آواز میں ٹوٹی امید کی کرچیاں تھیں۔

"ماں میں فیصلہ نہیں بدلوں گی۔ آپ نے مجھے ایموشنلی بلیک میل نہیں کرنا۔" وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے زپ چڑھا رہی تھی۔ چہرہ سپاٹ تھا۔" کم از کم ظہیر کے ریسٹوران میں مجھے میرے کام سے پہچانا جائے گا نہ کہ میرے چہرے کے دانوں سے۔"

"وہ ایک چھوٹی عورت کی چھوٹی بات تھی۔ اس کی وجہ سے تم ہر کسی کو رد کر دو گی کیا؟ اب تمہارے ابو کی کزن رشیدہ نے بھی تمہارا رشتہ مانگا ہے۔ ان کا بیٹا بہت اچھا"...

"ماں پلیز"... اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کے ان کو دیکھا تو آنکھیں گیلی تھیں

"اب آپ مجھے کسی کا رشتہ نہیں بتائیں گی۔ کم از کم کچھ عرصے تک نہیں۔ میں نے نہیں کرنی شادی۔"

چند لمحے کے لیے دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ پھر مالا نے بیگ رکھا اور ان کے ساتھ بیڈ پہ آ کے بیٹھی۔ دونوں کے پاؤں زمین کو چھو رہے تھے اور رخ دیوار کی طرف تھا۔

" آپ نے کہا تھا پودا اپنے بیج کا وفادار ہوتا ہے۔ اسے پورے قد کا درخت بننا ہوتا ہے۔ مجھے بھی بننا ہے ماں۔ مجھے اپنے آپ پہ کام کرنا ہے پہلے۔ اپنے کمپلیکسز پہ۔ اپنی خواہشات پہ۔ جن کو میں نے شادی کے لیے چھوڑ رکھا

تھا۔"

پھر اس نے پیچھے رکھے سامان میں سے ایک ڈبہ اٹھایا اور ان کے سامنے کیا۔ ماں نے ڈبے کا ڈھکن ہٹایا تو اندر سفید اور سلور ہیلز تھیں۔ وہ ناسمجھی سے اسے دیکھے گئیں۔

"ظہیر نے مجھے ایڈوانس سیلری دی ہے اور یہ میں نے اس سے خریدی ہیں۔ میں اپنی اسکن کی ٹریٹمنٹ بھی شروع کروں گی لیکن اس کمائی سے جو میں خود کماؤں گی۔ میں نے اپنی خواہشات شادی کے لیے چھوڑ رکھے تھے۔ جب شادی ہو گی تو میں یہ کروں گی۔ وہ کروں گی۔ لیکن نہیں ماں۔ شادی خواب پورے کرنے کے لیے نہیں کی جاتی۔ مجھے جو کرنا ہے خود کرنا ہے۔ اپنے لیے کرنا ہے۔"

ماں نے تعجب سے اس ہیلز کو دیکھا۔

"یہ صرف جوتے ہیں مالا۔ یہ انسان کبھی بھی خرید سکتا ہے۔"

"نہیں ماں۔ یہ صرف جوتے نہیں ہیں۔ یہ میری بہت سی خواہشات کی علامت ہیں جن کو میں نے کسی دوسرے انسان کے لیے چھوڑ رکھا تھا۔ وہ آئے گا تو یہ پوری ہوں گی۔ اور اسی لیے مجھے دکھ زیادہ ہوا ہے۔ میں نے اب کسی انسان سے یہ توقع نہیں لگانی کہ وہ میری خواہشات پوری کرے گا۔ میں خود اپنے لیے کافی بننا چاہتی ہوں۔ اس لیے مجھے مت روکیں۔"

اس نے گیلی آنکھوں سے ساتھ کہتے ہوئے ماں کا ہاتھ تھاما۔ آج ان کا ہاتھ گرم تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹے۔ جیسے تمہاری مرضی۔" انہوں نے ہلکی آواز میں کہا۔ ان کے کندھے جھکے ہوئے اور آواز پست تھی۔ پھر وہ گھٹنے پہ ہاتھ رکھے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "میں ساتھ لے جانے کے لیے لنچ پیک کرواتی ہوں۔ ماموں سے بات ہو گئی تھی۔ انہوں نے تمہارے لیے اوپر والا کمرہ صاف کروا دیا ہے۔"

انہوں نے اپنا گرم ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکال لیا تھا۔ اس کا دل کٹ کے رہ گیا۔ ان کا ہاتھ کیوں گرم تھا؟ کیا ان کو بخار تھا؟ کیا اسے پوچھنا چاہیے؟

کیا اسے مڑ کے دیکھنا چاہیے؟

کیا وہ نمک کا مجسمہ بننے کا خطرہ مول لے سکتی تھی؟

شاید نہیں۔ اس نے گرم ہاتھوں کو ذہن سے جھٹک دیا۔

اس وقت اسے خود کو سب سے اوپر رکھنا تھا۔ وہ واپس بیگ کی طرف آئی اور اپنی چیزیں اندر ڈالنے لگی۔ اس

وقت اپنے لیے اسے دل سخت کرنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک چھوٹے باغیچے والا سرمئی گھر تھا جس کا دروازہ سیاہ تھا۔ اس کے آگے تین زینے بنے تھے۔ ماہر فرید اس وقت اس سیاہ دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے وہی لباس پہن رکھا تھا جو قطر جاتے اور واپس آتے وقت پہنا تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ ائیر پورٹ سے سیدھا یہیں آیا ہے۔

بدقت اس نے دروازے پہ لگی گھنٹی بجائی۔ پھر ہاتھ نیچے گرا دیا۔ حلق میں آنسوؤں کا گولا سا ابھرا جسے اس نے نیچے دھکیل دیا۔ پھر مڑ کے چھوٹے سے لان کو دیکھنے لگا۔ اس کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ پودے اجڑے پڑے تھے۔ باڑ ٹوٹی ہوئی تھی۔

مالی حالات برے تھے یا مالک مکان کو گھر کا خیال نہیں تھا؟

دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ آہستہ سے پلٹا۔ اسے پہلے رابیل کے جوتے نظر آئے۔

پھر اس نے نگاہ اٹھائی۔

وہ گھنگھریالے بالوں والی عورت اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی ماں۔

رابیل کے چہرے پہ شاک ابھرا۔ پھر لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔ بے یقینی۔ خوشی۔

"ماہر"... وہ کمزور ہوگئی تھیں۔ آنکھوں تلے حلقے تھے۔ اور جیسے گڑھے بھی۔ میک اپ سے بے ریا چہرہ۔ بندھے بال۔ ملگجا لباس۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے باپ کے ساتھ جب وہ ہوتی تھیں تو ساری سوسائٹی ان پہ رشک کرتی تھی۔ وہ پانچ پانچ کیرٹ کی انگوٹھیاں پہنتی تھیں۔ ڈیزائنر ویئر۔ اور خوبصورت جوتے۔ اسے جوتوں کا شوق اپنی ماں سے ملا تھا۔ اور اب یہ عورت کون تھی؟ اس کی پرچھائیں۔

"میں ہلال سے ملنے آیا ہوں۔" وہ بائیں طرف چہرہ موڑ کے دیکھنے لگا۔

ابھی اس کے زخم نہیں بھرے تھے۔ ابھی ماں کو دیکھنا بہت مشکل تھا۔

مگر رابیل کا جوش ماند نہیں پڑا۔ انہوں نے مسکرا کے سر ہلایا۔

"اندر آؤ۔"

"نہیں۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔"

رابیل کے چہرے کی جوت مدھم ہوئی۔ لیکن مسکراہٹ برقرار تھی۔

"میں ہلال کو بھیجتی ہوں۔" وہ اندر غائب ہو گئیں۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھاگتی ہوئی چوکھٹ میں آئی۔ اس نے جینز پہ سفید ٹاپ پہن رکھا تھا اور لمبے بال شانوں پہ بکھرے تھے۔ بھوری آنکھوں میں حیرت سے زیادہ خوشی تھی۔

"آپ؟"

وہ دھیرے سے پنجوں کے بل بیٹھا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن وہ ہنس کے ایک دم اس کے گلے لگ گئی۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ آہ۔ آکورڈ۔ پھر اس نے آہستہ سے وہ ہلال کی کمر پہ رکھے اور اسے ہولے سے تھپکا۔

اس کی زندگی ایک لمحے میں مکمل ہو گئی تھی۔

وہ مسکرا کے اس سے الگ ہوئی۔ "آپ ایک دن میں واپس آ گئے؟"

"میری مرضی۔" وہ بھی مسکرایا۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈال کے کچھ نکالا۔

"یہ میں تمہارے لیے لایا تھا۔"

وہ چھوٹی سی ڈبیا تھی جس پہ ربن بندھا تھا۔ ہلال نے اسے اس کے ہاتھ سے جھپٹا اور تیزی سے ربن کی گرہ کھولی۔ کاغذ کی پیکنگ نیچے گر گئی۔ اندر ایک شیشے کے جار والی سینٹڈ کینڈل تھی۔

"بیربل نے کہا تھا کہ تمہیں سینٹڈ کینڈلز پسند ہیں۔"

ہلال نے ڈھکن کھول کے اسے سونگھا۔ "اسٹرابری۔ آئی لوات۔" پھر رک کے پوچھنے لگی۔ "کیا آپ کو بھی سینٹڈ کینڈلز پسند ہیں؟"

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اسے صرف سگار کے فلیورز کی خوشبوؤں کی پہچان تھی۔

"میں سوچ رہا تھا کل میں تمہیں اسکول سے پک کر لوں اور ہم لنچ کرنے چلیں؟" یہ آسان نہیں تھا۔ مشکل تھا۔ لیکن اسے کہیں سے ابتدا کرنی تھی۔

"مگر میں اسکول نہیں جاتی۔"

وہ چونکا۔ ابرو اکٹھے ہوئے۔ "ابھی تک؟"

"میرے پاپا مجھے ہوم اسکولنگ کرواتے ہیں۔"

وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔ کچھ بہت عجیب تھا اس بات میں۔ کچھ چونکا دینے والا۔

"تمہارے پاس کوئی فون یا آئی پیڈ وغیرہ ہے جہاں میں تم سے بات کرسکوں؟" اس نے لہجے کو سرسری سا بنایا البتہ چھٹی حس کوئی الارم دے رہی تھی۔

ہلال نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"میرے پاپا مجھے کوئی ڈیوائس استعمال نہیں کرنے دیتے۔"

"تمہیں فون استعمال کرنا نہیں آتا؟" وہ بے یقین تھا۔ لندن کے بچے تو بڑوں سے زیادہ ماہر ہوتے تھے۔ پھر ہلال کا باپ یہ پابندیاں کیوں لگا رہا تھا؟

"نہیں۔" ہلال نے معصومیت سے نفی میں سر ہلایا۔

"اگر تم کبھی کھو گئیں تو کسی کو کال کیسے کرو گی؟"

"ماہر"... آواز پہ وہ چونکا۔ پھر ایک دم سارے جسم کے اعصاب تن گئے۔ شمس اندر سے چلا آرہا تھا۔

ماہر اٹھ کھڑا ہوا۔ دھیرے سے ہلال کا سر تھپکا۔

"تم اندر جاؤ۔ میں کل تمہیں گھر سے پک کرلوں گا۔"

وہ اندر بھاگ گئی اور شمس باہر آیا۔ وہ ماہر کو دیکھ کے حیران بھی ہوا تھا اور خوش بھی۔

"ماہر... اندر آؤ نا۔ بہت اچھا لگا تمہیں دیکھ کے۔"

شمس نیچے اتر آیا۔ اب وہ دونوں زینوں کے سامنے کھڑے تھے۔ ماہر نے ہاتھ بڑھا کے دروازہ بند کر دیا۔ تاکہ اندر جاتی آوازوں کا راستہ رک جائے۔

"ماہر مجھے واقعی بہت اچھا لگا کہ"... وہ کہنے لگا لیکن ماہر فرید اس کے سامنے آیا اور اس کی بات کاٹی۔

"اب میری بات غور سے سنو شمس"... وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

"واللہ تمہاری موت میرے ہاتھوں لکھی ہے۔ واللہ۔ کب؟ کیسے۔ مجھے نہیں معلوم۔ لیکن اگر تم نے دوبارہ میری ماں پہ ہاتھ اٹھایا' تو تمہاری موت کا دن بہت قریب آجائے گا۔ یاد رکھنا۔"

شمس کے چہرے پہ شاک ابھرا۔ لمحے بھر کے لیے وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا۔

"ما... ماہر... تمہیں"... وہ ہکلایا۔ "کسی نے غلط بتایا ہے... ایسا"....

"میں ببر بل نہیں ہوں جسے تم شیشے میں اتار سکتے ہو۔ میں ماہر ہوں اور اب میں تمہارے بہت قریب ہوں۔" انگلی اٹھا کے وہ اسے تنبیہہ کررہا تھا۔ "اس لیے یہ مت بھولنا کہ میں تمہارے اوپر نظر رکھے ہوئے ہوں۔" اس نے

انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی۔ شمس جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔

ماہر فرید مڑا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنی کار کی طرف چلا گیا۔ اسے کہیں سے تو ابتدا کرنی تھی۔

....

عباد اور ماہی کے بیڈروم کی بتی مدھم تھی۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھیں رونے کے باعث گلابی ہو رہی تھیں۔ اور وہ ٹشو سے بار بار ناک رگڑ رہی تھی۔ عباد بیڈ کے کنارے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے ایک بازو پہ پلستر بندھا تھا۔

"یہ سب اس منحوس ائیر پورٹ کی وجہ سے ہوا ہے۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "میں وہاں اتنی دیر نہ رکتی' اتنا اسٹریس نہ لیتی' تو میرا بچہ نہ کھوتا۔"

"شاید اس سب میں میرا قصور ہے۔" وہ سر جھکائے شکست خوردہ سا لگ رہا تھا۔ "میرا اس دن ایکسیڈنٹ نہ ہوتا اور میں تم سے رابطہ نہ کھوتا تو تم اتنا اسٹریس نہ لیتی۔"

ماہی نے گھٹنوں پہ سر رکھ دیا۔ ابھی انہوں نے کسی کو نہیں بتایا تھا۔ ماں اور مالا کو بھی نہیں۔

"اب دیکھنا سب کہیں گے' ماہی کو اس کنڈیشن میں کیا ضرورت تھی سفر کرنے کی۔ سب مجھے الزام دیں گے۔ کوئی نہیں مانے گا کہ ڈاکٹر نے مجھے اجازت دی تھی۔"

دفعتاً وہ چونکی۔ کچھ یاد آیا۔ وہ سیدھی ہوئی اور آنسو صاف کیے۔

"عباد... اس آدمی کو کال کی تھی؟ میں نے اسے میسج چھوڑا تھا۔ اس نے جواب ہی نہیں دیا۔"

"ہاں میں نے کی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ ائیر لائن سے ری فنڈ کروا لے گا۔"

"اس کو ائیر لائن کیسے ری فنڈ کرے گی۔ اس کو تو میرا سیٹ نمبر یا پاسپورٹ نمبر بھی نہیں معلوم۔ اس نے کچھ بھی دیکھے بغیر صرف پے منٹ کی تھی۔ اور کچھ نہیں کہا اس نے؟"

"کہا تھا۔ یہی کہ جب تمہاری بیوی ٹریول کر رہی ہو تو تم اپنا فون آن رکھا کرو۔" عباد سخت بدمزہ ہوا۔ وہ جو آنکھوں میں آنسو لیے بیٹھی تھی' ہلکا سا مسکرائی۔

"تم نے اسے بتایا نہیں کہ تمہارا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا؟"

"اس نے موقع ہی نہیں دیا۔ مجھے لاپرواہی کا طعنہ دے کر فون بند کر دیا۔ شاید وہ پیسے لینا نہیں چاہتا۔ عجیب آدمی تھا۔"

"مہربان آدمی تھا۔" ماہی نے تصحیح کی۔ وہ ون ان فنفٹی نہیں تھا کیونکہ وہ ان سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اسے اس روز یقین ہو چلا تھا کہ وہ اس سے پھر کبھی نہیں ملے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاسم فرید کی آفس ٹیبل پہ بہت سے کاغذ بکھرے تھے۔ کافی کے چند خالی کپ بھی رکھے تھے۔ وہ ٹائی ڈھیلی کیے' آستین اوپر چڑھائے' کام میں غرق دکھائی دیتا تھا۔

ہلکی سی دستک کے بعد مالک اندر داخل ہوا تو اسے تعجب سے دیکھا۔

"تم کسی نئے آئیڈیا پہ کام کر رہے ہو؟" وہ سامنے کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ ماہر نے سر اٹھا کے اسے دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا۔ مالک اس مسکراہٹ کو پہچانتا تھا۔

"تمہیں یاد ہے ہم نے یہ بزنس ایمپائر کیسے کھڑی کی تھی؟"

"تمہارے ابا اور میں نے قطر کی رئیل اسٹیٹ بیرون ملک بیچنا شروع کی تھی۔"

"ہاں اور اس وقت کی ٹائمنگ نے ہماری مدد کی تھی۔ ہم نے ایک اپارٹمنٹ سے شروع کر کے ایک ایک وقت میں پوری پوری عمارتیں مہنگے داموں بیچی تھیں۔ لیکن آج یہ اتنی بڑی انڈسٹری بن چکی ہے کہ ہمارا کام بہت سست ہو چکا ہے۔ کسی نے ڈائریکٹ انویسٹ کرنا شروع کر دیا ہے۔ کوئی خود بروکر بن چکا ہے۔ اس لیے میں اس کام کو بند کرنا چاہتا ہوں۔"

مالک کے چہرے پہ بے یقینی ابھری۔ "کیا کہہ رہے ہو؟"

"ہم کب تک لندن کے لوگوں کو قطر کی رئیل اسٹیٹ بیچتے رہیں گے؟ کیوں نا ہم اس کے الٹ کریں؟ یعنی ہم قطر کے لوگوں کو لندن کی رئیل اسٹیٹ بیچیں۔"

مالک کو چند لمحے لگے شاک سے باہر آنے میں۔

"لندن کی رئیل اسٹیٹ بہت مہنگی ہے۔ ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔"

"کر سکتے ہیں۔ میں بتاتا ہوں کیسے۔" اس نے ایک نقشہ اس کے سامنے رکھا۔ پھر قلم سے ایک جگہ اشارہ کیا۔

"میں ویسٹ اینڈ' مے فیئر' نائٹس برج اور belgravia کی پرانی اور تھکی ہوئی پراپرٹیز کی bidding میں حصہ لے کر انہیں خریدوں گا۔ یہ 1800 سے 2000 پاؤنڈز فی مربع میٹر کے حساب مل جائیں گی۔" وہ اس کو سمجھا رہا تھا۔ "میں ہر گھر پہ فی مربع میٹر 200 سے 300 سو پاؤنڈز کا خرچ کر کے اس کو رینوویٹ کروں گا۔"

مالک نے ذہن میں جمع تفریق کی۔ "یعنی تمہیں پراپرٹی 2200 سے 2300 سو پاؤنڈز فی مربع میٹر کے پڑے گی۔"

"اور یہ قریباً 3000 پاؤنڈز پہ فروخت ہو جائے گی۔"

"لیکن لوگ ہم سے کیوں خریدیں گے؟"

" کیونکہ لندن کی ہائی اینڈ پراپرٹیز اس وقت 3200 سو پاؤنڈز فی مربع میٹر پہ فروخت ہو رہی ہیں۔ ہم مارکیٹ سے دو سو پاؤنڈز سستے میں فروخت کریں گے تاکہ ہمارے قطری کلائنٹس بھی خوش ہوں اور ہم بھی پیسہ بنائیں۔"

مالک چند لمحے اس کی بات پہ غور کرتا رہا لیکن وہ متاثر نہیں نظر آتا تھا۔

"یہ پراپرٹیز بہت پرانی ہیں۔ تم ان میں ایسا کیا کرو گے جو یہ مہنگے داموں فروخت ہو جائیں؟"

وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"اس روز مجھے ایئرپورٹ پہ ایک لڑکی ملی۔ اس نے مجھے ایک بات کہی تھی۔ ہر تبدیلی کے پیچھے ایک کہانی ہوتی ہے۔ میں ہر پرانے گھر کی کہانی نکالوں گا۔ اور پھر اس گھر کو اس میں رہنے والی قدیم انگلش فیملی کی روایات اور اقدار کو سامنے رکھتے ہوئے رینوویٹ کیا جائے گا۔ مجھے صرف وہ کہانی بیچنی ہے جو اس گھر کے ساتھ جڑی ہو گی۔"

"ہم اس بارے میں مزید بات کریں گے۔" وہ قدرے غیر مطمئن نظر آتا تھا۔ پھر اس نے پہلو بدلا۔

"ویسے تم کس لڑکی کے ساتھ آج کل ڈنرز پہ جاتے ہو۔"

وہ چونکا۔ اور ناسمجھی سے مالک کو دیکھا۔

"لڑکی؟ اچھا وہ... (اسے تو وہ بھول ہی گیا تھا۔) مجھے ہیربل نے کسی سے ملوایا تھا۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے۔ اس کو شمس نے ہی اس سے ملوایا ہو گا۔" مالک نے لہجہ سرسری بنا لیا۔ "میں صرف جاننا چاہتا ہوں کہ اگر تم اس سے شادی کرنا چاہتے ہو تو"....

"ایک منٹ ایک منٹ"....وہ چونکا۔ ساری رئیل اسٹیٹ سارے نقشے اسے بھول گئے۔

"شمس؟ شمس کہاں سے آگیا درمیان میں۔" اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ پڑا تھا۔

"اوہ".. مالک نے حیرت سے اسے دیکھا، "تمہیں ہیربل نے نہیں بتایا کہ وہ لڑکی شمس کے فیملی فرینڈز میں سے ہے اور"...

وہ ایک دم اٹھا۔ سارا خون چہرے میں سمٹ آیا تھا۔ اس نے موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملاتے ہوئے تیزی سے بالکونی کی طرف چلا گیا۔ شیشے کا دروازہ بند کر دیا۔ اب وہ فون کان سے لگائے غصے سے بات کر رہا تھا۔ وہ یقیناً بیربل کو کھری کھری سنا رہا تھا۔ اور بیربل آگے سے اس بات سے انکاری ہو گا۔ کیونکہ یہ سچ نہیں تھا۔ لیکن مالک نے کہہ دیا تھا تو ماہر نے مان لیا تھا۔ وہ اپنے باپ کے بھائی پہ سب سے زیادہ بھروسہ کرتا تھا۔

مالک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پہ تکلیف تھی۔ اس کی مٹھی بھنچی ہوئی تھی۔

(یہ آخری بار ہے۔ میں اسے دوبارہ دھوکہ نہیں دوں گا۔) اس نے ماہر کو دیکھتے ہوئے خود سے کیا وعدہ دہرایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے چند دن شمس پہ بہت بھاری گزرے تھے۔ وہ ماہر کا سامنا نہیں کر رہا تھا۔ جب وہ ہلال کو لینے آتا تو وہ کہیں غائب ہو جاتا۔ سرکار سے رابطہ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ آج جیسے ہی رابطہ ہوا' شمس فوراً سے فون لیے گھر سے باہر آ گیا۔

"کیا فائدہ ہوا مجھے اس سب کا سرکار؟ ماہر میرے بہت قریب آ گیا ہے۔"

شمس سڑک کنارے ایک سنگی بنچ پہ بیٹھا ناخوشی سے کہہ رہا تھا۔

"یہی تو تم چاہتے تھے۔ کہ وہ تم لوگوں سے تعلقات درست کر لے۔ اب کیا مسئلہ ہے شمس؟" سرکار نے اکتا کے پوچھا۔

"مجھے کمپنی میں شراکت داری چاہیے نہ کہ ماہر کی اپنے گھر میں مداخلت۔ میں اس کو ہینڈل نہیں کر سکوں گا۔"

"چھوٹے بھائی کو جیسے رام کیا ہے' اسے بھی کر لو۔"

"وہ تو باپ کی توجہ سے محروم بے وقوف لڑکا ہے۔ ماہر ایسا نہیں ہے۔ اسی نے مجھے برسوں پہلے ملازمت سے نکالا تھا۔ وہ پھر سے میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔" شمس کی حالت کسی ایسے نشئی کے جیسی ہو رہی تھی جسے اپنے نشے کی ڈوز نہ مل رہی ہو۔ بے چین۔ مضطرب۔

"ہوں۔" سرکار نے ہنکارا بھرا۔ "مجھے کچھ اور بتاؤ اس ماہر کے بارے میں۔"

"کیا بتاؤں؟" شمس چڑ گیا۔ "ماں' دادا' دادی سب کا نام تو دے دیا۔ سارا شجرہ ہے تمہارے پاس۔ اپنے موکلات سے پتہ کروا لو۔"

"ان موکلوں کو اتنی عقل ہوتی تو یہ انسان نہ بن جاتے؟" سرکار نے چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔ "انسانوں والی بات بتاؤ' شمس۔ ماہر فرید کی سب سے بڑی کمزوری کیا ہے۔"

شمس ٹھہر گیا۔ اس کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔

"اس کا غصہ۔ وہ بہت جلدی بھڑک اٹھتا ہے۔ جب سے اس کی ماں نے اسے چھوڑا ہے یہ تب سے ہے۔"

"بہت خوب۔ اور اس کی سب سے بڑی طاقت کیا ہے؟"

"اس کا پیسہ۔ بلکہ نہیں۔ اعتبار۔" اس نے طنز سے ماہر کے الفاظ دہرائے۔ "واللہ ماہر فرید پہ ہر کوئی اعتبار کرتا ہے۔"

"یہ ہوئی نا بات۔" سرکار کی آنکھیں چمکیں۔ "اور اگر سب ماہر فرید پہ اعتبار کرنا چھوڑ دیں؟"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" شمس ہکا بکا رہ گیا۔

"ہم اس پہ یہیں سے حملہ کریں گے۔ کچھ عرصے کی بات ہے.... اور پھر ماہر فرید پہ کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔ بس تم دیکھتے جاؤ۔"

شمس ٹھہر کے سننے لگا۔ اس کی آنکھیں خوشگوار حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسلام آباد کے اس کھنڈر جیسے ریستوران میں اس وقت رینوویشن کا کام جاری تھا۔ ہر طرف مٹی اور سیمنٹ کے ڈھیر تھے۔ کہیں پینٹ والے لگے تھے۔ کہیں بجلی کا کام ہو رہا تھا۔ ریستوران کے ہر حصے کو اکھاڑا ہوا تھا۔

ایسے میں ایک چھوٹے سے کمرے میں اس نے اپنی میز کرسی بچھائی ہوئی تھی۔ اور اس وقت وہ ایک امریکی پوسٹل سروس کا پارسل کھول رہی تھی جو اسے ماہی نے بھیجا تھا۔ اندر ایک نوٹ بھی تھا۔ نہ جانے ماہی نے اسے میسج یا ای میل کرنے کی بجائے نوٹ کیوں بھیجا تھا؟ وہ تعجب سے اسے پڑھنے لگی۔

(مالا میں تمہارے لیے خوش ہوں کیونکہ تم نے اپنی زندگی خود بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ میں یہ نہیں کہوں گی کہ تم غلط ہو۔)

ماہی کا خط پڑھ کے اس نے پارسل میں موجود دوسری چیز نکالی۔ وہ ایک چھوٹا سا پیکٹ تھا جو ببل ریپ میں لپٹا تھا۔

(لیکن غلط میں بھی نہیں ہوں۔ میں اپنی پڑھائی جاری رکھوں گی۔ لیکن میں کیریئر نہیں بناؤں گی کیونکہ مجھے اس کا شوق نہیں ہے۔)

مالا قینچی سے ببل ریپ کو کاٹنے لگی۔

(میں اپنا گھر بناؤں گی۔ایک بچہ کھو دیا تو کیا ہوا۔ میں دوبارہ کوشش کروں گی۔ مجھے گھر اور بچوں کا شوق ہے۔اور میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہتا ہے۔)

ببل ریپ الگ ہوا تو اندر سے ایک پیکٹ نکلا۔بیجوں کا پیکٹ۔ مالا نے اچھنبے سے انہیں اوپر اٹھا کے دیکھا۔

(ہم دونوں غلط نہیں ہیں۔شادی کرنا اور نہ کرنا عورت کی اپنی چوائس ہونی چاہیے۔تمہیں وہ کرنا ہے جو تمہارا دل چاہے۔لیکن اس سب میں تمہیں ماں کو نہیں بھولنا چاہیے۔)

وہ پیکٹ کو اوپر اٹھائے دیکھ رہی تھی۔کھڑکی سے آتی سورج کی روشنی اس میں سے منعکس ہو رہی تھی۔مالا مسکرا دی۔

(جب تم وہاں سے آئی تھیں تو انہیں تین چار دن بخار رہا تھا لیکن انہوں نے تمہیں بتانے سے منع کیا تھا۔اب وہ ٹھیک ہیں۔لیکن تمہاری کمی کوئی بھی پوری نہیں کر سکتا۔)

وہ اب باہر کھڑی تھی۔اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا گملہ تھا جس کی مٹی کو وہ چمچ سے اوپر نیچے کر رہی تھی۔

(تمہارے آنے کے چھے دن بعد ماں کی برتھ ڈے تھی۔تم نے ان کو ایک ہفتے بعد وش کیا۔ جانتی ہوں تم مصروف ہو۔لیکن امید کرتی ہوں کہ تم اس سب میں خود کو کھو نہیں دو گی۔ بلکہ ایک بہتر انسان بن کے نکلو گی۔)

مٹی نرم ہو چکی تھی۔وہ بیجوں کو مٹی میں چھڑکنے لگی۔اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

(میں تمہیں ایک تحفہ بھیج رہی ہوں۔ یہ بیج مجھے ائیر پورٹ پہ ملنے والے ایک مہربان انسان نے دیے تھے۔یاد ہے میں نے تمہیں بتایا تھا' وہ امیر آدمی جس نے میرا ٹکٹ پے کیا تھا۔)

مالا اب مسکراتے ہوئے بیجوں کے اوپر مٹی ڈال رہی تھی۔وہ دھیرے دھیرے چھپتے جا رہے تھے۔

(تمہارے جانے کے بعد ماں نے چند نئے پودے لگائے ہیں۔میں جانتی ہوں' وہ ان پودوں میں تمہیں ڈھونڈیں گی۔)

اس نے بوتل سے ذرا سا پانی مٹی پہ ڈالا اور اس کو ہلکا سا نم کیا۔

(تم بھی ان بیجوں کو بو دینا۔اور ان میں اپنا آپ ڈھونڈنا۔)

اس نے گملے کو اپنے آفس کی کھڑکی میں رکھ دیا۔وہ ہر صبح اس میں سے اگنے والی کونپلوں کا انتظار کرے گی۔پھر اس نے سوچا کہ ماں کو کال کرے۔نہ جانے اس وقت ان کے ہاتھ گرم ہوں گے یا ٹھنڈے۔لیکن اسی وقت کنٹریکٹر اسے باہر بلانے لگا۔وہ فون گملے کے پاس چھوڑ کے باہر چلی گئی۔

دفعتاً اس کا فون تھرتھرانے لگا۔ ماں کالنگ۔

لیکن وہ دور جا چکی تھی۔

گملے کے اندر دفن بیج خاموشی سے فون کی تھرتھراہٹ سننے لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پانچ سال بعد۔

موجودہ دن۔

کشمالہ نے آنکھیں کھولیں۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی۔ جو گرز والا باکس اس کی گود میں تھا۔ اس کا چہرہ ابھی تک گیلا تھا۔ البتہ اس کی جلد بے داغ تھی۔ اور بال لمبے تھے۔

پانچ برس گزر چکے تھے۔ زندگی آگے بڑھ گئی تھی۔ اور بہت کچھ پیچھے رہ گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ باہر نکلی تو ماں لاؤنج میں اکیلی بیٹھی تھیں۔ وہیل چیئر پہ بیٹھے بیٹھے وہ اونگھنے لگی تھیں۔ وہ چپ چاپ ان کے ساتھ جا کے بیٹھ گئی۔ اور دھیرے اس ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔

وہ ٹھنڈے تھے۔

"میری پیاری ماں"... وہ گیلی آنکھوں سے انہیں دیکھے گئی۔ "میں اب کبھی آپ کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گی۔ میں نے بہت سال ضائع کر دیے۔ اب نہیں۔"

وہ ان کو دیکھتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ وہ گردن ترچھی کیے سو رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالک کا لاہور والا اپارٹمنٹ ویسا ہی تھا جیسے وہ چھوڑ کے گیا تھا۔ وہ اس میں داخل ہوا تو اندھیرے نے اس کا استقبال کیا۔ ماہر نے بتی نہیں جلائی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ کھڑکی کے سامنے رکھی کرسی تک آیا۔ وہاں سے روشنیوں سے جگمگاتا سارا شہر نظر آتا تھا۔

اس نے جیب سے لائٹر نکالا اور کھڑکی کنارے رکھی ایک موم بتی کے دھاگے کو شعلہ دکھایا۔ اسٹرابری۔ ہلال کی پسندیدہ۔

پھر اس نے پیر چھوٹی میز پہ رکھ لیے اور ٹیک لگائے باہر دیکھنے لگا۔ کھڑکی کے شیشے پہ اس کا عکس بھی دکھائی دے رہا تھا۔ ہلکی بڑھی شیو والا مرد۔ کیا وہ وہی تھا جو پانچ برس پہلے ہوتا تھا؟ یا وہ بدل گیا تھا؟

ہر تبدیلی کی ایک کہانی ہوتی ہے۔ تب ماہر فرید کا سب اعتبار کرتے تھے۔ اور اب.. وہ تلخی سے مسکرایا۔ اب ماہر فرید کا کوئی اعتبار نہیں کرتا تھا۔ کشمالہ مبین بھی نہیں۔

تبھی اس کا موبائل بجنے لگا۔ اسے کوفت ہوئی۔ وہ اس وقت بیربل کی بکواس نہیں سن سکتا تھا۔ اکتا کے موبائل نکالا تو تاثرات بدلے۔ ون ان ففٹی کالنگ۔

اس نے کال موصول کی۔ ماہی کا چہرہ اسکرین پہ ابھرا۔ یہ اس لڑکی سے کہیں میچور اور سمجھدار لڑکی کا چہرہ تھا جو اسے پانچ برس پہلے دوہا کے ائیر پورٹ پہ ملی تھی۔

اور اس کے بعد بھی وہ ایک دفعہ اس سے ملا تھا۔ اسے ماہی اور اپنی دوسری ملاقات بھی یاد تھی۔

"آپ نے میسج کیا تھا کہ آپ مالا سے ملنے پاکستان آئے ہیں۔" وہ تشویش سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ میں ملا تھا تمہاری بہن سے۔ اور"... اس نے الفاظ ڈھونڈنے چاہے۔ لیکن وہ ہمیشہ کی طرح تیزی سے بات کاٹ کے بولی۔

"تبھی اس نے زیاد سے شادی سے انکار کیا ہے۔ میں کہوں اسے ایک دم کیا ہو گیا ہے۔"

ماہر فرید تیزی سے سیدھا ہوا۔ "اس نے زیاد سے شادی سے انکار کر دیا ہے۔"

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی اگلے ماہ ان شاءاللہ)

مالا (نمرہ احمد)

حصہ اول

''لاہور''

قسط نمبر: ۷

ایک دن ہمارے مورچے پہ
آئی ایک گولی اڑتی ہوئی
اور جان لے گئی میرے ایک سپاہی کی
اس کی موت کے غم نے
میرے دل کوڈبو دیا جیسے۔
میں نے کھودا اس جگہ کو
جہاں گرا تھا وہ
اور ڈھونڈا اس ٹکڑے کو
جو نہ تھا میرے انگوٹھے سے بڑا
گرم دھات سے بنا گولی کا ایک خول۔
میں نے پگھلایا اس کو اور بنایا ایک سانچا
اور اس میں ڈالا ابلتے خول کو
اور ڈھال دیا اس کو ایک انگوٹھی کی صورت میں۔
اور جب میری انگوٹھی ہوگئی ٹھنڈی اور ہموار
میں نے ایک الجیرین سپاہی سے
لکھوایا یہ لفظ اس پر عربی میں

"مکتوب۔"

یعنی ... یہ لکھا جا چکا تھا۔

کیونکہ تقدیر کی کتاب میں

جس کے صفحے ہیں زمان

اور سرورق ہے مکاں۔

اس کتاب میں سب پہلے سے درج شدہ ہے۔

جس دن تم اپنا وجود کھو دو گے'

وہ گھڑی' وہ جگہ' وہ وجہ

سب اس کتاب میں نشان زدہ ہے۔

اور تمہیں نہ خیال سے نہ عقل سے

اس تقدیر کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

بس ڈر کو دل سے بھگانا سیکھ لو۔

اگر ایک دن مرنا ہی ہے

تو جان لو اے انسان

کہ یہ حصہ ہے ایک بڑے مکتوب منصوبے کا

جس سے تم بچ نہیں سکتے۔

سو تم ایسے مرو کہ جیسے تمہارا جنازہ

تمہیں ان شاہانہ دروازوں کی طرف لے گیا ہے

جن کے اس پار منتظر ہیں

بہت سے عظیم لوگ۔

فرق بس اتنا ہے کہ وہ تمہارا استقبال کرتے ہیں

یا ملامت سے تمہیں خود سے الگ کر دیتے ہیں۔

ساری بات اتنی سی ہے کہ

تم آقا بن کے جاتے ہو اس دنیا میں

یا غلام بن کے۔

اس لیے جب جنگ میں حکم آتا ہے کہ حملہ کرو

اور دل کانپتا ہے یاد کر کے

زندگی کے پر لطف ماہ سال

تو اس جنگی شور اور افراتفری میں

کچھ سپاہی دھیان بٹانے کو

صاف کرتے ہیں اپنی بندوقیں

کچھ گنگناتے ہیں جنگی نغمے

اور کچھ اپنی سرنگیں کھودتے جاتے ہیں۔

ایسے میں

میں دیکھتا ہوں اپنی انگوٹھی کو

اور میرے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔

اور موت کا فرشتہ خاموشی سے قریب آجاتا ہے

اور میں سوچتا ہوں اس دوسری دنیا کے بارے میں

ان شاہانہ دروازوں کے بارے میں

اور اس شور میں یہ خیال

کسی مرہم کی طرح راحت لے آتا ہے۔

میرے دل کی پھڑ پھڑاہٹ

خاموش ہو جاتی ہے۔

اور ہر طرف چھا جاتا ہے

ہتھیار ڈالنے کا احساس۔

سکینت۔

اور مشرق کی دانائی۔

(ایلن سیگر کی نظم مکتوب سے اقتباس)

''اس نے زیاد سے شادی سے انکار کر دیا ہے؟'' وہ ایک جھٹکے سے سیدھا ہو بیٹھا۔ وہ نیم اندھیرا اپارٹمنٹ میں کھڑکی کے ساتھ کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ اطراف کو خوشبودار موم بتی کی خوشبو نے معطر کر رکھا تھا۔

''آپ کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے؟'' ماہی چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں گرائے بغور اسے دیکھے گئی۔

ماہر نے غائب دماغی سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ پھر اس کی نگاہوں کے احساس سے چونکا۔ سنبھل کے سر جھٹک دیا۔

''مجھے پرسوں استنبول واپس پہنچنا ہے۔'' لہجے کو سرسری بنالیا۔ ''کچھ دن تک تم سے ملنے آؤں گا۔''

''اتنی دور آ کے کیا کریں گے؟ جو پوچھنا تھا ویڈیو چیٹ پہ پوچھ لیا۔ میں آپ کی بہن کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔''

ماہر نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔ پھر ناخنوں سے بڑھی شیو مسلی۔ اس کے انداز میں اضطراب تھا۔

''تم سے ملے بغیر میری تسلی نہیں ہو گی۔''

ماہی نے ترحم سے اسے دیکھا۔ یہ ایک ایسے شخص کا چہرہ تھا جو اپنی بہن کے زندہ ہونے کی امید کھونا نہیں چاہتا تھا۔ یقیناً وہ مر چکی تھی اور وہ denial (جھٹلانے کی نفسیاتی کیفیت) میں تھا۔

''کیا آپ نے کبھی اس سرکار کو دیکھا ہے؟'' اس کا نام لینا بھی عجیب لگ رہا تھا۔

ماہر نے نفی میں گردن دائیں بائیں ہلائی۔

''مالا نے دیکھا ہے۔''

وہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ سانس تک رک گیا۔

''مالا نے کچھ روز قبل خواب میں ایک بوڑھا جادوگر دیکھا ہے جس کے سر پہ نارنجی رومال بندھا تھا اور وہ مالا اور زیاد کی تصاویر پہ جادو کر رہا تھا۔ یقیناً وہ ان کا رشتہ ختم کروانا چاہتا ہے۔ اور دیکھیں، ہو بھی گیا۔''

''کیا مالا نے اس کا چہرہ دیکھا تھا؟'' ماہر اب سامنے جلتی موم بتی کے شعلے کو دیکھ رہا تھا۔ ذہن تیزی سے چل رہا تھا۔

"ہاں۔ وہ اس چہرے کو جانتی ہے۔ بس شناخت نہیں کر پا رہی۔"

"اپنی بہن سے کہو اس آدمی کا اسکیچ بنائے۔ پھر وہ اسکیچ مجھے دو۔ ہم اس اسکیچ سے اس کو ڈھونڈیں گے۔ کیا معلوم میں اسے پہچان لوں۔ شاید ہمارے راستے کبھی ٹکرائے ہوں۔ شاید وہ میرے قریب ہو۔ یاد ہے مجھے کشمالہ کی تصویر سرکار کے البم سے ملی تھی۔"

"آپ کو وہ البم کیسے ملا تھا؟" اسکرین پہ نظر آتی ماہی آنکھیں چھوٹی کر کے اس کو دیکھ رہی تھی۔

ماہر کچھ کہنے لگا، پھر رک گیا۔

"بس اتنا جان لو کہ وہ آدمی میرا دشمن ہے۔ اس کو میرے سوتیلے باپ نے میرے خلاف ہائر کیا تھا۔ میں اس تک کبھی پہنچ نہیں سکا البتہ میرے ہاتھ اس کی کچھ چیزیں لگی تھیں۔ ان میں یہ البم بھی تھا۔ وہ ایک لمبے عرصے سے کشمالہ کے پیچھے پڑا ہے۔ کیوں؟ میں نہیں جانتا۔" اس نے شانے اچکائے۔

"شاید اس کی تمہارے خاندان سے کوئی ذاتی دشمنی ہو۔"

"ہم کون سا نیوکلیئر بم بنا رہے ہیں جو ہمارے اتنے دشمن ہوں گے۔" وہ برا مان گئی۔ "ایک کبیرہ تائی ہی ہیں ہماری دشمن۔" پھر ایک دم اسے خیال آیا۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔

"آپ کے کہنے پہ پیٹر مسیح نے کبیرہ تائی کا مزید کام کرنے سے انکار کر دیا تھا نا۔"

"ہاں۔ لیکن وہ کسی اور عامل کو ہائر کر چکی ہوں گی۔"

"ہو سکتا ہے وہ نیا عامل سرکار ہی ہو۔ وہی سرکار جو کسی وجہ سے برسوں سے مالا کے پیچھے لگا ہو۔ اتفاق سے اب اس کی نئی کلائنٹ کبیرہ بیگم بھی مالا اور ماں کی تصویر لے کر اس کے پاس آ گئی ہوں۔" ماہی چمکتی آنکھوں سے تیز تیز کہہ رہی تھی۔

ماہر چند لمحے کاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر کھنکھارا۔

"تم جاب وغیرہ نہیں کرتیں؟ سارا دن گھر بیٹھ کے یہی اسٹار پلس سوچتی رہتی ہو؟"

ماہی کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ ابرو بھینچ گئے۔

"ماہی کے اندازے کبھی غلط نہیں ہوتے۔ میں بتا رہی ہوں کبیرہ تائی کا نیا عامل یہی سرکار ہو گا۔ وہی چاہتی ہیں کہ مالا اور زیاد کی شادی نہ ہو تا کہ ان کی بیٹی سے زیاد کی شادی ہو جائے۔"

ماہر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور بولا تو آواز میں اکتاہٹ تھی۔

''کیا بچگانہ باتیں کرتی ہو تم۔ ایسے اتفاق کہاں ہوتے ہیں۔ اور یہ عامل صرف اپنی طاقت بڑھانے کے لیے بھی کسی پہ جادو کرتے ہیں۔ ان کے جنات...''

''ایک منٹ ایک منٹ۔ جنات کی باتیں نہ کریں۔ مجھے رات کو لائٹ آن کر کے سونا پڑتا ہے۔''

ماہی نے ہاتھ اکٹھے کر کے اسے دکھائے۔ وہ ہلکا سا ہنس دیا۔ سارے دن میں وہ پہلی دفعہ ہنسا تھا۔

''تم ڈرتی ہو ان چیزوں سے؟''

''آپ بھی ڈرتے تھے جب ہم آخری دفعہ ملے تھے۔'' وہ برا مان کے بولی۔ وہ اپنی اور ماہر فرید کی دوسری ملاقات کی بات کر رہی تھی۔ ''اب آپ بدل گئے ہیں۔ تب آپ خوفزدہ تھے۔'' پھر غور سے اس کا چہرہ اسکرین پہ دیکھا۔ ''آنکھوں تلے حلقے تھے۔ اور آپ کی گلابی اردو میں بہت گاڑھا انگریزی لہجہ تھا۔ ہاتھ میں سگار ہوتا تھا۔ آپ کوئی دوا بھی کھاتے تھے۔ مجھے یاد ہے۔ پھر یہ تبدیلی کیسے آئی؟ آپ نے اپنا لہجہ، اپنے خوف اور اپنے سگار کہاں کھوئے؟''

''بس کھو دیے۔'' وہ مدھم سا مسکرایا۔ ''یہ میرے حصے کی کہانی ہے۔ تم سے مل کے سناؤں گا۔ تم اس آدمی کا اسکیچ حاصل کر کے مجھے بھیجو۔''

''مگر...'' وہ کچھ کہنے لگی تھی لیکن ماہر نے بٹن دبا کے کال کاٹ دی۔ وہ مزید بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

فوراً سے فون بجنے لگا۔ بیربل کا نام جگمگا رہا تھا۔ اب اس کی بک بک سنو۔

''پیسے ختم ہو گئے؟'' اس نے آڈیو کال کا اسپیکر آن کر دیا۔ اسے بیربل کی تقریر یاد تھی۔

''کیا میں اپنے بھائی کو پیسوں کے علاوہ فون نہیں کر سکتا؟''

''نہیں۔''

بیربل آگے سے ہنس دیا۔ ''لگتا ہے باغبان لڑکی نے دروازہ دکھا دیا ہے۔''

''صرف مجھے نہیں۔ اس ٹال اور ڈارک کو بھی۔'' اس کی نظریں کینڈل کے شعلے پہ جمی تھیں۔

''وائی بے۔ چلو وہ تو راستے سے ہٹا۔'' بیربل کی آواز میں جوش در آیا۔ ''تم پیچھے مت ہٹنا۔ دوبارہ جاؤ اس کے پاس۔ پھر سے معافی مانگو۔''

''میں اس آدمی سے مشورے نہیں لیتا جو صرف کیکس بناتا ہے۔ اپنی بیکری پہ دھیان دو۔''

اس نے فون آف کر دیا۔ اب وہ تنہا تھا۔ نیم اندھیرا اپارٹمنٹ تھا۔ اسٹرابری کی خوشبو تھی اور ایک ٹمٹماتا ہوا شعلہ۔

دوسری جانب فون کاٹ دینے پہ بیربل فرید نے برا سا منہ بنا کے موبائل کو دیکھا۔ ''وہ آدمی جو صرف کیکس بناتا ہے۔ ہونہہ۔ مشین۔'' آواز بھاری کر کے نقل اتاری اور سر جھٹک دیا۔

وہ اس وقت اپنے گھر کے سیاہ سفید لونگ روم میں بڑے صوفے پہ ٹانگیں لمبی کیے بیٹھا تھا۔ جوتے بے پرواہی سے کارپٹ پہ رکھے تھے۔

''کیا کروں؟'' وہ موبائل لبوں پہ رکھے سوچنے لگا۔ دفعتاً آنکھیں چمکیں۔

''شبنم!'' کال ملاتے ہی وہ چہکا۔

''بات مت کرو مجھ سے۔ اپنی بیکری پہ نیا ڈیزرٹ لانچ کیا ہے اور مجھے نہیں کھلایا؟''

''تمہارا معدہ صرف قبر کی مٹی سے بھرے گا۔'' وہ بھی جواباً خفا ہوا۔ پھر اونہوں کر کے سر جھٹکا۔ ''ماہر اپنے دوستوں میں سب سے زیادہ کس کے قریب ہے؟''

''زارا۔''

بیربل نے موبائل کان سے ہٹا کے اسے گھورا۔

''اللہ کا خوف کرو۔ کسی مرد کا بتاؤ۔'' (منہ بگاڑ کے نقل اتاری۔ زارا۔ ہونہہ)

''ماہر کے بہت سے دوست ہیں۔ یونیورسٹی کے۔ بزنس کے۔ سفر کے۔'' وہ واقعی مصروف لگ رہی تھی۔ ''اور ہر وقت انسان کے دوست ایک جیسے نہیں رہتے۔ کچھ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کچھ آگے بڑھ جاتے ہیں۔ دوست وہی ہوتا ہے جو ہمارے موجودہ حال کو سمجھتا ہو۔ جس سے ہم آج کے دن بات کر سکیں۔''

''ہوں۔ ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھو۔''

''ناشتے میں کوئی فلسفے کی کتاب تو نہیں کھائی تھی؟''

''میں فون رکھ رہی ہوں بیربل۔'' وہ غرائی۔

''اچھا اچھا ایک منٹ۔'' جلدی سے لہجے کو خوش آمدی بنایا۔ ''ماہر کا ایسا کون سا دوست ہے جو اسے درست مشورہ دے سکے؟''

''ڈاکٹر کنعان۔''

شبنم نے سوچنے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں لیا۔ لیکن بیربل کی بات مکمل نہیں ہوئی تھی۔

''جو اسے درست مشورہ دے اور ماہر اس کی بات مان لے...''

''اچھا پھر آرکیٹیکٹ انیس۔ وہ اس کے مشورے مان لیتا ہے۔''

''جو اسے درست مشورہ دے' ماہر اس کی بات مان لے.... اور...'' اس نے بال کھجائے۔ ''اور اس کو ماہر کی ذاتی زندگی میں انوالوڈ کرنے پہ وہ میرے کریڈٹ کارڈز کینسل نہ کر دے۔''

شبنم نے گہری سانس لی۔

''ایسا دوست تو صرف چنگیز ہے۔ پولیس کمشنر۔ وہ اس سے مہینے میں ایک دفعہ ضرور ملتا ہے۔ وہ ہلال کے بارے میں بھی سب جانتا ہے۔''

''آف کورس۔'' بیربل نے ماتھے کو چھوا۔ ''مجھے پہلے کیوں خیال نہیں آیا۔''

''میرا ڈیزرٹ صبح مجھے آفس بھجوا دینا' اور....''

''بائی بائی۔'' اس نے مسکرا کے سنے بغیر فون رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ لونگ روم میں ٹہل ٹہل کے فون پہ چنگیز سے بات کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور ان میں بہت سی شرارت چھپی تھی۔ بات مکمل کر کے وہ فون پہ میسیجز دیکھتے ہوئے آتش دان کے پاس رکھی ونگ چیئر تک گیا اور ایک پہ مزے سے ڈھیر ہو گیا۔ پیر اوتومن اسٹول پہ رکھ لیے۔ وہ بہت آرام دہ تھی۔

کچن میں کام کرتی فیضی خانم نے پلٹ کے اسے گھورا۔

''بیربل بے۔''

لیکن وہ ڈھٹائی سے مسکراتا رہا۔

''ماہر بے نہیں دیکھ رہے۔'' پھر ونگ چیئر کے بازو تھپتھپائے۔ ''پتہ نہیں ماہر اتنی آرام دہ چیئر پہ بیٹھنے سے منع کیوں کرتا ہے۔''

''اس نے تمہیں نہیں بتایا؟'' وہ پلٹ کے حیرت سے پوچھنے لگیں۔ بیربل نے چونک کے انہیں دیکھا۔ پھر گردن دائیں بائیں ہلی۔

''وہ ہر دفعہ ٹال دیتا ہے۔ میں خود بھی نہیں پوچھتا۔ وہ تھوڑا (کنپٹی پہ انگلی سے اشارہ کیا) سائیکو ہے نا۔''

''دراصل جب ماہر نے استنبول میں یہ اپارٹمنٹ لیا تھا تو اس سے پہلے سے یہاں رہتے تھے۔''

''کون؟''

''ایک بیوہ جننی اپنے دو بچوں کے ساتھ یہاں رہتی ہے۔ وہ ماہر کو شروع میں تنگ کرتے تھے۔ پھر اس نے ان کے ساتھ ڈیل کر لی کہ وہ انہیں اس ونگ چیئر کے پیچھے رہنے دے گا اور گھر میں موسیقی نہیں چلائے گا۔ اور جواباً وہ اس کو کام کرتے وقت ڈسٹرب نہیں کریں گے۔''

بیر بل زور سے ہنس دیا۔ ''اس نے کہا اور آپ نے یقین کر لیا؟''

فیضی حانم نے پیچھے مڑ کے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ ''تمہیں واقعی نہیں معلوم؟ تم نے کبھی نوٹس نہیں کیا کہ یہ جگہ بغیر آگ جلائے بھی گرم کیوں ہوتی ہے؟''

بیر بل نے ونگ چیئر کے بازوؤں کو دوبارہ چھوا۔ وہ واقعی گرم تھے۔ اگلے ہی لمحے وہ کرنٹ کھا کے وہاں سے اٹھا۔

''اللہ اللہ۔'' وہ تیزی سے لونگ روم کے دوسرے دہانے پہ آ رکا اور پیچھے مڑ کے آتش دان کو دیکھا۔ آنکھیں پھیل چکی تھیں۔ اور رنگت زرد ہو رہی تھی۔

وہ دونوں ونگ چیئرز خاموش پڑی تھیں۔

''وہ دو سو سال سے یہاں رہ رہے ہیں۔ ماہر کہتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور۔''

''اف۔ بند کریں اپنا نیوز بلیٹن۔ مجھے ساری رات نیند نہیں آنی۔'' اس نے دونوں ہاتھ ان کے سامنے جوڑے۔ پھر پلٹ کے گھبراہٹ سے آتش دان کی طرف دیکھا۔

''پہلے میں ایک سائیکو مشین کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اب اس گھر میں جن بھی ہیں۔ اللہ اللہ۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا تیزی سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دروازہ جلدی سے بند کیا۔ فیضی حانم مسکرا کے واپس اپنے کاموں کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ انہیں یقین تھا بیر بل فرید آج نماز پڑھ کے سوئے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ نے ٹیالے سفید جوگرز کو واپس باکس میں ڈالا۔ بیجوں کا خالی پیکٹ ان کے ساتھ رکھا۔ پھر باکس کو بند کیا۔ اس باکس نے ماضی کے سفر پہ روانہ کر دیا تھا اور اب اسے واپس حال میں پلٹنا تھا۔

وہ باکس لیے اوپر اسٹوڈیو میں چلی آئی۔ مطلوبہ کیبنیٹ کھولی اور باکس کو اندر کر کے رکھ دیا۔ وہ چیزیں ماضی کی کشمالہ کے ساتھ وہیں دفن ہو گئیں۔ وہ سیدھی ہوئی ہی تھی کہ ماہی کی کال آنے لگی۔

''میں ابھی تمہارے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔'' اس نے مسکرا کے فون کان سے لگایا۔

''میری عمر لمبی ہے یا میں شیطان ہوں؟''

مالا ہنس دی۔ ''آج مجھے اتنے برس بعد وہ بیجوں کا پیکٹ نظر آیا جو تم نے مجھے امریکہ سے بھیجا تھا۔'' مالا یاد کر کے کہہ رہی تھی۔ ''جو تمہیں ائیر پورٹ پہ کسی مہربان آدمی نے دیا تھا۔ وہ جس نے تمہارا ٹکٹ بھی پے کیا تھا۔''

اوہ۔ ماہی ایک لمحے کے لیے سانس نہیں لے سکی۔ وہ اس بات کو بھول چکی تھی۔ اسے اہم تفصیلات یاد تھیں۔ لیکن وہ پیکٹ ذہن سے فراموش ہو چکا تھا۔

''تم اس سے دوبارہ بھی ملی تھیں نا۔ اسی ائیر پورٹ پہ جب...'' مالا عام سے انداز میں ایک پرانی بات یاد کر رہی تھی۔

''مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔'' ماہی جلدی سے بولی۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ مالا سے باتیں چھپایا نہیں کرتی تھی لیکن اب یہ بات کیسے بتائے۔ وہ ماہر فرید کے ساتھ اس سرکار کو ڈھونڈنا چاہتی تھی' اس کو اپنے خاندان پہ جادو کرنے سے باز رکھنا چاہتی تھی۔ ماہر کے علاوہ کوئی اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ اور مالا اسے ایسا کبھی نہیں کرنے دے گی۔

''کیا تم اس جادوگر کا اسکیچ بنا سکتی ہو جسے تم نے خواب میں دیکھا تھا؟''

''اسکیچ سے کیا ہوگا؟'' مالا کو حیرت ہوئی۔

''شاید میں اسے پہچان لوں۔ میں ویسے بھی خاندان میں سب کو جانتی ہوتی ہوں۔''

کشمالہ کو آئیڈیا برا نہیں لگا۔ شاید اس طرح اسے معلوم ہو جائے گا کہ کون حورِ جہاں بیگم اور شاید خود اس پر بھی جادو کر رہا ہے۔

فون بند کر کے اس نے اسٹوڈیو کی ساری بتیاں روشن کیں۔ پھر بال گول مول جوڑے میں باندھے اور ان میں برش اٹکا دیا۔ اب وہ اسٹول پہ بیٹھی اور سامنے اسٹینڈ پہ کورا صفحہ لگایا۔ پھر پنسل اٹھائی اور اس کو تراشا۔ وہ تیار تھی۔

کورے صفحے کو دیکھتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کیں۔ اس کو وہ چہرہ پوری جزئیات کے ساتھ یاد تھا۔ اس کی جھریاں۔ سفید بال۔ سر پہ بندھا نارنجی رومال۔ وہ آنکھیں۔ کہاں دیکھا تھا اس نے اسے پہلے؟ یاد کیوں نہیں آ رہا تھا۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور پورے انہماک سے ایک لکیر کھینچنے لگی۔ دفعتاً ایک جھٹکے سے پنسل کا سکہ ٹوٹ گیا۔ ساتھ ہی زور سے ہوا چلی۔ کھڑکی کا پٹ پوری قوت سے کھل کے بند ہوا۔

وہ ایک دم سیدھی ہو کے بیٹھی۔ اطراف میں دیکھا۔ تمام بتیاں روشن تھیں۔ وہ اکیلی تھی اور باہر رات پھیلی تھی۔

اس نے سر جھکا اور پنسل دوبارہ تراشنے لگی۔ پھر سے کاغذ پہ لکیر کھینچی۔

اوپری شیلف میں رکھا پینٹ کا ایک کارٹن ٹھک سے نیچے گرا۔ سارا پینٹ فرش پہ بہہ گیا۔

وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تھوک نگلا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا لیکن کوئی تھا۔

اس نے جلدی سے پنسل رکھ دی۔ پھر آیت الکرسی پڑھتے ہوئے سر پہ دوپٹہ لیا اور تیزی سے باہر نکلی۔

سیڑھیاں ویران تھیں۔ باہر کے نائٹ بلب جل رہے تھے لیکن لان کے تمام درخت خاموش کھڑے تھے۔ وہ کسی بھی طرف دیکھے بنا تیز قدموں سے قریباً بھاگتی ہوئی سیدھی اندر آئی اور اپنے کمرے میں جا کے دم لیا۔ دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ وہ اس کا چہرہ دیکھ چکی ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس کو اسکیچ کرے۔ کیوں؟ وہ خوفزدہ تھا اور اسے خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔

میں صبح کے وقت جاؤں گی اور اس اسکیچ کو ضرور مکمل کروں گی۔ اس نے دل ہی دل میں عزم دہرایا۔ دل ابھی تک زور زور سے دھک دھک کر رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح اس کی آنکھ دیر سے کھلی۔ شاید دیر تک جاگتی رہی تھی۔ جب سوئی تو وہی خواب پھر سے آیا۔ وہ منحوس شکل کا بچہ مسکرا کے اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ بھاگ رہی ہے اور وہ اس کے تعاقب میں ہے۔ فجر کے قریب وہ سوئی تو اب جاگی۔ بستر سے نکلنے سے پہلے عادتاً موبائل اٹھایا تو زیاد کا میسج جگمگا رہا تھا۔

"آج میں آپ کو سرپرائز وزٹ کروں گا۔"

وہ نیند سے بھری آنکھوں سے مسکرا دی۔ اس کا میسج کرنا' یا اس سے ملنے آنا' اسے کچھ بھی برا نہیں لگا تھا۔ زیاد کا ظرف بڑا تھا۔ اور اس نے کیا کیا تھا۔ اس کو قریباً ہاں کہہ کے گھر بلا کے ناں کہہ دی۔ پھر بھی زیاد اس بات کو درمیان میں لائے بغیر اس سے اسی احترام سے بات کرتا تھا۔

اس نے کہا تھا وہ جانے سے پہلے ایک دفعہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ شاید وہ آج ریستوران آئے۔ وہ پیروں کو سلیپرز میں گھسیڑتی بستر سے اٹھی اور بالوں کو گول مول جوڑے میں باندھ لیا۔

ابھی وہ کمرے سے نکلی ہی تھی کہ بخت بی ماں کی وہیل چیئر ڈرائینگ روم سے باہر لاتی دکھائی دی۔ اسے دیکھتے

ہی ڈرائینگ روم کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ کے مہمان آئے ہیں۔" بخت بی کے دانت نکل رہے تھے۔

"زیاد آیا ہے؟" وہ مسکرادی۔ (اتنی جلدی سرپرائز دے دیا؟) اور ڈرائینگ روم کی طرف چہرہ موڑا۔ دروازہ نیم وا تھا۔ بڑے صوفے پہ بیٹھا شخص یہاں سے دکھائی دیتا تھا۔

کشمالہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔

صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے بیٹھا شخص اپنے موبائل کی طرف متوجہ تھا۔ سیاہ پینٹ پہ سفید ڈریس شرٹ پہنے' بال جیل سے جمائے' بڑھی شیو اور چمکتے سیاہ بوٹس والا آدمی زیاد نہیں تھا۔

"نہیں بیٹے۔ کیف آیا ہے۔ کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

وہ تیزی سے ماں کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھی اور بے چینی سے ان کا چہرہ دیکھا۔

"کچھ کہا ہے اس نے آپ کو؟" اس کی آواز سے جھلکتا خوف چھپ نہیں سکا تھا۔

"ہاں بیٹے۔ اپنی کہانی سنا رہا تھا۔"

"کیسی کہانی؟" اس نے ماں کے ہاتھ تھام لیے۔ وہ اتنی دیر تک اس سائیکو پیتھ اور خطرناک آدمی کے ساتھ ڈرائینگ روم میں بیٹھی رہی تھیں۔ اسے کیوں معلوم نہ ہوسکا؟

"بتا رہا تھا کہ چچا سے ناراضی تھی۔ لندن میں خاندانی بزنس چھوڑ کے الگ ہوگیا تھا۔ وقت گزارنے کے لیے تمہاری نوکری کر رہا تھا۔ اب صلح ہوگئی ہے چچا سے تو جلد ہی لندن واپس چلا جائے گا۔ معذرت کر رہا تھا کہ پہلے نہیں بتا سکا۔"

وہ انہیں دیکھتی رہ گئی۔ ماہر فرید کیسے جھوٹے انداز میں سچ بول لیتا تھا۔ اور ماں... وہ ایسے بتا رہی تھیں جیسے انہیں اس بات سے فرق ہی نہ پڑا ہو۔

"بڑی بی بی پہلے ہی کہتی تھیں۔ یہ کسی اچھے گھر کا لگتا ہے۔" بخت بی کے چہرے کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ اس نے ایک کاٹ دار نظر ان پہ ڈالی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا رخ ڈرائینگ روم کی طرف تھا۔

آہٹ پہ اس نے نظریں اٹھائیں۔ اسے دیکھ کے ہلکا سا مسکرایا۔ یہ وہ مسکراہٹ تھی جو وہ ڈیڑھ ماہ تک ہر صبح گھر سے نکلتے ہی اپنی کار کے آس پاس دیکھا کرتی تھی۔ دل کو کچھ ہوا۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟" وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں غصہ اور آواز میں بے بسی تھی۔

''کہا تھا نا۔ بات کرنی ہے۔ تم نے اپنی ورک پلیس پہ آنے سے منع کیا تھا۔ اور کہاں آتا؟'' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کے بڑے اطمینان سے بیٹھا تھا۔ میز پہ چائے کے برتن رکھے تھے اور سارے میں کڑک چائے اور الائچی کی خوشبو پھیلی تھی۔

کشمالہ نے مٹھی بھینچ لی۔ پھر پلٹ کے ادھ کھلے دروازے کو دیکھا۔ بخت بی ماں کو واش روم لے کر گئی تھی۔ وہ ابھی واپس آتی ہی ہوں گی۔ اسے ان کی واپسی سے پہلے اس آدمی کو اپنے گھر سے نکالنا تھا۔

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔''

''کیا یہ تمہارا ڈیفنس میکنزم ہے؟ سامنا کرنے کے بجائے فرار اختیار کرنا؟ لڑنے کے بجائے کہیں دور چلے جانا؟'' وہ بغور اس کو دیکھ رہا تھا جیسے اس کا مطالعہ کر رہا ہو۔

کشمالہ نے ایک گہری سانس لی۔ اندر ابلتے غصے کو نیچے دھکیلا۔ پھر اس کے سامنے والے صوفے پہ بیٹھی۔

''مجھے لڑنا آتا ہے' کیف۔ لیکن میں اپنی لڑائیاں سوچ سمجھ کے منتخب کرتی ہوں۔''

''پھر لڑو مجھ سے۔ حساب مانگو۔ میں حساب دوں گا۔ لیکن وہ نہ کرو جو ظہیر کے ساتھ کیا تھا۔ بغیر سنے یا کہے لڑائی چھوڑ کے مت جاؤ۔''

''ظہیر کو درمیان میں مت لاؤ۔ ورنہ پچھتاؤ گے۔'' اس نے انگلی اٹھا کے تنبیہ کی۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جو ماہر چونکا۔ پھر سر جھٹکا۔ ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور قدرے آگے ہوا۔

''میں صرف تم سے ایک دفعہ بات کرنا چاہتا ہوں۔'' اس کی آواز دھیمی تھی۔

''اس کے بعد کیا ہوگا؟''

ماہر نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''جو تم کہو گی وہی ہوگا۔ لیکن میری بات سننے کے بعد۔''

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ درمیان میں میز پہ رکھی ٹھنڈی چائے اور الائچی کی خوشبو حائل تھی۔

''میں کہوں میری زندگی سے چلے جاؤ تو ایسا کرو گے؟''

''ایک لمحے کی دیر کیے بغیر چلا جاؤں گا۔''

وہ چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔ وہ اسی سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''میں پیچھے بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں' کشمالہ بی بی۔ نہ میں بار بار صفائیاں دیتا ہوں۔ لیکن ایک

دفعہ... ''انگشت شہادت اٹھا کے دکھائی۔''ایک دفعہ میں اپنی صفائی ضرور دوں گا۔ کب اور کہاں' یہ تم طے کرو گی۔''

وہیل چیئر کے پہیوں کی آواز پہ ماہر نے چہرے پہ مسکراہٹ طاری کر لی اور پیچھے ہو کے بیٹھ گیا۔ بخت بی ماں کی وہیل چیئر دھکیلتی اندر آرہی تھیں۔

''آپ کے گھر میں فیملی فوٹوز نہیں لگے ہوئے۔''وہ چہرہ دائیں بائیں گھماتے ہوئے سرسری انداز میں بولا۔ غالباً ان کے جانے سے پہلے گفتگو کا سلسلہ یہیں سے ٹوٹا تھا۔

''ماں کو پسند نہیں ہے۔ کہتی ہیں تصویریں لگانے سے گھر میں فرشتے نہیں آتے... لیکن...''وہ انہی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔''شیاطین پھر بھی آجاتے ہیں۔''

''شیاطین ہر جگہ ہیں' کشمالہ بی بی۔ بس پہچاننے میں وقت لگتا ہے۔''

وہ مسکرایا۔ انداز میں ڈھٹائی تھی۔ اس کو ان باتوں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔

کشمالہ نے ایک گہری سانس اندر کھینچی' پھر اسی کے انداز میں پیچھے ہو کے بیٹھی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

''ماں بتا رہی تھیں کہ تم انہیں اپنی فیملی کے بارے میں بتا رہے تھے۔''اب کے وہ بولی تو آواز ٹھنڈی تھی۔''تمہارے والد کی ڈیتھ کا سن کے مجھے بہت افسوس ہوا تھا۔''

''ہاں بیٹے۔ اللہ ان کو جنت نصیب کرے۔''ماں نے خلوص دل سے دعا دی۔

ماہر نے سر کو ہلکا سا خم دیا' جیسے تعزیت وصول کی ہو۔

''لیکن تمہارے ایک دوسرے فادر بھی تو تھے نا۔''سادگی سے پلکیں جھپکا کے پوچھا۔

کچھ تھا جو ماہر فرید کے چہرے میں پل بھر میں بدل گیا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آنکھوں میں بہت کچھ ابھر کے ڈوبا۔

''سنا ہے وہ بہت اچھے انسان تھے۔ تم دونوں بھائیوں کا بہت خیال رکھتے تھے۔''وہ جوڑے سے نکلی ایک لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔''ان کی بھی ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی تھی نا۔ تم ان کو بہت مس کرتے ہو گے۔''

''بہت زیادہ۔''وہ دبی آواز میں بڑبڑایا۔ مٹھیاں بھینچ لیں۔ ایک دم کمرے میں گھٹن بڑھ گئی تھی۔ اسے ہوا چاہیے تھی۔

ماں نے چہرہ موڑ کے کشمالہ کو تادیبی نظروں سے گھورا۔ لیکن وہ کہے جا رہی تھی۔

''سنا ہے تمہارے اسٹیپ فادر...''

وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''میں تم سے ملنے ریستوران آؤں گا۔ دوپہر میں۔ اوکے؟'' ایک کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی۔ وہ پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرائی۔ بیٹھے بیٹھے کندھے اچکائے۔

''شیور۔'' پھر زیرلب بڑبڑائی۔ ''پچھتاؤ گے۔''

وہ جو ماں کو جھک کے خدا حافظ کہہ رہا تھا' پھر سے چونکا۔ ایک نظر اسے دیکھا۔ چھٹی حس نے سرخ بتی جلائی اور بجھائی۔ کچھ تھا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

''بیٹے آتے جاتے رہا کرو۔ یہ تمہارا اپنا ہی گھر ہے۔'' ماں اس کو اپنے ازلی مہمان نواز انداز میں کہہ رہی تھیں۔

''خدا حافظ کیف۔'' وہ پیچھے سے پکار کے بولی۔ پھر رکی۔ ''یا ماہر... جو بھی نام تم آج کل استعمال کر رہے ہو۔''

اس نے جاتے جاتے بس ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور باہر نکل گیا۔ حورجہاں بیگم نے خفگی سے اپنی بیٹی کو دیکھا جو سینے پہ بازو لپیٹے بیٹھی ان سے زیادہ خفا لگ رہی تھی۔ مسکراہٹ اب غائب ہوگئی تھی۔

''اس کے سوتیلے باپ کا ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کس کو پسند ہوتا ہے یہ رشتہ؟''

''اور آپ کو کیا ضرورت تھی اس کی اتنی خاطر کرنے کی؟ میں نے اسے کسی وجہ سے نوکری سے نکالا تھا۔''

''تم تو کہہ رہی تھیں اس نے خود استعفیٰ دیا تھا۔''

''میرے الفاظ نہ پکڑیں۔'' وہ جھنجھلا کے اٹھی اور باہر نکل گئی۔ صبح ہی صبح سارا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد کا سرپرائز ریستوران میں موجود تھا۔ وہ جیسے ہی مین ہال میں داخل ہوئی' لبوں پہ خودبخود مسکراہٹ بکھر گئی۔ ماہر فرید سے ملاقات کی ساری کلفت دور ہونے لگی۔

آنسوؤں سے لبریز شیشے کی دیوار کے ساتھ ایک میز پہ چار افراد بیٹھے تھے۔ ان میں ایک زیاد بھی تھا۔ وہ چاروں اپنے سامنے کافی' چند کاغذ اور لیپ ٹاپس کھولے بیٹھے گفتگو میں مصروف تھے۔ یقیناً زیاد کی کوئی ورک میٹنگ چل رہی تھی جسے اس نے مالا کے ریستوران میں منعقد کیا تھا۔

وہ اسی دیوار کے ساتھ بیٹھے تھے جسے وہ پینٹ کر رہی تھی۔ وہ مسکراتے ہوئے آگے آئی اور دیوار کے ساتھ اپنا میٹ بچھایا۔ پھر زمین پہ بیٹھی اور اپنے رنگ سامنے پھیلا لیے۔ سر پہ سبز سلک کا رومال باندھے' وہ مسکرا کے چہرہ جھکائے اپنے رنگ مکس کرنے لگی۔ پھر نگاہیں اٹھائیں تو شیشے کی دیوار میں پیچھے بیٹھے زیاد کا عکس دکھائی دیا۔

وہ کریم کلر کی پولو شرٹ میں ملبوس اسے ہمیشہ کی طرح ہینڈسم لگ رہا تھا۔ دونوں ہاتھ اٹھا کے وہ بریفنگ دے رہا تھا جب نظر کشمالہ کی پشت پہ پڑی۔ وہ ان کے سامنے ہی زمین پہ بیٹھی تھی۔ زیاد کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھری جسے اس نے فوراً سے سنجیدگی میں بدل دیا۔

اب اس کے سامنے بیٹھا آدمی کچھ کہہ رہا تھا۔ بظاہر اس کی بات دھیان سے سنتے ہوئے زیاد سلطان نے موبائل اٹھایا اور چند بٹن دبائے۔ وہ جو پیلیٹ پہ رنگ ڈال رہی تھی موبائل کی تھرتھراہٹ پہ مسکرادی۔ جانتی تھی کس کا میسج ہو سکتا ہے۔

"ایک پوٹینشل کلائنٹ سے میٹنگ میں ہوں۔ دعا کیجئے گا یہ ہماری کمپنی کو اپنی کیمپین کے لیے ہائر کرلیں۔"

کشمالہ کی انگلیاں کی پیڈ پہ چلنے لگیں۔

"اور اتفاق سے آپ کے کلائنٹس نے آپ کو میری ورک پلیس پہ مدعو کرلیا۔"

"نہیں۔ میں نے خود یہاں میٹنگ رکھی تھی تاکہ آپ سے ملاقات بھی ہو جائے۔"

زیاد سلطان کا جواب ہمیشہ کی طرح سچا اور صاف تھا۔ کوئی ٹیڑھ نہیں۔ کوئی کہانی نہیں۔ اس نے مسکرا کے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی سے اب ان افراد کے سامنے ایک آئیڈیا پچ کر رہا تھا۔ گاہے بگاہے میز پہ رکھی موبائل اسکرین پہ بھی نظر ڈال لیتا۔ وہ اس کی طرف پشت کیے زمین پہ بیٹھی اپنے رنگوں میں مصروف تھی۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ آپس میں بات کر رہے ہیں۔

"ڈیجیٹل میڈیا کیمپین کے لیے آپ کی اسٹریٹجی میں ایسا کیا ہوگا جو دوسری پی آر کمپنیز سے مختلف ہوگا؟" اس کا مہمان سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ "کیونکہ انعم میڈم موسم بہار کی کلیکشن کو لے کر بہت touchy ہیں۔ وہ عام کپڑا نہیں بناتیں۔ وہ بہترین لگژری ایڈیٹ لا رہی ہیں۔ اس لیے انہیں کسی کا آئیڈیا پسند نہیں آرہا۔"

(ابھی گرمیاں ختم نہیں ہوئیں اور کپڑوں کے برانڈز اگلی موسم بہار کی تیاری کر رہے ہیں۔ کمپیٹیشن۔) کشمالہ نے مسکرا کے سر جھٹکا اور برش کے بالوں میں پینٹ پھنسایا۔ دفعتاً وہ چونکی۔ (انعم؟) پھر پلٹ کے ان افراد کو غور سے دیکھا۔

"کیا یہ انعم پرویز کا clothing برانڈ ہے؟" اس کی انگلیوں نے تیزی سے موبائل پہ پیغام لکھا۔ زیاد کی اسکرین چمکی تو اس نے ایک نظر پیغام کو دیکھا۔ پھر ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ سامنے شیشے کی دیوار میں اس کا عکس دیکھ سکتی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔ اس نے برش رکھ دیا اور تیزی سے ٹائپ کرنے لگی۔

ادھر زیاد کہہ رہا تھا۔

”ڈیجیٹل میڈیا کیمپئین دو طرح سے چلائی جاتی ہے۔ ایک influencer مارکیٹنگ اور دوسری... ”موبائل کی اسکرین دوبارہ روشن ہوئی تو اس نے گفتگو کی رفتار سست کرتے ہوئے اسکرین کو دیکھا۔ پھر ہلکا سا چونکا۔ جیسے متذبذب ہوا ہو۔

”یو نو واٹ... میرا خیال ہے آپ کی باس... انعم میڈم... تمام آئیڈیاز کو اس لیے ریجیکٹ کر رہی ہیں کیونکہ وہ بتا نہیں رہیں کہ انہیں کیا چاہیے۔“ وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔ کنکھیوں سے اسکرین پہ کھلے ایک ایک سطر کے نئے میسجز کو بھی دیکھ رہا تھا۔

کشمالہ چہرہ جھکائے مسکراتے ہوئے ٹائپ کر رہی تھی۔

”کیا مطلب؟“ سامنے بیٹھے آدمی نے پہلو بدلا۔

”میں اپنا ہوم ورک کر کے آیا ہوں۔ آج سے چار سال پہلے انعم نے ووگ ٹاورز میں ایک شاپ کھولی تھی۔ اس میں وہ ایلان اور ثانیہ مسکاٹیہ کے کپڑے اسٹاک کرتی تھیں۔ اصل برانڈ پہ آرٹیکلز ختم ہو جاتے لیکن انعم کے پاس دستیاب ہوتے۔ یہ کپڑے لاہور کی ایلیٹ میں ہاتھوں ہاتھ بک جاتے تھے۔ انعم ایڈوانس پے منٹ لیتی تھیں۔ لیکن ان کا بزنس ماڈل sustainable نہیں تھا۔ اس لیے دو سال بعد ایک اسکینڈل بنا تھا۔“

ایک غیر آرام دہ سی کیفیت اس ٹیبل پہ چھاتی گئی۔

”یہ تب ہوا جب انعم نے بہت سے آرٹیکلز انڈیا بھیجنا شروع کر دیے۔ تھینک یو۔“ اس نے رک کے ویٹر سے کہا جو اب تازہ کافی کپ ان کے سامنے رکھ رہا تھا۔

”لاہور کی بہت سی ”آنٹیز“ (زیاد نے دو انگلیوں سے کوٹ ان کوٹ کا اشارہ کیا) کو پے منٹ کرنے کے باوجود جب کپڑے نہیں ملے تو انہوں نے ایک دن انعم کی شاپ پہ حملہ کیا۔ بہت گالم گلوچ اور لڑائی ہوئی۔“

ان افراد نے ایک دوسرے کو دیکھا لیکن کہا کچھ نہیں۔ خاموشی سے کافی کے کپ اپنی طرف کھسکائے۔ چمچوں کے کانچ سے ٹکرانے کی آوازیں آئیں۔

”آخر میں انعم نے سب کے پیسے واپس کیے۔ آرٹیکلز وہ پہلے ہی دگنی پرائس پہ انڈیا بیچ چکی تھیں۔ اس حملے کی ویڈیو کہیں لیک نہیں ہوئی کیونکہ انعم کے والد ایک با اثر آدمی ہیں۔ لیکن اس واقعے نے انعم کی کریڈیبلٹی بہت خراب کی۔“

''ہم نے سب کے پیسے واپس کر دیے تھے۔ سارا مسئلہ ری اسٹاک کا تھا۔ برانڈز ہمیشہ ...''

''میں ان کو جج نہیں کر رہا۔ اپنے آئیڈیے کی بنیاد بتا رہا ہوں۔'' زیاد سلطان نے نرمی سے ان کی بات کاٹی۔ پھر نظر اسکرین پہ ڈالی۔ اس پہ ایک کے ایک بعد ایک میسج ابھر رہا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔

''انعم نے اس کے بعد دو دفعہ اپنی لان لانچ کی ہے۔ دونوں دفعہ انہوں نے سارا اسٹاک بیچ لیا لیکن لاہور کی آنٹیز اپنی کٹی پارٹیز میں آج بھی انعم کو گوسپ کا موضوع بناتی ہیں۔ انعم کو کوئی آئیڈیا اس لیے نہیں پسند آرہا کیونکہ وہ اپنی کلیکشن صرف بیچنا نہیں چاہتیں۔ ان کو اپنی کھوئی ہوئی credibility واپس چاہیے۔''

''اور آپ کے پاس اس کے لیے کیا پلان ہے؟''

زیاد سلطان نے ایک منٹ کہہ کے اپنا فون اٹھایا۔ سامنے موجود چیٹ کھولی۔ سنجیدہ چہرے کے ساتھ وہاں لکھی چند سطور پڑھیں۔ پھر اپنے لیپ ٹاپ کو دیکھا۔ وہاں ایک پریزنٹیشن اس کی منتظر تھی۔ کنکھیوں سے اس نے شیشے کی دیوار کو دیکھا۔ وہ اس کے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ بنا آواز کے حرکت کیے۔

''ٹرسٹ می۔''

اور زیاد سلطان نے کشمالہ مبین پہ اعتماد کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے لیپ ٹاپ اسکرین فولڈ کر دی اور سنجیدگی سے ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہم اس کیمپین کے لیے خوبصورت چہروں اور گوری رنگت والی ماڈلز نہیں لیں گے۔ ہم inclusivity پہ مبنی کیمپین چلائیں گے۔ ہماری ماڈلز عام لڑکیاں ہوں گی جن کی رنگت (اس نے تھوک نگلا) سانولی ہوگی۔ ان کے فگرز پرفیکٹ نہیں ہوں گے۔ وہ دبلی بھی ہوں گی اور فربہ بھی۔ ان کے چہرے صاف بھی ہوں گے اور ان چہروں پہ ایکنی بھی ہوگی۔ تاکہ ہر وہ لڑکی جو خود کو نامکمل سمجھتی ہے اس کو لگے کہ انعم کے بنائے کپڑے اس کے لیے ہیں۔ وہ ان کو پہن کے خوبصورت دکھ سکتی ہے۔''

کشمالہ نے مسکرا کے فون واپس رکھ دیا۔ اس کی بے توجہی کے باعث برش کے بالوں میں پھنسا رنگ جم رہا تھا۔ اس نے برش کو پانی کے پیالے میں ڈبویا۔ رنگ گھلنے لگا۔ بال نرم ہوئے۔ وہ پھر سے نیا رنگ بنانے لگی۔ لبوں سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی۔

دارچینی اور کافی کی مہک دھیرے دھیرے ختم ہوتی گئی۔ گفتگو دم توڑ گئی اور وہ لوگ اٹھ گئے۔ اسے اپنے قریب آتے قدم سنائی دیے۔ پھر دو جوتے نظر آئے۔

وہ مگن انداز میں پینٹ کیے گئی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ زمین پہ بیٹھا۔

"کہاں سے آتے ہیں آپ کو ایسے آئیڈیاز؟" وہ ستائشی انداز میں پوچھ رہا تھا۔ کشمالہ نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ گلاس وال سے آتی دھوپ میں وہ اس کے ساتھ بیٹھا بہت ممنون لگ رہا تھا۔

"آئیڈیاز ہی ہیں میرے پاس۔ ان پہ عمل کرنے کے لیے بہت سا پیسا نہیں ہے۔"

"آپ انعم کو کیسے جانتی ہیں؟"

"لاہور کے Entrepreneurs ایک دوسرے کو جانتے ہوتے ہیں۔ انعم کی کہانی سب کو معلوم ہے۔" اس نے مسکرا کے شانے اچکا دیے۔

"میرے پاس بہت خوش ہوں گے۔" وہ گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھا تھا۔ چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ وہ بھی پورے دل سے مسکرا دی۔ پھر ایک چبھن سی محسوس ہوئی۔ ایک پھانس کے نہ نکلنے کی چبھن۔

"آئی ایم سوری۔"

زیاد کے ابرو اچھنبے سے اکٹھے ہوئے۔

"کس چیز کے لیے؟"

"آپ کو معلوم ہے کس چیز کے لیے۔"

وہ دھیما سا مسکرایا۔ "کیا میں بغض پالنے والوں میں سے لگتا ہوں؟"

سبز رومال والی لڑکی نے مسکرا کے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ دھوپ سے اس کی آنکھیں سنہری لگ رہی تھیں۔

"جو بات شروع ہی نہیں ہوئی اس کے ختم ہونے کا کیا افسوس کرنا۔ ہم کزنز تو ہیں ہی۔ اچھے دوستوں بھی بن سکتے ہیں۔"

اس نے مسکرا کے سر ہلا دیا۔ "جی۔ ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔"

(مرد اور عورت کبھی دوست نہیں بن سکتے۔) ماں کی آواز کسی نشتر کی طرح دماغ میں چبھی۔ لیکن کشمالہ نے اسے جھٹک دیا۔ پرانے زمانے کی باتیں۔

"ارے ہاں۔ کل میں ریستوران آیا تھا بکنگ کروانے تو اسٹاف نے بتایا کہ آج آپ کی سالگرہ ہے۔ میں آپ کے لیے کچھ لایا تھا۔" وہ یاد کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ ہلکا سا ہنس دی اور اسے باہر جاتے دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ تھا۔ وہ واپس اس کے ساتھ زمین پہ بیٹھا اور بیگ درمیان

میں رکھا۔

''آپ نے بتایا تھا کہ آپ کو اچھے جوتے پسند ہیں۔ مجھے یہ اچھے لگے۔ کچھ دن پہلے لیے تھے۔ آج دینے کا موقع بن گیا۔''

کشمالہ نے مسکرا کے بیگ میں ہاتھ ڈالا۔ اندر چاکلیٹس کا ایک باکس تھا اور ساتھ ایک جوتوں کا ڈبہ۔

سیاہ کھسے۔ سادہ مگر بہت خوبصورت۔

''میں کھسے نہیں پہنتی لیکن یہ ضرور پہنوں گی۔ تھینک یو۔ لیکن...'' اس نے مسکراہٹ دبائی۔ ''آج میری سالگرہ نہیں ہے۔''

زیاد نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''اسٹاف نے بتایا تھا کہ آپ کے ڈاکومنٹس کے مطابق آج آپ کی سالگرہ ہے۔''

''میرے ڈاکومنٹس پہ میری سالگرہ غلط لکھی ہے۔ برتھ سرٹیفیکیٹ پہ غلط درج ہوگئی تھی اور پھر او لیولز تک بدلی نہیں جاسکی۔ بعد میں سارے ڈاکومنٹس اسی تاریخ کے ساتھ بنتے گئے۔ اب کیا تبدیل کرواتی۔''

''یعنی اس سب کا کوئی فائدہ نہیں ہوا؟''

زیاد نے افسوس سے اس کے ہاتھ میں پکڑے جوتوں کو دیکھا۔

''تاریخ سے کیا ہوتا ہے؟ سالگرہ کسی بھی دن منائی جاسکتی ہے۔ اور یہ جوتے بہت خوبصورت ہیں۔ سیاہ رنگ ویسے ہی مجھے پسند ہے۔''

''ہر ایک کو نہیں ہوتا۔''

وہ اداسی سے مسکرایا۔

وہ دونوں شیشے کی دیوار کے ساتھ بیٹھے تھے۔ دھوپ سیدھا ان کے اوپر پڑ رہی تھی لیکن اے سی کی ٹھنڈ کے باعث وہ بے ضرر لگ رہی تھی۔

''آپ کو دور اندر اب بھی اپنی رنگت کا کمپلیکس ہے زیاد۔'' وہ جوتے واپس پیک کرنے لگی۔ انداز سادہ تھا۔

زیاد کی گردن میں گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

''شاید۔''

''ایک زمانے میں مجھے بھی اپنے چہرے کا کمپلیکس تھا۔''

اب کی دفعہ حیران ہونے کی باری زیاد سلطان کی تھی۔ اس نے بے یقینی سے کشمالہ مبین کے خوبصورت' سپید چہرے کو دیکھا۔

''ناممکن۔''

''میرے چہرے پہ بہت ایکنی تھی۔ اور میں نے اس کی وجہ سے بہت تکلیف اٹھائی تھی۔'' اس نے سر جھکایا۔ لہجے میں کرچیاں سی ابھریں۔ ''لیکن پھر میں نے خود کو اس کمپلیکس سے نکالا۔ ایکنی کا علاج کروایا۔ کہیں دور اندر میں اب بھی خوفزدہ ہوں کہ وہ واپس نہ آ جائے۔ میں ہر صبح اٹھ کے اپنا چہرہ دیکھتی ہوں۔''

''میں پوری طرح خود کو اپنی رنگت کے کمپلیکس سے نہیں نکال پایا۔ حالانکہ اب میں اس بارے میں زیادہ نہیں سوچتا۔ لیکن میرے ابو... '' وہ سر جھکائے یہ سب کہتے ہوئے ایک عام انسان لگا تھا۔ اس کے اپنے جیسا۔

''میری ماں کی رنگت کے باعث ان کو ساری عمر میرے والد سے باتیں سننی پڑی تھیں۔ ابو خوبصورت تھے۔ گورے اور خوبصورت۔ امی سے ان کی شادی زبردستی ہوئی تھی۔ امی نے اپنے رنگ کی وجہ سے بہت تکلیف سہی ہے۔'' وہ اب سامنے شیشے کی دیوار پہ پینٹ ہوئے آنسو دیکھ رہا تھا۔

''میری ماں بہت صابر اور سمجھدار عورت ہے' کشمالہ۔ ان کی ساری زندگی کا محور میں ہی ہوں۔ وہ اپنے لیے نہیں میرے لیے جیتی ہیں۔ میں ایک زمانے میں خود کو بدصورت سمجھتا تھا۔ پوری طرح نہ سہی' لیکن جتنا بھی میں اس کمپلیکس سے نکلا ہوں' امی کی وجہ سے نکلا ہوں۔ انہوں نے ہی میری شخصیت بنائی ہے۔''

وہ تحیر سے اسے دیکھے گئی۔ کیا اتنے پرکشش آدمی کو بھی اپنی شخصیت کا کمپلیکس ہو سکتا تھا؟

''کیسی ہیں آنٹی؟''

زیاد نے ایک ٹھنڈی سانس باہر خارج کی۔

''کوئی عجیب سی بیماری ان کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ ایسے لگتا ہے کوئی curse ہے جو ہمارے خاندان کا پیچھا کر رہی ہے۔''

''شاید وہ curse میں ہوں۔ میری وجہ سے آپ کے اوپر کوئی جادو کر رہا ہے۔'' اس نے دل میں سوچا۔ کہا نہیں۔

وہ زیاد کو بتانا چاہتی تھی کہ اس نے خواب میں زیاد کی تصویر پہ بھی خون دیکھا تھا۔ اس کے انکار کی وجہ صرف ماں کی صحت نہیں تھی۔ وہ جادو بھی تھا جو کشمالہ سے جڑے ہر انسان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اس کے قریب رہ کے

زیاد سلطان کو صرف نقصان ہوگا۔ نگینہ بیگم کی طبیعت تب سے خراب رہنے لگی تھی جب سے انہوں نے زیاد اور مالا کے رشتے کا سوچا تھا۔

لیکن وہ یہ سب بتا کے اسے پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''آپ واپس کب جا رہے ہیں؟'' سوال ابھی لبوں میں ہی تھا جب اسے ایک احساس ہوا۔

ایک احساس جو پہلے سے ہو جاتا ہے۔ کسی کے اندر آنے سے پہلے۔ کسی کے آپ کو دیکھنے سے پہلے۔ کسی خواب کی سی کیفیت میں کشمالہ نے چہرہ مین ہال کے داخلی حصے کی طرف موڑا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔

زیاد کچھ کہہ رہا تھا لیکن وہ سن نہیں رہی تھی۔ وہ وہیں دیکھتی رہی۔ ایک سیکنڈ۔ دو سیکنڈ۔

گھڑی کی ٹک ٹک...

اور پھر وہ اندر داخل ہوا۔ موبائل پہ بٹن دباتے' وہ متلاشی نظروں سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ اور وہ اس کو۔

دفعتاً ماہر کے قدم زنجیر ہوئے۔ نظریں شیشے کی دیوار کے ساتھ بیٹھے دو چہروں پہ جا رکیں۔

ایک زخمی سا تاثر بھوری آنکھوں میں ابھرا۔ جسم کے سارے اعصاب تن گئے۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ پھر الٹے قدموں پلٹ گیا۔ جیسے کوئی فلم ریوائنڈ ہو جاتی ہے۔ جیسے وہ وہاں آیا ہی نہیں تھا۔

موبائل کی تھرتھراہٹ پہ وہ چونکی۔ زیاد اب بھی کچھ بتا رہا تھا۔ مگر اس کا ذہن بٹ چکا تھا۔

''میں سامنے ایک کیفے میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

یہ ایک نیا نمبر تھا۔ انگلینڈ کے ۴۴ کوڈ والا واٹس ایپ نمبر۔ یقیناً ماہر فرید کا اصل نمبر۔

وہ بات کرنا چاہتا تھا۔ اور بات تو اسے بھی کرنی تھی۔

''زیاد مجھے کہیں پہنچنا تھا۔ بس ایک چھوٹا سا کام ہے۔''

''اوہ۔ میں ڈراپ کر دوں؟ میرے پاس کمپنی کی کار ہے۔'' وہ وقت دیکھتے ہوئے زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔ لباس کی ندیدہ گرد جھاڑی۔

''نہیں۔ مجھے یہ خود ہی کرنا ہوگا۔'' اس نے زیاد کی دی چاکلیس اور جوتے وہیں اپنے سامان کے ساتھ رکھ دیے۔ اسے ماہر فرید سے ملاقات میں زیادہ دیر نہیں لگنی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جس ریستوران میں وہ اس کا انتظار کر رہا تھا وہ ایک چھوٹا سا بریک فاسٹ کیفے تھا۔ اونچی چھت سے فانوس

لٹک رہے تھے۔ دیواروں پہ ماڈرن graffitis بنی تھیں۔ اور سارے میں انگریزی ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔ یہاں ابھی ناشتہ اور برنچ چل رہا تھا۔

سبز رومال اور ڈھیلے ڈھالے کرتے ٹراؤزر والی لڑکی سنجیدہ چہرے کے ساتھ اندر داخل ہوئی اور سیدھی لکڑی کے زینے کی طرف بڑھ گئی۔ اس نے دوپٹہ گردن میں مفلر کی طرح لے رکھا تھا اور پرس کا اسٹریپ ایک کندھے سے گزار کے دوسرے پہ لٹکا رکھا تھا۔ وہ آج غصے میں نہیں تھی۔ وہ پرسکون تھی۔

بالائی منزل کی روشنیاں مزید مدھم تھیں۔ خوابناک سا ماحول بنا ہوا تھا۔ وہ ایک کونے والی میز پہ بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ گلاس وال تھی جہاں سے نیچے سڑک اور سامنے ریستورانوں کی قطار نظر آتی تھی۔ اسے دور سے آتے دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ چلتی ہوئی اس کے عین سامنے آ رکی۔ اب ان دونوں کے درمیان صرف لکڑی کی ایک میز تھی۔

وہ دونوں کتنے عرصے بعد یوں آمنے سامنے تھے۔ مالا نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

کیا یہ وہی شخص تھا جو اس کے ہینڈ بیگز اٹھا لیتا تھا؟ اس کے لیے کار کا دروازہ کھولتا تھا؟ بیٹھنے سے پہلے اس کے لیے کرسی کھینچتا تھا؟ شاید نہیں۔ یہ کوئی اور تھا۔ اس کا لباس بھی الگ تھا اور کلاس بھی۔

''یہاں بیٹھو اور تحمل سے میری بات سنو۔'' ماہر آگے بڑھا اور ایک کرسی کھینچی۔ پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

مالا نے اس کے ہاتھوں کو دیکھا جو کرسی کے دہانے پہ جمے تھے۔ (شاید یہ وہی تھا۔)

''میں معافی مانگنے نہیں آیا۔ جانتا ہوں تم مجھے معاف نہیں کرو گی۔''

وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ میز کے وسط میں ایک ادھ پیے کافی کپ کے ساتھ ایک مصنوعی پودا رکھا تھا۔ زرد روشنی میں اس کے پتے بھورے لگ رہے تھے۔

''میں صرف صفائی دینے آیا ہوں۔ کیا تم میری صفائی سن سکتی ہو؟''

کشمالہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کی نظریں پودے کے پتوں پہ تھی۔ ان پہ ہلکی ہلکی سی گرد جمع تھی۔

''میری ایک بہن ہے۔ ہلال شمس۔ وہ لاپتہ ہے۔ میں اس کو ڈھونڈ رہا ہوں۔ یاد ہے میں نے تمہیں اس کی تصویر دکھائی تھی؟''

وہ اگلے چند منٹ بولتا رہا۔ مختصر فقرے۔ تکلیف سے لیا گیا نام۔ ہلال اس کے لیے کیا تھی اور وہ کیسے کھوئی تھی۔

وہ چہرے پہ ایک ہی جیسے تاثرات لیے سنے گئی۔

''میرا دشمن بہت حساس ہے۔ وہ میری ہر حرکت سے آگاہ ہوتا ہے۔ میں نے وہ لائٹر تمہارے پرس میں نہیں رکھا

تھا۔ یہ اس نے کیا ہے۔ میری بہن اس کے پاس ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ میں اس تک پہنچوں۔''

وہ کچھ نہیں بولی۔ پودے سے نظریں اٹھا کے اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں میں نے جھوٹ بولے ہیں۔ لیکن میں نے ہمیشہ تمہاری حفاظت کی ہے۔ میں نے کبھی تمہیں نقصان نہیں پہنچایا۔ میں تمہارا تعاقب کار نہیں ہوں۔ کوئی اور ہے جو...''

وہ بولتے ہوئے اس کے تاثرات کو بغور دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ ٹیک لگائے سینے پہ بازو لپیٹے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں میرا یقین نہیں آیا نا۔'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ ''کسی کو ماہر فرید کا یقین نہیں آتا۔''

''تم نے مجھے کبھی نقصان نہیں پہنچایا؟'' وہ پہلی دفعہ بولی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے۔ کچھ تھا وہاں جو وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''ہاں۔'' وہ صاف گوئی سے بولا۔

''کیا تم نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا؟'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''نہیں، کشمالہ۔''

کچھ تھا جو کشمالہ مبین کی آنکھوں میں چھن سے ٹوٹا تھا۔

''میں نے تمہیں سچ بولنے کا دوسرا موقع دیا تھا، کیف۔ اس لیے نہیں کہ تمہیں معاف کر دوں۔ بلکہ اس لیے کہ شاید میرے دل میں تمہاری نفرت کچھ کم ہو سکے۔ لیکن نہیں۔'' وہ تاسف سے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

وہ چونکا۔ کچھ تھا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

''کیا مطلب؟''

''تم نے میرا ریستوران کیوں خریدا؟'' وہ دبا دبا سا غرائی۔

وہ سناٹے میں رہ گیا۔

''اوشن؟ میں نے اسے نہیں....''

''میں نے کہا تھا ظہیر کو درمیان میں مت لاؤ۔ پچھتاؤ گے۔'' ماہر پہ جمی اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ ''تمہارے جانے کے بعد میں نے ظہیر سے بات کی تھی۔ اتنے ماہ بعد میں نے سوچا کہ میں اس سے پوچھوں تو سہی کہ اس نے اوشن... میرا اوشن کیوں بیچا؟'' میرا کہتے ہوئے اس نے سینے پہ انگلی رکھی۔ آنکھوں کے کنارے

پہ آنسو اٹکے تھے۔

''اور جانتے ہو مجھے کیا معلوم ہوا؟ کہ وہ اوشن جس کو میں نے اپنی زندگی کے پانچ سال دیے' اسے تمہاری انویسٹمنٹ ہولڈنگ کمپنی نے ایک لبنانی فوڈ چین کو بیچ کے دیا تھا۔''

وہ بالکل ساکت بیٹھا تھا۔(مالک...)

''اور پھر مجھے سمجھ میں آیا کہ تمہارے چچا عبدالمالک فرید اس روز مجھ سے خود کیوں نہیں ملے تھے۔انہوں نے تمہارے بھائی کو مجھ سے ملنے کیوں بھیجا تھا۔تاکہ میں انہیں پہچان نہ جاؤں۔وہ اس لبنانی گروپ کے ساتھ اوشن میں آتے رہتے تھے۔یہ سب تمہارا پلان تھا۔مجھے جاب لیس کرنے کا۔''

''میں فرید ہولڈنگ نہیں چلاتا۔'' وہ آگے ہوا اور تیز لہجے میں بولا۔''وہ کمپنی مالک چلاتا ہے۔''

''میں نے اس بارے میں بھی معلوم کروایا ہے۔اس کمپنی کے سی ای او تم ہو' کیف۔صرف تم۔''

''ہماری کمپنی ساری دنیا میں انویسٹمنٹس کرتی ہے۔میں اوشن کی ڈیل کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' میز پہ رکھی اس کی مٹھیاں بھنچ چکی تھیں۔آواز میں بے بسی تھی۔غصہ تھا۔

''تمہارے دستخط ظہیر کے اس کانٹریکٹ پہ موجود ہیں۔''

''مالک مجھ سے ہر مہینے دو سو کاغذ سائن کرواتا ہوں' کشمالہ۔میں ہر کاغذ نہیں پڑھتا۔یہ پرانی بات ہو گی۔'' اس کا دماغ چکرا رہا تھا لیکن بظاہر اس نے آواز ہموار رکھی۔

اس نے افسوس سے اس کو دیکھ کے نفی میں سر ہلایا۔

''تم جانتے ہو وہ ریستوران میرے لیے کیا تھا؟ وہ میری پوری ورک لائف تھا۔وہ میرا خواب تھا۔تم نے اسے مجھ سے چھین لیا کیف۔تمہارے دھوکے نے مجھے غصہ دلایا تھا۔لیکن اس بات نے مجھے تم سے نفرت کرنے پہ مجبور کر دیا ہے۔اب تم مجھے یہاں آ کے اپنی بہن کی کہانی سنا کے سمجھتے ہو کہ میں پھر سے بے وقوف بن جاؤں گی؟ نہیں کیف۔تم نے مجھ سے اوشن بھی چھینا ہے اور میرا انسانوں پر سے اعتبار بھی۔''

''تمہیں نوکری سے ظہیر نے نکالا تھا۔میں نے نہیں۔شاید تمہیں جاب کرنے سے پہلے ایک کانٹریکٹ سائن کرنا چاہیے تھا۔اپنی بے وقوفی پہ میری کمپنی کو الزام مت دو۔ظہیر نے اپنی مرضی سے ریستوران بیچا ہے۔گن پوائنٹ پہ نہیں۔''

کشمالہ کا چہرہ سرخ ہوا۔لیکن اس نے لب بھینچ لیے۔

یہ الفاظ کہتے ہوئے وہ جانتا تھا وہ حالات کو کس طرف لے کر جارہا ہے۔ لیکن کیا فرق پڑتا تھا۔ وہ اب اس کا یقین نہیں کرے گی۔ کیا نیا تھا اس میں۔

''تم نے کہا تھا اگر میں کہوں کہ میری زندگی سے چلے جاؤ تو ایسا ہی کرو گے۔'' وہ پرس کی اسٹریپ کندھے پہ پہننے لگی۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

''تم واقعی یہی چاہتی ہو؟''

اس نے ان بھوری آنکھوں میں دیکھا اور اثبات میں سر ہلایا۔

''میں یہی چاہتی ہوں۔ تم میری زندگی سے چلے جاؤ۔ اتنی دور کہ.....''

''کہ؟''

''کہ ہمارے راستے کبھی نہ ٹکرائیں۔''

وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔ سبز آنکھوں والی لڑکی کے ہر انداز میں بے اعتباری تھی۔ (مالک... یہ تم نے کیا کیا؟)

''میں اوشن کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا' مالا۔'' اب کے اس کی آواز دھیمی تھی۔

''اب آسمان سے فرشتے اتر کے گواہی دیں' تب بھی میں تمہارا اعتبار نہیں کروں گی' ماہر۔ تم میری نظر میں ایک برے انسان تھے اور رہو گے۔ اور یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''میں نے تمہیں بہت دفعہ کہا تھا کہ میرا اعتبار مت توڑنا کیونکہ مجھے معاف کرنا نہیں آتا۔'' ایک آنسو پلک سے ٹپکا اور گال پہ لڑھک گیا۔ ''یہی ہے میرا defense mechanism۔ میں لڑائی کر کے صلح نہیں کیا کرتی۔ میں ایسے لوگوں کو ہمیشہ کے لیے اپنی زندگی سے دور کر دیتی ہوں جو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔ ختم۔ delete۔''

''ڈیلیٹ؟''

''ڈیلیٹ۔'' اس نے اثبات میں ہلایا۔ پھر ہتھیلی کی پشت سے رخسار رگڑا۔

''تمہاری بدگمانی کی دیوار بہت اونچی ہو گئی ہے' مالا۔ اب میرا کوئی سچ اس کو پھلانگ نہیں سکتا۔ لیکن....'' اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ وہ اسے سن رہی تھی۔

''میں لوگوں کے پیچھے نہیں بھاگا کرتا' مالا۔ میں چلا گیا تو واپس نہیں آؤں گا۔ کیا تم واقعی ایسا چاہتی ہو؟''

''ہر چیز سے زیادہ۔'' اس کی آواز میں دبی دبی سی بے بسی تھی۔ منت تھی۔ غصہ تھا۔

''اوکے۔ تمام۔'' اس نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

''تمام۔'' عربی میں دہراتے ہوئے اس نے میز سے اپنا موبائل اٹھایا۔ پھر والٹ سے چند نوٹ نکال کے ادھ پئے کافی کپ کے ساتھ رکھے۔ والٹ جیب میں رکھا۔ جیسے غائب دماغی سے یہ کر رہا ہو۔

وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے ہوئے۔ وہ اس کے ساتھ سے گزر کے آگے بڑھا لیکن قدم زنجیر ہو گئے۔ وہ اب اس کے کندھے کے برابر کھڑا تھا۔ وہ دونوں مخالف سمتوں میں دیکھ رہے تھے۔ وہ اس کے جانے کی منتظر تھی۔ اور وہ اس کے روکنے کا۔

''زندگی میں کبھی ضرورت پڑے...''

''نہیں پڑے گی۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔

''... تو تم مجھے پکار سکتی ہو۔ میں آجاؤں گا۔'' ذرا دیر کو ٹھہرا۔ ''لیکن تمہارے پکارے بغیر میں کبھی نہیں آؤں گا۔''

اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔ بہت سے فاصلے خود بخود عبور ہو گئے۔ کشمالہ نے رکی ہوئی سانس بحال کی۔ وہ اب دور جا رہا تھا۔ وہ اس کے قدم سن سکتی تھی۔ اس نے سینے پہ ہاتھ رکھا۔ دل اس کے ہر قدم کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔

ایک۔ دو۔ تین۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ریستوران کی لکڑی کی سیڑھیاں اترنا ماہر فرید کے لیے سب سے تکلیف دہ کام تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کی سماعتیں اوپر کھڑی کشمالہ مبین پہ لگی تھیں۔ شاید وہ اسے پکارے۔ شاید ایک دفعہ۔

لیکن کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ اس کے بھاری بوٹ نیچے اترتے گئے۔

ایک زینہ۔ دوسرا زینہ۔ پاتال تک کا سفر تھا۔ بدقت کٹ ہی گیا۔

وہ ریستوران کے سامنے باہر نکل آیا۔ باہر تیز دھوپ تھی۔ سورج عین سر پہ چمک رہا تھا۔ اس نے کالر کا اوپری بٹن کھول دیا۔ گھٹن سی محسوس ہو رہی تھی۔

''م.... مجھے آج کی کوئی فلائٹ بک کروا دو۔ کمرشل۔ اکانومی۔ واٹ ایور۔ مجھے واپس پہنچنا ہے۔'' وہ فون پہ کہہ رہا تھا۔ انگلیوں بے چین تھیں۔ بہت عرصے بعد شدت سے محسوس ہوا تھا کہ اس کے ہاتھوں کو سگار چاہیے۔ لیکن اس نے سگار چھوڑ دیا تھا۔

اور جسے چھوڑ دیا' اسے چھوڑ دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس کے بعد وہ ریستوران واپس جا کے رنگوں کو ہاتھ نہیں لگا سکی۔ بس جلدی جلدی اپنی چیزیں سمیٹیں۔ جوتوں کا ڈبہ اور چاکلیٹس اٹھائیں۔ ٹپ ٹپ بہت سے قطرے چاکلیٹس کے ڈبے پہ گرنے لگے۔ اس نے گیلی سانس ناک سے اندر کھینچی اور آنکھیں رگڑتی ہوئی باہر نکل آئی۔

وہ ایک دھوکے باز آدمی تھا۔ میں چند دن میں اس کو بھول جاؤں گی۔

وہ بے توجہی سے ڈرائیو کر رہی تھی۔ آنکھیں مسلسل بہہ رہی تھیں۔

کاش تم نے مجھ سے پہلے دن سے سچ بولا ہوتا' کیف۔ آدھے جھوٹ۔ ادھورے سچ۔

کار گھر کے قریب ایک سگنل پہ رکی ہوئی تھی اور وہ آنکھیں بند کیے سر سیٹ کی پشت سے ٹکائے ہوئے تھی۔ آنسو ٹپ ٹپ گرتے جا رہے تھے۔

کھڑکی کا شیشہ بجا تو وہ ایک دم سے ڈر گئی۔

باہر ایک بچہ کھڑا تھا۔ مالا کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ بٹن دبایا۔ شیشہ نیچے ہوتا گیا۔

''آپ مالا باجی ہیں نا۔'' وہ مسکرایا۔ وہ پٹھان بچہ تھا۔ اس کی آنکھیں سبز تھیں۔ ایسی سبز آنکھیں جو مغربی فوٹوگرافرز اپنا کیریئر بنانے کے لیے شوٹ کرتے ہیں۔

''ہاں۔ اور تم؟'' اس نے جلدی سے گیلے رخسار رگڑے۔

''میری امی آپ کے سامنے والے گھر میں کام کرتی ہے۔ میں یہ بناتا ہوں۔'' اس نے موتیے کے بنے گجرے سامنے کیے۔

وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی۔

''میری ماں کے لیے۔'' اس نے پیسے دیے اور گجرے تھام لیے۔ آنکھیں بند کر کے ان کی خوشبو کو سونگھا۔ اندر تک جیسے ایک تازگی سی اترتی گئی۔

''مالا باجی آپ پینٹنگ کرتی ہیں؟''

بتی ابھی سرخ تھی اور وہ کھڑکی سے لٹک کے اندر جھانک رہا تھا۔

''ہاں کیوں؟ تمہیں رنگ اچھے لگتے ہیں؟'' اس نے گجرے فرنٹ سیٹ پہ رکھے۔ ساتھ ہی چاکلیٹس کا باکس رکھا نظر آ رہا تھا۔ بچے کی نظر چاکلیٹس پہ گئی اور پھر واپس اس تک۔

''جی۔ آپ کے پاس فالتو رنگ ہوں تو مجھے دے دینا۔'' بتی زرد ہو گئی۔

''یہ بھی فالتو ہیں۔ لے جاؤ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے چاکلیٹس کا باکس اٹھایا اور اسے تھما دیا۔ بچے کے چہرے پہ پہلے شاک ابھرا اور پھر.. لامحدود خوشی۔ اس نے کار آگے بڑھا دی۔ وہ چاکلیٹس نہیں کھاتی تھی۔ اور آج تو شاید وہ کچھ نہیں کھا سکے گی۔ طبیعت عجیب مکدر ہو رہی تھی۔

میں اسے بھول جاؤں گی۔ بس چند دن کی بات ہے۔ مجھے اپنے کام پہ فوکس کرنا ہے۔ ماں کو توجہ دینی ہے۔

وہ زیرِ لب بار بار دہرا رہی تھی۔

''کیا وہ میرا تعاقب چھوڑ دے گا؟'' دل سے ایک ڈری سہمی آواز سنائی دی۔

''ہاں۔ وہ کسی اور لڑکی کی طرف بڑھ جائے گا۔'' دماغ نے سمجھایا۔ ''اس کے پاس لڑکیوں کا پورا البم تھا۔''

اور یہ آواز دل کا بوجھ سرکانے لگی۔ اس نے زور سے آنسو رگڑے۔

وہ کس آدمی کا غم لے رہی تھی؟ ماہر فرید کی دنیا الگ تھی۔ وہ پرفیکٹ زندگی سے اٹھ کے آیا تھا۔ اس کو کیا معلوم کہ چہروں کی رنگت اور داغوں والے نامکمل لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ کیسے وہ اپنے وجود کے سارے حصوں کو جوڑ کے بدقت خود کو اس مقام تک لاتے ہیں۔ اس کے کشمالہ مبین اور زیا دسلطان جیسے کمپلیکسز کہاں ہوں گے۔

امیر لوگ۔ الگ دنیا۔ انہیں ہائی ہیلز کا ایک جوڑا لینے کے لیے بڑے بڑے فیصلے نہیں کرنے پڑتے۔

اس نے کار آگے بڑھا دی۔ وہ اسے بھول جائے گی۔ بس چند دن لگیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چند دن بعد...

سریار (استنبول) کی اس اونچی عمارت کا ٹاپ فلور روشن تھا۔ اپارٹمنٹ کی اونچی کھڑکیوں کے باہر ایک ٹیرس بنا تھا جس کے چھجے سے برقی قمقمے لہروں کی صورت لٹک رہے تھے۔

ٹیرس پہ ایک کاؤچ رکھا تھا جس پہ ماہر بیٹھا نظر آ رہا تھا۔ پیر لمبے کر کے قینچی صورت سامنے اسٹول پہ جما رکھے تھے۔ اور وہ خاموشی سے نیچے نظر آتی سڑک اور اس کے پار بہتے بوسفورس کو دیکھ رہا تھا۔ رات کی تاریکی میں بوسفورس کنارے کھڑی کشتیوں کی بتیاں جلی ہوئی تھیں۔ کہیں سے ہلکی سی موسیقی کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

اس پرسکون ماحول میں خلل دستک نے ڈالا۔ اس نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ ٹیرس سے اندر کھلتے دروازے کی چوکھٹ میں بیربل کھڑا تھا۔ ٹی شرٹ ٹراؤزر پہنے، گھنگھریالے بال ماتھے پہ بکھیرے وہ تازہ دم سا نظر آ رہا تھا۔

''جب سے واپس آئے ہو اسی طرح خاموش ہو۔ لیکن آج نہیں رہو گے۔'' وہ مسکرایا اور اندر لاؤنج کی طرف

اشارہ کیا۔

''چنگیز تم سے ملنے آیا ہے۔''

ماہر کے ابرو اکٹھے ہوئے۔ ''اسے اس وقت کس نے بلایا ہے؟''

''میں تو اسے جانتا ہی نہیں ہوں۔ پتہ نہیں کون ہے۔ خود ہی اندر گھس آیا۔'' بیر بل تیزی سے ایک طرف ہوا اور نووارد کو راستہ دیا۔

''ماہر آفندی... کہاں گم ہو؟'' بھاری آواز میں اس کا احوال پوچھتا ایک آدمی ٹیرس پہ آیا۔ اس نے کالر والی شرٹ پہن رکھی تھی جس کے اوپری بٹن کھلے تھے اور گردن میں جھولتی سلور چین جھانک رہی تھی۔ انگلیوں میں بھی دو تین سلور انگوٹھیاں تھیں۔ وہ چوڑے کندھوں والا اونچا لمبا سا مرد تھا جس کو دیکھ کے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کا وقت تھانے سے زیادہ جم میں گزرتا ہے۔ چہرے پہ تراشیدہ مونچھیں اور ایک بے تکلفانہ مسکراہٹ تھی۔

ماہر نے پہلے اسے دیکھا۔ پھر ایک تیز نظر ریلنگ کے ساتھ کھڑے بیر بل پہ ڈالی۔ اس نے فوراً لاعلمی سے کندھے اچکا دیے۔

''واللہ میں اس آدمی کو پہلی دفعہ دیکھ رہا ہوں۔''

چنگیز نے ہاتھ جھلا کے اسے ہٹنے کا اشارہ کیا اور کاؤچ کے دوسرے کنارے پہ جا بیٹھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور بغور اپنے بائیں ہاتھ بیٹھے ماہر کو دیکھا جس کے چہرے پہ اب صرف اکتاہٹ تھی۔

''کیسی محبت تھی تمہاری؟ لڑکی کے پیچھے گئے مگر خالی ہاتھ آ گئے۔ چچ۔'' مایوسی بھری خفگی سے شکوہ کیا۔ بیر بل نے بے اختیار ماتھا چھوا۔ ماہر کے دوست بھی اس جیسے تھے۔

''میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا۔'' وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ آواز ہلکی تھی۔

''لیکن ہم کرنا چاہتے ہیں۔'' چنگیز کا لہجہ خفا خفا سا تھا۔ ''بلکہ پہلے بتاؤ' اپنے اس روبوٹ چچا کی خبر لی جس نے اس کا ریستوران بکوایا تھا؟''

ماہر نے جواباً تیز نظروں سے بیر بل کو گھورا۔ وہ بہت مصروف سا اپنے پیروں کو دیکھ رہا تھا۔

''مالک نے کسی وجہ سے یہ بات مجھ سے چھپائی ہے۔ اس سے پوچھنے کا فائدہ نہیں ہے۔ میں اب صرف اس پہ خاموشی سے نظر رکھے ہوئے ہوں۔ مجھے اس کے خود سے بولنے کا انتظار ہے۔''

''تمہارا چچا مجھے مشکوک لگتا ہے' ماہر۔''

''تمہیں تو ہر آدمی مشکوک لگتا ہے۔'' بیر بل بدمزہ ہوا۔'' مانا کہ وہ روبوٹ ہے' بیٹری سے چلتا ہے' لیکن وہ ماہر سے واقعی محبت کرتا ہے۔ وہ اس کو ایسے دھوکہ نہیں دے گا۔ کوئی وجہ ہوگی۔''

چنگیز نے گھور کے ریلنگ کے ساتھ کھڑے بیر بل کو دیکھا۔

''میں ہومی سائیڈ (قتل) ڈیپارٹمنٹ میں کام کرتا ہوں' بیر بل۔ ستر فیصد قتل کیسز میں قاتل قریبی فرد نکلتا ہے۔''

''اور باقی چالیس فیصد تم سے حل نہیں ہوتے ہوں گے۔''

''جاؤ یار... کوئی چائے قہوہ پلاؤ۔'' اس نے ہاتھ جھلا کے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ماہر کو تشویش سے دیکھا۔ وہ اسی انداز میں بیٹھا نیچے بوسفورس کے سیاہ پانیوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اور تم مجھے یہ سمجھاؤ کہ کون سا مرد صرف ایک دفعہ کہنے پہ کسی عورت کو چھوڑ سکتا ہے؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کون سا مرد کسی عورت کے کہنے پہ اسے چھوڑ کے چلا جاتا ہے' مالا۔'' موسیقی کے شور میں صفورا اس کے کان کے قریب زور سے بولی تھی۔ ''عورت چھوڑ سکتی ہے۔ لیکن مرد اتنی آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتے۔''

وہ دونوں اس وقت مہندی کے ایک فنکشن میں موجود تھیں۔ لاہور شہر سے ذرا باہر ایک فارم ہاؤس پہ مالا کی ایک کلاس فیلو کی مہندی منعقد کی گئی تھی۔ اونچے مارکی کی چھت فانوسوں اور گیندے کے پھولوں سے ڈھکی تھی۔ ہر طرف پھول ہی پھول تھے۔ روشنیاں۔ رنگ۔ چمکتے دمکتے لوگ۔

کشمالہ بڑے دن بعد ماں کو بخت بی اور معید کے پاس چھوڑ کے کسی فنکشن میں آئی تھی۔ مغرب ڈھل کے رات میں بدل چکی تھی۔ مہندی کا فنکشن لاہور کی دوسری مہندیوں سے مختلف نہ تھا۔ خواتین ہوں یا مرد' سب کا فوکس ایک ہی تھا۔

تصاویر اچھی آنی چاہیے ہیں۔

چاہے حقیقت جیسی بھی ہو' سب کو تصاویر میں پرفیکٹ نظر آنا تھا۔ بڑی بڑی فوٹوگرافی اور ویڈیوگرافی کمپنیز ہائر کی گئی تھیں جو اس فنکشن کی عکس بندی کر رہی تھیں۔ لائٹنگ سے لے کر ہیش ٹیگ تک' سب کچھ انسٹا گرام پہ اپ لوڈنگ کے لحاظ سے تیار کیا جا رہا تھا۔

لاہور کی اپر مڈل اور اپر کلاس کے ہاں اب شادیوں پہ انڈین ڈیزائنرز کو پہننے کا رواج عام ہو چکا تھا۔ ہر دوسری دلہن سابیا ساچی' ابھینا و مشرا اور منیش ملہوترا وغیرہ کی لہنگا چولی پہنتی نظر آتی تھی۔ یہ ملبوسات بھاری کسٹم ڈیوٹی ادا

کر کے بذریعہ دبئی منگوائے جاتے تھے۔

پھر ہر مہندی یا شینندی پہ رقص کے مقابلے ہوتے تھے۔ وہ زمانے گئے جب لاہور کی مہندیوں پہ ڈانس ویڈیوز بنانے سے منع کیا جاتا تھا۔ اب نہیں کیا جاتا۔ اب لاہور ہو یا استنبول' انسانوں کی اکثریت کو مشہور ہونے کا شوق ہو چلا تھا۔ شادی کتنے دن تک سوشل میڈیا پہ ٹرینڈ کرے گی' کس کی ویڈیو وائرل ہو جائے گی' اب ایک مقابلہ تھا۔

ایسے میں وہ دونوں تصاویر اور برانڈز کی اس مقابلے بازی سے دور ایک اونچی میز کے گرد بیٹھی تھیں۔ صفورا نے ساڑھی پہن رکھی تھی۔ اور وہ آج اپنے باس گرل حلیے سے مختلف نظر آ رہی تھی۔ مالا البتہ سادگی سے تیار ہوئی تھی اور اس چیز نے صفورا کو چونکایا تھا۔ اس کے لمبے بال ایک شانے پہ آگے کو سمیٹے ہوئے تھے۔ کانوں میں جھمکے تھے اور لباس آنکھوں جیسے سبز رنگ کا تھا۔ صرف مقیش کے جھلملاتے ہوئے سبز دوپٹے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مہندی کے فنکشن میں آئی ہے۔ ورنہ چہرے پہ میک اپ نہ ہونے کے برابر تھا۔ ایک اداسی سی تھی جو اس کے سارے وجود کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔

''میں بتائے دے رہی ہوں' مالا۔ وہ سائیکو ہے۔ اتنی جلدی پیچھا نہیں چھوڑے گا تمہارا۔''

موسیقی کے بے ہنگم شور پہ صفورا اس کے کان کے قریب زور سے بولی۔

کشمالہ چہرہ اٹھا کے چھت سے لٹکتے گیندے کے پھول دیکھنے لگی۔ دونوں ہاتھ باہم پھنسائے' وہ انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ صفورا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''کیا تم پچھتا رہی ہو؟''

''میں نے غلط تو نہیں کر دیا؟''

''دماغ درست ہے تمہارا؟'' صفورا نے بے یقینی سے اسے دیکھا جو چھت کو دیکھ رہی تھی۔ ''وہ ایک خطرناک آدمی ہے۔ اس نے تمہارا ریستوران چھینا' کیف کو ڈرایا دھمکایا' پھر تمہاری زندگی میں داخل ہو کے تمہیں دھوکہ دیا۔ تمہیں تو اس کو پولیس کے حوالے کرنا چاہیے تھا۔ بہت سستے میں چھوڑ دیا۔''

مالا نے نظریں فانوسوں سے ہٹا کے صفورا کے چہرے پہ مرکوز کیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک تذبذب سا تھا۔

''کیا معلوم اس کی بہن واقعی لاپتہ ہو۔ اور وہ یہ سب اس کو ڈھونڈنے کے لیے کر رہا ہو'' وہ ایک انگلی گردن میں جھولتی چین پہ پھیر رہی تھی۔

''بہن لاپتہ ہے تو پولیس سے بات کرے نا۔ تم پولیس ہو کیا؟ اف کشمالہ۔'' صفورا نے ماتھے کو چھوا پھر فکرمندی

سے اس کا ہاتھ تھاما۔ ”وہ تمہارے ذہن کو چکر دے رہا ہے۔ ایسے لوگ بہت شاطر ہوتے ہیں۔ تم نے اس کی کہانی میں نہیں آنا۔ سب جھوٹ ہے۔ ہمدردی لینے کے بہانے ہیں۔“

”لیکن اگر اس کی بہن واقعی کسی مصیبت میں ہوئی؟“ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ”وہ ایک گیارہ سال کی بچی ہے۔ اگر میں اس کی مدد نہ کر سکی تو میں خود کو کیسے معاف کروں گی؟“

”میں نے معلوم کروایا ہے یار۔ اس کی بہن مر چکی ہے۔ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کا جنازہ بھی ہوا تھا اور قبر بھی موجود ہے۔“

وہ خاموشی سے سر جھکائے لب کاٹنے لگی۔ صفورا نے گہری سانس لی اور اس کی طرف جھکی۔

”تم اس کی بہن کو جانتی ہو؟ یا اس کے اغوا کار کو؟“

اس نے جھکے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔

”پھر تم کچھ نہیں کر سکتی۔ بالفرض یہ سچ ہو‘ تب بھی یہ ماہر فرید کا اپنا مسئلہ ہے۔ تمہیں اس آدمی کو اپنے ذہن سے نکالنا ہے۔“ صفورا نے توقف کیا۔

”اور دل سے بھی۔“

کشمالہ نے چونک کے نظریں اٹھائیں۔ پھر اس کے چہرے پہ برہمی ابھری۔

”کتنی دفعہ بتاؤں‘ مجھے اس سے کوئی محبت وغیرہ نہیں ہے۔“

”پھر کیا ہے جو تمہیں اتنا بے چین رکھے ہوئے ہے؟ وہ جب سے گیا ہے تم ڈسٹرب ہو۔“

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

”تم جب سے آئے ہو‘ ڈسٹرب ہو۔ ہم سے بات کرو‘ یار۔“

ٹیرس کی خاموشی میں چنگیز کی فکر مند آواز گونجی۔

”کیوں بات کروں؟“ کاؤچ پہ نیم دراز ماہر ہنوز بوسفورس کے کنارے کھڑی چھوٹی کشتیوں کو دیکھ رہا تھا۔

”تا کہ تمہارا دل ہلکا ہو۔“

”ہاں اور آدھے شہر کو خبر ہو جائے۔“ ایک گھورتی ہوئی نظر سامنے قہوے کی ٹرے رکھتے بیربل پہ ڈالی۔

”وہ تمہارے لیے پریشان ہے‘ ماہر۔“

اور پریشان ڈھٹائی سے دانت نکالتے ہوئے اسٹول پہ بیٹھ گیا۔ ایسے کہ اس کی ریلنگ کی طرف پشت تھی اور وہ

دونوں اس کے سامنے تھے۔

''میں ٹھیک ہوں۔ کام کر رہا ہوں۔ روز آفس جاتا ہوں۔ اور کیا کروں؟''

''کیا تم دوبارہ اس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کر سکتے؟'' چنگیز آگے بڑھا اور مٹھی میں شکر کی دو ڈلیاں اٹھائیں۔

''وہ میری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی۔ اور وہ اس کے ساتھ خوش تھی۔''

شکر کی ڈلی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کے سرخ چائے میں جا گری۔ چنگیز کے ساتھ ساتھ بیربل بھی چونکا۔

''وہ کون؟ زیاد؟''

ماہر نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''وہ پھر سے درمیان میں آ گیا؟'' بیربل کو جیسے بہت برا لگا تھا۔

''وہ درمیان سے کبھی نہیں جائے گا۔'' کچھ تھا اس کی آواز میں۔ شکست خوردہ سا۔ ٹوٹا ہوا۔

بیربل اور چنگیز نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور پھر اسے۔

''کیا وہ اس کو پسند کرتی ہے؟''

ماہر نے جواب نہیں دیا۔ نیچے دیکھتا رہا۔ اس کی نظروں کا محور بنی کشتی میں دو لوگ بیٹھے کچھ گنگنا رہے تھے۔ ان کے لوک گیت کی آواز خاموش رات میں ترنم بکھیر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''پھر تم کسے پسند کرتی ہو؟ زیاد کو؟'' موسیقی کا بے ہنگم شور مزید بلند ہو رہا تھا۔ صفورا کو اپنی کرسی اس کے قریب کھینچنی پڑی۔

''ہاں۔ شاید۔ زیاد بہت سچا اور سادہ انسان ہے۔'' وہ سوچ کے بتا رہی تھی۔ ''میں اس کے لیے وہی کشش محسوس کرتی ہوں جو کوئی بھی لڑکی ایسے مرد کے لیے کرتی ہے جس کے ساتھ وہ واقعی شادی کرنا چاہتی ہو۔ اس کا مجھ سے ملنا' بات کرنا' مجھے سب اچھا لگتا ہے۔''

''اور اس سائیکو پیتھ کے لیے کیا محسوس کرتی ہو؟''

گردن میں پڑی چین پہ چلتی اس کی انگلی رک گئی۔ آنکھوں میں کچھ ابھر کے ڈوب گیا۔

''وہ میرا دوست تھا۔ محافظ تھا۔ اس کے ساتھ کشش والا احساس نہیں تھا۔ بس کچھ مختلف تھا۔ میں اس پہ اعتبار

کرتی تھی اور وہ میری حفاظت کرتا تھا۔اور پھر نہ اعتبار رہا نہ حفاظت۔''اس شام پہلی دفعہ صفورا کو اس کے چہرے پہ سرخی نظر آئی۔بے بسی۔غصہ۔''اس نے میرے ساتھ بہت غلط کیا۔وہ وہ تھا ہی نہیں جو میں اسے سمجھتی تھی۔''

''وہ نہ تمہاری حفاظت کر رہا تھا نہ اعتبار کے قابل تھا' مالا۔''صفورا اسے سمجھا رہی تھی۔''میں اس وقت تمہیں اس سے نہیں بچا سکی لیکن اب میں بچانا چاہتی ہوں۔ایسے مرد بہت خطرناک ہوتے ہیں۔اس نے پہلے تمہارا اعتماد جیتا۔پھر وہ تمہارے گھر میں رہنے لگا۔پھر تمہیں اپنا عادی بنا کے وہ جان بوجھ کے چند دن کے لیے غائب ہو گیا تا کہ تم اس کو مس کرو۔آخر میں بھی اس نے جھوٹ بولا کہ کراچی جا رہا ہے۔''

''اگر اس روز میں تم سے بات نہ کرتی تو ہم اس کی حقیقت کبھی نہ جان سکتے۔''اسے یاد آیا۔ماتھے پہ لکیریں ابھریں۔

''یہی میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔اس نے تمہیں اپنی حقیقت نہیں بتائی۔تم نے اس کا جھوٹ خود پکڑا تھا۔اب وہ اعتراف کرے' معافی مانگے یا اپنی بہن کی کوئی کہانی سنائے' کیا فائدہ؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''اگر تم اسے اپنے منہ سے اپنی حقیقت بتا دیتے تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا۔''چنگیز افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ایک کیک بنانے والے آدمی نے کہا تھا کہ ایسا نہ کرو۔لیکن نہیں۔''بیربل کی زبان پھسلی۔چنگیز نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔وہ خاموش ہو گیا۔

''میں کب انکار کر رہا ہوں کہ میں نے غلط نہیں کیا۔مجھے اپنی غلطیاں درست کرنی نہیں آتیں اور اسے معاف کرنا نہیں آتا۔''

''محبت میں انسان سب کچھ کر لیتا ہے' ماہر۔مجھے سمجھاؤ کہ تم اسے چھوڑ کے کیوں آ گئے؟''

ماہر فرید نے پہلی دفعہ چہرہ موڑ کے قریب بیٹھے چنگیز کو دیکھا۔پھر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟''

''یہ تمہاری جگہ ہوتا تو زیاد کو کسی مقدمے میں اندر کروا چکا ہوتا۔''بیربل زور سے ہنسا۔

ان دونوں نے سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے چہرے کے زاویے سیدھے کیے۔

''اوکے اوکے میں چپ ہوں۔''ہونٹوں پہ زپ کی لکیر کھینچی۔

''میں تمہاری جگہ ہوتا تو اس لڑکی سے معافی مانگتا۔ بار بار اس کے پیچھے جاتا۔ اس کا دل جیتنے کی کوشش کرتا۔ اظہارِ محبت کرتا۔ کوئی تحفہ دیتا۔'' پھر سر کو اعترافی انداز میں خم دیا۔ ''اور زیاد کو کسی مقدمے میں اندر کروا دیتا۔''

''یہ ہوتی ہے محبت۔'' بیربل نے ہاتھ ماتھے پہ لے جا کے سلیوٹ کا اشارہ کیا۔ ماہر نے بغور اسے دیکھا۔

''یقیناً تم بھی یہی کرتے۔ اس کے پیچھے پڑے رہتے یہاں تک کہ اس کی ناں ہاں میں بدل جائے۔''

''لڑکیوں کی ناں کا مطلب ہوتا ہے کہ کچھ دن میرے پیچھے بھاگو اور پھر میں مان جاؤں گی۔'' چنگیز نے شانے اچکائے اور پیالی سے گھونٹ بھرا۔ بیربل نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

اس نے باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

''کس نے سکھایا ہے تمہیں یہ؟''

''کیا؟''

''یہی کہ ناں کا مطلب ناں نہیں ہوتا؟ فلموں نے؟ کہانیوں نے؟ ہوں؟'' ماہر نے پیر نیچے اتارے اور ٹرے اپنی طرف کھسکائی۔ پھر شیشے کی کیتلی سے سرخ چائے اپنی پیالی میں ڈالنے لگا۔

''میں نے ہر جگہ یہی ہوتے دیکھا ہے دوست۔ شروع میں لڑکیاں نخرے کرتی ہیں۔ پھر مان جاتی ہیں۔''

''تمہارے پولیس اسٹیشن میں ہومی سائیڈ (قتل) ڈیپارٹمنٹ کس فلور پہ ہے؟''

''چوتھے۔''

''کبھی دو فلورز نیچے جاؤ۔ اسالٹ اور بیٹری (مار پیٹ) ڈیپارٹمنٹ میں۔ تمہیں وہاں بہت سے ایسے ٹاکسک بوائے فرینڈز اور شوہر قید ملیں گے جنہیں ناں کو ہاں میں بدلنے کا خبط تھا۔'' وہ چائے کی دھار پیالی میں انڈیل رہا تھا۔ وہ دونوں بالکل خاموشی سے اسے سن رہے تھے۔

''جو مرد عورت کے ناں کہنے کے باوجود اس کو ہاں میں بدلنے کی کوشش کرتے ہیں وہی ٹاکسک پارٹنرز بنتے ہیں۔'' اس نے گرم پیالی اٹھائی اور پیچھے ہو کے بیٹھا۔ پھر ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ ''اور میں ایسے مردوں میں سے نہیں ہوں۔''

''لیکن اپنی محبت کے لیے کوشش تو کرنی چاہیے۔''

''کوشش کرنے ہی واپس گیا تھا۔ کوشش ایک دفعہ ہوتی ہے۔ یا دو دفعہ۔ بار بار تعاقب ہوتا ہے بیربل آفندی۔'' اس نے رک کے گرم چائے کا گھونٹ بھرا۔ وہ دونوں بالکل خاموش تھے۔

''ایک مرد کو عورت کے انکار کا احترام کرنا چاہیے۔ اگر وہ کہے اس کی زندگی سے نکل جاؤ'تو نکل جانا چاہیے۔''

''لیکن ہو سکتا ہے وہ لڑکی ناں کہہ کے اپنا نقصان کر رہی ہو۔ تم اس کے لیے بہترین انتخاب ہو۔ پھر؟'' بیر بل کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

''مرد عورت کی طرف سے فیصلہ نہیں لے سکتا۔ وہ اپنے ساتھ بھلائی کرے یا نقصان' یہ فیصلہ اس عورت کا ہونا چاہیے۔ کسی مرد کو کسی عورت کے انکار کو اقرار میں بدلنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ کم از کم ماہر فرید ایسا مرد نہیں بن سکتا۔''

''بالفرض...'' چنگیز کھنکھارا۔ ''وہ کسی غلط آدمی سے شادی کر لیتی ہے اور کئی برس بعد اسے احساس ہوتا ہے کہ اس نے غلط کیا۔ تو اس کا ذمہ دار کون ہو گا۔''

''ہم سب اپنے حصے کی غلطیاں کرتے ہیں' کومسار بے۔ یہ اس کے حصے کی غلطی ہو گی۔ میں نے جسے چھوڑ دیا۔ اسے چھوڑ دیا۔'' وہ پھر سے نیچے کشتیوں کو دیکھنے لگا تھا۔ ان میں لگے رنگ برنگے قمقمے روشن تھے۔

چنگیز اور بیر بل نے افسوس سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور پھر اس کو۔ نیم روشن ٹیرس میں اس کے چہرے کی تکلیف واضح تھی۔

''لیکن تم دکھی ہو۔''

''ظاہر ہے میں دکھی ہوں۔ یہ میرے حصے کا دکھ ہے۔ مجھے کاٹنا ہے۔'' اس نے چائے کا ایک اور گھونٹ بھرا۔ آواز آہستہ تھی۔

''کیا معلوم وہ پچھتا رہی ہو۔'' بیر بل سے اس محبت کی کہانی کا یہ انجام برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ ''اتنے دن ہو گئے ہیں۔ کال کر کے اس کی خیریت ہی پوچھ لو۔''

ماہر نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ لبوں پہ وہی اداس مسکراہٹ تھی۔

''پچھتائے گی تو خود کال کرے گی۔ میں پیچھے جانے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

اور اسی لمحے جیب میں رکھے فون میں تھرتھراہٹ ہوئی۔ ماہر فرید نے عام سے انداز میں موبائل نکالا۔

گرین آئیز کالنگ۔

اسکرین پہ یہ الفاظ چمک رہے تھے۔

لمحے بھر کے لیے بوسفورس کے کنارے پھیلی ساری دنیا رک گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ہاں۔اب کیا فائدہ۔''وہ مہندی کی رونق پہ نظریں جمائے بڑبڑائی۔''خود سے اس نے کبھی سچ نہیں بولا۔ ہمیشہ جھوٹ کہا۔باتیں چھپائیں۔میں بھی کس کا غم لیے بیٹھی ہوں۔''

''غم کے ساتھ غصہ بھی ہے۔تمہیں اس غصے کو باہر نکالنا ہے تاکہ تمہیں closure ملے۔''

''کیسے؟''وہ اس کی طرف جھک کے اونچی آواز میں بولی۔

''اسے کال ملاؤ۔ابھی۔اور اس کو بہت سی گالیاں دو۔''

اسی پل میوزک بند ہوگیا۔صفورا نے جلدی سے آواز نیچی کی۔گالیوں کے لفظ پہ ساتھ سے گزرتے چند افراد نے مڑ کے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''میں اس کو مر کے بھی کال نہیں کروں گی۔''وہ تیزی سے بولی۔چہرے کی رنگت سرخ ہوئی۔

''پھر اس کو ذہن سے نکال دو۔کھرچ دو۔''

مالا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔صفورا کی بات اس کی سمجھ میں آنے لگی تھی۔

''جو شخص اتنے جھوٹ بول سکتا ہے'وہ کچھ بھی کرسکتا ہے۔اور مجھے انسانوں کی پہچان کہاں ہے۔''

اس سے پہلے کہ صفورا جواب دیتی'اس کے بچوں کی نینی اسے بلانے چلی آئی۔اس کی بیٹی رو رہی تھی۔صفورا اپنا کاؤنسلنگ سیشن بھول کے ساڑھی سنبھالتی فوراً اس طرف لپکی۔ مالا نے سر دائیں سے بائیں ہلایا۔بچوں کی مائیں۔اُف۔

''کشمالہ...''چوڑیوں کی کھنک۔جھمکوں کی چھنکار۔چہکتی آواز۔وہ اس طرف پلٹی اور مسکرادی۔

سامنے رامین کھڑی تھی۔اس کی سب سے خوبصورت کلاس فیلو۔وہ یونیورسٹی میں سب سے زیادہ تیار ہو کے آتی تھی۔کلاس فیلو سے شادی ہوئی اور آج تک وہ ویسی ہی نک سک سے تیار ہوتی تھی۔انسٹاگرام پہ ان کا پرفیکٹ کپل گاہے بگاہے نظر آجاتا تھا۔

''مالا... مجھے بہت افسوس ہوا سن کے...''رامین حال احوال کے بعد کہنے لگی۔

''اب ماں بہت بہتر...''

''تمہاری جاب اور کیریئر ... سب ختم ہوگیا۔سوسوری۔ظہیر نے بالکل اچھا نہیں کیا۔''اسی پل کسی نے میوزک پھر سے آن کردیا تھا۔کانوں کے پردے پھاڑتی آواز کے باوجود رامین کی ''چچ''دب نہ سکی۔

کشمالہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ لب کھولے لیکن پھر گہری سانس لی۔ بہت سے الفاظ روک لیے۔ وہ ماہی نہیں تھی جو منہ توڑ جواب دے دیتی۔ وہ مالا تھی۔

''تھینک یو۔ ایکسکیوز می۔'' وہ پرس اور موبائل اٹھائے آگے بڑھ گئی۔ ایک دم تنفس بے ربط سا ہو گیا تھا۔ ہال کی دیواریں تنگ ہو گئی تھیں اور آنکھیں جلنے لگی تھیں۔

(کیا یہ تمہارا defense mechanism ہے؟ سامنا کرنے کی بجائے فرار اختیار کرنا؟)

خاموش ہو جاؤ۔ اس نے ذہن میں ابھرتی آوازوں کو ڈپٹا۔ ذرا دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر دل نے سرگوشی کی۔

کیا واقعی یہ تمہارا defense mechanism ہے؟ کیا اسی لیے تم ماں کو چھوڑ کے اسلام آباد چلی گئی تھیں؟

وہ پینسل ہیلز سے چلتی ہوئی مارکی کے واش رومز کی طرف آ گئی۔

پہلے ایک بڑا سا Powder Room بنا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ سنک کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور دیوار گیر آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ اس کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔

(میں بھی کس کا غم لے رہی ہوں۔ ایسے شخص کا جس نے مجھے جاب لیس کیا۔ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔)

کم مائیگی کا احساس' زامین کی نظریں' سب جیسے دل میں گڑ گیا تھا۔ اس نے نل کھولا اور ہاتھ نیچے کیے ہی تھے کہ ایک دم کسی نے اس کو گردن سے دبوچ لیا۔

چیخ کشمالہ کے حلق میں رہ گئی۔ اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ گردن پہ رکھے۔ وہ ایک بوڑھا ہاتھ تھا جس کی نسیں ابھری ہوئی تھیں۔ اور وہ اس کی گردن کو زور سے دبا رہا تھا۔ لیکن وہ ہاتھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے چیخنا چاہا' اس ہاتھ کو اپنے گردن سے کھینچنا چاہا' لیکن ساری ہمت ختم ہو چکی تھی۔

ایک جھٹکے سے نادیدہ ہاتھ نے اس کی گردن چھوڑی۔ وہ زور سے اوندھے منہ نیچے جا گری۔ سر دیوار سے لگا اور لمحے بھر کے لیے ساری دنیا گول گول گھوم گئی۔

''ماں... ماں...'' وہ سر دونوں ہاتھوں میں لیے دیوار کے ساتھ بیٹھتی چلی گئی۔ تنفس تیز تیز چل رہا تھا۔ اس نے گردن پہ ہاتھ رکھا۔ کچھ گیلا سا محسوس ہوا تھا۔ مالا نے ہاتھ اوپر کر کے چہرے کے سامنے کیے۔ بصارت دھندلی ہو رہی تھی کہ سر ابھی تک چکرا رہا تھا۔

اس کے ہاتھ پہ خون کا ننھا سا قطرہ تھا۔

وہ بدقت اٹھی' اور سلیب کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی۔ جو کندھا دیوار سے لگا تھا وہ شدید درد کر رہا تھا۔ سر کے پیچھے بھی گومڑ سا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے پلکیں جھپکائیں اور آئینے میں خود کو دیکھا۔

اس کی گردن سرخ ہو رہی تھی۔ اس پہ باقاعدہ ایک ہاتھ کی انگلیوں کا نشان تھا۔ اور اس پہ کچھ اور بھی تھا۔ درمیان میں ایک جگہ ننھا سا کٹ جس سے دو تین قطرے خون بہا تھا۔ اس نے یاد کرنا چاہا۔ کچھ نوکیلا سا چبھا تھا اس کو۔ نہ جانے کیا تھا۔

مالا نے نل کھولا اور پانی ہاتھوں میں بھرا۔ پھر اسے چہرے پہ ڈالا۔ جلتی آنکھوں کو قدرے سکون ملا۔ پھر اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ لیکن کوئی تھا۔

وہ تیزی سے دروازے تک آئی۔ ہینڈل گھمایا۔

وہ لاک تھا۔

کشمالہ مبین کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ اس نے زور سے ناب گھمایا۔ وہ جامد رہا۔

''کوئی ہے؟ ہیلو؟'' وہ زور زور سے دروازہ بجانے لگی۔ Powder Room کی دیواریں تنگ ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ گرمی۔ حبس۔ گھٹن۔

اتنے شور کے باوجود کسی کو اس کی آواز سن لینی چاہیے تھی۔ لیکن کوئی اس طرف نہیں آیا۔

اس نے اطراف میں دیکھا۔ دائیں بائیں۔ اپنے پیچھے۔ چہرے کی رنگت آہستہ آہستہ نچڑنے لگی۔

سلیب پہ اس کا پرس رکھا تھا۔ اس نے جلدی سے موبائل نکالا۔ سامنے واٹس ایپ انباکس کھلا تھا۔ اس کی انگلیوں نے دماغ سے رابطہ چھوڑ دیا۔ وہ خود بخود اسکرین پہ چلنے لگیں۔ ماہر فرید کے نمبر پہ وہ رکیں اور اسے کلک کیا۔

دوسری جانب گھنٹی جانے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ موبائل اسکرین کو بجتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اور وہ دونوں اسے۔

''ایکسکیوز می۔'' وہ تیزی سے موبائل لیے اٹھا اور اندر لاؤنج میں آیا۔

اسی پل موبائل خاموش ہو گیا۔ محض دو گھنٹیاں ہی ہوئی تھیں۔

اس کی انگلیوں نے بنا سوچے سمجھے کال بیک کا بٹن دبایا اور فون کان سے لگالیا۔ ساری دنیا ساکت ہو چکی تھی۔ اس کو صرف اپنے دل کے دھڑکنے کی آواز آ رہی تھی۔

کال آگے سے کاٹ دی گئی تھی۔ بے رحم سی ٹوں ٹوں بجنے لگی۔

ماہر کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ اس نے ہاتھ نیچے گرا دیا۔

''خیریت؟'' اسے خاموش چہرے کے ساتھ باہر آتے دیکھ کے چنگیز نے پوچھا۔ ماہر نے سر جھٹکا۔

''شبنم تھی۔ شاید غلطی سے کال کی تھی۔'' اس کی آواز پست تھی۔ ان کو دیکھے بنا وہ واپس اپنی کرسی پہ بیٹھا۔ چائے کی پیالی کو دوبارہ نہیں چھوا۔ وہ دونوں آپس میں کوئی اور بات کرنے لگے۔ ماہر خاموشی سے موبائل اسکرین کو دیکھے گیا۔

وہ ننھا سا آلہ اب خاموش تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ میں کیا کر رہی ہوں؟ ابھی دو گھنٹیاں ہی گئی تھیں کہ اس نے جلدی سے کال کاٹ دی۔ پھر گھبراہٹ سے ماتھے کو چھوا۔ یہ مجھے کیا ہو گیا تھا؟

ایک دم فون جگمگانے لگا۔ اسی نمبر سے کال آ رہی تھی۔ اس نے جلدی سے اسے کاٹ دیا۔

کیا سوچتا ہو گا وہ؟ اتنے دھڑلے سے کہا تھا اسے نہیں بلاؤں گی۔ پھر؟ اُف مالا۔ اُف۔

اس کے اوسان اب بحال ہو رہے تھے۔ اس نے جلدی سے صفورا کو کال ملائی۔ طویل گھنٹیاں جانے لگیں۔ لیکن جواب ندارد۔

وہ ایک دفعہ پھر دروازے تک آئی اور زور سے اس کو بجایا۔ ہتھیلیاں اب سرخ پڑ کے درد کرنے لگی تھیں۔

کوئی کیوں نہیں آ رہا تھا؟ یا شاید... اس نے آئینے میں خود کو دیکھا۔ گردن کی سرخی ہنوز برقرار تھی۔ شاید کوئی اس کی آواز کو دبا رہا تھا۔

کوئی ابھی بھی اس کے ساتھ وہاں موجود تھا۔

اس نے جلدی سے سر پہ دوپٹہ لیا اور چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کے تیز تیز آیت الکرسی پڑھنے لگی۔ خوف' بے بسی' الفاظ گڈمڈ ہو رہے تھے۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔

کلک کی آواز آئی اور دروازہ کھلا۔ ایک لڑکی اپنا بچہ لیے مصروف سے انداز میں اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے دیکھتی کشمالہ اپنا پرس اٹھائے تیزی سے باہر لپکی۔

ہال میں آ کے اس نے چند گہرے گہرے سانس لیے۔ اردگرد بہت سے لوگ تھے۔ کیمروں کے فلیش لائٹ۔

ہنسی کی آوازیں۔ وہ اپنے پیروں پہ گول گول گھومی۔

وہ اب بھی اس کے تعاقب میں تھا۔ وہ شخص جس کے پاس اس کی تصویر تھی۔

"ماہر فرید کے پاس ایک البم تھا۔ اس میں آپ کی تصویر تھی۔" کیف جمال کا کہا گیا فقرہ ذہن میں گونجا۔

میں جس آدمی کا غم لیے بیٹھی ہوں' وہ اس عامل کے ساتھ ملوث ہے۔ وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔ بار بار اس کے جرائم یاد کرنے پڑتے تھے ورنہ دل ان کو بھلا دینے کے لیے تیار تھا۔

وہ تیز قدموں سے خارجی راستے کی طرف بڑھ گئی۔ اسے گھر جانا تھا۔ اور اسے معلوم تھا اسے گھر جا کے کیا کرنا ہے۔ عامل اسے ڈرا کے کیا پیغام دینا چاہ رہا تھا' کشمالہ مبین کی سمجھ میں آ گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بوسفورس کنارے ایک کشتی کے اندر دو لوگ بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ جیسے فوج کے بچھڑے دوست کافی عرصے بعد ملے ہوں۔ ایک ترکش لوک گیت گنگنانے لگا اور دوسرے اس کو سن رہے تھے۔ ان کی آوازیں چند منزلیں اوپر اس نیم روشن ٹیرس تک سنائی دے رہی تھیں۔

"وہ سمجھتی ہے تم اس عامل کے ساتھ ملوث ہو جس کو وہ خواب میں دیکھتی ہے؟" چنگیز سوچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ترکش لوگوں کی مڈل کلاس کی اکثریت جادو' جنات اور نظر کو مانتی تھی۔ اور وہاں جگہ جگہ ایسے hodja (مولوی) بیٹھے تھے جو جادو کا علاج کرنے کا دعویٰ کرتے تھے۔

"میں نے اسے بتایا ہے کہ وہ ہمارا مشترکہ دشمن ہے۔ لیکن وہ میرا یقین نہیں کرتی۔" ماہر نے کافی دیر بعد فون اسکرین سے نگاہیں ہٹائیں۔ شاید اب اس اسکرین کو روشن نہیں ہونا تھا۔

"تمہیں پہلے اس عامل کو ڈھونڈنا چاہیے تاکہ اسے بطور ثبوت اس کے سامنے پیش کر سکو اور ...."

"چنگیز ..." ماہر نے آہستہ سے کہا۔ "مجھے پہلے ہلال کو ڈھونڈنا ہے۔"

چنگیز اور بیربل نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر اس نے ہلکے سے سر جھکا۔

"آف کورس۔"

ٹیرس پہ خاموشی چھا گئی۔ اوپر لٹکے قمقمے چپ چاپ اپنے نیچے بیٹھے تین نوجوانوں کے تاثرات پڑھ رہے تھے۔

"کیا اس نے واقعی زیاد کو اپنی زندگی سے نکال دیا ہے؟" چنگیز نے پھر سے کوشش کی۔

"نہیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ خوش نظر آ رہے تھے۔" وہ موبائل کی بجھی ہوئی اسکرین دیکھ رہا تھا۔

''اپنی رقابت ایک طرف رکھ کے بتاؤ۔ وہ..... (چنگیز نے بیربل کو دیکھ کے دہرایا) ٹال' ڈارک اور ہینڈسم کیسا آدمی ہے؟''

''ہینڈسم نہیں ہے وہ۔'' ماہر نے زور سے موبائل میز پہ رکھا۔ اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ بیربل نے مسکراہٹ روکنے کے لیے لبوں پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''اس کے علاوہ کوئی بری بات؟''

ماہر نے نیچے کھڑی کشتی کو دیکھا۔ وہ کنارے پہ پانی کے ساتھ ہلکا ہلکا سا جھول رہی تھی۔

''بس وہ مجھے نہیں پسند۔''

''ہو سکتا ہے وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہوں' ماہر۔'' بیربل کھنکھارا۔ ''شاید تمہیں ان کو ان کے حال پہ چھوڑ دینا چاہیے۔''

کچھ تھا بیربل کے انداز میں کہ ماہر چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ ''دیکھو اگر دو لوگ آپس میں محبت کرتے ہوں تو ان کے درمیان میں نہیں آنا چاہیے۔'' وہ سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔

''اچھا' بیربل آفندی؟'' وہ بغور اپنے بھائی کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

''دو محبت کرنے والوں کو شادی کرنے کی مکمل آزادی ہونی چاہیے۔''

ماہر آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اسے دیکھے گیا۔ بیربل نظر ملائے بغیر کہے جا رہا تھا۔

''یہ ہر انسان کا حق ہے کہ وہ اپنا لائف پارٹنر اپنی مرضی سے منتخب کرے۔''

چنگیز نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور آگے کو ہو بیٹھا۔

''کھل کے بات کرو۔''

بیربل نے تھوک نگلا۔ پھر مسکرا کے ان دونوں کو دیکھا۔

''میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

چنگیز کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اس نے بے اختیار ماہر کو دیکھا۔ وہ حیران نہیں ہوا تھا۔ اس نے پیچھے کو ٹیک لگائی' سینے پہ بازو لپیٹے اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

''اس دفعہ تم کس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟''

زور اس دفعہ پہ تھا۔

''اس کا نام حازان ہے۔ وہ میری بیکری سے صبح کافی لینے آتی ہے۔ ہم پہلے اچھے دوست بنے اور اب ہم شادی کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ دونوں خاموشی سے سن رہے تھے۔ بیر بل کی آواز پر اعتماد ہونے لگی۔

''وہ خوبصورت ہے۔ پڑھی لکھی ہے۔ (وہ کہہ رہا تھا اور ماہر انگلیوں پہ گن رہا تھا۔) اس نے لٹریچر میں ماسٹرز کیا ہے۔ اور...''

''اور لالچی ہے۔'' ماہر نے کھلے ہاتھ کی ایک انگلی بند کی۔

''اور چالاک بھی۔'' چنگیز نے اپنے ہاتھ کا انگوٹھا موڑا۔

''تمہاری دولت کے پیچھے ہے۔'' ماہر نے آخری انگلی مٹھی میں بند کی۔

''بلکہ تمہارے جیسے تین چار پھنسار کھے ہوں گے۔ تم جلدی شادی پہ مان گئے۔ وہ مان نہیں رہے ہوں گے۔'' چنگیز نے ماہر کو دیکھا اور وہ دونوں بے اختیار ہنس دیے۔

بیر بل چند لمحے کچھ بول ہی نہیں سکا۔ پھر اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

''تم لوگ...'' اس نے مٹھی بھینچی۔ ''تم اس کو جانتے بھی نہیں اور...''

''وہ تمہیں جانتی ہے نہ؟'' ماہر ٹانگ پہ ٹانگ جمائے پیر جھلا رہا تھا۔ ''کیا اسے معلوم ہے کہ تمہارے پاس تمہارے باپ کی دولت اگلے چار سال تک نہیں آئے گی؟''

''اس کو اس سے فرق نہیں پڑتا۔''

''کیا وہ جانتی ہے؟'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''میں اسے بتا دوں گا۔'' بیر بل نے تھوک نگلا۔

''بتا دوں گا۔'' ماہر ہلکا سا ہنسا۔ چنگیز نے بھی ہنس کے سر جھٹکا۔

''آہ بیر بل... تم کب سمجھو گے۔''

بیر بل نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ لب ایک دوسرے میں پیوست کیے۔

''تم لوگ بغیر کسی کو جانے یا سمجھے اس کے بارے میں اتنی گھٹیا سوچ کیسے رکھ سکتے ہو؟''

''چلو... جان لیتے ہیں۔'' ماہر مسکراہٹ دبا کے سیدھا ہوا۔ ''آج ہی اس کو اپنی حقیقت بتاؤ۔ پھر دیکھو وہ کیا کرتی ہے۔''

''میں بتاتا ہوں وہ کیا کرے گی۔'' چنگیز نے ہنستے ہوئے کیتلی اپنی پیالی میں پھر سے انڈیلی۔ سرخ دھار پیالی

میں گرنے لگی۔

''پہلے وہ کہے گی' مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا' بیر بل...'' آواز باریک کرتے ہوئے شکر دان کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''غم ہو یا خوشی' میں تمہارے ساتھ ہوں بیر بل۔'' ماہر نے شکر دان اس کے سامنے کیا۔

''پھر وہ تمہارا فون اٹھانا کم کر دے گی...'' چنگیز نے شکر کی دو ڈلیاں چائے میں گرائیں۔

''اس کے بعد ملنا کم کر دے گی۔'' ماہر اب اسے چمچ اٹھا کے دے رہا تھا۔

''پھر کچھ دن بعد وہ کہے گی' اٹس ناٹ یو' اٹس می بیر بل۔ ہم اچھے دوست بن کے الگ ہو جاتے ہیں۔'' چنگیز آواز کو باریک کر کے کہہ رہا تھا۔ ماہر بے اختیار ہنس دیا۔

''اور اس کے بعد میرے یار...'' چنگیز نے اپنے بھاری ہاتھ سے سامنے بیٹھے بیر بل کا کندھا تھپکا۔'' تم اگلی لڑکی کی طرف چلے جاؤ گے اور وہ اگلے شکار کی طرف۔''

بیر بل نے غصے سے اپنا کندھا پیچھے کیا۔ اس کا چہرہ لال بھوکا ہو رہا تھا۔

''تم دونوں...'' اس نے دانت کچکچائے۔ چنگیز چائے میں شکر مکس کر رہا تھا۔ اور ماہر ... وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنستا جا رہا تھا۔

''میں جس سے شادی کی بات کرتا ہوں' تم اس کے بارے میں یہی کہتے ہو ماہر۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولا۔

''کیا میں کبھی غلط ہوا ہوں؟'' ماہر نے انگلی کی نوک سے آنکھ میں آیا پانی صاف کیا۔

''اس دفعہ تم غلط ہو۔ میں ثابت کر کے دکھاؤں گا۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ سب سے مختلف۔''

''مختلف۔'' ٹیرس پہ پھر سے ایک قہقہہ گونجا۔ بیر بل پیر پٹخ کے کھڑا ہوا۔

''تم دونوں مجھ سے اپنے الفاظ کے لیے معافی مانگو گے۔''

''دیکھتے ہیں۔'' ماہر نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ بیر بل چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر اس کی آنکھیں چمکیں۔

''اللہ کرے' کشمالہ اس ہینڈسم زیادہ سے شادی کر لے۔''

ماہر کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ بیر بل نے بے بسی سے چنگیز کو دیکھا۔

''اور اللہ کرے تمہاری بیوی کسی کے ساتھ بھاگ جائے۔''

چنگیز زور سے ہنسا۔ ''میری تو کوئی بیوی ہی نہیں ہے۔''

''کیونکہ وہ کسی کے ساتھ بھاگ چکی ہے۔'' وہ چلا کے بولا اور دھاڑ سے دروازہ کھول کے اندر چلا گیا۔ ان دونوں کا قہقہہ پھر سے گونجا تھا۔

فیضی حانم کچن فریج میں کچھ رکھ رہی تھیں۔ بیربل گلابی چہرہ لیے ان کے سامنے رکا۔

''اگر صبح میں اپنے کمرے میں مردہ پایا جاؤں' تو ان دونوں کو میرے جنازے پہ مت آنے دینا۔''

فیضی حانم نے چہرہ اٹھا کے پریشانی سے اسے دیکھا۔

''مگر کل تو میری چھٹی ہے۔''

''اف...'' وہ پیر پٹخ کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دھاڑ سے دروازہ بند ہونے کی آواز باہر ٹیرس تک سنائی دی۔

چنگیز کی مسکراہٹ اب گم ہو چکی تھی۔ وہ پرسوچ نظروں سے ٹیرس کی کھڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

''چار سال بعد اس کو اپنی دولت مل جائے گی' ماہر۔ تب یہ ان لالچی عورتوں سے کیسے بچے گا؟''

چار سال بعد بیربل نے تیس سال کا ہو جانا تھا۔ ان کے باپ کی وصیت کے مطابق' اگر وہ اپنی کمپنی کو ان کے مختص کیے گئے معیار تک نہیں لے جا سکتا' تب بھی تیس برس کی عمر میں اس کو اس کا ٹرسٹ فنڈ مل جائے گا۔

''تب کی تب دیکھیں گے۔'' وہ باہر پچھلی رات کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ہنسی اب غائب تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پورچ میں کار کھڑی کر کے وہ تیزی سے باہر نکلی۔ لوہے کے بیرونی زینے سامنے تھے۔ وہ ہیلز سے بدقت زینے پھلانگتی اوپر آئی۔

اسٹوڈیو کا دروازہ کھولا تو وہ خاموش پڑا تھا۔ سامنے ایک اسٹینڈ رکھا تھا جس پہ اسکیچ کرنے کے لیے کاغذ آویزاں تھا۔ مالا قدم قدم چلتی اس کاغذ کے قریب آئی۔ پھر بے اختیار گردن پہ ہاتھ رکھا۔ اس وقت کوئی اس کا گلا نہیں دبا رہا تھا۔ لیکن گلا دبانے کی وہ تکلیف اسے یاد تھی۔

''مجھے تمہارا پیغام مل گیا ہے۔'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ آگے بڑھی اور اسکیچ بک کا صفحہ پھاڑ دیا۔

''میں تمہارا اسکیچ نہیں بناؤں گی۔'' وہ اس صفحے کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی تھی۔

''تنگ آ گئی ہوں میں تم سے۔ اور اس انسان سے جس نے تمہیں میرے پیچھے لگایا ہے۔'' اس نے ٹکڑے زور

سے اچھالے۔ وہ اوپر تک گئے اور پھر تیزی سے اس کے اطراف میں گرتے چلے گئے۔

''چھوڑ دو تم میرا پیچھا۔ بس کر دو۔ تم یہی چاہتے تھے کہ میں زیاد سے شادی نہ کروں۔ نہیں کر رہی میں اس سے شادی۔'' وہ ایڑھیوں پہ گھومتی اطراف میں دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ہر طرف خاموشی تھی۔ بظاہر وہاں کوئی نہیں تھا۔

''میں صرف اپنی ماں کے ساتھ خوش رہنا چاہتی ہوں۔ خدا کے لیے میرا پیچھا چھوڑ دو۔'' آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ دائیں دیکھا۔ پھر بائیں۔ وہاں خاموشی تھی۔ لیکن وہ جانتی تھی اس کا پیغام عامل تک پہنچ جائے گا۔

اس نے گردن پہ ہاتھ رکھا۔ وہاں مٹر کے آدھے دانے جتنا سرخ نشان موجود تھا۔ خون کے تین چار قطرے نکل کے جم گئے تھے۔ لیکن وہ قطرے کشمالہ مبین کو ہلا دینے کے لیے کافی تھے۔ وہ جتنا اس عامل کا تعاقب کرے گی' اتنا ہی وہ اسے ڈرائے گا۔ اسے اب اپنے تعاقب کار کو نظر انداز کر کے اپنی زندگی میں واپس جانا ہوگا۔

جس وقت وہ اسٹوڈیو کی سیڑھیاں اتر کے واپس نیچے جا رہی تھی' ہر طرف خاموشی اور سکوت تھا۔ نہ کوئی آواز تھی نہ کھڑک۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنی کال کوٹھڑی میں موجود سرکار نے اپنے سامنے زمین پہ رکھی تصویریں دیکھیں۔ ایک مسکراہٹ اس کے بوڑھے چہرے پہ بکھر گئی۔ اس کی سماعت میں کسی نادیدہ مخلوق کی آواز گونج رہی تھی۔ پھر اس نے سمجھ کے سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے۔ ہم اسے کچھ دیر کے لیے اکیلا چھوڑ دیں گے۔''

اس نے سامنے رکھی کشمالہ اور زیاد کی تصاویر ایک طرف کیں۔ پھر ایک اور تصویر نکال کے اپنے چہرے کے قریب کی۔

وہ بھوری آنکھوں والی مسکراتی ہوئی ماہ بینہ کا چہرہ تھا۔

''ایک ماہ بعد اس کا بچہ ہونا ہے۔ لیکن نہیں ہونا چاہیے۔'' اس نے اپنی سرخ ہوتی آنکھیں اٹھا کے اپنے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے نادیدہ موکلات کو دیکھا۔

''اگر ہم یہ بچہ مارنے میں کامیاب ہو گئے تو ہماری پاور کئی گنا بڑھ جائے گی۔ ہمارے جادو جلد اثر کریں گے۔ ہم جو چاہے کر سکیں گے۔''

اس نے قریب رکھی ایک صندوقچی کھولی۔ اندر سے ایک ننھا سا گڈا نکالا۔ یہ بازار سے خریدا گیا کوئی سستا سا

بے بی ٹوائے تھا۔

"یہ بچہ اس دنیا میں نہیں آنا چاہیے۔" عامل کے ہاتھ اس بے بی کے کپڑے اتار رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ برہنہ ہو گیا۔ پھر اس نے ساتھ رکھی سوئیوں میں سے ایک سوئی نکالی اور اسے گڈے کے دل کے مقام پہ اندر گھسا دیا۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چلی ویک کے اس سفید گھر کے لاؤنج میں ماہی بیٹھی تھی۔ سر پہ دوپٹہ لپیٹے وہ تسبیح ہاتھ میں لیے ہوئے تھی۔ دوسرے ہاتھ سے موبائل سامنے کر رکھا تھا۔ وہ نماز پڑھ کے ہٹی ہی تھی کہ ماں کی کال آ گئی۔ وہ خود اب صحت منداور ہشاش بشاش لگتی تھیں۔ البتہ اسے دیکھ کے فکر مند ہو گئی تھیں۔

"پاکستان آ جاؤ ماہی۔ وہاں اکیلے کیسے ڈلیوری کرواؤ گی؟"

"جیسے گوریاں بچے پیدا کرتی ہیں ناں۔ یہاں بہت ہیلپ مل جاتی ہے۔ سب ہو جائے گا۔"

"نہیں بیٹے۔ پاکستان آ جاؤ۔ میں ہوں گی یہاں۔ مالا ہے۔ بختو ہے۔ بیٹے یہ بڑا مشکل وقت ہوتا ہے۔"

عباد کمرے سے نکل کے کچن کی طرف آ رہا تھا۔ اس بات پہ چہرہ گھما کے ماہی کو دیکھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔ خاموشی سے کچن کیبنیٹ کا دروازہ کھولا اور کچھ ڈھونڈنے لگا۔

"میں ڈلیوری کے فوراً بعد آ جاؤں گی۔ پکا پرامس۔"

جیسے ہی ماہی فون بند کر کے دوبارہ تسبیح اٹھائی، عباد کیبنٹ بند کر کے اس کی طرف گھوما۔

"تم کہو تو ہم پاکستان چلے جاتے ہیں۔ بزنس کلاس۔ ڈائریکٹ فلائٹ۔ تم آرام سے سفر کر لو گی۔"

"اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں، عباد۔ اسی مہینے کے آخر میں ڈلیوری ہے۔ اور پھر.." اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ "پچھلی دو دفعہ بھی سفر کرنے کی غلطی کی تھی۔ ہر دفعہ اسی کمبخت دوہا ائیرپورٹ پہ کچھ نہ کچھ ہو جاتا تھا۔ میں اس دفعہ رسک نہیں لے سکتی۔"

"لیکن ڈاکٹر نے کہا ہے تم سفر کر سکتی ہو۔ فی الحال سب کچھ ٹھیک ہے۔"

ماہی نے بھوری آنکھیں اٹھا کے عباد کو دیکھا تو وہ بھیگی ہوئی تھیں۔

"تم مانو یا نہ مانو، کبیرہ تائی کی ہمارے بچے سے پرانی دشمنی ہے۔ وہ اس بچے کو دنیا میں نہیں آنے دینا چاہتیں۔ میری بے احتیاطی ان کو راستہ دے گی۔" اس نے تسبیح پھر سے اٹھالی۔

''یار کس کے پاس اتنا ٹائم ہوتا ہے کہ کسی کے بچے پہ جادو کروائے۔ میں مانتا ہوں ان باتوں کو لیکن اب تم کچھ زیادہ ہی وہم کرنے لگی ہو۔'' وہ سر جھٹک کے کیبینٹ سے کچھ ڈھونڈنے لگا۔

''میں تم سے زیادہ پاکستان جانے کی خواہش رکھتی ہوں۔ میرے دل سے پوچھو۔ ماں جب سے بیمار ہوئی ہیں، میں ان سے نہیں ملی۔ ان کی خدمت کا موقع مجھے نہیں ملا۔ مالا اور معید کو ملا ہے۔ لیکن جیسے ہی بے بی پیدا ہوگا... '' دھڑکتے دل سے کہا۔'ان شاء اللہ ہم پہلی فلائٹ سے پاکستان جائیں گے۔''

''فوراً نہیں جا سکیں گے' ماہی۔ پہلے بے بی کا NICOP (شناختی کارڈ) بنے گا۔ تیس پینتیس دن لگیں گے۔''

''ہم نائیکو بنتے ہی چلے جائیں گے نا۔'' اس نے خود کو تسلی دی۔'' ویسے بھی ماں اب ٹھیک ہیں۔ تب تک وہ مزید بہتر ہو جائیں گی۔''

عباد اپنی مطلوبہ چیز تلاش کر کے وہاں سے چلا گیا اور ماہی خاموشی سے تسبیح پڑھتی رہی۔ دفعتاً فون پھر سے بجا۔ نمبر دیکھ کے اس نے گہری سانس لی۔ ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''میں کئی دن سے آپ کو میسج کر رہی ہوں۔ آپ کہاں تھے' ماہر بے؟''

''بزی تھا۔ آج وقت ملا ہے۔ خیریت؟''

''مجھے مالا نے بتایا ہے کہ آپ نے اس کا ریستوران خریدا تھا۔ آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا۔'' اس کی آواز میں خفگی تھی۔

وہ دھیرے سے ہنسا۔'' تم بھی اپنی بہن کی طرح مجھ پہ شک کر رہی ہو؟''

''شک نہیں کر رہی۔'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔'' لیکن سوال کرنا میرا حق بنتا ہے۔''

''مجھے اس بارے میں علم نہیں تھا' ماہ بینہ۔ میں وہ کمپنی نہیں چلاتا۔ مالک چلاتا ہے۔''

''مالک کون؟'' ماہی کے ابرو مشکوک انداز میں اکٹھے ہوئے۔ فون اسپیکر پہ کر کے اس نے انسٹاگرام کھولا۔

''میرا چچا۔ اس نے ایک لبنانی گروپ کو اوشن خرید کے دیا ہے۔ ہماری کمپنی ہر روز ایسی خرید و فروخت کرتی ہے۔''

''کیا آپ نے مالک سے پوچھا کہ اس نے یہ کیوں کیا؟'' اس کا انگوٹھا اسکرین کو اسکرول کر رہا تھا۔

''نہیں۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔''

''یہ سفید بالوں والا ہے مالک؟''

''تمہیں کیسے معلوم؟'' وہ حیران ہوا۔

''آپ نے اسے انسٹا پہ فالو کیا ہوا ہے۔ دنیا بہت چھوٹی ہے ماہر ے اور یہ انگلیوں میں سما جاتی ہے۔''

وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

''جاب کر لو لڑکی۔ ورنہ سارا دن گھر میں فارغ یہی کام کرتی رہو گی۔''

''مجھے شوق نہیں ہے جاب کا۔ میں اپنی گھر داری میں خوش ہوں اچھا۔'' تڑخ کے بولی۔ وہ خاموش رہا تو اس نے آواز دھیمی کی۔

''مالک نے مالا کا ریستوران کیوں بکوایا؟''

''اس سوال کا جواب وہی دے گا۔ میں نے جب اسے البم کی تصاویر دکھائی تھیں اور بتایا تھا کہ میں اس لڑکی کو ڈھونڈ رہا ہوں' تو اس نے تین دن میں مجھے مالا کی معلومات لا دی تھیں۔ میں سمجھا اس کے پاس بہت کام کے بندے ہیں۔ لیکن نہیں۔ مالک مالا کو پہلے جانتا تھا۔ وہ اس سے مل چکا تھا۔ کب کہاں مجھے نہیں معلوم۔ لیکن اس نے ہوٹل میں مالا سے ملنے کے لیے بیر بل کو بھیجا۔ خود نہیں گیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مالا اس کو پہچانے۔''

''یعنی عبدالمالک فرید کچھ چھپا رہے ہیں۔'' پھر اس کو یاد آیا۔ ''کبیرہ تائی کے نئے عامل کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟''

ماہر نے بیزاری بھری سانس خارج کی۔

''اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہم کتنے عاملوں کو پکڑیں گے؟ تم اپنا ایمان مضبوط رکھو۔ کچھ نہیں ہو گا تمہارے بچے کو۔''

ماہی کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ ''مجھے پھر سے برے خواب آنے لگ گئے ہیں۔''

''ہر چیز مکتوب ہے' ماہ بینہ۔ مکتوب۔ لکھی ہوئی۔ تمہارے بچے کی زندگی بھی۔ اور موت بھی۔ وہ اپنے وقت پہ آتی ہے۔ ایک دن اوپر۔ نہ ایک دن نیچے۔ کوئی جادو' کوئی جن اس کو اوپر نیچے نہیں کر سکتا۔''

ماہی کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے اور آنکھوں سے ایک آنسو ٹپکا۔

''مکتوب۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''اگر میرے بچے کی زندگی اللہ نے لکھی ہوئی ہے' تو اسے کوئی مار نہیں سکتا۔''

''اسے کوئی مار نہیں سکتا۔'' اس نے نرمی سے دہرایا۔

ماہی پورے دل سے مسکرا دی۔ فون بند کیا ہی تھا کہ عباد باہر آتا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پہ خفگی تھی۔

''تم یہ ٹھیک نہیں کر رہیں۔'' وہ صوفے پہ اس کے پیچھے جھک کے کھڑا ہوا اور اس کے کندھے کے قریب کہنے لگا۔ ''تم مالا کے ساتھ دھوکہ کر رہی ہو۔ اس کو معلوم ہوا کہ تم ماہر سے بات کرتی ہو تو وہ بہت ناراض ہو گی۔''

''میں اسے بتا دوں گی۔ جب پاکستان جاؤں گی۔ ابھی مجھے اسٹریس مت دو۔''

عباد افسوس سے سر جھٹک کے سیدھا ہوا اور واپس پلٹ گیا۔ ماہی کے آگے بین بجانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

وہ پھر سے تسبیح پڑھنے لگی تھی۔

اگر اس کی اولاد مکتوب تھی' تو دنیا کے سارے جادوگر اکٹھے ہو کے بھی اس کے بچے کو موت نہیں دے سکتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس تاریک کوٹھڑی میں زمین پہ چوکڑی مارے عامل سرکار کے سامنے آج بھی بہت سی تصاویر رکھی تھیں۔ دھاگے۔ مختلف اقسام کی روشنائیاں لیکن فی الحال اس کی توجہ ہاتھ میں پکڑے گڈے پہ تھی۔ اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ انگلی میں ایک لمبی نوکیلی سوئی تھی۔

سرکار کے ہاتھ اس کی نوک کو سرخ روشنائی میں ڈبو ڈبو کے گڈے پہ لگا رہے تھے۔ پہلے اس کے سینے کے درمیان صلیب کا نشان بنایا۔ پھر باری باری ہر عضو پہ اس کا نوکیلا قلم کانٹے لگاتا گیا۔

''ماں کے پیٹ میں بچے کا ایک ایک عضو آہستہ آہستہ ضائع ہو جائے گا۔'' سرکار کی بڑبڑاہٹ جاری تھی۔ ''یہاں تک کہ جب بچہ پیدا ہو گا' وہ مرا ہوا ہو گا۔'' اس کی آواز میں جوش تھا۔

بچوں پہ کیے جانے والے جادو سرکار کو سب سے زیادہ پسند تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد کو کیمپئین کی وجہ سے کچھ دن لاہور میں رکنا پڑ گیا۔ دبئی جانے سے پہلے وہ ان سے ملنے مبین منزل آیا تھا۔ معید اس کا پہلے ہی معترف تھا' اب اس کی نظروں میں زیاد کی عزت مزید بڑھ گئی تھی۔

بخت بی چائے لے آئیں۔ ماں نے اپنے زمانے کا کوئی قصہ شروع کر دیا۔ زیاد دھیمی آواز میں مسکرا مسکرا کے ان کے قصوں میں اضافہ کیے گیا۔ ماہی کی طرح اسے بھی سب رشتے داروں کا علم تھا۔ مالا اور معید ہنستے ہوئے سنتے گئے۔ وہ دونوں رشتے داروں کی خبر رکھنے کے معاملے میں ایک جیسے تھے۔

''اب میں اجازت چاہوں گا۔'' اس کی فلائٹ کا وقت قریب تھا۔ وہ گھڑی دیکھتے ہوئے اٹھا تو نہ جانے کیوں

اس کا دل اداس ہوا۔

"جب بھی آیا کرو' ہم سے ضرور ملا کرو۔" وہ ماں کے سامنے جھکا تو وہ اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے تاکید کرنے لگیں۔

"اپنی امی کو سلام دینا۔"

"امی کے لیے دعا کیجئے گا۔ ان کے کچھ ٹیسٹ کروائے ہیں۔ رپورٹ کا انتظار ہے۔" کچھ تھا اس کے لہجے میں۔ کچھ اداس۔ کچھ پریشان۔ کشمالہ چونکی۔ دل بری طرح دھڑکا۔ ایک اور ماں؟ نہیں۔

"تمہاری ماں بہت نیک ہے' زیاد۔ اس نے اپنے سسرال اور خاندان' سب کی بہت خدمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو تکلیف نہیں دے گا۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

"ماں ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم آنٹی کے لیے دعا کریں گے۔"

وہ اسے چھوڑنے پورچ تک آئی۔ وہ کچھ مضطرب لگ رہا تھا۔

"زیاد وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" اس نے اس کا چہرہ دیکھ کے تسلی دی۔ وہ دونوں پورچ کی دھوپ میں کھڑے تھے۔ کمپنی کی کار ساتھ کھڑی ان کی منتظر تھی۔

"وہ ٹھیک نہیں ہوں گی۔" زیاد نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھ کا کنارہ بھیگا ہوا تھا۔ "ڈاکٹرز کو بلڈ کینسر کا شبہ ہے۔"

اس نے بے اختیار سینے پہ ہاتھ رکھا۔ ایک اور ماں؟

"ان کو شاید خود بھی علم ہے کہ ان کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ وہ جلد از جلد میری شادی کرنا چاہتی ہیں۔" وہ دھوپ میں آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے کار کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ماؤں کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے' زیاد۔ ان کی بات مان لیں۔ کوئی اچھی لڑکی ملے تو شادی کر لیں۔"

وہ زخمی سا مسکرا دیا۔

"میں عام سا انسان ہوں' کشمالہ۔ مجھے عام سی لڑکی ہی ملے گی۔"

"مل جائے تو اس کو کھونا مت۔" حلق میں کچھ پھنس سا گیا۔ کیا اس نے غلطی کر دی تھی؟

زیاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ چلا گیا اور وہ کتنی دیر اس جگہ کو دیکھتی رہی۔

سلیم گیٹ بند کرنے لگا جب اسے "مالا باجی" کی آواز آئی۔ اس نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے دیکھا۔

''تم اتنی دھوپ میں یہاں کیا کر رہے ہو؟''

شلوار قمیض والا پٹھان بچہ کمر پہ ہاتھ رکھے شرماتا ہوا اندر داخل ہوا۔ وہی مسکرا کے اسے آتے دیکھے گئی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے سامنے آ گیا۔

''کیا چھپا رکھا ہے؟''

اس نے دونوں ہاتھ آگے کیے۔ ان میں موتیوں کے گجرے تھے۔

''آپ کی امی کے لیے۔'' وہ ہنس دی۔ پھر اس کی ہتھیلیوں سے گجرے اٹھائے اور ناک کے قریب لے جا کے سونگھا۔ خوشبو نے دھوپ اور گرمی کا احساس غائب کر دیا۔

''آپ نے کہا تھا مجھے فالتو رنگ دے دیں گی۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ دفعتاً اس کی نگاہ لان پہ پڑی۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی۔ لب بے یقینی سے کھل گئے۔

''آپ کے گھر میں موتیے کا پودا لگا ہوا ہے باجی؟'' اس نے شاک کے عالم میں کشمالہ کو دیکھا۔ وہ بے اختیار ہنس دی۔

''ہاں۔ لیکن تم پھر بھی مجھے روز گجرے لا کے دو گے۔''

بچے نے ایک مایوس نظر اپنے گجرے پہ ڈالی۔ ''لیکن...''

''میں تمہیں فالتو رنگ نہیں دوں گی۔ بلکہ میں تمہیں پینٹ کرنا سکھاؤں گی۔ سیکھو گے؟''

اس کا چہرہ کھل اٹھا۔ شرما کے سر ہلا دیا۔

''اس کو اوپر میرے اسٹوڈیو میں لے جاؤ۔ میں آتی ہوں۔''

اس نے سلیم کو اشارہ کیا جو مشکوک نظروں سے اس پٹھان بچے کو گھور رہا تھا۔

''اور ان سب کا کیا؟'' اس کی شرماتی آواز پہ وہ چونکی۔ گیٹ کی طرف دیکھا۔ وہاں اس کی شکل والے چار اور بچے دانت نکالتے جھانک رہے تھے۔ ان کے لباس بے ترتیب اور ملگجے تھے۔ لیکن چہروں پہ انوکھی رونق تھی۔

کشمالہ نے گہری سانس خارج کی۔ ''ان کو بھی اوپر لے جاؤ۔'' وہ اور کیا کہہ سکتی تھی۔

''یہ پلٹون کہاں سے جمع کر لی؟''

وہ ماں کے پاس واپس آئی تو دیکھا۔ وہ ڈرائننگ روم کی کھڑکی سے باہر جمع ہوئے نمونوں کو دیکھ کے ماتھے پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھیں۔ دھڑ دھڑ کی آوازوں کے ساتھ وہ اوپری زینوں پہ بھاگ رہے تھے۔

"ریستوران والا پروجیکٹ ختم ہو چکا ہے' ماں۔ نیا کام ملنے سے پہلے کچھ دن میں گھر پہ ہوں گی۔ اچھا ہے ان بچوں کو کچھ سکھا دوں گی۔" وہ ان کے قدموں میں بیٹھی اور ان کے نرم بھری بھری کلائیوں میں گجرے پہنانے لگی۔

ماں نے مسکرا کے ان پھولوں کو دیکھا پھر اپنی بیٹی کے جھکے سر کو۔ وہ انہماک سے گجرے کی ہک بند کر رہی تھی۔

"ماہی سے کہو پاکستان آ جائے۔ وہ وہاں اکیلے کیسے ڈلیوری کروائے گی۔" ان کی ہر روز یہی تکرار ہوتی تھی۔

"وہ سفر کرنے سے ڈرتی ہے' ماں۔ ویسے بھی ستمبر کے آخر میں ڈلیوری ہو گی اور بے بی کا نائیکوپ اکتوبر کے آخر تک بن جائے گا۔ یکم نومبر کو وہ آپ کے پاس ہو گی۔"

مسکرا کے انگلیوں پہ تاریخیں گن کے بتائیں۔ پھر ایک دم وہ ٹھہر گئی۔ بالکل ساکت۔

(آپ کی ماں کے پاس چھ ماہ ہیں۔ آپریشن کروائیں یا نہ کروائیں۔)

ڈاکٹر وہرا کی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔ (آج یکم مئی ہے۔ چھ ماہ بعد یکم نومبر ہو گی۔ ڈاکٹر وہرا کی ڈیڈ لائن۔)

اُف۔ اس نے سر جھٹکا۔ چہرے کی رنگت یکدم پیلی ہوئی۔ پھر ماں کو دیکھا۔ اب وہ تندرست ہو رہی تھیں۔ کل ہی ایم آر آئی کروایا تھا۔ منجیوما دوبارہ نہیں بڑھا تھا نہ اگلے دس پندرہ برس تک بڑھنے کا امکان تھا۔

ڈاکٹر وہرا کی ٹائم لائن جھوٹی تھی۔ یکم نومبر آ کے گزر جائے گا۔ اور کچھ بھی نہیں ہو گا۔ وہ اب کوئی وہم نہیں پالے گی۔ نہ وہ اس عامل کو ڈھونڈے گی۔ نہ ہی وہ ان چکروں میں پڑے گی۔

اسے صرف ماں پہ فوکس کرنا تھا۔ ماں اور بچوں پہ۔ رنگوں اور پھولوں کے گجروں پہ۔

زیاد سلطان' ماہر فرید' عامل اور ڈاکٹر وہرا کی ٹائم لائن... اسے ہر شے کو دماغ سے جھٹکنا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"ہر چیز قلم سے شروع ہوتی ہے۔"

(کشمالہ کے اسٹوڈیو کے بلائنڈز ہٹے ہوئے تھے۔ فرش پہ بچے نیم دائرے کی صورت میں بیٹھے تھے۔ سب کے سامنے اسکیچ بکس تھیں اور وہ ان سب کو ایک ایک پنسل پکڑا رہی تھی۔ اس کے بال جوڑے میں بندھے تھے اور سر پہ سبز رومال بندھا تھا۔)

"سب سے پہلے قلم کو بنایا گیا تھا۔"

(استنبول میں کیف کے کانفرنس روم میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ ان کے سامنے درجنوں نقشے پھیلے تھے۔ وہ

سربراہی جگہ پہ کھڑا' جھک کے قلم سے نقشے پہ ایک جگہ دستک دے رہا تھا۔ سامنے بیٹھے افراد خاموشی سے سر ہلاتے اس کو سن رہے تھے۔)

"پھر قلم سے ایک کتاب لکھوائی گئی تھی۔ لوح محفوظ۔"

(کبیرہ بیگم اپنے بیڈروم میں کھڑی تھیں۔ دو ملازمائیں ایک لمبے بیگ میں مقید ڈریس سامنے لٹکا رہی تھیں۔ کبیرہ کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ اس نے انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ سے بیگ کی زپ نیچے کی۔ اندر ایک سیاہ لباس جھانک رہا تھا۔ نیا ڈیزائنر وئیر۔ کبیرہ اپنے پسندیدہ جنازوں کے لیے نئے لباس اور نئی جیولری بنوایا کرتی تھی۔ یہ لباس ماہی کے بچے کی موت کے لیے تھا۔

جب کینیڈا سے خبر آئے گی' تو وہ یہی لباس پہن کے حورِ جہاں سے ملنے جائیں گی۔

کبیرہ نے ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھی چیک بک کھولی۔ اور ایک قلم اٹھایا۔ پھر چیک پہ ایک رقم لکھ کے سائن کی۔ یہ اس عامل کے لیے تھی۔ جتنی رقم۔ اتنا مضبوط کام۔)

"اس کتاب لوح محفوظ میں ہم سب کی قسمتیں مکتوب کر کے بند کر دی گئی تھیں۔"

(ایک کوورکنگ اسپیس کی اونچی خالی دیوار کے ساتھ کشمالہ مبین بیٹھی تھی۔ اس کی گرفائٹ پینسل دیوار پہ اسکیچ بنا رہی تھی۔ ارد گرد گزرتے لوگ رک رک کے ستائش سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی' کانوں میں ہینڈز فری لگے تھے اور وہ بہت مہارت سے اپنا کام کر رہی تھی۔)

"قلم نے اس دنیا کی ہر چیز کو تخلیق میں آنے سے پہلے ہی لکھ دیا تھا۔"

(ماہر کے آفس میں نیم اندھیرا سا تھا۔ کھڑکی کے ساتھ ایک بڑی میز کا اضافہ کر دیا گیا تھا جہاں ایک سرخ عمارت کے تین طرح کے ماڈل رکھے تھے۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سامنے ایک گرافک ٹیبلیٹ رکھا تھا جس پہ وہ مہارت سے ڈیجیٹل پین کے ذریعے لکیریں کھینچ رہا تھا۔ اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ دفعتاً وہ رکا۔ ساتھ رکھا موبائل اٹھا کے دیکھا۔ گرین آئیز کی چیٹ کھولی۔ کوئی میسج نہیں۔ کوئی پکار نہیں۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ دل میں اٹھتے درد کو محسوس کیا۔

ایک لمحہ تھا۔ ماہر فرید نے اسے جی لیا۔ پھر آنکھیں کھولیں اور سپاٹ چہرے کے ساتھ پین پھر سے اٹھا لیا۔)

"اور اس قلم کے لکھے کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔"

(ماہی ہسپتال کے کمرے میں لیٹی تھی۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر تھا۔ جسم کی کئی ہڈیوں کو توڑ دینے والی جیسی تکلیف

کے بعد وہ نڈھال تھی۔ عباد اس کے ساتھ کھڑا تھا اور مسکرا کے اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھا۔ نرس نے کمبل میں لپٹا ایک ننھا سا وجود اس کے سامنے کیا۔

''بے بی گرل ہے۔ اور بہت صحت مند ہے۔''

مکتوب۔ وہ بڑبڑائی۔ پھر وہ ایک دم چہرہ ہاتھوں میں چھپا کے رونے لگ گئی۔ وہ ہنس بھی رہی تھی۔ اور وہ رو بھی رہی تھی۔)

''انسان کو قلم بہت دیر سے ملا تھا۔ اسے ادریس علیہ السلام نے سب سے پہلے استعمال کرنا شروع کیا تھا۔''

(عامل سرکار کے ہاتھ زعفرانی سیاہی میں ڈوبے قلم کو غصے سے اس گڈے پہ رگڑ رہے تھے۔ بے جان گڈا ساکت تھا۔ پھر اس نے زور سے قلم کو دو حصوں میں توڑ دیا۔ اس کا چہرہ سرخ بھبھوکا ہو رہا تھا۔

''دفعہ ہو جاؤ تم سب۔ ایک کام نہیں کر سکے تم۔ ایک بچہ نہیں مار سکے۔''

اس نے گڈا اٹھایا اور پوری قوت سے دیوار پہ دے مارا۔

عامل نے چہرے پہ آیا پسینہ آستین سے صاف کیا۔ پھر اپنے بوڑھے جھریوں زدہ ہاتھوں کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

ایک بچہ ہم نہیں مار سکے۔ ایک کمزور بچہ؟ اس کا سر شکست خوردگی سے دائیں بائیں ہل رہا تھا۔)

''بہت سے انسانوں نے قلم کے لکھے کو بدلنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آج تک کوئی کامیاب نہیں ہو سکا۔''

(ماں صوفے پہ بیٹھی مسکرا رہی تھیں۔ ساتھ موجود مالا نے موبائل ان کے سامنے پکڑ رکھا تھا۔ اسکرین پہ ماہی اور عباد نظر آ رہے تھے۔ ماہی ہنستے ہوئے گلابی کمبل میں لپٹی ننھی سی بے بی ان کو دکھا رہی تھی۔

''ہم نے اس کا نام حورعین رکھا ہے۔ حور جیسی آنکھوں والی۔''

''حورعین۔'' ماں مسکراتے ہوئے بچی کی سبز آنکھوں کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان کا عکس تھی۔

ان کے ہاتھ میں دو نوکیلی سلائیاں تھیں جن پہ وہ مہارت سے انگلیاں چلاتے ہوئے اون کا گولہ بن رہی تھیں۔ ماہی کی بیٹی کی گلابی سوئیٹر کے گھر ایک کے بعد ایک چڑھ رہے تھے۔)

''قلم کے لکھے کو ''قدر'' کہتے ہیں۔ اور قدر کو کوئی شے نہیں بدل سکتی۔ نہ کوشش۔ نہ جادو۔ نہ بد دعا۔''

(''دفعہ ہو جاؤ تم۔ ناکام عامل۔ فراڈ۔ میں تمہیں اتنا پیسہ کھلاتی رہی اور تم ایک بچے کو نہیں مار سکے۔'' کبیرہ فون پہ چیختے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"بی بی ہم نے چالیس دن تک چلا کاٹا لیکن..."

کبیرہ نے زور سے موبائل دیوار پہ دے مارا۔

وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے فرش پہ بیٹھی تھی۔ مسلسل رونے کے باعث ان کی آنکھوں کا سارا کاجل بہہ گیا تھا۔ اور اب وہ سیاہ اور متورم ہو رہی تھیں۔ انہوں نے ایک نظر وارڈ روب کے ساتھ آویزاں ڈیزائنر ڈریس پہ ڈالی۔ پھر گھٹنوں پہ رکھا ایک فوٹو فریم دیکھا جسے وہ کافی دیر سے پکڑے ہوئے تھیں۔

اس میں ایک چھوٹے بچے کی تصویر مسکرا رہی تھی۔ گورا چٹا' خوبصورت بچہ۔ کبیرہ نے تصویر کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا۔ آنسو پھر سے بہنے لگے۔)

"قدر کو صرف ایک شے تبدیل کر سکتی ہے۔ وہ ہے دعا۔"

(زیاد ایک ڈاکٹرز کلینک میں بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ زرد اور جھکا ہوا تھا۔ ڈاکٹر میکانکی انداز میں قلم سے پیڈ پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ پھر اس نے سر اٹھا کے زیاد کو دیکھا اور افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔

"زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے ان کے پاس۔"

ایک آنسو زیاد کی آنکھ سے نکلا اور اس کے سانولے چہرے پہ گرتا گیا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ایک سال۔" وہ بڑبڑایا۔)

"دعا نیچے سے اوپر جاتی ہے۔ اور قدر اوپر سے نیچے آتی ہے۔ جو زیادہ طاقتور ہو' فتح اس کی ہوتی ہے۔"

(کشمالہ نرمی سے ماں کا ہاتھ تھامے کھڑی تھی۔ وہ سہج سہج کے قدم اٹھا رہی تھیں۔ وہ مسکرا کے انہیں اگلا قدم رکھنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے ان کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ماں نے بے چینی سے اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ اب آپ خود چلیں گی۔ بغیر سہارے کے۔" وہ چند قدم پیچھے ہٹی۔ ماں نے جھجکتے ہوئے ایک قدم رکھا۔ پھر دوسرا۔ بنا سہارے کے وہ دھیرے دھیرے اپنے پیروں پہ چلنے لگی تھیں۔

مالا مسکراتے ہوئے انہیں اپنے قریب آتے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اور لب مسکرا رہے تھے۔)

"قلم کے لکھے کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اس وقت سے نہ پہلے کچھ ملتا ہے نہ بعد میں۔ ہر انسان کو اپنا وقت پورا کرنا ہوتا ہے۔"

(ماہی اور عباد کے سفید لاؤنج میں ایک کاٹ رکھا تھا جس میں کمبل میں لپٹی ننھی گڑیا سو رہی تھی۔ ماہی کچن سنک

پہ نل کھولے کھڑی پانی سے برتن گزار رہی تھی جب گھنٹی بجی۔ اس نے ہاتھ پونچھے اور پردہ ہٹا کے گلاس ڈور کھولا۔ سردی کی ایک لہر اندر آئی۔

کوریئر بوائے نے ایک قلم اس کی طرف دستخط کے لیے بڑھایا۔ اس نے ناسمجھی سے اس کے ٹیب پہ دستخط کیے۔ پھر اپنے نام آیا لفافہ لیے اندر آئی۔ کپکپاتے ہاتھوں سے اسے چاک کیا۔

اندر ایک نائیکوپ تھا۔ حورِعین عباد کا نائیکوپ۔

ماہی نے بے اختیار چیخ روکنے کے لیے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''حور... حور...'' وہ بھاگتی ہوئی کاٹ میں لیٹی بچی تک آئی۔

''تمہارا نائیکوپ آگیا۔ بے بی۔ اب ہم پاکستان جا سکتے ہیں۔ اوہ میرے اللہ۔ ہم ماں کے پاس جا سکتے ہیں۔'' اس کی آنکھوں سے زاروقطار آنسو بہہ رہے تھے۔

اس نے ایک نظر دیوار پہ لگے کیلنڈر کو دیکھا۔ آج اٹھائیس اکتوبر تھی۔ اس نے پہلے سے انتیس کی شام کی فلائٹ بک کر رکھی تھی۔ کینیڈا سے جرمنی۔ جرمنی سے قطر۔ اور قطر سے پاکستان۔ پھر وہی دو ہائیر پورٹ آئے گا درمیان میں۔ لیکن خیر۔ یکم نومبر کی صبح وہ پاکستان میں ہوگی۔

وہ ایک سال سے ماں سے نہیں ملی تھی۔ لیکن ان کی بیماری کے یہ آخری چھے ماہ چھے سال پہ محیط تھے۔ اب بالآخر تکلیف ختم ہونے والی تھی۔

وہ اپنی ماں سے ملنے جا رہی تھی۔)

''ہر انسان اس قلم کے لکھے کا پابند ہے۔ اسے اپنا مکتوب وقت پورا کرنا ہی ہے۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یکم نومبر کی صبح ایک خوبصورت خواب سے ہوئی تھی۔

کشمالہ کی آنکھ آہستہ سے کھلی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ آج بند آنکھوں کے دوسری طرف کوئی ڈراؤنا خواب نہیں آیا تھا۔ آج اس نے ایک خوبصورت' ایک پیارا خواب دیکھا تھا۔ وہ چند لمحے اپنے خواب کو سوچتی رہی۔ نہ جانے اس کا کیا مطلب تھا۔

پھر فجر کی اذان پہ اس کی توجہ بھٹکی۔ بیڈ پہ حرکت ہوئی تو اس نے کہنی کے بل پہلو بدلا۔ ماں پیر بستر سے اتارتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ساتھ ہی وہ سو کے اٹھنے کی دعا پڑھ رہی تھیں۔

''جاگ گئیں؟'' اس نے مسکرا کے ان کی پشت کو دیکھ کے پوچھا۔ وہ سائیڈ ٹیبل کا سہارا لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ہاں۔ لیکن آج میں فجر کے بعد سوؤں گی۔'' انہوں نے گھڑی دیکھی۔

مالا مسکرا دی۔ ماں فجر کے بعد نہیں سوتی تھیں لیکن آج صبح ماہی نے پہنچنا تھا۔ وہ اس کے استقبال کے لیے پوری طرح سے تازہ دم ہونا چاہتی تھیں۔

''سوچ رہی ہوں اب تمہارا کمرہ چھوڑ کے اپنے کمرے میں منتقل ہو جاؤں۔'' جب وہ باتھ روم سے وضو کر کے نکلیں تو یونہی کہنے لگیں۔ ''کیوں؟''

تم ڈسٹرب ہوتی ہو گی نا' بیٹے۔'' وہ گیلے آستین نیچے کر رہی تھیں۔

وہ بے اختیار ہنس دی۔ ''چھ ماہ بعد خیال آیا کہ میں ڈسٹرب ہوتی ہوں گی۔ صاف صاف کہیں۔ آپ کی فیورٹ بیٹی آ رہی ہے اور آپ اس کے کمرے میں شفٹ ہونا چاہتی ہیں۔'' مالا جانتی تھی ماہی کے سامنے معید اور وہ بہت پیچھے چلے جائیں گے۔ وہ ایسی ہی تھی۔ آئے گی اور چھا جائے گی۔

وہ محض مسکرا دیں۔ پھر سفید دوپٹہ سر پہ لپیٹا۔ اور بیڈ کے کنارے پہ بیٹھیں۔ دوپٹہ کانوں کے پیچھے اڑسا۔ چند سفید بال باہر کو جھانکنے لگے۔ مالا نے ان کے بالوں کی سفیدی کو دیکھتے ہوئے ''اوہ'' میں لب گول کیے۔

''ماہی کے آنے سے پہلے آپ کا ہیئر ڈائی لگا دوں گی۔ ورنہ وہ بہت بولے گی۔'' کانوں کو باری باری چھوا۔ ماں نے ہلکے سے ہنس کے سر جھٹک دیا۔

ان کو نماز پڑھتے چھوڑ کے وہ باہر چلی گئی۔ باہر ابھی اندھیرا تھا۔ جب وہ واپس آئی تو ہاتھ میں موتیے کے پھولوں کی ٹوکری تھی۔ ماں نے سلام پھیرا اور چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی میں ان کی سبز آنکھوں کے گرد جھریاں صاف دکھائی دیتی تھیں۔

''ماہی دوہا پہنچ گئی ہو گی۔'' وہ ساتھ ساتھ زیر لب اذکار پڑھ رہی تھیں۔

''جی۔ کہہ رہی تھی بہت کوشش کی کہ کہیں اور سے اچھی فلائٹ مل جائے لیکن اس کا ناپسندیدہ ائیر پورٹ پھر سے آ گیا درمیان میں۔'' مالا نے موتیے کے پھول ان کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھے۔

''میں اب سوؤں گی' بیٹے۔'' وہ سیدھی ہونے لگی تھی جب ماں نے اپنا بھاری جھریوں زدہ ہاتھ اس کے ہاتھ پہ رکھا۔ اس نے مسکرا کے انہیں دیکھا۔ وہ بھی مسکرائیں۔ کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن پھر خاموش رہیں۔ اور

اپنا ہاتھ ہٹا دیا۔ نہ جانے کیا کہنے لگی تھیں۔ یونہی اپنا خواب یاد آیا۔

''آپ آرام کریں۔ میں آج آپ کے نئے کپڑے نکلواتی ہوں۔ ماہی کو اپنی ماں ٹپ ٹاپ پسند ہے۔ ہیئر ڈائی بھی کیجیئے گا اور میک اپ بھی۔''

وہ الماری کی طرف آئی اور اس کو کھول کے ان کے کپڑے دیکھنے لگی۔ جب سے ماں بیمار ہوئی تھیں' معید اور مالا کی ساری توجہ ان کی صحت پہ تھی۔ خوراک۔ دوائیں۔ ان کے نئے کپڑے بہت بنوائے تھے۔ خیر۔ ماہی آرہی ہے نا۔ وہی کرے گی یہ کام۔

''ماں آپ کے لیے چائے بنوا دوں؟''

''میں سوؤں گی' بیٹے۔'' انہوں نے بازو ماتھے پہ رکھے رکھے کہا۔ وہ نیند میں جا رہی تھیں۔ ساتھ ہی وہ زیرِ لب کوئی اذکار پڑھ رہی تھیں۔ مالا جانتی تھی وہ ماہی کے آنے سے پہلے کا وقت جلد از جلد کاٹنا چاہتی تھیں۔

وہ سو گئیں اور ان کے سانس کی آواز کمرے میں گونجنے لگی تو وہ باہر چلی آئی۔

باہر ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی۔ آج یکم نومبر تھی۔ اور ہر چیز ٹھیک تھی۔

اس کے سارے خوف' سارے واہمے پیچھے رہ گئے تھے۔

اس کی زندگی کی کہانی بالآخر مکمل تھی۔ کیا تھا جو اس میں ایک مرد نہیں تھا۔ اسے مرد نہیں چاہیے تھا۔ اسے اپنی ماں چاہیے تھی۔

وہ موتیے کے پودے تک آئی اور چند پھول اتارنے لگی۔ ماہی کو بھی پھول پسند تھے۔ سوچا لاؤنج میں بھی رکھ دے گی تاکہ اس کے آتے ہی سارے گھر میں سے خوشبو محسوس ہو۔ ماہی کی عادت تھی کہ گھر میں داخل ہوتے ہی ہر جگہ نقص نکالے گی۔ فلاں چیز ٹھیک نہیں۔ یہ جگہ پہ نہیں۔ ہونہہ۔ ماہی نہیں تھی تو کسی نے گھر کا خیال نہیں رکھا۔ اور واقعی وہ آتے ہی گھر کا سارا بگڑا حلیہ درست کر دیا کرتی تھی۔

پھول توڑتے ہوئے اپنے خواب کے بارے میں سوچنے لگی۔ ابھی کیا دیکھا تھا اس نے؟

مالا نے آنکھیں بند کیں۔ ایک منظر نظروں کے سامنے بنتا گیا۔

وہ اپنے کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ سامنے ماں وہیل چیئر پہ بیٹھی ہیں۔ اس کے کمرے کی چوکھٹ پہ۔ پیچھے کوئی چھوٹے قد کی عورت وہیل چیئر تھامے ہوئے ہے۔ وہ ماں کو دیکھ کے مسکراتی ہے۔ وہ بھی چہرہ اٹھا کے اسے دیکھتی ہیں۔ پھر مسکراتی ہیں۔

وہ ان کے قدموں میں بیٹھ کے ان کے ہاتھ تھام لیتی ہے۔

''آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟ میں آپ کو چھوڑ کے چلی گئی تھی ایک دفعہ۔''

''نہیں بیٹے۔ میں نے تو ساری باتیں بھلا دی ہیں۔ میں ناراض نہیں ہوں۔'' وہ بھی مسکراتی ہیں۔ ان کی آنکھیں بہت چھوٹی ہیں۔ حقیقت سے بھی چھوٹی۔ پھر وہ آگے بڑھتی ہے اور ان سے گلے ملتی ہے۔ اس کے سیاہ اسکارف کی نرمی اسے محسوس ہوتی ہے...

پھول توڑتا اس کا ہاتھ رک گیا۔ سیاہ اسکارف؟ وہ چونکی۔ ماں نے خواب میں اسکارف لے رکھا تھا۔ کالا سیاہ اسکارف جس سے صرف چہرہ نظر آتا تھا۔ ایسا اسکارف انہوں نے پہلے کب لیا تھا؟

ہاں۔ اسے یاد آیا۔

احرام کا سیاہ اسکارف۔ جب وہ حج کرنے گئی تھیں۔

اللہ کے گھر۔

کسی کانٹے سے انگلی ٹکرائی۔ خون کی بوند ٹپکی۔ پھول ہاتھ سے گرے۔ وہ ایک دم اندر بھاگی۔

''ماں... ماں...''

وہ دیوانہ وار بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اسی طرح کروٹ لیے سو رہی تھیں۔ وہ ان کے سرہانے جھکی اور تیزی سے ان کو جھنجھوڑا۔

''ماں۔ ماں...''

ان کی رنگت سفید تھی۔ اور بند ہوئی آنکھیں بہت چھوٹی لگ رہی تھیں۔

مالا نے کپکپاتے ہاتھ سے ان کا ماتھا چھوا۔

وہ ٹھنڈا تھا۔ برف جیسا ٹھنڈا۔

''ماں۔ میری ماں۔'' وہ چیختے ہوئے ان کا چہرہ تھپتھپا رہی تھی۔

وہاں کوئی آواز نہیں تھی۔ صرف سناٹا تھا۔

اور سفید چہرے پہ ایک پرسکون سی مسکراہٹ تھی۔ ایک آواز تھی جو ہر طرف سنائی دے رہی تھی۔

''آج میں فجر کے بعد سو جاؤں گی۔''

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔''

''میں نے ساری باتیں بھلا دی ہیں۔''

ہر چیز سلوموشن فلم کی طرح ہو رہی تھی۔ ایسی فلم جس میں کوئی آواز نہیں ہوتی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی پیچھے ہٹتی گئی۔ یہاں تک کہ اس کی کمر کھڑکی سے جا لگی۔

اس نے بھاگتے ہوئے معید کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھا۔ بخت بی اونچا اونچا رو رہی تھیں۔

معید ان کی کلائی پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ پھر گردن پہ۔ وہ کچھ پکار پکار کے کہہ رہا تھا۔

اسے صرف لب ہلتے دکھائی دے رہے تھے۔ معید ان کی آنکھوں پہ ہاتھ پھیر کے انہیں بند کر رہا تھا۔

''آج میں فجر کے بعد سو جاؤں گی۔''

کوئی آواز نہیں تھی۔ کوئی صدا نہیں تھی۔ معید زمین پہ بیٹھے اپنا سر بیڈ سے لگائے رو رہا تھا۔ بخت بی روتے ہوئے ان کے چہرے کے گرد کپڑا لپیٹ رہی تھی۔

اور وہ ساکت سی کھڑکی سے کمر ٹکائے کھڑی تھی۔ جامد۔ مبہوت۔ لب کپکپا رہے تھے۔ آنکھوں سے بے آواز آنسو گر رہے تھے۔ لیکن آنکھیں اسی طرح شاک کے عالم میں کھلی تھیں۔

''آج میں فجر کے بعد سو جاؤں گی۔''

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہ بینہ فرید حمد انٹرنیشنل ایئر پورٹ (دوہا) کے ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھی بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔ اس نے لمبا کوٹ پہن رکھا تھا اور اسکارف سر پہ لپیٹے ہوئے تھی۔ اسے آج کچھ زیادہ ہی ٹھنڈ لگ رہی تھی۔ ساتھ اسٹرولر میں لیٹی ننھی حور خاموشی سے سو رہی تھی۔

بالآخر گیٹ کھلنے کی اناؤنسمنٹ سنائی دینے لگی۔ وہ بالآخر مسکرا دی۔ اور کاٹ میں لیٹی سوتی ہوئی بچی کو دیکھا۔

''حور... بس پانچ گھنٹے بعد ہم لاہور میں ہوں گے۔ ماں کے پاس۔''

وہ اسٹرولر دھکیلتے ہوئے اٹھی ہی تھی کہ اس کا فون بجا۔ اس نے نکال کے دیکھا۔ واٹس ایپ پہ سلیم کی کال آرہی تھی۔ اُف۔ جب سے اس نے سلیم سے کہا تھا کہ اسے گھر میں ہونے والی ہر بات کی اطلاع کرتا رہے' اس کی ہر روز ہی کال آتی تھی۔ اس نے عجلت میں فون کان سے لگایا۔

''کتنی دفعہ بتاؤں' تمہاری شلٹیں لا رہی ہوں۔''

''ماہی باجی... ماہی باجی...''

ماہی کو پہلے تو سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ رو رہا ہے یا ہنس رہا ہے۔

''کیا ہوا سلیم؟ اونچا بولو۔'' اردگرد اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی۔ اس نے دوسرے کان پہ ہاتھ رکھ کے سننا چاہا۔ وہ کہیں راستے کے بیچ کھڑی تھی۔

''ماہی باجی آپ کہاں ہیں؟'' وہ اونچا اونچا رو رہا تھا۔ اس کا دل بری طرح سے دھڑکا۔

''کیا ہوا ہے؟ بولو نا۔''

''بڑی بی بی فوت ہوگئی ہیں۔''

اس کے کانوں میں سلیم کی آواز گونجی۔ اسے سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ کون تھا؟ بڑی بی بی کون تھی؟

''کیا مذاق ہے، سلیم؟ کیا کہہ رہے ہو؟'' اس کو اپنی آواز چلاتی ہوئی سنائی دی۔

وہ کون تھی؟ اسٹرولر میں لیٹی بچی کون تھی؟

''ان کا ہارٹ فیل ہوا ہے۔ سوتے میں۔'' وہ روتے ہوئے بتا رہا تھا۔

''ماہی باجی.... بڑی بی بی فوت ہوگئی ہیں۔''

سینے میں کچھ زور سے آ کے لگا۔ جیسے دور سے اڑتا ہوا کوئی تیر ہو۔ ماہی کو لگا اس کے سینے سے خون ابلنے لگا ہے۔

''بکواس کر رہے ہو تم۔ یہ مذاق ہے کوئی ہاں؟ میں ائیر پورٹ پہ ہوں۔ ائیر پورٹ پہ۔'' وہ چلائی لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

''ماہی باجی بڑی بی بی چلی گئیں۔''

''سلیم اس کو کیوں کال کر رہے ہو؟ ڈفر۔ جاہل۔'' پیچھے سے معید کی چلاتی آواز آئی۔ کسی نے فون کھینچا۔

''ماہی...''

''معید... معید...'' وہ ایک ہاتھ سینے پہ رکھے اونچا اونچا چلا رہی تھی۔ اردگرد لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔

''معید مجھے سچ بتاؤ۔ میری ماں ٹھیک ہے؟''

''ماہی...'' وہ بھی ایک دم بچوں کی طرح رونے لگا۔

''ماہی تم کیوں نہیں آئیں؟''

''معید میری ماں کہاں ہے؟'' وہ چیخی۔

''ماں چلی گئیں۔''

فون پھسل کے نیچے جا گرا۔اس نے دونوں ہاتھ کانوں پہ رکھ لیے۔چہرہ آنسوؤں سے یوں تر تھا جیسے بارش سے گیلا ہو۔وہ اونچا اونچا رو رہی تھی۔

''میری ماں.... میری ماں...''

لوگ بھاگتے ہوئے اس کی طرف آ رہے تھے۔اسے دھندلی آنکھوں اور اپنی چیخوں کے درمیان میں کہیں سیکیورٹی گارڈ نظر آیا۔کسی نے پانی کی بوتل بڑھائی۔ایک بچے کی رونے کی آواز۔

''یہ بچہ کس کا ہے؟''

''میم... آپ نے بورڈنگ کرنی ہے؟ گیٹ کلوز ہونے والا ہے۔''

مگر وہ کوٹ والی لڑکی زمین پہ بیٹھے اونچا اونچا رو رہی تھی۔

''میری ماں نے میرا انتظار نہیں کیا۔کیوں؟ کیوں؟''وہ اوپر دیکھتے ہوئے روتے ہوئے کسی سے پوچھ رہی تھی۔

بچی کے حلق پھاڑ کے رونے کی آواز بھی ساتھ شامل ہو گئی تھی۔کوئی اسے کندھے سے جھنجھوڑ رہا تھا۔

''کیوں؟ کیوں؟''وہ گردن اٹھائے اوپر کسی سے پوچھ رہی تھی۔

''میں آ رہی تھی۔میں راستے میں تھی۔کیوں میری ماں چلی گئی؟ کیوں؟''

کسی نے اس کا کندھا جھنجھوڑا۔ماہی نے سر اٹھا کے اپنے ارد گرد دیکھا۔بھانت بھانت کی بولیاں۔مختلف ملکوں کے لوگ۔کسی نے اسٹرولر اس کی طرف بڑھایا۔

ہر روتا بچہ ماں کو دیا جاتا ہے۔کیونکہ اسے صرف اس کی ماں سنبھال سکتی ہے۔

وہ کس کے پاس جائے گی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

خبر جنگل میں آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ہمسائیوں سے لوگ آنے لگے تھے۔کچھ لوگ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔کچھ عورتیں اندر مالا کے کمرے میں۔کسی نے ششدر سی مالا کو ماں کے ساتھ کرسی پہ بٹھا دیا تھا۔

وہ بس گم صم تھی۔اس کے کھلے بال چہرے کے دائیں بائیں گر رہے تھے۔وہ وہ گردن ترچھی کیے ماں کے سوتے وجود کو دیکھ رہی تھی۔آنسو آنکھوں سے گر رہے تھے۔لیکن آواز نہیں نکل رہی تھی۔

"بیٹا رولو۔ اونچا اونچا رولو۔ اندر سے غم نکالو" کسی رشتے دار خاتون نے کہا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اونچا رونے کے لیے آواز چاہیے ہوتی ہے۔ آج ساری آوازیں دم توڑ گئی تھیں۔

کوئی اس کے ساتھ آ کے بیٹھا۔ اس نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ پھر سوچنے کی کوشش کی کہ وہ کون تھیں۔ ہاں۔ اسے یاد آیا۔ اس پٹھان بچے کی ماں انہی کے گھر کام کرتی تھی۔ یہ ان کے ہمسائے سے آئی تھیں۔ ڈاکٹر سلیمہ۔ ادھیڑ عمر خاتون۔ فٹ اور اسمارٹ سی۔ باب کٹ بال۔ وہ دنیا گھومتی تھیں۔ سوشل ورک کرتی تھیں۔ ان کے بچے ڈاکٹرز تھے اور شادی شدہ تھے۔ ماں کی دوست تھیں۔ پہلے بھی آتی تھیں۔

وہ اس کے ساتھ بیٹھ کے افسوس کرنے لگیں۔ اس نے چہرہ پھیر لیا۔ اس وقت اسے کچھ نہیں سننا تھا۔

"ماہی سے بات ہوگئی ہے۔ اس نے فلائٹ لے لی ہے۔ وہ جنازے سے پہلے پہنچ جائے گی۔"

معید نے اندر داخل ہوتے ہوئے بتایا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور گیلی تھیں اور وہ نڈھال لگتا تھا۔ مالا نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ ابھی تک نائٹ سوٹ پہنے ہوئے تھی۔ کسی نے اسے دوپٹہ دیا جو اس نے میکانکی انداز میں کندھوں پہ لپیٹ لیا تھا۔ نیچے سے بال دوپٹے میں چھپ گئے۔ چہرے کے اطراف میں اسی طرح الجھے ہوئے سے گر رہے تھے۔

بخت بی اندر آئی اور ایک دفعہ پھر ہائے میری باجی کہہ کے ماں کا چہرہ دیکھ کے اونچا اونچا رونے لگی۔

"کوئی میری ماں کی موت پہ بین نہیں ڈالے گا۔" معید ایک دم اونچی آواز میں غرایا۔ بخت بی کو چپ لگ گئی۔

"میری ماں نے ساری عمر اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ آپ کے بین سے ان کو تکلیف ہوگی۔ میں بتائے دے رہا ہوں۔" اس نے سب خواتین کو دیکھ کے انگلی اٹھا کے تنبیہہ کی۔ "کوئی ماتم نہیں کرے گا نہ بین ڈالے گا۔ جس نے رونا ہے (آواز کانپی) ہلکی آواز میں روئے۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کے گر رہے تھے۔ یہ کہہ کے اس نے کرسی کھینچی اور ساتھ بیٹھ گیا۔ ایک دم خاموشی چھا گئی۔ پھر کسی نے ہمت کر کے اسے کہا۔

"بیٹا باہر قناتوں کا انتظام کروایا ہے۔"

"مجھے نہیں پتہ۔" معید نے ہاتھ جھلا کے سر جھٹکا۔ اور جھک کے ماں کا ٹھنڈا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اس پہ اپنا چہرہ رکھا اور بے آواز رونے لگا۔

وہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کسی نے اسے پکارا لیکن وہ نہیں رکی۔ ننگے پیروں سے چلتی کچن تک آئی۔

"میں فجر کے بعد سوؤں گی۔"

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔''

کچن میں خاموشی تھی۔ لاؤنج والی خواتین بھی اندر جا چکی تھیں۔ ابھی صبح کے سات بجے تھے۔ ہر گزرتی گھڑی کے ساتھ رش بڑھتا جائے گا۔ اسے کچھ دیر کے لیے تنہائی چاہیے تھی۔

وہ خالی کچن کاؤنٹر پہ آ بیٹھی۔ چپ۔ گم صم۔ آنسو اسی طرح بہہ رہے تھے۔ اس نے چاہا کہ کھل کے رو لے۔ اونچا اونچا۔ بھلے بین ہی ہو۔ ماتم ہی ہو۔ لیکن آواز نہیں نکلی۔ لب کھولے ہی تھے کہ

''سچ اے شاک' کشمالہ۔'' ہیل کی ٹک ٹک کی آواز پہ وہ چونکی۔ چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ ڈاکٹر سلیمہ وہیں چلی آ رہی تھیں۔ ان کے باب کٹ بھورے بال بلو ڈرائی سے سیٹ تھے۔ کلف لگا دوپٹہ سر پہ تھا۔

مالا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ وہ اس وقت اکیلے ہونا چاہتی تھی۔

''میں کچھ دیر میں جانے والی ہوں۔ میری نیویارک کی فلائٹ ہے۔'' انہوں نے اپنی ایپ واچ دیکھی۔ پھر اس کو دیکھا جو لاتعلق سی کھڑی تھی۔

''تم ابھی شاک میں ہو۔ یہ grief کی پہلی اسٹیج ہوتی ہے۔''

''مجھے grief کی ساری اسٹیجز معلوم ہیں' آنٹی۔ ساری اسٹیجز ختم ہو گئی ہیں۔'' اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ''میری ماں کے ساتھ سب ختم ہو گیا ہے۔''

''کیا واقعی؟'' وہ اس کے عین سامنے آ رکیں۔ کمان جیسے ابرو اٹھا کے پوچھا۔

کشمالہ نے بھیگی آنکھیں کھولیں۔

''آج میری اور میری ماں کی کہانی ختم ہو گئی۔'' گرم گرم پانی آنکھوں سے گرنے لگا۔

''کشمالہ...''

''میں وہیں آ رہی ہوں۔ آپ بیٹھیں۔'' اس نے رخ پھیر لیا۔ وہ یہاں اکیلے ہونا چاہتی تھی۔ یہ پیچھے کیوں آ گئی تھیں؟

''میری ماں کی ڈیتھ کو چالیس سال ہو گئے ہیں۔ تب میں شاید اکیس برس کی تھی...''

''آپ کو پانی دوں؟'' وہ چہرہ موڑ کے گلاس الٹ پلٹ کرنے لگی۔

شاید پانی لبوں سے لگے تو وہ خاموش ہو جائیں۔ اسے خاموشی چاہیے تھی۔

''میں اس وقت تم سے چھوٹی تھی...'' وہ کاؤنٹر کے ساتھ کہنی رکھ کے کھڑی کہہ رہی تھیں۔ اس نے بے چینی

سے پہلو بدلا۔ وہ اپنی ماں کی موت کا بتا رہی تھیں۔ کینسر ہوا تھا انہیں۔ مالا ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اسے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اکیلے ہونا چاہتی تھی۔ ہر چیز سے دور۔ فرار۔ یہی اس کا ڈیفنس میکنزم تھا۔

''میری ماں کی موت کے بعد میری ایک سرجری تھی۔ میرے ہارٹ میں ایشو تھا۔''

''میں ذرا کسی کو کال کر لوں۔ قناتوں کے لیے... ''اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ موبائل کہاں تھا۔ اُف وہ انہیں یہاں سے کیسے ہٹائے۔

''سرجری سے پہلے جب انہوں نے مجھے اوٹی میں لٹایا تو...''

جیب میں۔ موبائل نائٹ سوٹ کی جیب میں تھا۔ اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے موبائل نکالا اور کسی کو کال ملانے لگی۔ کس کو۔ اسے خود نہیں معلوم تھا۔ بس وہ چاہتی تھی کہ وہ خاموش ہو جائیں۔ شاید انہیں احساس ہو جائے کہ وہ نہیں سن رہی۔

وہ ابھی تک کچھ کہہ رہی تھی۔ مالا کپکپاتی انگلیوں سے نمبر ملانے لگی۔ اسکرین پہ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔

دوسری طرف رنگ ٹون جا رہی تھی۔ ڈاکٹر سلیمہ اور رنگ ٹون کی آواز آپس میں گڈمڈ ہونے لگی۔

''اس روز مجھے ایک راز معلوم ہوا۔''

کسی خواب کی سی کیفیت میں کشمالہ نے چہرہ اٹھایا۔ فون والا ہاتھ نیچے گر گیا۔ رنگ ٹون سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ بس ان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ حیران' عجیب آنکھوں سے۔

وہ کچھ کہہ رہی تھیں۔ کچھ جو اسے سننا تھا۔

''کیا؟''

وہ دو قدم قریب آئیں۔ اور مسکرائیں۔ ان کے چہرے پہ مدھم سی جھریاں پڑ گئیں۔

''ہر وہ بچہ جس کی ماں مر جاتی ہے' اس کو ایک راز تھمایا جاتا ہے۔ ایک ایسا راز جس سے وہ لوگ واقف نہیں ہیں جن کی مائیں زندہ ہیں۔''

وہ ساکت سی انہیں دیکھ رہی تھی۔ آنسو رک گئے تھے۔

''کچھ بچے اس راز پہ کان لپیٹ لیتے ہیں۔ اور کچھ... کچھ اسے سنتے ہیں۔ غور سے....''

وہ بنا پلک جھپکے ان کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ راز ان بہت سے لوگوں کو معلوم ہے۔ جن کی مائیں ان کی زندگیوں سے چلی گئی ہیں۔ لیکن ان بچوں نے دنیا

والوں کے ساتھ ایک بہت بڑی زیادتی کی۔ انہوں نے اس راز کو خود تک روک لیا۔'' انہوں نے نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''میں نہیں روکنا چاہتی۔ چالیس سال پہلے میری ماں مری تھی۔ آج تمہاری ماں مری ہے۔ اس لیے میں تمہیں ایک راز بتانا چاہتی ہوں۔''

''اس سے کیا فرق پڑے گا؟ میری اور میری ماں کی کہانی تو ختم ہو گئی۔''

''اور اگر میں تم سے یہ کہوں کشمالہ... ''ان کی آواز مدھم ہوئی اور آنکھیں بھیگ گئیں۔

''کہ تمہاری اور تمہاری ماں کی اصل کہانی اب شروع ہوئی ہے.... تو؟''

وہ جہاں تھی ساکت رہ گئی۔ ساری دنیا تھم گئی۔

'' کیسے؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قریباً گھنٹے بھر بعد کشمالہ مبین اپنے کمرے میں واپس داخل ہوئی تو اس کا چہرہ وہ نہیں تھا۔ کچھ تھا جو وہاں بدل گیا تھا۔ کچھ خواتین خود ہی ماں کی میت کو لاؤنج میں منتقل کروا رہی تھیں کہ اب وہاں رش بڑھ گیا تھا۔ ایسے میں وہ الماری تک آئی اور اندر سے ایک فیروزی لباس نکال کے بخت بی کی طرف بڑھایا۔

''استری کر دیں۔'' اس کا چہرہ اور آنکھیں خشک تھیں۔ بخت بی جو خود رو رو کے نڈھال سی بیٹھی تھی' چونک کے اسے دیکھنے لگیں۔ لیکن کشمالہ کے چہرے پہ صرف سنجیدگی تھی۔ انہوں نے ہچکچاتے ہوئے سوٹ تھام لیا۔

''اپنی ساری بیٹیوں کو کال کریں۔ ان سے کہیں کہ فوراً یہاں پہنچیں۔ جنازے اور اس کے بعد کے سارے معاملات ان کو سنبھالنے ہوں گے۔'' وہ سنجیدگی سے ہدایات دے رہی تھی۔

''بانو سے کہنا لازمی آئے۔ بانو کو بچوں کا تجربہ ہے۔ ماہی کی بچی کو سنبھالنا ہو گا۔ اور سلیم سے کہیں' مہمانوں کے لیے چائے بنائے اور سب سے ناشتے کا پوچھے۔''

وہ تاکید کر کے آگے بڑھ گئی۔ بخت بی عجیب نظروں سے اسے جاتے دیکھ رہی تھی۔

باتھ روم میں آتے ہی اسے زور کا چکر آیا۔ اس نے دیوار کو تھام لیا۔ پھر آنکھیں بند کیں۔ بہت سے آنسو روکے۔

(تمہاری اور تمہاری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے۔)

اس نے اپنے زرد پڑتے چہرے پہ بہت سا پانی ڈالا۔ جلتے انگاروں کو ٹھنڈک ملی۔

میری اور میری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے۔ وہ آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے بڑبڑائی۔

تھوڑی دیر بعد وہ تیار نظر آ رہی تھی۔ گیلے بالوں کو اونچی پونی میں باندھا۔ دوپٹہ سر پہ لیا۔ اور پیروں میں سیاہ کھسے پہنے۔ اسے اپنی ماں کے جنازے کے انتظامات کرنے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ چند افراد کے ساتھ کھڑی ہدایات دیتی نظر آ رہی تھی۔

''ہاں مجھے معلوم ہے اب گرمی نہیں ہے۔ یہ نومبر ہے لیکن جب لوگ زیادہ ہوں گے تو گرمی ہو جائے گی' جاوید۔'' وہ ڈپٹ کے کہہ رہی تھی۔ ''ایک پنکھا مجھے وہاں چاہیے۔ ایک اس طرف۔'' انگلی اٹھا اٹھا کے وہ مختلف جگہوں کی نشاندہی کر رہی تھی۔ لان میں کرسیاں لگوائی جا رہی تھیں۔ سڑک کے باہر گاڑیاں کھڑی تھیں۔ چند لوگ قناتیں نصب کر رہے تھے۔

''مجھے کفن کا کپڑا چاہیے۔ ابھی۔'' وہ اب موبائل کان سے لگائے کسی سے کہہ رہی تھی۔ ''نہیں غسل کا مسئلہ نہیں ہے۔ مولوی صاحب کی بیوی آ جائے گی۔ میں اور میری بہن اس کے ساتھ مل کے غسل دیں گے۔''

اس کی آنکھیں خشک تھیں اور انداز مصروف۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کے دس بجے تھے جب ماموں کی کار گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ وہ اسلام آباد سے پہنچتے ہی پہلے ائیر پورٹ گئے تھے۔ اور اب واپس آئے تو لان خواتین سے بھرا ہوا تھا۔

پچھلی سیٹ کا دروازہ کھلا اور سیاہ کوٹ والی لڑکی باہر نکلی۔ اس کا ریشمی اسکارف ڈھلک کے پیچھے جا گرا تھا۔ الجھے الجھے بال۔ گیلا چہرہ۔ اس کی نظریں لان تک گئیں اور پلٹنا بھول گئیں۔

میت اب لان میں رکھی تھی اور اس کے گرد عورتیں بیٹھی تھیں۔

ماہی نے بے اختیار دل پہ ہاتھ رکھ لیا۔ اس کے رونے کی بلند آواز نے سب کے سر موڑ دیے۔ کچھ عورتیں اس کی طرف بھاگیں۔

''ماہی تیری ماں نے تیرا انتظار نہیں کیا...''

''ماہی بیٹا تو نے بہت دیر کر دی....''

''ہائے حورِ جہاں کی بدقسمت بیٹی....''

''پردیس والوں کے مسئلے....''

"شکر ہے میت کے منہ پہ پہنچ گئی۔"

ہر طرف سے آوازیں تھیں۔ افسوس تھے۔ اور وہ اس سب سے بے نیاز اونچا اونچا روئے جا رہی تھی۔

عورتیں اسے سہارا دے کر میت کی چارپائی تک لے آئیں۔ کوئی اسے کہہ رہا تھا کہ ماں کا چہرہ دیکھو۔ دیکھو کیسی جنتی اور پرنور لگ رہی ہے۔

لیکن ماہ بینہ اپنی ماں کا چہرہ دیکھنے نہیں آئی تھی۔

وہ اپنی ماں کے پیروں تک گئی اور دونوں ہاتھوں سے کفن میں لپٹے پیر تھام لیے۔

"ماں میں راستے میں تھی۔ ماں مجھ سے ناراض نہ ہونا۔" وہ ان پیروں پہ سر رکھے بلند آواز میں روئے جا رہی تھی۔ "میری ماں مجھ سے ناراض نہ ہونا۔ میں بہت مجبور تھی۔ ماں مجھے معاف کر دیں۔"

اس کی حالت دیکھ کے ہر کوئی رو رہا تھا۔ مرد حضرات کی بھی آنکھیں اشکبار تھیں۔ اگر کوئی نہیں رو رہا تھا تو وہ کشمالہ مبین تھی۔ جہاں سب ماہی کی طرف متوجہ تھے، وہاں کشمالہ بانو کے ساتھ کار میں رکھا کاٹ نکال رہی تھی۔ اس کے اندر لیٹی بچی اپنی سبز آنکھیں جھپک جھپک کے دنیا کو دیکھ رہی تھی۔ حیران اور خوبصورت آنکھیں۔

کشمالہ نے نرمی سے اس کو اپنے دونوں بازوؤں میں اٹھایا اور مسکرا کے اس کا چہرہ دیکھا۔

"میری اور میری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے۔"

پھر اس نے بچی کو اپنے کندھے سے لگالیا۔

"اس کو ٹھنڈ لگ جائے گی۔ اسے اندر ہیٹر پہ لے کر بیٹھ جاؤ۔" اس نے بچی بانو کو تھمائی۔ بانو نے سمجھداری سے بچی اٹھالی اور اندر لے گئی۔

پھر وہ رش میں سے راستہ بناتے ہوئے ماہی کی طرف آئی۔ وہ ماں کے قدموں میں بیٹھی اب رو رو کے نڈھال ہو چکی تھی۔ مالا نے اس کا سر اپنے کندھے سے لگالیا۔

"مالا.... ماں نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟" وہ بچوں کی طرح بلک بلک کے رو رہی تھی۔

وہ کچھ نہیں بولی۔ بے آواز آنسو اس کی آنکھوں سے بھی گرنے لگے۔

"ماموں آگئے ہیں۔ ماہی آگئی ہے۔" کسی عورت نے سمجھداری سے اس کے قریب سرگوشی کی۔ "سب آگئے ہیں۔ اب جنازے میں دیر نہ کرنا۔ میت کو تکلیف ہوتی ہے۔"

مالا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سب آگئے تھے۔ اب دیر نہیں ہوگی۔

اور اسی لمحے اس کے ذہن میں جھماکہ سا ہوا۔

ایک شخصیت تھی جو ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ جو اپنے پسندیدہ جنازوں پہ نیا لباس اور نیا زیور پہن کے آتی تھی۔

وہ بالکل ساکت رہ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ بیگم اس صبح دیر سے جاگی تھیں۔ فون رات سے بند تھا۔ ناشتے کی میز پہ ملازم نے ڈرتے ڈرتے اطلاع دی کہ بہت سے لوگ فون کر چکے ہیں۔ کسی کا انتقال ہو گیا ہے۔

''کون مر گیا ہے؟''

انہوں نے بے زاری سے فون آن کیا۔ بہت سی میسج ٹونز ایک ساتھ بجی۔ اگلے ہی لمحے کبیرہ سادان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

کرسی دھکیلتی وہ ایک دم کھڑی ہوئیں۔

''آفس فون کر کے آج کی ساری میٹنگز کینسل کر دو۔ میں کسی کی کال تک اٹینڈ نہیں کروں گی۔'' ملازمہ کو ہدایات دیتی وہ اپنے کمرے کی طرف مڑ گئیں۔

''آج مجھے ایک جنازہ اٹینڈ کرنا ہے۔''

کبیرہ سادان کو تیاری میں کافی دیر لگی تھی۔ بین گلے اور پوری آستین والا سیاہ لباس بہت خوبصورت اور باوقار تھا۔ کف پہ سیاہ موتیوں کا کام کیا گیا تھا۔ وہ اپنے خوبصورت چہرے پہ ایک مطمئن نظر ڈال کے لائنر لگانے لگیں۔ پھر لبوں کو لپ اسٹک سے گلابی کیا۔

بالآخر انہوں نے اپنا جیولری باکس کھولا۔ نئے ڈائمنڈز۔ نئے پرلز۔ pearls۔ ہر شے جو انہوں نے ماہی کے بچے کی موت کے لیے سنبھال رکھی تھی، آج کام آنی تھی۔

آج ان کی سب سے بڑی دشمن کی موت واقع ہوئی تھی۔ آج عالیان کی موت کا بدلہ پورا ہوا تھا۔

''قسمت۔'' وہ اپنا عکس دیکھ کے مسکرائیں۔ ''جیسے میں اپنے عالیان کو ایک لمبے عرصے تک نہیں دیکھ سکی تھی۔ ویسے ہی تم بھی اپنی نواسی کو نہیں دیکھ سکیں۔''

وہ مسکراتے ہوئے ایک ایک انگلی میں انگوٹھیاں پہننے لگیں۔ پھر موتیوں کی ایک لڑی گردن میں ڈالی۔ کانوں میں ننھے ٹاپس پہنے۔ وہ مکمل طور پہ تیار تھیں۔ چہرے پہ افسوس طاری کرنے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن وہ ایک اچھی

اداکارہ تھیں۔ وہ وہاں پہنچتے پہنچتے تک اپنے چہرے کو ہمدردی اور افسوس سے بھرلیں گی۔

انہیں جنازے سے عین آدھا گھنٹا پہلے پہنچنا تھا۔ یہ میت کے گھر والوں کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ وقت ہوتا ہے۔ اور اس وقت انہیں سب سے زیادہ سکون ملے گا۔

انہوں نے عامل کے نمبر پہ کال ملائی اور فون کان سے لگالیا۔

''مجھے ایک تعویذ چاہیے۔ ابھی۔ اسی وقت۔'' وہ ہدایات دیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ اپنے کمرے میں فون کان سے لگائے دائیں سے بائیں ٹہل رہی تھی۔

''کھانا کم نہیں پڑنا چاہیے۔ اوکے؟'' سختی سے کہہ کے اس نے فون رکھا۔ ماہی' جو بیڈ پہ بیٹھی اپنی بچی کو فیڈ کروارہی تھی' بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

''ہماری ماں مرگئی ہے اور تمہیں جنازے کی دیگوں کی پڑی ہے؟''

''مجھے اس لیے پڑی ہے کیونکہ ہماری ماں مرگئی ہے۔ وہ ہوتیں تو یہ انتظام خود کرتیں۔ انہوں نے ہمارے گھر سے کبھی کسی کو کھانا کھلائے بغیر نہیں بھیجا۔'' وہ اسی تیزی سے بولی تو ماہی خاموش ہوگئی۔

''عجیب رواج ہیں اس ملک کے۔ موت بھی ہمارے گھر ہوئی ہے۔ کھانا بھی ہم کھلائیں۔''

باہر سے گزرتی بخت بی نے رک کے ادھ کھلے دروازے کو دیکھا۔ اسے یاد تھا۔ بڑی بی بی کی بیماری کے دنوں میں مالا مہمانوں سے کتنا چڑتی تھی۔ ان کو صرف قہوہ اور بسکٹ دیتی تھی تاکہ وہ جلدی جائیں۔ لیکن آج یہ وہ مالا نہیں لگ رہی تھی۔ اسے کچھ ہوگیا تھا۔

''جنازے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔'' مالا اب کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔ نظریں باہر جمع ہوئی عورتوں پہ تھیں۔

''جنازہ....'' ماہی کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں۔ اب تو رونے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی۔

''ہاں ماہی۔ جنازہ ہوگا ابھی اور کبیرہ بیگم آنے کی تیاری کررہی ہوں گی۔''

ماہی بری طرح چونکی۔ اس سارے میں اسے کبیرہ تائی بالکل ہی فراموش ہوگئی تھیں۔

''وہ بھی آئیں گی؟'' وہ بے یقینی سے بولی۔ اور پھر اسے یاد آیا۔ ''جیسے نورِ جہاں خالہ کی ڈیتھ پہ آئی تھیں۔ نیا جوڑا۔ نئی جیولری۔'' اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ ''نہیں۔ اگر وہ آئیں تو میں ان کا منہ نوچ لوں گی۔ میں ان کو جان سے مار ڈالوں گی۔ ان کے جادوؤں نے میری ماں کو مار دیا۔''

''کسی کے جادو نے ہماری ماں کو نہیں مارا' ماہی۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ فیروزی دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ پرسوچ لگ رہا تھا۔ ''ان کا جادو ٹوٹ چکا تھا۔ ہماری دعا سے۔ ہماری پڑھائیوں سے۔ ٹیومر ختم ہوگیا تھا۔ ان کی موت ہارٹ فیل سے ہوئی ہے۔ وہ ایسے ہی لکھی تھی۔ یکم نومبر کو۔ وہ مکتوب تھی۔ ٹیومر ہوتا یا نہ ہوتا۔''

''مگر انہوں نے جادو کیے تھے۔ اپنی کوشش کی تھی۔ یہ ایسا جرم ہے جس کی ایف آئی آر بھی نہیں کروا سکتے ہم۔'' اس نے گود میں لیٹی حور کو دیکھا۔ وہ اب سو چکی تھی۔ ''ہم کتنے بے بس ہیں' مالا۔ ہم ان کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اب وہ ہمارے سامنے آئیں گی۔ روتا چہرہ بنا کے ہم سے ہماری ماں کا افسوس کریں گی۔ میری بیٹی کی مبارکبادیں دیں گی۔''

وہ تنفر سے کہہ رہی تھی جب مالا دھیرے سے بولی۔

''اور وہ تعویذ ڈالیں گی۔''

ماہی دھک سے رہ گئی۔ ''تعویذ؟''

''جیسے نور جہاں خالہ کی ڈیتھ پہ انہوں نے کیا تھا۔'' اس نے پلٹ کے ماہی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر سا تھا۔ ''بھول گئیں؟ میں نہیں بھولی۔''

''کفن میں تعویذ ڈالنے والا جادو۔'' ماہی بڑبڑائی۔ ''تاکہ مردے کے پیچھے اس کا سارا خاندان تباہ ہو جائے۔''

ماہی نے بے بسی سے سر دونوں ہاتھوں میں گرالیا۔

''لیکن ہم کیا کریں؟ ان کو آنے سے روکا تو وہ سارے خاندان میں مشہور کردیں گی۔ سب ہمیں برا بھلا کہیں گے۔ ہماری ماں کی تربیت پہ انگلی اٹھے گی۔ ہم ان کو اپنے گھر میں آنے سے نہیں روک سکتے۔''

''میں روکوں گی۔'' کشمالہ نے موبائل نکالا اور اسکرین روشن کی۔ ''وہ عورت میرے گھر میں داخل نہیں ہوگی۔''

''کیسے روکو گی؟ پولیس کھڑی کرو گی باہر؟ تماشہ ہوگا مالا۔ تم تماشے کے بغیر ان کو نہیں روک سکتی۔ سارا خاندان ہم پہ تھو تھو کرے گا کہ ایسے موقع پہ ہم نے کم ظرفی دکھائی۔''

''میں روک سکتی ہوں اور میں روکوں گی۔'' وہ اطمینان سے نمبر ملا رہی تھی۔ ماہی دم سادھے اسے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ بیگم کانوں میں ائیر رنگز پہن رہی تھیں جب فون بجنے لگا۔

کشمالہ۔ وہ مسکرا دیں۔ کال اسپیکر پہ لی اور ائیر رنگ کا اسٹاپر بند کرتے ہوئے آواز روہانسی کر لی۔

''ہائے کشمالہ... تمہاری ماں کا ابھی پتہ چلا' بیٹا۔ میرا تو دل ہی ڈوب گیا ہے جیسے۔ میں ...''

''آپ میری ماں کے جنازے پہ نہیں آئیں گی۔'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ جاڑے کی نرم دھوپ سے اس کی آنکھیں سنہری لگ رہی تھیں۔

''چ... کشمالہ بیٹا... ایسے موقعوں پہ پرانی نفرتیں بھلا دیتے ہیں۔ ایسے نہیں کرتے' بیٹا۔''

''میں نے کہانا' آپ میرے گھر میں قدم بھی نہیں رکھیں گی۔'' اس کا لہجہ کسی قسم کے جذبے سے عاری تھا۔

''اور خاندان والے کیا کہیں گے جب انہیں معلوم ہوگا؟'' کبیرہ مسکرائیں۔ ''سب تم بہن بھائیوں کو ہی برا کہیں گے۔ تمہاری ماں کی تربیت پہ بات آئے گی۔''

''میں آپ کو اپنے گھر میں تعویذ نہیں ڈالنے دوں گی' کبیرہ بیگم۔'' وہ ایک دم پھنکاری۔

کبیرہ بیگم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ انہوں نے میز پہ رکھے پیکٹ کو دیکھا جس میں ابھی ابھی عامل کی طرف سے تعویذ موصول ہوا تھا۔

''اور تم مجھے کیسے روکو گی۔'' وہ غرائیں۔

''مالا نہیں کرو۔'' ماہی نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ پریشان لگ رہی تھی۔ ''وہ ہمیں سارے خاندان میں بدنام کر دیں گی۔''

لیکن مالا اس طرف متوجہ نہیں تھی۔

''اگر آپ میرے گھر آئیں تو...''

''تو کیا؟ پولیس بلا کے مجھے گرفتار کرواؤ گی؟ کسی کے جنازے پہ آنا جرم ہے کیا؟''

کشمالہ مبین نے گہری سانس لی۔

''میں معید نہیں ہوں۔ وہ بھی بات بات پہ پولیس کی باتیں کرتا ہے۔ اور رہی ماہی... تو وہ غصے کی تیز ہے۔'' ایک نظر بیڈ پہ فکرمند بیٹھی ماہی کو دیکھا۔ ''آپ کو دیکھ کے شاید وہ آپ پہ حملہ کر دے۔ لیکن کبیرہ بیگم... میں ماہی نہیں ہوں۔ میں مالا ہوں۔ مجھے صرف ایک کام کرنا آتا ہے۔''

کبیرہ غور سے اس کو سن رہی تھیں۔

''اور وہ ہے رنگ کرنا۔ میرے سب سے اچھے دوست رنگ ہیں۔''

''یعنی؟''

''میرے گھر کے دروازے آپ کے لیے کھلے ہیں۔ اور ان کھلے دروازوں پہ کچھ بچے کھڑے ہیں۔ یہ وہ بچے ہیں جن کو میں اپنے فالتو رنگ دے دیتی ہوں۔'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ ایک سرگوشی ہو جیسے۔

''یہ بچے آپ کو پہچانتے ہیں۔ اور آپ کو پسند نہیں کرتے۔ اور وہ کیا ہے کہ جب بچوں کو کوئی پسند نہیں ہوتا تو وہ معصوم شرارتیں کر جاتے ہیں۔''

وہ کہتے ہوئے پونی سے نکلی ایک لٹ انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔

''ان کے ہاتھوں میں میرے دیے گئے رنگ ہیں جسے وہ کسی کے لباس... نئے لباس... پہ گرا سکتے ہیں۔ بھرے مجمع میں ہر طرف سے وہ کسی پہ رنگوں کی ہولی کھیل سکتے ہیں۔ کسی پہ حملہ بھی کر سکتے ہیں۔ اور ایسا کر کے وہ بھاگ جایا کرتے ہیں۔ بچے ہیں نا۔ کوئی انہیں پکڑ بھی نہیں سکتا۔''

کبیرہ سادان سانس روکے سن رہی تھیں۔

''وہ کسی کا پرس بھی چھین سکتے ہیں۔ کسی کا موبائل بھی۔ اور ایک منٹ میں...'' اس نے چٹکی بجائی۔ ''وہ بھاگ کے نظروں سے اوجھل بھی ہو سکتے ہیں۔ بچوں کو کوئی الزام نہیں دیتا۔ لیکن...'' اس کی آواز مزید دھیمی ہوئی۔

''لیکن اس عورت کا کیا ہوگا جو دن میں کئی بار اپنے ہاتھ دھوتی ہے؟ جو اپنی شخصیت پہ ایک داغ برداشت نہیں کرتی؟ جس کا لباس بے شکن ہوتا ہے؟ اگر ایسی کسی عورت پہ کسی بچے نے غلطی سے کچھ گرا دیا تو وہ کیا کرے گی؟ کیا وہ بھرے خاندان کے سامنے یہ ہزیمت برداشت کرے گی؟''

دوسری جانب بالکل خاموشی تھی۔

''اور جس وقت یہ ہوگا' ہم تین بہن بھائی اپنے ماں کا جنازہ اٹھا رہے ہوں گے۔ کون ہمیں الزام دے گا؟ بلکہ ہم تو ہر رشتے دار سے کہیں گے کہ پلیز کبیرہ تائی کو کال کریں۔ ان سے کہیں کہ جنازے پہ ضرور آئیں۔ کوئی ہم پہ شک نہیں کرے گا۔ نہ کوئی ان بھاگ جانے والے بچوں کو پکڑے گا۔ فیصلہ آپ کا ہے۔''

کال منقطع ہوگئی۔ ماہی کے لب ابھی تک کھلے ہوئے تھے۔

''کبیرہ تائی کو او سی ڈی ہے۔'' وہ اس کی طرف مڑی اور سپاٹ انداز میں بتانے لگی۔ ''وہ اپنے اوپر ایک چھینٹ بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ وہ نہیں آئیں گی۔ میں نے کہا تھا نا' میں انہیں روک سکتی ہوں۔''

ماہی نے میکانکی انداز میں سر ہلا دیا۔

"کیا تم نے واقعی بچوں کو اس کام پہ کھڑا کیا ہے؟"

مالا نے جواباً کھڑکی کی جانب اشارہ کیا۔ ماہی کی نظریں اس طرف اٹھیں۔ گیٹ کے ساتھ مرد حضرات کے آگے پیچھے چند بچے ٹہل رہے تھے۔

"مالا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

وہ باہر جا رہی تھی جب ماہی نے اسے پکارا۔ وہ چوکھٹ سے پلٹی اور اس کا چہرہ دیکھا۔

"جب ماں مر جاتی ہے تو کچھ بچے ڈھے جاتے ہیں۔ اور کچھ...." اس نے بہت سے آنسو اندر ہی اندر اتار دیے۔ "کچھ بڑے ہو جاتے ہیں۔ اپنی ماں جتنے بڑے۔"

یہ کہہ کے وہ رکی نہیں۔ دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ نومبر کے ابتدائی دنوں کی ایک صبح تھی جو استنبول پہ خزاں کی ٹھنڈی ہوا لیے اتری تھی۔ اس کے آفس کی کھڑکی میں رکھا کیکٹس کا پودا اب سبز نظر آ رہا تھا۔ اسے جاڑا راس آ گیا تھا۔

"یہ کب ہوا؟" بیربل نے دھیرے سے پوچھا۔ وہ ماہر کے سامنے بیٹھا تھا۔ چہرے پہ افسوس تھا۔

"ایک ہفتہ پہلے۔" وہ خاموشی سے کھڑکی میں رکھے پودے کو دیکھ رہا تھا۔ چہرے پہ تکان تھی۔

"تمہیں کس نے بتایا؟" وہ بغور ماہر کا چہرہ دیکھ رہا تھا جس پہ ایک مانوس سی سوگواریت تھی۔ قاسم فرید کے جنازے والے دن جیسی۔

"اس کی بہن نے۔"

ایک خزاں آلود خاموشی پھر سے چھا گئی۔

"کیا اس کی ماں کا انتقال جادو سے ہوا ہے؟"

"معلوم نہیں۔" وہ لبوں پہ مٹھی رکھے ہلکے سے شانے اچکا کے رہ گیا۔ "لیکن موت مکتوب ہوتی ہے بیربل بے۔"

"یعنی جس کو دنیا میں آنا ہے' اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور جس کو جانا ہے' اسے بھی کوئی روک نہیں سکتا۔ پھر ہمارے ہاتھ میں کیا ہے؟" عجیب بے زاریت سی محسوس ہوئی۔ بے بسی بھری بے زاریت۔

"بس اتنا کہ ہم اپنے ساتھ کیا لے کر جاتے ہیں۔" وہ آزردگی سے مسکرایا۔

''اسے کال نہیں کرو گے؟''

''معید کو کال کی ہے۔اپنے حصے کی تعزیت کر لی ہے میں نے۔''

''ماہر... ''بیربل نے ماتھے کو چھوا۔''چھوڑ دو اپنی انا۔اس کو کال کر لو۔وہ تکلیف میں ہو گی۔''

دروازہ دستک سے کھلا اور زارینہ اندر آتی دکھائی دی۔اس نے لمبے سفید بوٹ پہن رکھے تھے۔مڈی ڈریس میں کمر کے گرد بیلٹ بندھی تھی۔کھلے بال شانوں پہ لہرا رہے تھے۔وہ ٹھک ٹھک کی آواز سے چلتی ان کے سامنے آئی۔باری باری ان کے چہرے دیکھے۔

''تم لوگوں کو کیا ہوا ہے؟''پھر ایک ٹیبلیٹ ماہر کے سامنے رکھا۔

''کچھ نہیں۔''ماہر نے سر جھٹکا۔''میں اسے بعد میں دیکھ لوں گا۔ابھی میرے سر میں درد ہے۔''

زارینہ نے بغور اس کی آنکھوں کو دیکھا۔''کوئی میڈیسن لا دوں؟''

''کچھ ایسا لا دو جو جمے ہوئے دل کو پگھلا دے۔''

''بیربل۔''اس نے اسے تادیبی نظروں سے گھورا تو وہ منہ میں بڑبڑا کے رہ گیا۔

زارا نے باری باری ان دونوں کو دیکھا' پھر سر جھٹک کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''اتنے بڑے استنبول میں زارا کو تمہارے علاوہ کوئی کیوں نہیں نظر آتا؟''بیربل اس کے جاتے ہی افسوس سے بولا تو ماہر نے بغور اسے دیکھا۔

''اس لڑکی کا کیا ہوا؟ وہ جو مختلف تھی؟''

''وہ ٹھیک ہے۔''بیربل دائیں بائیں دیکھنے لگا۔

''اس کی طبیعت نہیں پوچھ رہا۔ردعمل پوچھ رہا ہوں۔''وہ بغور بیربل کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

بیربل نے ایک لمبی' ٹھنڈی آہ بھری۔

''پہلے اس نے ملنا کم کیا۔پھر کال اٹھانی چھوڑی۔پھر اس نے کہا' 'یہ تم نہیں ہو' یہ میں ہوں''(منہ بگاڑ کے نقل اتاری) پھر اس نے مجھے بالکل چھوڑ دیا۔اور آج مجھے معلوم ہوا کہ وہ میرے ہی ایک دوست کے ساتھ شاپنگ کرتی دکھائی دی ہے۔اب تم جی بھر کے ہنس لو۔''

لیکن وہ نہیں ہنسا۔کندھے اچکا دیے۔''آئی ایم سوری۔''

''تمہیں کیسے ہر دفعہ علم ہو جاتا ہے؟ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے تم میری جاسوسی کرواتے ہو اور ان لڑکیوں کو مجھے

چھوڑنے کے لیے پیسے دیتے ہو۔"

"میں ایسی عورتوں پہ پیسہ ضائع نہیں کرتا۔" ماہر نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"پھر کیسے تمہارا اندازہ ہر دفعہ درست ہو جاتا ہے؟ تم ان میں سے ایک لڑکی سے بھی آج تک نہیں ملے۔ نہ تم انہیں جانتے ہو۔"

"کیونکہ میں تمہیں جانتا ہوں بی۔" وہ آگے بڑھا اور نرمی سے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔

"کیا مطلب؟" بیربل کی آنکھوں میں اچنبھا ابھرا۔

"خود سوچو بی۔ ہمیشہ تمہیں ہی ٹاکسک لڑکیاں کیوں ملتی ہیں؟"

"کیا میں ٹاکسک ہوں؟"

ماہر نے نفی میں سر ہلایا۔ "تم ایک اچھے انسان ہو۔ لیکن تمہیں ایک جیسی لڑکیاں کیوں ملتی ہیں اس کسوٹی کو تمہیں خود ہی حل کرنا ہے۔"

تھوڑی دیر کے لیے ایک الجھن بھری خاموشی چھا گئی۔ پھر بیربل اٹھ کھڑا ہوا۔

"اسے کال کر لو ماہر۔" موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے اس نے تاکید کی۔

ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ بولا کچھ نہیں۔ بیربل کے جانے کے بہت دیر بعد اس نے انٹر کام اٹھایا۔

"م... میرے لیے اس ویک اینڈ پہ لاہور کی فلائٹ بک کروا دو۔" وہ اب میز پہ رکھی ایک scented کینڈل کے گرد انگلی پھیر رہا تھا۔ نظریں اس کے جلے کے سیاہ ہوئے دھاگے پہ جمی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کی خاموشی ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ اس رات وہ گم صم سی صوفے پہ بیٹھی تھی۔ آج اس نے گلابی لباس پہ سفید دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ آنکھیں آج بھی خشک تھیں اور وہ گود میں رکھے موبائل پہ جمی تھیں۔ ماں کی تصویر اس نے وال پیپر پہ لگا رکھی تھی۔ اور اب دھیرے دھیرے اپنی انگلی ان کے چہرے پہ پھیر رہی تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟ اس کو burp کیوں نہیں آتا؟" سامنے کمرے میں ٹہلتی ماہی ننھی حور کو کندھے سے لگائے جھنجھلا کے کہہ رہی تھی۔

"ایک گھنٹے سے کمر پہ ہاتھ پھیر رہی ہوں۔ برپ ہی نہیں آ رہا۔" چڑچڑے انداز میں اس کا ہاتھ بچی کی کمر پہ تیزی سے چلنے لگا۔ تھپ تھپ۔

مالا نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر واپس فون کو دیکھنے لگی۔

"برپ (ڈکار) نہیں آئے گا تو پھر سے دودھ نکال دے گی۔ اچھا عذاب ہے۔" ماہی نے تیزی سے بچی کو نیچے لٹایا۔ اور اس کے اوپر جھکی۔

"مسئلہ کیا ہے تمہارا؟ کیوں نہیں آتا تمہیں برپ؟ نوکر ہوں میں تمہاری جو سارا دن تمہیں تھپکتی رہوں؟" اس نے دونوں ہاتھوں سے بچی کو جھنجھوڑا۔ بچی کے ہونٹ رونے کی صورت میں بنے۔ ماہ بینہ کی تیوریاں مزید چڑھ گئیں۔

"آواز نہ آئے مجھے تمہاری۔" اس نے کھینچ کے ایک تھپڑ اس کے کندھے پہ مارا۔ بچی ایک دم اونچی آواز میں رونے لگی۔

"اف۔ رونا بند کرو۔" اس نے دوبارہ ہاتھ بڑھائے کہ اس کو جھنجھوڑ دے لیکن اس کی کلائی راستے میں زور سے کسی نے پکڑ لی۔

ماہی نے چونک کے سر اٹھایا۔

مالا اس کا ہاتھ جکڑے اس کے سر پہ کھڑی تھی۔

"میری بات کان کھول کے سنو ماہ بینہ مبین۔ اگر تمہارا ہاتھ دوبارہ اس بچی پہ چلا تو میں اس کو یہاں سے لے کر چلی جاؤں گی اور تم اس کی شکل دیکھنے کے لیے بھی ترسو گی۔ آئی سمجھ؟"

ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑی۔

ماہی کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ آنکھوں میں نمی ابھر آئی۔

بچی اب حلق پھاڑ کے رونے لگی تھی۔

"میں کیا کروں؟ اس کو برپ نہیں آرہا۔"

وہ اپنی سرخ کلائی سہلا رہی تھی۔ مالا دھیرے سے اس کے سامنے بیٹھی۔ اس کے بھرے بھرے چہرے پہ رتجگے کی تھکاوٹ تھی۔

"تم بے بی کو قصوروار سمجھتی ہو۔ تمہیں لگتا ہے سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔"

ماہی نے گلابی پڑتی آنکھیں اٹھائیں۔

"سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس دن کے لیے لوگ اولاد مانگتے ہیں کیا؟ اس... اس..." متنفر بھری آنکھوں

سے روتی ہوئی بچی کو دیکھا۔"اس کی وجہ سے میں اپنی ماں سے نہیں مل سکی۔ اس کی وجہ سے...."

بانو بھاگتی ہوئی آئی اور روتی ہوئی بچی کو اٹھالیا۔

"ماں کی زندگی اتنی ہی لکھی تھی۔"

"مگر میں نہیں آئی۔ مالا میں کیوں نہیں آئی؟ اس کی وجہ سے۔" وہ روتے ہوئے بانو کے ہاتھ میں موجود بچی کی طرف اشارہ کررہی تھی۔

"میں نے اس کو اپنی ماں کے اوپر ترجیح دی۔ اس کی وجہ سے ہوا ہے سب۔ مل گئی مجھے اولاد۔ یہی چاہیے تھا مجھے۔ میری ماں چلی گئی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔

"سب کہتے ہیں ماہی بدنصیب ہے۔ ماں کی خدمت نہیں کرسکی۔ جو آتا ہے یہی کہتا ہے۔ کیا میں بدنصیب ہوں، مالا؟"

مالا نے نرمی سے اس کی سرخ کلائی تھامی۔ پھر اس کا ہاتھ سہلایا۔

"جو بچے اپنی مجبوریوں کی وجہ سے ماں باپ کے آخری وقت میں ان کے ساتھ نہیں ہوتے، وہ بدنصیب نہیں ہوتے، ماہی۔ بس یہ ان کے نصیب میں نہیں ہوتا۔"

اس نے نرمی سے ماہی کے چہرے پہ آئے آنسو پونچھے۔

"ماہی باجی جب میرا شوہر میرے اوپر ہاتھ اٹھاتا تھا تو آپ کتنا برا مانتی تھیں۔" بانو روتی ہوئی بچی کو چپ کرواتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "وہ اپنا غصہ میرے پہ نکالتا تھا۔ اور آپ اس بچی پہ نکال رہی ہیں۔ یہ کوئی بات ہے بھلا؟" بانو باقاعدہ برا مان کے بچی کو لیے باہر چلی گئی۔

"مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس کو کیسے سنبھالوں۔ کوئی کہتا ہے سر بٹھاؤ۔ کوئی کہتا ہے ایسے اٹھاؤ۔ ماں ہوتیں تو بتاتیں کہ کیا کرنا ہے۔"

"صرف اتنا کرو کہ حور کو قصوروار سمجھنا چھوڑ دو۔ تم ایسے اللہ کی ناشکری کررہی ہو۔ ماں یہ کبھی برداشت نہ کرتیں۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ ماہی نے بھیگی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھا جیسے کچھ ٹٹول رہی ہو۔

"تم اتنی کمپوزڈ کیسے ہو؟"

"کیونکہ میں کچھ ایسا جانتی ہوں جو تم نہیں جانتیں۔"

ماہی کے آنسو ٹھہر گئے۔"تم مجھ سے شیئر نہیں کروگی؟"

''کروں گی۔ جب تمہارے آنسو رکیں گے اور تمہاری نظر دیکھنے کے قابل ہو گی۔''

ماہی ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ دونوں کب سے ایک دوسرے کے ساتھ راز رکھنے لگ گئی تھیں؟

''مالا باجی...'' بانو کی چھوٹی بہن نے اندر جھانکا۔ ''مہمان آئے ہیں۔ وہ... وہ جو باہر کے ملک میں رہتے ہیں....''

مالا کی گردن تیزی سے مڑی۔ ''کون کیف؟''

''نن نہیں.. وہ زیاد صاحب کی امی۔''

اس کی اٹکی سانس جاری ہوئی۔ کندھے ڈھلک گئے۔ وہ ماہی کو دیکھے بنا اٹھ کھڑی ہوئی جو بہت غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیف؟ تم نے کہا کیف؟''

مالا اس کی طرف نہیں پلٹی۔

''منہ سے نکلا تھا۔''

''مگر ذہن سے نہیں نکلا۔''

مالا نے جواب نہیں دیا۔ وہ آگے بڑھ گئی۔

زیادا سے روز ہی میسج کرتا تھا۔ وہ آ نہیں سکا تھا لیکن اس نے کہا تھا کہ امی کچھ دن بعد آئیں گی۔ مالا نے منع بھی کیا کہ ان کو سفر نہ کرنے دے لیکن اس نے بتایا کہ جب سے انہوں نے حور آنٹی کی ڈیتھ کی خبر سنی ہے، وہ بہت غمگین رہنے لگی ہیں۔

نگینہ بیگم کو دیکھ کے اسے دھچکا سا لگا۔ وہ بہت کمزور اور بیمار لگ رہی تھیں۔ چہرہ زرد ہو چکا تھا۔ ہاتھ میں اسٹک تھی جس کے سہارے چلتی تھیں۔ سفید براق دوپٹہ چہرے کے گرد پھیلائے وہ اسے دیکھ کے مسکرائیں۔ ان کا چہرہ آج بھی مالا کو ہمیشہ جیسا پرنور لگا تھا۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟''

کچھ دیر بعد وہ دونوں بہنیں ان کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ ماہی بھی انہیں دیکھ کے فکر مند ہوئی تھی۔

''بس بیٹا، اب تو اگلے سفر کی تیاری ہے۔'' انہوں نے مسکرا کے اسے دیکھا تو وہ ایک دم اندر تک ہل گئی۔ ماہی بھی جلدی سے بولی۔

"اللہ نہ کرے۔ اللہ آپ کو سلامت رکھے۔"

وہ اب بانو کو دیکھ رہی تھیں جو حور کو اٹھائے ہیٹر کے سامنے بیٹھی تھی۔

"اس کو گھٹی دی ہے؟"

ماہی نے لب کاٹے۔

"نہیں۔ عباد کو پسند نہیں تھا کہ کوئی اس کے منہ میں ہاتھ دے۔ لیکن میں نے سوچا تھا پاکستان آ کے ماں کے ہاتھوں سے... "اس کی آواز بھیگ گئی۔ سر جھکا لیا۔

"بچی کو مجھے دو۔ اور جاؤ تم شہد لے کر آؤ۔"

بانو نے حور کو ان کے نحیف بازوؤں میں دیا۔ انہوں نے اسے اٹھایا اور کندھے سے لگایا۔ ایک دم بچی کو ڈکار آ گیا۔ ماہی نے بے یقینی سے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ (وہ بھی ایسے ہی کر رہی تھی۔ مگر یہ کیسے....؟)

پھر انہوں نے پیار سے اس بچی کو اپنے گھٹنے پہ بٹھا لیا۔ ننھی حورعین کا رونا بالکل ختم ہو گیا۔ وہ ایک دم پرسکون ہو گئی۔

بانو شہد لے آئی تھی۔ انہوں نے اپنے انگوٹھے سے ذرا سا شہد لے کر چٹایا۔ بچی نے مزے سے وہ کھا لیا۔ ماہی کے آنسو پھر سے بہنے لگے۔

"تمہاری ماں نہیں ہے تو کیا ہوا بیٹا۔ مائیں بھی سانجھی ہوتی ہیں۔ اب میری بات سنو..." وہ پیار سے ماہی کو دیکھ کے اسے سمجھانے لگیں۔ "اس کا سر یوں کندھے سے لگاؤ گی اور ایسے کمر پہ ہاتھ پھیرو گی تو اسے ڈکار آئے گا۔ اور جب اس کو سلایا کرو تو کپڑے سے باندھا کرو۔"

"مجھے لگتا ہے اس پہ ظلم ہو رہا ہے۔ کیسے باندھوں۔"

"نہیں بیٹا۔ ظلم نہیں ہے۔ ورنہ بچہ نیند میں اٹھ کے ڈر جاتا ہے... ایسے کرو ململ کا دوپٹہ لو اور....."

ماہی ان کے ساتھ صوفے پہ بیٹھی تھی اور وہ اس کو سمجھا رہی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ بولتی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد سانس چڑھ جاتا تھا۔ وہ ٹھیک نہیں تھیں۔ مالا اپنی سیٹ پہ بیٹھی خاموشی سے ان کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

کیا نگینہ بیگم اس عامل کا اگلا شکار تھیں؟ یہ کیسا کھیل تھا جس میں ماؤں کی قربانی دینا لازم تھی؟

کیا زیاد بھی اپنی ماں کو کھو دے گا؟

"آپ پاکستان خیریت سے آئی ہیں؟" اس کی توجہ ان کی باتوں کی طرف مبذول ہوئی۔ ماہی ان سے کچھ

پوچھ رہی تھی۔

''بس بیٹا۔ زیاد کی پھپھو کے ہاں اس کی بات پکی کرنے لگی ہوں۔ وہ بمشکل مانا ہے۔ میری زندگی کا اب کوئی بھروسہ نہیں۔ سوچ رہی ہوں اگلے ماہ شادی کر دوں اس کی۔''

کشمالہ نے پوری بات غور سے سنی۔ پھر پیروں میں پہنے سیاہ کھسے دیکھے۔ دل کو ٹٹولا۔ وہاں کچھ نہیں تھا۔ کوئی شاک' کوئی صدمہ' کوئی دکھ نہ تھا۔

ماہی صحیح کہتی تھی۔ وہ بدل گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سرکار کی آنکھیں بند تھیں۔ اور جسم چوکڑی کی صورت میں ساکت نظر آ رہا تھا۔ اس کا سر اثبات میں ہل رہا تھا۔ جیسے اس کے کان کسی کی بات سن رہے ہوں۔ ایک دم اس نے آنکھیں کھولیں۔ چہرے پہ تعجب ابھرا۔ اور پھر بے یقینی۔

''نہیں۔ اسے پاکستان نہیں آنا چاہیے۔'' اس کی آنکھوں میں خوف نظر آیا۔ اس کا سر دائیں بائیں نفی میں ہل رہا تھا۔

''ماہر فرید کو پاکستان نہیں آنا چاہیے۔ ماہ بینہ وہاں موجود ہے۔ وہ اس سے مل لے گا اور... نہیں...''

اس نے بے اختیار سر ہاتھوں میں گرالیا اور نارنجی رومال نوچ لیا۔ اس کا دماغ جیسے درد سے پھٹنے کو تھا۔

''اگر وہ اس سے ملا اور اس نے اپنی کہانی سنا ڈالی تو سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔ وہ مجھ تک پہنچ جائے گا۔ صرف ماہی جانتی ہے۔ وہ اس کی مدد سے مجھے پہچان لے گا۔ نہیں۔'' اس نے پھر سے نفی میں سر ہلایا۔

''اس کو روکنا ہوگا۔''

جواب میں اسے کچھ کہا گیا۔ اس نے نگاہیں اٹھا کے طنز سے ان سب کو دیکھا جو وہاں مودب کھڑے تھے۔ وہ سب جو تمہیں نہیں نظر آ رہے لیکن سرکار کی نگاہ ان کو دیکھ سکتی تھی۔

''تم؟ تم روکو گے اس کو؟ ہونہہ۔ تم زخمی ہوا بھی۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تمہاری پاور ٹوٹ چکی ہے۔''

(جب کسی عامل کا جادو ناکام ہوتا ہے تو اکثر وہ اس پہ اور اس کے جنات پہ پلٹ آتا ہے۔ یہ چیز اس کے جنات کو کمزور کر دیتی ہے اور وہ اگلے کئی ماہ کسی پہ جادو کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ انہیں اپنی پاور مجتمع کرنے کے لیے چند ہفتے یا مہینے لگتے ہیں۔ پاور کا لفظ پاکستان اور انڈیا کے جادوگر اپنی روحانی طاقت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔)

''ماہ بینہ کی بیٹی نے تمہاری پاور توڑ دی تھی۔ ہمیں یہ کام کسی انسان سے کروانا ہوگا۔''

سرکار نے اپنا اسمارٹ فون نکالا اور اسکرین روشن کی۔ اس کا انگوٹھا کانٹیکٹ لسٹ نیچے کرتا گیا۔ وہاں کئی ملکوں کے لوگوں کے نمبران کے شہر کے نام کے ساتھ محفوظ تھے۔ یہ سب اس کے کلائنٹس تھے۔

اس نے استنبول کی لسٹ نکالی۔ کئی ناموں پہ انگلی روکی۔ لیکن پھر نفی میں سر ہلایا۔ بالآخر ایک نام پہ اس کی آنکھیں چمکیں۔

اس نے کال ملائی اور فون کان سے لگایا۔

''مجھے تم سے کام ہے۔'' اس کی آواز سرگوشی جیسے تھی۔

''حکم کریں سرکار۔''

''ایک آدمی کو مارنا ہے۔ لیکن ایکسیڈنٹ سے۔ اسے بچنا نہیں چاہیے۔ اور یہ کام آج ہی ہونا چاہیے۔ اس کا نام ماہر فرید ہے۔ ہم تمہیں اس کی تفصیلات بھیج رہے ہیں۔''

اس نے موبائل رکھا اور مطمئن نگاہوں سے ان سب کو دیکھا جنہیں صرف اس کی آنکھیں دیکھ سکتی تھیں۔

''کہانا' یہ انسان کے کرنے کا کام ہے۔'' طمانیت کی ایک لہر اس کے سارے وجود پہ پھیلتی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل پہ رات اتری تو لان کی بتیاں روشن ہونے لگیں۔ اب کوئی نہیں تھا جو پوچھتا کہ پودوں کو پانی لگایا نہیں۔ یا ہر نماز پہ آواز دے کر کہتا کہ نماز پڑھ لو۔ گھر میں بہت سے لوگ تھے اور پھر بھی خاموشی تھی۔

ماہی بیرونی زینے چڑھتی اوپر آئی تو اسٹوڈیو کے بند دروازے کے پیچھے سے روشنی جھلک رہی تھی۔ اس نے دروازے پہ دستک دی۔ پھر اسے کھولا۔

سامنے مالا فرش پہ بیٹھی تھی۔ اس کے بالوں کا ملگجا سا جوڑا بندھا تھا۔ اور اس کے گرد بہت سے کاغذ بکھرے تھے۔ ماہی تحیر سے یہ سب دیکھتی اندر آئی۔

''معید نے کھانا کھالیا؟'' وہ سر جھکائے ایک کاغذ پہ تیز تیز پنسل پھیر رہی تھی۔

''بچہ نہیں ہے، کھالے گا خود ہی۔'' ماہی کی متعجب نظریں دیواروں کا سفر کر رہی تھیں۔ وہاں بھی چند کاغذ چسپاں تھے۔

''ماں کو اس کے کھانے کی ہمیشہ فکر ہوتی تھی۔ ہمیں بھی کرنی ہے' ماہی۔''

''تم کیا کر رہی ہو؟'' ماہی دائیں بائیں گھوم کے اس سب کو دیکھ رہی تھی۔ ان کاغذوں پہ الفاظ تحریر تھے۔ اس کے خواب۔ خوابوں میں نظر آنے والی علامتیں۔ وہ جیسے گزشتہ چند ماہ میں ہونے والے واقعات کا ایک نقشہ تھا۔ تاریخوں کے ساتھ۔

''میں نقطے ملا رہی ہوں۔'' وہ سر جھکائے کاغذ پہ پنسل رگڑ رہی تھی۔ ''جب آخری دفعہ میں نے اس عامل کا اسکیچ بنانے کی کوشش کی تھی تو اس نے مجھے ڈرایا تھا۔ اور میں ڈر گئی۔ اب نہیں ڈروں گی۔'' وہ بالکل پرسکون تھی۔

ماہی دھیرے سے اس کے ساتھ زمین پہ بیٹھی۔ کشن کا سہارا لیا۔

''مگر مالا تم کہتی ہو کہ ماں جادو سے نہیں.... '' آواز بھیگ گئی۔

''میری ماں جادو سے نہیں مری۔ ہاں۔ ان کی موت لکھی تھی۔ جیسے قتل ہونے والوں کی لکھی ہوتی ہے۔ لیکن قاتل کو معافی نہیں ملتی۔'' اس نے چہرہ اٹھا کے ماہی کو دیکھا تو اس پہ کچھ ایسا تھا جو اتنے دنوں میں پہلی دفعہ اسے نظر آیا تھا۔ ''اس عامل کے جادوؤں نے میری ماں کو چھ ماہ بہت تکلیف دی ہے۔ مجھے کئی ماہ ہراساں رکھا۔ اب اور نہیں۔''

اس نے دیواروں کی طرف اشارہ کیا۔

''میں اس عامل کو ڈھونڈوں گی۔ اور اس کو ہائر کرنے والے کو بھی۔ اور پھر میں اس سے اپنی ماں کی ہر تکلیف کا انتقام لوں گی۔''

''لیکن ہم اسے کیسے ڈھونڈیں گے؟ ہم اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔''

''دو باتیں ہم جانتے ہیں۔'' اس نے انگلیوں کی وی بنا کے دکھائی۔ ''جب اس نے مہندی کے فنکشن میں مجھ پہ حملہ کیا تھا تو میری گردن سے خون نکلا تھا۔ مجھے اس کے ہاتھ سے کچھ چبھا تھا۔''

''یعنی؟''

''یعنی وہ عامل ایک خاص قسم کی انگوٹھی پہنتا ہے جس کا پتھر نوکیلا ہے اور وہ اسے اندر کی طرف موڑے رکھتا ہے۔ یوں اگر وہ کسی کا گلا دبائے گا تو اس سے خون نکلے گا۔''

''کیا وہ ہاتھ اسی کا تھا؟ کیا معلوم کسی جن کا ہو۔'' ماہی نے کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔

''وہ انسان کا ہاتھ تھا۔ اس نے جادو کے ذریعے یہ کیسے کیا' مجھے نہیں معلوم۔ لیکن یہ اسی کا ہاتھ تھا۔'' وہ پر یقین تھی۔

"اور دوسری بات؟"

مالا نے جواب دینے کے بجائے ایک کاغذ اس کے سامنے کیا۔ ماہی نے حیرت سے اسے تھاما۔ پھر زمین پہ بکھرے دوسرے کاغذوں کو دیکھا۔

ان سب پہ ایک آدمی کے چہرے کے مختلف زاویے بنے تھے۔ دائیں۔ بائیں۔ سامنے سے۔ اس کے سامنے سے بال جھلک رہے تھے اور سر پہ نارنجی رومال بندھا تھا۔ وہ رنگین تصاویر تھیں سو سفید بال صاف واضح تھے۔

"یہ ہے وہ عامل جس نے میری ماں پہ جادو کیا تھا۔ اور مجھے یقین ہے وہ اب بھی میرے پیچھے ہے۔"

ماہی بنا پلک جھپکے ان تصاویر کو دیکھ رہی تھی۔

"پتہ نہیں کیسے کہاں مگر میں نے اسے دیکھ رکھا ہے' ماہی۔"

"میں نے بھی..." وہ بڑبڑائی۔ مالا چونکی۔ پھر تیزی سے آگے ہوئی۔

"تم اس کو پہچانتی ہو؟"

ماہ بینہ مبین نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بالکل شل تھی۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ ناممکن۔" ماہی بے یقینی سے کبھی اسکیچ والے آدمی کو دیکھتی' کبھی چہرہ اٹھا کے مالا کو۔

"یہ..."

ماہی کے حلق سے نکلنے والے اگلے الفاظ پہ کشمالہ ایک قدم پیچھے ہٹی۔

ایک جھماکے سے اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ اس شخص کو کیسے جانتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سریار میں بنی اپارٹمنٹ بلڈنگز کے سامنے لمبی سڑک تھی جس کے پار باسفورس کا پرسکون کنارہ تھا۔ کارنش پہ فٹ پاتھ بنا تھا جہاں فاصلے فاصلے پہ بنچ رکھے تھے۔ رات گہری ہو چکی تھی۔ کچھ لوگ بینچوں پہ بیٹھے تھے۔ کچھ ساتھ ٹہل رہے تھے۔ کچھ سودے سلف کے شاپر اٹھائے تیز تیز چلتے جا رہے تھے۔

ایسے میں ماہر سر جھکائے' جیبوں میں ہاتھ ڈالے دھیرے دھیرے قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کا ذہن کہیں الجھا تھا۔ بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور شیو آج زیادہ ہی بڑھی ہوئی تھی۔

وہ جب سے آفس سے آیا تھا' طبیعت مضمحل سی ہو رہی تھی۔ اپارٹمنٹ میں گھٹن ہونے لگی تو وہ نیچے آ گیا۔ سامنے کہیں کشتیاں کھڑی تھیں۔ اور کہیں موسیقی گونج رہی تھی۔

دفعتاً وہ رکا۔ موبائل روشن کیا۔ اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے پہ پڑنے لگی۔

اس نے مطلوبہ چیٹ کھولی۔ ایک چیٹ جسے وہ کئی دفعہ کھول چکا تھا۔

جسے وہ کئی دفعہ کھول کے بند کر چکا تھا۔

کی پیڈ پہ انگلیاں چلنے لگیں۔ چند الفاظ لکھے۔ پھر مٹا دیے۔ سر جھٹک دیا۔

وہ مالا سے نہیں، ماہ بینہ سے ملنے جا رہا تھا۔ کیا کر لے گی وہ زیادہ سے زیادہ؟ غصہ کرے گی؟ چلائے گی؟ دیکھتے ہیں۔

بڑبڑاتے ہوئے وہ آگے بڑھ گیا۔

اس کی اپارٹمنٹ بلڈنگ سڑک کے سامنے تھی۔ سڑک پار کرنے سے پہلے عادتاً دائیں بائیں دیکھا۔ کوئی کار اس وقت نہیں گزر رہی تھی۔ قریب میں ایک سیاہ رنگ کی ایس یو وی کھڑی تھی۔ وہ سڑک پہ آگے بڑھا۔

ایسے ہی ذہن کے کسی خانے میں ایک خیال ابھرا۔ وہ ایک ڈیڑھ میل کی واک کے بعد اپارٹمنٹ واپس آیا تھا۔ یہ ایس یو وی کافی دیر سے اس کے قریب نظر آ رہی تھی۔ اس کی لائٹس بجھی ہوئی تھیں۔ لیکن انجن آن تھا۔

اس نے قدم آگے بڑھائے۔ پھر جو ہوا وہ تین سیکنڈ کے اندر اندر ہوا۔

ایک دم سیاہ ایس یو وی کے ٹائر چرچرائے۔ وہ پوری رفتار سے آئی۔ ماہر فرید نے گردن اس طرف گھمائی۔ قدموں نے حرکت کی۔ لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ سیاہ کار پوری وقت سے اس سے ٹکرائی۔ اور زن سے آگے نکل گئی۔

آس پاس شور بلند ہوا۔ بہت سے لوگ اس طرف بھاگے جہاں سڑک کنارے ایک آدمی اوندھے منہ گرا ہوا تھا۔ ساتھ اس کا موبائل چکنا چور ہوا پڑا تھا۔ اور خون کا ایک تالاب تھا جو اس کے گرد جمع ہو رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(اگلے ماہ آپ مالا کے دوسرے باب "مکہ" کی پہلی قسط پڑھ سکیں گے۔)

مالا (نمرہ احمد)

باب دوم "مکہ"

قسط نمبر:۸

ہمارے خواب ہمیں لے جاتے ہیں
مزید نئے خوابوں کی طرف
اور اس سراب کا کوئی اختتام نہیں ہوتا۔
زندگی ایک ریل گاڑی ہے بدلتے مزاج کی
جیسے ہو موتیوں کی ایک مالا
اور جیسے جیسے ہم ہر ایک موتی سے گزرتے ہیں
ہم دیکھتے ہیں کہ سارے موتی
دراصل مختلف رنگوں کے عدسے ہیں
وہ دنیا کو اپنے رنگ میں دکھاتے ہیں
اور ہر عدسہ وہی دکھاتا ہے
جو اس کی نظر کے سامنے ہوتا ہے۔
پہاڑ سے ہم صرف پہاڑ دیکھ سکتے ہیں۔
ہم اسی کی تصویر بناتے ہیں جس کی بنا سکتے ہیں
اور ہم وہی دیکھتے ہیں جسے ہم نے خود بنایا ہوتا ہے۔
فطرت اور کتابوں کو کیسے پڑھنا ہے'
یہ مرضی ہے دیکھنے والی آنکھ کی۔

انسان کیا دیکھے گا آسمان پہ؟

ڈوبتا سورج؟

یا کوئی نظم؟

یہ منحصر ہے اس کی فطرت پہ۔

ڈوبتے سورج ہر روز ہوتے ہیں

اور نظموں کو لکھنے کی عقل بھی

ہمیشہ ساتھ ہوتی ہے۔

لیکن ان دونوں کو دیکھنے کے لیے

بس چند گھڑیاں ہی ہوتی ہیں۔

اور پھر یہ ڈوب جاتے ہیں۔

انسان کی فطرت وہ لوہے کی تار ہے

جس پہ موتیوں کی یہ مالا پروئی ہوتی ہے۔

کیا فائدہ صلاحیت یا خوش قسمتی کا

اگر فطرت ہی سرد اور مسخ شدہ ہو؟

کیا فائدہ عقل کا

اگر اس کا عدسہ اتنا موٹا ہو

کہ انسان اپنی زندگی کا آسمان نہ دیکھ سکے؟

کیا فائدہ نئے وعدے کرنے کا

اگر نبھانے والا ہی قانون شکن ہو؟

ہم دیکھتے ہیں نوجوانوں کو

جو ہم سے ایک نئی دنیا کا وعدہ کرتے ہیں

وہ اس کا سراب دکھاتے ہیں

اسے بہت شاندار بنا کے

لیکن وہ اس قرض کو کبھی ادا نہیں کر پاتے

وہ جلد مر جاتے ہیں

اور حساب سے بچ جاتے ہیں۔

یا اگر وہ رہیں زندہ تو

وہ دنیا کی بھیڑ میں کھو جاتے ہیں۔

(ریلف ویلڈو ایمرسن کے مضمون ''تجربے'' سے ماخوذ)

ریستوران کی چھت سے کرسٹل بالز کی شکل کے بلب لٹک رہے تھے۔ سارے کو ہلکے نیلے اور سفید رنگ سے سجایا گیا تھا۔ میزوں پہ اجلے سفید رومال بچھے تھے۔ مرکزی دیوار کے ساتھ ایک بے نیاز آرٹسٹ بیٹھا وائلن بجا رہا تھا۔ اس کی آواز میں ویٹرز کی چاپ' کٹلری کی چھنک' مدھم سرگوشیوں اور ہلکے قہقہوں کی آمیزش بھی سنائی دیتی تھی۔

ایسی ہی ایک میز پہ بیربل فرید براجمان تھا۔ اس کے گھنگھریالے بال جیل سے پیچھے جمے تھے۔ بنا ٹائی کے سیاہ سوٹ پہنے' وہ ٹیک لگا کے بیٹھا' انگلیوں میں کرسٹل کی سجاوٹی گیند کو گھماتے ہوئے اداسی سے کہہ رہا تھا۔

''اور پھر میرے فادر کی ڈیتھ ہوگئی۔ چونکہ میں اکلوتا بیٹا تھا' اس لیے وہ ساری ذمہ داری میرے کندھوں پہ ڈال کے چلے گئے۔'' کہتے ہوئے اس نے پلکیں جھکا لیں۔

''اوہ....'' سامنے بیٹھی لڑکی نے فکرمندی سے پہلو بدلا۔ اس کے بال جوڑے میں بندھے تھے اور دو لٹیں سامنے گرتی تھیں۔ لمبی گردن میں نیکلیس تھا اور خوبصورت آنکھوں میں بے پناہ ہمدردی۔

''تم کتنے اکیلے ہوگے۔'' اس نے انگوٹھیوں والا مرمریں ہاتھ بڑھا کے اس کے ہاتھ پہ رکھا۔

بیربل نے پلکیں اٹھائیں۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ پھر وہ افسوس سے کندھے اچکا کے رہ گیا۔

''اکیلا کہاں ہوں؟ اتنا بڑا کاروبار اور اس کے مسئلے میرے ساتھ ہیں۔'' گہری ٹھنڈی سانس کھینچی۔ ''صبح اپنی آرکیٹیکچرل فرم دیکھتا ہوں۔ شام میں بیکری۔ پھر لندن کے کاروبار کے مسئلے۔ اُف۔'' جھرجھری لی۔

''کیا کرتے تھے تمہارے فادر؟'' لڑکی نے اپنا ہاتھ نامحسوس انداز میں واپس کھینچا اور سفید اور نیلی پلیٹ قریب کھسکائی جس میں ڈیزرٹ رکھا تھا۔

''ہماری انویسٹمنٹ مینیجمنٹ فرم ہے۔ انہوں نے اسے لندن اور قطر میں شروع کیا تھا اور....'' گردن قدرے کڑائی۔ ''میں اسے یہاں استنبول لایا ہوں۔''

''واؤ۔'' لڑکی نے سلور کے چمچ سے ڈیزرٹ ذرا سا اٹھایا اور منہ میں رکھا۔ نظریں اسی پہ جمی تھیں۔

''اور کیا ہابیز ہیں تمہاری؟''

بیر بل عاجزانہ انداز میں مسکرایا۔

''ان سب جھمیلوں میں اپنے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ ایک سگار کا شوق تھا۔ لیکن میرے والد کو پسند نہیں تھا۔ ان کے لیے وہ بھی چھوڑ دیا۔''

''تمہارے والد کو تم پہ فخر ہوگا۔'' وہ بہت اپنائیت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ''اور کس چیز کا شوق ہے؟''

اوپر سے لٹکتی کرسٹل بالز میں ان کی میز کا عکس الٹا ہو کے دکھائی دے رہا تھا۔

''بائیکس کا شوق تھا مجھے۔ لیکن پھر (ٹھنڈی سانس) ایک ایکسیڈنٹ میں میری ٹانگ ٹوٹ گئی۔''

''چچ....'' اس نے فکر مندی سے چمچ نیچے رکھا۔ ''رائٹ یا لیفٹ؟''

''کیا؟''

''رائٹ ٹانگ ٹوٹی یا لیفٹ؟''

''را... رائٹ۔'' وہ سنبھل کے مسکرایا۔ ''بس اس کے بعد سے بائیکس کو ہاتھ نہیں لگایا۔ حالانکہ وہ آج بھی میرے گیراج میں کھڑی ہیں۔''

سفید میز پوش پہ رکھا اس کا فون ایک دم زوں زوں کرنے لگا۔ ماحول کا سارا فسوں ٹوٹ گیا۔ بیر بل نے نظر جھکا کے دیکھا۔ فیضی حانم کالنگ۔ اس نے پاور بٹن کو دو دفعہ دبایا۔ کال کٹ گئی اور فون خاموش ہو گیا۔

''ویک اینڈ پہ بھی میری سیکرٹری چین نہیں لینے دیتی۔'' وہ پھر سے مسکرا کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ لڑکی نے مسکرا کے سر جھٹکا۔

''تمہارے جیسے آدمی کے یہی مسئلے ہوتے ہیں۔''

''تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ تم یہاں....''

فون پھر سے وائبریٹ کرنے لگا۔ اس نے ضبط سے پہلو بدلا۔

''ایکسکیوز می۔'' پھر موبائل کان سے لگاتے ساتھ ہی بولا۔

''فیضی حانم .... میری آج کی ساری میٹنگز کینسل کر دیں۔ میں ایک بہت اہم ڈنر پہ ہوں۔ (مسکرا کے اسے دیکھا۔ وہ بھی پلکیں جھپکا کے مسکرائی۔) اور اب آپ مجھے تنگ نہیں....''

الفاظ اس کے لبوں میں رہ گئے۔ دوسری طرف سے کچھ کہا جا رہا تھا۔

''واٹ؟ کیا ہوا ماہر کو؟'' اس کی رنگت فق ہوئی۔ وہ دبا دبا سا چلایا۔

''کہاں ہے وہ؟'' رک کے سنا۔ ''ہاں ہاں میں پہنچ رہا ہوں۔''

تیزی سے فون رکھا اور جلدی جلدی والٹ کھولنے لگا۔ لڑکی نے تشویش سے اسے دیکھا۔

''ماہر کون؟''

''میرا بڑا بھائی۔'' اس نے چند نوٹ نکال کے میز پہ رکھے۔ اس کے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

''بھائی؟'' سارا سحر چھن سے ٹوٹا۔

''تم نے کہا تم اکلوتے ہو۔'' اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

بیر بل نوٹ رکھتے ہوئے اٹھا اور کچھ کہے سنے بغیر تیزی سے باہر کی طرف لپکا۔

''بیر بل... تم مجھے یوں چھوڑ کے نہیں جا سکتے۔ بیر بل۔'' وہ اپنی جگہ پہ کھڑی دبی آواز میں غرائی تھی لیکن وہ دوڑتے قدموں سے باہر جا رہا تھا۔ ارد گرد کے لوگ مڑ مڑ کے دیکھنے لگے تھے۔

وہ بگڑے تاثرات کے ساتھ واپس بیٹھی۔

سفید اور نیلی پلیٹ میں بچا ہوا ڈیزرٹ اس کو دیکھ کے مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ایک چھوٹے سے اپارٹمنٹ کا ٹیرس تھا۔

یہاں سے ہمسایہ اپارٹمنٹ بلڈنگز کی چھتیں صاف دکھائی دیتی تھیں۔ ٹیرس پہ ایک سادہ سا جھولا رکھا تھا جس کی لکڑی پہ فیری لائٹس لگی تھیں۔ جھولے پہ آرام دہ کشن رکھے تھے اور سامنے میز پہ لیپ ٹاپ اسکرین پہ نیٹ فلکس کا سرخ این رکا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ساتھ ہی کیریمل پاپ کارن کا بھرا ہوا پیالہ دھرا تھا جن سے خوشبو اٹھ رہی تھی۔

ٹیرس پہ بنایہ چھوٹا مگر آرام دہ سا سیٹ اپ ویک اینڈ کا اعلان کر رہا تھا۔

دفعتاً اندرونی دروازے سے شبنم آتی دکھائی دی۔ پیروں میں کپڑے کے چپل پہنے، بالوں کو تولیے کی پگڑی میں لپیٹے وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس تھی۔ ایک فخریہ نظر اس نے اپنے جگمگاتے ہوئے جھولے پہ ڈالی اور پھر سر اٹھا کے سیاہ

آسمان کو دیکھا جہاں چند تارے دکھائی دے رہے تھے۔

''سارا ہفتہ مجھے اس رات کا انتظار رہتا ہے۔ بالآخر آج مجھے ماہر بے نامی بلاتنگ نہیں کرے گی۔''

وہ لاہور جار ہا تھا اور ویسے بھی وہ ویک اینڈ پہ اس کو کم ہی تنگ کرتا تھا۔ وہ مسکرا کے جھولے پہ یوں بیٹھی کہ کشن میں دھنس سی گئی اور پیر میز پہ رکھ لیے۔ پھر لیپ ٹاپ گود میں رکھا اور ائیر فونز کانوں میں گھسائے۔

''ڈھائی گھنٹے کی قسط دیکھنے کے لیے پاپ کارن بناتی ہوں اور وہ ڈھائی منٹ میں ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن خیر۔''اس نے سر جھٹکا اور خوب سیٹ ہو کے بیٹھنے کے بعد اسکرین آن کی۔

جہاں سے سلسلہ پچھلے ویک اینڈ پہ ٹوٹا تھا' وہاں سے جوڑا۔

ٹرٹون... فون ایک دم سے چیخا تو ہاتھ سے پاپ کارن کے ٹکڑے دور جا گرے۔ شبنم نے بدمزہ ہو کے موبائل اٹھایا۔

بیربل کالنگ۔

اس وقت؟ میں نہیں اٹھا رہی۔ جتنی مرضی کال کرلے۔

موبائل سائیلنٹ کر کے اس نے واپس اسکرین کو دیکھا لیکن ارتکاز ٹوٹ چکا تھا۔

کال پھر سے آنے لگی تو شبنم نے ''اف اللہ میاں'' کہتے ہوئے فون جھپٹ کے اٹھایا۔

''نے بیربل؟ نے؟ نے؟''وہ زور سے غرائی۔ (کیا بیرل؟ کیا؟ کیا؟)

دوسری طرف کہے جانے والے الفاظ سن کے شبنم کے چہرے کی بے زاری عنقا ہوئی اور دھیرے دھیرے اس کی رنگت بدلنے لگی۔ آنکھیں پھیل گئیں اور لب کھلے کے کھلے رہ گئے۔

اگلے ہی لمحے اس نے تیزی سے ٹانگیں نیچے اتاریں' لیپ ٹاپ میز پہ رکھا' جلدی سے پیر سلیپرز میں گھسیڑے اور اٹھ کے اندر بھاگی۔

فیری لائٹس سے سجا جھولا' کیریمل سے سجے پاپ کارن اور ساکن ہوئی اسکرین مایوسی سے اسے دور جاتے دیکھ رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سریار پولیس اسٹیشن کے باہر جلتی بجھتی بتیوں والی کارز آتی جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ پولیس اسٹیشن کئی منزلہ تھا اور اس کا ہر فلور مختلف جرائم کے لیے مختص تھا۔ ہومی سائیڈ فلور پہ ایک بڑا سا ہال بنا تھا جس میں جگہ جگہ ڈیسک لگے

تھے۔ کچھ لوگ فائل لیے ادھرادھر جا رہے تھے۔ کچھ کمپیوٹرز کے سامنے جھکے تھے۔

ایسے میں کونے میں ایک آفس تھا جس کے سلائیڈنگ ڈور کھلے تھے۔ باہر" باش کومسر" (چیف انسپکٹر) کی تختی لگی تھی۔ اندر ایک بڑی میز کے پیچھے براجمان چنگیز فون کا ریسیور کان سے لگائے یوں بیٹھا تھا کہ بوٹ میز پہ رکھے تھے۔ گریبان کے دو بٹن کھلے تھے اور ہاتھ میں سگریٹ تھا۔ وہ بگڑے تاثرات کے ساتھ کسی سے فون پہ بات کر رہا تھا۔

کال ختم ہوئی تو اس نے ریسیور رکھا اور سگریٹ کی راکھ کو ایش ٹرے میں جھٹکا۔ پھر کھلے دروازوں کے پار ہال کمرے کو دیکھا جس کی ایک دیوار پہ اونچا گھڑیال نصب تھا۔

وقت کی سوئیاں دیکھ کے چنگیز نے بےزاری سے منہ پہ ہاتھ رکھ کے جمائی روکی۔ پھر ایک اسسٹنٹ فائل لیے اندر آتا دکھائی دیا تو اس نے بوٹ نیچے اتارے۔

"باش کومسر' ایک بات پوچھوں؟" اسسٹنٹ نے فائل اس کے سامنے رکھ کے کھولی اور ساتھ ہی دانت نکال کے مخاطب کیا تو چنگیز سستی سے سیدھا ہوا اور قلم نکالا۔

"پوچھو۔"

"لوگ مرنے کے لیے ویک اینڈ کا انتخاب کیوں کرتے ہیں؟"

چنگیز نے اسی بےزاری سے سر جھٹکا۔

"کیونکہ استنبول والوں کے پاس سارا ہفتہ مرنے کے لے وقت نہیں ہوتا۔ ویک اینڈ پہ وہ اپنی بورنگ زندگی سے فرار کے لیے یہ خوب الکحل پیتے ہیں۔ پھر کسی بار میں آپس میں لڑ پڑتے ہیں یا سڑکوں پہ نکل جاتے ہیں۔ کوئی کسی گاڑی کے نیچے آجاتا ہے اور کوئی غصے میں دوسرے کو مار دیتا ہے۔"

سائن کر کے فائل پرے دھکیلی تو میز پہ رکھا موبائل بجنے لگا۔

"ابھی دیکھنا رات دو بجے کے بعد ایسے ایسے ایکسیڈنٹ کیسز آنے لگیں گے جیسے بارش کے بعد کیڑے نکل آتے ہیں۔" اکتاہٹ سے کہتے ہوئے اس نے موبائل اٹھایا۔ نام پڑھ کے تیوریاں مزید چڑھ گئیں۔ فون کان سے لگاتے ہی وہ شروع ہو گیا۔

"بیر بل میں تمہیں آخری دفعہ بتا رہا ہوں۔ میں تمہارے لیے کسی لڑکی کا بیک گراؤنڈ چیک نہیں کروا رہا۔ ہر ہفتے تم نئی لڑکی کا نام دے دیتے ہو۔ میں...."

اگلے الفاظ سن کے اس کی بولتی زبان رک گئی۔ وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

''کون سا ہسپتال؟ میں آرہا ہوں۔'' چابی اور جیکٹ اٹھائے وہ تیزی سے میز کے پیچھے سے نکلا۔ سگریٹ نیچے گر گئی۔ اگلے ہی لمحے اس کا بوٹ سگریٹ کے ٹکڑے کو روند کے آگے بڑھ گیا۔

''کیا ہوا' کومسار بے؟'' اسسٹنٹ نے پیچھے سے پکارا۔

''میرے دوست کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ میں وہیں جا رہا ہوں۔ تم لوگ پیچھے سے سنبھال لینا۔'' آواز لگاتا وہ دوڑتے قدموں سے لفٹ کی طرف جا رہا تھا۔

ڈیسک پہ کام کرتے ایک آفیسر نے مڑ کے اسے جاتے دیکھا۔ پھر افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔

''ویک اینڈ نائٹ۔''

ساتھ بیٹھی لڑکی نے بھی چچ کی آواز کے ساتھ شانے اچکائے۔ مڑے سر واپس گھوم گئے اور سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیلون کے اس فیشل روم کی چھت تیز سفید بتیوں سے روشن تھی۔ سفید بیڈ پہ زارینہ لمبی لیٹی تھی۔ اس نے سیلون کا گاؤن پہنا ہوا تھا اور ماتھے پہ مخملیں بینڈ چڑھا کے بالوں کو چہرے پہ آنے سے روک رکھا تھا۔ دونوں دائیں بائیں پھیلا رکھے تھے اور دو لڑکیاں بہت مہارت سے ان کا مساج کر رہی تھیں۔

خود وہ گردن پیچھے کو پھینکے آنکھیں بند کیے ہوئے تھی۔ سر کے پیچھے کھڑی ایک سفید کوٹ والی لڑکی اس کے چہرے پہ سنہری پیسٹ لگا رہی تھی۔

''ہوں.... ''ٹھنڈا پیسٹ چہرے پہ لگا تو زارینہ نے نزاکت سے سسکاری بھری۔ ''یہ ٹھنڈا ہے۔''

''ہمارا ۲۴ کیرٹ گولڈ فیشل آپ کو اتنا پسند آئے گا کہ آپ بار بار آئیں گی۔''

''دیکھتے ہیں۔'' زارینہ نے بند آنکھوں سے شانے اچکائے۔

دروازے پہ دستک ہوئی تو سفید کوٹ والی لڑکی نے چونک کے اس طرف دیکھا۔

دروازہ کھلا۔ پھر ایک گردن نے اندر جھانکا۔

''زارینہ خانم کے لیے ریسیپشن پہ کال آئی ہے۔''

زارینہ کی آنکھیں بند رہیں لیکن پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

''اپنے اسٹاف کو سمجھاؤ ملیسا۔ کلائنٹ اپنا فون اس لیے آف کرتا ہے تا کہ سروسز کے دوران اس کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔''

سفید کوٹ والی لڑکی نے چوکھٹ والے لڑکے کو آنکھیں دکھائیں اور جانے کا اشارہ کیا۔ لیکن وہ ڈھٹائی سے جما رہا۔

''کسی شبنم کی کال ہے۔ وہ کہہ رہی ہے کہ ماہر بے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔''

اس نے تیزی سے آنکھیں کھولیں اور سیدھی ہو کے بیٹھی۔ دونوں ہاتھ لڑکیوں کی گرفت سے کھینچ کے چھڑائے۔ لب شاک کے عالم میں کھلے کے کھلے رہ گئے تھے اور آنکھوں میں ایک دم بہت سے جذبات ابھر کے آئے۔

پھر سامنے آئینے پہ نگاہ پڑی تو چونکی۔ دائیں گال پہ سنہرا پیسٹ لگا تھا۔ بہت سا پیسٹ ابھی پیچھے کھڑی لڑکی کے پیالے میں تھا۔

''صاف کرو اس کو۔ جلدی۔ جلدی۔'' وہ چلائی۔ بنا فیشل کے بھی اس کی رنگت گلابی پڑ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ دوحا کے ایک بلند و بالا ہوٹل کی لابی تھی۔ رات کا وقت تھا اور زرد بتیوں نے ماحول کو خوابناک بنا رکھا تھا۔

ہوٹل کے داخلی دروازوں سے چار افراد اندر آتے دکھائی دے رہے تھے۔ ان میں سب سے آگے عبدالمالک فرید تھے۔ گرے سوٹ پہنے' سفید براق بال جیل سے پیچھے کی طرف جمائے' ہمیشہ کی طرح بے تاثر چہرہ لیے۔

وہ ان تین افراد کے ہمراہ چلتے ہوئے لابی میں رکھے صوفوں کی طرف آئے۔ نظر اٹھا کے دیوار پہ نصب گھڑیال کو دیکھا۔

بڑی سوئی گیارہ سے ذرا پیچھے تھی۔ وہ وقت کی جمع تفریق کرتے ہوئے بڑے صوفے پہ بیٹھے اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ چمکتے بوٹس میں فانوس کا عکس دکھائی دیتا تھا۔

''سر... میٹنگ میں بس پانچ منٹ رہ گئے ہیں۔'' ساتھ کھڑا سوٹ والا نوجوان جھک کے پوچھنے لگا۔'' آپ ڈنر ہال میں انتظار کرنا چاہیں گے؟''

''میں اسی وقت پہ ہال میں جاؤں گا جو طے ہوا تھا۔'' وہ آرام سے بیٹھے رہے۔ انگلیاں صوفے کے ہتھ پہ عادتاً چل رہی تھیں جیسے نادیدہ پیانو بجا رہی ہوں۔ ان کے ایک ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی تھی جس میں سفید پتھر جڑا تھا۔

اسی پل ہوٹل کے داخلی دروازے سے کوئی بھاگتا ہوا اندر آتا دکھائی دیا۔ اس نے شوفر کا یونیفارم پہن رکھا تھا اور سانس پھولا ہوا تھا۔ پہلے اس نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر جیسے ہی نگاہ لابی میں بیٹھے مالک پہ پڑی' وہ تیزی سے ان کی طرف لپکا۔

''سر... سر....'' ان کے سر پہ پہنچ کے ہانپتے ہوئے کہے گیا۔

''آپ کا فون آف تھا۔ زارینہ میڈم نے مجھے کال کی ہے۔''

مالک نے گردن اٹھا کے ایک خشمگیں نظر اس پہ ڈالی اور دوسری گھڑیال پہ۔

''میری میٹنگ میں تین منٹ رہتے ہیں۔ جلدی بولو۔''

''سر وہ....'' وہ ہکلایا۔ رک کے سانس لیا۔

''ماہر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اس کو ایمرجنسی میں ہسپتال لے گئے ہیں۔''

صوفے کے ہتھ پہ نادیدہ پیانو بجاتی انگلیاں تھم گئیں۔ چند لمحے کے لیے مالک فرید بنا پلک جھپکے اس کو دیکھے گئے۔

''کہاں؟'' الفاظ دھیرے سے نکلے۔

''استنبول۔ اس کے گھر کے سامنے۔ hit and run۔''

عبدالمالک خاموشی سے اپنے چمکتے جوتے کو دیکھنے لگے جو ٹانگ پہ ٹانگ جمانے کے باعث اوپر اٹھا ہوا تھا۔ ان کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

''سر میں میٹنگ کینسل کر دیتا ہوں۔'' سیکرٹری پریشانی سے کہتا جگہ سے اٹھا۔ ''اور مجموعۃ الفردان کے نمائندے سے کہہ دیتا ہوں کہ ہم چند دن بعد میٹنگ رکھ لیں گے۔''

وہ خاموشی سے اپنے بوٹ کو دیکھے گئے۔

سیکرٹری اب موبائل روشن کر کے کچھ دیکھ رہا تھا۔

''دوہا سے استنبول کے لیے پہلی فلائٹ رات گیارہ بجے نکلے گی۔ سیٹ بک کروا دوں؟''

''نہیں۔'' ان کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔ سیکرٹری رک کے انہیں دیکھنے لگا۔

''سر' میٹنگ کے ساتھ ڈنر بھی ہے۔ تین گھنٹے لگ جائیں گے۔ فلائٹ مس ہو گئی تو اگلی فلائٹ کل دوپہر کی ہو گی اور....''

"تم نے وہ کتاب پڑھی ہے Rich Dad, Poor Dad؟" وہ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھے اور سیکرٹری کو بغور دیکھا۔ اس کا سر نفی میں ہل گیا۔

"جانتا تھا۔ اسی لیے تم ساری عمر ایک سیکرٹری رہو گے' عمار۔ کیونکہ تمہارے پاس میرے بھائی جیسا کوئی باپ نہیں تھا جو تمہیں یہ سمجھاتا کہ الفردان گروپ کے ساتھ مہینوں پہلے طے کی گئی میٹنگ کینسل کرنا حماقت سے کم نہیں ہوتا۔"

"لیکن سر.. ماہر ہسپتال میں ہے...."

"اگر میں نے یہ میٹنگ چھوڑی تو ماہر مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ ہم کل دوپہر کی فلائٹ لے لیں گے۔" وہ دو قدم آگے بڑھے۔ پھر ہاتھ صوفے کی پشت پہ رکھا۔ جیسے چکر سا آیا ہو اور بروقت سہارا لیا ہو۔ لمحے بھر کے لیے کرب سے آنکھیں بند کیں اور گہری سانس اندر کھینچی۔

پھر آنکھیں کھولیں تو چہرہ واپس روبوٹ بن چکا تھا۔ البتہ ہاتھوں میں معمولی سی کپکپاہٹ تھی۔ وہ آگے بڑھ گئے۔ اور سیکرٹری ہکا بکا سا پیچھے بھاگا۔

شوفر ملامتی نظروں سے ان کو جاتے دیکھتا رہا۔

ایسی بھی کیا پیسے سے محبت۔ ہونہہ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کی بالائی منزل پہ بنے اسٹوڈیو میں پرانے پینٹ اور روغن کی مدھم خوشبو پھیلی تھی۔ شیلف میں اوپر تلے رکھے خالی ڈبے' اور دیواروں پہ چسپاں کاغذ خاموشی سے ان دونوں بہنوں کو دیکھ رہے تھے جو وسط کمرے میں موجود تھیں۔

مالا زمین پہ بیٹھی' گردن اٹھائے ماہی کے چہرے کو دیکھ رہی تھی جو ایک کاغذ ہاتھ میں لیے بے یقین سی کھڑی تھی۔

"تم اس کو پہچانتی ہو؟"

ماہی نے سفید بالوں والے آدمی کے چہرے سے نظریں ہٹا کے مالا کو دیکھا۔

"سو فیصد۔ تمہیں نہیں یاد؟"

"نہیں۔ کون ہے یہ؟" وہ تیزی سے اٹھی یہاں تک کہ وہ اس کے برابر کھڑی ہوگئی اور بے چین نظروں سے اس

کا چہرہ ٹٹولا۔

"یہ شکور ہے۔ ہمارے اسکول کا چپڑاسی۔"

"واٹ؟ ناممکن۔" وہ بدک کے پیچھے ہٹی۔ پھر تیزی سے کاغذ کھینچا اور غور سے اسکیچ کو دیکھا۔

"ارے ہاں۔ یہ تو شکور ہے۔" اس نے تعجب سے چہرہ اٹھایا۔ "یہ عامل نہیں ہوسکتا۔"

"شاید بن گیا ہو۔ انسان کس وقت کس راستے پہ چل نکلے۔ کسی کو معلوم نہیں ہوتا۔"

مالا لب کاٹتے ہوئے اس چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ ذہن کے پردے پہ ایک دم بہت سے پرانے دن لہرانے لگے۔ وہ سارے دن جو یادداشت کے صندوق میں محفوظ کر کے ایسے پکے تالے لگائے تھے کہ کبھی کھل نہ سکیں۔ اور اب ایک زوردار آواز کے ساتھ پہلا تالا چٹخا تھا۔

"لیکن شکور تمہیں نقصان کیوں پہنچانا چاہے گا؟" ماہی کی سوچ میں ابھری آواز گونجی تو وہ چونکی۔ شانے اچکا دیے۔

"ایک وجہ ہے اس کے پاس۔" وہ بڑبڑائی۔ ماہی نے چونک کے اسے دیکھا۔ اس کی رنگت سفید ہو رہی تھی۔

"کیسی وجہ؟ ایسا کیا ہے جو میں نہیں جانتی؟" اس نے مالا کے چہرے کو کھوجتی نظروں سے دیکھا لیکن وہ کچھ نہیں بولی۔ بس کاغذ تہہ کرنے لگی۔ دوہرا کر کے تہہ لگائی۔ پھر دوسری تہہ۔

"تم پراسرار ہوتی جا رہی ہو مالا۔ تم نے مجھے وہ راز بھی نہیں بتایا جو تمہیں ماں کی ڈیتھ پہ معلوم ہوا تھا، اور جس کے باعث تم اتنی پرسکون تھیں۔"

وہ کاغذ کو ایک کے بعد ایک تہہ لگا رہی تھی۔ اب وہ موٹا ہوتا جا رہا تھا سو اسے موڑنے میں مشکل ہو رہی تھی۔

"اب ہم شکور کو کیسے ڈھونڈیں گے؟" ماہی کھنکھاری۔

مالا غائب دماغی سے کاغذ کو دوہرا کر رہی تھی۔ ماہی نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا تو وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔

"کیا کہا تم نے؟"

"تم ایک کاغذ کو سات دفعہ سے زیادہ فولڈ نہیں کر سکتیں۔"

کشمالہ مبین نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔

"ورلڈ ریکارڈ ۱۲ دفعہ کا ہے۔"

اور وہ دونوں دھیرے سے ہنس دیں۔ ماحول میں چھائی سوگواریت کم ہوئی۔

''شکور عامل ہوگا لیکن وہ کسی کلائنٹ کے کہنے پہ ہمارے اوپر عمل کر رہا تھا۔ اس کا کلائنٹ کون ہو سکتا ہے؟'' ماہی نے گال پہ انگلی رکھی۔ پھر خود ہی جواب دیا۔ ''یقیناً کبیرہ تائی۔''

''ہم نے کبیرہ تائی کا کیا بگاڑا ہے؟'' مالا افسوس سے دیوار پہ لگے کاغذوں کو دیکھ رہی تھی۔

''ماں اور میں نے ان کا بہت کچھ بگاڑا ہے۔ اسی لیے میری بیٹی کے پیچھے پڑی تھیں۔ ہمارے اوپر جادو کروانے والے عموماً قریبی رشتے دار ہی نکلتے ہیں۔'' پھر وہ چونکی۔ جیسے کچھ یاد آیا۔

''ماہر کا قریبی چچا....'' گڑبڑا کے تصحیح کی۔ ''ماہر فرید کا چچا جس نے اوشن خریدا تھا....''

''اسی کے کہنے پہ خریدا ہوگا۔'' وہ تلخی سے بڑبڑائی۔

''اس نے تمہیں کال کی تھی لیکن خود ملنے نہیں آیا تھا۔ اپنے بھتیجے کو بھیج دیا۔ وہ تمہارا سامنا کرنے سے احتراز کیوں کر رہا تھا؟''

''معلوم نہیں۔'' کشمالہ نے لاعلمی سے شانے اچکائے۔ ''یقیناً وہ اوشن آتا رہتا ہوگا۔ میرا اور اس کا سامنا ہوا ہوگا۔ اور وہ دوبارہ نہیں ملنا چاہتا ہوگا۔''

''کیا تمہیں اس سے ملاقات یاد ہے؟''

''نہیں۔ شاید اس نے اپنا نام نہ بتایا ہو۔''

''ہو سکتا ہے اس نے ماہر فرید کو بتائے بغیر...''

''میں اس کو یا اس کے خاندان کو ڈسکس نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ ایک دم بےزار ہوئی۔ ''اور تمہیں میں نے منع کیا تھا۔ اس کے خاندان کو انٹرنیٹ پہ اسٹاک مت کرنا۔ دور رہو میرے مسئلوں سے۔''

اس کے بدلتے تیور دیکھ کے ماہی نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ماہی لاکھ منہ پھٹ سہی وہ اس کی بڑی بہن تھی۔

پل بھر کے لیے اسٹوڈیو میں غیر آرام دہ سی خاموشی چھا گئی۔ پھر ماہ بینہ کھنکھاری۔

''نگینہ آنٹی اس روز بتا رہی تھیں کہ اگلے ہفتے زیاد آئے گا۔ تعزیت کے لیے... اور اپنی منگنی کے لیے۔''

''معلوم ہے۔ تمہاری بھی اس سے ملاقات ہو جائے گی۔'' مالا پلٹ کے تہہ شدہ کاغذ کو ایک فولڈر میں ڈالنے لگی۔

''میں زیاد سے مل چکی ہوں۔''

''کب؟''

مالا نے تعجب سے پلٹ کے اسے دیکھا۔

''سہیل کی شادی پہ۔ ہم دونوں اس سے ملے تھے۔ یاد نہیں؟''

''تب میں اوشن کی مینیجر تھی۔ میرا دماغ کام میں اتنا مصروف ہوتا تھا کہ یادداشتیں نہیں بنتی تھیں۔'' کشمالہ نے ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔ اس میں تلخی بھی تھی اور ماضی کا ناسٹیلجیا بھی۔

''جس دن میں نے کیف کو نوکری دی تھی اُسی روز مجھے اوشن سے نکالا گیا تھا (پھر سے ٹھنڈی سانس) اور اس رات زیاد اور نگینہ آنٹی اسلام آباد آئے تھے۔'' کچھ یاد کر کے وہ مسکرائی۔ ''اور وہ براؤنیز لائے تھے۔ ممانی نے میرا حصہ نکال کے اوپر بھجوا دیا تھا۔''

ایک منظر ذہن کے پردے پہ لہرایا۔

گیلے ٹیرس پہ کھڑی براؤنی کھاتی لڑکی اور نیچے پورچ میں کھڑا زیاد سلطان جس نے سر اٹھا کے اوپر دیکھا تھا۔

''کیا تم اس کی منگنی پہ افسردہ ہو؟'' ماہی نے غور سے اس کی مسکراہٹ کو موہوم ہوتے دیکھا۔

''میں بس اس عامل کو ڈھونڈنا چاہتی ہوں۔ اور اس سے اپنی ماں کو دی گئی ہر تکلیف کا حساب لینا چاہتی ہوں۔'' وہ فولڈر میں رکھے کاغذات کو ترتیب دے رہی تھی۔

ماہی خاموش ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کشمالہ اپنے گرد کھینچی اونچی دیواروں کو اتنی جلدی نیچے نہیں کرتی۔ وہ اس وقت نہ زیاد سلطان کی بات کرنا چاہتی تھی اور نہ ہی اس انسان کی جسے وہ کیف کہتی تھی۔

(ویسے وہ کہاں رہ گیا؟ دو دن پہلے کہہ رہا تھا کہ تعزیت کرنے ہمارے گھر آئے گا۔) وہ سیڑھیاں نیچے اترتے ہوئے فون پہ ماہر کی چیٹ دیکھ رہی تھی۔ اس کی جانب خاموشی چھائی تھی۔ نہ کوئی پیغام۔ نہ کال۔

(کم بخت۔) وہ خفگی سے بڑبڑا کے آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کی راہداری سرد اور سفید تھی اور اس میں کسی disinfectant کی بو پھیلی تھی۔ ایک سائیڈ پہ رکھے بنچز پہ وہ چند افراد بیٹھے دکھائی دیتے تھے۔ زارینہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی اضطرابی کیفیت میں لمبے بالوں کو مسلسل انگلی پہ لپیٹ رہی تھی۔ قریبی بنچ پہ شبنم بیٹھی تھی۔ آج اس کے سر پہ اسکارف تھا اور وہ دونوں ہاتھ باہم پھنسائے زیرِ

لب کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں کسی پنڈولم کی طرح سامنے دائیں سے بائیں ٹہلتے ہیر بل پہ جمی تھیں۔

وہ ایک ہاتھ سر پہ رکھے' سفید پڑے چہرے کے ساتھ کبھی ایک کونے میں جاتا کبھی دوسرے میں۔

''ہیر بل بیٹھ جاؤ۔ تم مجھے اری ٹیٹ کرر ہے ہو۔'' زارینہ نے ٹانگ سے ٹانگ ہٹا کے جوتا زمین پہ زور سے رکھا تو وہ رکا۔ چند لمحے ضبط سے اسے گھورتا رہا' پھر شبنم کے دوسری جانب دھپ سے آ کے بیٹھا۔

''تم کہاں تھے ویسے؟''

سوال پہ اس نے چونک کے شبنم کو دیکھا۔ وہ دعا روک کے اس کے نئے سوٹ کو مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

''ایک ورک میٹنگ میں تھا۔''

''ورک میٹنگ نے کس رنگ کی لپ اسٹک لگا رکھی تھی؟'' اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

اس نے جواباً تیز نظروں سے شبنم کو گھورا۔

''کم از کم میری کوئی لائف تو ہے۔ تمہاری طرح ویک اینڈ پہ نیٹ فلکس کے ساتھ پاپ کارن نہیں کھاتا۔ یہی کر رہی ہو گی نا تم اس وقت؟''

شبنم کا چہرہ سرخ ہوا۔ ہونہہ کہہ کے رخ اس کی طرف سے موڑ کے دوبارہ سے ہاتھ جوڑ لیے اور زیرِ لب کچھ پڑھنے لگی۔

تیز قدموں کی آواز پہ ہیر بل جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سامنے سے چنگیز چلتا آ رہا تھا۔

''کچھ معلوم ہوا؟'' وہ قریباً دوڑ کے اس کی طرف لپکا۔

''سی سی ٹی وی فوٹیج کے مطابق حملہ آور ایس یو وی اس کے انتظار میں رکی کھڑی تھی۔ اس کو سڑک کراس کرتے دیکھ کے آگے بڑھی اور ٹکر مار کے نکل گئی۔''

''یعنی یہ سراسر قاتلانہ حملہ تھا؟'' اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔ چنگیز نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اس کی نمبر پلیٹ غائب تھی اور چند گلیوں کے بعد وہ ایک ایسی اسٹریٹ میں مڑ گئی ہے جہاں کیمرے نہیں تھے اور وہیں سے اس کا سراغ کھو گیا ہے۔ لیکن فکر مت کرو۔ ہم اس کو تلاش کر لیں گے۔'' اس نے دھیرے سے ہیر بل کا کندھا تھپکا۔

''کوئی ماہر کو کیوں مارنا چاہتا ہے؟'' اس نے کندھا ہلکا سا پیچھے کیا۔ اس کا دبلا پتلا کندھا چنگیز کے بھاری ہاتھ کی

گرفت میں دبوچا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

''ماہر کے اندر ایک مقناطیس لگا ہے جو مصیبت کو اپنی جانب کھینچتا ہے میرے دوست۔'' چنگیز کے چہرے پہ افسوس بھی تھا اور تکان بھی۔ پھر اس نے بند دروازوں کی طرف دیکھا۔

''ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں؟''

''سرجری ہو رہی ہے۔ اس کی بائیں ٹانگ بری طرح متاثر ہوئی ہے۔'' اس کی آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھری۔

''وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ ماہر بہت سخت جان ہے۔''

''اس کا ایک دفعہ پہلے بھی بائیک ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ تب اس کی رائٹ ٹانگ زخمی ہوئی تھی۔''

''رائٹ نہیں' لیفٹ۔'' زارا نے اسے گھورا۔ ''تب بھی اس کی لیفٹ ٹانگ ہی زخمی ہوئی تھی۔''

''اوہ۔'' بیربل کے لبوں سے ایک طویل اوہ خارج ہوئی۔

چنگیز نے ایک گہری نظر بنچ پہ بے زار سی بیٹھی زارینہ پہ ڈالی' پھر اسے کہنی سے تھام کے ذرا فاصلے پہ لے گیا۔

''یہ اسی سفید بالوں والے مشکوک آدمی کی بیٹی ہے نا؟'' اس نے سرگوشی میں پوچھا۔

''وہ مشکوک آدمی نہیں' میرا چچا ہے۔'' وہ برا مان گیا تھا۔ ''وہ ماہر سے بہت محبت کرتا ہے۔ وہ کبھی ماہر کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔''

''اور کہاں ہے وہ اس وقت؟'' چنگیز نے معنی خیز انداز میں ادھر ادھر دیکھا جیسے اسے تلاش کر رہا ہو۔

بیربل ایک لمحے کو چپ ہوا۔ ''زارا کہہ رہی تھی اس کی کوئی بہت اہم میٹنگ تھی۔ ویسے بھی ہم سب یہاں ہیں۔ اس نے آ کے کیا کر لینا تھا؟''

شبنم مشکوک نظروں سے ان دونوں کو دور کھڑے سرگوشی میں باتیں کرتے دیکھ رہی تھی۔

''ایسے ویسے تمہارے چچا کا ایک پیر جہاز میں ہوتا ہے۔ کبھی لندن تو کبھی استنبول۔ لیکن آج ویک اینڈ نائٹ پہ وہ مصروف تھا۔ اللہ اللہ۔'' چنگیز نے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔

''مالک کبھی ماہر کو ہرٹ نہیں کر سکتا۔ ہاں وہ اس سے باتیں چھپا سکتا ہے۔ وہ اس کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک روبوٹ ہے۔ نہ کہ کوئی ولن۔''

اس کا انداز اتنا یقینی تھا کہ چنگیز ایک گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

''تم بہتر جانتے ہو گے۔ تمام۔''

''تم لوگ آپس میں کیا بات کر رہے ہو؟'' شبنم کی آواز پہ وہ دونوں چونک کے پلٹے۔

''تمہیں ڈسکس کر رہے تھے۔ تم آ گئی ہو اس لیے چپ کر گئے ہیں۔'' بیربل جل کے بولا۔ شبنم نے خفگی سے اسے دیکھا۔ پھر ہتھیلی پھیلا کے چنگیز کے سامنے کی۔

''ماہر بے کا فون کہاں ہے؟''

''اوہ ہاں۔ یہ رہا۔'' چنگیز نے ماتھے کو چھوا۔ پھر دوسرے ہاتھ سے جیکٹ کی جیب سے ایک زپ لاک بیگ نکال کے اس کی طرف بڑھایا جس کے اندر ایک ٹوٹی اسکرین والا موبائل تھا۔)

''یہ تباہ ہو چکا ہے۔''

''ایپل کے فون اتنی جلدی تباہ نہیں ہوتے۔ صرف اسکرین ٹوٹی ہے۔'' شبنم فون کو نکال کے الٹ پلٹ کر رہی تھی۔

ذرا دیر بعد اسکرین روشن ہو گئی تو وہ فاتحانہ انداز میں مسکرا دی۔ ''ایپل فار لائف۔'' جگمگاتی اسکرین ان کو دکھائی۔

''کیا کسی کو ماہر کا پاس کوڈ معلوم ہے؟''

''نہیں لیکن اس کی کیا ضرورت ہے؟ ہم سب قریبی لوگوں کو اطلاع کر چکے ہیں۔''

''اور وہ باغبان کی بیٹی؟''

بیربل جہاں تھا، وہیں رہ گیا۔ اسے تو وہ بھول ہی گیا تھا۔

''تمہیں اسے بتانا چاہیے۔'' چنگیز تیزی سے بولا۔ ''وہ یقیناً آ جائے گی اور شاید دونوں کے سارے مسئلے حل ہو جائیں۔''

''لیکن میرے پاس اس کا نمبر نہیں ہے۔ میں اسے کیسے اطلاع کروں؟'' پھر کچھ سوچ کے اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''میرا نہیں خیال وہ ماہر کے لیے اتنی دور استنبول آنا چاہے گی۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تم استنبول جانا چاہتی ہو؟''

مالا کمرے میں آئی تو خالی بیڈ اس کا منتظر تھا۔ چادر بے شکن تھی۔ اور دوائیاں سائیڈ ٹیبل سے ہٹا دی گئی تھیں۔ وہ

چپ چاپ بیڈ کے کنارے پہ بیٹھی اور چادر پہ ہاتھ پھیرا۔

''ماں کے ہوتے ہوئے اس کمرے میں کچھ مختلف سا تھا۔''معید چوکھٹ میں آ کھڑا ہوا۔وہ بھی وہی دیکھ رہا تھا جو اس کی نظروں میں تھا۔

''وہ ماں کی رونق تھی۔ بڑوں کی اپنی رونق ہوتی ہے۔''وہ سر جھکائے انگلیاں چادر پہ پھیرتے ہوئے کچھ محسوس کر رہی تھی۔''ہر کونے سے ان کی آواز آتی ہے۔ کمرے کا دروازہ کھولتی ہوں تو لگتا ہے وہ سامنے بیڈ پہ بیٹھی ہوں گی۔ ٹانگیں نیچے لٹکائے، گود میں دواؤں کا باکس رکھے سر جھکائے الجھی سی کچھ تلاش کر رہی ہوں گی۔''

''ہم اپنی ماؤں کو ہمیشہ کاموں میں پھنسا' الجھا الجھا سا ہی دیکھتے ہیں۔ جب ان کی خدمت کروانے کی عمر آتی ہے تو وہ چلی جاتی ہیں۔''وہ چوکھٹ سے سر ٹکائے اداس نظر آ رہا تھا۔ کھڑکی کے باہر پھیلی تاریک رات ان کو اسی اداسی سے دیکھ رہی تھی۔

''کیسے نکلیں گے ہم اس فیز سے؟''مالا نے پر امید نظروں سے اسے دیکھا۔

''کمرے کی سیٹنگ بدل دو۔''

پھر وہ کھنکھارا۔ جیسے ہمت مجتمع کی ہو۔

''تم استنبول جانا چاہتی ہو؟''

مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔ آنکھیں اچنبھے سے اکٹھی ہوئیں۔

''میں کئی دفعہ استنبول جا چکی ہوں۔ لیکن تم اس حالت میں Vacation کا سوچ رہے ہو؟''اسے جیسے برا لگا تھا۔

''نہیں۔ میں استنبول منتقل ہونے کی بات کر رہا ہوں۔ مجھے ترکی میں ایک فیلوشپ کرنی ہے۔ ماں کی وجہ سے ہر سال چھوڑتا رہا۔ اب جا سکتا ہوں لیکن تمہیں چھوڑ کے نہیں۔ تم ساتھ چلنے کی ہامی بھرو تو میں اپلائی کروں گا۔''

''تم ماں کے غم سے فرار چاہتے ہو؟ حالانکہ اس غم سے کبھی فرار نہیں ملتا۔''

''میں بس لاہور میں نہیں رہنا چاہتا۔''

''لیکن مجھے ابھی یہاں رہنا ہے۔ چند کام ہیں جو مجھے کرنے ہیں۔''وہ بولی تو چہرہ ایک دم سپاٹ ہو گیا۔ کچھ تلخ سا تھا جو کمرے کی خاموشی میں گھلتا چلا گیا۔

''سوچ لو۔ یہاں رہ کے صرف تم اپنی مینٹل ہیلتھ خراب کرو گی۔''وہ نرمی سے زور دیتے ہوئے پلٹ گیا۔ پھر

کچھ یاد آنے پہ واپس پلٹا۔

''کیف کا فون آیا تھا جنازے والے دن۔ تعزیت کے لئے۔''

وہ ایک دم چونکی۔ دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ وہ بہن بھائی آج کل ایک دوسرے کو بتاتے رہتے تھے کہ فلاں کا فون آیا' فلاں کا نہیں آیا۔ کس نے جنازے میں شرکت کی' کس نے نہیں کی۔ ہر پاکستانی گھرانے کی طرح ان کو بھی ہر اس شخص کو یاد رکھنا تھا جو ان کے برے وقت میں ساتھ تھا۔ اور جس نے پلٹ کے پوچھا بھی نہیں۔

معید اطلاع دے کر آگے بڑھ گیا اور وہ جہاں تھی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

''وہ معید کو کال کر سکتا تھا تو ایک کال مجھے بھی کر سکتا تھا۔ لیکن نہیں۔ نہ کال کی۔ نہ خود آیا۔'' وہ خود سے بڑبڑا رہی تھی۔ آنکھیں بھیگنے لگیں۔ کچھ تھا جو بہت برا لگا تھا۔ اسے نہ جانے کیوں یقین سا تھا کہ وہ آئے گا۔ کال نہیں کرے گا لیکن ایک دن وہ اچانک سے ڈور بیل بجنے پہ دروازہ کھولے گی تو وہ سامنے کھڑا ہو گا۔ لیکن وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی کیف کے بارے میں غلط تھی۔

ایک دم تیز پانی کے گرنے کی آواز نے اس کا ارتکاز توڑا۔ مالا نے چونک کے باتھ روم کی سمت دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا پھر؟

وہ دھیرے سے اٹھی اور قدم قدم چلتی باتھ روم تک آئی۔ نیم وا دروازہ پورا دھکیلا۔

سنک کا نل کھلا تھا اور پانی تیز دھار سے نیچے گر رہا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور سختی سے نل بند کیا۔ پھر پلٹی ہی تھی کہ ٹونٹی کے گھومنے کی آواز آئی اور نل دوبارہ چل پڑا۔

ایک گہری سانس لے کر کشمالہ مبین واپس پلٹی۔ چہرے پہ نہ کوئی خوف تھا' نہ کوئی پریشانی تھی۔

''تمہیں لگتا ہے تم مجھے ڈرا سکتے ہو؟ وہ بھی پانی کے ایک نل سے؟ ہونہہ۔'' وہ آگے بڑھی اور ٹونٹی زور سے گھمائی لیکن مخالف سمت۔ ایسے کہ نل پورا کھل گیا۔ پانی کی دھار مزید تیز ہو گئی۔

''لو کھل گیا نل۔ مزید کیا کرنا ہے؟ میرے گھر کے شیشے توڑنے ہیں؟ توڑو نا۔ توڑو۔'' وہ دائیں بائیں خالی باتھ روم میں دیکھتے ہوئے زور سے غرائی۔

''کیا کر سکتے ہو تم؟ مجھے ڈرانا چاہتے ہو؟ ڈراؤ نا۔ آؤ۔ پھر سے پکڑو میری گردن۔'' وہ اطراف میں دیکھتے ہوئے گول گول ایڑیوں پہ گھوم رہی تھی۔

''تم ایک بے وقوف اور ڈرپوک مخلوق ہو۔ میں نہیں ڈرتی تم سے۔ وہ عامل جس کے تم غلام ہو اور جس کے کہنے

پہ تم نے میری ماں کو اذیت دی تھی' جا کے اس کو میرا ایک پیغام دینا۔" اس کی غراہٹ بلند ہو رہی تھی۔

"اسے وہ کہنا وہ تیار رہے۔ مجھے اس کا چہرہ معلوم ہے۔ اور میں اسے ڈھونڈ نکالوں گی۔ وہ جسے آج تک کوئی نہیں ڈھونڈ سکا' اسے میں ڈھونڈوں گی۔" چہرہ گلابی ہو کے تمتما رہا تھا۔ ایک جھٹکے سے نل بند کیا اور دھاڑ سے باتھ روم کا دروازہ مارتی وہ کمرے میں واپس آئی۔

نل دوبارہ نہیں کھلا۔ اب ہر طرف خاموشی تھی۔ کوئی آہٹ نہیں۔ کوئی چاپ نہیں۔

"بزدل۔" وہ بستر پہ بیٹھی تو چھن سے ایک منظر آنکھوں کے سامنے آیا۔

وہ دونوں کافی شاپ میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ بھوری آنکھوں والا مرد اسے اپنی کہانی سنا رہا تھا اور وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اس کا نام سرکار ہے۔ یعنی اس کے کلائنٹس اسے سرکار کے نام سے جانتے ہیں۔ میرا سوتیلا باپ اس کا کلائنٹ تھا۔ لیکن وہ بھی اس کی اصل شناخت سے واقف نہیں تھا۔ مجھے اتنا معلوم ہے کہ وہ ایک بوڑھا جادوگر ہے۔ اس کے بال سفید' اور رنگت سیاہی مائل ہے۔ اور وہ سر پہ ایک نارنجی رومال لپیٹتا ہے۔ اس نے بہت سے خاندان توڑے ہیں۔ بہت لوگوں کو اذیت دی ہے۔ لیکن اسے آج تک کوئی نہیں ڈھونڈ سکا۔ میں بھی نہیں۔"

کافی شاپ میں بیٹھی لڑکی اسے مشکوک نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

لیکن اس وقت اپنے بیڈ پہ بیٹھی لڑکی کی آنکھوں میں شک نہیں تھا۔ صرف چبھن تھی۔

"کیا وہ سچ کہہ رہا تھا؟ کیا وہ خود اس عامل کا کلائنٹ نہیں تھا؟ کیا وہ خود البم میں موجود لڑکیوں پہ ظلم کرنے والا نہیں تھا؟" اس نے سر جھٹکا۔ "شاید وہ سچ کہہ رہا ہو لیکن کیا فرق پڑتا ہے۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا۔ کئی ماہ مجھ سے جھوٹ بولا۔ میرا ریستوران چھینا۔ اپنے اور سرکار کے کھیل میں مجھے کیوں شامل کیا؟ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی' کیف۔"

پھر اطراف میں دیکھا۔ اس کا کمرہ خالی تھا لیکن وہ جانتی تھی سرکار نامی اس عامل کے چیلے اس پہ نظر رکھے ہوئے تھے۔

"وہ جسے کوئی نہیں ڈھونڈ سکا' اسے میں ڈھونڈوں گی۔" وہ لیٹ گئی اور ماتھے پہ بازو رکھ کے آنکھیں موند لیں۔

وہ اب خوفزدہ نہیں تھی۔ اس کی ماں چلی گئی تھی۔ اب کھونے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا۔

بصارت اندھیر ہوئی تو ایک منظر ذہن کے پردے پہ چلنے لگا۔

اندر کمرے میں ماں کی میت رکھی تھی اور وہ نائٹ سوٹ میں ملبوس کچن کاؤنٹ کے پاس کھڑی تھی۔اس کے سامنے کٹے ہوئے بالوں والی مسکراتی ہوئی ڈاکٹر سلیمہ کھڑی تھیں۔ان کے لب دھیرے دھیرے ہل رہے تھے۔

''کیا میں تمہیں ایک ایسا راز بتاؤں جوان بچوں کو معلوم ہوتا ہے جن کے ماں باپ ان کے سامنے مر جاتے ہیں؟''

''میرے والد کی ڈیتھ اس وقت ہوئی جب میں بہت چھوٹی تھی' سلیمہ آنٹی۔تب تو مجھے ایسا کوئی راز معلوم نہیں ہوا۔''

کچن کاؤنٹر کا منظر ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ایک آنسو آنکھ سے نکلا اور گردن پہ لڑھکتا چلا گیا۔اس آنسو کا رنگ شفاف پانی جیسا تھا۔اور اس شفاف پانی میں دھنک کے ساتوں رنگ مقید تھے۔

ان رنگوں کے اندر ایک اور منظر جنم لینے لگا۔

عورتوں اور مردوں کا ایک ہجوم.... وسط صحن میں رکھی چارپائی... اجلے سفید کفن میں لپٹا ایک بند آنکھوں والا مردانہ چہرہ۔چارپائی کی پائنتی کے ساتھ بیٹھی ایک فربہ سی لڑکی جس کی آنکھیں سبز تھیں اور کلائیوں میں سونے کے کنگن تھے۔وہ سر جھکائے دھیمی آواز میں روئے جا رہی تھی....

صحن کے دوسرے کونے پہ وہ کھڑی تھی۔ایک چھوٹی سی سبز آنکھوں والی لڑکی جس نے بالوں کی اونچی پونی بنا رکھی تھی۔اس کے کندھے کے ساتھ ایک لڑکا کھڑا تھا جو قد میں اس سے چند انچ چھوٹا تھا۔ساتھ بچھی چارپائی پہ ایک اور ننھی لڑکی سو رہی تھی جو کافی صحت مند اور بھرے بھرے گالوں والی تھی۔

''تم بڑی ہو' کشمالہ۔''ایک بوڑھی خاتون جو اس چارپائی پہ پیر لٹکائے بیٹھی تھیں' اس کا ہاتھ تھام کے محبت سے کہنے لگیں۔

''بڑی؟''وہ جو بھیگی آنکھوں سے دور صحن میں رکھی میت کو دیکھ رہی تھی' چونک کے انہیں دیکھنے لگی۔

''ہاں۔تم بڑی ہو اور یہ چھوٹی۔بڑا بہن بھائی باپ کی جگہ ہوتا ہے۔اب یہ دونوں نہ صرف تمہاری ماں بلکہ تمہاری بھی ذمہ داری ہیں۔''

اس نے ناسمجھی سے سر ہلا دیا اور آنکھ سے نکلا آنسو ہتھیلی کی پشت سے رگڑ دیا۔

''دیکھو بیٹا ...اب تمہارا باپ نہیں رہا۔اب تم لوگوں کو قدم پھونک پھونک کے رکھنا ہوگا۔''کسی دوسری خاتون نے سرگوشی کی۔وہ چونک کے ان کو دیکھنے لگی۔

''اب تم لوگ اپنے کزنز سے کبھی مت لڑنا۔ بالخصوص اپنے ماموؤں اور ان کے بچوں سے بنا کے رکھنا۔ پہلے مبین تمہارے سر پہ تھا۔ اب وہ نہیں ہے۔ اسی لیے نہ ددھیال میں کسی کو شکایت کا موقع دینا ہے نہ نھیال میں۔''

''ہاں بیٹا۔ تم نے اپنے بہن بھائیوں کا خیال رکھنا ہے۔ اپنے خاندان کے ساتھ جڑے رہو گے تو سب ٹھیک رہے گا۔ کسی سے نہیں لڑنا۔''

''کسی سے نہیں لڑنا۔'' اس نے زیرِ لب دہرایا۔

کشمالہ نے آنکھیں کھولیں۔ ایک اور آنسو گال سے لڑھک کے نیچے جا گرا۔

چارسدہ کا صحن غائب ہو گیا۔ وہ لاہور میں اپنے کمرے میں لیٹی تھی۔ اس کے اور اس کی کم علم اور تنگ ذہن رشتے دار خواتین کے درمیان بہت سے فاصلے تھے۔ کئی برس کی تعلیم' اور ایک طویل عرصے تک ورکنگ وومن ہونے کا فاصلہ۔ ہائی سوسائٹی کے exposure اور دنیا گھومنے کا فاصلہ۔ وہ ان سے بہت دور جا چکی تھی۔

لیکن کیا واقعی؟

کیا واقعی کچی عمر میں ذہن پہ لگی پکی لکیریں تعلیم اور تجربے سے مٹ جاتی ہیں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ہسپتال کا ایک مختلف کاریڈور تھا۔ یہاں پرائیوٹ رومز کے دروازوں کی قطار نظر آ رہی تھی۔ ہر کمرے کے باہر آرام دہ صوفوں کا ایل بنا تھا اور سامنے رکھی میز پہ تازہ پھول سجے تھے۔ کونے میں ایک ریسپشن تھی جہاں پہ بیٹھی خوبصورت لڑکی سے عیادت کے لیے آنے والے مہمان اپنے مریض کا روم نمبر پوچھتے' اور مطلوبہ کمرے تک چلے آتے۔ اگر مریض کے مہمان زیادہ ہو جاتے تو کچھ لوگوں کو کمرے کے باہر ایل شیپ صوفوں پہ بٹھا دیا جاتا۔ لیکن چونکہ یہ امراء کا پرائیوٹ ایریا تھا' اس لیے یہاں داخل مہمانوں کی عیادت کرنے والے جس تیزی سے آتے' اسی تیزی سے واپس پلٹ جاتے تھے۔ اکثر کمروں میں امراء کے بوڑھے والدین داخل تھے جن کے بچوں نے ان کے لیے تنخواہ دار اٹینڈنٹ رکھے ہوئے تھے۔ خود وہ کم کم ہی چکر لگاتے۔ کیونکہ جب وہ چھوٹے تھے' ان کے والدین کے پاس ان کے لیے وقت نہیں ہوتا تھا۔ آج ان کے پاس اسی وقت کی کمی تھی۔ ایسے میں کسی بھی کمرے کے سامنے بنے سٹنگ ایریا پہ رش نہ لگا تھا۔

سوائے روم نمبر ۵۵۵ کے۔ یہ صوفے گزشتہ تین دن سے خالی نہیں ہوئے تھے۔

میز پہ رکھے گلدستے کے ساتھ کافی کے خالی کپ رکھے تھے۔ ایک صوفے پہ بیربل براجمان تھا۔ رف ٹی شرٹ

اور جینز پہنے' گھنگھریالے بال الجھے الجھے سے لگ رہے تھے۔ جیکٹ ساتھ رکھی تھی۔ آنکھوں سے لگتا تھا وہ کئی دن سے نہیں سویا۔ صوفے کے دوسرے کنارے پہ شبنم بیٹھی ٹوٹی اسکرین والے فون کو ہاتھ میں گھما رہی تھی۔ بیربل کے برعکس وہ ہر روز کی طرح صاف ستھرے لباس میں تازہ دم نظر آتی تھی۔

دفعتاً روم ۵۵۵ کا دروازہ کھلا اور چنگیز باہر آتا دکھائی دیا۔ وہ سر جھکائے' احتیاط سے فرش پہ رکھی ایک تار کو عبور کر رہا تھا۔ وہ ایک کارنر لیمپ کی تار تھی جس کے قریب کوئی سوئچ نہ تھا۔ سو اس کو چوکھٹ کے اوپر دیوار سے گزارا گیا تھا۔ لیکن گزشتہ روز وہ نیچے گر پڑی تھی اور تب سے چوکھٹ پہ پڑی تھی۔

''جو بھی اندر جائے' دھیان سے جائے۔ ورنہ لیمپ کی تار سے اڑ کے گر سکتا ہے۔'' اس نے کوفت بھرے انداز میں باہر آ کے اطلاع دی۔

''میں ایک بار گر چکا ہوں۔'' بیربل نے ایک ہاتھ بلند کیا۔

''میں بھی۔'' شبنم نے محض ایک انگلی بلند کی۔

''تم دو دفعہ گری ہو۔ اور میں نے دونوں دفعہ دیکھا تھا۔''

شبنم نے خفگی سے اس کی طرف سے رخ موڑ لیا اور چنگیز کی طرف متوجہ ہوئی۔

''کیا ماہر بے اس کنڈیشن میں ہیں کہ ہم ان سے بات کر سکیں؟''

چنگیز جواب دیے بنا ریسیپشن تک گیا اور کہنیوں کے بل کاؤنٹر پہ جھکا۔

''کیا کوئی روم نمبر ۵۵۵ کے کارنر لیمپ کی تار فکس کر سکتا ہے؟ وہ کل سے راستے میں پڑی ہے۔ کوئی اس سے اڑ کے زخمی ہو سکتا ہے۔ اللہ اللہ....'' دونوں ہاتھ اٹھا کے اکتا کے کہا اور سر جھٹکتا پلٹ گیا۔ لڑکی نے سر ہلا کے فوراً سے ریسیور کان سے لگا لیا۔

''فلموں میں تو ایسے نہیں ہوتا۔'' چنگیز واپس ایل شیپ صوفوں تک آیا تو شبنم ناراض نظر آ رہی تھی۔

''کیا ہوتا ہے فلموں میں؟''

''مریض کو جیسے ہی ہوش آتا ہے' اس کے قریبی لوگ اس سے ملتے ہیں۔ اور وہ آہستہ سے آنکھیں کھول کے ان کو دیکھتا ہے۔ چند اپنائیت بھری باتوں کے تبادلے ہوتے ہیں۔'' وہ خفگی سے کہہ رہی تھی۔ ''اور یہاں جب سے سرجری کے بعد ماہر کو ہوش آیا ہے' اس نے ایک دفعہ بھی ہم میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔ اور صرف درد سے چلائے جا رہا ہے۔''

''کیونکہ اس کو درد ہو رہا ہے' شبنم خانم۔'' وہ صوفے پہ بیٹھتے ہوئے سمجھانے والے انداز میں کہنے لگا۔'' تمہاری فلموں میں ہر زخم کے ساتھ ہیرو کی برداشت بڑھتی جاتی ہے لیکن حقیقی زندگی میں ایسا نہیں ہوتا۔ انسان کی درد برداشت کرنے کی ہمت ہر نئی تکلیف پہ کم ہو جاتی ہے۔ یہ ماہر کا پہلا ایکسیڈنٹ نہیں ہے۔ اس لیے اس کی تکلیف بہت زیادہ ہے۔ اس لیے اسے دواؤں کے زیر اثر سلائے رکھنے میں ہی بہتری ہے۔''

''میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ماہر درد سے اتنا چلا سکتا ہے۔ چچ۔'' شبنم نے دونوں کانوں کو چھوا۔

تھوڑی دیر کے لیے سٹنگ ایریا میں خاموشی چھا گئی۔ وہ دونوں اپنے اپنے فون پہ لگے تھے۔ دفعتاً شبنم کھنکھاری۔

''ہم تینوں باری باری یہاں آ کے ڈیوٹی دیتے ہیں۔ ہسپتال والے بھی سوچتے ہوں گے کہ ہماری کوئی لائف نہیں ہے۔''

''اپنی بات کرو۔ میری لائف ہے۔'' بیربل نے فون اسکرول کرتے ہوئے سر جھٹکا۔

''اچھا؟ جب ماہر کے ایکسیڈنٹ کی خبر آئی تو تم کیا کر رہے تھے؟''

''میں ایک خوبصورت لڑکی کے ساتھ ڈنر کر رہا تھا۔'' اس نے مسکرا کے پلکیں جھپکائیں تو شبنم بھی مسکرائی۔

''اور تب سے اس خوبصورت لڑکی نے تمہیں ایک کال نہیں کی۔''

بیربل کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ منہ میں کچھ بڑبڑا کے واپس فون پہ جھک گیا۔

''جب سے ماہر کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے' ہم سب کی زندگیاں رک گئی ہیں۔'' چنگیز بھی فون پہ لگا تھا۔ وہ خود سے بولنے لگی۔'' زارینہ خانم کو دیکھ لو۔ صرف دو دفعہ آئی ہیں۔ کیونکہ اس کی لائف ہے۔ پھر وہ کیف سنبھال رہی ہے۔ مالک اپنا کاروبار سنبھال رہا ہے۔ سب کی لائف ہے سوائے ہم تینوں کے۔ کیونکہ شاید ہماری زندگیاں صرف ماہر کے گرد گھومتی تھیں۔''

''تمہارے خاموش ہونے کی کوئی ٹائمنگ ہے یا مرضی سے ہوتی ہو؟'' بیربل فون پہ چہرہ جھکائے بولا تو شبنم کا چہرہ سرخ ہوا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتی' بھاری جوتوں کی آواز سنائی دی۔

ان تینوں نے سر اٹھا کے اس طرف دیکھا۔

عبدالمالک فرید سامنے سے چلے آ رہے تھے۔ ان کا سوٹ آج بھی بے شکن تھا۔ سفید بال جیل سے جمے تھے۔ اور چہرہ بے تاثر تھا۔ شبنم اور بیربل بے اختیار کھڑے ہو گئے۔ چنگیز نہیں اٹھا۔ وہ اپنی جگہ پہ بیٹھا' آنکھوں کی

پتلیاں سکوڑے انہیں آتے دیکھے گیا۔

''ماہر کیسا ہے؟'' مالک ایک صوفے پہ بیٹھے اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

''اس کی حالت اسٹیبل ہے۔ لیکن سرجری کے بعد سے اس کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ اس لیے اسے زیادہ وقت sedated رکھتے ہیں۔'' بیر بل واپس بیٹھتے ہوئے دھیمی آواز میں بتانے لگا۔ چنگیز بغور ان دونوں کے چہرے دیکھ رہا تھا۔

''یہ وہی ٹانگ ہے؟'' مالک کا لہجہ خشک تھا۔

بیر بل نے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور بند دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

''تم اس سے مل سکتے ہو۔''

''جب وہ ہوش میں آئے گا' تب مل لوں گا۔ مجھے اس کو چیختے چلاتے دیکھنا پسند نہیں ہے۔''

مالک دوٹوک انداز میں کہہ کے بند دروازے کو دیکھنے لگے۔ نظریں دروازے پہ لکھے نمبر پہ تھیں۔

''۵۵۵۔ ماہر کا لکی نمبر ۵۔ یہ کمرہ کس نے منتخب کیا تھا؟''

شبنم نے ایک ہاتھ اونچا کیا۔ مالک نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی اور واپس دروازے کو دیکھنے لگے۔

چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ پھر بیر بل کھنکھارا۔

''مجھے لگتا ہے ماہر کو کسی نے مارنے کی کوشش کی ہے۔''

''یقیناً اس مصیبت کو بھی خود اسی نے دعوت دی ہوگی۔'' ان کا لہجہ سرد اور بے تاثر تھا۔ جذبات سے مکمل عاری۔

''آپ اتنے دن سے کہاں تھے؟'' چنگیز کی نظریں ان پہ جمی تھیں۔

مالک نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

''اور تم کون ہو؟''

''باش کومسر چنگیز۔ (چیف انسپکٹر چنگیز)'' اس نے والٹ کھول کے اپنا بیج دکھایا۔ گردن خود بخود اکڑ گئی۔

''میں ضرور بتاؤں گا کہ میں اتنے دن سے کہاں تھا' چنگیز آفندی۔ لیکن میں ابھی فلائٹ سے آیا ہوں اور میں تھکا ہوا ہوں۔'' مالک فرید کی چبھتی نظریں اس پہ جمی تھیں اور لب میکانکی انداز میں ہل رہے تھے۔

''پہلے میں زارا کے اپارٹمنٹ جاؤں گا۔ وہاں فریش ہوں گا۔ پھر میں ڈی جی ایمنیت گنال مدرلو (ترکش پولیس سروس) کے ساتھ شہر سے باہر جنگل میں شوٹنگ کے لیے جاؤں گا۔ (چنگیز کی کمر سیدھی ہوئی۔) ہم کچھ دیر کے لیے

ٹیکٹیکل شوٹنگ کریں گے۔ اور پھر میں اس سے پوچھوں گا کہ سر یار کا باش کو سر میرے بھتیجے کے ایکسیڈنٹ کی تفتیش کرنے کے بجائے ہسپتال میں بیٹھا کیا کر رہا تھا؟"

"میں... ابھی آیا تھا۔" چنگیز تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا' رنگت بدلی تھی۔ "ہم اس کار کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"مجھے تمہاری پروگریس رپورٹ تمہاری باس سے مل جائے گی' باش کو سر بے۔" ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھے مالک نے کندھے اچکا دیے۔ اس کی برفیلی نظریں چنگیز کے وجود میں پیوست ہو رہی تھیں۔

بیربل فرید کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ ابھر کے معدوم ہوئی۔

"میں چند ضروری کام نپٹا کے آتا ہوں۔" چنگیز نے سر کو خم دیا اور ان دونوں سے نگاہ ملائے بغیر تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"مالک بے...." شبنم کھنکھاری۔ "وہ ماہر کا بہت اچھا دوست اور...."

"کیا میں نے تم سے پوچھا ہے' شبنم؟" وہ اب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ماہر کو دیکھتی ہوں۔" وہ جلدی سے ۵۵۵ کا دروازہ کھول کے اندر غائب ہوئی۔ دروازہ بند ہوتے ہی مالک نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے' لیکن بیربل نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔

"ایک منٹ...." وہ غور سے کچھ سن رہا تھا۔

لمحے بھر بعد اندر سے ٹھڈے کی آواز آئی۔ اور پھر شبنم کا "آؤچ"۔

"اور یہ ہوئی ہیٹرک۔" بیربل نے مطمئن سی سانس خارج کی اور پھر مالک کی طرف متوجہ ہوا۔

"تم کچھ کہہ رہے تھے؟"

"کیا اس کی ٹانگ ٹھیک ہو جائے گی؟" وہ بغور بیربل کو دیکھ رہے تھے۔ آنکھوں کی برف ویسی ہی تھی۔

"یہ گزشتہ ایکسیڈنٹ سے بدتر تھا۔ لیکن ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں۔ وہ چند ماہ میں اپنے قدموں پہ کھڑا ہو جائے گا۔"

"چند ماہ۔" وہ اب بیربل کو نہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ چہرہ موڑے مخالف سمت میں کمروں کی قطار کے سامنے رکھے خالی صوفوں کو دیکھ رہے تھے۔

"مالک... وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ پریشان مت ہو۔" بیربل بغور ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے نرمی سے بولا۔ انہوں

نے بس سر کو جنبش دی۔

''تمہارے پاس اس لڑکی کا نمبر ہے؟''

مالک نے چونک کے اسے دیکھا۔

''کون سی لڑکی؟''

''وہی جس کو ماہر نے تمہارے کہنے پہ چھوڑ دیا تھا۔ کشمالہ۔'' اس کی آنکھوں میں کچھ جتاتا ہوا تھا۔

''ہاں ہے۔ کیوں؟'' مالک کا چہرہ ویسا ہی تھا۔

''اس کو کال کر کے بتا دو کہ ماہر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ شاید وہ آنا چاہے؟''

''اب تم اپنے بھائی کے لیے ہمدردی طلب کرو گے؟'' بیربل پہ جمی ان کی آنکھوں میں ملامت ابھری تو اس کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''کیا تم اسے کال کر سکتے ہو؟''

"نہیں۔ کیونکہ ماہر ایسا کبھی نہیں چاہے گا کہ وہ اسے اس حالت میں دیکھے۔ میں اسے تم سے زیادہ جانتا ہوں بی۔''

''یا شاید تم اسے بتانا نہیں چاہتے۔'' بیربل کی آنکھوں میں جھنجلاہٹ ابھری۔ ''اور ہاں... ماہر کو معلوم ہے کہ تم نے اس لڑکی کا ریستوران بکوایا تھا۔''

''اسے بہت پہلے معلوم ہو جانا چاہیے تھا۔ اس نے کاغذات پہ خود دستخط کیے تھے۔'' عبدالمالک فرید اسی طرح پرسکون بیٹھے رہے۔ ان کے ہاتھ صوفے کے ہتھ پہ نادیدہ پیانو بجا رہے تھے۔

''اس کے آنے سے شاید وہ جلد تندرست ہو جائے۔ کیا تم ایسا نہیں چاہتے؟'' اب کے بیربل نے لہجے کو بدل کے کہا۔

''کوئی لڑکی کسی مرد کو تندرست نہیں کر سکتی۔ بہتر ہو گا تم اپنی توانائی اپنے بھائی کا خیال رکھنے پہ صرف کرو۔'' اسی لہجے میں کہہ کے مالک نے اپنا موبائل نکالا اور عینک ناک پہ لگاتے ہوئے چہرہ اسکرین پہ جھکا دیا۔ بیربل بڑبڑاتے ہوئے رخ موڑ کے بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کے ڈرائننگ روم کی کھڑکی کے آگے سے آدھا پردہ ہٹا تھا اور سرما کی دھوپ اندر آ رہی تھی۔ خزاں

نے بہت سے پتوں کو خشک کر کے گرا دیا تھا۔ لیکن ماں کے سدا بہار پودے ویسے ہی کھڑے تھے۔ فضا میں دھوئیں جیسی اسموگ کی ملاوٹ بھی شروع ہو چکی تھی۔ ایسے میں ڈرائینگ روم کی خاموشی کو باہر سے آتی کسی پرندے کی سیٹی چیر رہی تھی۔ غوں غوں ں ں ں۔ ایک غوں چھوٹا اور ایک بہت طویل۔

آواز میں وقفہ آیا تو صوفے پہ بیٹھی کشمالہ نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

سامنے بڑے صوفے کے کنارے پہ زیاد سلطان بیٹھا تھا۔ پولو شرٹ کے اوپر پوری آستین کا سوئیٹر پہنے' سر جھکائے وہ آگے ہو کے بیٹھا تھا۔

''جب سے میری امی بیمار ہوئی ہیں' میں آپ کی کیفیت سمجھ سکتا ہوں۔ عجیب بے بسی ہے۔ کروں تو کیا کروں؟'' اس نے چہرہ اٹھا کے کشمالہ کو دیکھا تو آنکھوں میں اداسی تھی۔ وہ اس اداسی کو پہچانتی تھی۔

''علاج کروا رہے ہیں؟'' وہ فکر مندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا گلابی سپید چہرہ میک اپ سے پاک تھا۔ بال اونچی پونی میں بندھے تھے اور پیروں میں عام سلیپرز تھے۔ سادہ شلوار قمیض کے اوپر وہ کندھوں پہ شال لپیٹے ہوئے تھی۔ سرما ابھی ٹھیک سے شروع نہیں ہوا تھا اور گھر کے اندر ہیٹر کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔

''سب کر رہا ہوں کشمالہ۔ لیکن وہ تندرست نہیں ہیں۔ اور میرا خوف ہر دن بڑھتا جا رہا ہے۔''

اسے لگا اس کے سامنے زیاد سلطان نہیں' اس کا اپنا وجود بیٹھا ہے۔ چھ ماہ پہلے کا وجود۔ ڈاکٹر وہرا کے کلینک میں بیٹھی ڈری سہمی لڑکی۔

''وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں دعا کروں گی۔'' وہ ہلکا سا مسکرائی۔

وہ بھی مسکرا دیا۔ پھر غور سے اسے دیکھا۔

''آپ کیسی ہیں؟''

کھڑکی کے پار پرندے کی لمبی سی غوں پھر سے سنائی دی تھی۔ وہ کہیں قریب ہی تھا۔ لیکن پردہ آدھا برابر ہونے کی وجہ سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ چند گھنٹے ٹھیک گزرتے ہیں۔ ماں یاد سے نکل جاتی ہیں۔ پھر اچانک یاد آتا ہے کہ ماں چلی گئی ہیں۔ اور یہ حقیقت کسی ہتھوڑے کی مانند سر پہ لگتی ہے۔ ایسی تکلیف ہوتی ہے کہ لگتا ہے دل پھٹ جائے گا۔ ایسی گھٹن کہ دل چاہتا ہے زور زور سے چیخوں۔ اور پھر چند گھنٹے کے لیے وہ بھول جاتی ہیں۔ اور میں اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتی ہوں۔ یوں یہ سائیکل چلتا رہا ہے۔''

"میں سمجھ سکتا ہوں کہ آپ کس کیفیت سے گزر رہی ہیں۔" اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا جیسے کہ وہ کیا کہے۔ وہ بھیگی آنکھوں سے مسکرا دی۔

"اکثر میں بھول جاتی ہوں کہ وہ اب نہیں ہیں۔ گھر میں داخل ہوتی ہوں تو پہلا خیال ان کے پاس جا کے انہیں سلام کہنے کا آتا ہے۔ شام کی چائے میں ان کا ایک کپ زیادہ بنا دیتی ہوں۔ رات کو ان کی انسولین نکالنے کے لیے فریج کھولتی ہوں تو یاد آتا ہے کہ اب کسی دوا کی ضرورت نہیں رہی۔"

"آپ ٹھیک نہیں ہیں۔" وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں میں ٹھیک نہیں ہوں۔ لیکن میں خود کو ٹھیک کر لوں گی۔" اس نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا۔ "کیونکہ میرے پاس اب ایک مقصد ہے۔"

پرندے کا غوں زور سے بلند ہوا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ زیاد ناسمجھی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیسا مقصد؟"

"میں اس عامل کو ڈھونڈوں گی جو اتنے عرصے سے میرے پیچھے پڑا ہے۔ پہلے وہ صرف مجھے نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔ پھر اس نے میری ماں پہ بھی جادو کیا۔ انہیں تکلیف دی۔" حلق میں آنسوؤں کا گولہ اٹکنے لگا لیکن وہ بہت ضبط سے اسے نیچے دھکیل گئی۔

"آپ اسے کیسے ڈھونڈیں گی؟" وہ حیران تھا۔

"بتایا تو آپ مجھے منع کریں گے۔ کہیں گے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نہیں جانا چاہیے۔ ان سے دور رہنے میں بھلائی ہے۔ ہے نا؟"

وہ دھیرے سے مسکرایا۔

"نہیں۔ میں آپ کو منع نہیں کروں گا۔ آپ سمجھدار ہیں۔ اور اپنی حفاظت خود کر سکتی ہیں۔ آپ جو بھی کرنا چاہیں گی، مجھے اپنے ساتھ کھڑا پائیں گی۔"

وہ ٹھوس لہجے میں نرمی سے کہہ رہا تھا۔ وہ گیلی آنکھوں سے مسکرائی۔ کیا تھا اس شخص میں کہ جب وہ قریب ہوتا تھا تو دل خود اس کی طرف کھنچتا تھا؟

"تھینک یو زیاد۔"

"لیکن مجھے آپ کی حفاظت کی فکر ہے۔ آپ کسی عامل کے ٹھکانے پہ بغیر سیکیورٹی کے تنہا نہیں جائیں گی۔" وہ

تشویش سے کچھ اور بھی کہہ رہا تھا لیکن قدموں کی آواز پہ خاموش ہو گیا۔

ماہی اندر چلی آ رہی تھی۔ اسے دیکھ کے مسکرائی اور سر کے خم سے سلام کیا۔ وہ بھی مسکرا کے اٹھ کھڑا ہوا۔

''زیاد یہ ماہی ہے۔ میری بہن۔''

زیاد نے تعجب سے اسے دیکھا۔''آف کورس میں جانتا ہوں۔ ہم سہیل کی شادی پہ ملے تھے نا۔''

''مالا اس وقت اپنے ریستوران میں اتنی الجھی ہوتی تھی کہ اسے ہم عام لوگ یاد نہیں رہتے تھے۔'' ماہی ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے آگے آئی تو وہ دونوں دھیرے سے ہنس دیے۔ پھر زیاد نے میز پہ رکھے شاپنگ بیگ کی طرف اشارہ کیا۔

''امی نے آپ کے بے بی کا بتایا تھا۔ سمجھ نہیں آیا کیا لے کر آؤں۔ ائیر پورٹ سے چاکلیٹس اٹھا لیں۔'' پھر ایک گلہ آمیز نظر کشمالہ پہ ڈالی۔''ان کو چاکلیٹس نہیں پسند۔ سو یہ آپ کی ہیں۔''

''تھینک یو۔ مجھے بہت پسند ہیں چاکلیٹس۔'' ماہی پورے دل سے مسکرا دی۔ چھوٹے بالوں پہ ہیئر بینڈ پیچھے کر کے لگائے، لمبا سا سوئیٹر پہنے، ماہی آج ہشاش بشاش لگ رہی تھی۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ حور سو رہی تھی۔

''نگینہ آنٹی بتا رہی تھیں کہ آپ کی منگنی ہونے جا رہی ہے۔''

مالا نے اسے تادیبی نظروں سے گھورا لیکن وہ ماہی تھی۔ مزے سے کہتے ہوئے سامنے والے صوفے پہ بیٹھی۔

زیاد سلطان کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرایا۔ لیکن وہ پھیکا سا مسکرایا۔

''امی بیمار ہیں اور ابو کی خواہش ہے کہ....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

ڈرائینگ روم میں ایک تناؤ بھری خاموشی چھائی ہی تھی کہ باہر سے آتی غوں غوں نے سے ایک دفعہ پھر توڑ دیا۔

''چلیں مبارک ہو۔ ویسے آپ کی اگلی کتاب کہاں پہنچی؟'' مالا کی نگاہیں پڑھ کے اس نے خوشگوار انداز میں موضوع بدل دیا۔

''لکھ رہا ہوں۔'' وہ جیسے ایک دم بہتر محسوس کرنے لگا۔

''میں نے آپ کی پہلی کتاب کتنی دفعہ خریدنے کی کوشش کی۔ لیکن میرا کارڈ آپ کی ویب سائٹ پہ کام نہیں کر رہا تھا۔''

''میں آپ کو ایک کاپی بھیج دوں گا۔'' وہ مسکرا دیا۔

''لیکن آٹوگراف کے ساتھ۔ او کے؟'' ماہی مسکرا کے مزید کچھ کہتی لیکن دور کہیں سے ننھی حور کے رونے کی آواز

آئی۔اس کے چہرے کی ساری خوشگواریت ہوا ہوگئی۔جھنجھلا کے وہ اٹھی۔

''ماں اتنی تکلیف برداشت کر کے بچے کو دنیا میں لاتی ہے'اوپر سے اس کی شکل باپ پہ چلی جاتی ہے۔اچھا مذاق ہے۔''

مالا ہنس دی۔زور سے کھلکھلا کے۔ ہنسنے سے اس کا چہرہ مزید گلابی ہوا۔وہ مسکرا کے اسے دیکھے گیا۔

''اصل میں حور کی آنکھیں ماں جیسی ہیں لیکن نقش عباد کے جیسے ہیں۔اور ماہی سے یہ ہضم نہیں ہو رہا حالانکہ اکثر بچے باپ پہ ہی جاتے ہیں۔''

وہ جو اسے دیکھ کے مسکرا رہا تھا'اس بات پہ مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔

''لیکن میں نہیں گیا۔'' کچھ تھا اس کے لہجے میں جو اداس کر دینے والا تھا۔

''میرے ابا بہت گورے اور خوبصورت تھے۔اور امی سے ان کی شادی زبردستی ہوئی تھی۔انہیں امی کا رنگ پسند نہیں تھا۔میری رنگت بھی امی پہ چلی گئی اسی لیے ان کو....''اس نے ایک دفعہ پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''زیاد....''

''چھوڑیں میرے کمپلیکسز کو۔''وہ زخمی سا مسکرایا۔''آپ اس عامل کو ڈھونڈنے کی بات کر رہی تھیں۔''

''میں نے اس کو خواب میں دیکھا تھا۔اس کا اسکیچ بنایا تو یاد آیا یہ میرے اسکول کا چپڑاسی ہے۔''

''ایک اسکول چپڑاسی آپ کو کیوں نقصان پہنچانا چاہے گا؟''

کشمالہ نے جواب نہیں دیا۔وہ کھڑکی کی طرف دیکھنے لگی۔غڑغوں کی آواز اب دھیمی ہو چکی تھی لیکن مسلسل گفتگو میں خلل ڈال رہی تھی۔

''اب وہ کہاں ہے؟''

''اسی شہر میں ہوگا۔کل اسکول جا کے اس کا پتہ معلوم کروں گی۔''

''لیکن آپ تنہا نہیں جائیں گی اس کے پاس۔ایسے لوگ خطرناک ہو سکتے ہیں۔معید کو ساتھ لے کر جایئے گا۔''وہ تشویش سے کہہ رہا تھا۔

''معید کو جادو اور جنات کی باتوں سے چڑ ہے۔پہلے مجھے بھی تھی۔اور ماہی اپنی بیٹی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔''پھر ایک دم وہ چونک کے اسے دیکھنے لگی۔''آپ چلیں گے میرے ساتھ؟''

وہ ایک دم خاموش ہوا تو اسے اپنی جلد بازی کا احساس ہوا۔

''سوری۔ آپ یہاں پہ اپنی لان برانڈ کی کمپیئن کے لیے آئے ہیں اور.... (تھوک نگلا) اپنی منگنی کے لیے اور ایسے میں میں آپ کو اپنے کاموں میں الجھالوں تو اچھا نہیں لگے گا۔ ویسے بھی مجھے ڈر نہیں لگتا۔ میں کہیں بھی اکیلے جاسکتی ہوں اور.....''

''میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔'' وہ مسکرا کے بولا تو وہ جو تیزی سے وضاحت دے رہی تھی رُک گئی۔ ایک دم بہت سا بوجھ کندھوں سے اتر گیا۔

''اتنا وقت کیسے نکالیں گے؟''

''آپ کے لیے وقت نکل آئے گا۔'' زیاد کی نظریں اس پہ جمی تھیں اور آواز میں کرچیاں سی تھیں۔ لمحے بھر کے لیے وہ کچھ کہہ نہیں سکی۔ پھر جیسے وہ سنبھلا۔

''ویسے بھی اگر یہ وہی عامل ہے جو میری ماں پہ جادو کر رہا ہے تو میں اسے ضرور ڈھونڈنا چاہوں گا۔''

اس کی بات نے ماحول میں ایک دم سے بھرتے تناؤ کو تحلیل کر دیا۔ کشمالہ نے گہری سانس لی۔

''مجھے یقین ہے کہ یہ وہی ہے۔ نہ صرف آپ کی امی بلکہ مجھ سے جڑے ہر انسان پہ جادو میں یہی شخص ملوث ہے۔ میں cursed ہوں زیاد۔ اور جب کوئی انسان ایک دفعہ cursed ہو جائے تو اس کے قریب آنے والے ہر انسان کو وہ جادو چھونے لگتا ہے۔''

''اسی لیے آپ نے شادی سے انکار کیا تھا۔ آپ نہیں چاہتی تھیں کہ آپ کے وجود سے لپٹا جادو مجھے چھوئے۔'' وہ زخمی سا مسکرایا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میرے قریب جو بھی آئے گا' یہ جادو اس کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ مجھے نہیں معلوم ایسا کیوں ہے' لیکن یہ میرا دل کہتا ہے۔ میں اس جادو کا مرکز ہوں۔ وہ عامل صرف مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ میں اپنی وجہ سے مزید کسی کو ہرٹ نہیں ہونے دینا چاہتی۔''

''کاش آپ مجھے یہ پہلے بتا دیتیں۔ جو لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں' وہ آپ کو آپ کی ہر curse کے ساتھ قبول کرتے ہیں' کشمالہ۔'' وہ دھیرے سے بولا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی' اس نے تیزی سے بات بدل دی۔

''بہرحال وہ سب ماضی میں ہے۔ اب آگے بڑھنے کا وقت ہے۔ اور اس عامل کو روکنے کا۔'' وہ گھڑی دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''آپ کو جب میری ضرورت ہوگی' میں ایک کال کے فاصلے پہ ہوں گا۔'' وہ متانت سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بھی ساتھ ہی کھڑی ہوئی۔

"تھینک یو زیاد۔ آپ کا کہنا ہی کافی تھا۔" وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ زیاد کا فون تھرتھرانے لگا۔

"آفس سے کال آرہی ہے۔ میں چلتا ہوں۔"

ٹھک ٹھک... اب غٹرغوں کے ساتھ شیشہ بھی بجنے لگا۔

"یہاں کچھ ہے۔" وہ چونکا۔ مالا تیزی سے کھڑکی تک آئی اور پردہ کھینچ کے ایک طرف کیا۔ پھر متلاشی نظروں سے لان کو دیکھا۔ دائیں بائیں۔ اور تب ہی اس کی نگاہ کھڑکی کے نچلے حصے پہ پڑی۔

وہاں منڈیر پہ ایک فاختہ نڈھال پڑی اپنی چونچ سے شیشے کو مسلسل بجا رہی تھی۔ اس نے جلدی سے شیشے کا پٹ سلائیڈ کیا تو ایک دم ٹھنڈی ہوا اندر آئی۔ وہ نیچے جھکی اور دونوں ہاتھوں میں فاختہ کو اٹھا کے اونچا کیا۔

اس کا ایک پر زخمی تھا اور اس پہ خون جما تھا۔

"یچ میرے اللہ..." اس نے جلدی سے سلائیڈنگ ڈور بند کیا اور مڑی تو دیکھا' وہ فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ زخمی ہے؟"

"یہ اتنی دیر سے ہمیں بلا رہی تھی اور ہم سمجھ ہی نہیں سکے۔" وہ صوفے پہ بیٹھ گئی اور اسے گود میں لٹا دیا۔ پھر اس کا پر احتیاط سے اونچا کر کے دیکھا۔ وہاں کٹ سا لگا ہوا تھا جس پہ خون جما تھا۔ اس کی نظریں فاختہ کے پنجوں تک گئیں۔ ان میں ایک ٹہنی پھنسی تھی۔

"یہ اپنے گھونسلے کے لیے ٹہنی لے کر جا رہی تھی۔ یہ ایک ماں ہے اور اس کے بچے اس کا انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ سر جھکائے اس کے پر کا معائنہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ زیاد سلطان اداس مسکراہٹ کے ساتھ صوفے پہ بیٹھی لڑکی کو دیکھے گیا جس کی ساری توجہ زخمی پرندے کی طرف تھی۔

اس کا فون پھر سے تھرتھرانے لگا۔

"میں چلتا ہوں۔ مجھے اس کی خیریت کی خبر دیجئے گا۔"

اس نے سر اٹھائے بغیر گردن ہلا دی۔ اب وہ بخت بی کو آواز دے کر معید کا فرسٹ ایڈ باکس مانگ رہی تھی۔ اس کا دھیان بٹ چکا تھا۔ گود میں رکھی فاختہ درد سے ہلکا ہلکا چلا رہی تھی۔

زیاد مزید کچھ کہے بنا باہر نکل گیا۔

لاؤنج میں حور کا فیڈر ہاتھ میں لیے فارمولا مکس کرتی ماہی نے خاموش نظروں سے اسے جاتے دیکھا۔ اور پھر

اپنے موبائل کو۔

(کم بخت) کسی کی شان میں بڑبڑا کے اس نے فیڈر بچی کے منہ میں ڈال دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کمرہ نمبر ۵۵۵ کے سامنے رکھے صوفے رات کے اس پہر خالی تھے۔ شبنم نے آنے کا کہا تھا لیکن ابھی تک پہنچی نہیں تھی۔ بیربل کچھ دیر اس کا انتظار کرتا رہا' پھر دروازہ کھول کے کمرے کے اندر چلا آیا۔

کمرے میں نائٹ بلب جلا تھا۔ اندر دوسرا قدم رکھتے ہی اس کا پیر تار سے الجھا اور اسے زور کا ٹھڈا آیا۔ بدقت دیوار کا سہارا لے کر وہ گرتے گرتے بچا۔ زیرِ لب ہسپتال والوں کے لیے چند کلمات کہہ کے اس نے آہستہ سے دروازہ بند کیا۔ اور پھر اس پر تعیش کمرے کو دیکھا جس میں اس کا بھائی گزشتہ چند روز سے مقید تھا۔

کمرے کے دو حصے تھے۔ آغاز میں ایک بڑا سا سٹنگ ایریا بنا تھا جس میں چند صوفے رکھے تھے۔ وسط میں رکھی میز گلدستوں سے بھری تھی۔ ان کے پیچھے آدھی دیوار بنی تھی اور آدھی جگہ خالی تھی۔ خالی حصے سے کمرے کا دوسرا حصہ دکھائی دیتا تھا جہاں مریض کا بیڈ رکھا تھا۔ آدھی دیوار کے باعث بیڈ یہاں سے آدھا دکھائی دیتا تھا۔

بیربل چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتا آگے آیا۔ یہاں تک کہ وہ بیڈ کی پائنتی کے ساتھ آرکا۔

اس حصے میں ایک طرف بیڈ رکھا تھا۔ سامنے ایک صاف دیوار تھی جس پہ اونچا ٹی وی نصب تھا۔ ٹی وی کے عین نیچے اسٹڈی ٹیبل اور چیئر رکھی تھی۔ بیڈ کے دائیں طرف ایک دیوار گیر فرنچ کھڑکی تھی جس کے پار دور تک پھیلا استنبول دکھائی دیتا تھا۔ کھڑکی کے مکمل عرض جتنا ایک طویل کاؤچ اس کے ساتھ لگا تھا۔ کونوں میں زرد کارنر لیمپس جل رہے تھے اور سارے کمرے سے تازہ پھولوں کی خوشبو آرہی تھی۔

بیڈ پہ ماہر ایسے لیٹا تھا کہ گردن پہ کالر چڑھا تھا اور چہرے پہ لگے نیل اور کٹ واضح دکھائی دیتے تھے۔ سب سے نمایاں کٹ دائیں گال کے وسط سے کان تک جاتا تھا۔ اس کی ایک ٹانگ پٹیوں اور پلستر میں جکڑی تھی اور اس کو سپورٹ دے کر ایک خاص زاویے پہ قدرے اٹھایا گیا تھا۔ ہونٹ خشک اور آنکھیں بند تھیں۔ ہاتھوں میں مختلف تاریں اور نالیاں لگی تھیں۔ کسی مشین سے مسلسل بپ بپ کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔

"ماہر....''وہ سٹنگ ایریا سے ایک کرسی اٹھا لایا اور اس کے سرہانے کے قریب رکھ کے بیٹھا۔ ماہر کی آنکھیں بند رہیں۔ بیربل کی نظریں اس کی ڈرپ تک گئیں۔ پین کلر دی جا چکی تھی۔ یقیناً وہ نیند میں تھا۔

"ماہر....''وہ پھر سے کھنکھارا۔ جواب ندارد۔

کھڑکی سے باہر نظر آتا استنبول بھی خاموش تھا۔سوائے مشین کے۔بپ۔بپ کے ہر طرف خاموشی تھی۔

''ایک بات کہوں، ماہر؟''وہ زخمی سا مسکرایا۔

''تم سے جیلیس ہونے کے لیے میرے پاس بہت سی وجوہات تھیں۔''اس کی آواز بہت ہلکی تھی جیسے کسی سمندر کی تہہ سے آرہی ہو۔

''تم ہمیشہ مجھ سے بہتر تھے اور میں سب کی سیکنڈ چوائس ہوتا تھا۔''وہ اداسی سے مسکرا کے کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہے تھے۔

''میں کبھی بھی ماہر فرید کے سامنے کچھ نہیں تھا۔کس کے گریڈز زیادہ اچھے ہیں؟ ماہر کے۔کون ابا کی طرح بزنس کر سکتا ہے؟ ماہر۔کون لوگوں سے تعلقات بنانے میں کامیاب ہوگا؟ ظاہر ہے ماہر۔''

کھڑکی کے شیشے پہ سر جھکائے بیٹھے گھنگھریالے بالوں والے نوجوان کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

''لڑکیاں کس کی طرف مائل ہوتی ہیں؟ ماہر کی طرف۔کس نے ابا اور مالک کی ذہانت لی ہے؟ ماہر نے۔بہت سے لوگ آج بھی یہ سمجھتے ہیں کہ قاسم فرید کا ایک ہی بیٹا ہے۔اور مجھے وہ مالک کا بیٹا سمجھتے ہیں۔''وہ ہلکا سا ہنسا۔''اور اسی لیے مالک کو میں شدید ناپسند ہوں کیونکہ میری شکل اس سے ملتی ہے۔اور کچھ عادتیں بھی۔میں بھی اس کی طرح لیکٹوز انٹولیرنٹ ہوں۔وہ زیادہ فخر کرتا اگر لوگ ماہر کو اس کا بیٹا کہتے لیکن بے چارہ مالک۔''وہ پھر سے ہنسا۔اس کی ہنسی فضا میں گونجی اور پھر معدوم ہوگئی یہاں تک کہ پیچھے صرف ایک اداسی رہ گئی۔

''لوگ تمہیں قاسم فرید کا واحد بیٹا اسی لیے سمجھتے ہیں کیونکہ وہ صرف تمہیں جانتے ہیں۔بیربل کو کوئی نہیں جانتا۔بیربل کی کسی کے سامنے کوئی حیثیت نہیں ہے۔کہا نا...میرے پاس تم سے جیلیس ہونے کی بہت سی وجوہات تھیں۔لیکن....''

اس نے چہرہ اٹھایا۔اس کی آنکھیں گیلی تھیں۔

''لیکن میں کبھی تم سے کبھی جیلیس نہیں ہوسکا۔''

ماہر کا وجود آنکھیں بند کیے بے حس و حرکت لیٹا تھا۔

''میں نے کوشش کر کے بھی دیکھ لیا۔''اس نے پلکیں جھپکائیں تو چند گرم آنسو چہرے پہ جا گرے۔''جب لوگ ہم دونوں بھائیوں کا موازنہ کرتے تھے' میں نے چاہا کہ میں اس موازنے کا الزام تمہیں دوں...لیکن میں نہیں دے سکا۔ابا کو دیا۔ہمیشہ دیا۔انہوں نے ہمیشہ ہم میں فرق کیا تھا۔''اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔

''تم نہیں مانتے اور نہیں مانو گے کیونکہ تم اچھے بیٹے ہو لیکن انہوں نے ایسا کیا تھا۔ انہوں نے میرے اوپر جلد ہار مان لی۔ کیا میں کام نہ سیکھتا اگر وہ مجھ پہ زیادہ محنت کرتے؟ اگر وہ مجھے زیادہ وقت دیتے؟ ابا نے میرے اوپر وہی طریقہ اپلائی کرنا چاہا جو وہ تم پہ کرتے تھے۔ ہر بچہ ماہر نہیں ہوتا جو ایک دفعہ کی سنی ہوئی بات کو سیکھ لے۔ ہر بچہ مختلف ہوتا ہے۔''

مشین کی بپ بپ مسلسل جاری تھی۔

''لیکن میں کبھی بھی تمہیں الزام نہیں دے سکا۔ جب تم ماں کے خلاف ہو گئے' تب بھی نہیں۔ مجھے اپنی ماں بہت عزیز تھی' ماہر۔'' اس کے گرتے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی۔ ''میری ماں سے غلطی ہوئی تھی بس۔ میں نے انہیں بہت شروع میں معاف کر دیا تھا۔ اس کا الزام بھی میں شمس کو دیتا ہوں۔ ماں یا تمہیں میں کبھی غلط نہیں سمجھ سکا۔ یہ بیربل کی مجبوری ہے۔''

اس نے سر اٹھا کے سیاہ شیشے میں اپنا عکس دیکھا اور دونوں ہتھیلیوں سے چہرہ رگڑا۔

''میں تمہیں پیسہ بنانے کی مشین نہیں سمجھتا۔ مجھے تم سے پیسے بھی نہیں چاہیے ہوتے ہیں۔ شاید تم مجھے spoil کرنا چھوڑ دو تو میں اپنے پیروں پہ کھڑا ہو سکوں۔ تم بھی مجھے اسپائل کرتے ہو' ماہر۔ ابا کی شرط تھی کہ میں کسی کی مدد کے بغیر اپنا کاروبار سیٹ کروں گا لیکن...'' وہ تلخی سے دھیرے سے ہنسا۔ ''میری بیکری ایک فلاپ بیکری ہے۔ لیکن جب کوئی بڑا آرڈر اچانک سے آتا ہے' میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ تمہارا کوئی کارپوریٹ سیکٹر کا دوست ہے جس سے تم نے میری بیکری کی سفارش کی ہے۔ مجھے سب سمجھ میں آتا ہے' ماہر۔ میں بس کہتا نہیں ہوں۔ اور جو میں کہتا ہوں' وہ دل سے نہیں کہتا۔''

وہ اب ماہر کی بند آنکھوں کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔ ہلکی بڑھی شیو۔ نیل۔ زخم کے نشان۔ اس کے سانس لینے کی ہلکی ہلکی آواز۔

''میں وہ سب اس لیے کہتا ہوں کیونکہ مجھے تم پہ غصہ آتا ہے جب تم ہلال کو زندہ ڈھونڈنے کی بات کرتے ہو۔ وہ نہیں ہے ماہر۔ وہ نہیں ملے گی۔ مجھے تب بھی غصہ آتا ہے جب تم کشمالہ اور اس کے مسلوں کے پیچھے بھاگتے ہو۔ کیونکہ میں مالک کی طرح خودغرض ہوں۔'' آنسو پھر سے آنکھوں میں جمع ہونے لگے۔ ''ہم دونوں تمہیں صرف اپنے لیے چاہتے ہیں۔ جیسے مالک چاہتا ہے کہ تم لندن چلے جاؤ' ویسے ہی میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ استنبول رہو۔ میرے ساتھ۔''

اس نے پھر سے سر جھکا لیا۔ آنسو اب زاروقطار گر رہے تھے۔

''ابا... ماں.... ہلال۔ میری ساری فیملی ختم ہو چکی ہے۔ اوپر سے تمہارا ایکسیڈنٹ۔ میں تین دن سے نہیں سو سکا یہ سوچ کے کہ اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتا؟''

اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔ خوف تھا

''اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو میں کیا کرتا' ماہر؟''

''کیا کرتے؟ ساری جائیداد اپنے نام کروا لیتے اور کیا کرتے۔'' وہ بند آنکھوں سے بڑبڑایا۔

بیربل فرید نے کرنٹ کھا کے گردن سیدھی کی۔ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''تت... تم... مجھے سن سکتے ہو؟''

''کوما میں نہیں ہوں۔ زندہ ہوں۔ سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور تم بولے جا رہے ہو۔ بولے جا رہے ہو۔''

وہ بند آنکھوں سے برہمی سے کہہ رہا تھا۔

بیربل کا منہ کھل گیا۔ چند لمحے لگے اسے سمجھنے میں اور پھر اس نے جلدی سے چہرہ صاف کیا۔

''میں یہ سب ایسے ہی....''

''نرس کو بلاؤ... مجھے کچھ چاہیے... پین کلر... نیند کی دوا....'' اس کی اکتاہٹ بھری آواز میں کراہ در آئی تھی۔

بیربل کے ابرو خفگی سے اکٹھے ہوئے۔ بیرپیچ کے اٹھا۔

''زہر کے بارے میں کیا خیال ہے۔ تھوڑا سا لا دوں؟''

ماہر نے آنکھیں کھولیں۔ ان میں سارے زمانے کی بےزاری تھی۔ بدقت اس نے آئی وی لائن لگا ایک ہاتھ اٹھایا۔ بیربل اس کے ہاتھ کو دیکھنے لگا۔

ماہر نے انگشت شہادت بلند کی۔ اشارہ دروازے کی طرف تھا۔

بیربل ہونہہ میں سر جھٹکتا پلٹ گیا اور دروازے تک آیا۔ احتیاط سے تار عبور کی۔ لیکن دروازہ نہیں کھولا۔ پہلے آنکھیں صاف کیں۔ پھر کھنکھار کے اپنی آواز درست کی۔ اس کے بعد چہرے پہ نارمل مسکراتا ہوا تاثر لایا اور دروازہ کھولا۔

باہر کان لگائے کھڑی شبنم بے اختیار گرتے گرتے بچی۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہوا۔

شبنم نے بدقت دیوار کا سہارا لیا' پھر عینک کے پیچھے سے اسے ناراضی سے گھورا۔

''میں تین دن سے نہیں سویا۔'' منہ بگاڑ کے بیربل کی آواز نکالی۔'' اس لمبے کاؤچ پہ لگاتار چھ چھ گھنٹے کون سوتا رہا ہے' ہاں؟''

''تم سب ایک جیسے ہو۔ میں کسی سے بات نہیں کروں گا اب۔''

وہ خفا خفا سا بڑبڑاتا ہوا کاریڈور میں آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کشمالہ کے کمرے کے ایک کونے میں ہیٹر دہک رہا تھا۔ اس کے سامنے بچھے کمبل پہ زخمی فاختہ لیٹی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پہ بیٹھی فکرمندی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ معید ساتھ بیٹھا اس کی پٹی کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے سر اٹھایا تو وہ امید سے اسے دیکھنے لگی۔

''اس کو ویٹ کے پاس لے جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ راستے میں ہی مر جائے گی۔''

''ایسے نہ کہو۔''

''اس کو بس گرم رکھو۔ شاید یہ آنکھیں کھول دے۔'' اب وہ نرمی سے بولا تو مالا نے چہرہ جھکا کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھیں نیم وا تھیں۔ اب وہ آوازیں نہیں نکال رہی تھی۔ بس یونہی لیٹی تھی۔

''تم نے کچھ سوچا؟''

''میں ابھی لاہور چھوڑنا نہیں چاہتی' معید۔''

''تم بہتر محسوس کرو گی۔ سوچ کے تو دیکھو۔ آرام سے۔ کوئی پریشر نہیں ہے۔''

وہ پھیکا سا مسکرا دی اور سر ہلا دیا۔ معید کے جانے کے بعد دروازہ ہلکا سا بجا تو اس نے گردن موڑ کے دیکھا۔ ماہی چوکھٹ میں کھڑی تھی۔

''حور سو گئی؟''

ماہی جھرجھری لیتی اندر آئی۔ اس کے ہاتھ میں چاکلیٹس تھیں۔

''کبیرہ تائی کے سارے جن ایک طرف اور یہ ایک جن دوسری طرف۔'' باری باری دونوں کانوں کو چھوا۔'' مجھ سے ایک نہیں سنبھلتی اور ماں نے نہ جانے کیسے ہم تین پالے ہوں گے۔''

وہ کھڑکی کے ساتھ رکھے کاؤچ پہ تکان سے ڈھیر ہو گئی اور چاکلیٹ گود میں رکھ کے کھولنے لگی۔

''کیا یہ زندہ ہے؟'' ترحم سے کمبل پہ لیٹی فاختہ کو دیکھا جو ادھ کھلی آنکھوں سے اسی طرف دیکھ رہی تھی جہاں ماہی بیٹھی تھی۔ مالا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے چہرے پہ اداسی تھی۔

''زیاد کل تمہارے ساتھ اسکول جائے گا؟''

''وعدہ کر کے گیا ہے۔'' پھر اس نے بظاہر لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔ ''نہ بھی گیا تو میں اکیلی چلی جاؤں گی۔''

''ویسے اچھا ہے زیاد۔ نرم مزاج اور بات ماننے والا۔'' وہ چاکلیٹ دانت سے کترتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''سچ بتاؤں تو پہلے مجھے اتنا پسند نہیں تھا وہ۔ لیکن اتنے عرصے بعد اسے دیکھا ہے تو اچھا لگا ہے۔''

وہ چہرہ جھکائے زخمی فاختہ کے پر پہ دو انگلیاں پھیرتی رہی۔ ماہی بغور اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی۔

''تم اس کو انکار کر کے پچھتا رہی ہو؟''

''نہیں۔'' اس نے گہری سانس لے کر سر نفی میں ہلایا۔ ''زیاد میری قسمت میں نہیں لکھا تھا۔ وہ اپنی پھپھو کی بیٹی کا مقدر تھا۔ اسی کو ملے گا۔''

''مجھے لگتا ہے وہ یہ شاید اپنے ابو کی وجہ سے کر رہا ہے ورنہ وہ اب بھی تمہیں پسند کرتا ہے۔'' ماہی سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔ ''ورنہ وہ کیوں تمہارے ساتھ اسکول جا رہا ہے؟ شاید وہ تمہارے قریب رہنے کا بہانہ ڈھونڈ رہا ہے۔''

''وہ ایک اچھا دوست ہے۔ اور کچھ نہیں۔'' پھر اس نے ماہی کی گود میں رکھی چاکلیٹس کو دیکھا اور مسکرا دی۔ ''زیاد کی لائی ہوئی چاکلیٹس اچھی لگی ہیں تمہیں۔''

''ماہی نے کبھی چاکلیٹس اور گوسپ کو انکار نہیں کیا۔'' وہ مزے سے مسکرائی۔ پھر ایک اس کی طرف بڑھائی۔ ''کھالو۔ میرا تو صرف بہانہ ہے۔ اصل میں وہ تمہارے لیے ہی لایا ہوگا۔''

اس نے مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے نہیں پسند چاکلیٹس۔ اور تم بھی کم کھاؤ۔ اتنا وزن کیسے کم کرو گی؟''

''وزن نہ یاد دلایا کرو یار۔'' ماہی نے برا منہ بنایا اور چاکلیٹ نیچے کر لی۔ چند لمحے کے لیے سوچتی رہی۔

''نہ کسی کی شادی قریب آ رہی ہے۔ نہ ہی کسی نے اب مجھے پسند کرنا ہے۔ چھوڑو وزن کو۔'' دوبارہ سے چاکلیٹ اٹھا لی اور بڑی سی بائٹ لی۔ ''بس دانے نہ نکلیں، باقی خیر ہے۔'' وہ مزے سے چاکلیٹ کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

(بس دانے نہ نکلیں۔) فاختہ کے پروں پہ حرکت کرتا اس کا ہاتھ تھم گیا۔ البتہ اس نے سر نہیں اٹھایا۔ بس اس ننھے پرندے کے سرمئی وجود کو دیکھے گئی۔

(بس دانے نہ نکلیں۔)

فاختہ کے سرمئی پروں کے درمیان سفیدی تھی۔وہ سفید ڈھیرے ڈھیرے سارے منظر نامے پہ غالب آنے لگی یہاں تک کہ اردگرد سب کچھ سفید ہو گیا۔

پھر اس سفیدی میں چند بھورے بلاکس ابھرنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ چند ڈیسک بن گئے جو قطار میں رکھے تھے۔ایک ڈیسک کے پیچھے بنچ پہ اسکول یونیفارم پہنے' اونچی پونی بنائے' ایک لڑکی بیٹھی کاپی پہ کچھ لکھ رہی تھی۔اس کی جھکی آنکھیں سبز تھیں اور سپید گلابی چہرے پہ بہت سے دانے نکلے تھے۔

دفعتاً اسے محسوس ہوا کہ کوئی قریب آیا ہے۔نظر اٹھا کے دیکھا تو ایک لڑکی اپنا بیگ لیے اس طرف آ رہی تھی۔

سبز آنکھوں والی لڑکی مسکرا کے ایک طرف کھسک گئی اور ساتھ جگہ بنا دی۔اب وہ امید سے نئی بچی کو دیکھ رہی تھی۔وہ ابھی قریب پہنچی سی تھی کہ اگلی نشست پہ بیٹھی لڑکی ایک دم پلٹی۔اس کے بالوں پہ گلابی ہیئر بینڈ لگا تھا' اور اس کی آنکھوں میں ایک مختلف سی چمک تھی۔اس کے پلٹتے ہی سبز آنکھوں والی لڑکی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔چہرے پہ خوف سا ابھرا۔

"تم یہاں بیٹھو گی؟ کشمالہ کے ساتھ؟" گلابی ہیئر بینڈ والی لڑکی چمکیلی آنکھوں سے مسکرائی۔وہ سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔کیوں؟"

"سوچ لو۔پھر تمہیں بھی ایسے دانے نکل آئیں گے۔"

ایک قہقہہ ساتھ ہی گونجا۔سبز آنکھوں والی لڑکی کا سر مزید جھک گیا۔کاپی پہ رنگ بھرتی پنسل میں تیزی آ گئی۔

"تم میرے ساتھ وین کوور چلو۔" آواز پہ وہ چونکی۔ذہن کسی گہری کھائی سے نکلا تھا۔

صوفے پہ پیر اوپر کیے بیٹھی ماہی چاکلیٹ کھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"معید کہتا ہے استنبول چلو۔تم کہتی ہو وین کوور چلو۔کیا میری اپنی کوئی زندگی نہیں ہے؟ مجھے اپنی زندگی سیٹ کرنے دو یار۔" وہ ایک دم چڑچڑے پن سے کہہ کے وہاں سے اٹھ گئی۔ماہی نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اسے ایک دم سے کیا ہوا۔" پھر کندھے اچکا کے چاکلیٹ دانت سے کترنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح روم نمبر ۵۵۵ کے باہر لگے کاؤچ پہ بیربل فرید خاموشی سے بیٹھا موبائل دیکھ رہا تھا جب بلاک ہیلدر کی

آواز سنائی دی۔اس نے سر مزید جھکا لیا۔

''تمہاری اسپینش لاتے' کو کونٹ ملک کے ساتھ۔''شبنم نے مسکرا کے دو کپ سامنے رکھے۔بیر بل نے سر نہیں اٹھایا تو اس نے ایک کپ اس کی طرف دھکیلا۔

''وہ تکلیف میں ہے،بیر بل۔''وہ سمجھانے والے انداز میں کہنے لگی۔''اسی لیے چڑچڑا ہو رہا ہے۔ورنہ اسے تمہارے جذبات کی قدر ہے۔''

بیر بل نے رخ مزید پھیر لیا اور انگلیاں کی پیڈ پہ تیزی سے چلنے لگیں۔

''میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔''وہ اس کا چہرہ بغور پڑھ رہی تھی۔وہاں کوئی ردِعمل ظاہر نہ ہوا۔

''اس لڑکی کو کال کرنے کے لیے۔''اس نے بات مکمل کی ہی تھی کہ بیر بل نے تیزی سے گردن موڑی۔

''کیسے؟''

شبنم نے مسکرا کے کوٹ کی جیب سے ٹوٹی اسکرین والا فون نکال کے سامنے لہرایا۔

''ہمیں ماہر کا پاس کوڈ معلوم نہیں ہے۔نہ وہ ہمیں اپنا فون کھولنے دے گا۔''

''جانتی ہوں۔لیکن siri یہ نہیں جانتی۔''شبنم کی آنکھیں چمکیں۔''سری ملتی جلتی ایک ہی صنف کی آواز کو اپنے مالک کی آواز ہی سمجھتی ہے۔''

اس نے فون بیر بل کی طرف بڑھایا تو وہ چونکا۔پھر فون تھام کے چہرے کے قریب کیا۔

''ہے سری؟''آواز کو قدرے گھمبیر کر کے بولا تو فوراً جواب آیا۔

''یس؟''

وہ دونوں مسکرا دیے۔

''اب اس لڑکی کا نام لو اور اسے کال کرو۔''

بیر بل کی مسکراہٹ معدوم ہوئی۔''ماہر اپنے فون میں نمبرز اصل نام سے محفوظ نہیں کرتا۔مجھے نہیں معلوم اس نے اس کا کیا نام رکھا ہوا ہے۔''

''اوہ۔''شبنم کا جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

''لیکن....''وہ ایک دم سیدھا ہوا۔دماغ تیزی سے چلنے لگا۔''مجھے معلوم ہے کہ ماہر نے اس کی بہن کا نمبر کس نام سے محفوظ کیا تھا۔''اس کا چہرہ چمک اٹھا۔

''ہیے سری....''موبائل ہونٹوں کے قریب کر کے بولا۔''کال ون ان ففٹی۔''

''کالنگ ون ان ففٹی۔''فوراً سے تعمیل ہوئی۔ ہیر بل نے مسکرا کے اسپیکر آن کیا اور پیچھے ہو کے بیٹھتے ہوئے کافی اٹھالی۔ وہ بھی پر جوش سی ہو بیٹھی تھی۔

چند لمحے وہ دونوں طویل گھنٹی سنتے رہے۔ پھر... دوسری جانب سے کال کاٹ دی گئی۔

مسکراہٹ ان دونوں کے چہروں سے غائب ہوگئی۔ شبنم کے ماتھے پہ بل پڑے اور اس نے تیزی سے اس کے ہاتھ سے فون لیا۔

''لگتا ہے ماہر بے کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ ہونہہ۔''برے موڈ سے کہتے ہوئے اس نے اپنی کافی اٹھالی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''میں دس منٹ تک آپ کے گھر کے باہر ہوں گا۔''

جس وقت زیادکا میسج آیا' وہ آئینے کے سامنے کھڑی' لمبے بالوں کو اونچی پونی میں باندھ رہی تھی۔ تبھی نگاہ دائیں گال پہ پڑی۔ وہاں ایک سرخ گلابی سا دانہ نکل رہا تھا۔ اوہ نو۔ اس نے کوفت سے سنگھار میز کا دراز کھولا۔ ایک پیکٹ باہر نکالا جس میں بہت سے پمپل اسٹکرز رکھے تھے۔ ایک ننھا سا گول اسٹکر اتار کے دانے پہ چسپاں کیا اور پھر گہری سانس لی۔

دل کی دھڑکن جو چند لمحے کے لیے بے ترتیب ہوئی تھی' اب نارمل ہونے لگی۔ اس نے تنقیدی نظروں سے گال پہ لگے اسکن کلر کے اسٹکر کو دیکھا۔ وہ اتنا ہی برا لگ رہا تھا جتنا کہ دانہ۔ لیکن بس چند گھنٹے کی بات ہے اور پھر یہ غائب ہو جائے گا۔ دوبارہ نہیں۔ پلیز اللہ تعالیٰ۔ دوبارہ نہیں۔

خود کو تسلی دیتے ہوئے اس نے سن گلاسز ماتھے پہ اٹکائے اور ایک آخری نظر خود پہ ڈالی۔ وہ سیاہ شارٹ شرٹ اور سیاہ کھلے ٹراؤزرس میں ملبوس تھی۔ سفید دوپٹے کو گردن کے گرد لپیٹ کے اس کے دونوں پلو سامنے گرار کھے تھے۔

وہ تیار تھی۔ اپنے پرانے اسکول جانے کے لیے مکمل تیار۔

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کندھا چوکھٹ سے ٹکرایا تو وہ رکی۔ تکلیف سے آنکھیں بند کیں۔

بند آنکھوں کے پار ایک دھندلی سی راہداری دکھائی دی۔ اونچی پونی والی لڑکی سر جھکائے' کندھے پہ بیگ لٹکائے چلتی جارہی تھی کہ کسی کا کندھا اس سے زور سے ٹکرایا۔ اس نے چونک کے سر اٹھایا۔ ساتھ سے گزرتی گلابی ہئیر بینڈ والی لڑکی دھیرے سے بولی تھی۔

"pimples" اور ہنس کے آگے بڑھ گئی۔ اس کا جھکا سر مزید جھک گیا۔

فون کی تیز گھنٹی نے اسے جیسے کسی خواب سے جگایا۔ ذہن سے تمام یادوں کو جھٹکتی 'کشمالہ باہر نکلی تو دیکھا' آواز کچن سے آ رہی تھی۔ یہ ماہی کے موبائل کی اولڈ فون رنگ ٹون تھی۔

"ماہی... تمہارا فون بج رہا ہے۔" وہ اطلاع دے کر خارجی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ زیاد پہنچنے والا تھا۔

"مالا یار دیکھ لو کس کا فون ہے۔ عباد کا ہوگا۔" ماہی نے اپنے کمرے کے کھلے دروازے سے سر نکال کے کہا۔ اس کا لہجہ چڑچڑا اور حلیہ اول جلول سا تھا۔ پسِ منظر میں حور کے رونے کی آواز آ رہی تھی۔

مالا نے ایک ترحم بھری نگاہ اس پہ ڈالی اور قدموں کا رخ کچن کی طرف موڑ لیا۔ کاؤنٹر پہ رکھا فون مسلسل چنگھاڑ رہا تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کے فون اٹھایا اور اسے لیے آگے بڑھنے ہی لگی تھی کہ نگاہ اسکرین پہ پڑی۔

ماہر فرید کالنگ۔

ساری دنیا لمحے بھر کے لیے رک سی گئی۔ حور کا بلک بلک کے رونا... فون کی مسلسل بجتی گھنٹی... ماہی کے چلانے کی آواز (یار کوئی مجھے میرا فون لا دے۔ یا اس کو سائیلنٹ کر دے)... اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

صرف تین الفاظ اسکرین پہ جگمگا رہے تھے۔

"ماہر فرید کالنگ...."

"کیا مصیبت ہے۔" ماہی اکتائی ہوئی سی کچن تک آئی۔ پھر مالا کو دیکھ کے اس کے تاثرات بدلے۔ وہ فون ہاتھ میں لیے شل سی کھڑی تھی۔ ماہ بینہ مبین کا ماتھا ٹھنکا۔

"کس کا فون ہے؟"

مالا نے آنکھیں اٹھائیں تو اس کی نظروں میں کچھ تھا۔ کچھ ایسا جو ماہی نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے کچھ کہے بنا اسکرین سامنے کی۔

ماہی کے ماتھے سے شکنیں غائب ہوئیں۔ سانس رک سا گیا۔

"اس کا نمبر تمہارے فون میں کیوں ہے؟" وہ آنکھوں میں بے یقینی لیے پوچھ رہی تھی۔

ماہی نے تیزی سے اس کے ہاتھ سے فون لیا اور زور سے کال کاٹی۔

"ماہی میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔"

''کیوں پوچھ رہی ہو؟'' وہ ایک دم چیخ کے بولی۔ ''میں آزاد انسان ہوں۔ مجھے کسی سے بات کرنے کے لیے تمہاری اجازت نہیں چاہیے۔''

وہ چند لمحے کے لیے کچھ بول نہیں سکی۔ چہرے پہ بس ایک ششدر سا تاثر رقم تھا۔

''تم اس سے رابطے میں ہو؟''

''اگر ہوں تو... تو اس میں کیا غلط ہے؟'' وہ قدرے پھیکی پڑی لیکن لہجے کی تیزی برقرار رہی۔

مالا کے تاثرات شاک سے دکھ میں بدلتے گئے۔

''میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ تم اس آدمی یا اس کے خاندان سے دور رہو گی۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا۔ (سینے پہ انگلی سے دستک دی۔) میرا ریستوران مجھ سے چھینا۔ میں نے اسے اپنی زندگی سے نکال دیا۔ اور میری بہن اس سے رابطے میں ہے۔''

وہ بے یقینی سے ماہی کو دیکھتے ہوئے چند قدم پیچھے ہٹی۔

''یہ وفاداری ہے تمہاری میرے ساتھ؟'' ملامتی نظریں اس پہ جمائے سر نفی میں ہلایا اور تیزی سے باہر کی طرف بڑھ گئی۔ ماہی نے اسے پکارنے کے لیے لب کھولے' لیکن پھر زور سے پیر پٹخا۔

''اُف... اب کیا کروں؟'' اس نے پریشانی سے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ''سب کچھ خراب ہو گیا۔ اُف۔''

حور کے رونے کی آواز سنائی دی تو وہ ایک غصیلی نظر فون پہ ڈال کے اس طرف بھاگی۔

(اس کمبخت کو تو میں بعد میں پوچھوں گی۔ کہاں اتنے دن سے رابطہ نہیں کیا۔ اور کہاں بن بتائے کال کر لی۔)

وہ باہر نکلی تو نومبر کی سرد ہوا ناک سے ٹکرائی۔ اس نے جیکٹ نہیں پہنی تھی کہ ابھی اتنی سردی نہیں تھی۔ اور ماہی سے بات کر کے ویسے ہی جسم ابل رہا تھا۔

زیاد ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا اس کا منتظر تھا۔ وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی تو چہرہ تمتما رہا تھا اور آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

''آپ کو بہت زحمت دی میں نے۔'' رسماً کہتے ہوئے وہ سر جھکائے سیٹ بیلٹ باندھنے لگی۔

''نہیں میں لنچ بریک تک فارغ تھا اور....'' زیاد نے مسکرا کے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو چونکا۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' تشویش سے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔

''ماں یاد آرہی ہیں؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے باہر دیکھتے ہوئے سر ہلا دیا۔

''آپ اگر یوں اپ سیٹ ہوں گی تو آپ کے بہن بھائیوں کو ہمت کون دلائے گا۔ آپ تو اتنی بہادر ہیں کہ....''

''میں کیوں بنوں بہادر؟'' وہ ایک دم سے پھٹ پڑی۔ ''سب کہتے ہیں تم بہادر ہو۔ کوئی مجھ سے کیوں نہیں پوچھتا کہ میں بہادر بننا چاہتی بھی ہوں یا نہیں؟'' وہ ایک دم پھٹ پڑی۔

''ماں کی بیماری پہ سب نے کہا ... تم بڑی بہن ہو۔ تمہیں سب کو جوڑ کے رکھنا ہے۔ یہی کہا تھا سب نے جب میرے ابو کی ڈیتھ ہوئی تھی۔ کشمالہ تم بڑی ہو۔ تم نے سب کو سنبھالنا ہے۔ کیوں؟ میں نے اپنے لیے بڑی بہن کا رول نہیں چنا تھا۔ کوئی اپنی مرضی سے بڑا نہیں بنتا۔ سب ہمیں زبردستی بہادر بناتے ہیں۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے بھیگی آنکھوں سے کہہ رہی تھی۔

وہ تحمل سے اسے سن رہا تھا۔

''معید صرف اپنا سوچ رہا ہے۔ لڑکا ہے نا۔ جہاں دل چاہا منہ اٹھا کے چلا گیا۔ اور ماہی....'' اس کا لہجہ رندھنے لگا۔ ''جب ذمہ داری کی بات ہو تو میں بڑی بہن بن جاتی ہوں۔ لیکن جب میری بات کا مان رکھنے کا معاملہ ہو تو وہ اپنی مرضی کرتی ہے۔ سب یہاں اپنی مرضی کرتے ہیں۔'' اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔

''لڑائی ہوئی ہے بہن سے؟''

''یہ دونوں سب فیصلے اپنی بہتری سوچ کے لیتے ہیں۔ میری نہیں۔ میں ان کے لیے کیا کیا کرتی ہوں' کسی کو احساس نہیں ہے۔''

بول بول کے اس کا گلا خشک ہونے لگا۔ آنسو لڑھک کے گال پہ لگے پمپل اسٹکر کو بھگونے لگے۔

''وہ آپ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہ صرف کوئی غلط فہمی ہوگی جو جلد دور ہو جائے گی۔''

وہ نرمی سے کہہ رہا تھا۔ وہ چند لمحے گہرے سانس لیتی رہی۔ پھر ٹشو سے آنکھیں صاف کیں۔

''سوری میں کچھ زیادہ ہی بول گئی۔'' اب جا کے احساس ہوا۔

''آپ چاہیں تو ہم پھر کسی دن بھی جا سکتے ہیں۔'' اس نے فراخ دلی سے پیشکش کی لیکن کشمالہ نے سختی سے سر نفی میں ہلا یا۔

''نہیں۔ مجھے اور دیر نہیں کرنی۔ میں تنگ آ گئی ہوں ان ان دیکھی چیزوں سے۔ مجھے جلد از جلد اس سب سے

نکلنا ہے۔ اور شکور میرا واحد کلیو ہے۔"

زیاد نے اثبات میں سر ہلا دیا اور کار ریورس کرنے لگا۔

(ہر کچھ دن بعد ماہر فرید کا ایک نیا کارنامہ معلوم ہوتا ہے۔) وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے الجھی الجھی سی سوچ رہی تھی۔ (اسے تو فن آتا ہے ذہنوں کو manipulate کرنے کا۔ نہ جانے ماہی سے کیا کہتا ہوگا اور وہ اس کی باتوں پہ یقین کر لیتی ہوگی۔ اُف۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسکول بلڈنگ سرخ اینٹوں سے بنی تھی اور اس کے چاروں اطراف میں سرسبز کھلے لان تھے۔ سرد ہوا سے اس کی اونچی پونی دائیں بائیں جھول رہی تھی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے۔ زیاد کچھ کہہ رہا تھا لیکن اس کی سماعت کام نہیں کر رہی تھی۔ ذہن میں بہت سا شور تھا۔ اور نگاہوں کے سامنے بہت سے مناظر کسی فلم کی طرح چل رہے تھے۔

دفعتاً وہ چلتے چلتے رکی۔ ارد گرد اسکول یونیفارم میں لڑکیاں چلی جا رہی تھیں۔ وہ رک کے ایک اونچی پونی والی لڑکی کو دیکھنے لگی جو ساتھ سے گزر کے لان کی طرف جا رہی تھی۔ وہ مڑی تو کشمالہ بھی مڑ کے اسے دیکھنے لگی۔ اس لڑکی کا دانتوں سے بھرا چہرہ جھکا تھا اور ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جسے لیے وہ تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔ اس سے چند قدم آگے ایک سفاری سوٹ میں ملبوس صاحب چل رہے تھے۔

"سر ستار...." لڑکی نے جھجکتے ہوئے پکارا۔

وہ رکے۔ اور اس کی طرف پلٹے۔ کمر پہ ہاتھ باندھے وہ مونچھوں اور بارعب چہرے والے استاد تھے۔

"سر میں آپ کو کچھ دکھا سکتی ہوں؟" کم عمر لڑکی کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تو اس نے جلدی سے کاغذ ان کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ میں نے بنایا ہے۔" امید سے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔

انہوں نے کاغذ تھاما اور اسے اونچا کیا۔ اس پہ سرخ اینٹوں والی عمارت بنی تھی۔ ستار صاحب نے نگاہ اٹھا کے سامنے نظر آتی اسکول کی عمارت کو دیکھا۔ پھر واپس کاغذ کو۔ وہ ہو بہو اس کا عکس تھی۔

اب کے انہوں نے اس کم عمر لڑکی کو دیکھا جو سانس روکے ان کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ کے مڈٹرمز میں چند ہفتے رہ گئے ہیں' کشمالہ۔ اگر آپ اپنا قیمتی وقت ان بے کار پینٹنگز میں لگائیں گی تو

امتحان کی تیاری کون کرے گا۔ یہ فارغ دنوں میں کرنے والے کام ہوتے ہیں۔" سختی سے کہہ کے کاغذ واپس تھمایا۔اس کے چہرے کی جوت بجھ گئی۔ سفاری سوٹ والے صاحب آگے بڑھ گئے۔ وہ سر جھکائے وہیں کھڑی رہ گئی۔

"کشمالہ....." وہ اس کے قریب بولا تو وہ چونکی۔ منظر فضا میں تحلیل ہوگیا۔ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ دونوں تنہا اسکول کی عمارت کے سامنے کھڑے تھے۔

"آپ کو اپنا اسکول پسند تھا؟" وہ راہداری میں ساتھ ساتھ چل رہے تھے جب زیاد نے پوچھا۔

"کسی کو اپنا اسکول دل سے پسند نہیں ہوتا' زیاد۔ ہر اسکول کے ساتھ تکلیف دہ یادیں جڑی ہوتی ہیں۔"

"کیسی تکلیف؟ آپ تو ہمیشہ سے اچھی اسٹوڈنٹ رہی ہیں۔" زیاد نے تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ اس سے دراز قد تھا۔اس کے کندھے کے برابر چلتے ہوئے بھی مالا کو چہرہ اٹھا کے اسے دیکھنا پڑتا تھا۔

"تکلیف گریڈز سے نہیں ہوتی۔ ان لوگوں کے رویے سے ہوتی ہے جن کے ہاتھوں میں والدین اپنے بچے دیتے ہیں تا کہ وہ ان کی شخصیت سازی کریں۔ لیکن ....." ایک تلخ مسکراہٹ چہرے پہ در آئی۔ "ان میں سے اکثر استادوں کو خود تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کو اندازہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ بچے کی کچی شخصیت کو کیسے ڈیمج کر رہے ہیں۔"

"استاد ایک کم تنخواہ دار طبقہ ہوتا ہے۔ اپنے گھر کی فرسٹریشن' اپنی محروم زندگی کا غصہ کسی پہ تو نکالنا ہوتا ہے انہیں۔"

مگر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "کوئی بھی چیز ایسے استاد کو جسٹفائی نہیں کرسکتی جو چالیس پچاس سال کی عمر میں ایک ٹین ایج بچے سے مقابلے کرے اور مہربانی سے پیش نہ آئے۔"

کاریڈور میں کچھ اسٹوڈنٹس بھی آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ ایسے میں کسی کونے سے کھلکھلاہٹ گونجی۔ کہیں سے سرگوشی۔ وہ پلٹ کے نہیں دیکھنا چاہتی تھی لیکن وہ منظر کسی سیاہ دھوئیں کی طرح آس پاس چھانے لگا۔ یہاں تک کہ اس کا وجود اس کے اندر ہر طرف سے گھر گیا۔

سامنے ایک خالی کلاس روم بنا تھا جس میں ایک سرمئی سفاری سوٹ والے صاحب کرسی پہ بیٹھے تھے۔ وہ چند کاغذات الٹ پلٹ کر رہے تھے جب دو جھجکتے قدم ان کی طرف آتے دکھائی دیے۔ انہوں نے چونک کے سر اٹھایا۔

''سر ... یہ میرا انڈر ٹرمز کا رزلٹ ہے۔'' اس نے ہلکی آواز میں کہتے ہوئے ایک کارڈ انہیں تھمایا۔ انہوں نے ایک نظر اسے دیکھا اور دوسری نظر کارڈ پہ ڈالی۔ پھر ہاتھ بڑھا کے کارڈ تھاما۔ ان کی کلائی میں ایک چمکتی ہوئی سنہری گھڑی تھی جس پہ ننھے ہیرے جڑے تھے۔ وہ بنا پلک جھپکے ان کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''95%؟ چچ....'' انہوں نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ جیسی اسٹوڈنٹ کے 98% سے کم نہیں آنے چاہیے تھے۔ آپ اس سے زیادہ محنت کرسکتی تھیں۔'' اور مصروف سے انداز میں کارڈ واپس تھما دیا۔

اس کے چمکتے چہرے پہ کچھ بجھ سا گیا۔

''اگلی دفعہ زیادہ محنت کرنا۔'' اس نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے کارڈ کمر کے پیچھے کرلیا۔ ہاتھوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

''سب کو ایسے ہی استاد ملتے ہیں' کشمالہ۔'' اس کی آواز اسے واپس حال میں کھینچ کے لائی۔ وہ دونوں خالی کاریڈور میں کھڑے تھے اور زیاد کہہ رہا تھا۔

''لیکن کچھ لوگ ایسے ٹاکسک استادوں کے باوجود شخصیت پہ کوئی دھبہ لیے بغیر زندگی میں آگے نکل جاتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں؟'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا یا شاید خود سے۔

''کیونکہ وہ ہماری طرح اس استاد میں کسی اور کو نہیں تلاش کررہے ہوتے۔'' وہ سرگوشی میں بولی تھی۔

زیاد نے چونک کے اسے دیکھا۔ مگر وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ اس کا رخ ایک آفس کی جانب سے تھا۔

''شکور کو اس سکول سے گئے کئی برس بیت چکے ہیں۔''

وہ دونوں ایک آفس میں بیٹھے تھے۔ دو لکڑی کی کرسیوں پہ ساتھ ساتھ۔ میز کے اس پار عینک لگائے بیٹھی تھیں۔ ان کے پیچھے بک شیلف اور اوپن کیبنٹس میں فائلز رکھی نظر آرہی تھیں۔

''آپ کو معلوم ہے وہ اب کہاں ہوگا؟''

چائے کے کپ آئے رکھے تھے۔ لیکن ان دونوں نے ان کو نہیں چھوا تھا۔

''میرے پاس اس کے گھر کا پرانا پتہ ہے۔ معلوم نہیں وہ وہاں ہوگا یا نہیں۔'' وہ چند کاغذات ادھر ادھر کرنے لگیں۔ پھر عینک کے پیچھے سے انہیں دیکھا۔ ''ابھی ڈھونڈنا مشکل ہوگا۔ میں آپ کو بعد میں معلوم کرکے میسج کردوں گی۔''

انہوں نے فائل بند کی اور پھر باری باری دونوں کے چہرے دیکھے۔

''آپ نے جب کال کی تو میں نے مس ثمرین سے آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔انہوں نے بتایا کہ آپ اسی اسکول سے پڑھی ہیں اور اب اسلام آباد میں ایک کامیاب ریستوران چلا رہی ہیں۔ ہمارے اسکول کو آپ جیسے اسٹوڈنٹس پہ بہت فخر ہے۔''

''اور مجھے اس بات پہ فخر ہے کہ میری کامیابی میں میرے اسکول کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔''وہ سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔ان کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔آنکھوں میں ناسمجھی ابھری۔

''شکور نے جاب کیوں چھوڑی تھی؟''زیاد نے جلدی سے بات سنبھالی۔وہ جو اس کی بات پہ سوچنے لگ گئی تھیں'اب کے لاپرواہی سے کندھے اچکائے۔

''اس نے ستار صاحب کی ڈائمنڈ واچ چرائی تھی۔اسی لیے اسے جاب سے نکالا گیا تھا۔''

''ستار صاحب کون؟''

''اسکول کے پرنسپل۔''جواب مالا کی طرف سے آیا۔اس کے لہجے میں بہت سے گلے تھے۔

''بہت ہی قابل استاد تھے وہ۔''خاتون کے چہرے پہ فخریہ مسکراہٹ در آئی۔

''انتہائی غیر مہربان اور....''وہ جو تیزی سے کہنے لگی تھی'اپنے جوتے سے اس کا جوتا ٹکرانے پہ خاموش ہوگئی۔ زیاد نے اس پہ ایک تنبیہی نظر ڈالی اور پھر واپس خاتون کی طرف متوجہ ہوا۔

''یعنی شکور ایک چور تھا؟''

''بہت پرانی بات ہے۔اب ٹھیک سے یاد بھی نہیں۔ویسے وہ ایماندار آدمی تھا۔شاید سر ستار غصے میں تھے۔'' انہوں نے بے پرواہی سے شانے اچکائے۔ان کے انداز میں اب کشمالہ کے لیے ناپسندیدگی سی تھی۔''میں ایڈریس ڈھونڈ کے میسج کر دوں گی۔''

''آج آپ کا موڈ کچھ زیادہ ہی خراب ہے۔''واپسی پہ کاریڈور میں چلتے ہوئے زیاد سلطان کھنکھارا۔وہ خاموشی سے سینے پہ بازو لپیٹے آگے بڑھتی گئی۔

''میں آپ کو اس لیے ٹوک رہا تھا کیونکہ اس رویے پہ وہ ہمیں کبھی بھی شکور کا ایڈریس نہیں دیں گی۔''وہ نرمی سے کہنے لگا۔لیکن وہ خاموش رہی۔

''ویسے شکور کیسا آدمی تھا؟ کیا واقعی اس نے چوری کی تھی یا الزام لگا تھا؟''کچھ دیر بعد زیاد نے بات کرنے کی ایک اور کوشش کی۔

''الزام لگا تھا۔''

''آپ کو کیسے معلوم؟'' وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

کشمالہ کے قدم تھمے۔ پھر وہ گہری سانس لے کر زیاد کی طرف پلٹی تو اس کی آنکھوں میں جواب کے ساتھ اور بھی بہت کچھ تھا۔

''کیونکہ میں اس الزام کا حصہ تھی۔ اس کی جاب جانے اور اس کی زندگی خراب کرنے والوں میں ایک میں بھی تھی۔''

وہ چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔

''ناممکن۔'' زیاد نے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ ایسا کچھ نہیں کر سکتیں۔''

''اپنا اسکول کسی کو دل سے پسند نہیں ہوتا' زیاد۔ کیونکہ اس کے ساتھ تکلیف دہ یادیں جڑی ہوتی ہیں۔''

وہ اداسی سے مسکرائی اور وہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ استنبول کی ایک سرد شام تھی۔ چنگیز ہسپتال کی عمارت میں داخل ہوا تو اس نے جیکٹ پہن رکھی تھی اور سردی سے ناک سرخ ہو رہی تھی۔ وہ مطلوبہ فلور پہ جیسے ہی لفٹ سے اترا' سامنے روم ۵۵۵ کے باہر صوفے پہ تنہا بیٹھا بیربل نظر آیا۔ اس کے تاثرات بگڑے بگڑے سے تھے۔

''یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اندر آدھے شہر کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔'' وہ تعجب سے اسے دیکھتا قریب آیا تو بیربل نے ایک ناراض نظر اس پہ ڈالی۔

''پھول اکٹھے کرتے کرتے تھک گیا تھا۔''

''کیسے پھول؟''

''وہی جو ماہر بے کے منہ سے جھڑ رہے ہیں۔'' ساتھ ہی ابرو سے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

چنگیز سر جھٹک کے آگے بڑھ گیا۔ دروازہ کھولا تو دیکھا' وہ تار آج بھی راستے میں تھی۔ اسے احتیاط سے عبور کیا اور اندر آیا۔

پہلے سٹنگ روم بنا تھا جس کی میز پھولوں سے بھر چکی تھی۔ آگے کمرے کا دوسرا حصہ تھا جس پہ ماہر کا بیڈ رکھا تھا۔ ساتھ کاؤچ پہ زارا بیٹھی تھی۔ پیچھے کھڑکی کے بلائنڈز ہٹے تھے اور ایک نیلگوں شام پھیلی دکھائی دیتی تھی۔ یہ

ہسپتال کے کمرے سے زیادہ ہوٹل سوئیٹ لگتا تھا۔

ماہر بیڈ پہ سرہانوں سے ٹیک لگائے ٹانگیں لمبی کیے بیٹھا تھا۔اس کی ایک ٹانگ ہنوز پلستر اور پٹیوں میں جکڑی تھی۔چہرے پہ زمانے بھر کی بے زاری اور ماتھے پہ بل تھے۔ایک طرف شبنم کھڑی تھی اور دوسری طرف کاؤچ پہ بیٹھی زارا نرمی سے کہہ رہی تھی۔

''یہ ممکن نہیں ہے'ماہر۔تمہیں مجھ پہ بھروسہ کرنا ہوگا۔''

چنگیز خاموشی سے قدم اٹھاتا بیڈ کی پائینتی تک آرکا۔بیربل بھی اس کے پیچھے تھا۔

''میں تمام کام مکمل ذمہ داری سے سنبھال رہی ہوں۔''

''پھر تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''وہ ابرو اکٹھے کیے برہمی سے بولا۔چنگیز نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔وہ چڑچڑا سا لگ رہا تھا۔بال ماتھے پہ بکھرے تھے اور چہرے کے نیل اب بھورے ہو چکے تھے۔

''میں آفس سے واپسی پہ تمہاری خیریت معلوم کرنے آئی ہوں۔''زارا نے بدقت لہجے کی نرمی برقرار رکھی۔پھر اسے نوواردوں کی موجودگی کا احساس ہوا تو نظریں موڑیں۔پائنتی کے ساتھ کھڑے چنگیز کو دیکھا جس نے عام سی شرٹ پہن رکھی تھی اور گردن میں پولیس بیج چین کے ساتھ لٹک رہا تھا۔اس کے چہرے پہ ناپسندیدگی پھیلی۔ہلکا سا کھنکھاری۔

''کمرے میں انتارش نہیں ہونا چاہیے۔''

''بالکل'زارا۔تم چلی کیوں نہیں جاتیں؟''

بیربل مسکرا کے بولا تو زارا کے ماتھے پہ بل پڑے۔وہ پرس اور سفید کوٹ اٹھا کے اٹھ کھڑی ہوئی اور ایک آخری نظر ماہر پہ ڈالی۔

''تمہاری غیر موجودگی میں کیف میری ذمہ داری ہے۔او کے؟بھروسہ کرو مجھ پہ۔''مسکرا کے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ان دونوں نے ایک طرف ہٹ کے اسے راستہ دیا۔وہ ایک گھورتی نظر ان پہ ڈال کے آگے بڑھ گئی۔بیربل نے گردن موڑ کے اسے جاتے دیکھا اور پھر چوکھٹ پہ رکھی تار کو۔زارا نے احتیاط سے اپنے لانگ بوٹس سے اس کو عبور کیا اور باہر نکل گئی۔بیربل کے چہرے پہ مایوسی پھیل گئی۔

''تم اپنے ڈیوٹی آورز میں یہاں کیا کر رہے ہو؟''ماہر فرید کی توجہ کا مرکز اب چنگیز تھا۔

''تمہاری خیریت پوچھنے آیا ہوں۔''

''فون پہ پوچھ سکتے تھے۔ آنے کی کیا ضرورت تھی؟ گورنمنٹ تمہیں ہر گھنٹے کی تنخواہ دیتی ہے۔'' اسی خراب موڈ سے کہہ کے اس نے سر جھٹکا۔

''یہ رہے تمہارے حصے کے پھول۔'' بیربل نے مسکرا کے اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔

''اور تمہیں کچھ کہا ہے میں نے۔'' وہ اب شبنم سے مخاطب تھا جو بیڈ کے دوسری جانب کھڑی تھی۔

شبنم نے ایک نظر بیربل کو دیکھا (جس نے خفیف انداز میں گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔) پھر واپس ماہر کو۔

''میں آپ کی بات نہیں مان سکتی۔''

ماہر چند لمحے اسے گھورتا رہا۔

''جانتی ہوئی سیکرٹری ڈھونڈنے میں کتنی دیر لگتی ہے؟''

''اس کے لیے پہلے ہسپتال سے ڈسچارج ہونا ضروری ہے۔'' شبنم نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

''مسئلہ کیا ہے؟ ماہر کو کیا چاہیے؟'' اب کے چنگیز اکتا سا گیا تھا۔

''ماہر اپنا لیپ ٹاپ اور گرافک ٹیبلیٹ مانگ رہا ہے کیونکہ اسے کام کرنا ہے۔'' بیربل گہری سانس لے کر بتانے لگا۔ ''اور ہم اتنی دیر سے ماہر کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ ڈاکٹر نے ان کو مکمل ریسٹ کا کہا ہے۔ کام کرنا ان کی صحت کے لیے اچھا نہیں ہے۔''

''اور ماہر بے ہماری اور ڈاکٹرز کی بات نہیں مان رہے۔'' شبنم نے بے بسی سے چنگیز کو دیکھا۔ ''آپ ان کو کچھ سمجھائیں؟''

''لڑکی تم ماہر کے لیے کام کرتی ہو یا ڈاکٹر کے لیے؟'' وہ جواباً اسے گھور کے کہنے لگا تو شبنم نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ بیربل بھی چونکا۔

''میرا دوست تمہیں کہہ رہا ہے کہ اسے اس کا لیپ ٹاپ چاہیے اور تم آگے سے انکار کر رہی ہو؟''

پہلی دفعہ ماہر کے ماتھے کے بل کم ہوئے۔ اس نے قدرے آرام دہ انداز میں پیچھے تکیے پہ سر ٹکا دیا۔

''چنگیز کیا کہہ رہے ہو....'' بیربل نے اس کی کہنی ہلائی لیکن وہ شبنم سے مخاطب تھا۔

''تم انہی قدموں پہ آفس واپس جاؤ اور جو وہ مانگ رہا ہے اسے لا کر دو۔ یا میں پولیس اسٹیشن سے کچھ بندے بھیجوں؟''

''او کے۔'' شبنم کا چہرہ اتر گیا۔ چنگیز کو کینہ پرور نظروں سے گھورتے ہوئے واپس مڑ گئی۔

''تم اس کے دوست ہو یا دشمن؟'' بیربل اس پہ خفا ہوا۔''اس کی صحت کے لیے اچھا نہیں ہے کہ....''

(پسِ منظر میں شبنم کے آوچ کی آواز سنائی دی لیکن اب وہ دونوں متوجہ نہیں تھے۔)

''اس کی ٹانگ ٹوٹی ہے۔ ہاتھ سلامت ہیں اور دماغ بھی۔ وہ کام کرنا چاہتا ہے' کوئی نیا ڈیزائن بنانا چاہتا ہے تو تم لوگ کون ہو اس کو روکنے والے؟''

''وہ بیمار ہے چنگیز۔ وہ کیسے....''

وہ جو خاموشی سے ان کی بحث دیکھ رہا تھا' اب کے بےزاری سے مداخلت کی۔

''اپنے مسئلے باہر جا کے حل کرو۔'' دروازے کی طرف اشارہ کر دیا۔ پیشانی پہ بل اور چہرے پہ شدید اکتاہٹ تھی۔

''جاؤ۔'' دوبارہ بلند آواز سے کہا تو وہ دونوں فوراً دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

''تم کس کی سائیڈ پہ ہو؟'' باہر آتے ہی بیربل بگڑ کے بولا۔

''چپ چاپ وہ کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔ میں تمہیں اس کی وجہ بعد میں بتاؤں گا۔'' اس نے بیربل کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے دبایا تو اس نے اکتا کے اپنا کندھا چھڑایا۔

''میں تمہیں ابھی اسی وقت عاق کرتا ہوں۔''

چنگیز دھیرے سے ہنس دیا اور وہ خفگی سے بڑبڑاتا ہوا صوفے پہ دھپ سے بیٹھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر واپس آئی تو مبین منزل میں خاموشی تھی۔ حور سو چکی تھی اور ماہی لاؤنج میں آنکھیں بند کیے بیٹھی تھی۔ بخت بی اس کے بالوں میں تیل لگا رہی تھیں۔ آہٹ پہ آنکھیں کھولیں تو دیکھا' مالا اسے دیکھے بنا سیدھی اپنے کمرے کی طرف جا رہی ہے۔ ماہی کے چہرے پہ ڈھیر سارا ملال اتر آیا۔

''مالا مجھ سے ناراض ہے' بخت بی۔''

''بہن بھائیوں کی ناراضیاں ختم ہو جاتی ہیں ماہ بی بی۔ تم چھوٹی ہو تم معافی مانگ لو۔''

''لیکن میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔''

''پھر بھی معافی مانگ لو۔ بڑا بڑا ہوتا ہے اور چھوٹا چھوٹا۔ تمہارے کینیڈا میں شاید سکھاتے ہوں کہ بڑا چھوٹا کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن ہوتا ہے۔'' وہ اب اس کے سر پہ زور زور سے مالش کر رہی تھی۔ ماہی چپ چاپ بیٹھی رہی۔

بخت بی نے اس کے چھوٹے بالوں کو بمشکل فرنچ چوٹی میں باندھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ موبائل اٹھا کے عباد کو کال کرنے لگی تو احساس ہوا کہ بالوں کی چکنائی ہاتھوں سے ہوتی ہوئی اسکرین پہ لگ گئی ہے۔ لیکن اس وقت اسے پرواہ نہ تھی۔

موبائل کان سے لگایا اور باہر لان میں چلی آئی۔ وہاں شام اتر رہی تھی اور ٹھنڈ بڑھ گئی تھی۔

اسے جاتے دیکھ کے بخت بی نے بے اختیار سر کو ہاتھ مارا۔

''کتنا منع کیا تھا' شام کو تیل نہیں لگاتے۔ اوپر سے بی بی باہر چلی گئی ہے۔ ٹھنڈ لگ جائے گی۔'' لیکن سامنے بھی ماہی تھی۔ اسے اپنی مرضی کرنی ہوتی تھی۔

''یار ہماری ابھی صبح نہیں ہوئی۔'' عباد کی ناراض آواز فون میں گونجی۔

''لیکن تم اٹھے ہوئے ہو نا۔ یہی کافی ہے۔'' پھر کھنکھاری۔

''ایک مسئلہ ہو گیا ہے۔''

''مسئلے کو فیڈ کر دے دو۔ خود ہی سو جائے گی۔''

''عباد میں سیریئس ہوں۔'' وہ چیخی۔ پھر آواز دھیمی کی۔ ''مالا کو معلوم ہو گیا ہے کہ میں ماہر فرید سے رابطے میں تھی۔ اب وہ مجھ سے ناراض ہے۔ میں کیا کروں؟''

عباد نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ ''میں نے تمہیں کہا تھا کہ اسے وقت سے بتا دو لیکن نہیں۔ ماہی کو اللہ تعالی نے کان سننے کے لیے نہیں' ایک سے سن کے دوسرے سے نکال دینے کے لیے دیے ہیں۔''

''لیکن اس نے ناراضی میں مجھے بہت سخت بات کہی ہے۔ یہ کہ میری اس کے ساتھ کوئی وفاداری نہیں ہے۔ ایسا کیا کیا ہے میں نے؟'' دبے دبے غصے سے کہتے ہوئے ایک نظر اس کھڑکی کی طرف ڈالی جو مالا کے کمرے میں کھلتی تھی۔

وہ چند لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔

''مالا جب بھی لڑتی ہے یہی کہتی ہے۔ کہ وہ ہمارے لیے سب کچھ کرتی ہے اور ہم صرف اپنا سوچتے ہیں۔ بڑی بہن ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ ہم نے تو نہیں کہا تھا کہ بڑی بہن بنو۔ یہ تو قدرت کا کام ہے۔''

''تمہیں وہ وقت یاد ہے جب خالو یعنی تمہارے ابو کی ڈیتھ ہوئی تھی؟'' وہ سوچ سوچ کے کہنے لگا۔

''نہیں یار۔ میں اس وقت بہت چھوٹی تھی۔''

"اور اسی لیے تمہیں وہ وقت نہیں یاد کیونکہ وہ بڑی بہن تھی۔ تم نہیں۔ مالا کو وہ سب یاد ہوگا جیسے مجھے یاد ہے۔"

"ابو کہاں سے آ گئے درمیان میں؟ ماں نے ہمیں ماں اور باپ دونوں بن کے پالا ہے۔" وہ بے زار ہوئی۔

"کوئی ماں باپ نہیں بن سکتی ہے۔ نہ کوئی باپ ماں بن سکتا ہے۔ پیرنٹس ایک دوسرے کی کمی چاہ کے بھی پوری نہیں کر سکتے۔"

(کشمالہ اندر داخل ہوئی تو کمرہ گرم تھا۔ وہ تیزی سے کاؤچ تک آئی جہاں کمبل پہ فاختہ لیٹی تھی۔ وہ پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھی۔)

"جن بچوں کے باپ جلدی مر جاتے ہیں ان میں بہت سی کمیاں رہ جاتی ہیں۔ بالخصوص بڑے بچے میں۔"

"مالا میں کوئی کمی نہیں ہے' عباد۔ وہ groomed ہے۔ high achiever ہے۔ کانفیڈنٹ ہے۔ مالا پرفیکٹ ہے یار۔"

(اس نے نرمی سے فاختہ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھایا۔ وہ بالکل ٹھنڈی تھی۔ کشمالہ کی سبز آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔)

"نہیں ماہی۔ ایسے بچے بڑے ہو کے پرفیکٹ نہیں بنتے۔ وہ fixer بن جاتے ہیں۔ جانتی ہو fixer کیا ہوتا ہے؟"

"نہیں۔"

(وہ نرمی سے اس بے جان ٹھنڈی فاختہ کے پروں پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔ آنسو تواتر سے آنکھوں سے گر رہے تھے۔)

"فکسر وہ بڑے بچے ہوتے ہیں جنہیں بچپن سے یہ کہا جاتا ہے کہ انہیں بڑا بننا ہے۔ ذمہ دار بننا ہے اور اپنے سے چھوٹوں کو تکلیف سے بچانا ہے۔"

(اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں اور دھیرے دھیرے فاختہ کے بازو کی پٹی کھولنے لگی۔)

"ان کو دنیا والے کہتے ہیں کہ انہیں اب دوسروں کو خوش کر کے جینا ہے ورنہ خاندان میں ان کی بقا ممکن نہیں ہے۔ سو ایسے بچے بچپن سے people pleasers بن جاتے ہیں۔"

(پٹی علیحدہ ہوئی تو اس نے دیکھا۔ اندر موجود زخم سوکھ چکا تھا۔ اس نے فاختہ کو واپس لٹایا اور الماری تک آئی۔ اب وہ دراز کھولے کچھ تلاش کر رہی تھی۔)

''فکسر یا people pleaser بچے ہر فادر figure میں اپنا باپ ڈھونڈ تے ہیں۔ وہ اپنی ہر پسندیدہ شخصیت کو خوش کرنا چاہتے ہیں چاہے وہ انہیں کتنی ہی اذیت دیں۔''

(اس نے دراز سے ہاتھ باہر نکالا تو اس کے اندر ایک سلک کا سبز رومال تھا۔)

''فکسر بچوں کے بڑے ان کی یہ کہہ کے حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ وہ اچھے بچے ہیں۔ سمجھدار اور ذمہ دار ہیں۔ اور وہ بچے اس کو اپنا reward جان لیتے ہیں۔ انہیں لگتا ہے کہ ان کی قدر و منزلت ہر کسی کو فکس کرنے سے بڑھتی جائے گی۔''

(وہ اب دھیرے دھیرے فاختہ کو سبز رومال میں لپیٹ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ابھی تک گیلی تھیں۔)

''ایسے لوگوں کی بچپن سے کوئی boundaries (حدود) نہیں ہوتیں۔ وہ اسکول میں bully ہونے کے باوجود اپنے لیے آواز نہیں اٹھانا چاہتے کیونکہ وہ conflict سے ڈرتے ہیں۔ انہیں اچھے بچے کا خطاب ہر وقت چاہیے ہوتا ہے۔ ایسے میں وہ کسی کو ناراض نہیں کر سکتے۔ اذیت دینے والے انسان کو بھی نہیں''

(وہ سبز رومال کی ننھی سی گٹھڑی کو تھامے گھر کے پچھلے صحن میں آئی جہاں ایک کچن گارڈن بنا تھا جو عدم توجہی کے باعث سوکھ چکا تھا۔ وہ پنجوں کے بل وہاں بیٹھی اور سلور کے چمچ سے مٹی کھودنا شروع کی۔)

''ایسے بچے کو ذرا سی ناکامی پہ بھی یہ ڈر ہوتا ہے کہ اس سے پیار اور توجہ چھن جائے گی۔ اسی لیے وہ اپنے ساتھ بے تحاشا کامیابیوں کے تمغے لگانا چاہتے ہیں تاکہ انہیں کسی بڑے کا اپروول ہمیشہ ملتا رہے۔''

(کچن گارڈن پہ جامنی سی شام اتر رہی تھی۔ چمچ سے نرم مٹی میں کھودا جانے والا گڑھا اب کافی گہرا ہو چکا تھا۔ اس نے رک کے سانس لیا اور پھر رومال میں لپٹے پرندے کو اٹھایا۔)

''ہمیشہ سمجھدار بنے رہنے کی چاہ ان بچوں کو بہت ٹھنڈے مزاج کا بنا دیتی ہے۔ ان میں بہت برداشت ہوتی ہے۔ وہ مہربان ہوتے ہیں۔ اپنی پرواہ نہیں کرتے۔ اور خود کو نظر انداز کر کے اپنے سے چھوٹوں کی حفاظت میں لگے رہتے ہیں۔ وہ ان کے لیے ہمیشہ لڑتے ہیں۔ لیکن اپنے لیے نہیں۔''

(اس نے احتیاط سے فاختہ کو رومال سمیت گڑھے میں ڈالا۔ پھر ایک ٹھنڈی اور گہری سانس خارج کی۔ لبوں سے دھواں سا نکلا۔ اب وہ ہاتھوں سے مٹی اس پہ ڈالنے لگی۔)

''مالا ہمیشہ سے ایک فکسر رہی ہے۔ معید پڑھائی میں اچھا نہیں تھا۔ وہ کبھی اس کے ٹیچرز کے پاس جاتی تو کبھی ٹیوشن اکیڈمی۔ وہ سب کو مجبور کرتی تھی کہ وہ معید کو توجہ دیں۔ اور رہی تم۔ تو بچپن سے اب تک تمہاری لڑائیاں ختم

نہیں ہوتی تھیں۔"

ماہی کی آنکھیں جھک گئیں۔

"کبھی تم کسی کا سر پھاڑ آتی تھیں۔ کبھی کسی کلاس فیلو کی چوٹی کاٹ دیتی تھیں۔ وہ تمہاری ہر لڑائی میں تمہیں بچانے ساتھ آ کھڑی ہوتی تھی۔"

"لیکن عباد.. ہمارے ہاں سارے بڑے بہن بھائی ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"نہیں ہونا چاہیے ایسے' ماہی۔ ہمیں کسی بڑے بہن بھائی کو یہ نہیں سکھانا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو نظر انداز کر کے دوسرے کا خیال رکھے۔ یہ چیز انسان کو بڑے ہو کے ڈیج کر دیتی ہے۔ انسان کو سب سے اوپر اپنا آپ رکھنا ہوتا ہے۔"

"یہ خود غرضی نہیں ہو گی؟"

"نہیں۔ اسے خود سے محبت کہتے ہیں۔ اور مالا کو خود سے محبت نہیں ہے۔ وہ دوسروں کو فکس کرنے اور خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اور وہ اپنی طرف آئی ہر ناکامی کو قبول کر کے اپنے حق سے پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ تمہارے خیال میں وہ ظہیر سے کیوں نہیں لڑی؟ شکست قبول کر کے اسلام آباد چھوڑ کیوں آئی؟"

ماہی خاموش رہی۔ اس کے پاس جواب نہیں تھا۔

"کیونکہ اندر سے مالا کو ہمیشہ سے معلوم تھا کہ ظہیر ایک دن یہ کرے گا۔ مالا میری کزن ہے اور میں اسے بچپن سے جانتا ہوں۔ اسے ڈر تھا کہ اگر اس نے ظہیر سے بحث کی تو وہ اسے کوئی نئی آفر دے دے گا۔ اور وہ ایک دفعہ پھر اس کی باتوں میں آ جائے گی۔ اس لیے خود کو مزید ہرٹ سے بچانے کے لیے اس نے جگہ چھوڑ دی۔"

"اسی لیے اس نے ماہر کی کوئی بات نہیں سنی۔"

"نہیں کیونکہ اسے ڈر ہے کہ وہ دوبارہ اس پہ بھروسہ کرے گی اور وہ پھر سے اسے دھوکہ دے گا۔ فکسر اور people pleaser بچوں کو ہمیشہ یہ لگتا ہے کہ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ لوگ ان سے ان کی ذات کے لیے محبت کریں۔ انہیں اپنے ساتھ تمغے لگانے ہوتے ہیں۔ کامیابیاں۔ تاکہ دوسرے ان کو کسی قابل سمجھیں۔"

"اور جب انہیں کوئی چوٹ لگے؟"

"تب وہ اپنے گرد کھڑی دیواریں مزید اونچی کر دیتے ہیں تاکہ کوئی ان کو پھلانگ نہ سکے۔ بظاہر وہ سب کے دوست ہوتے ہیں کیونکہ وہ کسی کو ناراض نہیں کرتے۔ جیسے مالا کا سوشل سرکل بہت وسیع ہے۔ ذرا کوئی مسئلہ ہو تو اس

کا کوئی یونیورسٹی فیلو کہیں سے نکل آتا ہے۔ لیکن اصل میں ایسے بچے ہمیشہ سے اکیلے ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی دوست نہیں ہوتا۔"

"میری زندگی میں بھی باپ کی کمی ہے۔ لیکن میں ایسی نہیں ہوں۔"

"کیونکہ تمہارے ساتھ ہمیشہ تمہاری بڑی بہن کھڑی تھی۔ ماں معید 'مالا۔ سب نے تمہیں محبت دی۔ لیکن تم نے کبھی سوچا کہ تمہارا شدید غصہ اور جذباتی پن دراصل اندر سے کسی نفسیاتی....."

"ایک منٹ ایک منٹ ماہر نفسیات...." "اس کے تو سر پہ لگی" "تلووں پہ بجھی۔" "تم اپنا تجزیہ اپنے پاس رکھو۔ اور جاب پہ جانے کی تیاری کرو۔" کھٹ سے فون رکھا۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"نکالتی ہوں میں اس کی ساری نفسیات کی کتابیں گھر سے۔"

پھر گردن موڑ کے مالا کے کمرے کی کھڑکی کو دیکھا۔ اور ایک گہری سانس خارج کی۔ عبا درست کہتا تھا۔ ان بہنوں کا تعلق کسی کم بخت کی وجہ سے خراب نہیں ہونا چاہیے تھا۔

اس نے دھیرے سے دروازے پہ دستک دی۔ جواب نہیں آیا تو ماہی نے دروازہ دھکیلا۔ وہ کمرے کی کھڑکی کے ساتھ بیٹھی تھی۔ بازوؤں کو گھٹنوں کے گرد لپیٹے وہ باہر دیکھ رہی تھی۔ کاؤچ خالی تھا۔ فاختہ اب وہاں نہیں تھی۔

"مالا...."

وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے ساتھ بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھی۔

"تمہیں وہ امیر آدمی یاد ہے۔ جس نے ایک دفعہ دوہا ائیر پورٹ پر مجھے ٹکٹ لے کر دیا تھا...."

"وہ ماہر فرید تھا۔ ہے نا؟" وہ باہر دیکھتے ہوئے بولی تو ماہی کے لب کھل گئے۔ لمحے بھر کے لیے وہ کچھ کہہ نہیں سکی۔

"تمہیں کیسے معلوم؟"

"تم گزشتہ چند ہفتوں میں کئی بار اس آدمی کا ذکر کرتے کرتے چپ ہو جاتی تھیں۔ دیر سے سہی لیکن آج جب بیٹھ کے سوچا تو مجھے سمجھ میں آ گیا کہ تم اس کو کیسے جانتی ہو گی۔"

"اس نے مجھے خود کال کی تھی۔ وہ اپنی بہن کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اسے میری مدد چاہیے تھی۔ اس کا احسان تھا میرے اوپر۔ میں کیا کرتی۔" وہ پشیمانی سے کہہ رہی تھی۔

"تم مجھے بتا سکتی تھیں۔ تم نے نہیں بتایا۔" اس کی آواز دھیمی تھی اور نظریں کھڑکی کے پار ڈوبتی شام پہ جمی تھیں۔ دونوں کے درمیان ایک ان دیکھی سی دیوار حائل تھی۔ یہ ان کی تمام گزشتہ لڑائیوں سے مختلف تھی۔ ماہی کو لگا

وہ اس دیوار کو کبھی پار نہیں کر سکے گی۔

''مجھے ڈر تھا کہ تم مجھ سے ناراض ہو جاؤ گی۔''

اس نے جواب نہیں دیا۔

''مالا... آئی ایم سوری۔ مگر مجھے وہ برا نہیں لگتا۔ وہ ایک اچھا انسان ہے۔''

''اچھے انسان دھوکے سے کسی کی زندگی میں داخل نہیں ہوتے۔''

''لیکن وہ اتنا....''

مالا نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا تو ماہی کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ اس کی نظروں میں کچھ تھا جو پہلے وہاں نہیں تھا۔

''مجھے ماہر فرید کی کہانی نہیں سننی۔ وہ مجھے یہ کہانی سنا چکا ہے۔ مجھے اس آدمی پہ بالکل بھی اعتبار نہیں ہے۔ نہ کبھی آئے گا۔'' اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''مالا تم اس بات کو ڈسکس کر کے کلیئر بھی نہیں کرنا چاہتیں؟''

''نہیں۔ مجھے اس بارے میں بات ہی نہیں کرنی۔ اور اگر تم چاہتی ہو کہ ہم اس بات کو یہیں دفن کر دیں تو ہم کبھی ماہر فرید کی بات نہیں کریں گے۔''

ماہی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''تم کہتی ہو تو میں آئندہ اس سے بات نہیں کروں گی۔''

مالا نے کندھے اچکائے۔ ''تم آزاد انسان ہو۔ جس سے چاہو بات کرو۔ لیکن مجھ سے تم اس کا ذکر نہیں کرو گی۔''

''او کے۔'' چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ پھر ماہی نے ہمت کی۔

''تم ابھی تک مجھ سے ناراض ہو؟''

''نہیں۔'' وہ پھر سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

یہ ان کی گزشتہ لڑائیوں جیسی نہیں تھی۔ پہلی دفعہ ماہی کو احساس ہوا کہ اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو سکے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

روم نمبر ۵۵۵ زرد بتیوں سے روشن تھا۔ پھولوں کی تیز خوشبو ہر طرف بکھری تھی۔ وہ بیڈ پہ پیچھے تکیوں کے سہارے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ سامنے بیڈ ٹرے پہ شبنم اس کی اشیاء سیٹ کر رہی تھی۔ اور چنگیز خاموشی سے دوسری طرف کھڑا تھا۔

''آپ کا لیپ ٹاپ۔ گرافک ٹیبلیٹ۔ آپ کا پین۔''

ماہر کے چہرے پہ کوئی تاثر نہیں تھا۔ چپ چاپ اسے چیزیں رکھتے ہوئے دیکھتا رہا۔

''یہ رہی ڈاکٹر کی approve شدہ کافی۔'' اس نے مسکرا کے ایک کپ ساتھ رکھا۔ ''اب مجھے اجازت۔''

ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کے جاتے ہی چنگیز کھنکھارا۔

''اس کو فون نہیں کیا؟'' ابرو سے سائیڈ ٹیبل پہ دھرے ٹوٹی اسکرین والے موبائل کی طرف اشارہ کیا۔ ماہر نے شانے اچکا دیے۔

''مجھے اس کی ہمدردی نہیں چاہیے۔''

''تم اس سے ملنے جا رہے تھے۔ کم از کم اسے بتا دو کہ کیوں نہیں آئے۔''

''وہ میرا انتظار نہیں کر رہی تھی۔'' اس نے میک بک اسکرین کھولی۔ فنگر پرنٹ اسکینر پہ انگوٹھا رکھا۔ وہ مکمل طور پہ کام کی طرف متوجہ تھا۔

چنگیز باہر آیا تو وہ دونوں بیرونی سٹنگ ایریا میں اس کے منتظر تھے' سینے پہ بازو لپیٹے' کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے۔

''ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''مجھے لگتا ہے تم سرکار سے ملے ہوئے ہو۔'' بیربل نے دانت پیسے۔

''مجھے بھی یہی لگتا ہے۔'' شبنم بھی اسے گھور رہی تھی۔ بیربل نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔

''تمہیں کیسے معلوم سرکار کون ہے؟''

''کیونکہ مجھے تم لوگوں کی ساری آوازیں سنائی دیتی ہیں۔'' عینک ناک پہ پیچھے کو دھکیلی۔ ''آفس میں' ہسپتال میں' میں ہر جگہ تم لوگوں کے ساتھ ہوتی ہوں۔''

بیربل نے ذہن میں جمع تفریق کی۔ ''اسی لیے ماہر تمہیں فائر نہیں کرتا۔''

شبنم نے مسکرا کے پلکیں جھپکائیں۔ پھر تاثرات بدلے۔ خفگی سے چنگیز کو دیکھا۔

''ماہر کو آرام کی ضرورت تھی اور آپ نے کیا کیا؟''

''تمہیں اندازہ ہے اس کے لیے کام کا اسٹریس کتنا خطرناک ہو سکتا ہے؟'' وہ بھی اس پہ غصہ ہوا۔

چنگیز جو صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا' دھیرے سے ہنس دیا۔

”تم جیسے نازک مزاج شہزادے کبھی کبھی ہسپتال کا رخ کرتے ہیں میرے دوست۔ میں ان ہسپتالوں میں ہر روز لوگوں کو آتے جاتے دیکھتا ہوں۔“

(اب کمرے میں خاموشی تھی۔ سکون تھا۔ وہ اسکرین کو روشن ہوتے دیکھ رہا تھا۔ لبوں پہ مدھم سی مسکراہٹ ابھر کے معدوم ہوئی۔)

”ہم سب ماہر کو ایک عرصے سے جانتے ہیں۔ وہ کسی بھی حالت میں کام کرنا ترک نہیں کرتا۔ جب وہ اس لڑکی کا گارڈ تھا تب بھی وہ کام کرتا تھا۔“

(اسکرین کی تیز روشنی اس کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ اس نے کی بورڈ پہ برائٹ نیس کم کرنے کا بٹن دھیرے سے دبایا تو محسوس ہوا کہ ہاتھ میں لرزش ہے۔)

”ماہر فرید کی آئیڈیل لائف کیا ہے؟ ایک پرسکون خاموش کمرہ۔ اس کا گرافک ٹیبلیٹ۔ ایک ہاتھ میں کافی۔ دوسرے میں پین۔ اور وہ بیٹھ کے سکون سے ایک نئی عمارت بنائے۔ میں نے اس کو گزشتہ ڈھائی برس میں کام کرتے ہی دیکھا ہے۔“

وہ دونوں خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ چنگیز اب ٹانگ سے ٹانگ ہٹا کے اٹھا اور ان کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

”کیا تم نے کبھی ماہر کو کام نہ کرتے ہوئے دیکھا ہے؟“

بیربل نے نفی میں سر ہلا دیا۔ ”گزشتہ ڈھائی برس میں بالکل نہیں۔“

”کام کا ایک نشہ ہوتا ہے میرے بھائی۔ کام کا سوچ کے اس کو ڈوپامین ملتی ہے۔ اسے لگتا ہے اسے ہسپتال میں مرضی کا ماحول ملے گا تو وہ کام کر لے گا۔ لیکن.....“

”لیکن؟“

(روشنی کم ہوئی تو اس نے پلکیں زور سے جھپکائیں۔ پھر براؤزر کھولا۔ انگلیوں میں کپکپاہٹ تھی۔ اس نے ای میل باکس کو کلک کیا۔ ایک دم اسکرین دھندلا سی گئی۔ زور سے چکر آیا۔)

”لیکن وہ کام نہیں کرے گا۔ کر ہی نہیں سکے گا۔“

”کیوں؟“

(ماہر نے آنکھیں زور سے میچیں۔ پھر انہیں کھولا تو منظر صاف تھا۔ اس نے نئی ای میلو کے سبجیکٹس پڑھنے چاہے

لیکن الفاظ گڈمڈ ہونے لگے۔)

''کیونکہ سارے کام صحت کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔''

(نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔ اس نے زور سے آنکھیں مسلیں۔ پھر میک بک اسکرین فولڈ کی۔ اور گرافک ٹیبلٹ اٹھایا۔ اسکرین روشن کی۔ تیز روشنی آنکھوں کو چندھیا گئی۔)

''سرجری کی تکلیف' پین کلرز کا اثر' بیماری کا چڑچڑا پن۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ فوکس ہو کے کام کر سکے۔ ہم اس کو جتنا منع کریں گے' وہ اتنا ہی چڑ جائے گا۔''

(اس نے پین سے اسکرین پہ لکیر کھینچنی چاہی لیکن ہاتھ کانپ گیا۔ سر کے سامنے والے حصے میں شدید درد اٹھنے لگا۔)

''اس لیے ماہر کو چند منٹ اپنی محبوب چیزوں کے ساتھ گزارنے دو۔ خود ہی باز آ جائے گا۔''

وہ مسکرا کے کہہ رہا تھا۔

(اس کی آنکھیں سرخ گلابی ہو رہی تھیں۔ چند لمحے وہ اسکرین کو دیکھتا رہا۔ پھر سے پین اسکرین پہ پھیرنا چاہا لیکن دماغ خالی تھا۔ کوئی آئیڈیا' کوئی اسکیچ' کچھ بھی نہ تھا۔ اس نے دھیرے سے پین پرے رکھنا چاہا۔ وہ لڑھک کے نیچے جا گرا۔

''آہ....'' سر میں اٹھتا درد ناقابل برداشت تھا۔ اس نے کراہتے ہوئے سر پیچھے ٹکا دیا۔ اور آنکھیں بند کر دیں۔)

''ابھی کچھ دیر میں وہ تمہیں بلائے گا اور یہ چیزیں لے جانے کے لیے کہے گا۔'' وہ اب شبنم کو سمجھا رہا تھا۔ ''تم چپ چاپ وہ چیزیں وہاں سے ہٹا دو گی۔''

(وہ آنکھیں بند کیے زور زور سے گہرے سانس لے رہا تھا۔ پھر اس نے ہاتھ بڑھا کے گھنٹی بجائی۔)

''یہ تو بہت افسوس ناک صورتحال ہے' چنگیز۔'' بیربل کے چہرے پہ فکرمندی ابھری۔ ''ماہر فارغ نہیں بیٹھ سکتا۔ ایسے تو وہ پاگل ہو جائے گا۔''

''اسی لیے تمہیں چاہیے کہ اس لڑکی کو یہاں بلا لو۔''

''تاکہ وہ مجھے سچ مچ میں عاق کر دے؟ ہرگز نہیں۔'' وہ جھرجھری لے کر ایک طرف ہو گیا۔

''پھر اس کا برا موڈ برداشت کرو۔'' چنگیز نے گہری سانس لے کر شانے اچکائے۔ ''کچھ ہفتے۔ شاید کچھ مہینے۔''

''نہیں۔ہمیں کچھ برداشت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' بیربل کی آنکھیں ایک دم چمکیں۔

''یعنی؟'' اب حیران ہونے کی باری چنگیز کی تھی۔

''اسے کام کرنے کا شوق ہے نا۔ ہم اسے ایک کام تھما دیتے ہیں۔اس کی زندگی کا سب سے اہم کام۔'' وہ اپنی مخصوص شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔اسی وقت گھنٹی کی آواز آئی تو شبنم تیزی سے اندر بھاگی۔اگلے ہی لمحے ایک ٹھڈے کی آواز آئی۔

''اتنا بڑا ہسپتال ہے اور ایک تار آپ سے فکس نہیں ہو رہی۔'' چنگیز ماتھے پہ بل لیے ریسیپشن ڈیسک کی طرف لپکا۔''اگر کوئی گر کے زخمی ہو گیا تو ہسپتال پہ مقدمہ ہو سکتا ہے۔''

''میں چار دفعہ یہ تار فکس کروا چکی ہوں' باش کو مسر بے۔ نہ جانے کون اسے بار بار گرا دیتا ہے۔'' وہ اب کے روہانسی ہو کے بولی۔ چنگیز نے چونک کے بیربل کی جانب دیکھا۔پھر اس کی تیوری چڑھ گئی۔ جارحانہ انداز میں واپس اس کے سر پہ پہنچا۔

''یہ تم کرتے ہو نا۔اس کو گرانے کے لیے۔اگر وہ سچ مچ زخمی ہو گئی تو؟''

''میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ ہسپتال والے خود نا اہل ہیں۔اللہ اللہ....'' باری باری دونوں کانوں کو ہاتھ لگایا اور شدید افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے ایک میگزین اٹھا کے چہرے کے سامنے کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل میں ناشتے کی میز بجی تھی۔ چائے اور پراٹھوں کی خوشبو کے ساتھ فضا میں ایک تناؤ بھی پھیلا تھا۔ مالا خاموشی سے سر جھکائے اپنی کافی پی رہی تھی۔اور ماہی گاہے بگاہے ایک نگاہ اس پہ ڈالتی تھی۔

وہ بظاہر باہر جانے کے لیے تیار لگ رہی تھی۔سامنے سے کھلا' لمبا سا سوئیٹر پہنے' بال آدھے کیچر میں باندھے' کانوں میں ٹاپس اور چہرے پہ ہلکا سا میک اپ۔لیکن وہ کہاں جا رہی تھی۔اس نے ابھی تک ذکر نہیں کیا تھا۔

''کہیں جا رہی ہو؟'' وہ سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

''ہوں۔'' وہ سر جھکائے موبائل پہ بٹن دبا رہی تھی۔ ماحول کا تناؤ بڑھنے لگا۔ ماہی نے پہلو بدلا۔

''شکور کا ایڈریس ملا؟''

''ہوں۔''

''مالا تم ابھی تک ناراض ہو؟''

''نہیں۔''اس نے پلکیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ سبز آنکھوں میں کچھ نہیں تھا۔ نہ ناراضی نہ گلہ۔

''اگر ناراض نہیں ہو تو مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔ جو بھی تمہیں بوجھل کیے ہوئے ہے۔''

''میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ یہ سب ختم ہو جائے۔ میری زندگی اس عامل کی قید سے آزاد ہو جائے۔ زیادکی امی ٹھیک ہو جائیں۔ اور ہم سب نارمل ہو جائیں۔''

ماہی نے سر ہلا دیا۔''ہماری ماں تو چلی گئی۔ کاش اس کی ماں بچ جائے۔''اس نے دل سے دعا کی تھی کہ مائیں سانجھی ہوتی ہیں۔

''مالا باجی... آج میں نے بڑی بی بی کو خواب میں دیکھا۔''

بخت بی نے ڈائننگ ہال میں داخل ہوتے ہی چہک کے بتایا۔

''کیا واقعی؟''ماہی کا چہرہ کھل اٹھا۔ لیکن وہ جہاں تھی وہیں رہ گئی۔ جیسے سانس لینا بھول گئی ہو۔

بخت بی اب جوش سے اپنا خواب سنا رہی تھی۔ لیکن کشمالہ مبین ششدر بیٹھی تھی۔

(تمہاری اور تمہاری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے۔)

وقت تھم گیا۔ ڈائننگ روم کا منظر وہیں جم گیا۔ گھڑیال کی سوئیاں بھی رک گئیں۔

اور پھر سوئیاں پیچھے کی طرف چلنے لگیں۔

کھڑکیوں کے باہر پھیلی صبح پچھلی رات میں بدلی۔ پھر روشنی۔ پھر اندھیرا۔ یہاں تک کہ وقت چند ہفتے پیچھے جا کے رک گیا۔

اب کھڑکیوں کے باہر صبح کی جامنی سی روشنی پھیلی تھی۔

اندر کمرے سے عورتوں کے رونے اور افسوس کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ حورِ جہاں کی میت کی خوشبو ابھی فضا میں تازہ تھی۔ اور وہ کچن کاؤنٹر کے سامنے پانی کا گلاس لیے گم صم سی کھڑی تھی۔ نائٹ سوٹ پہنے' کھلے بالوں کے ساتھ کشمالہ کسی اور جہان میں تھی۔

سامنے ڈاکٹر سلیمہ کھڑی تھیں۔ کٹے بالوں اور ماتھے پہ سن گلاسز چڑھائے' وہ کچھ کہہ رہی تھیں۔

''میری ماں کی ڈیتھ کے چند ماہ بعد میری سرجری ہوئی۔ جب مجھے آپریشن ٹیبل پہ لٹایا گیا تو....''

مالا نے بے توجہی سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ چاہتی تھی کہ چلی جائیں۔ یا چپ کر جائیں۔ اسے ان کے قصے میں

دلچسپی نہیں تھی۔

لیکن اسی پل انہوں نے کچھ کہا۔ کچھ ایسا کہ وہ چونک کے انہیں دیکھنے لگی۔

".....تو آپریشن ٹیبل پہ میرے کانوں میں ایک آواز گونجی۔"

وہ بالکل ٹھہر کے انہیں دیکھنے لگی۔ ساکت، جامد۔

"اس آواز کے بارے میں میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔ پہلے تم مجھے ایک سوال کا جواب دو۔"

وہ مزید قریب آئیں۔

وہ یک ٹک ان کو دیکھ رہی تھی۔ سارے آنسو اندر ہی اندر دم توڑ گئے تھے۔

"اگر ایک ماں سے میلے میں اپنے چھوٹے بچے کی انگلی چھوٹ جائے ...اور وہ دونوں بچھڑ جائیں تو پہلے کون دوسرے کو ڈھونڈ لے گا؟"

"ماں بچے کو ڈھونڈ لے گی۔" اس کے لب میکانکی انداز میں حرکت کیے۔

"درست۔" سلیمہ نے مسکرا کے سر اثبات میں ہلایا۔

"لیکن اگر کوئی وہیل چیئر پہ موجود معذور بوڑھی ماں اپنی صحت مند' جوان بیٹی کے ساتھ میلے میں جائے۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کو کھو دیں... تو پہلے کون دوسرے کو ڈھونڈے گا؟"

"بیٹی ماں کو ڈھونڈ لے گی۔"

"غلط۔ بالکل غلط' کشمالہ۔" ان کی آوز دھیمی ہوئی۔ "تب بھی ماں پہلے اپنی بیٹی کو ڈھونڈ لے گی۔"

"کیسے؟ ماں معذور ہے۔ بوڑھی ہے۔"

"کیونکہ ماں ہمیشہ اپنے بچے کو ڈھونڈ لیتی ہے۔"

وہ بنا پلک جھپکے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ کیا کہنا چاہتی تھیں؟

"جن بچوں کی مائیں مر جاتی ہیں' ان کو ایک راز تھمایا جاتا ہے۔ سب اس راز کو نہیں پا سکتے۔ کچھ اپنی ماں کے لیے اتنا روتے رہتے ہیں کہ ان کے آنسو ان کے اور اس راز کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ لیکن کچھ ہوتے ہیں..... میری طرح کے.... جن کو وہ راز سمجھ میں آ جاتا ہے۔"

"کیسا راز؟"

"یہی کہ ماں اپنے بچے کو ہمیشہ ڈھونڈ لیتی ہے۔"

''مگر....''اس کے لب پھڑپھڑائے۔''میری ماں مرچکی ہے۔میری اور میری ماں کی کہانی ختم ہوچکی ہے۔''

''اور اگر میں تمہیں کہوں کہ تمہاری اور تمہاری ماں کی کہانی اب شروع ہوئی ہے .... تو؟''

اس کا سانس جہاں تھا وہیں رک گیا۔ساری آوازیں خاموش ہوگئیں۔

''اب تک تم دونوں نے زندگی کا ایک حصہ ساتھ گزارا ہے۔ ماں سے شکوے بھی ہوں گے۔لڑائیاں بھی ہوئی ہوں گی۔ان کی فکر بھی کی ہوگی اور ان کے لیے دکھ بھی اٹھائے ہوں گے لیکن ان کی موت کے ساتھ سب ختم ہوگیا۔''

وہ سانس روکے سن رہی تھی۔

''مگر تم دونوں کی کہانی ختم نہیں ہوئی۔تمہاری اور تمہاری ماں کی غیر مشروط محبت کی کہانی اب شروع ہوگی۔''

''کیسے؟''ایک آنسو آنکھ سے ٹپکا اور بے داغ چہرے پہ پھسل گیا۔ڈاکٹر سلیمہ سمیت سارا منظر دھندلا گیا۔

''انسان کی ایک طویل عمر ہے۔جس کا ایک چھوٹا سا حصہ وہ اس دنیا میں گزارتا ہے۔پھر وہ ایک دوسری دنیا میں منتقل ہوجاتا ہے۔ان دو دنیاؤں کے درمیان ایک پردہ ہے۔''

''جانتی ہوں۔اور روحیں ادھر سے ادھر نہیں آسکتیں۔''

''ہم روح کے بارے میں بہت کم جانتے ہیں۔ہاں روحیں نہیں آتیں۔لیکن پیغام آتے ہیں۔''

''پیغام؟''

''میں نے کہا نا' کشمالہ۔ ماں بچے کو نہیں بھولتی۔وہ اپنے بچے کے ساتھ ساری عمر رہتی ہے۔تمہاری ماں کہیں نہیں گئی۔وہ اب بھی تمہارے ساتھ ہے۔اب بھی اسے تمہاری فکر ہوگی۔وہ تمہیں ضرور پیغام بھیجے گی۔اور تمہیں اس کے بھیجے سارے پیغام ملیں گے۔کبھی اپنے خواب کی صورت میں۔کبھی کسی دوسرے تیسرے انسان کے خواب کی صورت میں۔جب جب تمہیں ان کی ضرورت ہوگی'وہ تمہارے لیے کچھ بھیجیں گی۔''

''کیا وہ میری ماں ہوگی؟یا وہ کسی کے ذہن کا تصور ہوگا جو خواب کی صورت میں آئے گا؟''

''تمہیں ان دونوں میں فرق کرنا خود آجائے گا۔ ہمارے دین میں اس کو مبشرات کہتے ہیں جو ایمان رکھنے والوں کو دی جاتی ہیں خواب کی صورت میں۔مبشرات یعنی اچھی خبریں۔تمہاری ماں سے تمہارا تعلق ختم نہیں ہوا۔اس کی اچھی خبریں تمہیں ملا کریں گی۔اس کے پیغام بھی۔دوسری دنیا میں آنے والی ہر نئی روح سے وہ تمہارا احوال دریافت کریں گی۔اور چونکہ وہ ایک نیک عورت تھیں'اس لیے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے پیغام اور ان کی

اچھی خبر تم تک ضرور پہنچائے گا۔"

اس نے بھیگا چہرہ اٹھا کے اوپر چھت کو دیکھا۔

"کیا واقعی؟ کیا ماں باپ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھنا ذہن کی اختراع نہیں ہوتی؟ کیا اس کا کوئی مطلب ہوتا ہے؟"

"آف کورس ہوتا ہے۔ خواب کا فرشتہ کسی وجہ سے وہ خواب تمہارے ذہن میں لاتا ہے۔ ہر شخص کی وجہ مختلف ہوتی ہے۔ کسی کے خواب میں ماں باپ کا آنا صرف اس لیے ہوتا ہے تاکہ وہ خواب کو اہم جانے۔ کسی کے لیے اس میں نصیحت ہوتی ہے۔"

"کیا یہ بات میرا غم کم کر سکتی ہے؟"

"نہیں۔ یہ غم ساری عمر کا ہے۔ لیکن اتنا جان لو کہ تمہاری ماں زندہ ہے۔ مگر کسی اور دنیا میں۔ تم دونوں اس درمیان کے پردے کو نہیں توڑ سکتیں۔ لیکن خواب اس پردے کے درمیان سے گزرتے ہیں۔ تمہاری ماں انہی خوابوں کے ذریعے ہمیشہ تمہاری خبر گیری کرے گی۔ وہ عام خواب نہیں ہوں گے۔ وہ خیالات کا ہجوم نہیں ہوں گے۔ وہ نشانیاں ہوں گی۔ مائیں ساری عمر راستہ دکھاتی ہیں۔ چاہے اس دنیا میں ہوں۔ چاہے دوسرے دنیا میں۔"

"کیا ہر ایک کو اس کی ماں مرنے کے بعد خواب میں آتی ہے؟"

"ہر ایک کو نہیں آتی۔ صرف ان کو آتی ہے جو اپنی آنکھ کو صاف رکھتے ہیں۔ اتنا نہیں روتے کہ نظر دھندلا جائے۔ گناہوں سے اس کو دھندلا نہیں کرتے۔ وہ جو سچے ہوتے ہیں۔ انہی کو سچے خواب آتے ہیں۔"

"میری اور میری ماں کی کہانی ختم نہیں ہوئی..." وہ بڑبڑائی۔ "ماں مجھے دوبارہ ملیں گی۔" پھر اسے کچھ یاد آیا۔

"آپ کو ہاسپٹل بیڈ پہ کیا آواز آئی تھی؟"

"مجھے میرے کان میں میری ماں کی آواز آئی تھی کہ آیت کریمہ پڑھو۔ میں بالکل بھی مذہبی نہیں تھی لیکن میں نے اسے پڑھنا شروع کیا اور اس روز میری جان جاتے جاتے بچی۔ شاید وہ آواز کسی فرشتے نے اختیار کی تھی یا کسی نیک جن نے۔ میں نہیں جانتی۔ لیکن میرے لیے وہ میری ماں کا پیغام تھا جو اللہ کے حکم سے میری طرف آیا تھا۔"

وہ آنسوؤں سے تر چہرہ لیے سن رہی تھی۔

"اب جاؤ اور اپنی ماں کو بہترین انداز میں دفن کرو۔ کیونکہ تمہارے گھر کا احوال ان کو کچھ عرصے بعد سہی لیکن کسی نئی روح کے ذریعے مل ہی جائے گا۔ اگر تم روتی رہو گی تو ان کو تکلیف ہو گی۔"

کشمالہ نے گردن کو اثبات میں جنبش دی۔ پھر ٹشو رول سے ٹشو کھینچ کے پھاڑا اور آنکھیں صاف کیں۔

کچھ تھا جو اس کے چہرے پہ بدل گیا تھا۔

''میں نے خواب میں دیکھا کہ....''

گھڑیال کی سوئیاں تیزی سے واپس اپنی جگہ پہ آئیں تو مین منزل کا جما ہوا ڈائننگ روم پگھل گیا۔ مالا نے چونک کے بخت بی کو دیکھا جو جوش سے اپنا خواب سنا رہی تھی۔

''میں نے دیکھا اور اللہ گواہ ہے کہ میں جھوٹ نہیں کہہ رہی' بے شک قسم لے لو....''

''اُف بخت بی۔ یہ ڈرامے نہ کرو۔'' ماہی بدمزہ ہوئی۔ ''ہمیں تمہارا یقین ہے۔ جلدی بتاؤ۔''

بخت بی ایموشنل ہونے کا موقع نہ پاتے ہوئے اس سے زیادہ بدمزہ ہوئی۔ پھر جلدی جلدی اپنا خواب سنانے لگی۔

وہ ایک نیم اندھیرا سا منظر تھا۔ بخت بی چلتی ہوئی لاؤنج عبور کر کے گھر کا بیرونی دروازہ کھولتی ہے تو کیا دیکھتی ہے کہ لان میں حورِ جہاں کھڑی ہیں۔ صحت مند۔ تر و تازہ۔ انہوں نے سفید شلوار قمیض پہن رکھی ہے اور ان کے شانوں پہ گلابی اور سرمئی رنگ کی شال ہے۔ بال چوٹی میں بندھے ہیں اور کلائیوں میں ان کے جڑاؤ کنگن جگمگا رہے ہیں۔

''بی بی جی آپ تو فوت ہو گئی تھیں۔ آپ کہاں سے آ گئیں؟'' وہ حیرت سے ان کے قریب جاتی ہے۔

لان میں کھڑی حورِ جہاں نظر اٹھا کے اسے دیکھتی ہیں تو ان کی آنکھوں میں فکرمندی ہلکورے لے رہی ہے۔

''ماہی سے کہو.... گھر کی صفائی کرے۔''

''صفائی؟'' ماہی نے اچنبے سے اسے دیکھا۔ اور پھر مالا کو۔ وہ بھی متعجب بیٹھی تھی۔

''صفائی تو روز ہوتی ہے۔''

''ماں کا خواب ہمیشہ ایک پیغام ہوگا۔ کوئی راستہ دکھاتا ہوا۔'' وہ بڑبڑائی۔

''لیکن کہاں کی صفائی؟'' ماہی الجھی ہوئی تھی۔ اس نے جواب نہیں دیا۔ ذہن کے پردے پہ ایک منظر لہرایا۔

وہ دونوں کافی شاپ میں بیٹھے تھے۔ وہ چبھتی ہوئی خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی اور وہ سامنے بیٹھا اپنی کہانی سنا رہا تھا۔

''میں نے آپ کو کبھی نقصان نہیں پہنچایا۔ ہمیشہ آپ کی حفاظت کی۔ کچھ باتیں آپ کو نہیں بتائیں۔ صرف اس

لیے تاکہ آپ پریشان نہ ہوں۔ جیسے اس روز جب ہم نے اسٹوڈیو کی صفائی مل کے کی تھی۔''

وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''تب مجھے صفائی کے دوران ایک تعویذ ملا تھا۔ اس پہ چند ہند سے لکھے تھے۔ وہ سرکار کی لکھائی تھی۔ میں اس لکھائی کو پہچانتا ہوں۔ اس کے علاوہ....'' اس کی آواز مدھم ہونے لگی۔ منظر دھندلا گیا۔

''کیف کو اسٹوڈیو کی صفائی کے دوران ایک تعویذ ملا تھا۔'' وہ دھیرے سے بولی تو ماہی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''تعویذ؟ کیا اس عامل نے ہمارے گھر کے اندر تعویذ پھینک رکھے ہیں۔'' اس نے بے اختیار اپنے سینے پہ ہاتھ رکھا۔ پھر تیزی سے گردن گھما کے قریب کاٹ میں سوتی حور کو دیکھا۔ ''ہم کہاں جائیں یار؟''

''جب میں اسلام آباد سے واپس آئی تو ماں بیمار ہو گئیں۔ مجھے بھی گھر کی دیکھ بھال کا موقع نہیں ملا۔ ہمیں اپنے گھر کو ایک دفعہ مکمل صاف کرنا ہوگا۔ فرنیچر ہٹا کے۔ ایک ایک چیز ہٹا کے۔ یقیناً ہمارے گھر میں ایک عرصے سے بہت کچھ جمع ہوتا رہا ہے جو ہمیں نظر نہیں آیا۔ بلکہ ایسا کریں ’بخت بی۔'' وہ سوچ سوچ کے بول رہی تھی۔ ''ایک دفعہ سارے گھر کا فرنیچر نکال کے گھر کو دھو دیں۔ جادو گندگی میں رہتا ہے۔ گندگی میں نشوونما پاتا ہے۔ صفائی اس کو کم کرتی ہے۔ ہمیں ہر وہ چیز ڈھونڈنی ہوگی جو جادو کی نشانی ہے۔''

باہر کار کا ہارن ہوا تو وہ چونکی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ زیاد پہنچ گیا تھا۔

''تم جاؤ۔ میں صفائی کروا دوں گی۔'' ماہی آستینیں چڑھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ فضا کا تناؤ خود بخود تحلیل ہو گیا تھا۔

''بڑا آرام کر لیا آپ نے۔ اب اپنی ساری بیٹیوں کو بلائیں۔ آج ہم اس گھر کو اوپر سے نیچے تک صاف کریں گے۔''

بخت بی کا چہرہ اتر گیا۔ جی بی بی کہہ کے آگے بڑھ گئیں۔ کچن میں آئیں اور ایک ایک چیز اٹھا اٹھا کے پٹخنے لگیں۔

اسٹریلائزر میں حور کے فیڈرز ڈالتی ہوئی بانو نے پلٹ کے انہیں دیکھا۔

''کیا ہوا اماں؟''

''مرے ہوئے کا خواب سناؤ تو اولاد انعام دیتی ہے۔ یہاں کام مل گیا۔'' وہ سخت کبیدہ خاطر نظر آ رہی تھیں۔

''تم نے واقعی بڑی بی بی کو خواب میں دیکھا تھا یا انعام کے لیے کہانی بنا دی؟'' بانو مشکوک نظروں سے انہیں دیکھتی ان کے قریب آئی۔

''کہانی کیوں بناؤں گی؟ اللہ قسم میں نے خواب دیکھا ہے۔'' پھر دائیں بائیں دیکھا۔ اور آواز دھیمی کی۔ ''بڑی بی بی نے مجھے ایک بات اور بھی کہی تھی۔ لیکن میں نے نہیں بتائی۔''

''کیا بات؟'' بانو نے تجسس سے چہرہ قریب کیا۔ بخت بی سرگوشی میں بتانے لگیں۔ بانو کے ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''خدا کو مانو اماں۔ یہ بات نہ کہہ دینا ماہی باجی سے۔ الٹا ٹانگ دیں گی تمہیں۔''

''ہاں ہاں اسی لیے نہیں بتایا۔'' وہ پلیٹ کے برتنوں والے سنک کی طرف بڑھ گئیں۔ ''پہلے کم کام ہیں جو اوپر سے سارا گھر صاف کریں۔ ہونہہ۔''

زیاد کی کار پورچ میں کھڑی تھی اور مالا اس کی طرف بڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ زیاد نے مسکرا کے اسے ہاتھ ہلایا تو وہ بھی مسکرا دی۔

اندر لاؤنج کی کھڑکی میں کھڑی ماہی نے یہ منظر بغور دیکھا تھا' یونہی کوئی کمبخت یاد آیا تھا۔

اس نے موبائل نکالا اور اس کا نمبر ملانے لگی۔ ریسیور کان سے لگایا ہی تھا کہ اس کا گھمبیر ہیلو سنائی دیا۔

''کیسی ہو بینہ؟'' کچھ بدلا ہوا سا تھا اس کی آواز میں۔

''کیسی ہو سکتی ہوں؟ آپ کی وجہ سے میری اپنی بہن سے لڑائی ہو گئی۔'' وہ چھوٹتے ہی خفگی سے بولی۔ جواب میں خاموشی چھائی رہی۔

''اچھا۔'' اور ایک گہری سانس۔

''آپ نے اس دن کال کی تھی۔ اور مالا نے دیکھ لیا۔''

''میں نے کال نہیں کی۔'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔ ''شاید کی ہو۔ یاد نہیں۔''

''آپ سو رہے تھے کیا؟ یا طبیعت خراب ہے؟'' ماہی کی نظریں گیٹ پہ جمی تھیں۔ زیاد کی کار باہر نکل رہی تھی۔

''کام کر رہا تھا۔ بتاؤ خیریت سے فون کیا ہے؟'' وہ اکتایا ہوا سا لگتا تھا۔

''آپ نے کہا تھا آپ پاکستان آئیں گے ... ماں کے افسوس کے لیے۔ آپ نہیں آئے۔ اور ہم دونوں نے مل کے اس پزل کو حل کرنا تھا۔'' اس کے انداز پہ ماہی کا لہجہ بھی قدرے رسمی ہو گیا۔

''ابھی نہیں آسکوں گا۔ کچھ ضروری کام کرنے ہیں۔''

''اتنا ضروری کام ہے کہ آپ اپنی زندگی کی سب سے بڑی مسٹری حل کرنے کے لیے وقت نہیں نکال سکے؟اور آپ نے کبیرہ تائی کی طرف بھی توجہ نہیں دی ہوگی۔ میں بتا رہی ہوں انہوں نے ہی سرکار کو ہائر کیا ہے۔''

''اور مجھے یقین ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ فی الحال میں کافی پھنسا ہوا ہوں۔ ان باتوں کے لیے وقت نہیں نکال سکتا۔''

''اچھی بات ہے۔ آپ اپنے کام کریں' اور یہاں وہ میری بہن کا دل جیت لے گا۔'' وہ اب جھنجلا سی گئی تھی۔

''کون؟'' وہ چونکا۔

''میرا ہونے والا بہنوئی اور کون۔'' وہ خفگی سے بولی تو وہ ہنس دیا۔

''اچھا وہ۔ ٹال' ڈارک اور ہینڈسم۔''

''ویسے وہ آدمی برا نہیں ہے۔ اچھا ہے۔ ڈیسنٹ ہے۔ اس کی شادی کسی اور سے ہو رہی ہے۔ اور مجھے لگتا ہے مالا اب اس کو انکار کر کے پچھتا رہی ہے۔''

''پھر میں کیا کروں؟''

''آپ....'' ماہی نے ضبط سے دانت پیسے۔'' آپ اپنے کام کریں۔ او کے بائے۔''

بڑبڑا کے فون رکھ دیا اور بخت بی کو آوازیں دینے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

روم 555 کے اندر سے سارے پھول اس صبح ماہر فرید کے حکم پہ غائب کر دیے گئے تھے۔ جس وقت بیربل فرید اندر داخل ہوا' خالی کمرے نے اس کا استقبال کیا۔ آج لیمپ کی تار فرش پہ نہیں گری تھی بلکہ دیوار پہ نفاست سے چپکائی گئی تھی۔

ماہر اونچے تکیوں پہ سر رکھے لیٹے ہوئے چھت کو دیکھتا کچھ سوچ رہا تھا۔ موبائل اس کے ہاتھ میں تھا۔

''کتنی عمارتیں ڈیزائن کر لیں تم نے؟'' بیربل قریب آیا اور ہاتھ میں پکڑا ایک پلندہ میز پہ رکھا۔ اس نے جواباً ایک اکتائی ہوئی نظر بیربل پہ ڈالی اور کچھ تلخ سا کہنے لگا جب چونکا۔ نظریں اس پلندے پہ جا ٹھہریں۔

''یہ تم کہاں سے لائے ہو؟'' چونک کے بیربل کو دیکھا۔ پھر میز کو۔ وہاں پرانی نوٹ بکس کا ایک ڈھیر رکھا تھا۔

''تمہارے لاکر سے۔'' بیربل مسکرا کے اسٹول کھینچ کے سامنے بیٹھا۔

''میرے لاکر کا پاسورڈ کیسے معلوم ہوا؟''

''تمہارے سارے پاسورڈ ہلال کی برتھ ڈے ہوتے ہیں۔'' ساتھ ہی زیرِلب بڑبڑایا۔ ''سوائے تمہارے فون کے۔''

''اور میرے لاکر سے کتنے پیسے نکالے ہیں؟'' وہ مشکوک نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

''توبہ توبہ....'' بیربل کے چہرے پہ صدمہ ابھرا۔ ''تم مجھے اتنا گھٹیا سمجھتے ہو کہ تم یہاں بیمار پڑے ہو گے اور میں تمہارا لاکر صاف کر دوں گا؟''

'' کتنے پیسے نکالے ہیں؟'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

بیربل نے سر کھجایا۔

''تھوڑے سے....''

''تھوڑے سے نکالے ہیں؟''

''نہیں۔ تھوڑے سے پیچھے چھوڑے ہیں۔'' وہ ڈھٹائی سے ہنسا۔

ماہر نے تکان سے پیشانی کو چھوا اور آنکھیں بند کیں۔

''کیوں صبح صبح میرا دماغ خراب کرتے ہو بی؟''

''ایک آئیڈیا لایا ہوں۔'' وہ آگے کو ہو کے بیٹھا جوش سے کہنے لگا۔ ''تم کبھی بھی اتنے بدمزاج نہیں رہے جتنے آج کل ہو گئے ہو۔ کیونکہ تم زندگی میں پہلی دفعہ اتنے فارغ ہو کہ تمہیں سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم کیا کرو۔''

وہ کوفت بھری آنکھوں سے بیربل کو دیکھے گیا۔

''تم کام کا اسٹریس نہیں لے سکتے۔ لیکن تم ایک ایسا کام کر سکتے ہو جو تم کئی برس سے کرنا چاہتے تھے۔''

''تمہارا قتل؟''

''نہیں۔'' وہ برا مانے بغیر ڈھٹائی سے مسکرایا۔ ''سرکار کی تلاش۔''

''میں ہسپتال کے کمرے میں قید ہو کے اسے کیسے تلاش کر سکتا ہوں؟''

''تم تین ملکوں میں پھر کے بھی اسے تلاش نہیں کر سکے۔ شاید تمہیں اس کو اسی بند کمرے میں تلاش کرنا ہے لیکن اپنے دماغ کے ساتھ۔'' اس نے کنپٹی پہ انگلی سے دستک دی۔ ''تمہارا دماغ بہترین دماغ ہے ماہر۔ پھر بھی تم اسے تلاش نہیں کر سکے۔ کیوں؟''

اب کے وہ قدرے چونک کے بیربل کو دیکھنے لگا۔ ماتھے کے بل ڈھیلے ہوتے گئے۔

"کیونکہ تم ہمیشہ اپنا کام ساتھ ساتھ کر رہے ہوتے ہو۔ تمہارا دماغ بٹا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ اب تم فارغ ہو۔ بالکل فارغ۔ تم اس مسٹری کو حل کر سکتے ہو۔"

ماہر نے ایک نظر میز پہ رکھے پلندے کو دیکھا۔ دوسری اس پہ ڈالی۔

"میں اتنے برس سے نہیں جان سکا کہ وہ کون ہے۔ اب کیسے جان پاؤں گا؟"

"کیونکہ تم ہمیشہ اسے کہیں دور تلاش کر رہے تھے۔ کیا معلوم وہ تمہارے بالکل قریب ہو۔"

(ہسپتال کی مین اینٹرنس سے عبدالمالک فرید داخل ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ سرمئی سوٹ پہنے' جیل لگے براق سفید بالوں اور بے تاثر چہرہ لیے وہ سیدھے لفٹ کی طرف آئے۔)

"کوئی ایسا انسان جو تمہیں بھی جانتا ہو اور کشمالہ کو بھی۔ کوئی جو تم دونوں کی زندگیوں میں مشترک ہے' ماہر۔"

(مالک نے جیب سے ٹشو نکالا اور لفٹ کا بٹن پریس کیا۔ پھر بند دھاتی دروازوں میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے انتظار کرنے لگے۔ لفٹ نیچے آرہی تھی۔)

"اس نے پہلے ہماری فیملی کو نقصان پہنچایا اور اب وہ کشمالہ کے پیچھے پڑا ہے۔"

(ماہی آستینیں چڑھائے ناک پہ کپڑا لپیٹے اسٹور روم کے باہر کھڑی تھی۔ بخت بی' سلیم اور بانو ہل کے اس میں سے سامان نکالتے دکھائی دے رہے تھے۔ دفعتاً بخت بی کی چیخ بلند ہوئی۔ ماہی تیزی سے اندر آئی۔

ایک پرانے کیبنٹ کے اندر بکرے کا سر رکھا نظر آرہا تھا جس کی آنکھیں غائب تھیں۔ ماہی نے بے اختیار منہ پہ ہاتھ رکھا۔ اسے زور کی ابکائی آئی۔)

"سرکار کسی وجہ سے تم سے نفرت کرتا ہے' ماہر۔ اسی نے تمہارا ایکسیڈنٹ کروایا ہے۔ وہ ایک بہت طاقتور انسان ہے۔ اس کے کلائنٹس ساری دنیا میں پھیلے ہیں۔ عامل سے عقیدت مرید کے ایمان کا حصہ ہوتی ہے۔ وہ اپنے عامل کے لیے کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

(مالک لفٹ میں سوار ہوئے اور ٹشو سے بٹن دبایا۔ دروازے بند ہوئے اور لفٹ اوپر جانے لگی۔ وہ ہاتھ باندھے کھڑے اسکرین پہ بدلتے نمبرز دیکھنے لگے۔)

"شاید وہ کشمالہ سے بھی نفرت کرتا ہے۔ اسی لیے اسے بھی نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔"

(کشمالہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی' ہاتھ میں موبائل پکڑے راستہ بتا رہی تھی۔ زیادا شبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کی

ہدایت کے مطابق کار کا موڑ کاٹ رہا تھا۔)

"لیکن کیوں؟ وہ تمہارا اور کشمالہ کا دشمن کیوں ہے؟ ہم اب تک نہیں جان پائے۔"

(ماہی لان میں افسردہ سی بیٹھی تھی۔ اس کے قدموں میں ایک چادر بچھی تھی جس کے اوپر چند چیزیں رکھی تھیں۔ بکرے کی سری۔ چند تعویذ۔ ایک گڑیا جس میں سوئیاں چبھی تھیں۔ چند رسیاں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔)

"سرکار ایسا دشمن ہے جو نظر نہیں آتا۔ ہم اس کو کسی پولیس، کسی ٹیکنالوجی کے ذریعے نہیں ڈھونڈ سکتے۔ ہم اس کو صرف ایک چیز سے ڈھونڈ سکتے ہیں۔ تمہارے دماغ سے، ماہر۔"

(زیاد اور کشمالہ ایک گھر کے باہر کھڑے تھے۔ ساتھ ساتھ بنے ان چھوٹے مکانوں کے گیٹ لوہے کے تھے۔ گلی کچی پکی تھی جس کے کنارے بنی نالیوں سے گٹر کا پانی ابل رہا تھا۔ کشمالہ نے بیل پہ انگلی رکھی۔)

"وہ صرف تم سے ڈرتا ہے کیونکہ صرف تم ہو جو اس کو تلاش کر سکتے ہو۔"

(لفٹ کے دروازے کھلے اور مالک باہر نکلتے ہوئے دکھائی دیے۔ ریسپشنسٹ نے مسکرا کے سلام کیا۔ انہوں نے سر کی جنبش سے جواب دیا۔ چہرہ بے تاثر تھا۔)

"کیسے ڈھونڈوں اس دشمن کو جو نظر نہیں آتا؟" وہ تلخ ہوا۔ "کیسے تلاش کروں اس مجرم کو جو جرم کا کوئی سراغ نہیں چھوڑتا؟"

بیربل نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے لیکن اسی وقت دروازہ بنا دستک کے کھلا۔

دونوں نے چونک کے اس طرف دیکھا۔

عبدالمالک فرید چوکھٹ میں کھڑے تھے۔ بیربل فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ایک طرف ہو کے راستہ دیا۔ مالک اسے دیکھے بنا آگے بڑھے۔ بیڈ کے قریب سے گزرے۔ اور کاؤچ پہ جا بیٹھے۔ ٹانگ پہ ٹانگ جما لی۔ چمکتے سیاہ بوٹ میں کھڑکی سے آتی روشنی کا عکس تھا۔

"کیسے ہو؟" اس کو دیکھتے ہوئے سوال کیا تو چہرہ بے تاثر تھا۔

"کیسا لگ رہا ہوں؟" ماہر نے شانے اچکائے۔

"دو مشینوں کے درمیان میرا کیا کام۔ میں باہر ہوں۔ تمام۔" وہ کھنکھار کے کہتے ہوئے خود ہی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ کسی نے اس کو جواب نہیں دیا۔

''ٹھیک لگ رہے ہو۔'' مالک نے سر سے پیر تک اسے دیکھا۔'' ٹانگ ہی ٹوٹی ہے۔ ٹانگیں ٹوٹتی رہتی ہیں۔''

ماہر چند لمحے اس کا برف چہرہ دیکھتا رہا' پھر ہلکا سا مسکرا دیا۔

''ابا ہوتے تو یہی کہتے۔ ٹانگیں ٹوٹتی رہتی ہیں' ماہر۔''

مالک کے لبوں پہ بھی ہلکی سی مسکراہٹ ابھر کے معدوم ہوئی۔

''میں پہلے روز نہیں آ سکا کیونکہ مجموعہ الفردان کے ساتھ میٹنگ تھی۔ کئی ماہ کی محنت کے بعد وقت ملا تھا۔''

ماہر نے سمجھنے والے انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔

''اگر تم وہ میٹنگ چھوڑتے تو میں تمہیں کبھی معاف نہ کرتا۔''

''جانتا ہوں۔'' مالک نے ابرو اچکائے۔'' قاسم نے بہت محنت کی تھی۔ میں اس کی محنت ضائع نہیں کر سکتا تھا۔''

چند لمحے خاموشی سے گزرے۔ پھر وہ دھیرے سے بولا۔

''تم نے اس کا ریستوران کیوں بکوایا؟'' اب کے اس نے مالک کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں شکوہ تھا۔

''وہ ایک بزنس ڈیل تھی۔ تم نے خود سائن کی تھی۔'' وہاں ہنوز اطمینان تھا۔

''لیکن تم نے مجھے نہیں بتایا کہ یہ اسی کا ریستوران تھا۔ تم نے پوری کوشش کی کہ میں یہ بات نہ جانوں۔''

''ہاں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔'' عبدالمالک فرید نے اسی لاپرواہ انداز میں شانے اچکائے۔

''کیوں؟ میں تمہیں الزام نہیں دے رہا۔ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم اس کی جاب کرتے ہوئے جذبات کو درمیان میں لاؤ۔ اگر تمہیں معلوم ہوتا کہ ہم نے اس کا ریستوران بیچا ہے تو تم گلٹی فیل کرتے۔ جذبات درمیان میں آجاتے اور جذبات بہت ظالم چیز ہوتے ہیں۔ سب خراب کرتے ہیں۔ لیکن....'' مالک نے ایک افسوس بھری سانس کھینچی۔

''لیکن تم پھر بھی جذبات کو درمیان میں لے آئے۔ اسی لیے تم آج تک یہ مسٹری حل نہیں کر سکے۔'' انہوں نے میز کی طرف اشارہ کیا جہاں اس کی پرانی نوٹ بکس رکھی تھیں۔

وہ سنجیدگی سے مالک کو دیکھے گیا۔

''تم کشمالہ کو کیسے جانتے تھے؟ یہ مت کہنا تم اسے نہیں جانتے تھے۔ تم اس روز اس سے خود ملنے نہیں گئے۔ بیربل کو بھیجا۔ کیونکہ....'' وہ بغور مالک کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔'' کیونکہ تم اس سے مل چکے تھے۔ تم نہیں چاہتے تھے کہ وہ تمہیں ماہر فرید کے حوالے سے جانے۔'' وہ یاد کر رہا تھا۔ مالک خاموشی سے اسے سنے گئے۔

''جب میں نے البم تمہیں دکھائی تھی' تم نے خود آفر کی کہ تم اس لڑکی کو ڈھونڈ دو گے۔ اور پھر تین دن میں تم نے اس کو ڈھونڈ نکالا۔ تم اسے پہلے سے جانتے تھے نا۔ مجھے اس وقت کیوں نہیں بتایا؟''

''جیسا کہ میں نے کہا ... میں جذبات کو درمیان میں نہیں لانا چاہتا تھا۔''

''کس کے جذبات' مالک؟ میرے یا تمہارے؟'' وہ آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے اس کی سرد آنکھیں پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مالک نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ''تم آرام کرو، میں زارا کی طرف جا رہا ہوں۔'' پھر رک کے پوچھا۔ ''کیا وہ تم سے ملنے آتی رہتی ہے؟''

''ہوں۔'' وہ کسی اور دھیان میں تھا۔ اس کے لہجے پہ غور نہیں کیا۔ مالک دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ ناب گھما کے کھولا۔ پھر وہیں رکے۔

ایک لمحہ ایسے ہی گزرا۔

''یہ وہ ہوتا ہے جسے جرم کا سب سے زیادہ فائدہ ہو۔''

''ہوں؟ کیا؟'' ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔

ڈور ناب پکڑے مالک فرید نے مڑ کے اسے دیکھا۔

''میں اندر آیا تو تم بیربل سے پوچھ رہے تھے کہ ایسے مجرم کو کیسے تلاش کیا جائے جو جرم کا ثبوت نہیں چھوڑتا؟'' انہوں نے وقفہ دیا۔

''یہ وہ ہوتا ہے ماہر' جس کو جرم کا سب سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ تمہارا دشمن وہ ہے جس کو....'' اس کی پلستر لگی ٹانگ کی طرف اشارہ کیا۔ ''اس کا سب سے زیادہ فائدہ ہوا ہے۔''

وہ یہ کہہ کے رکے نہیں۔ باہر نکلے اور اپنے پیچھے دروازہ آہستہ سے بند کر دیا۔

وہ الجھ کے اس کی بات پہ غور کرنے لگا۔ اسی پل دروازہ دوبارہ کھلا اور سسٹر ایک ٹرالی لیے اندر آئی۔

''آپ کے انجیکشن کا وقت ہو گیا ہے۔'' وہ مسکرا کے کہتی آگے آئی۔ پھر مڑ کے اس لیمپ کو دیکھا۔

''تار دوبارہ نیچے گرا دوں؟'' اس نے مسکرا کے سرگوشی کی۔

''کیا فائدہ؟ یہ لوگ پھر بھی آتے رہیں گے۔'' تلخی سے سر جھٹکا۔ پھر میز پہ رکھی نوٹ بکس کو دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں سوچ کی لکیریں ابھر رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شکور کا گھر ایک تنگ گلی میں تھا۔کئی جگہوں سے نالیاں ٹوٹی ہوئی تھیں اور گٹر کا پانی باہر ابل رہا تھا۔زیاد احتیاط سے کار آگے بڑھا رہا تھا۔وہ کبھی کچے پکے راستے کو دیکھتی' کبھی اس کے چہرے کو۔

''سوری۔میری وجہ سے آپ کو کیسی کیسی جگہوں پہ جانا پڑ رہا ہے۔''

''کیا میں آپ کو اتنا نازک لگتا ہوں کہ ایسی جگہوں پہ جانے سے ناک بھوں چڑھاؤں گا؟''اس نے خفگی سے مالا کو دیکھا۔''میں صرف آپ کے لیے فکرمند ہوں۔آپ ایسی جگہوں پہ تنہا آتیں تو مجھے پریشانی رہتی۔''

''میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔''وہ زیرِ لب مسکرائی لیکن بظاہر لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''میری ماں بھی ہر وقت یہی کہتی ہیں۔مانتا ہوں آپ خواتین بہت بہادر اور خودمختار ہیں لیکن ہر جگہ عورتوں کے اکیلے جانے والی نہیں ہوتی۔''اس نے کار ایک سبز گیٹ کے سامنے روکی۔

''کیا آپ کو شکور سے ملنے میں کوئی فائدہ نظر آرہا ہے؟''وہ بغور اس کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''میں اس سے پوچھنا چاہتی ہوں کہ وہ یہ کیوں کر رہا ہے؟''

''اول تو وہ مانے گا نہیں۔اور اگر مان بھی گیا تو رکے گا نہیں۔کہیں آپ کسی نئے خطرے میں نہ پڑ جائیں۔''

''اب پیچھے مڑنے کا وقت نہیں ہے۔''وہ سیٹ بیلٹ کھولنے لگی۔نظریں سبز گیٹ پہ جمی تھی۔

''اپنی لوکیشن ماہی اور معید کو بھیج دیں۔انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ آپ اس وقت کہاں ہیں۔''وہ احتیاطاً بولا تو وہ بے اختیار مسکرا دی۔

''آپ کی حفاظت کے پیشِ نظر کہہ رہا ہوں۔''

''جانتی ہوں۔''وہ اسے سیٹ بیلٹ کھولتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔یونہی زبان سے پھسلا۔

''شادی کی تیاریاں کہاں پہنچیں؟''لہجے کو سرسری بنایا۔

''پھپھو نے کچھ شرائط رکھی ہوئی ہیں۔پہلے وہ پوری ہوں گی۔پھر معاملہ آگے بڑھے گا۔''اس کے لہجے میں تلخی سی تھی۔مالا نے بغور اسے دیکھا۔

''کیا آپ خوش ہیں اس شادی سے؟''

زیاد سلطان نے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا اور زخمی سا مسکرایا۔

''خوش تو میں صرف ایک انسان کے ساتھ ہو سکتا تھا۔اب تو بس زندگی گزارنی ہے۔اپنے ماں باپ کی خوشی کے

لیے۔" کچھ تھا اس کی آواز میں جو دل کو اداس کر دینے والا تھا۔ پھر وہ کہہ کے رکا نہیں۔ دروازہ کھول کے باہر نکل گیا۔

گیٹ دوسری گھنٹی پہ ہی کھل گیا۔ ایک مخنی سے نوجوان نے باہر جھانکا۔ اس کی سیاہ مونچھیں تھیں اور وہ زرد شلوار میں ملبوس تھا۔

"کیا یہ شکور کا گھر ہے؟" وہ جلدی سے بولی۔

وہ چند لمحے تعجب سے اسے دیکھتا رہا۔ "میں شکور کا بیٹا ہوں۔"

"ہم اندر آ کے کچھ بات کر سکتے ہیں؟"

اس نے تحیر سے ان دونوں کو دیکھا۔ ایک سوئیٹر میں ملبوس لڑکی جس کے بال آدھے کیچر میں بندھے تھے اور اس کے ساتھ کھڑا دراز قد آدمی۔ وہ دونوں منتظر سے اسے دیکھ رہے تھے۔ نوجوان نے ایک طرف ہٹ کے راستہ چھوڑ دیا۔

وہ اپنی نیو ڈہیلوں سے احتیاط سے اونچے نیچے فرش پہ قدم رکھتی آگے چلتی آئی۔ آسمیل بہت شدید آرہی تھی لیکن وہ ناک پہ ہاتھ رکھ کے بدتہذیبی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی۔

سامنے ایک چھوٹا سا صحن تھا اور اس کے آگے کمرے بنے تھے۔ باہر ایک طرف سنک لگا تھا جس کے نیچے بہت سا گٹر کا پانی کھڑا تھا۔ غالباً پیچھے کوئی باتھ روم تھا جس کا ڈرین ایج سسٹم بند پڑا تھا۔ اسے متلی سی ہونے لگی۔

نوجوان ان کو ایک بیٹھک نما کمرے میں لے آیا جہاں میلے کور والے صوفے رکھے تھے اور ساتھ ایک چارپائی بچھی تھی۔

زیاد اس کے برعکس آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے جانچتی نظروں سے اس نوجوان کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات کرنی ہے آپ کو؟"

کمرہ قدرے تاریک تھا۔ وہ دونوں سنگل صوفوں پہ ساتھ ساتھ بیٹھ گئے اور وہ ان کے سامنے چارپائی کے کنارے پہ بیٹھا۔

"شکور کہاں ہے؟" زیاد ہنوز مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

نوجوان نے ایک دفعہ پھر باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھے۔

"میرا باپ شکور؟" تعجب سے پوچھا۔

"ہاں۔اس کو بلاؤ۔کہواس کے اسکول سے کچھ لوگ ملنے آئے ہیں۔"

"اس کو تو مرے ہوئے سات آٹھ سال ہو گئے ہیں' صاب جی۔"

وہ دونوں جہاں تھے' وہیں رہ گئے۔ساکت۔ششدر۔

"شکور مر چکا ہے؟" اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔

"کب کا۔تسی لیٹ ہو گئے او۔" وہ ہلکا سا ہنسا۔ایسی ہنسی جس میں تمسخر تھا۔تلخی تھی۔

"شکور کی موت کیسے ہوئی؟" پھر وہ جلدی سے بولی۔"بہت.. بہت افسوس ہوا۔"

"اصل میں جب میرے ابو کو اسکول کی جاب سے نکالا گیا تو..."

"تو وہ مڈل ایسٹ چلا گیا تھا اور وہاں نوکری کرتا تھا۔معلوم ہے۔" کشمالہ نے جلدی سے اس کا فقرہ مکمل کیا۔ لمحے بھر کو چہرہ پھیکا پڑا تھا۔

زیاد نے نگاہوں میں اس کو ریلیکس رہنے کا اشارہ کیا۔ادھر نوجوان کہے جا رہا تھا۔

"جی۔اس کی اسکول والی نوکری کے جانے کے بعد ہمارے حالات بہت خراب..."

"وہ سب مجھے معلوم ہے۔"اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس واقعے کا دوبارہ ذکر کرے۔

"اس کی موت کیسے ہوئی؟"

"ہارٹ اٹیک ہوا تھا جی۔لیکن آپ کیوں آئے ہو؟"

ان دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔سارے سوال اور جواب ختم ہو گئے تھے۔

"میں آپ کے لیے پانی لاتا ہوں۔" نوجوان خود ہی باہر نکل گیا۔

"اگر شکور مر چکا ہے تو..." اس کے جاتے ہی زیاد کے لب حرکت کیے۔

"تو وہ عامل نہیں ہے۔لیکن پھر مجھے اس کا چہرہ کیوں دکھائی دیا؟"

"شاید وہ آپ کا گلٹی کانشنس ہے؟"

کشمالہ کی نظریں جھک گئیں۔سینے میں ایک ہوک سی اٹھی تھی۔

نوجوان واپس آ کے بیٹھا تو ہاتھ میں چائے کی پیالیاں تھیں۔ایک پیالی کا ہینڈل ٹوٹا ہوا تھا۔اس نے ٹرے سامنے رکھی تو وہ بے اختیار چائے کو دیکھنے لگی۔یہ کڑک چائے نہیں تھی۔نہ ہی ساتھ نان خطائی تھی۔پھر بھی چارپائی

'گاؤ تکیے' اور اندرونِ لاہور نے ایک ساتھ کچھ یاد کروایا تھا۔

''میں اسکول کی طرف سے ایک رپورٹ لکھ رہی ہوں تو مجھے تمہاری مدد چاہیے۔'' اس نے سوئیٹر کی جیب سے ننھی سی نوٹ بک اور پین نکالا اور سرسری سا سوال کیا۔

''کیا شکور کوئی اور کام بھی کرتا تھا؟ یعنی دم درود ... تعویذ والا کام۔''

''نہ جی۔ میرا باپ بڑا نیک تھا۔'' لڑکا بدک کے بولا۔ ''پانچ وقت کا نمازی تھا۔ اور یہ دم درود تو سراسر جادو ہوتا ہے۔'' اسے جیسے یہ بات بری لگی تھی۔

''تمہیں کیا معلوم؟ تم پردیس میں اس کے ساتھ ہوتے تھے کیا؟'' زیاد نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تو نوجوان کے ماتھے کی تیوری چڑھ گئی۔

''وہ ہمیشہ اللہ رسول کا نام لیتا تھا۔ میرا باپ ایسے کاموں میں ملوث نہیں تھا۔ اور نہ وہ چور تھا۔ اس کو کسی نے غلط الزام میں اسکول سے نکلوایا تھا۔''

نوجوان اب تیز تیز بول رہا تھا۔ دکھ سے۔ احساس محرومی سے۔ وہ شکور کے ماضی کے بارے میں چند باتیں بتا رہا تھا۔ وہ سر جھکائے غائب دماغی سے انہیں لکھتی گئی۔ ناک ابھی تک بو کی عادی نہیں ہو پا رہی تھی۔

''تم کیا کرتے ہو؟'' زیاد کی مشتبہ نظریں نوجوان پہ جمی تھیں۔ دونوں نے چائے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

''محلے میں کریانے کی دکان پہ بیٹھتا ہوں۔ کسی سے بھی پوچھ لو۔''

اسی وقت باہر سے کسی نے آواز دی۔ ''کمیٹی والے گٹر صاف کرنے آئے ہیں۔'' نوجوان کے اٹھنے سے پہلے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلیں یہاں سے۔ شکور وہ آدمی نہیں ہے۔'' بدبو ایک دم شدید ہوگئی تھی۔ اس نے ناک پہ ہاتھ رکھ لیا۔

''چند سوال اور پوچھ لیتے ہیں۔'' زیاد ابھی تفتیش جاری رکھنا چاہتا تھا لیکن اس کو ابکائی سی آنے لگی۔

''کوئی فائدہ نہیں۔ میرا خواب جھوٹا تھا۔'' اس نے تلخی سے کہتے ہوئے ڈائری اسی صفحے سے موڑ کے جیب میں گھسا دی۔ ڈائری جیب سے بڑی تھی۔ اس کا کونا باہر سے جھلکنے لگا۔ وہاں مالا کی لکھائی میں شکور کے بیٹے کی کہی بات دکھائی دے رہی تھی۔

''خاندان والے ہمیشہ میرے باپ کا مذاق اڑاتے تھے کیونکہ ...'' اگلے الفاظ جیب کے اندر آنے کے باعث چھپ گئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیربل فرید مسکراتے ہوئے ہسپتال کاریڈور میں آگے بڑھ رہا تھا۔ ہاتھ میں ایک پھولوں کا گلدستہ تھا۔ چوکھٹ پہ رک کے اس نے چہرہ جھکا کے گلدستہ سونگھا۔ پھر مسکرا کے دروازہ کھولا۔

اندر داخل ہوتے ہی اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ آج اس کی وجہ وہ تار نہیں تھی۔

کمرے کی وہ دیوار جو ماہر کے بیڈ کے سامنے تھی' اور شیشے کی اونچی کھڑکی' دونوں اس وقت کاغذوں سے بھری نظر آ رہی تھیں۔ تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھا ماہر فرید کئی روز بعد ہشاش بشاش نظر آیا تھا۔ اس کی نوٹ بکس پھیلی تھیں اور وہ صفحے پھاڑ پھاڑ کے شبنم کو پکڑا رہا تھا۔

''اس کو وہاں لگاؤ۔ نہیں اس کے اوپر۔ ہاں ادھر۔'' وہ اس کی ہدایت کے مطابق صفحات چسپاں کر رہی تھی۔

بیربل کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ چھوٹے قدموں سے چلتے ہوئے وہ آگے آیا۔ گردن دائیں بائیں موڑ کے ایک ایک کاغذ کو دیکھا۔ پھر اسے جو اب ایک دوسری نوٹ بک کھول رہا تھا۔

''یہ کیا ہے' ماہر؟''

ماہر نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ ہسپتال کی سفید اور نیلی شرٹ پہنے' بال ماتھے پہ بکھیرے' بڑھی شیو والا آدمی مسکرایا۔ گال پہ لگے زخم کا نشان ویسا ہی تھا۔ البتہ آنکھوں کے گرد نیل مندمل ہو رہے تھے۔

''وہی جو تم نے کہا تھا۔''

''میں نے کہا تھا مسٹری حل کرو۔ یہ نہیں کہا تھا کہ تم ہسپتال کا کمرہ خراب کر دو۔ جرمانہ کر دیں گے وہ۔'' اس نے پھول میز پہ رکھے اور خفگی سے کہتا بیڈ کی پائنتی کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔

''کیا میں نے تم سے رائے مانگی ہے؟'' وہ اب قلم سے ایک نوٹ بک پہ نشان لگا رہا تھا۔

''مانگی ہوتی تو آج یہ حال نہ ہوتا۔'' بیربل نے پریشانی سے اسے دیکھا اور پھر دیوار پہ لگے کاغذوں کو۔

''ماہر تم ٹھیک ہو؟''

جواباً شبنم نے گھور کے اسے دیکھا۔ ''ماہر بے ٹھیک ہیں۔ بس میری ہمت جواب دینے والی ہے۔''

''جانتی ہو نئی سیکرٹری ڈھونڈنا کتنا آسان ہوتا ہے؟'' سر جھکائے بولا تو شبنم نے ناک سکوڑا۔

''آج آپ ڈھونڈ ہی لیں نئی سیکرٹری۔ کیونکہ میں استعفیٰ دے رہی ہوں۔''

''تمہارے کانٹریکٹ کے مطابق تم دو ماہ کا نوٹس دیے بغیر استعفیٰ نہیں دے سکتیں۔ اس لیے یہ لو۔۔'' ایک اور

کاغذ پھاڑ کے اس کی طرف بڑھایا۔ ''اور اسے اوپر لگاؤ۔ ہاں شاباش۔''

''یہ سب ہے کیا؟'' بیربل نے اس کے قریب اسٹول کھینچا اور اس پہ بیٹھتے ہوئے ناسمجھی سے ان کاغذوں کو دیکھا۔

''یہ ایک اسٹوری map ہے۔ ہر وہ پیرانارمل ایکٹیویٹی جو آج تک میرے ساتھ ہوئی ہے' وہ میں نے ان نوٹ بکس میں لکھ کے رکھی تھی۔'' کمر تکیوں سے لگائے' وہ ان کاغذوں سے بھری دیواروں کو دیکھتے ہوئے بتا رہا تھا۔ انداز بالکل نارمل تھا۔

''میں ان سب کو اپنے سامنے رکھ کے وہ ڈھونڈنا چاہ رہا ہوں جو ہمیشہ نگاہ سے اوجھل ہوتا رہا ہے۔''

''مجھے بھی سناؤ یہ اسٹوری۔ اور شبنم...'' بیربل پیچھے ہو کے بیٹھا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔ ''میری ریگولر کافی پلیز۔''

اس نے خلافِ توقع جلدی سے ''تمام تمام'' کہا' کاغذ اور ٹیپ رکھی۔ اور پرس اٹھائے باہر کی طرف بھاگی۔

''کشمالہ اور میری کہانی اوشن کی فروخت سے ایک ہفتہ پہلے شروع ہوئی تھی۔ جب ہم چاروں اس ہوٹل سویٹ میں اکٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت میں اس عامل کو ڈھونڈ رہا تھا جو کشمالہ کو نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔''

اس نے دیوار پہ سب سے اوپر کر کے لگائے گئے کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔

''پھر؟''

''لیکن سرکار بہت شاطر تھا۔ وہ پہلے دن سے میری ہر حرکت سے آگاہ تھا۔ اس نے کشمالہ پہ لفٹ میں حملہ کروایا اور میرا الائٹرا سے دیا۔ تاکہ وہ ماہر فرید تک پہنچ جائے اور یوں وہ مجھے اپنی زندگی سے نکال دے۔ وہ ہمیشہ سے مجھے راستے سے ہٹانا چاہتا تھا۔''

''ہوں... آگے؟'' اب کے بیربل نے جمائی روکی۔ وہ یہ سب پہلے سے جانتا تھا۔

''میں کشمالہ کے قریب کسی ایسے شخص کو ڈھونڈ رہا تھا جو جادو میں ملوث ہو۔ اور تب مجھے کبیرہ سادان کے بارے میں علم ہوا۔''

''اور پھر تم اس کے عامل سے ملے' اور اسے کہا کہ اب وہ کبیرہ کے لیے کسی پہ جادو نہیں کرے گا۔'' بیربل نے جلدی سے بات مکمل کی۔ پھر وہ چونکا۔ ''لیکن یقیناً وہ کسی نئے عامل کے پاس چلی گئی ہوگی۔ مارکیٹ میں عامل کم ہیں کیا؟''

''ہاں۔وہ واہگہ بارڈر کے پاس ایک عامل کے پاس جاتی ہے۔''وہ کاغذوں کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

''تمہیں کیسے معلوم؟''

ماہر نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں بے نیازی تھی۔

''کیونکہ اسے اس نئے عامل کے پاس میں نے بھیجا تھا۔''

بیربل فرید کے چہرے پہ حیرت بھری مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک در آئی۔

''ایک منٹ ایک منٹ... یہ تم نے کیسے کیا؟''وہ بالکل سیدھا ہو کے بیٹھ گیا۔ساری بوریت غائب ہوگئی۔

ماہر نے گہری سانس لی۔اور ہلکے سے شانے اچکائے۔

''میں اس کے عامل پیٹر مسیح سے ملا اور...''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''دیکھو میرے ساتھ بدتمیزی مت کرنا۔ورنہ میرے موکل...''

پیٹر مسیح نے ایک خوفزدہ نظر اس شخص پہ ڈالی جو خود کو کیف کہلاتا تھا۔اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور وہ میز کے کونے پہ آگے ہو کے بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں تم سے جو پوچھنے جا رہا ہوں اس کا ٹھیک جواب دینا۔''وہ پستول ہاتھوں میں گھما رہا تھا۔اس کا ملاقاتی تیاری سے آیا تھا۔

''پپ ....پوچھو..''

ماہر نے موبائل اسکرین اس کے سامنے کی۔اس پہ ایک گھنگھریالے بالوں والی بچی مسکرا رہی تھی۔

''یہ کہاں ہے؟''

پیٹر مسیح کی نظریں بچی پہ جھکیں۔پھر اس نے واپس ماہر کو دیکھا تو آنکھوں میں لاعلمی تھی۔

''میں اسے نہیں جانتا۔''

وہ چند لمحے بالکل خاموشی سے اس کی آنکھوں میں دیکھے گیا۔

''میں واقعی نہیں جانتا۔مجھ سے قسم لے لو یا...''

''تم واقعی نہیں جانتے۔''اس کے چہرے پہ مایوسی پھیلی۔وہ جانتا تھا وہ سچ کہہ رہا ہے۔

''تم اسے ڈھونڈ رہے ہو؟''صوفے میں دھنسے بیٹھے پیٹر مسیح نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''اگر تم کہو تو میں...'' آواز دھیمی کی... ''اس کا پتہ کروا سکتا ہوں۔''

''مجھے اپنے کاموں کے لیے تمارے جنات کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے پستول پیٹر کے گھٹنے پہ رکھا۔ اس کے آگے سائلنسر لگا ہوا تھا۔

''کیا... کیا کر رہے ہو؟''

''میں تمہیں جان سے نہیں ماروں گا۔ صرف گھٹنوں میں گولی ماروں گا۔ تم زخمی ہو گے۔ اور چند ماہ ہسپتال میں رہو گے۔'' وہ اس کے اوپر جھک کے دھیرے سے بولا۔ ''اور زخمی عامل کسی کام کا نہیں رہتا۔ کوئی جادو ٹوٹی ہڈی نہیں جوڑ سکتا۔ نہ جادوگر اپنا دھندا چلا سکتا ہے۔''

''تم کیا چاہتے ہو؟'' اس نے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔

''کبیرہ تمہارے پاس کیوں آتی ہے؟''

''ایسے پوچھو نا۔'' پیٹر نے چند گہرے گہرے سانس لیے۔ ''اس کو اپنی بیٹی کا رشتہ ایک زیاد نام کے لڑکے سے کروانا ہے۔ اور اسے اپنی ایک رشتے دار کی بیٹی ماہ بینہ کا بچہ ضائع کروانا ہے۔''

''اور؟''

''اور ہاں...'' وہ جلدی جلدی کہہ رہا تھا۔ ''ماہ بینہ کی ماں حورِ جہاں کی حالت کا بھی پوچھتی ہے کہ ٹیومر کتنا پھیل گیا ہے۔ وہ بیمار ہے نا تو.....''

ماہر کے ابرو اچھنبے سے اکٹھے ہوئے۔

''پوچھتی ہے؟''

''ہاں۔ وہ جاننا چاہتی ہے کہ وہ بچے گی یا نہیں۔'' اس نے آواز مزید دھیمی کی۔ ''کسی نے حورِ جہاں پہ بہت سخت جادو کر رکھا ہے۔''

وہ دھیرے سے پیچھے ہوا۔ آنکھوں کی پتلیاں سکڑ گئیں۔

''کسی نے؟ کیا کبیرہ تمہارے پاس حورِ جہاں پہ جادو کروانے نہیں آتی؟''

پیٹر مسیح نے پہلے ناسمجھی سے اسے دیکھا' پھر تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں نہیں۔ حورِ جہاں کو میں نے بیمار نہیں کیا۔ نہ ہی کبیرہ نے ایسا کروایا ہے۔ اسے کسی اور نے بیمار کیا ہے۔ ناسود کا سخت ترین جادو ہے۔ وہ نہیں بچ پائے گی۔ کبیرہ تو بس اس کی حالت پوچھ کے مزہ لیتی ہے۔''

''اور کشمالہ؟''اس نے بغور اس کو دیکھا۔''اس پہ کون عمل کر رہا ہے۔''

''ہم نہیں کر رہے۔کوئی اور کر رہا ہے۔ہم دوسرے کے کام میں مداخلت نہیں کرتے ورنہ ہم پہ اثر آ سکتا ہے۔دیکھو جو میں کرتا ہوں وہ بتا دیا ہے۔جو نہیں کرتا اس کا الزام مجھے نہ دو۔وہ صرف ماہ بینہ کے بچے اور اپنی بیٹی کے رشتے کا جادو چاہتی ہے۔''

''انٹرسٹنگ۔یعنی کبیرہ وہ نہیں ہے جو ہم سمجھ رہے تھے۔''وہ بڑبڑایا۔پھر سر جھٹک کے مایوسی سے اسے دیکھا۔''تم سرکار نہیں ہو۔اینی ویز...''اس نے اگلا لائحہ عمل بتانا شروع کیا۔

''تم اب کبیرہ کے کہنے پہ کسی پہ جادو نہیں کرو گے۔''

''اس سے کیا ہو گا؟وہ مجھے چھوڑ کے کسی اور کے پاس چلی جائے گی۔''

''ہاں۔اور اس کسی اور کے پاس اسے تم بھیجو گے۔''وہ اب دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔''تم یقیناً اس کی کسی دوست یا قریبی شخص سے واقف ہو گے۔''

''ہاں ہاں۔اس کا آدھا سوشل سرکل میرے پاس آتا ہے۔''پیٹر مسیح نے پہلی دفعہ دانت نکالے۔پھر اس کے تاثرات دیکھ کے اندر کر لیے۔

''تم کسی کے ذریعے اس تک ایک کہانی پہنچواؤ گے۔واہگہ بارڈر پہ بیٹھے ایک بہت شاطر عامل کی کہانی جس کا کوئی عمل ناکام نہیں ہوتا۔''

''واہگہ بارڈر پہ کون بیٹھا ہے؟''وہ چونکا۔

''جو بیٹھا ہے وہ جادوگر نہیں ہے۔میرا دوست ہے۔اور تم کبیرہ کو اسی کے پاس بھیجو گے۔میں تمہیں اس کے لیے پیسے بھی دوں گا۔اور اگر تم نے یہ نہ کیا تو...''اس نے پستول کی نال اس کے گھٹنے پہ دبائی۔پیٹر مسیح نے ہاتھ جلدی سے اٹھا دیے۔

''میں ایسا ہی کروں گا۔لیکن اگر وہ جادوگر نہیں ہے تو وہ چند ماہ میں اسے چھوڑ کے کسی اصلی عامل کے پاس چلی جائے گی۔''

''مجھے بس چند ماہ تک اسے مصروف رکھنا ہے۔سمجھ گئے؟''

پیٹر مسیح نے سر ہلا دیا۔پھر اس کے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھا۔

''میں اس لڑکی کو ڈھونڈ سکتا ہوں۔اگر تم چاہو تو۔''

''کہانا۔ مجھے تمہارے جنات سے کام نہیں کروانے۔ میں اسے خود ڈھونڈ لوں گا۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تم کہہ رہے ہو کہ کبیرہ ہماری ولن نہیں ہے؟ No way۔'' بیربل بدمزہ ہو کے پیچھے ہو بیٹھا۔

''وہ ایک گناہگار عورت ہے۔ لوگوں پہ جادو کرواتی ہے۔ لیکن یہ جادو اس نے نہیں کیا۔ یہ سرکار نے کیا ہے۔'' وہ پھر سے سر اٹھا کے اپنے کاغذوں کو دیکھنے لگا۔

''تم نے یہ بات کسی اور کو بتائی ہے؟''

''نہیں۔ اس کی بہن ہمیشہ کبیرہ پہ شک کرتی ہے۔ لیکن وہ جذباتی سی لڑکی ہے۔ میں ایسی بات اس کو نہیں بتا سکتا تھا۔''

''لیکن تم نے مجھے بتا دیا۔'' بیربل فرید طمانیت سے مسکرایا۔ ماہر نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

''کیونکہ مجھے اس وقت صرف تم دستیاب ہو۔''

لیکن بیربل کی مسکراہٹ کم نہیں ہوئی۔ وہ دلچسپی سے اب دیوار پہ لگے کاغذوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اگر کبیرہ سرکار کی کلائنٹ نہیں ہے تو پھر وہ یہ کیوں کر رہا ہے؟''

''یہی میں نہیں سمجھ پایا۔ وہ کشمالہ کو کیوں نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔''

''تم مزید کیا جانتے ہو سرکار کے بارے میں؟''

''یہی کہ وہ ایک بوڑھا آدمی ہے۔'' وہ سوچ سوچ کے بتانے لگا۔ ''سر پہ نارنجی رومال پہنتا ہے۔ اور اس کے بازو پہ ایک نشان ہے۔''

ماہر نے اپنے بازو پہ کہنی سے اوپر انگلی رکھی۔ ''اس جگہ پہ۔''

''مزید کچھ؟''

''یہ کہ وہ بہت طاقتور ہے۔ بہت اثر ورسوخ ہے اس کے پاس۔ کسی وجہ سے وہ اپنی شناخت چھپاتا ہے۔ جیسے اپنے سامنے آنے پہ اس کو بہت کچھ کھونے کا ڈر ہو۔''

اتنے دن سے چھائی اکتاہٹ اور بےزاری اب عنقا ہو چکی تھی۔ وہ بس خاموشی سے سامنے لگے کاغذوں کو دیکھ رہا تھا۔ ان پہ مختلف تاریخیں اور الفاظ لکھے تھے۔ جیسے نوٹس لیے گئے ہوں۔ عربی اور انگریزی کے ملے جلے الفاظ جنہیں صرف وہی سمجھ سکتا تھا۔

''تم اسے ڈھونڈ لو گے' ماہر۔ صرف تم ہو جو اسے ڈھونڈ سکتے ہو۔'' بیربل نے بہت مان سے کہا تو وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''تمہیں لگتا ہے میں اسے ڈھونڈ لوں گا؟''

''نہیں۔ صرف تمہیں خوش کرنے کے لیے کہہ رہا ہوں تا کہ کمرے کا ماحول اچھا رہے۔''

وہ دھیرے سے ہنسا تو بیربل بھی ہنس دیا۔

''میں نے اس دن سنا تھا جو تم کہہ رہے تھے۔'' چند ثانیے بعد وہ بولا تو آواز ہلکی اور نظریں کھڑکی پہ تھیں۔ ''میں جانتا ہوں تم مجھ سے کبھی جیلیس نہیں ہو سکتے۔ لیکن میں نے کبھی تمہاری بیکری کے لیے کوئی بڑا آرڈر نہیں بھیجا نہ کسی کارپوریٹ دوست سے تمہاری سفارش کی ہے۔ تم ایک اچھے بیکر ہو۔ اگر تمہیں کوئی آرڈر ملتا ہے تو تمہارے اپنے ٹیلنٹ کی وجہ سے ملتا ہے۔''

بیربل مسکرا کے اسے دیکھے گیا۔

''اوکے۔ کر لیا میں نے یقین۔'' ساتھ ہی ہنس کے سر جھٹکا۔ جیسے وہ ماہر کو جانتا نہیں تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مبین منزل کے سارے کمرے دھلے دھلائے لگ رہے تھے۔ کئی جگہوں پہ گیلا پانی نظر آ رہا تھا جو سردی کے باعث سوکھا نہیں تھا۔

آج گھاس پہ ہلکی سی دھوپ نکلی تھی اور ماہی اس دھوپ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی تین روز سے جاری صفائی مہم کا اختتام کر رہی تھی۔

وہ باہر آئی تو لان میں چیئر پہ بیٹھی' زیر لب مسلسل لاحول پڑھتی ماہی نے سر اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر اس کا چہرہ روہانسا ہو گیا۔

''اتنے عرصے سے ہم ان چیزوں کے ساتھ رہ رہے تھے۔ دیکھو ذرا۔''

ماہی کے قدموں کے پاس ایک شیٹ بچھی تھی' جس پہ بخت بی اور بانو چند چیزیں رکھ رہی تھیں۔ وہ انہیں ڈر ڈر کے کپڑے سے ہاتھ لگا رہی تھیں جیسے ان میں چھوت کا مرض ہو۔

بکرے کا سر۔ کسی جانور کے کٹے ہوئے سینگ۔ مرا ہوا الو۔ چند تعویذ۔ ایک گڑیا۔ یہ چیزیں ایسی جگہوں سے ملی تھیں جہاں سے روز صفائی ہوتی تھی۔

''باجی یہ جنات ڈال جاتے ہیں۔ یہ نظروں سے اوجھل رہتی ہیں۔'' بخت بی نے اپنا حصہ ڈالا۔

''آپ نے کبھی ڈھنگ سے صفائی کی ہوتی تو پہلے نظر آ جاتیں۔ ماں بیمار کیا ہوئیں' آپ بھی سست ہو گئیں۔''

بخت بی کو تین دن سے ماہی سے ڈانٹ ہی پڑ رہی تھی۔ وہ پہلو بدل کے رہ گئیں۔ اندر ہی اندر اپنا خواب سنانے پہ شدید پچھتا رہی تھیں۔ شکر ہے وہ دوسری بات نہیں بتا دی۔ ماہی نے تو اس کی جان نکال دینی تھی۔

''ان کا اب کیا کریں بی بی؟'' ایک طرف کھڑے سلیم نے خائف انداز میں پوچھا۔

''ان کو پانی میں ڈالنا ہوگا۔'' وہ لان کی گھاس پہ چلتی ہوئی آگے آئی۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا اور آنکھوں میں جیسے مایوسی سی تھی۔

''پانی میں؟'' ماہی نے ابرو اٹھایا۔

''ہاں۔ کیونکہ جادوئی چیزیں آگ کی تاثیر رکھتی ہیں۔ ان کو ہمیشہ پانی میں ڈال کے ٹھنڈا کرتے ہیں تاکہ ان کا اثر ختم ہو جائے۔ اور پھر بہا دیتے ہیں۔ یہ بے اثر ہو جائیں گی۔''

وہ اس کے ساتھ ایک لان چیئر پہ بیٹھی۔ چہرے پہ تفکر تھا اور آنکھیں دھوپ کے باعث چندھیا رکھی تھیں۔

''کچھ معلوم ہوا؟'' ماہی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ زندگی ایک دفعہ پھر بند گلی میں آ کھڑی ہوئی تھی۔

''باجی ... ویسے ہمارے علاقے میں ایک بابا رہتا ہے۔ بابا چھڑی والا۔ اس سے پوچھو تو چند منٹوں میں بتا دیتا ہے کہ جادو کب اور کس نے کیا۔ اگر آپ کہیں تو میں اس سے بات کروں؟'' بانو نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

ماہی نے ایک بے بسی بھری نظر ان چیزوں پہ ڈالی۔ اور مالا کو دیکھا۔

''کیا ہم کسی سے پتہ نہیں کروا سکتے کہ یہ جادو کون کر رہا ہے؟''

''ہمیں ہماری ماں نے یہ نہیں سکھایا' ماہی۔'' وہ اس کو نرمی سے دیکھ رہی تھی۔ ''ہمیں انہوں نے دین اور دنیا کی سمجھ اس لیے نہیں دی تھی کہ ہم کسی عامل کی چوکھٹ پہ چلے جائیں۔''

''لیکن مالا...'' وہ ہچکچائی۔ ''ہمیں اپنے دشمن کو کسی طرح تو ڈھونڈنا ہے نا۔ سخت مجبوری میں اگر ہم کسی عامل کے پاس چلے جائیں اور اس سے صرف اتنا پوچھ لیں کہ... یہ کس نے کیا ہے تو کیا برائی ہے؟ ہم اپنے دشمن پہ جادو نہیں کروا رہے۔ صرف اس کا پوچھ رہے ہیں۔''

''عامل کیسے معلوم کرے گا؟ جادو کے ذریعے۔ اور یوں ہم اس جادو کا حصہ بن جائیں گے۔''

''لیکن...''

''تمہارے خیال میں کبیرہ تائی ان کاموں میں کیسے پڑی ہوں گی؟''

ماہی ایک دم چپ ہوگئی۔

''کیا وہ پہلے دن ہی کسی عامل کے پاس گئی ہوں گی اور کہا ہوگا کہ ماہ بینہ کے بچے پہ جادو کردو؟ نہیں ماہی۔ یہ سب ایسے شروع نہیں ہوتا۔'' وہ اب خفگی سے اسے دیکھ کے کہہ رہی تھی۔

''یہ سب شروع ہوتا ہے سوالوں سے۔ کسی کے بارے میں کچھ ذرا سا معلوم کروانے سے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بے ضرر سا سوال ان کا ایمان خراب نہیں کرے گا۔ لیکن یہ آغاز ہوتا ہے۔ عاملوں کے دروازے پہ جانے والے قدم پھر کبھی واپس نہیں پلٹ سکتے۔ ہم وہ نہیں کریں گے جو کبیرہ تائی نے کیا۔ ہم اسے اپنی عقل سے ڈھونڈیں گے۔'' سختی سے کہہ کے وہ اٹھ گئی۔ ماہی نے سر جھکا دیا لیکن وہ مطمئن نہیں لگ رہی تھی۔

وہ اسے وہیں چھوڑ کے گھر کے پچھلے حصے میں آ گئی۔ وہاں اجڑے ہوئے کچن گارڈن میں وہ قطع صاف دکھائی دیتا تھا جہاں سے گھاس ہٹا کے فاختہ کو دفن کیا گیا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس بے نام قبر تک آئی اور یونہی گردن جھکائے اسے دیکھے گئی۔

کچن گارڈن میں اُگی خودرو جڑی بوٹیاں دھوپ میں سنہری لگ رہی تھیں۔ پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ان کا رنگ بدلنے لگا۔ یہاں تک کہ بہار کی گھاس بن گئیں اور اس گھاس کے پیچھے ایک سرخ اینٹوں والی عمارت دکھائی دینے لگی۔

اونچی پونی والی لڑکی تیز تیز قدموں سے چلتی ایک راہداری کا موڑ مڑ رہی تھی۔ آگے ایک دروازہ تھا جسے کھول کے وہ اندر آئی تو سامنے باتھ رومز کی قطار نظر آئی۔ ایک طرف بڑا سا آئینہ بھی لگا تھا جس کے سامنے سنک بنے تھے۔

دفعتاً مالا ٹھہری۔ سنک کی طرف دیکھا جہاں گلابی ہیئر بینڈ والی لڑکی کھڑی تھی۔ آہٹ پہ وہ ایک دم ڈر کے مڑی۔ ہاتھ سے کچھ نیچے گرا۔ مالا کی نظریں جھکیں۔

اس کے پیروں کے قریب ایک سنہری گھڑی گری پڑی تھی۔ اس میں لگے ننھے ڈائمنڈ دور سے چمکتے دکھائی دیتے تھے۔

''یہ تو سرستار کی گھڑی ہے۔'' وہ چونکی۔ گلابی ہیئر بینڈ والی لڑکی جلدی سے جھکی اور گھڑی مٹھی میں دباتے ہوئے سیدھی ہوئی۔

''ہاں ہے۔ پھر؟'' اس کو دیکھ کے کندھے جھٹکے۔

''سرستار صبح سے اسے سارے اسکول میں ڈھونڈ رہے ہیں۔'' اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''یہ تمہارے پاس کیوں ہے؟''

وہ ہلکا سا مسکرائی۔ پہلے واچ بیگ میں ڈالی اور زپ زور سے بند کی۔ پھر سینے پہ بازو لپیٹے اور کندھے دوبارہ اچکائے۔

''کیونکہ اب یہ میری ہے۔''

''ایسے مت کرو۔ وہ پریشان ہیں۔ ان کو واپس کر دو۔''

''ورنہ تم کیا کرو گی؟ ان کو جا کے بتاؤ گی؟'' وہ ہلکا سا ہنسی۔ پھر سر دائیں بائیں ہلایا۔

''سرستار کی اگلے ماہ پوسٹنگ ہو رہی ہے لیکن میں اگلے کئی سال تمہارے ساتھ اسی اسکول میں رہوں گی۔ آگے تمہاری مرضی ہے۔ ویسے بھی کوئی تمہاری بات کا یقین نہیں کرے گا. pimples'' اسی بے پرواہی سے ابرو اچکائے۔ ''اور اگر کسی نے میری تلاشی لینے کی کوشش کی تو میرے پاپا اس اسکول کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔''

وہ چند قدم آگے آئی۔ یہاں تک کہ وہ اس کے چہرے کے بالکل قریب تھی۔

''تمہیں کیا معلوم کسی کے پاپا کیا ہوتے ہیں؟'' اور اس کے کندھے سے زور سے کندھا ٹکرا کے آگے بڑھ گئی۔ اس کا سارا وجود ہل کے رہ گیا۔ اس نے بے اختیار مڑ کے اسے جاتے دیکھا۔ پہلو میں گرے ہاتھ کی مٹھی بھینچ رکھی تھی اور کنپٹی کی نس ابھری ہوئی تھی۔

''تمہیں کیا معلوم کسی کے پاپا کیا ہوتے ہیں؟'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

منظر بدلا اور اس کے چلتے ہوئے قدم ایک دوسری راہداری کے سامنے سے گزرے۔ سرستار آفس کے باہر کھڑے زور زور سے چلا رہے تھے۔

''وہ ڈائمنڈ واچ تھی۔ میرے مرحوم بھائی کا گفٹ۔ اور تمہارے علاوہ اسے کوئی نہیں اٹھا سکتا' شکور۔''

سفید بالوں اور پکی رنگت والا شکور نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا تھا۔

''نہیں سر.....''

''میں نے اسے وضو کے لیے اتارا تھا۔ میری غیر موجودگی میں صرف تم میرے آفس میں آئے تھے۔''

''سر جی قسم لے لیں' میں نے اسے دیکھا بھی نہیں۔'' اس نے ہاتھ جوڑے۔

''تم لوگ اور تمہاری جھوٹی قسمیں....''

کاریڈور کے ستون سے سر نکال کے وہ منظر دیکھتی لڑکی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔شکور اب ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔تھوڑی سے گرتے آنسو قمیص کے گریبان میں جذب ہو رہے تھے۔

منظر بدلا اور وہ اب اپنا بیگ کندھے پہ ڈالے روش پہ چلتی جا رہی تھی۔سامنے سیدھ میں ایک گیٹ بنا تھا۔اسے دیکھ کے وہ رکی۔شکور اپنی سائیکل کو ہینڈل سے پکڑے گیٹ سے باہر نکال رہا تھا۔ساتھ ہی وہ آنسوؤں سے بھیگا چہرہ قمیص کے دامن سے صاف کرر ہا تھا۔وہ تیز قدموں سے دوڑتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

''شکور چاچا...''

اس نے پلٹ کے سامنے اسے آتی لڑکی کو دیکھا۔

''مجھے پتہ ہے آپ نے چوری نہیں کی۔کسی اور نے کی ہے۔''اس نے پھولی سانسوں کے درمیان خود کو کہتے سنا۔

شکور آنسوؤں بھری آنکھیں لیے اسے دیکھتا رہا۔

''میں آپ کو اس کا نام بتا سکتی ہوں۔آپ سر ستار سے کہیں کہ اس کا بیگ چیک کروالیں لیکن میرا نام مت لیجیے گا۔''

''جانتا ہوں... تمہاری کلاس کی لڑکی نے چوری کی ہے۔وہی لڑکیاں دفتر آئی تھیں۔لیکن کسی نے میری ایک نہیں سنی۔غریب کی کوئی نہیں سنتا۔''وہ غصے میں ایک دم غرایا تو وہ ڈر کے دو قدم پیچھے ہٹی۔آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''تم سب امیر لڑکیاں آپس میں ملی ہوئی ہو۔اللہ عذاب نازل کرے گا تم سب پہ۔''

''مم میں نے چوری نہیں کی۔میں صرف...''

''تم سب ایک جیسے ہو۔ہمیشہ میرا مذاق اڑاتے تھے۔آج مجھے چور بھی بنا دیا۔تم سب سے اللہ پوچھے گا۔''نفرت سے پھنکارتا ہوا وہ انگلی اٹھا کے کہہ رہا تھا۔''میں لعنت بھیجتا ہوں اس اسکول اور اس کی نوکری پہ۔''سرخ چہرے کے ساتھ کہتے ہوئے اس نے سائیکل باہر نکال لیا۔وہ بالکل ساکت ہوئی اسے دور جاتے دیکھ رہی تھی۔

اس کے قدموں میں بچھی بے نام قبر سرما کی دھوپ میں روشن دکھائی دیتی تھی۔مالا جھکی اور پنجوں کے بل وہاں بیٹھ گئی۔نرمی سے مٹی پہ ہاتھ پھیرا۔

''تمہیں ایک بات بتاؤں؟'' وہ اداس مسکراہٹ سے کہہ رہی تھی۔ ''اسی لیے مجھے معاف کرنا نہیں آتا۔ کیونکہ مجھے بھی کسی نے معاف نہیں کیا تھا۔''

اس کا مرمریں ہاتھ دھوپ سے گرم ہوئی مٹی پہ برابر چل رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کسی سے اپنے اوپر جادو کروانے والے کا معلوم کروانا گناہ کیوں ہے؟''

اس شام چڑچڑی سی ہوئی ماہی لیپ ٹاپ اسکرین کے سامنے بیٹھی تھی۔ اسکرین پہ ڈاکٹر رائد نظر آرہے تھے جو غالباً اپنے آفس کی کرسی پہ بیٹھے تھے۔

''آپ پریشان لگ رہی ہیں۔'' اس سوال پہ گہری سانس لے کر اسے دیکھا۔

''میرے گھر سے اتنی جادوئی چیزیں نکلی ہیں کہ میں بتا نہیں سکتی۔ میں صرف جاننا چاہتی ہوں کہ یہ عامل کون ہے؟''

''آپ کو یہ جان کر کیا ملے گا کہ جادو کون کر رہا ہے؟''

''ہم اپنے دشمن سے دور رہیں گے۔''

''وہ پھر بھی جادو کرتا رہے گا۔ اس کو کیا فرق پڑے گا؟ البتہ آپ کا ایمان چلا جائے گا۔ ہم مسلمانوں کے پاس ایمان کے علاوہ ہوتا ہی کیا ہے؟''

وہ خاموش ہوگئی۔ تھوڑی ندامت سے جھک گئی۔

''سوری۔ مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے تھا۔ مگر... ہم اس عامل کو ڈھونڈنے کے بہت قریب تھے۔ میری بہن کو خواب میں ایک چہرہ نظر آیا لیکن وہ جس آدمی کا تھا وہ کئی برس پہلے مر چکا ہے۔ ایسا کیوں ہوا؟''

''اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی یہ کہ انسانی دماغ خواب میں کوئی ایسا چہرہ نہیں دیکھ سکتا جو اس نے حقیقت میں نہ دیکھ رکھا ہو۔ یہاں تک کہ شیاطین بھی جب خواب میں ڈرانے آتے ہیں تو وہ کوئی ایسا چہرہ بنا کے آتے ہیں جو ہم نے حقیقت میں دیکھ رکھا ہو۔''

''کیا واقعی؟'' اس کا منہ کھل گیا۔ ''لیکن جو لوگ خواب میں انبیاء کو دیکھتے ہیں ان کا کیا؟''

''چونکہ آج کے لوگوں نے انبیاء کو نہیں دیکھ رکھا اسی لیے علماء کہتے ہیں کہ ایسے خوابوں پہ یقین نہ کیا جائے تو بہتر ہے۔ البتہ یہ ایک روحانی پہلو ہے۔ میں سائنسی پہلو کی بات کر رہا ہوں۔''

"یعنی اگر میں نے کسی کا اصلی چہرہ نہیں دیکھا تو وہ خواب میں کبھی دکھائی نہیں دے گا۔"

"بالکل۔ انسانی دماغ کے لیے نیا چہرہ دیکھنا ناممکن ہے۔"

وہ چند لمحے کے لیے بالکل حیرت زدہ سی بیٹھی رہ گئی۔

"مطلب ...وہ عامل نہیں تھا۔ عامل کوئی اور ہے... لیکن پھر وہ خواب میں کیوں نظر آیا؟"

"کیونکہ دوسری وجہ یہ ہے کہ عامل کبھی خوابوں میں نظر نہیں آتے۔ میں اپنی بات دہراتا ہوں آپ پہ جادو کرنے والا کبھی خوابوں میں نظر نہیں آئے گا۔ یہ قدرت کا اپنا ایک نظام ہے۔ اللہ تعالیٰ خود عامل کا پردہ رکھتا ہے تاکہ انسان آپس میں فساد نہ کریں۔"

"یعنی شکور والا خواب بے معنی ہے؟"

"نہیں۔ خواب صرف نشانیاں ہوتے ہیں۔ ہنٹ۔ اشارے۔ وہ کبھی پیس آف کیک نہیں ہوتے کہ آپ دیکھتے ہی جان لیں کہ آپ کا مجرم کون ہے۔ وہ آدمی کسی اشارے کے طور پہ نظر آیا ہوگا۔"

"ایسے خواب جس میں جادو کرنے والے کی طرف اشارہ ہو یا کوئی چہرہ نظر آئے اس پہ فوراً یقین نہیں کرنا چاہیے؟"

"بالکل نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ علماء کہتے ہیں کہ ایسی چیزوں میں شیاطین کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ خود عاملوں کو بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کس پہ کون جادو کررہا ہے۔ اسی لیے ان چیزوں کے بارے میں کسی سے نہیں پوچھنا چاہیے کیونکہ جنات جھوٹ بھی بہت بولتے ہیں۔ کسی غلط بندے کا نام بھی لے سکتے ہیں۔"

"اور اسی طرح خاندانی دشمنی اور فساد شروع ہوتا ہے۔" اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"اگر ہم خوابوں سے جاننے لگیں کہ ہم پہ جادو کون کروا رہا ہے تو ہم اپنے قریبی لوگوں کی جان ہی لے لیں۔"

"مجھے معلوم ہے میری ایک آنٹی ہم پہ جادو کرواتی ہیں۔ لیکن کس سے کرواتی ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتی ہوں۔"

"پھر آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ اس کا چہرہ سامنے لے آئے۔ اگر آپ کی دعا اس کے جادو سے بڑی ہوئی تو وہ ضرور سامنے آجائے گا۔ لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ جادوگر کے تجسس میں نہیں رہنا چاہیے۔ اپنا دفاع مضبوط کرنا چاہیے۔"

ماہی نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کا جوش ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ اس نے لیپ ٹاپ فولڈ کر کے رکھ دیا۔

اس کے سر پہ بنی چھت کے اوپر مالا کا اسٹوڈیو تھا۔ وہ وہاں تنہا کھڑی بڑبڑاتے ہوئے دیواروں پہ لگے کاغذ اتار

رہی تھی۔

''میرے خواب جھوٹے تھے۔ سب جھوٹ تھا۔'' وہ بے بسی سے ایک ایک کاغذ کو نوچ کے اتار رہی تھی۔ سامنے ایک کھلا کارٹن رکھا تھا جس کے اندران کاغذوں کا ڈھیر لگتا جارہا تھا۔

اس سے اوپر اس کی وہ چھوٹی نوٹ بک تھی جسے وہ شکور کے گھر لے کر گئی تھی۔ اس پہ لکھی تحریر واضح نظر آرہی تھی۔

''خاندان والے ہمیشہ میرے باپ کا مذاق اڑاتے تھے کیونکہ...''

مالا نے ٹھک سے کارٹن بند کر دیا۔ اس کی تلاش ناکام گئی تھی۔ شکور اسکا مجرم نہیں تھا۔ وہ صرف اس کے ضمیر کی ایک پھانس تھا۔

دفعتاً فون کی ٹون بجی تو اس نے اسی بے زاری سے موبائل نکالا۔ پھر زیاد کا نام پڑھ کے ماتھے کی شکنیں سیدھی ہونے لگیں۔ لبوں پہ ایک مسکراہٹ خود بخود اترنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زیاد اسے میسج بھیجنے سے چند منٹ قبل اپنے آفس میں بیٹھا' لیپ ٹاپ پہ کام کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی انگلیاں کی بورڈ پہ چل رہی تھیں اور آنکھوں پہ اسکرین گلاسز لگے تھے۔ ساتھ ایک گرم کافی مگ رکھا تھا جس سے اڑتی بھاپ آفس کیبن کی دھندلی دیواروں تک کا سفر کر رہی تھی۔

دفعتاً ساتھ رکھا موبائل زوں زوں کرنے لگا۔ اس نے اسکرین سے نگاہیں ہٹا کے دیکھا۔ نام دیکھ کے انگلیاں ٹھہر گئیں۔

ابو کالنگ۔

ایک گہری سانس لے کر زیاد نے عینک اتاری۔ تھوڑی کھجائی۔ جیسے ہمت مجتمع کی ہو۔ پھر فون کان سے لگایا۔

''جی ابو۔'' بشاشت سے پوچھا لیکن دوسری طرف کہے جانے والے الفاظ سن کے اس کی تھوڑی جھک گئی۔

چند لمحے وہ سنتا رہا۔ پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''جی ابو ... میں ابھی تک پھپھو سے ملنے نہیں جا سکا۔ جب سے آیا ہوں مصروف رہا ہوں۔ کبھی امی کو ہسپتال لے کر جاتا ہوں۔ کبھی آفس کے کام دیکھتا ہوں۔'' وہ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

دوسری جانب کچھ سخت کہا جارہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی تھکاوٹ بڑھنے لگی۔

''ابو میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا تھا۔'' اس نے بدقت کہنا شروع کیا۔

''اور میں اب جو کہنے جا رہا ہوں وہ آپ کو دکھ دے گا۔ لیکن...'' ناک کی ہڈی کو انگلیوں میں مسلتے ہوئے آنکھیں بند کیں۔ ''ابو میں علیشبہ سے شادی نہیں کر سکتا کیونکہ میں یہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں اس کو کبھی خوش نہیں رکھ سکوں گا۔''

دوسری جانب سناٹا چھا گیا۔ وہ ہمت کر کے کہتا گیا۔

''میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں' ابو..'' اس کی آواز بھیگ گئی اور سر جھک گیا۔ ''اور میں ساری عمر آپ کا دل جیتنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ لیکن اب میں تھک گیا ہوں۔ میں مجبور ہوں۔ میں کسی لڑکی کی زندگی نہیں خراب کر سکتا۔ میرے دل میں کوئی اور ہے۔''

دوسری طرف سے ایک دم زور زور سے کچھ کہا جانے لگا۔ زیاد نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی۔

''آپ جو بھی کہیں' ابو۔ میں صرف آپ کو خوش کرنے کے لیے یہ شادی نہیں کر سکتا۔ میں بچپن سے آپ کو ہی خوش کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ لیکن میں بھی انسان ہوں۔ میں اس سے زیادہ نہیں کر سکتا۔'' اس نے رک کے سنا۔ چہرے پہ تکلیف پھیلی۔

''امی کو بیچ میں مت لائیں' ابو۔ ان کا کیا قصور ہے؟ یہ میں اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے کہہ رہا ہوں۔''

لیکن اس کے الفاظ درمیان میں ٹوٹ گئے۔ دوسری جانب سے مسلسل ابو کی تیز آواز گونجتی سنائی دے رہی تھی۔

''جی۔ میں جانتا ہوں' کشمالہ نے انکار کر دیا تھا لیکن میں ایک دفعہ پھر اس سے بات کروں گا۔ کیا معلوم اب کی دفعہ وہ مان جائے۔ بالفرض وہ نہ مانی تب بھی میں علیشبہ سے شادی نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں آپ کو خوش کرنے کی کوشش کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔''

موبائل میں سلطان صاحب کے زور زور سے چلانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ''تم تمہاری ماں'' کے الفاظ سب سے واضح تھے۔

وہ تحمل لیکن کرب سے سنے گیا یہاں تک کہ وہ خاموش ہوئے تو وہ دھیرے سے بولا۔

''امی کو آپ پہ مسلط کیا گیا تھا اور آپ کبھی خوش نہیں رہے۔ میں علیشبہ کے ساتھ وہ سب نہیں کرنا چاہتا جو میری ماں کے ساتھ ہوا۔ سوری ابو۔ میں دبئی آ کے آپ سے پھر سے معافی مانگوں گا۔ لیکن ابھی مجھے اپنے لیے فیصلہ کرنا ہے۔'' اس نے فون رکھ دیا۔ آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی جسے اس نے ہتھیلی کی پشت سے رگڑا۔

پھر موبائل پہ میسج ٹائپ کرنے لگا۔

''کشمالہ... کیا ہم کل مل سکتے ہیں؟ مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' میسج بھیج کے اس نے گہری سانس لی۔ ہونٹوں پہ بالآخر ایک امید بھری مسکراہٹ ابھری۔ اس نے فون رکھ کے واپس عینک لگالی اور انگلیاں کی بورڈ پہ جمادیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''شکور کے معاملے میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا' کشمالہ۔''

''You were just a little girl.''

وہ گلابی اور سفید رنگ سے سجی ایک بوتیک بیکری تھی جس کے ایک کونے میں ریستوران ایریا بنایا گیا تھا۔ چھت سے اونچے نیچے سفید رنگ کے سجاوٹی پرندے لٹک رہے تھے۔ دوسرے کونے میں گلابی چیری بلاسم کا نقلی درخت کھڑا تھا۔ غرض وہ ایک فیری ٹیل سی بیکری تھی۔

''کیا واقعی میرا قصور نہیں تھا؟'' وہ قائل نہیں ہو رہی تھی۔

وہ دونوں ایک کونے والی میز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ درمیان میں کافی کے دو کپ رکھے تھے۔ زیاد کے قریب ایک پلیٹ میں براؤنیز نظر آرہی تھیں۔

''پہلے بتائیں ... آپ واقعی براؤنیز نہیں کھانا چاہتیں؟'' زیاد نے چمچ سے ٹکڑا توڑتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ دھیرے سے مسکرادی اور سر نفی میں ہلایا۔ اس کے کھلے بال ہوئے چہرے کے دونوں اطراف میں گر رہے تھے اور اس نے سفید ہائی نیک سوئیٹر پہن رکھا تھا جس کے گریبان پہ ایک لمبا سنہرا لاکٹ جھول رہا تھا۔ اس پہ سیاہ رنگ کی فاختہ بنی تھی۔

''میں میٹھا نہیں کھاتی۔'' مسکرا کے یاد دلایا۔ البتہ اس کی آواز اداس تھی۔

''کشمالہ آپ ایک چھوٹی سی بچی تھیں جب آپ نے وہ کیا۔'' وہ آگے ہو کے بیٹھا اور فکرمندی سے اسے دیکھا۔

''آپ آج جیسی پُراعتماد ورکنگ وومن نہیں تھیں۔ آپ کلاس میں bully ہوتی تھیں اور آپ کی ذات میں باپ کی محرومی کا ایک خلاء تھا جس کی وجہ سے آپ کسی کو ناراض کرنے سے ڈرتی تھیں۔ الزام آپ نے نہیں لگایا تھا۔ آپ بس خاموش رہی تھیں۔ بچپن میں بہت سے بچے ایسے کرتے ہیں۔''

''ٹین ایج میں۔'' اس نے تصحیح کی۔

''ٹین ایج میں بھی کرتے ہیں۔ شکور کی نوکری آپ کی وجہ سے نہیں' سر ستار کی وجہ سے گئی تھی۔ کیا اتنا عرصہ اس

نے اپنی ایمانداری ثابت نہیں کی ہوگی کہ انہوں نے یوں اس پہ الزام لگا دیا؟ سر ستار بڑے تھے، ان کو اس پہ بھروسہ ہونا چاہیے تھا۔"

"میں اس واقعے کو جستفائی نہیں کر سکتی۔ میں نے غلط کیا تھا۔ اور میں اس غلط کو ٹھیک نہیں کر سکی۔ میں نے اسے ذہن کے کسی کونے میں دھکیل کے بھلا دیا۔"

"اور پھر؟"

"پھر میں نے اپنا سیکشن بدلوا لیا۔ میں اپنے لیے کھڑی نہیں ہوتی لیکن میں اس جگہ سے خود کو remove کر لیتی ہوں۔ یہی میرا ڈیفنس میکنزم ہے۔ شاید اس لیے کہ میرا باپ نہیں تھا۔" اس نے کافی کا کپ اٹھا کے لبوں سے لگایا۔ وہ کچھ زیادہ ہی کڑوی تھی۔

"باپ کے ہونے سے کیا ہوتا ہے؟ ہم میں سے کچھ ساری عمر باپ کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر بھی وہ خوش نہیں ہوتے۔" اس نے چونک کے زیاد کو دیکھا۔ اس کے چہرے پہ زمانے بھر کی اداسی تھی۔

"آپ کے ابو...؟"

"میں نے علیشبہ سے شادی سے انکار کر دیا ہے۔ اور وہ اب سخت ناراض ہیں۔ لیکن میں اس کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا تھا۔ میں تھک گیا تھا۔"

اوپر سے لٹکتے سفید پرندے ہلکے ہلکے جھول رہے تھے۔ ان کی کانچ کی بنی آنکھیں ان دونوں پہ جمی تھیں۔

"میں بھی تھک گئی ہوں۔" مالا نے کپ رکھا اور سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ "ان جادوؤں سے۔ ان تعویذوں سے۔"

"کیا آپ مزید اس عامل کو نہیں ڈھونڈنا چاہتیں؟"

اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے بنا نفی میں سر ہلایا۔

"میں اب لاہور میں نہیں رہنا چاہتی۔ میں اس سب سے دور جانا چاہتی ہوں۔"

"پھر وہ کریں جو آپ کا دل کہتا ہے۔ چلی جائیں اس سب سے دور۔" وہ رکا اور پھر جیسے ہمت مجتمع کر کے کھنکھارا۔

"میں بھی اس سب سے دور جانا چاہتا ہوں۔ میں بھی زخمی ہوں اور اپنی healing ڈھونڈ رہا ہوں۔ مجھے بھی اپنی ذات کو تندرست کرنا ہے۔ اور آپ کو بھی۔"

اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کے ناسمجھی سے زیاد کو دیکھا۔ لیکن وہ سمجھ رہی تھی۔

''کیا آپ چاہتی ہیں کہ ہم ایک ساتھ خود کو heal کریں؟''

وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ ایسے ہی اس پل کوئی یاد آیا تھا۔ لیکن اس نے حلق میں آئے بہت سے آنسو نیچے دھکیلے۔ اس کو زیاد سے اس سوال کی توقع تھی۔

''کیا آپ اپنے والد کو ناراض کر کے خوش رہ سکیں گے؟''

''وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ لیکن آپ بتائیں... آپ کیا چاہتی ہیں؟''

ساتھ ہی اس نے جیب سے کچھ نکالا تو وہ چونکی۔ وہ ایک مخملیں ڈبی تھی۔

''میں آج آپ سے ایک دفعہ پھر پوچھ رہا ہوں۔ کیا آپ میرے ساتھ دنیا کے کسی دوسرے کونے میں جا کے اپنی نئی زندگی شروع کرنا چاہتی ہیں؟''

زیاد پہ بھی اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''مجھے نہیں معلوم زیاد۔ میں بس اس سب سے دور جانا چاہتی ہوں۔''

''تو میرے ساتھ چلیں۔ میں اور آپ مل کے ایک دوسرے کو heal کر سکتے ہیں۔ ہم دونوں اپنی اپنی ذات کے کمپلیکسز سے لڑتے ہوئے لوگ ہیں۔ ہم پرفیکٹ نہیں ہیں۔ ہم دونوں کو اپنے اپنے باپ کی طرف سے چوٹ لگی ہے۔ لیکن جانتی ہیں... محبت سب سے بڑا مرہم ہوتی ہے۔''

وہ کہہ رہا تھا اور وہ اسے بھیگی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

''میں چاہتا ہوں کہ آپ کی محبت میرے زخموں کو بھرے اور میں آپ کو آپ کے ٹراما سے نکالوں۔ کیونکہ محبت سب سے بڑا مرہم ہے اور یہی heal کر سکتی ہے۔''

وہ ہلکا سا مسکرا دی۔ پھر اس نے ڈبی اٹھا کے کھولی۔ اس کے اندر ایک ہیرے کی انگوٹھی تھی۔

مالا نے دھیرے سے ڈبی بند کی۔ زیاد سلطان کا سانس رک گیا۔

اس نے ڈبی اس کی طرف واپس دھکیلی۔ اور نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔

''ہمارے ہاں منگنیاں ایسے نہیں ہوتیں۔ آپ کو اسے لے کر میرے گھر آنا ہو گا۔ وہ بھی اپنے والد کے ساتھ۔ میں کسی کو ناراض کر کے نیا رشتہ نہیں بنا سکتی۔'' وہ مسکرا دی۔ اس کی مسکراہٹ میں تھکان بھی تھی اور امید تھی۔

''میرے دل میں آپ کی عزت اس بات سے مزید بڑھ گئی ہے۔ میں ابو کو لے کر آؤں گا۔''

پھر پلیٹ کی طرف دیکھ کے پوچھا۔ ''شیور آپ براؤنیز نہیں کھانا چاہتیں؟''

اس نے مسکرا کے نفی میں سر ہلا دیا اور کافی کا مگ اٹھالیا۔ اوپر جھولتے نازک پرندے خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نیند میں اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا تو وہ ہڑبڑا کے اٹھا۔ چند لمحے کے لیے بیربل کو سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس وقت کہاں ہے۔ پھر پلکیں جھپکائیں تو منظر قدرے واضح ہوا۔

سامنے بستر پہ ماہر لیٹا تھا۔ تکیے اوپر کر کے رکھنے کی وجہ سے اس کا سر قدرے اونچا تھا۔ وہ خاموشی سے سامنے والی دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ بیربل نے آنکھیں مسلیں اور اٹھ کے بیٹھا۔ وہ کب کاؤچ پہ بیٹھے بیٹھے سو گیا تھا' اسے یاد نہ تھا۔ وال کلاک پہ نظر پڑی تو دیکھا' رات کے پونے تین بج رہے تھے۔

''ماہر... ابھی تک جاگ رہے ہو؟''

اس نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''ہوں؟'' وہ دور خلاء میں کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہا تھا۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' وہ اٹھا اور روم فریج کی طرف آیا۔ ''پتہ نہیں کب ڈسچارج کریں گے یہ لوگ تمہیں۔'' بڑبڑاتے ہوئے فریج کا دروازہ کھولا۔ پھر پانی نکال کے پلٹا تو دیکھا' وہ اسی طرح کہیں دور دیکھ رہا تھا۔

''اس کو کال کر لو یار۔'' وہ جیسے تھک ہار کے کہتا واپس کاؤچ پہ بیٹھا تو ماہر چونکا۔

''کیا؟''

''اس کو کال کر لو۔ دوبارہ سے معافی مانگ لو۔ وہ تمہیں معاف کر دے گی۔''

ماہر دھیرے سے مسکرایا۔ ''میں اس کے پیچھے نہیں جاؤں گا۔''

''تم ایکسیڈنٹ سے پہلے اسی سے ملنے جا رہے تھے۔''

''وہ اور معاملہ تھا۔ میں اس کی ماں کا افسوس...''

''تو اسی کے لیے کال کر لو۔ ورنہ چند دن بعد معلوم ہوگا کہ اس نے کسی اور سے شادی کر لی ہے۔ کتنا انتظار کرے گی وہ تمہارا؟''

وہ ہلکے سے ہنس دیا اور سر جھٹکا۔

''کم از کم اس ٹال اور ڈارک سے نہیں کرے گی۔ وہ اپنی کسی کزن سے شادی کر رہا ہے۔'' ماہی کی بتائی بات کو بہت سکون سے آگے بتایا۔ بیربل نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''کیا وہ واقعی ہینڈسم نہیں ہے یا تم صرف اپنے جذبات کی وجہ سے کہتے ہو۔''

''واقعی نہیں ہے۔''

''وہ ہینڈسم ہو یا نہ ہو۔ اسے وہ ہینڈسم لگتا ہے اور تم اسے کچھ نہیں لگتے۔''

بیربل تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو ماہر نے بڑبڑا کے رہ گیا۔

''کوئی فائدہ نہیں ہوا اس سب کا؟'' وہ چند ثانیے خاموش رہ کے تھک گیا تو دوبارہ اسے مخاطب کیا۔ اشارہ دیوار پہ لگے کاغذوں کی طرف تھا۔

ماہر نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں مایوسی تھی۔

''میں اسے کبھی نہیں ڈھونڈ سکوں گا۔ نہ تین ملکوں میں۔ نہ اپنے دماغ سے ایک کمرے میں۔ وہ مجھ سے کہیں زیادہ چالاک ہے۔''

''پھر ان کاغذوں کو اتار دیتے ہیں ناماہر۔ یہ تمہیں صرف ڈسٹرب کر رہے ہیں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ماہر نے کچھ نہیں کہا۔ وہ بھی جیسے تنگ آ گیا تھا۔

بیربل دیوار تک گیا اور آہستہ آہستہ پیپر ٹیپ سے چپکے کاغذ اتارنے لگا۔

''شکر کرو میں نے زارا کو یہاں نہیں آنے دیا۔ وہ یہ کاغذ دیکھ لیتی تو اس کے سوال کبھی ختم نہ ہوتے۔'' وہ ایک ایک کاغذ کھینچ رہا تھا۔ ''ویسے مالک نے اسے کبھی تمہارے اور کشمالہ کے بارے میں کیوں نہیں بتایا؟''

''مالک اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اس کے ہر کام کی کوئی پیچیدہ سی وجہ ہوتی ہے۔'' اس نے بے زاری سے شانے اچکائے۔ پھر ایک دم وہ ٹھہر گیا۔

''مالک...''

''کیا؟'' بیربل نے پلٹ کے اسے دیکھا۔ ہاتھ میں کاغذوں کا پلندہ تھا۔

''مالک...'' ماہر نے لیٹے لیٹے بیڈ کے ریموٹ کا بٹن دبایا۔ بیڈ سرہانے والی طرف سے اوپر اٹھنے لگا۔

''تم نے اس دن کہا تھا کہ میں سرکار کو اس لیے نہیں ڈھونڈ سکا کیونکہ میں اسے بہت دور ڈھونڈ رہا تھا۔ کیا معلوم وہ بہت قریب ہو؟'' خودکار بیڈ ایک طرف سے اونچا ہو گیا تو وہ اب بیٹھا ہوا نظر آنے لگا۔ اس کے چہرے پہ چونک

جانے کا تاثر تھا۔

''ہمارے قریب ایسا کون ہے؟'' بیربل نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

وہ بڑبڑایا۔ ''مالک...''

''مالک؟'' بیربل کے چہرے پہ بے یقینی ابھری۔ ''ہرگز نہیں۔ تمہارا دماغ خراب ہے؟ وہ ایسا کچھ نہیں کرسکتا۔ وہ تم سے بہت محبت.....''

''مالک نے کہا تھا کہ مجرم وہ ہوتا ہے جس کو جرم کا سب سے زیادہ فائدہ ہو۔'' اس نے تیزی سے بات کاٹی۔ بیربل جوش سے بولتے بولتے رک گیا۔

''مالک نے کہا تھا کہ میں اس کو اس لیے نہیں ڈھونڈ سکا کیونکہ میرے جذبات درمیان میں آ گئے۔ مالک ٹھیک کہہ رہا تھا۔'' وہ بے یقینی سے جیسے خود سے بول رہا تھا۔

بیربل آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھتا جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ماہر... کیا کہہ رہے ہو؟''

''میں درست تھا لیکن میں خود بھی یہ سمجھنے لگا کہ میں اپنے جذبات کی وجہ سے ایسے کہتا ہوں۔''

''کیا؟''

''یہ کہ زیاد سلطان ہینڈسم نہیں ہے۔'' وہ جیسے خود بھی چونک گیا تھا۔

ایک لمحے کے لیے بیربل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''تم... چنگیز... تم سب میرا مذاق اڑاتے تھے۔ تم سمجھتے تھے کہ میں جیلسی میں ایسا کہہ رہا ہوں۔ لیکن نہیں بیربل۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''وہ بالکل بھی ہینڈسم نہیں ہے۔ مگر کشمالہ کو وہ ہینڈسم کیوں لگتا ہے؟''

بیربل نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔

''رات کے تین بج رہے ہیں ماہر.... تمہیں اب سو جانا چاہیے۔''

''شمس بھی ہینڈسم نہیں تھا۔''

بیربل فرید جہاں تھا، وہیں رک گیا۔ ساکت۔ جامد۔

''لیکن ہماری خوبصورت ماں نے ہمارے وجیہہ باپ کو چھوڑ کے اس سے شادی کی۔ یاد ہے وہ کیسے کہتی تھیں کہ شمس بہت خوبصورت انسان ہے؟ اور ہم حیران ہوتے تھے؟''

کاغذ بیربل کے ہاتھ سے نیچے پھسل گئے۔

''شمس سرکار کا کلائنٹ تھا۔ ہم سمجھتے رہے کہ اس نے ابا پہ جادو کیا ہے۔ ان کو بیمار کیا ہے۔ لیکن نہیں۔ شمس نے ہماری ماں پہ جادو کیا تھا۔ ابا کی بیماری اس جادو کا نتیجہ تھی۔''

''جیسے کشمالہ کی ماں کی بیماری۔'' بیربل یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم نے کہا بیربل کہ وہ کشمالہ کو ہینڈسم لگتا ہے۔ ایسا صرف دو صورتوں میں ہوتا ہے۔'' اس نے نوٹ بک اٹھائی اور تیزی سے صفحے پلٹنے لگا۔ ''پہلی صورت محبت ہے۔ اور کشمالہ کو اس سے محبت نہیں ہے۔ اور دوسری صورت....''

ایک صفحہ کھول کے اس نے سامنے کیا۔

''سحر عشق....''

چند ثانیے کے لیے روم نمبر ۵۵۵ میں موت کا سناٹا چھا گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''سرکار زیاد اور کشمالہ کی تصویروں پہ جادو ان کو جدا کرنے کے لیے نہیں کر رہا تھا۔ وہ ان کو ملانے کا جادو کر رہا تھا۔ کشمالہ نے اپنی ماں کی وجہ سے زیاد سے شادی سے انکار کیا تھا۔ اس کی ماں کی موت کا فائدہ صرف زیاد کو ہوتا ہے۔ وہ پاکستان اپنی کزن سے شادی کے لیے نہیں، کشمالہ کے لیے گیا ہے۔''

اس نے نوٹ بک بیربل کی طرف بڑھائی۔ وہ بالکل گنگ ہو گیا تھا۔

''سرکار کا کلائنٹ کوئی اور نہیں ... زیاد سلطان ہے۔''

اس کو اپنی آواز دور کسی کنویں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔

''وہ ایک طویل عرصے سے سحر عشق کر رہا تھا۔''

بیربل نے نوٹ بک پہ چہرہ جھکایا۔

''سحر عشق کیا ہوتا ہے؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(سحر عشق کی ابتدا کب ہوئی، کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اس کی انتہا ہزاروں سال قبل سلیمان علیہ السلام کے دور میں ہوئی تھی۔)

زیاد سلطان باتھ روم سے نکلا تو گیلے تولیا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اپنے بال رگڑتے ہوئے وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہوا۔

(دور سلیمان میں عموماً یہود کے جادوگر اس جادو میں ملوث ہوتے تھے۔ لیکن دھیرے دھیرے یہ جادو اتنا عام ہوتا گیا کہ کہ بہت سے مردوں نے اسے سیکھ لیا تھا۔)

زیاد نے پولو شرٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

(ہم عموماً سمجھتے ہیں کہ جادو عورتیں کرتی ہیں۔ لیکن سحر عشق وہ جادو ہے جسے تاریخ میں سب سے زیادہ مردوں نے استعمال کیا ہے۔)

اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرایا۔

(یہ جادو عموماً وہ مرد کرتے تھے جو شکل وصورت میں بہت عام یا بدصورت ہوتے تھے۔ اور جب ان کا دل کسی ایسی خوبصورت عورت پہ آجاتا جس کو وہ کسی جائز طریقے سے پا نہیں سکتے تھے تو یہ اس عورت کے اوپر سحر عشق شروع کر دیتے تھے۔)

اس کا عکس واپس اس کی طرف جھانک رہا تھا۔

وہ ایک ایسا چہرہ تھا جو معاشرے کے خوبصورتی کے معیار کے پہ پورا نہیں اترتا تھا۔ وجہ اس کی رنگت نہیں اس کے بے کشش نقوش تھے۔ چہرے پہ چھائی سنجیدگی اور کرختگی اس کو مزید ناپسندیدہ صورت بناتی تھی۔

(سحر عشق ہمیشہ حسین اور شادی شدہ عورتوں پہ کیا جاتا تھا۔ حسین عوتیں زیادہ دیر تنہا نہیں رہتیں۔ ان کی شادیاں جلد ہو جاتی ہیں۔ ایسے میں یہ سحر عشق کی ابتدا اپنی محبوب عورت کو کسی میٹھے کھانے کا تحفہ بھیج کے کرتے تھے جس میں جادو ملا ہوتا تھا۔)

ٹیرس پہ کھڑی لڑکی نے براؤنی کھاتے ہوئے نیچے دیکھا۔ اور پورچ میں کھڑے دراز قد آدمی نے سر اٹھایا۔

(جادو کا پہلا اثر عورت اور اس کے شوہر کے تعلق پہ پڑتا تھا۔ عورت کو اپنا شوہر یا محبوب بدصورت یا جانور نما نظر آنے لگتا۔)

اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے زیاد نے پرفیوم اٹھایا اور خود پہ چھڑکا۔

(عموماً ایسے مرد یہ جادو کرتے تھے جو اس حسین عورت کے ہاتھوں مسترد ہو چکے ہوتے تھے۔ ایسے میں ان کا دوسرا قدم اس عورت کے ذہن سے جادو کے ذریعے اپنا پرانا تاثر مٹانا ہوتا تھا۔)

''ہم سہیل کی شادی پہ ملے تھے نا زیاد سے۔'' ماہی کہہ رہی تھی۔ مالا نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''اچھا؟ مجھے یاد نہیں۔''

(جادو کا اثر ہونے کے کچھ دن بعد سحر کرنے والا جب محبوب عورت سے ملتا تو وہ اس عورت کو دنیا کا حسین ترین مرد دکھائی دیتا۔ جسے وہ کشش سمجھتی، وہ دراصل جادو کا اثر ہوتا تھا۔ یوں وہ مسلسل میٹھے تحفے دے کر اس جادو کو مزید راسخ کرنے کی کوشش کرتا رہتا۔)

''شیور آپ براؤنیز نہیں کھانا چاہتیں؟''

''میں آپ کے لیے چاکلیٹس لایا تھا۔''

''میں نے خواب میں دیکھا کہ... ''بخت بی بانو کو کان میں بتا رہی تھی۔ ''بڑی بی بی جی مجھے ایک دوسری بات بھی کہتی ہیں۔ کہ ماہی سے کہو اپنا خیال کرے۔ اتنا میٹھا نہ کھایا کرے۔''

''توبہ یہ بات نہ بتانا ماہی بی بی کو۔ پہلے ہی وہ اپنے بڑھتے وزن کے بارے میں پریشان ہیں۔ اس بات پہ خوب برا منائیں گی۔''

زیاد نے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے پرفیوم کی ڈبی واپس رکھی۔

سنگھار میز پہ رکھا اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے نمبر دیکھا اور فون کان سے لگایا۔

''جی سرکار.. ''اس کا لہجہ کسی مرید کی طرح معتقد سا تھا۔

''کیا وہ مان گئی؟'' دوسری طرف سے پوچھا گیا

''جی سرکار۔ بالکل ایسا ہوا جیسا آپ نے کہا تھا۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔

(لیکن سحر عشق کرنے والے جادوگر کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ بہت بھاری قیمت۔)

زیاد سلطان نے موبائل رکھا اور سنگھار میز پہ رکھے کاغذ اٹھائے۔ وہ نگینہ بیگم کی رپورٹس تھیں۔

''قیمت تو میں ادا کر رہا ہوں۔'' وہ خود سے بڑبڑایا۔ ''لیکن کشمالہ مبین کے لیے کچھ بھی۔''

اس نے رپورٹس دراز میں ڈال دیں۔ اور خود کار کی چابی اٹھائے باہر نکل گیا۔

مالا کے اسٹوڈیو میں رکھے ادھ کھلے کارٹن کے اوپر رکھی نوٹ بک کچھ کہہ رہی تھی۔

''سب میرے باپ کا مذاق اڑاتے تھے۔'' شکور کے بیٹے کے الفاظ وہاں خاموشی سے رقم کیے گئے تھے۔ ''میرے باپ کا رنگ بہت کالا تھا۔ اور اسی وجہ سے سب اس کو بدصورت کہتے تھے۔ نوکری جانے کے بعد وہ دبئی چلا گیا اور سب رشتے داروں سے کٹتا گیا...''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس اندھیر کمرے میں چوکڑی مارے بیٹھے جادوگر نے موبائل نیچے رکھا اور زیاد نام کی کال بند کی۔ پھر اپنے سامنے رکھی چیزوں کو دیکھا۔ گڑیا۔ تعویذ۔ زعفرانی روشنائی۔ اس نے مسکرا کے ان چیزوں کو ایک طرف کیا۔ اور پھر اپنی ٹانگیں دھیرے سے سیدھی کیں۔ اب اٹھنے کا وقت تھا۔

اس کے بوڑھے ہاتھوں نے کھڑے ہوتے ہوئے سر سے نارنجی رومال اتارا اور اسے ایک طرف ڈال دیا۔ پھر چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتے ہوئے اس نے کمرہ عبور کیا۔ ایک کونے میں کھونٹی لگی تھی جہاں ایک سفید لباس لٹکتا دکھائی دے رہا تھا۔

سرکار نے اپنے بوڑھے ہاتھوں سے دھیرے دھیرے اپنا میلا' گدلا لباس اتارا اور وہ براق سفید لباس پہنا۔ پھر لمبے سفید بالوں کو آہستہ آہستہ چوٹی میں گوندھنے لگی۔ جب چوٹی بن گئی تو اس نے سفید دوپٹہ اٹھا کے سر پہ لپیٹا' تسبیح ہاتھ میں پکڑی اور دھیرے دھیرے سیڑھیاں چڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ سیڑھیوں کا اختتام ایک دروازے پہ ہوا۔

سرکار عرف نگینہ بیگم نے دروازہ کھولا تو باہر سے ڈھیر ساری روشنی اندر آئی۔ انہوں نے مسکرا کے دروازہ بند کیا اور اوپر آئیں۔

وہاں ایک صاف ستھرا سا لاؤنج بنا تھا۔ ایک کونے میں سلطان صاحب بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ عینک کے پیچھے سے انہیں آتے دیکھا۔ آنکھوں میں تنفر ابھر آیا۔

''اپنے کالے کاموں سے فرصت لے کر آ گئی ہو' نگینہ بیگم؟''

وہ صرف مسکرائیں۔ کہا کچھ نہیں۔ اور کچن کی طرف بڑھ گئیں۔ وہاں بنگالی ملازمہ کھڑی ان کی منتظر تھی۔

وہ سنک تک آئیں تو زور کی کھانسی آئی۔ سر جھکا کے سنک میں کھانسیں تو خون کے چند قطرے نیچے گرے۔

انہوں نے نل کھول لیا اور منہ پہ چند چھینٹے مارے۔

''زیاد کے لیے کچھ بھی...'' وہ بڑبڑائیں اور آگے بڑھ گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

استنبول شہر سے ڈیڑھ گھنٹے کی ڈرائیو پہ وہ ایک جنگل نما علاقہ تھا۔ صبح کا وقت تھا اور ابھی روشنی ہوئے زیادہ دیر نہیں بیتی تھی۔

درختوں کے درمیان ایک طرف چند نوجوان بار بی کیو کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ دوسری طرف دو افراد بندوقیں اٹھائے باری باری اڑتے ہوئے مٹی کے کبوتروں کا نشانہ لے رہے تھے۔

ان میں سے ایک مالک فرید بھی تھے۔

گولی کی آواز کے ساتھ ہی ایک کبوتر چھناکے سے ٹوٹا تو مالک نے بندوق نیچے کی۔اور ساتھ کھڑے ادھیڑ عمر آدمی کو دیکھا جو اپنی بندوق کی نال سے ایک آنکھ بند کیے کچھ دیکھ رہا تھا۔

''میرے بھتیجے پہ حملہ کرنے والی کار کا سراغ ابھی تک نہیں ملا۔''انہوں نے ناخوشی سے اپنی بات دہرائی۔

''ہم پوری کوشش کر رہے ہیں۔ میں تمہیں جلد اچھی خبر سناؤں گا۔''اس نے بندوق نیچے کی اور مالک کے کندھے کو دھیرے سے تھپکا۔

''میں خود باش کومسار چنگیز سے رپورٹ لے رہا ہوں۔ ہم حملہ آور کو جلد پکڑ لیں گے۔''وہ دونوں اب ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ باربی کیو اسٹینڈ سے اٹھتی دھوئیں کی خوشبو سردی کا لطف دوبالا کر رہی تھی۔

''ہاں وہ ماہر کا دوست ہے۔اس کے لیے پوری کوشش کر رہا ہے۔''مالک کے تاثرات ہمیشہ کی طرح برف تھے۔''لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ اس معاملے کو حل کرنے میں اس سے بھی زیادہ قوت صرف کرو۔''

''میں نے کہانا،ہم جلد اچھی خبر سنائیں گے۔''وہ تسلی دے رہا تھا۔ان کے جوگر زخزاں رسیدہ پتوں کو روندتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

''تم بتا رہے تھے تمہاری بیٹی کی سالگرہ ہے؟''

''ہاں۔اگلے ہفتے۔تم آسکو گے؟''ڈی جی صاحب نے مسکرا کے پوچھا۔

''نہیں۔ میں لندن واپس جا رہا ہوں۔ زارا ضرور آئے گی۔''وہ رکے اور آواز کو مزید سرسری بنایا۔''لیکن اگر تم نے کیک آرڈر نہیں کیا تو نشانتاشی میں ایک بیکری ہے۔ میرے بھتیجے کی۔ تم اس کو ٹرائی کر سکتے ہو۔''

''اچھا؟''ڈی جی صاحب نے مسکرا کے انہیں دیکھا۔

''یعنی تمہاری مرضی ہے۔آزما کے دیکھ لو۔لیکن میرا نام مت لینا۔وہ سمجھے گا کہ میں....''

وہ دونوں اب خشک پتوں پہ چلتے دور جا رہے تھے۔آوازیں مدھم ہو گئی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(اگلے ماہ آپ مالا کے دوسرے باب ''مکہ'' کی دُوسری قسط پڑھ سکیں گے۔)

مالا (نمرہ احمد)

باب دوم "مکہ"

قسط نمبر: ۹

ہر سانس کے ساتھ

کھو جاتا ہے گزرا ہوا لمحہ۔

اور شروع ہوتا ہے ایک نیا لمحہ۔

ہم سانس اندر کھینچتے ہیں۔

اور اسے باہر خارج کر کے

ماضی کے لمحے کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اب وہ ہمارے لیے فنا ہو چکا ہے۔

اور یہ کرتے ہوئے

ہم فنا کر دیتے ہیں

اس انسان کو

جو ہم ایک لمحہ پہلے تھے۔

ہم سانس اندر کھینچ کے،

نئے لمحے میں سانس لے کر،

اس شخص کا استقبال کرتے ہیں

جو ہم بننے جا رہے ہیں۔

اور یوں ہم

اسی عمل کو دہراتے رہتے ہیں۔

یہی مراقبہ ہے۔

یہی تجدید ہے۔

یہی زندگی ہے۔

(لاماسوریاداس)

مبین منزل میں بنے بیڈرومز میں واحد ماہی کا کمرہ تھا جس کی کھڑکی عقبی صحن میں کچن گارڈن کی طرف کھلتی تھی۔ چند روز قبل وداع ہوئی فاختہ کی قبر بھی وہیں تھی۔ اس کی مٹی کا رنگ اطراف جیسا ہو گیا تھا اور اس پہ ننھی سی گھاس اُگ رہی تھی۔ مالا کھڑکی سے نظر آتی اس قبر کو دیکھ رہی تھی جب معید کھنکھارا۔

''تم نے فیصلہ کر لیا ہے؟''

اس نے چہرہ موڑ کے اپنے بھائی کو دیکھا۔ وہ اس کے سامنے بیٹھا سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ ساتھ براجمان ماہی' گود میں رکھی چاولوں کی پلیٹ میں سے کھاتے ہوئے ان کی طرف متوجہ تھی۔ وہ تینوں اس وقت ماہی کے کمرے میں تھے جس میں جگہ جگہ بے بی فیڈرز' فارمولا ملک کے ٹن' اور ایسی دیگر اشیاء بکھری تھیں۔

''زیاد اور میں نے مل کر فیصلہ کیا ہے۔ ہم دونوں کو اپنی آئندہ زندگی کے لیے یہ بہترین لگا ہے۔'' وہ پر اعتماد تھی۔ معید نے ایک اطمینان بھری سانس خارج کی اور دھیرے سے مسکرا دیا۔

''مجھے زیاد ہمیشہ سے پسند رہا ہے۔ ویل مینرڈ۔ اچھی جاب کرتا ہے۔ ڈیسنٹ ہے۔''

''ڈیسنٹ ہے لیکن.....'' ماہی نے ساتھ پہ چاولوں کا چمچ منہ میں رکھا۔ وہ دونوں اس کے لیکن پہ چونک کے اسے دیکھنے لگے۔ وہ گڑبڑا گئی اور جلدی جلدی چاولوں کو حلق سے نیچے اتارا۔ پھر پانی کا گھونٹ بھرا اور کھنکھاری۔

''لیکن تمہیں زیاد سے بہتر بھی کوئی مل سکتا ہے۔''

''تمہیں زیاد میں کیا برائی نظر آتی ہے؟'' وہ چونکی۔ ماتھے پہ لکیریں ابھریں۔ اسے ماہی کا انداز پسند نہیں آیا تھا۔

''زیاد ذرا....'' ماہی الجھ کے رک گئی۔ جیسے کچھ حلق میں اٹک جاتا تھا۔ جیسے کوئی سوچ جکڑ لیتی تھی۔ ''مجھے نہیں معلوم۔ بس سوچ لو۔''

''تم بھی سوچ لو ماہی۔ سفید چاول کھائے جا رہی ہو۔ جانتی ہو یہ صحت کے لیے کتنے نقصان دہ ہوتے ہیں؟''

معید نے اس کی پلیٹ کو افسوس سے دیکھا۔ ماہی کے ماتھے پہ بل پڑے۔ زور سے چمچ پلیٹ میں رکھا۔

''سب میرے کھانے کے پیچھے کیوں پڑے ہیں؟'' وہ مزید کچھ کہتی لیکن فون بجنے لگا۔ ایک خفا نظر دونوں پہ ڈال کے پلیٹ اور فون اٹھائے وہ وہاں سے اٹھ آئی۔

''خالہ کی کال ہے۔ میں سن کے آتی ہوں۔'' جاتے جاتے بھی معید کو شدید بری طرح گھورا تھا۔

''کون سی خالہ؟'' معید نے غائب دماغی سے پوچھا۔ مالا نے خفگی سے اسے دیکھا۔

''ہماری کتنی خالائیں ہیں' معید ؟ ایک ہی تو ہیں۔ ماں اور نورِ جہاں خالہ کی سب سے بڑی بہن۔ ثمر جہاں۔''

''ایسے کہو ثمر خالہ۔ ماہی کی ساس۔ تم لوگ بھی ہر پڑوسن کو خالہ بنا لیتی ہو۔ مجھے کیا پتہ۔'' وہ ہنس دیا اور مالا افسوس سے اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''خالہ کا طرزِ تخاطب ہم صرف ثمر خالہ کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ تمہیں سگی خالہ اور پڑوسنوں میں فرق معلوم ہونا چاہیے۔ رشتے داریاں یاد رکھنا صرف لڑکیوں کا فرض نہیں ہوتا۔''

وہ دونوں اب آپس میں الجھ رہے تھے۔

اور کچن میں کھڑی ماہی موبائل کان سے لگائے سادگی سے اپنی ساس کو بریفنگ دے رہی تھی۔

''ابھی نگینہ آنٹی نے صرف فون پہ معید اور مجھ سے بات کی ہے۔ اگلے ہفتے وہ انکل کے ساتھ پاکستان آئیں گی تو ہم بات پکی کریں گے۔''

''نگینہ کے گھر رشتہ کیوں کر رہے ہو تم لوگ؟'' خالہ جھنجھلائیں۔ ماہی چونکی۔

''کیوں؟ کیا ہوا؟''

''وہ لوگ مالا کے قابل نہیں ہیں۔ اتنی جلدی مت کرو۔''

''مگر خالہ... زیاد میں کیا برائی ہے؟'' ماہی الجھ سی گئی۔

''مالا کو اس سے بہتر بر مل سکتا تھا۔'' وہ افسوس سے بولیں۔ ماہی نے بے اختیار لاؤنج کے پار اپنے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔ ابھی یہی تو اس نے بھی کہا تھا۔

''آپ مالا سے بات کر کے دیکھیں۔''

''میں خود آ کے اس سے بات کروں گی۔''

''مگر آپ نے دو ماہ بعد آنا ہے۔ فون پہ بات کر لیں۔'' وہ بے چین ہوئی۔

''یہ باتیں فون پہ نہیں ہوتیں۔اور تم لوگ فوراً جواب نہ دو۔تھوڑا وقت مانگو۔دو تین ماہ تو لڑکی والوں کی چوکھٹ پہ لوگ جوتے گھساتے ہی ہیں۔''وہ آرام سے بولیں۔ماہی نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔

وہ واپس آئی تو قدرے غائب دماغ سی لگ رہی تھی۔

''خالہ کیا کہہ رہی تھیں؟''مالا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔وہ سوچ میں گم دھپ سے صوفے پہ بیٹھی۔

''خالہ چاہتی ہیں کہ ہم ان کے آنے کا انتظار کریں اور رشتہ ان کی موجودگی میں طے ہو۔ہماری طرف سے کسی بڑے کا ہونا بھی ضروری ہے۔''اس نے الفاظ جوڑے۔

''میں ہوں نا۔''معید کو کچھ برا لگا۔''اور ماموں بھی آجائیں گے۔مسئلہ کیا ہے؟''

''خالہ ابھی لمبا سفر نہیں کرسکتیں۔ان کے گھٹنے کی سرجری ہوئی ہے نا۔ماں کی ڈیتھ پہ بھی اسی لیے نہیں آسکیں۔ہم ان کا انتظار کرسکتے ہیں۔جنوری کے آخر تک وہ آجائیں گی اور میں تو مارچ تک یہیں ہوں۔''بظاہر اس نے بے پرواہی سے شانے اچکائے البتہ کمرے میں پھیلا تناؤ سب محسوس کرسکتے تھے۔

''نگینہ آنٹی کینسر پیشنٹ ہیں۔ان کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔وہ دو ماہ میں شادی کی بات کررہی تھیں۔اور تم کہہ رہی ہو ہم رشتہ تک طے نہ کریں۔''معید خفا ہوا۔ماہی نے شانے اچکا دیے۔

''ٹھیک ہے۔جیسے تم لوگ کہو۔''کمرے میں چند لمحے کے لیے تناؤ بھری خاموشی چھا گئی۔پھر ماہی کو جیسے کچھ یاد آیا۔

''ویسے نگینہ آنٹی چند دن پہلے پاکستان تھیں نا۔جب انہوں نے حور کو گھٹی دی تھی۔پھر واپس کیوں چلی گئیں؟''

''وہ ہر مہینے صرف پانچ دن کے لیے پاکستان آتی ہیں۔یہ ان کی پرانی روٹین ہے۔''

''تھکتی نہیں ہیں اتنے ٹریول سے؟بیمار بھی ہیں۔''

''میں نے بھی زیاد سے یہی پوچھا تھا۔لیکن وہ کہہ رہا تھا کہ تین گھنٹے کی تو فلائٹ ہے۔اور نگینہ آنٹی کو اپنا لاہور والا گھر بہت عزیز ہے۔یہاں آکے وہ بہتر محسوس کرتی ہیں۔''وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور نرمی سے ماہی کو دیکھا۔

''خالہ جب بھی آئیں'موسٹ ویلکم۔لیکن میں اپنی زندگی کے فیصلے اپنے رشتے داروں کے فلائٹ شیڈیول کے مطابق نہیں کرسکتی'ماہی۔میں فیصلہ کرچکی ہوں۔''اس کا انداز نرم مگر دوٹوک تھا۔ماہی کا سر اثبات میں ہل گیا۔جب مالا فیصلہ کرلے تو کوئی چیز اس کو اس فیصلے سے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کیا میں نے درست فیصلہ کیا ہے؟''

اس دوپہر صفورا اور وہ ایک ریستوران میں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ ان کے اوپر شیشے کی چھت بنی تھی جس پہ جگہ جگہ بوگن ویلیا کے گلابی پھول نظر آ رہے تھے۔ دیواریں بھی شیشے کی تھیں جو کہیں سے اونچے پودوں سے ڈھکی تھیں۔ اور کہیں سے سرما کی نرم دھوپ کو اندر آنے کا راستہ دے رہی تھیں۔

اس نے صفورا سے یہ سوال اپنے لنچ کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا جو اس کے سامنے اَن چھوا رکھا تھا۔

صفورا اپنے لنچ کی تصویر کھینچ رہی تھی کیونکہ وہ اپنا کھانا انسٹاگرام کے اجنبیوں کو دکھانا فرض سمجھتی تھی۔ اس سوال پہ چونک کے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ مالا کی آنکھیں پلیٹ پہ جھکی تھیں۔ سیاہ بال چہرے کے دونوں اطراف میں گر رہے تھے۔ سبز کارڈیگن کے اندر جھانکتے سفید کرتے کے گریبان پہ سیاہ فاختہ والا لاکٹ جگمگا رہا تھا۔ کچھ تھا کشمالہ کے چہرے پہ جو اداس کر دینے والا تھا۔

''بہترین فیصلہ ہے۔ زیاد کے بارے میں جتنا میں نے تم سے سنا ہے' وہ ایک شاندار انتخاب ہے۔ اپنے فیصلے پہ شک کیوں کر رہی ہو؟'' صفورا نے چھری کانٹا پلیٹ میں چلانا شروع کر دیا۔

''کہیں میں جلد بازی سے کام تو نہیں لے رہی؟ یعنی دو ماہ میں شادی۔'' اس نے نگاہ اٹھا کے صفورا کو دیکھا۔ وہ کانٹے کو چکن فلے میں گاڑے' چھری سے ایک ٹکڑا کاٹ رہی تھی۔

''انتظار کس کا کرنا ہے؟ امی رہیں نہیں۔ یہاں رہ کے کیا کرو گی۔ دبئی جاؤ اور نئی زندگی شروع کرو۔'' پھر اس کا چہرہ دیکھ کے صفورا نے ہاتھ روکا اور ایک گہری سانس لی۔

''تم بتاؤ' مالا۔ تم جلد بازی کیوں کر رہی ہو؟''

اور وہ جیسے ایک دم سے بولنے لگی۔

''کیونکہ میں لاہور میں مزید نہیں رہنا چاہتی۔ یہاں ہر طرف ماں کی یادیں ہیں۔ ڈپریشن ہے۔ ایک طویل عرصے سے کوئی میرا تعاقب کرتا آیا ہے۔ میں اس سب سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہوں۔''

''اب تو وہ تعاقب نہیں کر رہا نا؟'' صفورا نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

''نہیں۔ کیونکہ میں نے اس کا تعاقب چھوڑ دیا ہے۔''

ذہن کے پردے پہ باتھ روم کے نل والا واقعہ لہرایا۔ اور اسٹوڈیو میں پڑا کارٹن جس میں اس نے عامل کے متعلق جمع کی گئی معلومات کو سیل بند کر دیا تھا۔ وہ باب ختم ہو چکا تھا۔

''میں نے دبئی میں کچھ جگہوں پہ جاب کے لیے اپلائی بھی کیا ہے۔''اس نے بالآخر چھری کانٹا اٹھایا۔

''پھر مسئلہ کیا ہے؟''

''کچھ ہے میرے اندر جو مجھے کہتا ہے کہ زیاد میرے لیے بہترین چوائس نہیں ہے۔''وہ الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

''کیا تمہیں زیاد سے محبت ہے؟''

''کیا مجھے زیاد سے محبت ہے؟''اس نے الٹا سوال کیا۔

''نہیں ہے؟''صفورا نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''پتہ نہیں۔''اس نے بال کان کے پیچھے اڑسے۔سبز آنکھوں میں اداسی سی تھی۔

''مجھے اس کے لیے ایک بے چین کر دینے والی کشش محسوس ہوتی ہے۔جیسے کچھ کھینچتا ہو اس کی طرف۔وہ سامنے ہو تو سب سے اہم وہی لگتا ہے۔اسے دیکھتے ہی خواہش ہوتی ہے کہ جلد سے جلد میں کوئی فیصلہ کروں ورنہ میں اسے کھو دوں گی۔''

''شروع شروع میں محبت ایسی ہی ہوتی ہے۔''اس نے بے پرواہی سے اسٹیک کا ٹکڑا منہ میں رکھا۔

''واقعی؟''وہ دھیرے سے ہنسی۔''میں سمجھی محبت مختلف محسوس ہو گی۔''

''مختلف کیسے؟''

مالا نے تھوڑی پہ ہاتھ رکھا اور نظریں اٹھا کے چھت سے لٹکتی بوگن ویلیا کی بیلوں کو دیکھا۔

''میں سمجھتی تھی کہ محبت بے چین اور جلد بازی کروانے والی نہیں ہو گی۔''

''پھر کیسی ہو گی؟''

''بے چینی' سکون کا الٹ ہے۔کھو دینے کا ڈر' تحفظ کا الٹ ہے۔میں سمجھتی تھی محبت میں کھو دینے کا ڈر نہیں ہو گا۔سکون ہو گا۔تحفظ ہو گا۔''

(وہ کار کی پچھلی سیٹ پہ بیٹھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔اور کیف خاموشی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔کھڑکی کے باہر کنال کے ساتھ لگے درخت بھاگتے دکھائی دے رہے تھے۔ہر طرف خاموشی تھی۔)

''میں سمجھتی تھی محبت کمفرٹیبل کر دینے والی ہو گی۔آنکھوں کی ٹھنڈک ہو جیسے۔تحفظ کا احساس۔''

(وہ کار کا دروازہ کھولے کھڑا تھا۔اور وہ دھوپ میں کھڑی تھی۔قریب آئی تو دھوپ کا راستہ رک گیا۔ہر طرف چھایا تھی۔)

''میں سمجھتی تھی کہ میں اپنی محبت کے ساتھ جہاں بھی ہوں گی' خوش ہوں گی۔ مجھے خوشی کی تلاش میں ایک نئے شہر جا کے نئی زندگی نہیں بسانی پڑے گی۔''

(وہ دونوں عثمان کی بیٹھک میں موڑھوں پہ بیٹھے تھے۔ سامنے مٹی کے پیالاوں میں مہک اڑاتی چائے اور نان خطائیاں رکھی تھیں۔ وہ چائے سے اٹھتے دھوئیں کو دیکھتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا اور وہ مسکرا کے اسے سن رہی تھی۔)

''دیکھو میری ارینج میرج ہوئی تھی۔ میرا تجربہ مختلف تھا۔''صفورا کے چھری کانٹا چلانے کی آواز سے کوئی فسوں سا ٹوٹا۔ وہ چونک کے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''یہ بے چینی وغیرہ شادی سے پہلے ہوتی ہے۔ شادی کے بعد زندگی میں ٹھہراؤ آ جاتا ہے۔ ایک ہی انسان سے روز لڑائی اور روز صلح ہوتی ہے۔ وہ ایک اچھا انسان ہے۔ تمہیں خوش رہے گا۔ ویسے بھی مرد کی شکل کون دیکھتا ہے۔''

''شکل؟'' وہ ایک دم چونکی۔ ''زیاد کی شکل کو کیا ہوا؟''

''نہیں دراصل....''صفورا گڑبڑا گئی۔ ''میرا مطلب تھا' تمہارے مقابلے میں بہت پرنس چارمنگ نہیں ہے لیکن اچھا ہے۔ ڈیسنٹ ہے۔ اور شکلیں کہاں میٹر کرتی ہیں یار۔ اخلاق اچھا ہونا چاہیے۔''

''یعنی تمہیں وہ نارمل لگتا ہے؟''وہ قدرے خفا ہوئی اور اپنے کھانے پہ جھک گئی۔ ''مجھے تو وہ بہت ہینڈسم لگتا ہے۔''

''یہی تو محبت ہے۔ نارمل انسان بھی بہت اچھا لگتا ہے۔''صفورا ہنس دی تو وہ بھی مسکرا دی۔

''زیاد تھوڑا تلخ ہے۔ اس کی منگیتر کی موت کا ڈراما ابھی تک تازہ ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ محبت سے اس کو فکس کر لوں گی۔''

اس بات پہ صفورا چونکی۔ پھر کھنکھاری۔ ''مالا... کوئی عورت کسی مرد کو جوڑ نہیں سکتی۔ نہ heal کر سکتی ہے۔ نہ فکس کر سکتی ہے۔ شادی کے بعد وہ بدلے گا نہیں۔ تھوڑا بہت تمہارے طریقے پہ ڈھل جائے گا۔''

ویٹر ڈرنکس کی ٹرے اٹھائے ان کے قریب آیا اور ادب سے ایک گلاس صفورا کے سامنے رکھا۔

''غلط۔ محبت انسان کو بدل بھی سکتی ہے اور فکس بھی کر سکتی ہے۔ محبت ہی تو heal کرتی ہے۔ یہ سب سے بڑا مرہم ہوتی ہے۔'' وہ مسکرا کے اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوئی۔ صفورا کچھ کہنے لگی تھی لیکن اسی وقت ویٹر دوسرا گلاس رکھنے جھکا ہی تھا کہ گلاس ہاتھ سے سلپ ہوا۔ بہت سا منٹ مارگریٹا کشمالہ کے کندھے پہ جا گرا۔

''اندھے ہو گیا؟ دیکھ نہیں رہے؟''صفورا ایک دم غرائی۔

''صفورا... اٹس او کے۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے آنکھوں میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر نیپکن اٹھایا اور پرسکون انداز میں اپنا کندھا صاف کیا۔

''سوری میم۔ رئیلی سوری۔'' کمزور سا ویٹر گھبرا کے جلدی جلدی معذرت کرنے لگا۔

''کوئی بات نہیں۔ دوسری ڈرنک لے آئیں۔ میں اسے واش کر لیتی ہوں۔'' وہ نرمی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ ریسٹ روم سے واپس آئی تو دیکھا' صفورا کے پاس مینیجر اور ویٹر کھڑے معذرت کر رہے تھے۔ اور وہ خفگی سے ان کو ڈانٹ رہی تھی۔

''اٹس او کے' صفورا۔ جانے دو۔'' وہ واپس بیٹھی اور ان کو جانے کا اشارہ کر دیا۔ صاف نیپکن گود میں بچھایا۔ پھر محسوس ہوا' صفورا اسے ناراضی سے گھور رہی تھی۔

''اسے سزا ملنی چاہیے تھی' مالا۔ ورنہ سیکھے گا کیسے؟''

''اس نے میرا کارڈیگن خراب کیا۔ اور تمہاری ڈانٹ نے اس کا پورا دن خراب کر دیا۔ حساب برابر۔ اب اپنی انا کے پیچھے میں کسی غریب کو اس کی نوکری سے نہیں نکلوا سکتی۔''

وہ پلیٹ اپنی طرف کھسکائے' کھانا وہیں سے شروع کر چکی تھی۔

''انا کہاں سے آ گئی درمیان میں؟'' صفورا خود بھی ریستوران مینیجر تھی۔ اس کو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی تھی۔

وہ جواباً دھیرے سے ہنس دی۔

''ہنسی کیوں؟''

''کچھ نہیں۔ کچھ یاد آ گیا تھا۔'' وہ مسکراہٹ دبائے سر جھکا کر کھانے کی طرف متوجہ ہوگئی۔ اس کا دل اب ہلکا پھلکا تھا۔ وہ درست فیصلہ کر رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''ناممکن۔ ایک دم ناممکن۔''

روم نمبر ۵۵۵ کی کھڑکی کا بلائنڈ اوپر اٹھا تھا جس کے باعث بظاہر تیز لیکن درحقیقت ٹھنڈی دھوپ اندر داخل ہونے کا راستہ بنا چکی تھی۔ سورج کسی ہمسایہ عمارت کی اوٹ میں تھا' اس لیے دھوپ کا رخ ترچھا تھا۔ وہ صرف کھڑکی کے ساتھ رکھے کاؤچ تک پہنچ پا رہی تھی جس پہ بیربل فرید چپ چاپ' گہری سوچ میں ڈوبا بیٹھا تھا۔

دیوار پہ لگے کاغذ' میزوں پہ بکھرے دستے' سب کچھ ایسے صفائی سے سمیٹا جا چکا تھا کہ جیسے کچھ پھیلایا ہی نہ

ہو۔ ماہر بیڈ کی ٹیک سے کمر لگائے، ٹانگیں لمبی کیے نیم دراز تھا۔ سر پیچھے تکیے پہ تھا اور آنکھیں دائیں بائیں ٹہلتے چنگیز پہ جمی تھیں۔

''ناممکن۔ کوئی کسی پہ محبت کا جادو کیسے کر سکتا ہے؟'' چنگیز جھنجھلا گیا تھا۔

''جیسے شمس نے میری ماں پہ کروایا تھا۔''

''ہو سکتا ہے تمہاری ماں کو شمس کی کوئی خوبی اچھی لگی ہو۔''

''شمس میں کوئی خوبی نہیں تھی۔'' وہ سپاٹ نظروں سے چنگیز کو دیکھ رہا تھا۔ ''سرکار اس جادو میں ماہر ہے۔ وہ کسی پہ بھی سحرِ عشق کروا سکتا ہے۔''

''سرکار کا کوئی ای میل ایڈریس نہیں مل سکتا؟ میرے تو سارے مسئلے حل ہو جائیں۔'' سوچ میں ڈوبا بیر بل کھنکھارا۔

لیکن کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔

''تمہیں کیسے معلوم سرکار اس جادو میں ماہر ہے؟'' چنگیز اب مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ماہر نے شانے اچکائے۔

''میں نے دو جمع دو چار کیا ہے۔ اس البم میں میری ماں کی تصویر بھی تھی، اور کشمالہ کی بھی۔ میں سمجھتا تھا کہ البم والی عورتوں کو سرکار نے مروا دیا ہے یا مروانا ہے۔ اس لیے میں کشمالہ کی حفاظت کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ اس کے ساتھ وہ نہ ہو جو میری ماں کے ساتھ ہوا تھا۔ لیکن میں غلط تھا۔'' اس نے چچ کی آواز نکالی۔ گویا خود پہ افسوس کیا۔

''یعنی البم والی عورتوں پہ دراصل سرکار نے جادو کیا تھا؟''

''بالکل۔ اس نے مختلف کلائنٹس کے لیے مختلف عورتوں پہ سحرِ عشق کیا تھا۔ سرکار ایک ٹرافی کلیکٹر بھی ہے۔ اپنے ہر شکار کا حساب رکھتا ہے۔''

''میں نہیں مانتا۔ کوئی کسی کے دل میں اپنی محبت جادو کے ذریعے نہیں پیدا کر سکتا۔'' چنگیز نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''درست۔'' اس نے سر تائید میں ہلایا تو وہ دونوں چونک کے اسے دیکھنے لگے۔

''کیا مطلب؟''

''سحرِ عشق کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ کیونکہ کوئی انسان جادو کے ذریعے کسی کے دل میں اپنی محبت پیدا نہیں

کر سکتا۔'' وہ ٹیک لگائے' سنجیدگی سے ان سوالات کے جواب دے رہا تھا۔

''لیکن تم نے کہا سحرِ عشق اثر کرتا ہے۔'' سب سے زیادہ مایوسی بیربل فرید کو ہوئی تھی۔

''سحرِ عشق، عشق نہیں ہوتا۔ سحر ہوتا ہے۔ ایک الوژن۔ محبت کا ایک سراب۔ ایک مصنوعی احساس جو ساحر محبوب کے دل میں جگاتا ہے۔ محبوب اس کو محبت سمجھتا ہے اور....'' اس نے تھوک نگلا۔'' اور اپنے ساحر کو اپنی زندگی میں شامل کر لیتا ہے۔ جیسے ہماری ماں نے کیا۔''

''ایک ہی بات ہے۔ محبت ہو یا اس کا احساس۔''

''ایک بات نہیں ہے بیربل۔ محبت ہمیشہ کے لیے ہوتی ہے۔ سحر الوژن ہے۔ دور سے لگتا ہے سڑک پہ پانی پڑا ہے۔ لیکن قریب آؤ تو پانی نہیں ہوتا۔ صرف دھوپ کا الوژن ہوتا ہے۔''

''یعنی سحرِ عشق جلدی ٹوٹ جاتا ہے۔''

''میں نہیں مانتا۔'' چنگیز نفی میں سر ہلاتے ہوئے کرسی پہ بیٹھا۔''تم صرف زیاد سلطان سے جیلس ہو۔ اور ہسپتال کے اس بند کمرے کی قید نے تمہارے ذہن پہ برا اثر ڈالا ہے۔''

''ایسے مت کہو چنگیز۔'' بیربل برا مان گیا۔'' اس کے ذہن پہ اثر بہت پہلے سے ہے۔ ہسپتال کے کمرے کا کیا قصور؟''

ماہر نے جواباً بس ایک نظر اسے دیکھا اور کندھے اچکا دیے۔

''واللہ ماہر فرید کبھی غلط نہیں ہوتا۔''

''تم یہ ثابت کر سکتے ہو؟'' چنگیز نے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔ وہ کچھ کہنے لگا لیکن چنگیز نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔'' اور یہ مت کہنا کہ وہ ہینڈسم نہیں ہے۔ جب کسی لڑکی کو کسی آدمی سے محبت ہو جائے تو وہ اس کو ہینڈسم ہی لگتا ہے۔ میں نے اس کی تصویر دیکھی ہے۔ وہ بدصورت نہیں ہے۔''

''میں نے کب کہا بدصورت ہے۔ صرف ہینڈسم نہیں ہے۔ وہ خود کو بدصورت سمجھتا ہے اسی لیے اس نے جادو کا سہارا لیا ہے۔''

''کیا تم یہ ثابت کر سکتے ہو؟'' اس نے چبا چبا کے اپنی بات دہرائی۔'' کیونکہ اگر وہ واقعی جادو کروا رہا ہے تو تمہیں اس لڑکی کو بچانا ہوگا۔ کیا کہہ کے بچاؤ گے؟ کہ واللہ ماہر فرید کبھی غلط نہیں ہوتا؟''

''میں ثابت کر سکتا ہوں۔'' اس کا انداز اٹل تھا۔

''کیسے؟''

''نمبرز سے۔ سارے کھیل نمبرز کے ہیں۔'' وہ پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرایا۔ اس کے گال پہ لگے کٹ کا نشان ویسا ہی تھا البتہ چہرے کے نیل قدرے مندمل ہوئے دکھائی دیتے تھے۔

''یعنی؟''

''میں اتنا جانتا ہوں کہ سرکار ایک ہائی پروفائل جادوگر ہے۔ اس کے کلائنٹس پوری دنیا میں پھیلے ہیں۔ اور وہ بااثر لوگ ہیں۔ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔'' اس نے ابرو سے پلستر میں لپٹی ٹانگ کی طرف اشارہ کیا۔ ''کیونکہ وہ امیر لوگ ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ سرکار اپنے کام کی بھاری فیس لیتا ہے۔ زیاد نے بھی دی ہوگی۔ ہے نا؟''

''زیاد کی بینک اسٹیٹ منٹ۔'' چنگیز نے چونکا۔ ''یقیناً کوئی منی ٹریل ہوگا۔''

''جادوگروں کو عموماً ماہانہ پہ منت کی جاتی ہے۔ زیاد کے اکاؤنٹ سے ہر مہینے ایک خاص رقم کی ٹرانزیکشن کی جاتی رہی ہوگی۔ مجھے صرف اس اکاؤنٹ کو ڈھونڈنا ہے جہاں وہ رقم جاتی ہوگی۔''

''کیا معلوم وہ کیش دیتا ہو؟''

''ہاں ہو سکتا ہے۔ لیکن تب بھی ہر ماہ اکاؤنٹ سے رقم نکلوانے کا اندراج ہوگا۔ یوں میری بات ثابت ہو جائے گی۔''

''اس کے بینک اکاؤنٹس دبئی اور پاکستان دونوں ملکوں میں ہوں گے۔ اسٹیٹمنٹ کیسے نکلواؤ گے؟'' چنگیز اب اس کی بات پہ سوچنے لگ گیا تھا۔

''اس کی فکر مت کرو۔'' بیربل ہنسا۔ ''ہمارے پاس ایک ایسا انسان ہے جو کسی کے بارے کچھ بھی معلوم کر کے دے سکتا ہے کیونکہ اس کے ہر اہم ملک کے ہر اہم عہدوں پہ دوست موجود ہوتے ہیں۔''

''کون؟'' چنگیز چونکا۔

''زارا۔'' وہ اب سر جھکائے زارا کو میسج لکھ رہا تھا۔

چنگیز بڑبڑا کے رہ گیا۔

''ویسے جنرل نالج کے لیے پوچھ رہا ہوں....'' بیربل سرسری سے انداز میں کھنکھارا۔ ''سرکار کی فیس کتنی ہوگی؟''

''بیربل۔'' اس کی آواز بلند ہوئی۔ بیربل نے فوراً سے ہاتھ اٹھا دیے۔

''مذاق کر رہا تھا یار۔'' پھر کسی خیال سے چونکا۔ ''تم نے کہا سحرِ عشق کا انجام بہت بھیانک ہوتا ہے؟ مگر کیسے۔''

ماہر فرید نے ایک گہری سانس کھینچی۔ اور پھر وہ کہنا شروع ہوا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیف کی وِلا نما عمارت کے اندر لہلہاتے سرسبز پودے خاموشی سے ورکرز کو کام کرتے دیکھ رہے تھے۔ شبنم اپنے ڈیسک کے ساتھ کھڑی کاغذات کے ایک پلندے پہ سر جھکائے ہوئے تھی جب قریب آتے قدموں کی آہٹ پہ چونکی۔ سر اٹھا کے دیکھا تو اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

عبدالمالک فرید لفٹ سے باہر آتے دکھائی دے رہے تھے۔ گرے سوٹ' سفید شرٹ' ڈائمنڈ ٹائی پن اور سلور بالوں کو جیل سے جمائے' ان کا چہرہ ہمیشہ کی طرح بے تاثر تھا۔ شبنم ایک دم سیدھی ہوئی۔ نگاہوں نے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ وہ سیدھا زارا کے آفس کی طرف بڑھ گئے۔

شبنم اب کے قدرے تجسس سے اس سمت میں دیکھنے لگی۔ مالک بے ''کیف'' کو اس قابل سمجھیں کہ خود وہاں تشریف لائیں' یہ ہر روز نہیں ہوتا تھا۔ کچھ تو تھا۔

انہوں نے شیشے کا دروازہ دستک کے ساتھ کھولا تو اپنی کرسی پہ بیٹھی زارا جھنجلائی ہوئی ساتھ کھڑے ملازم سے کہہ رہی تھی۔

''ایک ڈھنگ کا قہوہ نہیں بنا سکتے تم لوگ؟ لے جاؤ اس کو۔'' انگلیوں سے ننھی سی پیالی پرے دھکیلی۔ ملازم معذرت کرتا ہوا جلدی سے کپ اٹھانے لگا۔ قہوے کے چند قطرے چھلک گئے۔ زارا نے ان کو آتے دیکھا تو خاموش ہوئی۔ لگتا تھا جیسے کافی دیر سے اس کی کلاس لی جا رہی ہو۔

وہ بغور اس کی پیشانی کے بل دیکھتے ہوئے سامنے آئے اور کرسی کھینچی۔

''اپنی shallow ego کی وجہ سے اس کو نوکری سے نکالو گی کیا؟'' ساتھ ہی ملازم کو ابرو سے جانے کا اشارہ کیا۔ وہ جلدی جلدی ٹرے سمیٹتا باہر کو لپکا۔

''آپ کیسے آئے' بابا؟''

اس کے کھلے بال دونوں کندھوں پہ curls میں سیٹ تھے۔ بنا آستین کے سفید بلاؤز پہنے' جس کے گریبان پہ سنہری زنجیر جھول رہی تھی' ایکریلک ناخنوں کو سبز نیل پالش سے رنگے' وہ گھنی مصنوعی پلکیں جھکائے باپ کو دیکھنے کی بجائے کاغذات الٹا پلٹا رہی تھی۔ ماتھے کے بل ہنوز قائم تھے۔

''کیونکہ فون پہ لگا تم اپ سیٹ ہو۔'' ان کی آنکھیں کسی بھی تاثر سے عاری تھیں۔ جیسے برف کی ایک جھیل ہو۔

زارا نے آنکھیں اٹھا کے انہیں شکایتی نظروں سے دیکھا۔

''ماہر سے ملے آپ؟اس کے دوستوں نے میرا داخلہ بند کر رکھا ہے۔عجیب لوگ۔''ناپسندیدگی سے جھرجھری لی۔

''کیوں رہ رہی ہو ان عجیب لوگوں میں؟واپس آجاؤ۔''وہ بغور اس کو دیکھ رہے تھے۔ہمیشہ کی طرح اس دفعہ اس نے ٹھنڈے انداز میں ہنس کے ان کی بات ہوا میں نہیں اڑائی۔

اس نے فائل بند کی اور پیچھے کو ٹیک لگائی۔چہرہ ناراض ناراض سا تھا۔

''میں یہاں خوش ہوں۔''

''اس کی زندگی میں تم کہیں نہیں ہو زارا۔''پہلی دفعہ ان کی آواز میں دکھ سا ابھرا۔جیسے برف کی جھیل میں شگاف ظاہر ہوا ہو اور ایک پتا اوپر تیرنے لگے۔

''میں اس کی بیسٹ فرینڈ ہوں۔''

''تم اس کی زندگی میں کہیں نہیں ہو۔''وہ آگے کو جھکے اور بات دہرائی۔

زارا کی آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھری۔

''آپ غلط ہیں۔وہ آخر میں میرے پاس ہی آئے گا۔''

''تم اپنی زندگی ضائع کر رہی ہو۔میرے ساتھ واپس چلو۔''

"تاکہ اپنی بہنوں کی طرح شادی اور بچوں میں زندگی ضائع کروں؟کیوں بابا؟آپ کو تو اپنے جیسی بیٹی چاہیے تھی۔''

''تمہیں اب تک معلوم نہیں ہوا کہ مجھے کیسی بیٹی چاہیے تھی۔''وہ دھیرے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔برف واپس جم گئی۔پتا کہیں نیچے منجمد ہو گیا۔

وہ ابھی دروازے تک پہنچے تھے جب زارا نے لب کھولے۔

''اس نے مجھے ایک آدمی کی بینک اسٹیٹ منٹ نکلوانے کے لیے کہا ہے۔زیاد سلطان۔''

وہ ہینڈل پہ ہاتھ رکھے مڑے۔

''کیا پوچھنا چاہتی ہو؟''

''کیا ماہر یہ سب کسی لڑکی کی وجہ سے کر رہا ہے؟''وہ بنا پلک جھپکائے باپ کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔وہاں

صرف برف تھی۔

''ہاں۔ اور اس لڑکی کا نام ہلال ہے۔'' ذرا سے شانے اچکائے۔

''وہ ہلال کے لیے یہ سب نہیں کر رہا۔'' وہ ایک دم درشتی سے بولی۔ گلا رندھ گیا۔ ''کوئی لڑکی بھی ہے جس سے وہ لاہور میں ملا تھا۔ اور آپ جانتے ہیں اسے۔''

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئے۔ ہاتھ ابھی تک ہینڈل پہ تھا۔

''سوال یہ ہے کہ آپ اس لڑکی کو protect کیوں کر رہے ہیں؟'' اس کی گیلی آواز بلند ہوئی۔

''ڈی جی صاحب کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔ ضرور جانا ورنہ وہ برا مانے گا۔'' ایک ایک لفظ چبا چبا کے کہا اور دروازہ کھول کے باہر نکل گئے۔ شبنم جو تجسس سے اس طرف دیکھ رہی تھی' جلدی سے فائل میں چہرہ چھپائے رخ موڑ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہسپتال کے پرائیوٹ روم نمبر ۵۵۵ میں اس صبح خاموشی پھیلی تھی۔ نہ کسی مشین کی آواز تھی' نہ انسان کی۔ وہاں کوئی موجود نہ تھا سوائے بستر پہ ٹیک لگائے نیم دراز مریض کے۔ گال پہ زخم کا نشان ویسا ہی تھا۔ آنکھ تلے نیل بھی جامنی پڑ چکے تھے۔ وہ موبائل اسپیکر پہ رکھے' دوسری جانب جاتی گھنٹی سن رہا تھا۔ اسکرین پہ ''ون ان ففٹی'' جگمگا رہا تھا۔

وہ چند لمحے ان الفاظ کو دیکھے گیا۔ اسکرین دھیرے دھیرے پگھلنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ پگھلی چاندی کی طرح سارے پہ چھا گئی۔ اس منظر نامے سے دھوئیں کا ایک مرغولہ اٹھا۔ سفید آسمان میں سیاہ دھواں۔ اور وہ وہیں رقم ہو گیا۔

یہ منظر اس پینٹنگ میں پینٹ کیا گیا تھا جو برسوں پہلے اس روز رابیل کے اپارٹمنٹ کی دیوار پہ دکھائی دے رہی تھی۔

رابیل اس پینٹنگ تلے بچھی کرسی پہ بیٹھی تھیں۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' کانوں میں ننھے ہیرے پہنے' ان کا چہرہ سپاٹ اور سرد تھا۔

''ماں پلیز... میں پھر سے آیا ہوں۔ آپ کی منت کرنے۔'' وہ ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ کلین شیو اور کم عمر چہرہ۔ ماتھے پہ بکھرے بال۔ آنکھوں تلے حلقے۔

''شمس سے شادی نہ کریں۔ وہ آپ کو ہرٹ کر دے گا۔''

اس نے دونوں ہاتھوں سے ان کا ہاتھ تھام لیا۔ لہجے میں لجاجت تھی۔ بے چین نگاہیں ان کی سرد آنکھوں پہ جمی تھیں۔

''تمہیں کیسے معلوم؟'' لہجہ سرد تھا۔

''میں لوگوں کے بارے میں کبھی غلط نہیں ہوتا۔ شمس سب کچھ پلاننگ کے تحت کر رہا ہے۔ وہ صرف آپ کی دولت کی وجہ سے آپ کے ساتھ ہے۔''

''یعنی تمہیں اپنی ماں اتنی ارزاں لگتی ہے کہ کوئی اس کا ساتھ اس کے اپنے لیے نہیں چاہ سکتا؟''

''جو چاہتا تھا' اسے آپ نے چھوڑ دیا۔'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''اور وہی تمہیں یہ سب سکھا کے یہاں بھیجتا ہے۔ ہے نا؟'' انہوں نے بے رخی سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ وہ انہیں دیکھ کے رہ گیا۔

''میرے بیمار باپ کے پاس سکھانے کے لیے وقت نہیں ہے۔''

''تم مجھے شمس کے خلاف کیوں کر رہے ہو؟ تم اس کو جانتے تک نہیں ہو۔''

''ہر کوئی ماہر فرید کی بات کا اعتبار کرتا ہے۔ آپ کیوں نہیں کرتیں؟''

دیوار پہ لگی پینٹنگ کا رنگ سنہری پڑنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ سونے کی طرح پگھلنے لگی۔

اس پگھلے سونے میں ایک دھوپ سے بھری صبح ابھرنے لگی۔

وہ دونوں دہلی گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنائے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا آپ مجھ پہ بھروسہ کرتی ہیں؟''

''ہاں۔''

''وہ آپ کو ہرٹ کرے گا۔''

''تم مجھے زیاد کے خلاف کیوں کر رہے ہو؟'' سبز آنکھوں میں شک تھا۔ ''تم اس کو جانتے تک نہیں ہو۔''

دھوپ ٹھنڈی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ وہ سفید ہو گئی۔

ماہر نے آنکھیں کھولیں۔ وہ روم نمبر ۵۵۵ میں لیٹا تھا۔ اور اسپیکر فون پہ ماہ بینہ مبین ہیلو کہہ رہی تھی۔

''ماہر فرید کا کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ لیکن ایک کوشش کرنا چاہتا تھا۔'' اس کی آواز دھیمی تھی۔

''کیسی کوشش؟'' وہ اس اچانک سی فون کال پہ حیران ہوئی تھی۔

''اگر میں تمہیں کہوں کہ میں جانتا ہوں کہ تمہاری ماں اور بہن پہ جادو کروانے والا سرکار کا کلائنٹ کون ہے.... تو؟''

''کبیرہ تائی ہیں۔ مجھے معلوم ہے۔''

ماہر فرید نے گہری سانس اندر کھینچی۔

''تم کئی برس سے انہی کو اپنا دشمن گردانتی آئی ہو۔ اگر میں کسی اور کا نام لوں تو مان لوگی؟''

''مجھے ثبوت چاہیے ہوگا۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔ ماہر کے لب ''اوہ'' میں سکڑے۔

''یعنی تمہیں میرا اعتبار نہیں ہے؟''

''ہمارے اوپر جادو کروانے والی، میری ماں کی سب سے بڑی دشمن کبیرہ تائی ہی ہیں۔ میں کیسے یقین کرلوں کہ کوئی اور یہ کرسکتا ہے۔ ناممکن۔''

''زیاد... زیاد سلطان۔'' وہ ایک دم بولا۔ ''اگر میں کہوں کہ وہ تمہاری فیملی کا سب سے بڑا دشمن ہے، تب؟''

چند لمحے کے لیے لائن خاموش ہوگئی۔

''پھر سے سگار پینے لگے ہیں؟''

''مذاق نہیں کررہا۔ سچ کہہ رہا ہوں۔ زیاد سلطان سرکار کا کلائنٹ ہے۔''

''ماہر صاحب... میری بات سنیں۔'' اس کی آواز سے چھلکتا غصہ سات سمندر پار بھی اپنی حدت سے سارے کمرے کو دہکا گیا تھا۔ ''آپ نے مالا کو دھوکہ دیا، میں نے اس بات کو جانے دیا، کیونکہ مجھے آپ کی نیت پہ کبھی شک نہیں ہوا تھا۔ آپ کی وجہ سے مالا اور میری لڑائی ہوئی۔ اس بات کو بھی میں نے جانے دیا۔ لیکن اب آپ زیادتی کررہے ہیں۔ آپ اس شخص پہ الزام لگا رہے ہیں جس سے میری بہن شادی کرنے جارہی ہے۔''

غصہ۔ دکھ۔ حیرت۔ اس کے لہجے میں کیا نہیں تھا۔

''میں غلط نہیں ہوں۔ زیاد تمہاری کہانی کا ولن ہے۔'' وہاں صرف ہٹ دھرمی تھی۔

''آپ یہ سب مالا اور زیاد کی شادی روکنے کے لیے کررہے ہیں نا؟''

''مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ وہ اپنی زندگی میں کیا کرتی ہے۔ لیکن اگر وہ اس شخص سے شادی کرتی ہے جو میرے دشمن کا کلائنٹ ہے، تو میرا فرض ہے کہ میں اسے یہ غلطی کرنے سے روکوں۔''

''مالا اپنا خیال خود رکھ سکتی ہے۔ آپ کو میرے یا اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ایک منٹ فون مت رکھنا۔'' وہ واقعی فون رکھنے والی تھی جب وہ تیزی سے بولا۔

''کیا زیاد تمہارے لیے کچھ لاتا ہے؟ کچھ میٹھا؟ ہر دفعہ ایک ہی چیز؟'' وہ سوچ سوچ کے کہہ رہا تھا۔'' چاکلیٹس... یقیناً چاکلیٹس....''

اب کے خاموش ہونے کی باری ماہی کی تھی۔

''آپ کو کیسے معلوم؟'' اسے اچنبھا ہوا۔

''اسی لیے تم اس کا دفاع کر رہی ہو کیونکہ وہ ان چاکلیٹس کے ذریعے تمہاری مخالفت کو پہلے ہی حمایت میں بدل چکا ہے۔ میں مزید کوشش نہیں کروں گا۔ لیکن اگر میں تمہارے پاس ثبوت لے کر آؤں تو مان جاؤ گی؟''

لائن خاموش ہو گئی۔ جیسے وہ خود بھی مخمصے میں پڑ گئی ہو۔

''جب ثبوت ہو گا' تب بات کریں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ تب تک اس کی لائی ہوئی چاکلیٹس مت کھانا۔ ان میں جادو ملا ہوتا ہے۔''

''اُف....'' ماہی نے زور سے بٹن دبا کے کال کاٹی۔

''اس نے تمہارا یقین نہیں کیا؟'' بیربل ابھی ابھی کمرے میں آیا تھا۔ فریج سے ایک کین نکالا اور اس کے سامنے بیٹھا۔

''مجھے معلوم تھا وہ یقین نہیں کرے گی۔ وہ اس کا ہونے والا بہنوئی ہے۔ وہ اس کے مقابلے میں میری کیوں سنے گی؟''

''پھر اسے یہ سب کیوں بتایا؟''

''تا کہ اس کے دل میں شک کا بیج ڈال سکوں۔ اور....'' لاپرواہی سے شانے اچکائے۔'' وہ یہ نہ کہہ سکے کہ میں نے اسے وارن نہیں کیا تھا۔''

اس نے موبائل ایک طرف ڈال دیا۔ بیربل جو کین لبوں تک لے جا رہا تھا' رک کے اسے دیکھنے لگا۔

''بس؟ تم مزید کچھ نہیں کرو گے؟''

''نہیں۔ اب جو کرنا ہے انہوں نے خود کرنا ہے۔'' اس نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھی ایک کتاب اٹھا لی اور بک مارک لگا صفحہ کھولا۔

''وہ لڑکی ایک ٹال' ڈارک اور ناٹ سو ہینڈسم ولن سے شادی کرنے جا رہی ہے۔ تم اس کو بچاؤ گے نہیں؟''

''کوئی انسان کسی کو نہیں بچا سکتا۔ اسے اپنے آپ کو بچانا ہے اور مجھے اپنی بہن کو ڈھونڈنا ہے۔ مالک درست کہتا تھا۔ میرے جذبات درمیان میں نہیں آنے چاہیے تھے۔ ویسے بھی سحرِ عشق کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔'' وہ کتاب کھول کے چہرے کے سامنے کر چکا تھا۔ بیربل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب؟ تم نے خود کہا تھا کہ جادوگر کسی پر بھی سحرِ عشق کروا سکتے ہیں۔''

''ہاں۔ یہ نہیں کہا تھا کہ وہ کامیاب ہوتا ہے۔ بلکہ....'' اس نے پڑھتے ہوئے صفحہ پلٹایا۔ ''سحرِ عشق کا انجام وہ نہیں ہوتا جو تم سوچ رہے ہو۔''

اس کے لب ہل رہے تھے اور نیل زدہ آنکھیں صفحے پہ جمی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دو ماہ بعد۔

وہ ایک سرد اور تاریک کمرہ تھا۔ اس میں کوئی فرنیچر نہ تھا سوائے ایک پلنگ کے۔ مالا اس پلنگ پہ بیٹھی تھی۔ گھٹنے سینے سے لگائے' خوف سے چوکھٹ کو دیکھتی ہوئی۔

چوکھٹ پہ دروازے کی جگہ ایک پردہ لگا تھا۔ پردہ دھیرے دھیرے ہوا سے لہرا رہا تھا۔

اس کی خوفزدہ آنکھیں پردے پہ جمی تھیں۔

دفعتاً پردے کے پیچھے سے ایک ہاتھ نکلا۔ ننھی سا بوڑھا ہاتھ۔ اس نے پردہ مٹھی میں دبایا۔ وہ اس کے سیاہ لمبے ناخن دیکھ سکتی تھی۔ اس نے گھٹنے مزید سینے سے لگائے۔ خود کو اپنے ہی بازوؤں میں لپیٹا۔

ہاتھ اب پردہ سرکا رہا تھا۔ ایک ایک انچ۔ ایک ایک سانس۔

پھر اس نے سر نکال کے اندر جھانکا۔

یہ وہی بچہ تھا۔ وہی منحوس صورت بچہ جس کے کان لمبے' سر بڑا اور گول چہرہ تھا۔ بال غائب اور آنکھوں کی جگہ سیاہ گڑھے تھے۔

وہ اس کو دیکھ کے مسکرایا۔ کھوکھلی آنکھیں چمکنے لگیں۔

ایک چیخ کے ساتھ وہ جاگی۔

وہ اپنے بیڈروم میں تھی۔ بھاری کمبل اوپر ڈالے' نیم گرم کمرے میں' کسی دوسرے کی موجودگی کے بغیر۔

اس نے کمبل اوپر سے ہٹایا۔اپنی گردن کو چھوا۔سارا وجود پسینے میں تر تھا۔

اس کی انگلیاں کپکپا رہی تھیں۔دل زور سے دھڑک رہا تھا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا۔سب کچھ نارمل تھا۔سوائے اس کے۔

اس نے پیر نیچے اتارے اور آگے بڑھ کے بتی روشن کی۔ایک دم سارے میں روشنیاں سی پھیل گئیں۔

کمرے کے ایک کونے میں شاپنگ بیگز کا ڈھیر لگا تھا۔گو کہ وہ سلیقے سے رکھے تھے لیکن بہت جگہ لے رہے تھے۔وہ ننگے پیر چلتی سنگھار میز تک آئی۔اپنا عکس دیکھا۔اس کا چہرہ بے داغ تھا۔سپید اور خوبصورت۔سبز آنکھیں البتہ خوف سے بھری تھیں۔

آئینے کے کونے میں چند اسٹکی نوٹس لگے تھے۔ان پہ کرنے کے کام لکھے تھے۔

چند کاموں کو لائن لگا کے کاٹ دیا گیا تھا۔باقی ویسے ہی تھے۔

نکاح کا جوڑا پک کرنا ہے۔

ویڈنگ رنگ خریدنی ہے۔

اس سے مزید کام نہیں پڑھے گئے۔نظریں نیچے پھسل گئیں۔میز پہ سامنے نکاح کا کارڈ رکھا تھا۔سفید کارڈ پہ سنہری رنگ سے عبارتیں لکھی تھیں۔کارڈ کے اوپری حصے پہ ایک بے بی پھول چسپاں تھا۔ننھا سا پھول۔اس نے انگلیاں پھول پہ پھیریں۔نیچے نکاح کی تاریخ نظر آرہی تھی۔

آج سے ٹھیک دس دن بعد زیاد اور اس کی شادی تھی۔صرف نکاح کا فنکشن ہونا تھا۔اور اسی شام رخصتی۔گزشتہ دو ماہ سے شادی کی تیاریوں کے لیے بازاروں کے چکر لگاتے لگاتے اس کے ذہن نے وہ سب فراموش کر دیا تھا۔

وہ احساس کہ کوئی تعاقب کر رہا ہے۔کوئی اس کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔وہ سب اسے بھول گیا تھا۔

وہ واقعات ہونے بھی ختم ہو گئے تھے۔اب نہ کوئی خون کے چھینٹے تھے۔نہ کھلتے بند ہوتے پانی کے نل۔زندگی سکون میں تھی۔اس نے بوڑھے جادوگر کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔اور یقیناً اس نے بھی مالا کا پیچھا ترک کر دیا ہوگا۔

لیکن آج کچھ نیا ہوا تھا۔

کئی ماہ بعد وہ خواب پھر سے دکھائی دیا تھا۔وہی منحوس بچہ۔Changeling

لیکن وہ اس کے قریب نہیں آرہا تھا۔جیسے فاصلے پہ گھات میں بیٹھا ہو۔کسی شے کا منتظر۔

اپنے عکس کو دیکھتی اس کی نظریں گردن میں جھولتی چین پہ ٹھہر گئیں جن میں سیاہ فاختہ پروئی ہوئی تھی۔اس نے دو

انگلیوں سے فاختہ کو تھاما اور آنکھیں بند کر کے گہری سانس اندر کھینچی۔

پھر جب وہ سانس باہر خارج ہوئی تو اس کا خوف کم ہونے لگا تھا۔

صرف تین سانسیں کشمالہ مبین کو پرسکون کر سکتی تھی۔

چند لمحوں بعد وہ بیڈ پہ بیٹھی' فون کان سے لگائے زیاد کو اپنا خواب سنا رہی تھی۔ زیاد اسے ہمیشہ کہتا تھا کہ اگر اسے دوبارہ برے خواب آنے لگیں تو وہ اس سے شیئر ضرور کرے۔ شاید وہ دونوں مل کے اس کا کوئی مطلب نکال سکیں۔

''یقیناً کبیرہ آنٹی پھر سے شروع ہو گئی ہیں۔'' زیاد نے سنتے ہی تبصرہ کیا۔ ''ہمارے خاندان میں جادو کے لیے وہی مشہور ہیں۔ وہ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کروانا چاہتی تھیں۔ ایسا نہیں ہو سکا۔ اس لیے اب وہ میرا اور آپ کا رشتہ ختم کروانے کے لیے پورا زور لگائیں گی۔ نکاح میں دس دن رہ گئے ہیں۔ ایک دفعہ نکاح ہو جائے تو ان کے جادو نہیں چل سکیں گے۔''

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ زیاد درست کہہ رہا تھا۔ یہ سب کبیرہ تائی کر رہی تھیں۔ اور اگلے دس روز تک کرتی رہیں گی۔ اسے تیار رہنا تھا۔

اس نے ایک نظر کمرے میں رکھے شاپنگ بیگز کو دیکھا۔ سب کچھ پرفیکٹ تھا۔ سوائے... چہرہ موڑ کے بیڈ کی دوسری سائیڈ کو دیکھا جو خالی تھی... سوائے اس ایک کمی کے جواب ابد تک پوری نہیں ہو گی۔ ماں نہیں تھیں۔ لیکن نگینہ آنٹی تو تھیں نا۔ وہ بھی ماں کی طرح پیار تھیں۔ وہ ان کی خدمت کر کے ان میں اپنی ماں ڈھونڈ سکتی تھی۔ وہ اداسی سے مسکرا دی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لاہور کے آسمان پر پھیلی گدلی اسموگ نے مبین منزل کی کھڑکیوں کو دھندلا دیا تھا۔

آنسوؤں سے سجی اسٹوڈیو کی کھڑکی کے اندر شام کی مناسبت سے سفید بتیاں جلی تھیں اور چند نفوس اندر کام کرتے دکھائی دیتے تھے۔ ایک چوکی پہ مالا بیٹھی ایک بڑے سے چوکور فریم پہ سر جھکائے ہوئے تھی جس کے اوپر ایک ریشمی کپڑا کھینچ کے لگایا گیا تھا۔ اس پہ جگہ جگہ سفید آؤٹ لائن سے کچھ پھول بنائے گئے تھے۔ وہ چھوٹا برش انگلیوں میں تھامے' احتیاط سے پھولوں میں رنگ بھر رہی تھی۔

فریم کے اس پار وہی پٹھان بچہ بیٹھا تھا۔ چہرہ ہتھیلیوں میں گرائے' وہ ناخوشی سے ریشم پہ ابھرتے پھولوں کو دیکھ رہا تھا۔ ہر پھول کے آدھے حصے میں سفید رنگ بھرا تھا اور باقی آدھا خالی تھا۔

''یہ اچھے نہیں لگ رہے' مالا باجی۔کوئی مسئلہ ہے۔''

مالا نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرائی۔ ماتھے پہ سبز ریشمی رومال باندھے وہ بالوں کو جوڑے میں لپیٹے ہوئے تھی۔ حسبِ معمول ایک گال پہ پینٹ کا دھبہ تھا اور انگلیاں بھی رنگین ہو رہی تھیں۔

''رنگ سارے مسئلے حل کر سکتے ہیں' طوطی۔''

اس نے دوسرا برش اٹھایا اور سرخ پینٹ میں ڈبو کے پھول کے خالی حصے کو بھرنا شروع کیا۔

اس بچے کا اصل نام نہ جانے کیا تھا لیکن وہ خود کو طوطی خان کہتا تھا۔ اور اس وقت اس کی آنکھیں تحیر سے طوطے کی طرح پھیل گئیں۔

''واہ۔'' سبز ساڑھی کے کپڑے پہ سرخ اور سفید پھول بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔

(سرخ رنگ یاد رہ جانے والا رنگ ہے۔) وہ برش کو پھر سے سرخ رنگ سے رگڑ رہی تھی جب دور کہیں یادوں میں سے ایک آواز ابھری۔ اس کے ہاتھ سست ہوئے۔ لیکن اس نے سر جھٹک دیا۔ اسے اب سر جھٹکنے کی عادت ہو چکی تھی۔

نئی ای میل کی ٹون نے اسے متوجہ کیا تو اس نے برش رکھا اور فون اٹھاتے ہوئے گال پہ آئی لٹ کان کے پیچھے اڑسی۔ سرخ دھبہ کان کے قریب لگ گیا لیکن اسے پرواہ نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں ای میل پڑھتے ہوئے بے یقینی اور خوشی سے چمکنے لگی تھیں۔

''مالا.. تمہیں خالہ بلا رہی ہیں۔کوئی بات کرنی ہے۔'' ماہی نے چوکھٹ میں آ کے دروازہ بجایا تو اس نے خوشی سے تمتماتا چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''مجھے دبئی میں جاب مل گئی ہے۔'' اس کے گال گلابی ہو رہے تھے۔''ایک دوست کے کزن کا ریستوران رینوویٹ ہو رہا ہے۔ میں ایک ماہ بعد جوائن کر سکتی ہوں۔''

''مبارک ہو۔'' ماہی سوچ سوچ کے کہنے لگی۔''لیکن اتنی جلدی؟ ابھی شادی بھی نہیں ہوئی اور جاب؟''

بچہ باری باری دونوں کے چہرے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

''میں شادی اسی لیے کر رہی ہوں تا کہ ایک نئے شہر میں نئی زندگی شروع کر سکوں۔ اور جاب اس زندگی میں میرے لیے بہت ضروری ہے۔ خالہ سے کہو میں آ رہی ہوں۔'' وہ مطمئن تھی۔

نیچے آئی تو ثمر جہاں خالہ لاؤنج میں ہی بیٹھی تھیں۔ وہ حورِ جہاں جیسی ہی دکھتی تھیں۔ سبز آنکھیں۔ سرخ و سفید

رنگت۔ البتہ جسم متوازن تھا۔ موٹاپہ نہیں چڑھا تھا۔ امریکہ میں رہ کے خود کو فٹ اور جوان رکھے ہوئے تھیں۔ باب کٹ بال ہیئر بینڈ سے پیچھے کر رکھے تھے۔

وہ بڑے صوفے کے ایک کنارے پہ بیٹھی تھیں۔ مالا آ کے دوسرے کنارے پہ بیٹھی اور نرمی سے پوچھنے لگی۔

''آپ نے بلایا تھا خالہ؟'' ثمر جہاں نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہ سیاہ ٹراؤزر اور لمبی قمیض پہ ڈھیلا ڈھالا کارڈیگن پہنے' جوڑا بنائے' ماتھے پہ سبز رومال لپیٹے بیٹھی سادگی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ ثمر جہاں دو روز پہلے امریکہ سے آئی تھیں اور جیٹ لیگ کی وجہ سے زیادہ وقت آرام کرتی رہی تھیں۔ کھل کے بات کرنے کا موقع آج ملا تھا۔

''مالا تم اس رشتے سے خوش ہو؟'' انہوں نے الفاظ جوڑے۔ ماہی بھی خاموشی سے سامنے والے صوفے پہ آ کے بیٹھ گئی۔

''ظاہر ہے میں خوش ہوں۔ کیوں؟'' اس نے چونک کے انہیں دیکھا۔ پھر ماہی کو۔

''مالا... بیٹے... میرا نہیں خیال زیاد تمہارے لیے ایک اچھی چوائس ہے.....'' وہ اس کی طرف پہلو موڑ کے بیٹھیں۔ چہرے پہ تفکر تھا۔ ''ان کی فیملی ہم سے بہت مختلف ہے۔ اور یہ نگینہ....'' ان کے لہجے میں ناپسندیدگی ابھر آئی۔ ''وہ مجھے کبھی بھی پسند نہیں رہی۔''

ماہی نے گردن بالکل جھکا دی۔ وہ اس وقت مالا سے کوئی نئی لڑائی افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔

''نگینہ آنٹی بہت اچھی اور نیک خاتون ہیں۔'' اس کو بہت برا لگا۔ ہر لڑکی کی طرح اپنے ہونے والے سسرال کی برائی اسے اپنی برائی لگی تھی۔

''اللہ معاف کرے لیکن لوگ جیسے نظر آتے ہیں' ویسے ہوتے نہیں ہیں۔'' خالہ نے ناک سے مکھی اڑائی۔

''نگینہ آنٹی آپ کو کیوں نہیں پسند؟'' وہ بغور خالہ کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''کیونکہ وہ بہت چالاک عورت ہے۔ ہم ایک زمانے سے اس کو جانتے ہیں۔ وہ تمہاری ماں کو بھی پسند نہیں تھی۔''

''نہیں تو۔ وہ اتنے مہینے سے ہمارے گھر آ جا رہی ہیں۔ ماں نے ہمیشہ ان کو ویلکم کیا ہے۔'' اس کا لہجہ دفاعی تھا۔

''نہیں مالا۔ خالہ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ماں کو پہلے نگینہ آنٹی پسند نہیں تھیں۔ یہ تبدیلی عزہ کی شادی سے آئی ہے۔'' ماہی کھنکھاری۔

عزہ اس کی وہ کزن تھی جس کی شادی اٹینڈ کرنے وہ کیف کے ساتھ اسلام آباد سے لاہور آئی تھی اور پھر لاہور

سے نکل نہیں سکی۔ اسی شادی پہ وہ براہ راست پہلی دفعہ زیاد اور نگینہ آنٹی سے ملی تھی۔ اس سے پہلے ماموں کے ٹیرس سے اس نے براؤنی کھاتے ہوئے ان کو صرف دیکھا تھا۔

ادھر ماہی کہہ رہی تھی۔

''عزہ کی شادی پہ نگینہ آنٹی ایک لمبے عرصے بعد ماں سے ملی تھیں اور انہوں نے سب کے سامنے کبیرہ تائی سے ملنے سے انکار کر دیا۔ اس وجہ سے ماں کا دل ان کی طرف سے نرم ہوا۔ اور پھر ماں برین ٹیومر کی مریضہ تھیں۔ ان کا دماغ ٹھیک سے فیصلے نہیں کر پا رہا تھا۔ ورنہ انہوں نے ڈھکے چھپے الفاظ میں مجھے ہمیشہ یہی بتایا تھا کہ انہیں نگینہ آنٹی نہیں پسند۔''

''مجھے ایسا کچھ یاد نہیں۔'' اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ گفتگو مشکل ہوتی جا رہی تھی۔

"کیونکہ تمہاری ماں کی غیبت کی عادت نہیں تھی۔ اس کو کوئی پسند نہ ہوتا تو اس سے دور ہو جاتی تھی۔ خاموشی سے۔ تمہاری طرح۔'' خالہ نے بغور اسے دیکھا۔ اس کے اعصاب تن گئے تھے۔ اسے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''ویسے نگینہ آنٹی ہیں تو اچھی۔'' ماہی سوچ کے بولی۔ ''ہماری ماؤں کو بہت سے لوگوں سے مسئلے ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ لوگ برے ہوں۔ نگینہ آنٹی نے حور کو اتنا پیار کیا تھا' پھر اسے گھٹی بھی دی۔''

''ہم نگینہ آنٹی کو کیوں ڈسکس کر رہے ہیں؟ میری شادی زیاد سے ہو رہی ہے۔'' اس نے زور دے کر یاد دلایا۔

''زیاد ایک بہت عام سا انسان ہے' بیٹا۔ اس میں کوئی ایسے ہیرے نہیں جڑے کہ تم اس کے بارے میں سوچو بھی۔ اوپر سے اس کے ماں باپ کا عجیب ٹاکسک سا رشتہ ہے۔ شادی سے پہلے ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ مرد کن حالات میں بڑا ہوا ہے۔ ٹاکسک حالات میں بڑے ہونے والے مرد ٹاکسک ہوتے ہیں۔ عباد کو دیکھو۔ اگر آج وہ ماہی کے ساتھ اچھا ہے تو اس لیے کہ اس کے گھر کا ماحول صحت مند تھا۔''

''ہر انسان کے اندر بچپن کا ٹراما ہوتا ہے' خالہ۔ ہم بھی تو بغیر باپ کے بڑے ہوئے ہیں۔ کیا ہم ٹاکسک ہیں؟ شادی کے بعد دو لوگ ایک دوسرے کی محرومیوں کو پورا کرتے ہیں۔ اس کے ماں باپ کی سزا اس کو کیوں دیں؟'' وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

''بیٹے تمہیں زیاد سے اچھا رشتہ مل سکتا ہے۔''

''اچھا ... کون؟'' وہ چونکی۔ پہلی دفعہ اسے خالہ کی بات سمجھ میں آنے لگی۔

انہوں نے گہری سانس لی۔ چند لمحے کا وقفہ کیا۔اب کے ماہی بھی چونکی۔ کچھ تھا جو وہ نہیں جانتی تھی۔

''میرے جیٹھ کا بیٹا ہے۔ فائق۔ عباد کا فرسٹ کزن۔ امریکہ میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ہے۔اس کی ماں نے مجھے تمہارے لیے کہا ہے۔وہ بہت اچھا' بہت قابل لڑکا ہے۔''

''فائق کی تو پچھلے سال ڈائیورس ہوئی ہے خالہ۔'' ماہی بے یقینی سے بولی۔

''ڈائیورس کا کیا ہے۔ ہوتی رہتی ہیں۔مرد پہ کوئی دھبہ تھوڑی لگ جاتا ہے۔'' خالہ نے اسے گھورا۔

وہ اپنی جگہ بالکل شل ہوگئی۔ خالہ اس کو زیاد کے مقابلے میں ایک طلاق شدہ آدمی کا رشتہ قبول کرنے کے لیے کہہ رہی تھیں؟وہ بھی اس کی شادی سے دس دن پہلے؟

''طلاق کو لوگوں نے taboo بنالیا ہے۔ایسی بری چیز نہیں ہوتی طلاق۔ ٹاکسک رشتے میں رہنے سے بہتر ہے بندہ طلاق لے کر الگ ہوجائے۔اور فائق کی بیوی ہی کوئی سائیکو تھی۔ شکر ہے اس نے جان چھڑالی۔وہ ہر لحاظ سے زیادہ بہتر ہے۔تم اس سے بات کر کے تو دیکھو۔'' خالہ اسے پھر سے سمجھانے لگیں۔

اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے۔ بہت کچھ اندر ایک دم سے ابلنے لگا تھا۔لیکن پھر... اس نے کچھ نہیں کہا۔بس ایک گہری سانس ناک کے اندر کھینچی اور لبوں سے خارج کر دی۔ سینے میں ابلتا لاوا ٹھنڈا ہوگیا۔

''میں جانتی ہوں کہ آپ میری بھلائی چاہتی ہیں خالہ۔'' اس نے نرمی سے ان کے ہاتھ تھامے۔'' آپ سے پہلے مجھے کئی کزنز نے بھی یہی کہا ہے۔ کہ زیاد اور میرا جوڑ نہیں ہے۔لیکن میرے نزدیک وہ ایک اچھا انسان ہے۔پھر شادی ایسا جوا ہے جسے میں اپنی مرضی سے کھیلنا چاہتی ہوں۔اگر زیاد ایک غلطی ہے تو یہ میری غلطی ہونی چاہیے۔کسی انسان کی گارنٹی نہیں ہوتی۔کوئی شادی کے بعد کچھ بھی نکل سکتا ہے۔''

''زندگی اتنی قیمتی ہے کہ اس میں تجربے نہیں کرنے چاہئیں'مالا۔'' خالہ نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''میں نہیں سمجھتی کہ میں غلطی کر رہی ہوں۔ لیکن اگر آپ کو لگتا ہے کہ یہ ایک غلطی ہے تو کم از کم یہ میری غلطی ہوگی۔'' اس نے اسی نرمی سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے علیحدہ کرلیا۔اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ خالہ یاسیت سے اسے دیکھے گئیں۔

''ماں نگینہ آنٹی کو کیوں پسند نہیں کرتی تھیں؟'' مالا کے جانے کے بعد ماہی سوچ میں گم بولی۔

'' کیونکہ تمہاری ماں اللہ کا بہت ذکر کرتی تھی۔اور جو بہت ذکر کرنے والے لوگ ہوتے ہیں نا'انہیں اشارے مل جاتے ہیں۔انگریزی میں جسے تم vibes کہتی ہو۔'' پھر کچھ یاد آنے پہ خفگی سے ماہی کو گھورا۔

''اور تم نے بھی پکڑ کے اسی عورت سے بیٹی کو گھٹی دلوا دی۔''

''وہ... انہوں نے خود کہا تھا۔'' وہ گڑبڑا کے کھڑی ہوئی۔

حور کا فیڈر لینے وہ کچن تک آئی تو دیکھا' کاؤنٹر پہ زیادکی لائی چاکلیٹس کا ایک باکس ادھ کھلا رکھا تھا۔ ذہن میں ماہر کا کہا فقرہ گونجا لیکن اس نے سر جھٹکا اور ایک چاکلیٹ نکال کے ریپر اتارنے لگی۔

''خوامخواہ جیلس ہے وہ۔ ہونہہ۔'' ریپر ڈسٹ بن میں اچھالا اور چاکلیٹ منہ میں رکھتی وہ آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''کیف'' کی بالائی منزل پہ بنے آفس کیبن اس صبح خالی تھے کیونکہ سارا عملہ لفٹ کے سامنے ہجوم کی صورت کھڑا تھا۔ اشتیاق بھری نظریں دھاتی دروازوں پہ جمی تھیں۔ اسی لمحے لفٹ کی گھنٹی بجی۔ دروازے الگ ہوئے اور ماہر فرید نظر آیا۔

سیاہ سوٹ کے اندر سفید شرٹ پہنے' گیلے بال پیچھے کو جمائے' وہ ویسا ہی تھا۔ سوائے رخسار پہ لگے زخم کے نشان کے۔ یا پھر کہنی کے ساتھ لگی بیساکھیوں کے۔

''خوش آمدید ماہر بے۔'' پرجوش استقبال۔ آفس واپسی کی مبارک۔ صحت یابی کی دعائیں۔ ایک ساتھ بہت کچھ اس کی طرف آیا۔ ماہر نے بدقت مسکرا کے سر کو خم دیا۔ پھر نگاہ میں کچھ اٹکا۔ مین ہال کی دیوار کے ساتھ پھولوں کی سجاوٹ کی گئی تھی۔ ساتھ ہی کچھ سویٹس رکھی تھیں۔

''یہ سب کس نے کیا ہے؟'' اس نے شبنم کی طرف دیکھا جو سب سے آگے تھی۔ مسکرا کے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

''میں نے۔''

''گڈ۔ یہ فضول خرچی تمہاری تنخواہ سے کٹے گی۔'' ایک برہم نظر اس پہ ڈال کے وہ بیساکھی کے سہارے آگے بڑھا۔

''اور آپ سب اپنی نشستوں پہ جائیں۔ آپ کو کمپنی اس وقت کے لیے پے کرتی ہے۔''

وہ سب مسکراہٹیں دبائے ادھر ادھر بکھر گئے۔ درمیان میں راستہ چھوڑ دیا۔ وہ آگے بڑھا اور شبنم مسکرا کے اسے آفس تک جاتے دیکھتی رہی۔ جب وہ اندر چلا گیا تو وہ اسٹاف کی طرف پلٹی اور ہتھیلی پھیلائی۔

''میں شرط جیت گئی۔ ماہر بے کو ایکسیڈنٹ بھی مشین سے انسان نہیں بنا سکا۔ میرے پیسے!'' مسکرا کے آنکھیں گھمائیں۔ اور بہت سے ہاتھ بے اختیار جیبوں کی طرف بڑھ گئے۔

وہ آفس میں داخل ہوا تو زارا پہلے سے اندر موجود تھی۔ وزیٹرز چیئر پہ بیٹھی وہ اسی کی منتظر تھی۔

''کیا تمہیں اتنی جلدی آفس جوائن کرنا چاہیے تھا؟'' وہ خفگی سے کہتی کھڑی ہوئی۔ ماہر نے جواب نہیں دیا۔ وہ بیساکھی سے لنگڑا کے چلتا کنسول ٹیبل تک آیا جو کہ کھڑکی کے قریب تھی۔ کھڑکی میں رکھا کیکٹس کا پودا سوکھ سڑ چکا تھا۔ ماہر نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ سر جھکائے دراز کھول رہا تھا۔ بیساکھی پہ گرفت ڈھیلی ہوئی تو وہ پھسل کے نیچے جا گری۔

''مجھے میرا جواب مل گیا ہے۔'' وہ قریب آئی اور جھک کے بیساکھی اٹھائی۔ پھر سیدھے ہوتے ہوئے ناراضی سے اسی دیکھا۔

''تم ورک فرام ہوم بھی کر سکتے تھے۔ میں تمہیں ہر چیز گھر پہ مہیا کر دیتی۔''

''اور ڈوپامین؟ اس کا کیا؟'' وہ مسکرا کے دراز سے لائٹر نکال رہا تھا۔ زارا اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''جو ڈوماپین رش مجھے چاہیے وہ گھر بیٹھے نہیں مل سکتا۔'' اس نے لائٹر جلایا اور قطار میں رکھی کینڈلز میں سے ایک کا ڈھکن اٹھایا۔ صندل وڈ۔

''(ڈوماپین انسانی دماغ میں پیدا ہونے والا ایک کیمیکل ہے جو انسان کو اچھا محسوس کرواتا ہے۔ اور اپنے پسندیدہ کاموں کے درمیان میں ریلیز ہوتا ہے۔)

لائٹر کے شعلے نے موم بتی کے دھاگے کو چھوا اور اس نے آگ پکڑ لی۔ پل بھر میں موم پگھلنے لگی۔

''تم ہمارے بارے میں سوچتے ہو کبھی؟''

وہ میز تک آ رہا تھا جب زارا دھیرے سے بولی۔ وہ چونکا۔ بیساکھیاں کوٹ اسٹینڈ کے ساتھ رکھیں (ایک پھر سے پھسل گئی) اور نا سمجھی سے اسے دیکھا۔

وہ ابھی تک دور کنسول ٹیبل کے ساتھ کھڑی تھی۔ بل دار بال دونوں شانوں پہ گر رہے تھے۔ براق سفید مڈی ڈریس میں ملبوس، گریبان پہ جھولتی سنہری زنجیریں، ناخنوں پر فیروزی نیل پالش اور سفید لانگ بوٹس پہنے، وہ بظاہر ہمیشہ جیسی ہی تھی لیکن کچھ تھا جو بدلا ہوا لگتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ملال تھا۔ یا شاید گلہ۔ وہ فیصلہ نہیں کر سکا۔

''کیا مطلب؟''

''کبھی تم ہمارے بارے میں سوچتے ہو، ماہر؟'' وہ قدم قدم چلتی آگے آ رہی تھی۔ صندل وڈ کی خوشبو موم کی قید سے آزاد ہو کے سارے میں پھیلنے لگی۔ وہ ٹیک لگائے، آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے غور سے اسے دیکھے گیا۔

''میں جولندن سے آئی ہوں اس کمپنی کے لیے۔ اور یہ لوگ جو (دروازے کی طرف اشارہ کیا) دن رات اس کمپنی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ اگر کیف ڈوبا تو ہم سب کے کیریئرز کا کیا بنے گا؟''

''تم کافی دن سے مجھے اپ سیٹ لگ رہی ہو۔ کیا ہوا ہے؟'' وہ قدرے حیران تھا۔

''کیونکہ تم اس کمپنی کو وقت نہیں دے رہے۔''

''وقت دینے ہی آفس آیا ہوں۔ اور...'' وہ متعجب ہوا۔ ''ابھی تم کہہ رہی تھیں مجھے گھر پہ ہونا چاہیے تھا۔''

''تم کیف پہ کام کرنے آفس نہیں آئے۔ مجھ سے یہ پوچھنے آئے ہو کہ مجھے زیاد سلطان کی بینک اسٹیٹمنٹ میں کیا ملا؟''

وہ میز کے کناروں پہ ہاتھ رکھے کھڑی بہت بے بسی بھری برہمی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے ''اوہ'' کہہ کے ایک گہری سانس خارج کی۔

''کیا ملا؟'' مسکرا کے سامنے رکھا لیپ ٹاپ کھولا۔ دوسرا ہاتھ بڑھا کے ڈیسک ٹاپ آن کیا۔ بیک وقت بہت سی اسکرینز جل اٹھیں۔

''تمہیں اپنے اس جنون کے علاوہ کسی کی فکر نہیں ہے، ماہر۔''

''وہ جنون نہیں ہے۔ وہ میری بہن ہے۔'' وہ ایک دم درشتی سے بولا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی اور ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''وہ بہن جو مر چکی ہے۔ اس کی تلاش میں ہم سب تمہارے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ رہی زارا تو زارا کا کیا۔ زارا اسی چیز میں تو اچھی ہے۔ ایک کال کرو اور زارا کام کر دے گی۔ فلاں کا پتہ کرواؤ۔ فلاں کی بینک اسٹیٹمنٹ نکلواؤ۔'' اس کی آواز بھیگنے لگی۔

''تمہیں آلہ کار بننے سے منع کر دینا چاہیے تھا۔ میں کسی اور سے کہہ دیتا۔'' وہ بے نیازی سے اب کی بورڈ پہ انگلیاں چلا رہا تھا۔ اسکرین کی نیلی روشنی اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔

''بابا ٹھیک کہتے ہیں۔ تمہیں میری پرواہ نہیں ہے۔''

''زارا کیوں صبح صبح مجھ سے لڑ رہی ہو؟'' اس نے کراہ کے اسکرین فولڈ کی۔ پھر بے بسی سے اسے دیکھا۔ سر میں درد ہونے لگا تھا۔

''تم میں اور کبیرہ سادان میں کوئی فرق نہیں ہے۔'' وہ افسوس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

ماہر فرید کے چہرے پہ ناگواری بکھری۔ جیسے کچھ کڑوا مشروب پی لیا ہو۔

''مجھے اس سے کیوں ملا رہی ہو؟''

"کیونکہ اسی سے سب شروع ہوا تھا۔ تم نے اس کے بارے میں مجھے معلومات لینے کے لیے کہا۔ اور میں نے تمہاری مدد کر کے تمہیں مزید اس جنون کی دلدل میں دھکیل دیا۔ اسی کی وجہ سے تم بار بار لاہور جاتے ہو۔ اور تمہارے ساتھ یہ سب (بیساکھی کی طرف اشارہ کیا) ہو رہا ہے۔''

''زارینہ فرید....'' اس نے آنکھیں بند کر کے کنپٹیوں کو سہلایا۔ ''میں کبیرہ کے لیے لاہور نہیں جاتا۔ میں اس کے بارے میں صرف اس لیے جاننا چاہتا تھا تا کہ دیکھ سکوں کہ اس کے اور میرے خاندان کے درمیان کوئی مشترک کڑی ہے یا نہیں۔ اور یقین کرو ہمارے درمیان کچھ مشترک نہیں ہے۔ میں اپنے جس دشمن کو ڈھونڈ رہا تھا' اس کا کبیرہ سے تعلق نہیں ہے۔''

''جھوٹ مت بولو۔ تم میں اور اس عورت میں بہت کچھ مشترک ہے۔ لیکن خیر... مجھے کیا۔'' اس نے میز پہ رکھے کاغذات کا ایک پلندہ اس کی طرف دھکیلا۔

''زیاد سلطان کی بینک اسٹیٹمنٹس۔ مت پوچھنا کہ مجھے کیسے ملیں۔ بہت وقت لگا۔ لیکن مل گئیں۔'' لہجہ جتاتا ہوا تھا۔ ''اور ان میں ایسا کچھ نہیں ہے جو مشکوک ہو۔ وہ کسی کو ایک مخصوص رقم نہیں بھیجتا۔ بلکہ وہ زیادہ پیسے خرچ نہیں کرتا۔ کنجوس ہے۔''

ماہر نے تیزی سے پلندہ اٹھایا اور نگاہ پہلے صفحے پہ دوڑائی۔

''کوئی بڑی رقم جو اس نے نکلوائی ہو؟'' وہ صفحات پلٹا رہا تھا۔ زارا نے افسوس سے اسے دیکھا۔

''کہا نا۔ کنجوس ہے۔ زیادہ پیسے خرچ نہیں کرتا۔''

''یہ ایک اکاؤنٹ سے اسے ہر ماہ ایک بڑی رقم بھیجی جا رہی ہے۔'' اس نے پین سے ایک جگہ اشارہ کیا۔

''یہ اس کی ماں کا اکاؤنٹ ہے۔ ماماز بوائے۔ ابھی تک اپنی ماں سے خرچ لیتا ہے۔'' زارا نے کندھے اچکائے۔ وہ ابھی تک خفا خفا سی تھی لیکن وہ جیسے اسٹیٹمنٹ کی طرف متوجہ تھا۔

''بہت پیسہ ہے اس کی ماں کے پاس۔'' وہ بڑبڑایا۔ یونہی چہرہ اٹھا کے کچھ سوچنے لگا۔ نگاہیں کنسول ٹیبل پہ جلتی صندل وڈ کی موم بتی پہ جمی تھیں۔

''کیا ہوا؟''

''اس کی ماں.....''اس نے یاد کرنے کی کوشش کی۔''اس کی ماں سے میں ملا تھا۔کب؟''

اور اگلے ہی لمحے اسے یاد آیا۔وہ باہر لان میں تھا۔وہ دن جب وہ کشمالہ مبین کی نوکری چھوڑ رہا تھا۔وہ اسے کھڑکی سے اندر بیٹھی دکھائی دی تھیں۔سفید دوپٹے والی باوقار سی عورت۔دونوں کی نگاہیں ملیں۔پھر انہوں نے اسے بلایا تھا۔کیوں؟ کچھ منگوایا تھا انہوں نے۔ہاں۔اسے یاد آیا۔جائے نماز۔وہ جائے نماز لے کر اندر آیا۔انہوں نے شکریہ کہا۔اس نے جائے نماز ساتھ رکھی۔اور واپس مڑا۔انہوں نے اسی وقت جائے نماز اٹھائی۔ان کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ٹکرایا تھا۔ہلکا سا لمس۔جیسے راہ چلتے بہت سے لوگوں کے ہاتھ ٹکرا جاتے ہیں۔اور وہ باہر نکل آیا تھا۔وہ زیاداور مالا کے رشتے کی بات کر رہی تھیں۔اور اس کے دل پہ جیسے گھونسا سا لگا تھا۔اسے وہ گھونسا ابھی تک یاد تھا۔جیسے کوئی جسمانی تکلیف ہو۔اسی رات وہ اپارٹمنٹ جا کے شدید بخار میں مبتلا ہو گیا تھا۔

''اس کی ماں کے پاس زمینوں سے ٹھیکوں کی آمدنی آتی ہے۔کہو تو اس کو چیک کروں؟''وہ قدرے طنز سے بولی۔ماہر فرید نے سر جھٹکا۔

''اونہوں۔اس کی ماں بے ضرر سی گھریلو عورت ہے۔رہنے دو۔''وہ اسٹیٹمنٹ کے صفحے پلٹا رہا تھا۔اسے جیسے شدید مایوسی ہوئی تھی۔

''آخر زیاد کیسے سرکاری فیس ادا کرتا ہوگا؟ کوئی حساب ہونا چاہیے تھا'نمبرز کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔شاید وہ کسی اور صورت میں پے منٹ کرتا ہو۔''وہ خود سے بڑبڑا رہا تھا۔سر اٹھایا تو دیکھا'وہ ابھی تک خفا نظر آ رہی تھی۔ماہر کی پیشانی کے بل ڈھیلے ہوئے۔

''زارا....''وہ نرمی سے گویا ہوا۔''میں نے تمہیں کبھی اس شہر میں آنے کے لیے مجبور نہیں کیا تھا۔تم جب بھی واپس جانا چاہو جا سکتی ہو۔میں اتنا خودغرض نہیں ہوں کہ اپنی نئی کمپنی کی وجہ سے تمہارے کیریئر کے اہم سال ضائع کرواؤں۔میں تمہیں نہیں روکوں گا۔میں کسی کو بھی نہیں روکا کرتا۔''

''اور یہی تمہارا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔تم کسی کو نہیں روکتے۔اور اسی وجہ سے ایک دن تم اکیلے رہ جاؤ گے۔''

وہ جیسے ایک دم پھٹ پڑی۔پھر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

کاغذ اس کے ہاتھ میں رہ گئے۔وہ جہاں بیٹھا تھا'وہیں سن ہو گیا۔

زارا کی چند لمحے پہلے کہی بات نے ایک دم اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔

وہ درست کہہ رہی تھی۔اسے پہلے کیوں اندازہ نہیں ہوا؟

اس نے کاغذات کا پلندہ پرے کیا اور تیزی سے انٹر کام کا ریسور اٹھایا۔

''شبنم... مجھے ایک کیئر ٹیکر چاہیے۔ پروفیشنل نرس۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اس صبح اپنے کمرے سے نکلنے سے پہلے کشمالہ مبین نے مسکرا کے آئینے پہ چسپاں فہرست کی ایک سطر کاٹی تھی۔

ویڈنگ رنگ کی خریداری۔

جیولرز کی سفید محل جیسی عمارت سڑک پہ دور سے ممتاز دکھائی دے رہی تھی۔ سامنے پارکنگ لاٹ تھا جس کے اندر کار کھڑی کر کے وہ چند منٹ سے داخلی دروازے کے باہر کھڑی تھی۔ بار بار کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتی۔ دھند اور سردی بڑھ گئی تھی۔ وہ سادہ سبز لباس پہ بھوری لیدر جیکٹ پہنے کھڑی' ہاتھوں کو آپس میں رگڑ رہی تھی۔ قمیض کے گریبان پہ فاختہ والا لاکٹ جگمگا رہا تھا۔ کھلے بال ٹھنڈی ہوا سے پیچھے کو اڑ رہے تھے اور متلاشی نظریں پارکنگ لاٹ پہ جمی تھیں۔

تب ہی وہ اسے نظر آیا۔ چہرے پہ مسکراہٹ در آئی۔

''میں لیٹ ہوگیا۔'' زیاد سلطان مسکراتے ہوئے اس کی طرف آرہا تھا۔ خالہ کی باتیں اور سارے خدشے ہوا ہونے لگے۔

''نہیں۔ مجھے جلدی پہنچنے کی عادت ہے۔'' کہتے ہوئے لبوں سے دھواں سا نکلا۔

''ویڈنگ رنگ آپ اپنی پسند سے بھی لے سکتے تھے۔''

وہ دونوں عمارت میں ساتھ ساتھ داخل ہوئے۔

''آپ کا تحفہ۔ آپ کی پسند۔'' وہ مسکرا کے بولا۔ ٹرٹل نیک سوئیٹر کے اوپر اس نے کوٹ پہن رکھا تھا جو سامنے سے کھلا تھا۔ وہ اسے آج بھی ہمیشہ کی طرح اچھا ہی لگا تھا۔

''آپ کے بال بہت خوبصورت ہیں۔'' آگے بڑھتے ہوئے اس نے چہرہ اس کی طرف جھکا کے دھیرے سے کہا۔ ''لیکن مجھے زیادہ خوبصورت تب لگتے ہیں جب آپ اونچی پونی بناتی ہیں۔''

وہ ہلکا سا ہنس دی۔ ''وہ تو محض کام کرتے ہوئے بناتی ہوں۔ ورنہ مجھے اونچی پونی نہیں پسند۔''

جیولرز کی عمارت اندر سے روشنیوں سے منور تھی۔ ٹائلز سے سجی دیواریں' سیاہ اور سنہرے رنگ کے امتزاج کا ڈیکور' باوردی سیلز مین' عود کی خوشبو۔ ہر شے اعصاب پہ رعب طاری کرتی تھی۔

''ہیلو کشمالہ میم۔''

''میم بہت عرصے بعد آئیں۔''

اسے ہر طرف سے سلام کیا جا رہا تھا۔ بوڑھا چوکیدار' ویلکم ڈیسک پہ بیٹھی لڑکی' سیلز مین' سب کے سر جھکا کے استقبال کرنے کے انداز میں شناسائی تھی۔ وہ مسکرا کے سب کو سر کے خم سے جواب دے رہی تھی۔

زیاد سامنے ہال کی طرف بڑھنے لگا جہاں طویل شوکیسز بنے تھے لیکن اس نے روک دیا۔

''یہ گولڈ سیکشن ہے۔ ہم اوپر ڈائمنڈ سیکشن میں جائیں گے۔'' وہ مسکرا کے لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔ زیاد کی مسکراہٹ قدرے پھیکی ہوئی۔ البتہ سر ہلا دیا اور اس کے پیچھے ہولیا۔

''آپ ان کی پرانی کلائنٹ ہیں غالباً۔'' گردن گھما کے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے وہ سرسری سا بولا۔ جیسے بالکل بھی متاثر نہ ہوا ہو۔

''کہتے ہیں کسی کے خاندانی ہونے کا پتہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا ملازم اور اس کا جیولر کتنا پرانا ہے۔'' کشمالہ مبین نے مسکرا کے کندھے اچکا دیے۔ لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ اسی اعتماد سے آگے بڑھ گئی۔ اسے معلوم تھا اسے کہاں جانا ہے۔ وہ اس کے چہرے پہ پھیلا غیر آرام دہ سا تاثر نہیں دیکھ سکی تھی۔

بالائی منزل سلور اور نیلے رنگ سے سجی تھی۔ یہاں ہر طرف ہیرے کے زیورات شوکیسز میں دکھائی دے رہے تھے۔ ہال کے وسط میں نیلے مخملیں صوفوں سے بنا ایک سٹنگ ایریا تھا۔ وہ دوسرے کسٹمرز کی طرح شوکیسز کی طرف نہیں گئی۔ سیدھا سٹنگ ایریا تک آئی اور ایک صوفے پہ بیٹھ کے ٹانگ پہ ٹانگ جما لی۔

شوکیسز کے پیچھے ایک سینئر جیولر ایک کسٹمر کو کچھ دکھا رہے تھے۔ اس پہ نظر پڑی تو مسکرائے۔ سر کو خم دیا۔ پھر اپنے کسٹمر کو دوسرے جیولر کے حوالے کر کے شائستگی سے معذرت کرتے ہوئے وہاں سے اٹھ آئے۔

''کشمالہ جی۔ کیسی ہیں آپ؟''

وہ ان کے سامنے والے صوفے پہ آ بیٹھے۔ وہ پرسکون نظر آ رہی تھی۔ البتہ زیاد قدرے تکلف سے بیٹھا تھا۔ نگاہیں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''آپ کی والدہ کا بہت افسوس ہوا۔'' جیولر اس سے تعزیت کر رہے تھے۔ مالا نے تھوڑی قدرے جھکا دی۔ اس ذکر سے ملنے والی تکلیف کبھی پرانی نہیں ہو سکتی تھی۔

''بہت نیک خاتون تھیں۔ بہت اچھی۔ جب بھی آپ کے ساتھ آئیں' ایک خوشگوار تاثر چھوڑ کے گئیں۔ ان کی

موت پہ ایک دنیا روئی ہوگی۔''

زیاد سلطان کے چہرے پر سے سایہ سا گزرا۔ اس نے ٹائی ڈھیلی کرنے کے لیے گردن کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن احساس ہوا کہ بنا ٹائی کے ہی گھٹن محسوس ہو رہی ہے۔

''آپ اپنے ڈائمنڈز یہیں سے خریدتی ہیں؟'' اس نے مداخلت کی۔ وہ جو تعزیت کے جواب میں ماں کے لیے کچھ کہنے والی تھی' زیاد کو دیکھ کے جواب دینے لگی۔

''جی۔ کیونکہ ڈائمنڈ جیولری ایک اچھی انویسٹمنٹ ہوتی ہے اگر جیولر اچھا ہو۔ یہی ڈائمنڈز امریکہ اور کینیڈا سے آدھی قیمت پہ سیل میں بھی مل جاتے ہیں لیکن میں ان کو بیچ نہیں سکتی۔ اس کے برعکس' لاہور کے تمام بڑے جیولرز ڈائمنڈ جیولری ایک سال بعد اسی قیمت پہ واپس لے لیتے ہیں یا ہم اس کی جگہ کچھ اور خرید سکتے ہیں۔ جب دل بھر گیا تو واپس کر کے کچھ اور لے لیا۔''

''امریکہ کینیڈا کے سیل والے ڈائمنڈز کا ذکر نہ ہی کریں۔'' سوٹ میں ملبوس سینئر جیولر نے منہ بنایا۔'' ان کو اس کے نیچے رکھو (ایک عدسہ اٹھا کے لہرایا) تو دوبارہ دیکھنے کا جی نہیں کرتا۔ خیر... کیا دیکھنا چاہیں گی آپ؟''

نگاہیں گھما کے باری باری دونوں کو دیکھا۔ ایک تمکنت سے بیٹھی سبز آنکھوں والی لڑکی جس کے لمبے بال چہرے کے دونوں اطراف میں گر رہے تھے' اور ساتھ غیر آرام دہ سا بیٹھا بے کشش چہرے والا نوجوان۔

''ویڈنگ رنگ۔'' وہ کھنکھارا۔ ایک ملازم ان کے سامنے بھاپ اڑاتے کافی کپ رکھ رہا تھا۔ کشمالہ نے شائستگی سے معذرت کر لی۔

''میں باہر کسی کو کافی کا کہہ آئی ہوں۔ تھینکس۔''

''ون کیرٹ؟ ٹو کیرٹ؟'' جیولر کی بظاہر مسکراتی لیکن اندر تک ایکس رے کرتی نظریں زیاد سلطان پہ جمی تھیں۔

''جو بہترین ہو۔'' زیاد نے جواباً مسکرا کے مالا کی طرف دیکھا۔ اس کا اعتماد بحال ہو رہا تھا۔

''بہترین۔ او کے۔''

تھوڑی دیر بعد نیلے مخمل کے ڈبلے کیس ان کے سامنے میز پہ رکھے تھے جن میں درجنوں انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔ چھت پہ نصب روشنیوں نے ہیروں کی چمک کو کئی گنا بڑھا دیا تھا۔ زیاد نے دیکھا' مالا کے ہاتھوں میں پہلے سے چار انگوٹھیاں' کانوں میں ڈائمنڈ ٹاپس اور کلائی میں ہیروں سے جگمگاتا نازک سا بریسلیٹ موجود تھا۔ ان سب

کی چمک اسے مزید غیر آرام دہ کر رہی تھی۔

"ویڈنگ رنگ صرف ایک solitaire کی ہونی چاہیے۔ اس کیس میں صرف سولیٹئرز ہیں۔ اور یہ آپ کو پسند آئے گا۔"

جیولر نے ایک انگوٹھی اٹھائی اور اس کی طرف بڑھائی۔

"ون کیرٹ۔ بلیو ڈائمنڈ۔ یہ ابھی حال ہی میں امپورٹ میں آیا ہے۔"

ان دونوں کی نگاہیں اس کی طرف بلند ہوئیں۔ وہ ایک نیلی چمک والا چوکور solitaire تھا جو انگوٹھی میں مرصع تھا۔

"بہت خوبصورت۔" وہ زیرِ لب بڑبڑائی۔

"کیا قیمت ہوگی اس کی؟" زیاد انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ کے لیے..." جیولر نے کیلکولیٹر اٹھایا۔ چند کیز دبائیں۔ پھر سر اٹھا کے عام سے انداز میں بولا۔

"گیارہ لاکھ۔ اور یہ تھرٹی پرسنٹ ڈسکاؤنٹ کے بعد کی قیمت ہے۔"

زیاد سلطان کے ابرو استعجاب سے اٹھ گئے۔ البتہ وہ ہلکا سا ہنس دی۔

"یہ بہترین ہے، تنویر بھائی۔ لیکن مجھے بہترین نہیں چاہیے۔ ایسی انگوٹھی کی توقع میں اپنے فیانسی سے نہیں کرتی۔ اپنی کمائی سے کرتی ہوں۔ اب آپ مجھے وہ دکھائیں جو مجھے پسند آئے گا۔"

جیولر مسکرا کے اب اس کو کچھ دوسری انگوٹھیاں دکھا رہا تھا۔ گاہے بگاہے کنکھیوں سے وہ زیاد کو بھی دیکھ لیتا جو ہنوز اسی چوکور ہیرے والی انگوٹھی کو دیکھ رہا تھا۔

"وہ بہترین تھی۔" زیاد سرگوشی میں بولا۔

"نہیں۔ وہ بہت مہنگی ہے۔ گیارہ لاکھ میں ہم ہنی مون ٹرپ پلان کر سکتے ہیں۔"

مالا نے ایک انگوٹھی ڈسپلے کیس سے نکالی اور انگلی میں پہن کے ہاتھ اونچا اٹھا کے دیکھا۔

اس کے وسط میں ایک سادہ سفید موتی لگا تھا۔ اور دائیں بائیں دو ننھے ننھے ہیرے۔

"یہ کیسی ہے؟" وہ قدرے پرجوش سی ہوئی۔

"یہ تو موتی ہے۔"

"مجھے دکھاوے کے لیے ایک کیرٹ نہیں لینا۔ وہ لینا ہے جو منفرد اور خوبصورت ہو۔ آرٹسٹک ہو۔ ایسا ڈیزائن جو

گفتگو کرتا ہو۔"

"نہیں۔ امی کو اچھا نہیں لگے گا اگر میں آپ کو موتی کی رنگ دوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا اور جیولر کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ خاموش ہو گئی۔

"میں امی کے ساتھ دوبارہ آؤں گا اور ہم وہی بہترین والا ون کیرٹ خریدیں گے۔"

جیولر نے مسکرا کے سر کو اثبات میں ہلایا۔

"ویسے آپ کے ڈائمنڈز اصلی ہوتے ہیں نا؟ یو نو ... پاکستان میں کسی چیز کا بھروسہ نہیں ہوتا۔"

وہ جو موتی والی انگوٹھی واپس رکھ رہی تھی، چونک کے اسے دیکھنے لگی۔ اس کی ٹون میں ہلکا سا طنز تھا۔

"ڈونٹ وری۔ آپ کو ڈائمنڈ کا GIA سرٹیفکیٹ ساتھ ملے گا۔ یوں سمجھ لیں کہ ہر ڈائمنڈ کے اوپر لیزر کی مدد سے اس کا نمبر لکھا ہوتا ہے۔ آپ اس ڈائمنڈ کو دنیا میں کہیں بھی لے جا کے چیک کروا سکتے ہیں۔"

زیاد سلطان نے ہلکے سے شانے اچکا دیے۔ کہا کچھ نہیں۔ کچھ تھا جو کشمالہ مبین کو غیر آرام دہ کرنے لگا۔

"وہ بہت مہنگی ہے زیاد۔"

"شادی ایک ہی دفعہ ہوتی ہے اور شادی کا تحفہ ایک ہی دفعہ دیا جاتا ہے۔" وہ دونوں لفٹ کی طرف جا رہے تھے اور ان کی سرگوشیاں جیولر صاحب یہاں سے سن سکتے تھے۔ جونیئر جیولر اب ڈسپلے باکسز اٹھا رہا تھا۔ دفعتاً ٹھہر کے کہنے لگا۔

"سر اس چوکور ڈائمنڈ کا مسز عبدالباری بھی پوچھ رہی تھیں۔ ان کو کیا کہوں؟"

"یہی کہ دستیاب ہے۔" وہ ان کو لفٹ کے اندر جاتے دیکھ رہے تھے۔

"لیکن زیاد صاحب اسے خریدنے کا کہہ رہے تھے۔"

"بیٹے..." انہوں نے اس کے کندھے کو ہلکا سا تھپکا۔ "ڈائمنڈ خریدنے والے ڈائمنڈ خرید کے ہی جاتے ہیں۔"

وہ دونوں باہر نکلے تو آسمان پہ ہلکی سی دھوپ نکلی تھی۔ دھند قدرے کم محسوس ہو رہی تھی۔

"ہم امی کو شادی کی شاپنگ میں شامل نہیں کر سکے۔ اس لیے سوچا کہ انگوٹھی انہی کے ساتھ خرید لوں۔" وہ پارکنگ ایریا کی طرف جاتے ہوئے وضاحت کر رہا تھا۔

"شیور۔ جیسے آپ کو بہتر لگے۔ کیسی طبیعت ہے ان کی؟"

زیاد نے گردن جھکا دی۔ "وہ ٹھیک نہیں ہیں۔" گھٹن پھر سے بڑھنے لگی تھی۔

''میں بہت دعا کرتی ہوں ان کے لیے۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔ وہ جواباً کچھ کہنے لگا جب....

''مالا باجی۔''

زیاد سلطان چونک کے گھوما۔ سامنے پارکنگ لاٹ میں ایک پٹھان بچہ بھاگتا ہوا آرہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کافی کا ڈسپوزیبل گلاس تھا۔ زیاد نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''زیاد... یہ طوطی ہے۔ میرا بہت اچھا ہیلپر۔'' اس نے مسکرا کے کافی اس کے ہاتھ سے لی اور پیار سے اس کے بال بکھیرے۔ ''اس نے شادی کی بہت سی شاپنگ میرے ساتھ کروائی ہے۔ آتے ہوئے میں اسے ایک فرینڈ کے ریستوران میں چھوڑ آئی تھی جہاں یہ میری مرضی کی کافی بنوا رہا تھا۔ اور ہاں یہ میری ایک ساڑھی بھی میرے ساتھ پینٹ کروا رہا ہے۔''

طوطی جھینپ کے مسکرا دیا اور گردن اونچی کر کے دراز قد سے زیاد کو دیکھا۔ وہ اتنا پر جوش دکھائی نہیں دیتا تھا۔

''یہ وہ چاکلیٹس والے زیاد بھائی ہیں نا؟''

''چاکلیٹس؟'' زیاد چونکا۔ وہ تینوں پارکنگ ایریا میں دم توڑتی دھند کے درمیان کھڑے تھے۔

''ہاں جی۔ آپ کی لائی ساری چاکلیٹس میں ہی تو کھاتا ہوں۔'' طوطی نے دانت نکالے۔ مالا ڈھیرے سے ہنس دی۔

''کیا مطلب؟'' وہ مسکرا نہیں سکا۔ سانس تک رک گیا۔

''میں چاکلیٹس نہیں کھاتی نا۔ تو آپ کی چاکلیٹس یہی کھاتا ہے۔ یا اس کے بھائی۔ اور بدلے میں اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ یہ دوبارہ اسکول جانا شروع کرے گا۔'' وہ ہنس کے بولی۔ پھر زیاد کا چہرہ دیکھا۔ کچھ تھا اس کے چہرے پہ جو کشمالہ مبین کی مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔ اس نے کافی طوطی کو تھمائی اور اسے کار میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ سر ہلا کے کار کی طرف بھاگ گیا۔

''کیا ہوا' زیاد؟''

''یعنی وہ تحفہ جو میں آپ کے لیے لاتا ہوں' وہ آپ اس... اس بچے کو دے دیتی ہیں؟'' بازو لمبا کر کے اس طرف اشارہ کیا جہاں کار کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا اور ماتھے پہ لکیریں تھیں۔

''میں چاکلیٹس نہیں کھاتی۔ اس لیے....''

''آپ کے نزدیک میرے تحفے کی یہ قدر ہے؟ پسند نہیں آیا تو خیرات کر دیا؟ ہیرے کی انگوٹھی پسند نہ آئی تو اسی کو دے دیجئے گا۔''

بے بسی بھرے غصے سے اس کی آواز اونچی ہو گئی۔

وہ چند لمحے کے لیے جیسے ششدر رہ گئی۔ گھڑیال نے بارہ بجا دیے تھے اور فیری ٹیل جیسے ٹوٹنے کو تھی۔

''زیاد آپ کو معلوم ہے کہ میں میٹھا نہیں کھاتی۔ سوائے چاکلیٹس کے میں آپ کے تمام تحفے استعمال کرتی ہوں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ....'' وہ بہت حیرت اور الجھن سے اس کو دیکھتی کہہ رہی تھی جب اس لمحے کچھ ہوا۔

کچھ ایسا جو اس نے توقع نہیں کیا تھا۔

(''سحرِ عشق کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔'' وہ کتاب کھول کے چہرے کے سامنے کر چکا تھا۔

بیربل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا مطلب؟ تم نے خود کہا تھا کہ جادوگر کسی پر بھی سحرِ عشق کروا سکتے ہیں۔''

''ہاں۔ یہ نہیں کہا تھا کہ وہ کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ....'' اس نے پڑھتے ہوئے صفحہ پلٹایا۔

''سحرِ عشق کا انجام وہ نہیں ہوتا جو تم سوچ رہے ہو۔ یہ سحر کروانے والے کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔''

''کیسی قیمت؟'')

وہ دونوں پارکنگ لاٹ میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ اس کی نظریں زیاد سلطان کے چہرے پہ تھیں اور اس لمحے کچھ ہوا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے زیاد کا چہرہ بدل گیا۔ وہ ایک بھیڑئے کا چہرہ بن گیا جس کے منہ پہ خون لگا ہوا تھا۔

کشمالہ بدک کے دو قدم پیچھے ہٹی۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

(''سحرِ عشق کروانے والا ایک شیطان سے مدد لیتا ہے۔ اس کے ذریعے خود کو محبوب کی نظروں میں خوبصورت دکھاتا ہے۔ اور یوں وہ اپنا کنٹرول شیطان کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ شیطان کو سب سے زیادہ جو چیز پسند ہے وہ کنٹرول ہے۔ کسی انسان کی زندگی کو کنٹرول کرنا۔)

اگلے ہی لمحے اس کا چہرہ بدل گیا۔ واپس نارمل۔ کشمالہ نے پلکیں جھپکائیں۔ زیاد جھنجھلا کے کچھ کہہ رہا تھا لیکن وہ سفید چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

(اور شیطان صرف وہ نہیں کرتا جو ساحر اسے کہے۔ وہ اپنی شرارت کا اضافہ بھی کرتا ہے۔ وہ ساحر اور اس کے

محبوب' دونوں کی زندگیوں کو کنٹرول کرنے لگتا ہے۔ وہ ان کو اپنی مرضی سے کچھ بھی دکھا سکتا ہے۔ ان کو ڈسٹرب کر سکتا ہے۔ خود جادو کروانے والے کو بھی۔)

''زیاد میں گھر جا رہی ہوں۔'' وہ اس کو دیکھے بنا تیزی سے کار کی طرف بڑھی۔ اسے سانس نہیں آ رہا تھا جیسے۔ وہ اس کے پیچھے لپکا۔

''کشمالہ سوری۔۔ میری بات سنیں....''

(اکثر اوقات شیاطین سحرِ عشق کو الٹا دیتے ہیں۔ جسے وہ خوبصورت بنا کے دکھا رہے تھے' اس کو کچھ اور بنا کے دکھاتے ہیں۔

''مثلاً کیا؟''

''مجھے نہیں معلوم۔ مختلف لوگوں کے مختلف تجربات ہوتے ہیں۔ شیطان کا مقصد صرف ان کی زندگیاں ڈسٹرب کرنا ہوتا ہے، اسی لیے سحرِ عشق کامیاب نہیں ہوتا کیونکہ شیطان جس رشتے میں داخل ہو جائے' اس میں برکت نہیں رہتی۔)

''پلیز اسٹاپ....'' زیاد اس کے پیچھے آ رہا تھا جب اس نے ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ وہ ناسمجھی سے چند قدم کے فاصلے پہ رک گیا۔ وہ گہرے گہرے سانس لیتی خوف سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں گھر جا رہی ہوں۔ ہم بعد میں بات کریں گے۔'' اس نے کار کا دروازہ کھولا تو ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

(جب انسان اپنے محبوب کو پانے کے لیے شیاطین کے پاس جائے تو وہ خود کو شیطان کے ہاتھ میں ایک کھلونا بنا دیتا ہے۔ وہ جو چاہے اس کے ساتھ کرے۔)

''مالا باجی کیا ہوا؟'' فرنٹ سیٹ پہ بیٹھا طوطی ہکا بکا رہ گیا۔ وہ لرزتے ہاتھوں سے کار اسٹارٹ کر رہی تھی۔ زیاد کار کے قریب آیا۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ معذرت۔ سوری۔ لیکن وہ نہیں سن رہی تھی۔

(''جادو ایک سراب ہے۔ ایک الوژن۔ کوئی انسان کسی کے دل میں جادو سے اپنی محبت پیدا نہیں کر سکتا۔ صرف اس کو ایک الوژن میں رکھ سکتا ہے۔ اور الوژن کا سارا مسئلہ یہی ہے کہ وہ جتنا قریب آئے اتنا ہی جلدی کھل جاتا ہے۔''

''پھر ہماری ماں اتنے برس تک شمس کے ساتھ کیوں رہیں؟''

''اس کا جواب میں تمہیں پھر کسی وقت دوں گا۔'' ماہر نے کتاب چہرے کے سامنے کر لی۔)

وہ تیزی سے کارکوریورس کررہی تھی۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ ہاتھوں میں ہنوز لرزش تھی اور چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔

اس نے دیکھا تھا جو اس نے دیکھا تھا۔ اور کوئی بھی چیز اس منظر کو اس کے ذہن سے کھرچ نہیں سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دروازہ زوردار آواز سے بند ہوا تو نگینہ بیگم نے چہرہ اٹھایا۔

وہ اس وقت اپنے لاہور کے گھر کے ماسٹر بیڈروم میں بیٹھی تھیں۔ بستر پہ چند زیورات اور کف لنکس کے ڈبے پھیلے تھے۔ ساتھ کھڑی بنگالی ملازمہ مزید ڈبے کھول کھول کے سامنے رکھ رہی تھی۔ دروازہ ادھ کھلا تھا جس کے باعث باہر سے آتے قدموں کی آواز واضح سنائی دی۔

ملازمہ نامحسوس طریقے سے کمرے سے نکل گئی۔ نگینہ بیگم بھی مخملیں ڈبے کی طرف متوجہ ہوئیں جس میں سجا سیٹ آنکھوں کو خیرہ کررہا تھا۔ انہوں نے دو انگلیوں سے اس کا ائیر رنگ اٹھایا۔

تیز قدم چوکھٹ پہ رکے۔ پھر زیاد کی جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''کچھ بھی ٹھیک سے کام نہیں کررہا۔''

''کررہا ہے۔ اگلے ہفتے تمہارا اور کشمالہ کا نکاح ہے۔'' انہوں نے ائیر رنگ روشنی کی طرف اونچا کیا۔ پھر اسے الٹایا۔ اس کا سہارا ٹوٹا ہوا تھا۔

''وہ میری دی گئی چاکلیٹس نہیں کھاتی 'امی۔'' وہ شکست خوردہ سا ان کے قدموں میں فرش پہ بیٹھا اور ان کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔ اس کے چہرے پہ زمانے بھر کی بے بسی رقم تھی۔

''پہلے اس کی ڈیٹ آف برتھ غلط تھی۔ اب وہ چاکلیٹس نہیں کھاتی۔ ہر کچھ دن بعد ایک نئی رکاوٹ آجاتی ہے۔'' وہ دونوں مٹھیاں بھینچے تکلیف سے کہہ رہا تھا۔

''نیا سہارا لگے گا۔'' انہوں نے افسوس سے سر ہلایا اور ائیر رنگ کو واپس ڈبے میں ڈالا۔

''امی کچھ کریں۔ ورنہ سب کچھ خراب ہوجائے گا۔''

''اگلے ہفتے نکاح ہے' زیاد' انہوں نے اب کے دوسرا ائیر رنگ اٹھایا تو ہاتھوں میں ذرا سی لرزش تھی۔

''آپ نے سنا نہیں؟ وہ میٹھا نہیں کھاتی 'امی۔ اور اسی بات پہ ہمارا جھگڑا ہوگیا ہے۔''

''میں جانتی ہوں وہ میٹھا نہیں کھاتی۔ سب کچھ میٹھے میں نہیں ہوتا۔ اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔'' وہ اب دوسرا

ائیر نگ الٹا پلٹا کے دیکھ رہی تھیں۔ وہ درست حالت میں تھا۔

''امی کچھ کریں۔ کوئی دم' کوئی وظیفہ' کوئی دعا۔ لیکن اب کچھ خراب نہیں ہونا چاہیے۔''

''نہیں ہوگا۔ خراب کرنے والے کو منظر سے ہٹا دیا ہے نا'' وہ اب زیور واپس رکھ کے ڈبہ بند کر رہی تھیں۔ زیاد نے چونک کے انہیں دیکھا۔ ماتھے پہ بل پڑے۔ لب بھنچ گئے۔

''وہ نہیں آئے گا نا؟''

''نہیں آئے گا۔'' انہوں نے ایک دوسرا ڈبہ اٹھایا۔ وہ بالکل پرسکون تھیں۔

زیاد نے گہری سانس خارج کی۔ اس کی رنگت بحال ہونے لگی۔ پھر ان کے بوڑھے ہاتھوں کی لرزش دیکھی۔ چہرے پہ سایہ سا گزرا۔ کندھے ڈھیلے ہوئے۔

''دوا لی آپ نے؟'' اس نے ان کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھے۔

''میرا مسئلہ دوا سے حل نہیں ہوگا'' انہوں نے ڈبہ رکھا اور اس کو پہلی بار فرصت سے دیکھا۔ پھر مسکرائیں اور اس کے شانے پہ اپنا بوڑھا' جھریوں زدہ ہاتھ رکھا۔

''میرا وقت قریب ہے' زیاد۔ مجھے کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔ لیکن میں اپنے بیٹے کو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی دے کر جاؤں گی۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔''

زیاد کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے ان کے ہاتھ کو دونوں ہاتھوں سے تھاما اور آنکھوں سے لگایا۔

''سرکار'' اس کے لبوں سے عقیدت سے نکلا تھا۔ پھر نظریں اٹھا کے انہیں دیکھا۔

''ہم نے کچھ غلط تو نہیں کیا نا' امی۔''

''ہرگز نہیں۔'' وہ طمانیت سے مسکرائیں۔ ''محبت پیدا کرنا غلط تھوڑا ہی ہے۔ ہم محبت پھیلاتے ہیں۔ نفرت نہیں۔ اور محبت میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔'' انہوں نے اپنا ہاتھ نکالا اور اس کے سر پہ رکھا۔

''لیکن آپ کو میں نے پہلے بھی کہا تھا' زیاد۔ آپ کو اسے ناراض نہیں کرنا۔ اس طرح آپ اس کو خود سے متنفر کر دیں گے۔''

زیاد نے پشیمانی سے آنکھیں بند کیں۔

''اس کو کال کریں۔ معافی مانگیں۔ اور معاملہ درست کر لیں۔ یاد رکھیں۔ ہم محبت بانٹتے ہیں۔ صرف محبت۔''

زیاد سلطان نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''ہم محبت بانٹتے ہیں۔''

وہ مسکرائیں اور نرمی سے اس کے گال پہ ہاتھ رکھا۔ پھر بغور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''آپ نے دوا لے لی' زیاد؟''

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ وہاں کوئی آواز نہ تھی۔ صرف نگینہ بیگم کی نظریں تھیں جو اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔ بنا کسی سحر کے وہ ان کی نگاہوں میں دنیا کا سب سے خوبصورت نوجوان تھا۔

زیاد نے نفی میں سر ہلایا۔ اور گہری سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب لوں گا۔''

''آپ کو خوشی چاہیے۔ آپ شادی کے بعد ہی خوش ہوں گے اور خوش رہنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ دوا نہ چھوڑیں۔''

اس کے جانے کے بعد انہوں نے دھیرے سے سامنے رکھا ڈبہ بند کیا۔ چہرے پہ چھایا سکون اور اطمینان اب رفتہ رفتہ غائب ہونے لگا تھا۔ انہوں نے اوپر چھت کی طرف دیکھا اور زیر لب بڑبڑائیں۔

''وہ نہیں آئے گا۔ نہیں آئے گا۔'' چہرے پہ تفکر بھری لکیریں ابھرنے لگیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر واپس آئی تو اس کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا اور ٹانگوں میں گویا جان نہیں تھی۔ تیزی سے لاؤنج عبور کر کے اپنے کمرے کے دروازے تک آئی اور ہینڈل پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ عقب سے کسی نے پکارا۔

''مالا؟''

وہ بدک کے مڑی۔ سانس گویا رک گیا۔

''کیا ہوا؟'' ماہی چند کپڑے اٹھائے کھڑی تعجب سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ماہی تھی۔ صرف ماہی۔ کوئی اور نہیں تھا۔ کشمالہ نے گہری سانس خارج کی۔

''تم نے مجھے ڈرا دیا۔''

''تم ٹھیک ہو؟''

''ہاں۔ مجھے کیا ہونا ہے؟'' وہ زبردستی مسکرائی۔ اسی لمحے کہیں پسِ منظر میں موسیقی گونجی۔ ایک مانوس سی دھن۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ نہ آواز نہ گانا۔ صرف موسیقی کی دھن۔

وہ چونکی۔

''یہ میوزک کہاں بج رہا ہے؟''

''میوزک؟'' ماہی نے تعجب سے اسے دیکھا اور پھر دائیں بائیں۔ ''کون سا میوزک؟''

''نہیں۔ کچھ نہیں۔'' اس نے سر جھٹکا اور تیزی سے اندر جا کے دروازہ بند کر لیا۔

میوزک کی آواز اب بند ہو چکی تھی۔ اس نے سینے پہ ہاتھ رکھ لیا اور وہیں زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔ دل ہنوز زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''یہ کیا دیکھا تھا میں نے؟'' بے یقینی سے خود سے سوال کیا۔ کمرے نے جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

بیڈ کا دوسرا کنارہ خالی تھا۔ وہاں اب ماں نہیں تھیں۔ وہ ہوتیں تو بتاتیں کہ کیا کرنا ہے۔ وہ ہوتیں تو زندگی مختلف ہوتی۔

اس نے دھیرے سے اپنے دونوں گالوں کو چھوا۔ آنکھیں بند کیں۔ گہرے گہرے سانس کھینچے۔ لیکن آج وہ سانس اسے ریلیکس کرنے میں ناکام ہو رہے تھے۔ آج وہ کھلتے بند ہوتے نل کے پاس جا کے چلا بھی نہیں سکتی تھی کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔ آج کچھ نیا ہوا تھا۔

پہلے الجھن ہوتی تھی۔ پریشانی۔ عدم تحفظ کا احساس۔ ایک کے بعد ایک گارڈ رکھا۔ پھر پرواہ کرنی چھوڑ دی۔ ماں کو کھو دیا۔ اب کیا کھونا رہ گیا تھا۔ پہلے جو تھا وہ خوابوں میں تھا۔ یا خون کے چھینٹوں کی صورت نظر آتا تھا۔ ایسا نہ تھا کہ نظر آئے لیکن وجود نہ رکھے۔ اگر جادوگر نے اس کی گردن دبوچی تھی تو خون نکلا تھا۔ وہ حقیقت تھا۔

لیکن جو آج ہوا تھا' ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

کیا یہ اس کا وہم تھا یا حقیقت؟

کھڑکی پہ دھیرے سے دستک ہوئی۔ دو دفعہ۔ پھر وقفہ۔ پھر تین دفعہ۔ وہ چونکی۔ کھڑکی کون کھٹکھٹا سکتا تھا؟ پھر دھیرے سے اٹھی اور چھوٹے قدموں سے چلتی کھڑکی تک آئی۔ پردے پہ ہاتھ رکھا۔ اسے ہٹا دے؟ یا نہ ہٹائے؟

دل بری طرح دھڑکا۔ ٹانگیں کمزور ہوئیں۔ لرزتی انگلیوں سے پردہ سرکایا۔ چہرہ شیشے کے قریب کیا۔ باہر پھیلا لان دھوپ سے چمک رہا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ کیا واقعی کسی نے دستک دی تھی یا اس کا ذہن اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہا تھا؟

پہلے اس ان دیکھی مخلوق سے خوف آتا تھا۔ آج اس سے خوف نہیں آ رہا تھا۔ اپنے آپ سے آ رہا تھا۔

کھڑکی کو پھر سے کوئی بجانے لگا۔ ہپی برتھ ڈے ٹو یو کی طرز پہ۔

''کیا میں یہ سب تصور کر رہی ہوں؟ اسٹریس؟ پیرانویا؟'' اب کہ وہ پردہ ہٹانے نہیں اٹھی۔ بیڈ کے کنارے پہ لیٹ گئی اور کشن کانوں پہ رکھ لیا۔ وہ تھکی ہوئی تھی۔ اسٹریس میں تھی۔ اسے سو جانا چاہیے۔ جب وہ آنکھیں کھولے گی تو یہ سب ایک برے خواب کی طرح فضا میں تحلیل ہو چکا ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیاہ سفید اپارٹمنٹ میں مدھم زرد بتیاں جل رہی تھیں۔ سیاہ پردے ہٹے ہوئے تھے اور دور تک پھیلی شہر کی بتیاں اور بوسفورس کنارے بندھی کشتیاں دکھائی دیتی تھیں۔ بیر بل ایک صوفے پہ لمبا لیٹا تھا۔ سینے کے اوپر دونوں ہاتھوں میں موبائل پکڑے وہ مسکرا کے کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

بیساکھیوں کی ٹک ٹک کی آواز پہ فیضی خانم نے چونک کے پیچھے دیکھا۔ ماہر اپنے کمرے سے نکل کے آتا دکھائی دے رہا تھا۔ دونوں بیساکھیوں اور درست ٹانگ کے سہارے، دوسرے پاؤں کو قدرے ہوا میں اٹھائے، وہ ٹی شرٹ اور ٹراؤزر میں ملبوس تھا، ماتھے پہ بال بکھرے تھے اور چہرہ پہلے سے کمزور دکھائی دیتا تھا۔ وہ فکرمندی سے آگے بڑھیں۔

''آپ خود کیوں آئے؟ مجھے آواز دے دی ہوتی۔''

''آواز دیتا تو یہ سب کیسے دیکھتا؟'' اس نے ایک تیز نگاہ کچن کاؤنٹر پہ ڈالی۔

فیضی خانم نے اس کی نگاہ کے تعاقب میں دیکھا۔ کاؤنٹر پہ بیکری کا کھلا باکس رکھا تھا جس میں چند پیسٹریز دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ شرمندگی سے آگے بڑھیں اور جلدی سے اسے بند کر دیا۔

''میرے گھر میں یہ پروسیسڈ شوگر اور میدے سے بنی چیزیں کیوں موجود ہیں؟'' وہ برہمی سے کہتا بیساکھی کے سہارے آگے بڑھا تو ایک دوسری ڈش دکھائی دی جس میں چند ادھ کھائے بقلاوے رکھے تھے۔

''بقلاوے؟ سیریسلی؟ بقلاوے؟'' اس نے گھور کے انہیں دیکھا۔ ''کبھی Turks کو کھاتے دیکھا ہے بقلاوے؟ نہیں۔ کیونکہ کوئی ترکی میں بقلاوے نہیں کھاتا سوائے سیاحوں کے۔ آپ کو اپنی صحت کا خیال ہے؟''

''وہ آدمی کہہ رہا ہے جو اپنی صحت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آج آفس گیا تھا۔'' بیر بل نے مسکراتے ہوئے موبائل سے نظر اٹھائے بغیر کہا۔ فیضی خانم سر جھکائے اب وہ چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔

''تمہیں اس وقت اپنی بیکری میں ہونا چاہیے تھا، بی۔'' وہ اب سہاروں سے چلتا، آتش دان کی طرف جا رہا تھا۔

لکڑی کے فرش پہ بیساکھیوں کی ٹک ٹک سیدھی سر پہ جا کے بجتی تھی۔

''ایک روبوٹ کافی ہے نا اس گھر میں' برو۔'' وہ ٹائپ کرتے ہوئے مسلسل مسکرا رہا تھا۔ ماہر آتش دان تک پہنچا' اور لائٹر اٹھایا۔ ایک بیساکھی پھسل کے نیچے جا گری۔ اس نے کوفت سے اسے دیکھا۔ پھر دور صوفے پہ لیٹے بیربل کو۔

''اس کے نام کا پہلا حرف کیا ہے؟''

''کس کا؟'' بیربل ہنوز ٹائپ کر رہا تھا۔

''جس لڑکی کے ساتھ لگے ہوئے ہو۔''

بیربل فرید کے ہاتھوں سے فون گرتے گرتے بچا۔ گڑبڑا کے ایک دم اٹھ بیٹھا۔ گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ آتش دان کے ساتھ کھڑا تھا اور ایک بیساکھی قدموں میں گری تھی۔

''کون... لڑکی؟ میں کسی لڑکی سے بات نہیں کر رہا۔ تمہاری نصیحت پہ عمل کرتے ہوئے آج کل صرف خود پہ فوکس کر رہا ہوں۔'' بظاہر سرسری انداز میں کہتا وہ اس کے پاس آیا اور جھک کے بیساکھی اٹھائی۔

''یہ تو میں اپنے کیک اور میکرونز کی تصویریں دیکھ کے خوش ہو رہا تھا۔ آج ہم نے ایک بہت بڑی پارٹی کے لیے کیکس ڈلیور کیے ہیں۔'' بیساکھی اسے تھماتے ہوئے وہ سنبھل کے مسکرایا اور موبائل اسکرین اس کی طرف لہرائی۔

''کچھ لوگ اپنے گھر میں میرے کیکس پسند نہیں کرتے' لیکن دوسروں کو میری بیکری کا نام ضرور تجویز کرتے ہیں۔'' شرارت سے مسکرایا۔ انداز معنی خیز تھا۔

''میں کسی کو تمہاری بیکری تجویز نہیں کرتا۔ مجھے دوسرے انسانوں کی صحت کا خیال ہے۔'' وہ لائٹر سے اب موم بتی سلگا رہا تھا۔ آتش دان کے شیلف پہ بنی ہلال کی تصویر مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

بیربل جواباً ہنس دیا جیسے یقین نہ آیا ہو۔ پھر ایک خیال سے اس کی آنکھیں چمکیں۔

''اس ایونٹ کی تصویریں مالک کو بھیجتا ہوں۔ وہ سمجھتا ہے میری بیکری فلاپ ہے۔''

''تمہاری بیکری فلاپ ہے۔ کیونکہ تم توجہ' محنت اور روٹین سے کام نہیں کرتے۔'' وہ قدم قدم لنگڑاتے ہوئے چلتا ایل شیپ صوفے تک آیا۔ بیربل برا مانے بغیر مسکرا کے موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔

''دیکھنا۔ جل جائے گا روبوٹ۔''

''مالک تمہاری پرواہ کرتا ہے' اسی لیے تمہیں ڈانٹتا ہے۔'' وہ سامنے صوفے پہ بیٹھا۔ ٹانگ مڑی تو لبوں سے کراہ

نکلی۔ چہرے پہ تکلیف کے آثار مرتب ہوئے۔ بیساکھیاں پھر سے نیچے جاگریں۔

''مالک سوائے ماہر کے نہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ نہ پیار۔'' اس نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔ پھر ایک دم وہ چونک کے ماہر کو دیکھنے لگا۔

''ایک منٹ ایک منٹ... ماہر بے کے پاس آج میرے ساتھ بیٹھنے کے لیے وقت کہاں سے آ گیا؟ پچھلے دو ماہ سے تم یا کتابیں پڑھتے تھے یا کمرے میں بند رہتے تھے۔''

ماہر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ بیربل کی آنکھوں میں شرارتی چمک ابھری۔

''تمہیں مجھ سے کچھ چاہیئے ہے نا؟''

''کیا تم....'' ماہر کھنکھارا۔ بیربل مسکراہٹ دبائے سانس روکے اس کا منتظر تھا۔

''کیا تم چند دن کے لیے میری وہیل چیئر چلا سکتے ہو؟''

بیربل کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ کندھے ڈھلک گئے۔

''کیوں؟'' خفگی سے پوچھتا کچن کی طرف بڑھا۔ ماہر نے جواب نہیں دیا۔

''ڈاکٹر نے تمہیں بیساکھی استعمال کرنے کے لیے کہا ہے۔'' وہ فریج تک گیا اور دروازہ کھول کے اندر جھکا۔

''وہیل چیئر تمہیں سست کر دے گی۔'' ایک کین نکال کے اس کا ڈھکن کھولا اور فریج کا دروازہ کھلا چھوڑ کے لاؤنج کی طرف واپس آیا۔ فیضی خانم نے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے دروازہ بند کیا۔

''بس چند دن کے لیے۔''

''کیوں؟ کہیں جانا ہے کیا؟'' اس نے کھڑے کھڑے سوڈا کا کین لبوں سے لگایا۔

''ہاں۔ لاہور۔''

سوڈا فوارے کی صورت اس کے لبوں سے باہر نکلا۔ کین ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ وہ دوہرا ہو کے کھانسا۔

''کیا؟ لاہور؟'' وہ دوبارہ کھانسا۔ سوڈا کپڑوں اور فرش دونوں پر گرا تھا۔ فیضی خانم اُف اللہ میاں کہتی تیزی سے آگے آئیں اور کین اس کے ہاتھ سے لیا۔

''ہاں۔ لاہور۔'' وہ بہت ضبط سے اس کی اوور ایکٹنگ دیکھ رہا تھا۔

''اچھا وہ کیوں؟'' بیربل کی آنکھوں میں چمک ابھری۔

''کام ہے۔'' ماہر نے ہاتھ بڑھا کے سائیڈ ٹیبل سے پیپر ٹاول اٹھایا اور اس کی طرف بڑھایا۔

''اس کام کے نام کا پہلا حرف کیا ہے؟'' وہ مسکرا کے پیپر ٹاول سے شرٹ کا گریبان رگڑنے لگا۔ ماہر کہنی صوفے کے ہتھ پہ رکھے' انگلیاں گال تلے جمائے' ماتھے پر بل لیے اسے دیکھے گیا۔

''ایم۔ ہے نا؟'' بیربل ہنس کے اپنے سوال کا جواب دیتا سامنے بیٹھا اور پیپر ٹاول بھینچ کے فیضی حاتم کی طرف اچھالا۔

''.K'' وہ دھیرے سے بولا تو بیربل نے ماتھے کو چھوا۔

''اوہ ہاں۔ K۔'' پھر ٹیک لگا کے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ اور سوچنے والے انداز میں گال تلے ہاتھ رکھے۔

''لیکن میں نہیں آسکتا۔''

''اور وہ کیوں؟''

''مجھے توجہ' محنت اور روٹین سے اپنی فلاپ بیکری پہ کام کرنا چاہیے۔''

''بیربل.....!'' اس کی آواز جیسے ہی سخت اور بلند ہوئی' وہ اسی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''آرہا ہوں۔ آرہا ہوں۔ کب چلنا ہے؟'' خفگی سے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ ''ویسے تمہیں کیئر ٹیکر نرس کا بندوبست کرنا چاہیے تھا۔'' برا مان کے بولا۔ پھر ماہر کا چہرہ دیکھ کے ٹھٹکا۔

''اوہ۔ یقیناً پہلے تم نے نرس کو ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا ہوگا۔ لیکن خرچہ بہت آرہا ہوگا۔ پھر تم نے سوچا' بیربل سے وہی کام مفت میں کروالوں۔''

''.Precisely'' ماہر فرید نے سر کو خم دیا۔ بیربل نے افسوس سے اس کو دیکھا۔

''ویسے تم کئی ہفتے پہلے بھی پاکستان جا سکتے تھے۔ میں نے کتنا کہا۔ تم نہیں گئے۔ اب کیوں جا رہے ہو؟''

''کیونکہ زارا نے آج ایک ایسی بات کہی جو میرے ذہن سے نکل نہیں پا رہی۔'' اس کی آواز اب دھیمی تھی۔ شکست خوردہ سی۔

''لیکن اگر اس جادوگر نے تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو؟ اس نے یہ ایکسیڈنٹ تمہیں روکنے کے لیے کروایا تھا۔'' اس کی آواز میں تشویش تھی۔

ماہر نے فرش پہ رکھی بیساکھیاں اٹھائیں' اور ان کو کہنیوں سے لگاتا اٹھا۔ چہرے پہ تکلیف ابھر کے معدوم ہوئی۔

''ماہر فرید کسی سے نہیں ڈرتا۔ نہ کسی انسان سے۔ نہ کسی شیطان سے۔'' اس کی آنکھوں میں جھانک کے ایک ایک لفظ ادا کیا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ بیساکھیوں کی ٹک ٹک اور موم بتی کی خوشبو سارے میں پھیلی تھی۔

دفعتاً بیر بل کے ہاتھ میں پکڑا موبائل تھرتھرایا تو وہ چونکا۔ مالک کا میسج آیا تھا۔

''ایک پارٹی سے فلاپ بیکری ''برانڈ'' نہیں بن جاتی۔''

گو کہ الفاظ ٹائپ شدہ تھے' لیکن وہ ان کو مالک کی آواز میں اپنے کانوں میں سن سکتا تھا۔ اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلے۔

''جل گیا روبوٹ۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسٹوڈیو کی کھڑکی سے آتی تیز روشنی میں چوکور فریم پہ تانا گیا ریشمی کپڑا چمک رہا تھا۔ فریم کے گرد دو اسٹولز رکھے تھے جن میں سے ایک پہ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ بال فرنچ چوٹی میں بندھے تھے اور وہ گم صم سی ہاتھ میں پکڑے برش کو دیکھ رہی تھی۔

''مالا باجی آپ پریشان ہیں؟'' طوطی دوسری جانب بیٹھا' دونوں گالوں کو ہتھیلیوں پہ گرائے اسے تشویش سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے چونک کے چہرہ اٹھایا۔ پھر اسے دیکھ کے مسکرائی اور برش نیچے رکھ دیا۔

''کچھ سوچ رہی تھی۔''

''آپ کا فون کافی دیر سے بج رہا ہے۔''

مالا نے ایک نظر قریب رکھے فون کو دیکھا جو بنا آواز کے تھرتھرا رہا تھا۔ پھر بے دلی سے واپس برش کو دیکھنے لگی۔ وہ اس سے ابھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اسے کسی سے تو بات کرنا تھی۔ ایک دم اس نے برش رکھا اور موبائل اٹھایا۔

پھر کانٹیکٹ لسٹ کھولی۔

ایم سے ماہی۔ ماہی نیچے گھر میں ہی موجود تھی۔ اس کے سامان کی پیکنگ وغیرہ کروا رہی تھی۔ لیکن وہ ماہی سے کیا کہتی؟ زیاد نے مجھ سے عجیب طریقے سے بات کی ہے؟ ماہی کو ہر ایک پہ شک کرنے کی عادت تھی۔ وہ فوراً سے خالہ کی بات پہ غور کرنے لگ جائے گی۔ اونہوں۔

اس نے لسٹ نیچے کی۔ صفورا؟ لیکن نہیں۔ زیاد کی اتنی تعریفیں کرنے کے بعد اس سے کیا کہوں؟

''مالا باجی آپ پینٹ کیوں نہیں کر رہیں؟'' طوطی ریشم پہ بنے ادھورے پھول کو فکر مندی سے دیکھ رہا تھا۔

''میں اپنے دوستوں کے نام دیکھ رہی ہوں۔'' وہ ابھی تک لسٹ اوپر نیچے کر رہی تھی۔

''آپ کے تو بہت دوست ہیں' باجی۔ جب بھی آپ کو کوئی کام ہوتا ہے' کہتی ہیں فلاں کلاس فیلو کے بوتیک پہ چلتے ہیں۔فلاں کلاس فیلو کا ریستوران ہے۔''وہ اس کے انداز میں نقل اتار کے بولا تو وہ ہنس دی۔

''کیونکہ میں نے ایک prestigious یونیورسٹی سے ایم بی اے کیا ہے' لڑکے۔میرے کلاس فیلوز اپنی اپنی زندگیوں میں کامیاب ہیں۔اور تم نے درست کہا۔میرے بہت دوست ہیں کیونکہ میں کسی کو دشمن نہیں بناتی نہ لوگوں کو ناراض کرتی ہوں۔لیکن....''اس کی فون پہ جھکی نظروں میں اداسی بھر گئی۔''لیکن اب جب مجھے بات کرنی ہے تو محسوس ہوتا ہے کہ کوئی دوست اصلی نہیں ہے۔سب بس کام تک محدود ہیں۔یہ فیور چاہیے۔وہ کام کروانا ہے۔''

طوطی اب بور ہو کے چاک سے اسکیچ پہ لکیریں کھینچنے لگا۔وہ اسے نہیں سن رہا تھا۔وہ شاید خود کلامی کر رہی تھی۔

دفعتاً اس کا انگوٹھا ایک نام پہ رکا۔ماہر فرید۔ایک تلخ مسکراہٹ لبوں پہ در آئی۔باقی سب دوست تھے۔وہ کیا تھا؟ دوست تو ہرگز نہ تھا۔اس سے تو غصے اور نفرت کا تعلق تھا۔اس کو نہیں پکارنا۔اس نے خود سے بہت پہلے وعدہ کیا تھا۔

''کیا واقعی غصے اور نفرت کا تعلق قائم تھا؟''اس نے دل کو ٹٹول کے دیکھا۔وہاں کچھ بھی نہ تھا۔نہ نفرت۔نہ غصہ۔بس دکھ تھا۔دھوکے کا زخم تھا۔لیکن معافی بھی نہیں تھی۔بیچ کا راستہ بھی نہ تھا۔

''ہائے اللہ....''طوطی کی چیخ پہ اس نے چونک کے سر اٹھایا۔وہ خوفزدہ نگاہوں سے ریشم کو دیکھ رہا تھا جہاں ایک جگہ اس سے غلطی سے پینٹ کا چھینٹا پڑ گیا تھا۔

''میں نے آپ کی ساڑھی خراب کر دی....''اس نے بے یقینی سے مالا کو دیکھا۔مالا نے ایک گہری سانس خارج کی۔

''ابھی ٹھیک ہو جائے گی۔''اس نے آرام سے ایک کاٹن بڈ اٹھایا اور اس دھبے سے پینٹ اتارنے لگی۔گیلا پینٹ سرعت سے صاف ہونے لگا۔طوطی کی رنگت ہنوز اڑی ہوئی تھی۔

''جانتے ہو خوشی یا پریشانی میں سب سے پہلے انسان میں کیا بدلتا ہے؟''

طوطی نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔پھر سوچا۔

''کپڑے؟''

''نہیں۔انسان کا سانس۔ہر جذبہ انسان کا سانس بدلتا ہے۔چاہے خوشی ہو۔چاہے خوف۔اگر ہم اپنا سانس کنٹرول کرنا سیکھ جائیں تو ہم سب کچھ کنٹرول کر سکتے ہیں۔اپنی زندگی بھی۔اور اپنے ذہن کو بھی۔میری ساڑھی

خراب نہیں ہوئی۔ اور ذرا سے دھبے کی وجہ سے تمہیں اپنا سانس خراب نہیں کرنا چاہیے۔'' کارٹن بند رکھا اور اسے دیکھ کے نرمی سے مسکرائی۔ طوطی نے ایک گہری سانس خارج کی اور پورے دل سے مسکرا دیا۔

''طوطی... طوطی....'' نیچے سے ماہی آوازیں دے رہی تھی۔ طوطی خان کے چہرے کے زاویے بگڑے۔ سر جھٹکتا اٹھا اور دروازہ کھول کے دھپ دھپ سیڑھیاں اترتا نیچے چلا گیا۔

''کیا ہے ماہی باجی؟'' بے زاری سے طوطی کی آواز آئی۔

''نکمے لڑکے... چلو یہ کارٹن اوپر لے کر جاؤ۔'' وہ تحکم سے کہہ رہی تھی۔

''ماہی باجی .... آپ نے کبھی چائلڈ لیبر کے قوانین پڑھے ہیں؟''

''ابھی کان کے نیچے دوں گی تو سارے قوانین بھول جائیں گے۔ پورا دن تمہیں چاکلیٹس کھلاتی ہوں۔ تھوڑا سا کام بھی کرواؤ ساتھ۔''

وہ بڑبڑاتا ہوا کارٹن اٹھائے اوپر آیا۔

''قسم کھا رہا ہوں، مالا باجی۔ یہ آپ کی سوتیلی بہن ہے۔'' دھپ سے کارٹن ایک کونے میں رکھا جہاں اور بھی بہت سے کارٹن رکھے تھے۔ وہ جواباً کچھ کہنے لگی جب سماعتوں میں کچھ گونجا۔ وہ ایک دم ٹھہر گئی۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ یہ گانا یا الفاظ نہیں تھے۔ صرف موسیقی تھی۔ جیسے کوئی اس طرز پہ کوئی آلہ موسیقی بجا رہا ہو۔ صرف ایک دھن۔

''تم نے یہ آواز سنی؟ کہیں میوزک بج رہا ہے۔'' وہ چونکے انداز میں دائیں بائیں دیکھنے لگی۔

طوطی نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''نہیں باجی۔ آپ کے کان بج رہے ہیں۔'' اور حیرانی سے سر جھٹکتا واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ ابھی اسے ماہی کے کئی دوسرے کام بھی کرنے تھے۔

وہ جہاں تھی، وہیں بیٹھی رہ گئی۔ موسیقی کی آواز اسے ابھی تک سنائی دے رہی تھی۔ یہ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو والا میوزک ہی تھا۔ وہ اسے پہچانتی تھی۔ بے اختیار اس کی انگلیوں نے سیاہ فاختہ والے لاکٹ کو چھوا۔

نظریں فون پہ جھکیں، تو دیکھا... وہاں کانٹیکٹ لسٹ میں ماہر فرید کا نام ہنوز جگمگا رہا تھا۔

لیکن یہ طے تھا کہ وہ اسے کال نہیں کرے گی۔

وہ کیا جانے کہ ان دیکھی آوازیں اور وجود نہ رکھنے والے چہرے کیا ہوتے ہیں؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سلطان صاحب کے گھر کے لاؤنج میں نیم اندھیرا سا تھا۔ بنگالی ملازمہ پانی کا گلاس اٹھائے تخت تک آئی۔ وہاں نگینہ بیگم براجمان تھیں۔ گاؤ تکیے کا سہارا لیے وہ ایک پہلو کے بل نیم دراز' آنکھیں موندے تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں۔

ملازمہ کھنکھاری۔

''آپ کی دوا کا وقت ہو گیا ہے' بی بی۔''

انہوں نے آنکھیں کھولیں۔ چہرہ نحیف اور کمزور لگتا تھا۔ سر پہ پہنا سفید دوپٹہ' کلائیوں میں سونے کے کنگن' اور کندھوں کے گرد بھوری شال۔ وہ بیماری میں بھی لباس کا خیال رکھتی تھیں۔ ہلکا سا مسکرائیں اور دھیرے سے کہنی کے سہارے سیدھی ہو بیٹھیں۔ ملازمہ ادب سے قریبی موڑھے پہ بیٹھی۔ پانی کا گلاس انہیں تھمایا اور باکس سے گولیاں نکالیں۔

''زیاد صاحب بہت پریشان لگ رہے ہیں۔ کیا زیادہ جھگڑا ہوا ہے مالا بی بی کے ساتھ؟'' سپاٹ انداز میں پوچھتے ہوئے ایک گولی نگینہ بی کی ہتھیلی پہ رکھی۔

''ٹھیک ہو جائے گا۔ کوئی حل نکال لیں گے۔'' انہوں نے گولی پھانکی۔ اور پانی کا گلاس لبوں سے لگایا۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔

''آپ کی طبیعت کیسے سنبھلے گی؟''

''آخری حملہ شدید تھا۔ عمل الٹا پڑ گیا۔ ایسا کبھی کبھار ہو جاتا ہے۔''

انہوں نے افسوس سے نفی میں سر ہلایا۔ پھر دوسری گولی اس کی ہتھیلی سے اٹھائی۔

''لیکن اس بات کو تین مہینے سے اوپر ہو گئے ہیں۔ اب تک موکلوں کی طاقت بحال ہو جانی چاہیے۔''

انہوں نے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا اور مسکرائیں۔

''وہ بہتر ہو رہے ہیں۔''

ان کی آواز سرد سرگوشی جیسی تھی۔ ایسی سرگوشی جو طوفانی ہوائیں کرتی ہیں۔ البتہ بنگالی ملازمہ کے چہرے پہ کوئی خوف تھا' نہ پریشانی۔ بس ایک عقیدت مندی تھی۔ اور بہت سا ادب۔

''تمہارے گھر میں سب خیریت ہے؟'' انہوں نے مسکراتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔ وہ بھی مسکرائی۔ اس کے

ہونٹ موٹے اور آنکھیں گہری تھیں۔

''آپ کی دعا سے سب خیر ہے۔''ان بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں معنی خیز تاثر تھا۔

تبھی موبائل بجنے لگا تو اس نے جلدی سے باقی دوائیں نگینہ بیگم کی ہتھیلی پہ رکھیں اور بھاگ کے اندر کمرے میں گئی۔واپس آئی تو ایک سیاہ اسمارٹ فون ہاتھ میں تھا۔

''تم سنو۔''انہوں نے اکتاہٹ سے ہاتھ جھلا دیا۔''اور کہو کہ آج کل سرکار کوئی عمل نہیں کر رہیں۔''

اس نے سر اثبات میں ہلایا اور فون کان سے لگایا۔دوسری طرف کی بات سن کے اس نے فون نیچے کیا اور دھیرے سے بولی۔

''ائیر پورٹ والے اے ایس ایف کے افسر کا فون ہے۔''

نگینہ بیگم چونکیں۔تیزی سے کپکپاتا ہاتھ بڑھایا اور فون اس سے کھینچنے والے انداز میں لیا۔

''کیا بات ہے قریشی؟''ان کا لہجہ چوکنا تھا۔

''سرکار... آپ کو ڈسٹرب کرنے کی معذرت۔''وہ بہت عقیدت سے بولا۔''آپ نے کہا تھا کہ آپ کو اطلاع کروں اگر وہ آدمی....''رک کر نام پڑھا۔''ماہر فرید اس ملک میں داخل ہو۔''

وہ سانس روک کے سن رہی تھیں۔

''وہ آج صبح پہنچنے والی فلائٹ میں اپنے بھائی کے ساتھ موجود تھا۔میں نے پاسپورٹ کنٹرول ڈیسک کی لسٹ میں اس کا نام دیکھا تو...''

نگینہ بیگم کی رنگت سیاہ پڑنے لگی۔ایسے جیسے بہت ساز ہر پی لیا ہو۔انہوں نے فون پرے ڈال دیا۔''وہ کیسے آ گیا؟وہ چل نہیں سکتا تھا۔''وہ بڑبڑائیں۔چہرے پہ شدید بے بسی اور تکلیف ابھری۔

''موکلوں نے خبر نہیں دی؟''ملازمہ نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔انہوں نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''موکلوں کے بس میں سب کچھ نہیں ہوتا۔ان کی ہر خبر درست نہیں ہوتی۔میں نے بھی کئی دن سے اس کی خبر نہیں لی تھی۔سوچا تھا مسئلہ نہیں کرے گا۔''

''پریشان نہ ہوں' بی بی۔وہ کیا کر لے گا؟''اس نے نرمی سے ایک اور گولی سامنے کی۔

''وہ سب خراب کر دے گا' اندرانی۔''انہوں نے دو انگلیوں کے پوروں سے گولی پکڑی۔اور اسے بنا پانی کے پھانک لیا۔آنکھوں میں پریشانی بھی تھی اور خوف بھی۔

''وہ سب خراب کردے گا۔ وہ مجھے ڈھونڈ لے گا۔'' پھر ایک تاسف بھری نظر زیاد کے کمرے کے بند دروازے پہ ڈالی۔

''وہ میرے بیٹے کا گھر نہیں بسنے دے گا۔ اسے خوش نہیں ہونے دے گا۔ سب خراب کردے گا۔''

''اب آپ کیا کریں گی؟'' اندرانی نامی ملازمہ فکرمندی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''میں وہ کروں گی جو پہلے نہیں ہو سکا۔'' وہ سیدھی ہو کے بیٹھیں اور کپکپاتے ہاتھوں سے تکیے کے ساتھ رکھا دوسرا فون اٹھایا' جو ان کے عام استعمال میں تھا۔

''جب کینچوہ کنڈی میں ڈال کے پانی میں پھینکا جائے اور مچھلی اس کو نہ پکڑے تو کیا کرنا چاہیے؟''

''کیا؟''

''کنڈی دوبارہ سے پانی میں ڈالنی چاہیے۔ ایک کینچوہ میرے پاس ابھی ہے جسے اس دفعہ وہ ضرور پکڑے گی۔'' ان کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ در آئی۔ انہوں نے کانٹیکٹ لسٹ کھولی اور کشمالہ کے نمبر پہ انگلی رکھی۔

''ہیلو بیٹا... کیسی ہو؟'' ان کی آواز نرم اور میٹھی ہو گئی۔ جیسے شہد ہو۔ جیسے ملائی ہو۔ ''مجھے تم سے ایک کام تھا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈرائیور سفید ایس یو وی خاموشی سے چلا رہا تھا۔ کار میں ہیٹر کی گرمائش تھی۔ البتہ باہر آج زیادہ سردی نہ تھی۔ گدلی دھند نے سردی کا تاثر دے رکھا تھا۔

وہ پچھلی سیٹ پہ بیٹھا' باہر بھاگتے درختوں کے جھروکوں سے نظر آتی نہر کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے سفید شرٹ کے ساتھ سیاہ سوٹ پہن رکھا تھا۔ بال ماتھے سے پیچھے کو جمائے گئے تھے اور رخسار کا نشان ویسا ہی تھا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' ساتھ بیٹھا بیربل کھنکھارا۔

''اس سے ملنے جس کے لیے میں آیا ہوں....'' ماہر ہنوز باہر دیکھتا رہا۔

بیربل اپنے بھائی کے حلیے کے برعکس جینز شرٹ کے اوپر جیکٹ پہنے ہوئے تھا۔ گھنگریالے بال' ایک کان میں بالی۔ کلائی میں بہت سے بینڈز۔ اور لبوں پہ بکھری معنی خیز مسکراہٹ۔

''اس کے گھر یا ورک پلیس؟'' احتیاط سے پوچھا۔

''ورک پلیس۔'' جواب سپاٹ اور سنجیدہ تھے۔ بیربل نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

''اکیلے چلے جاتے۔ میری کیا ضرورت تھی؟''

"تم میرے نرس ہو۔" وہ ابھی تک شیشے سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"تم یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ تم مجھے مورل سپورٹ کے لیے ساتھ لے کر جا رہے ہو۔ لیکن نہیں۔" بیربل بدمزہ ہوا اور سر جھٹک کے باہر دیکھنے لگا۔ اب منظر بدل چکا تھا۔ بائیں طرف بہت سی عمارتیں دکھائی دے رہی تھیں۔

"ویسے ماہر...." وہ کچھ یاد کر کے کہنے لگا۔ "تم اور میں کبھی ویکیشن پر نہیں گئے' جیسے دوسرے بہن بھائی جاتے ہیں۔ میں پاکستان ہمیشہ اکیلا آتا تھا یا پھر .... (منہ کڑوا ہوا) مالک کے ساتھ زبردستی آنا پڑتا تھا۔"

"تم مالک کے ساتھ ویکیشن پہ کب گئے؟" وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

"جب میں اپنی بیکری شروع کرنے جا رہا تھا' اور مجھے پیسے چاہیے تھے لیکن تم ساری جائیداد پہ سانپ بن کے بیٹھے تھے۔ تب تم نے شرط رکھی تھی کہ اگر میں نے مالک کو اپنے بزنس پلان پہ راضی کر لیا تو تم مجھے سرمایہ دے دو گے۔" کچھ یاد کر کے مسکرایا۔ "مالک نہیں چاہتا تھا کہ میں استنبول میں بیکری بناؤں۔ اس لیے وہ مجھے کئی جگہوں پہ لے کر گیا۔ کہ شاید میں استنبول کو بھلا دوں۔"

"ہاں اور تم نے اسے بہت گھمانے کے بعد بھی اپنی ضد جاری رکھی۔ اس کی بات مان لیتے تو آج تمہاری بیکری کامیاب ہوتی۔" وہ افسوس سے سر ہلا کے پھر سے باہر دیکھنے لگ گیا۔

چند لمحے خاموشی سے کٹے۔ پھر بیربل کی زبان پہ کھجلی ہوئی۔

"اس کا ردعمل کیا ہو گا تمہیں دیکھ کے؟"

"کیا فرق پڑتا ہے؟ میں ہلال کے لیے اس سے ملنے جا رہا ہوں۔" بے نیازی سے شانے اچکائے۔ بیربل اسے دیکھ کے رہ گیا۔

"اس کی ورک پلیس تو کافی خوبصورت ہے۔"

چند منٹ بعد وہ دونوں کار سے باہر تھے۔ بیربل اس کی وہیل چیئر دھکیل رہا تھا۔ ساتھ ہی گردن موڑے ستائش سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک مرمریں فرش والی عمارت میں داخل ہوئے۔ اس کی ہدایت کے مطابق وہ وہیل چیئر سیدھا لفٹ کی طرف لے آیا۔

"اس کا ٹیسٹ کافی اچھا ہے۔ آرٹسٹک۔"

"کیونکہ وہ آرٹسٹ ہے۔" ماہر کا لہجہ سپاٹ تھا۔ کوئی تاثر نہیں۔ کوئی جذبہ نہیں۔

لفٹ کے دروازے ایک مرمریں سٹنگ روم کے دہانے پہ کھلے۔ ہیر بل وہیل چیئر آگے لے آیا۔ سامنے انٹر کام پہ بیٹھی لڑکی نے ان کو دیکھ کے شناسائی سے سر ہلایا اور فون اٹھا کے کچھ کہنے لگی۔

ہیر بل ابھی تک ستائش سے اطراف میں دیکھ رہا تھا۔ خوبصورت ڈیکور۔ قیمتی پینٹنگز۔ تب ہی وہ چونکا۔ ایک دم دائیں بائیں دیکھا۔

''یہاں پودے نہیں ہیں۔'' بے اختیار ماہر کو دیکھا۔ وہ سامنے آفس کے بند دروازے کو دیکھ رہا تھا۔

ہیر بل کے ذہن میں الارم سا بجا۔

''ایک منٹ... ایک منٹ...'' وہ تیزی سے سیدھا ہوا۔

''ہم کس سے ملنے آئے ہیں؟''

ماہر فرید نے جواب نہیں دیا۔ سامنے دیکھتا رہا۔

تب ہی آفس کا دروازہ کھلا اور ہیل کی ہلکی سی آواز سنائی دی۔ ہیر بل فرید کی نگاہیں اوپر اٹھیں۔

سامنے ایک سفید کفتان پہنے بوائے کٹ بالوں والی دراز قد عورت چلتی آرہی تھی۔ اس کی چمکدار آنکھیں اسموکی میک اپ سے سجی تھیں۔

''K for Kabeerah'' ہیر بل فرید کے لب بے یقینی سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ماہر نے چہرہ اس کی طرف جھکایا۔

''زارا نے مجھے احساس دلایا کہ میرے اور کبیرہ سادان کے درمیان ایک چیز مشترک ہے۔ میں اسی کا کھوج لگانے آیا ہوں۔''

''خوش آمدید مسٹر ماہر فرید۔ پلیز اندر آئیں۔'' ان کے استقبال کے لیے باہر آئی کبیرہ بیگم اب ان کے قریب آ چکی تھیں۔

بہت سی کڑواہٹ ہیر بل کے حلق میں گھل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گدلی دھند میں ڈوبی شام سارے لاہور کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔

مبین منزل کے پیچھے بنے کچن گارڈن میں بھی وہی دھند پھیلی تھی۔ وہاں زیادہ دور تک دیکھنا ممکن نہ تھا۔ لیکن اگر تم دیکھو تو وہ گھاس پہ بیٹھی تھی۔ ڈھیلا ڈھالا سا سوئیٹر پہنے' پیروں کی آلتی پالتی کیے۔ اس کی نظریں فاختہ کی قبر پہ جھکی

تھیں جہاں تازہ گھاس اگا تھا۔ گود میں رکھا موبائل آج خاموش تھا۔ زیاد نے کالز اور میسجز کرنا بند کر دیے تھے۔ اور اسے یہی خاموشی چاہیے تھی۔

وہ اپنی غلطیوں کی ذمہ داری لیا کرتی تھی۔ اور دوسروں کی غلطیاں جلدی معاف نہیں کرتی تھی۔ کیا اسے اپنا برسوں پرانا طرز زندگی بدلنے کی ضرورت تھی؟

وہ دھیرے دھیرے سر دنکوں پہ ہاتھ پھیر رہی تھی۔ ذہن دور کہیں پیچھے جا رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

۴ سال پہلے

یہ ان دنوں کی بات ہے جب اسے اوشن (Ocean) ریستوران کے لیے لاہور سے اسلام آباد آئے ایک سال ہو چکا تھا۔

اسے ریستوران کی رینویشن میں چند ماہ لگے تھے اور اب وہ مکمل طور پہ چالو ہو چکا تھا۔ البتہ ابھی تک وہ ایک کامیاب ریستوران نہیں بنا تھا۔ ظہیر کے لیے وہ ایک ایسا کنواں تھا جو پیسے کھا رہا تھا' لیکن پیسے واپس نہیں آ رہے تھے۔

وہ ان دنوں ماموں کے گھر کی بالائی منزل پہ بطور پے انگ گیسٹ رہتی تھی۔ ماموں پہلے اس سے کرایہ لینے پہ راضی نہیں تھے لیکن وہ بنا کرایے کے رہنا نہیں چاہتی تھی سو بہت بحث و تمحیص کے بعد بالآخر وہ راضی ہو گئے تھے۔ اس کی ان سے ملاقات کم ہی ہوتی۔ وہ صبح سے رات تک ریستوران میں ہوا کرتی تھی۔ اور گھر بس سونے کے لیے آتی۔

ایک ایسی ہی رات وہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی جب اس کا موبائل بجنے لگا۔

وہ موبائل سائیلینٹ کر کے نہیں سوتی تھی۔ اس کا موبائل ایک دن میں کئی دفعہ بجتا تھا۔ کبھی کنسٹرکشن کا کوئی نیا مسئلہ۔ کبھی فوڈ اسپلائی میں گڑبڑ۔ جب وہ ریستوران سے باہر ہوتی' اس کے فون پہ موجود سی ٹی وی کیمروں کی ایپ اس کی توجہ اوشن سے بھٹکنے نہیں دیتی تھی۔

تیز گھنٹی نے اسے جگا دیا۔ ساڑھے گیارہ کا وقت ہوا تھا اور ریستوران کے ہیڈ شیف کی کال آ رہی تھی۔

''میم... آپ کہاں ہیں؟'' وہ جیسے چلا رہا تھا۔

''کیا ہوا؟''اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''ریستوران کے کچن میں آگ لگ گئی ہے۔ہم نے فائر بریگیڈ کو بلوالیا ہے۔آپ جلدی پہنچیں۔''

کشمالہ مبین کو بات سمجھنے میں چند لمحے لگے اور پھر وہ بجلی کی سی تیزی سے بستر سے نکلی۔

اوشن جس کو اس نے بہت محنت سے بنایا اور سجایا تھا'اس میں آگ لگی تھی۔ایک سال کی محنت جل رہی تھی۔اور تب ہی اسے کچھ یاد آیا۔

''اور میرا آفس؟کیا وہ محفوظ ہے؟''

''ابھی وہاں آگ نہیں پہنچی۔لیکن کچھ کہہ نہیں سکتا۔''

''اوہ نو۔'' تیزی سے جوتے پہنے'دوپٹہ اٹھایا اور پرس لیے باہر بھاگی۔

اس کے آفس میں اس کا لاکر تھا جو اس کے فنگر پرنٹ سے کھلتا تھا۔وہ وہاں نصب کیا گیا تھا اور اسے اس وقت نکالا نہیں جا سکتا تھا۔اس میں بہت کچھ تھا۔اس کی سیونگز۔اہم ڈاکومنٹس۔بہت سا کیش۔وہ سارا وقت ریستوران میں ہوتی تھی۔اور ہر ریستوران اونر کی طرح وہ اپنے آفس کو محفوظ ترین جگہ تصور کرتی تھی۔

''لاکر فائر پروف نہیں تھا۔اف اللہ۔''

وہ تیزی سے ڈرائیو کرتی بار بار اپنے فون کو دیکھ رہی تھی۔سانس پھولا ہوا تھا۔چہرے پر اب بھی ایکنی تھی۔البتہ پہلے سے کافی کم۔بال کندھوں تک آتے تھے اور ماتھے پر بینگز کی صورت میں کٹے تھے۔اسٹیئرنگ وہیل پہ رکھے ہاتھ کپکپا رہے تھے۔وہ بار بار ایکسلیٹر پہ پاؤں رکھتی۔اسپیڈ تیز تھی۔

اسی لمحے اس کی کار کے سامنے کوئی تیزی سے آیا۔

بس ایک لمحہ اور اس نے زور سے بریک پہ پیر رکھا۔ٹائر چرچرائے۔کار جھٹکے سے رکی۔اس کا اپنا سر زور سے اوپر جا لگا۔ائیر بیگز کھل گئے۔

ایک لمحے کے لیے ساری دنیا گھوم گئی۔اگلے ہی لمحے وہ ائیر بیگز اور سیٹ بیلٹ سے خود کو آزاد کرتی تیزی سے باہر بھاگی۔جھٹکا کھانے سے قبل وہ دیکھ چکی تھی کہ اس کی کار نے کسی کو ٹکر ماری تھی۔

وہ ایک آدمی تھا۔لباس سے مفلوک الحال لگتا تھا۔وہ کار سے ٹکرا کے دور جا گرا تھا۔خون کا فوارا اس کے سر سے بہہ رہا تھا۔ایک عورت اس کے پیچھے بھاگتی ہوئی آرہی تھی۔وہ اونچی آواز میں چلاتے ہوئے اس کو روک رہی تھی۔قریب آئی تو سارا منظر دکھائی دیا۔خون میں لت پت آدمی۔ایک رکی ہوئی کار جس کی ہیڈ لائٹس روشن تھیں

اور ڈرائیونگ دور کھلا تھا۔ اور ایک پریشان سی لڑکی جو زخمی آدمی پہ جھکی ہوئی تھی۔

وہ چیخیں مارتی ہوئی اس کی طرف بھاگی۔

''یہ کیا کیا؟ میرے بندے کو ماردیا تم نے....'' اس نے کندھوں سے پکڑ کے کشمالہ کو پرے ہٹایا۔

''آئی... آئی ایم سوری....'' کشمالہ مبین کا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔ ہاتھ پیروں میں جان نہیں تھی۔ آدمی سر پہ ہاتھ رکھے کراہ رہا تھا۔

''کمال... کمال....'' وہ عورت اس پہ جھکی چیخ رہی تھی۔

''سر پھٹا ہے اس کا۔ زیادہ گہری چوٹ نہیں ہے۔ اس جگہ اپنا دوپٹہ رکھو۔ جلدی رکھو۔'' چلا کے ہدایت دی۔ عورت جلدی جلدی دوپٹے کا گولہ بنا کے اس کے سر پہ رکھنے لگی۔

کشمالہ نے سر اٹھا کے سڑک کو دیکھا۔ قریب میں چند دکانیں تھیں۔ لوگ بھاگتے ہوئے اس طرف آرہے تھے۔ اس کا حواس بحال ہونے لگے۔ یہاں تھوڑی دیر میں لوگ جمع ہو جائیں گے۔ رات کے وقت وہ ایک ہجوم کے گھیرے میں؟ ہرگز نہیں۔

''اس کو ہسپتال لے جاؤ۔ قریب میں ہسپتال ہے۔ اور وہاں جا کے مجھے کال کرو۔'' وہ تیزی سے اٹھ کے کار تک گئی۔

''تم... تم بھاگ رہی ہو؟'' عورت نے غصے سے پلٹ کے اسے دیکھا۔

''بھاگ نہیں رہی۔ میرا آفس میں آگ لگی ہے۔ مجھے جلدی پہنچنا ہے۔'' وہ بھاگتے ہوئے واپس آئی۔ پرس سے چند نوٹ اور اپنا کارڈ زبردستی اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

''اس کا زخم گہرا نہیں ہے۔ اسے کچھ نہیں ہوگا۔ لیکن میرا بہت نقصان ہو جائے گا۔'' نگاہ اٹھا کے دیکھا۔ چند لوگ اس طرف آرہے تھے۔ وہ پنجوں کے بل سڑک پہ بیٹھی جلدی جلدی بولنے لگی۔ ''یہاں کوئی بھی اس کو ہسپتال لے جائے گا۔ پلیز میری بات سمجھو۔ وہاں جا کے مجھے کال کر دینا۔ اس پہ میرا نمبر لکھا ہے اور پتہ بھی۔ مری کار کا نمبر تم دیکھ چکی ہو۔ میں بھاگ نہیں رہی۔ میں ایک گھنٹے تک سیدھی ہسپتال پہنچ جاؤں گی۔''

اگلے لمحے وہ تیزی سے واپس آئی۔ ہجوم اکٹھا ہونے لگا تھا۔ لوگ اس کی طرف اشارہ کر کے اونچی آواز میں کچھ کہہ رہے تھے۔ اس نے دروازے بند کر لیے۔ کسی نے اس کا شیشہ کھٹکھٹایا۔ لیکن اس کا ایک ہاتھ گیئر پہ تھا اور پیر ایکسلیٹر پہ۔ تیزی سے کار کو ریورس کیا اور زن سے آگے بھگا لے گئی۔

پھر بیک ویو مرر میں دیکھا۔کوئی اس کے پیچھے نہیں آ رہا تھا۔اس کی پیشانی پسینے سے تر تھی اور سانس بری طرح پھول رہا تھا۔

(تمہیں اس کو ہسپتال لے جانا چاہیے تھا۔) کسی نے اندر ہی اندر اسے ملامت کیا۔لیکن اس نے نفی میں سر ہلایا۔

اوشن زیادہ اہم ہے۔میرے ڈاکومنٹس۔پیسے۔قیمتی چیزیں۔اور پھر وہاں بہت لوگ جمع ہیں۔ساتھ ہی ہسپتال ہے۔اسے کوئی ہسپتال لے جائے گا۔اس کا سر پھٹا تھا۔وہ بچ جائے گا۔وہ بچ جائے گا۔وہ خود سے بڑبڑا رہی تھی۔

مطلوبہ اسٹریٹ میں کار موڑتے ہی اس کی اوشن کی طرف بلند ہوئی۔وہ چاردیواری میں بنا ایک اطالوی بنگلے کی طرز کا ریستوران تھا جو کہ درختوں کے پیچھے چھپا تھا۔وہاں چند کارز کھڑی تھیں۔لیکن کوئی دھواں نہ تھا۔نہ آگ کے شعلے۔نہ فائر بریگیڈ۔اس کے چہرے پہ اچنبھا ابھرا۔

وہ کار کھڑی کر کے بھاگتی ہوئی اندر آئی۔اندر مین ہال اندھیر تھا۔

"ظہیر۔عباس۔لالک۔"اس نے ڈرتے ڈرتے پکارا۔

تب ہی فضا میں موسیقی سی بج اٹھی۔اندھیرے میں ایک دھن۔

ہپی برتھ ڈے ٹو یو۔ہپی برتھ ڈے ٹو یو۔

اسی لمحے ساری بتیاں جل اٹھیں۔شور سا بلند ہوا۔وہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔شاک سے آنکھیں اور لب پتھر ہو گئے۔

سامنے ایک بڑی ٹیبل پہ کیک رکھا تھا۔اور اس کے ارد گرد ریستوران کے تمام ویٹرز اور اس کے چند دوست کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔ان میں ظہیر اور اس کی بیوی بھی شامل تھے۔وہ سب ہنس رہے تھے۔میوزک بج رہا تھا۔تالیاں بجا کے اس کا استقبال کر رہے تھے۔

وہ وہیں چوکھٹ میں کھڑی تھی۔شاکڈ۔ششدر۔نگاہیں گھما کے اطراف میں دیکھا۔اوشن ٹھیک تھا۔اوپر بنا اس کا آفس بھی ٹھیک تھا۔سب کچھ ٹھیک تھا۔

"سرپرائز..."اس کی اسسٹنٹ صاعقہ ہنستے ہوئے کیک پر موم بتیاں جلا رہی تھیں۔اس کی نظریں گھڑی کی طرف اٹھیں۔بارہ بج چکے تھے۔

"یہ پرینک تھا؟" اس کو اپنی آواز کنویں سے آتی سنائی دی۔ جواب میں ایک قہقہہ سنائی دیا۔

"آپ سارا دن ہمارے اور اوشن کے لیے کام کرتی ہیں میم۔ ہم آپ کے لیے کچھ اسپیشل کرنا چاہتے تھے۔"

وہ سب مسکراتے ہوئے اس کو دیکھ رہے تھے۔

"تھینک... تھینک یو۔" وہ بدقت مسکرائی۔ پھیکی' خوفزدہ سی مسکراہٹ۔

"آپ کے ہاتھ پر خون لگا ہے۔" ایک دم صاعقہ نے کہا تو سب چونکے۔ اس نے بے اختیار اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ دائیں ہاتھ پہ زخمی راہگیر کا خون واضح نظر آ رہا تھا۔ اس نے چہرہ اٹھایا۔ تمام نظریں اس پہ تھیں۔ سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

"اوہ نہیں۔ یہ تو..... دراصل...." اس کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ "راستے میں سڑک پہ ایک... ایک فاختہ مری پڑی تھی۔ اس کا... اس کا خون ہے۔" وہ جلدی سے مسکرا کے کہتے ہوئے آگے آئی۔

"تھینک یو اس سب کے لیے۔ تھینک یو گائز۔ میں ہاتھ صاف کرلوں۔" اس نے اپنا بزنس فیس آن کرلیا۔ سب کی سانس میں سانس آئی۔ میوزک پھر سے بجنے لگا۔

وہ تیزی سے ریسٹ روم کی طرف آئی اور اسے اندر سے بند کرلیا۔ پھر ہاتھ اوپر اٹھا کے دیکھا۔ تازہ خون۔ خوف' بے یقینی آنکھوں میں بھر گئی۔

"یہ کیا ہو گیا؟" اس نے دہل کے سینے پہ ہاتھ رکھا۔ "اگر وہ مر گیا تو؟"

پسِ منظر میں وہی میوزک سنائی دے رہا تھا۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔

وہ تیزی سے نل تلے ہاتھ کیے خون کو رگڑ رہی تھی۔ گلابی پانی بہہ کے سنک کے سوراخ سے نیچے جاتا زمین میں جذب ہو رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ قاسم فرید کے آفس کا منظر تھا جو ایک برس قبل ان کی وفات کے وقت سے ماہر کے زیر استعمال تھا۔ اس شام وہ مینیجرز ٹیبل کی بجائے کھڑکی کے قریب بچھی ورک ٹیبل پہ موجود نظر آ رہا تھا۔ سفید شرٹ کے آستین موڑے' سامنے رکھے ماڈل پہ چہرہ جھکائے وہ احتیاط سے ایک ٹکڑا جوڑ رہا تھا۔ یہ اپارٹمنٹ بلڈنگ کا ایک ماڈل تھا۔ ہر چند لمحے بعد وہ رکتا' نفی میں سر ہلاتا اور پھر سے کچھ تبدیل کرتا۔

آفس میں مسلسل کرسی کے ٹائرز کی چیں چیں سنائی دے رہی تھی۔ یہ مینیجر ٹیبل کے پیچھے رکھی اونچی کنٹرول چیئر

سے آ رہی تھی جس پہ بیٹھی ہلال اس مسلسل دائیں بائیں ہلا رہی تھی۔ نظریں ماہر کے چہرے پہ جمی تھیں جو متوجہ نہیں ہو رہا تھا۔ میز پہ اس کا گلابی بیک پیک رکھا تھا۔

جس روز وہ قطر سے اس کے لیے اسٹرابری والی کینڈل لیے اپنی ماں اور شمس کی دہلیز پہ گیا تھا' اس واقعے کو قریبا ایک سال گزر چکا تھا۔

''آپ بار بار قطر کیوں چلے جاتے ہو' ماہر بھائی؟'' اس نے پکارا۔ وہ کام کے دوران اسے بار بار پکارتی تھی۔ وہ بیربل کو اس کے نام سے پکارتی تھی لیکن اسے بھائی کہتی تھی۔

''کیونکہ میں وہاں کام کرتا ہوں۔ اور مجھے قطر اچھا لگتا ہے۔'' وہ سر جھکائے ایک کاغذ سے کچھ پڑھ رہا تھا۔

''آپ اس دفعہ قطر سے میرے لیے کچھ نہیں لائے؟'' اس نے پھر سے سوال پوچھا۔ وہ جیسے بور ہو رہی تھی۔

''لایا ہوں۔ دینا بھول گیا۔ دوسرے نمبر کا دراز کھولو۔'' وہ ماڈل پہ جھکا تھا۔

ہلال کی آنکھیں چمکیں۔ تیزی سے پیر نیچے کیے اور مطلوبہ دراز کھولا۔ اندر ایک سفید ڈبہ رکھا تھا۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ امڈ آئی۔ جلدی سے ڈبے کا ربن اتارا۔ پھر احتیاط سے ڈھکن ہٹایا۔ اندر جھانکا۔ اگلے ہی لمحے اس کا چہرہ اتر گیا۔

''پھر وہی؟ سینٹڈ کینڈل؟'' اس نے کینڈل جار زور سے میز پہ رکھا۔ شیشے کے لکڑی سے ٹکرانے کی آواز آئی تو ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ بہت خفگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اس میں چاکلیٹ اور کافی کی خوشبو ہے۔ تمہیں اچھی لگے گی۔'' اس کا چہرہ دیکھ کے وہ مسکرایا۔

''قطر میں کینڈلز کے علاوہ کچھ نہیں ملتا؟'' ہلال سست روی سے اسے واپس ڈالنے لگی۔ اس نے اسے سونگھا تک نہیں تھا۔ ''آپ نے مجھے اب تک آٹھ کینڈلز دی ہیں۔ میں اتنی ساری کینڈلز کا کیا کروں؟ آپ کے آفس یا گھر میں ایک بھی کینڈل نہیں ہے۔ خود نہیں استعمال کرتے۔ بس میرے لیے لاتے ہو۔''

وہ بڑبڑاتے ہوئے ربن واپس باندھ رہی تھی۔

ماہر دھیرے سے ہنس دیا۔ اور کاغذ ایک طرف رکھ کے پیچھے ٹیک لگا لی۔

''جب تک تم خوشبودار کینڈل جلاؤ گی نہیں' اس کی قدر نہیں کر سکو گی۔''

''بیربل میرے لیے چاکلیٹس لاتا ہے۔ ٹوائز لاتا ہے۔ اسٹوری بکس لاتا ہے۔ آپ صرف کینڈلز لاتے ہو۔''

''کہانا' ایک دن تم ان کینڈلز کو پسند کرنے لگو گی۔''

ہلال نے چہرہ دونوں ہتھیلیوں پہ گرا دیا اور خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''پاپا کہہ رہے تھے ہم شاید پاکستان شفٹ ہو جائیں۔'' تھوڑی دیر بعد وہ آہستہ سے بولی تو وہ چونکا۔ آنکھوں میں اچنبھا در آیا۔

''کیوں؟''

''پتہ نہیں۔ لیکن اگر ہم پاکستان چلے گئے تو میں آپ سے کیسے ملوں گی؟''

ماہر کے لب بھنچ گئے۔ ماتھے پہ تفکر کی لکیریں ابھریں۔ لیکن پھر وہ زبردستی مسکرایا۔

''ڈونٹ وری۔ میں ان سے بات کروں گا۔''

تبھی دروازے پہ دستک ہوئی۔ انگوٹھی سے دی جانے والی دستک۔ وہ اس کو پہچانتا تھا۔ ہلال بھی اسے پہچانتی تھی۔ اسی لیے فوراً سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنا گلابی بیک پیک اٹھا لیا۔

''میں ہلال کو پک کرنے آئی تھی۔'' چند لمحے بعد وہ ان کے سامنے کھڑی تھیں۔ ہلال بھاگتی ہوئی گئی اور ان کی ٹانگوں سے لگ گئی۔ انہوں نے نرمی سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ پھر چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ ماں کو دیکھ کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' چند لمحے وہ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ وہ ان سے اس سے زیادہ بات نہیں کیا کرتا تھا۔ لیکن آج اسے کرنی تھی۔

''شمس پاکستان کیوں شفٹ ہونا چاہتا ہے؟'' یہ نام لیتے ہوئے بھی اس حلق تک کڑوا ہو جاتا تھا۔

رابیل نے گہری سانس لی۔

''اس کی جاب چلی گئی ہے۔ اس کو پاکستان میں ایک اچھی جاب کی آفر ہوئی ہے۔ اس کا بزنس مائنڈ سیٹ نہیں ہے۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ وہ اس آفر کو قبول کر لے اور ہم پاکستان چلے جائیں۔''

''بس؟'' ماہر بغور ان کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ رابیل نے جیسے تھوک نگلا۔

''ہاں بس۔''

''نہیں۔ شمس نے کچھ اور بھی کہا ہوگا۔'' وہ بنا پلک جھپکے ان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ ''کہ میں پاکستان والی آفر نہیں لوں گا اگر.... اگر...؟'' اس نے ابرو اٹھایا۔

رابیل کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔

''اگر اس کو... یہاں کوئی اچھی جاب مل جائے۔ یہیں مے فیئر میں کہیں۔'' انہوں نے نگاہیں جھکا دیں۔

ماہر نے کرب سے آنکھیں بند کیں اور کنپٹی مسلی۔ وہ اس کی ماں نہیں تھی۔ وہ شمس کی بیوی تھی۔ وہ اس کا مدعا لے کر سامنے آئی تھی۔ واللہ وہ لوگوں کے بارے میں کبھی غلط نہیں ہوتا تھا۔

''شمس چاہتا ہے کہ میں اسے اپنی کمپنی میں جگہ دوں ورنہ وہ ہلال اور آپ کو یہاں سے لے کر چلا جائے گا۔'' بہت سا غصہ اندر ابلنے لگا۔ وہ مزید کچھ کہتا لیکن...

''آپ پاپا کو یہاں جاب دے دو گے تو ہم یہاں سے نہیں جائیں گے؟'' ہلال ایک دم چہکی۔ وہ چونکا۔ اسے بھول گیا تھا کہ وہ یہاں کھڑی تھی۔ ایک دم اسے احساس ہوا کہ اس کے پیروں میں نادیدہ زنجیریں پڑ چکی ہیں۔

وہ بدقت مسکرایا۔'' آف کورس۔ میں شمس کو اپنے قریب جاب دلوا دوں گا۔ آپ لوگ پاکستان نہیں جائیں گے۔ شمس سے کہیے گا کہ مجھ سے ملے۔''

''تھینک یو ماہر۔'' ان کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ انہوں نے دروازہ کھولا تو ہلال آگے بھاگ گئی۔ وہ بھی آگے بڑھنے لگیں لیکن ماہر ان کے قریب آیا اور پیچھے سے ان کے کان کے قریب جھکا۔

''آپ کے شوہر کی موت میرے ہاتھوں لکھی ہے۔ کب' کہاں' میں نہیں جانتا۔ لیکن واللہ وہ میرے ہاتھ سے ہی مرے گا۔'' سرگوشی میں کہا اور واپس پلٹ گیا۔ مٹھیاں غصے سے بھینچ رکھی تھیں اور چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

رابیل چونک کے اسے دیکھنے لگیں لیکن اب اس کی ان کی طرف پشت تھی۔ کہنے کو کچھ نہیں بچا تھا۔ وہ ہلال کے پیچھے چل دیں۔

ماہر نے موبائل اٹھایا۔ پھر رکھ دیا۔ مالک یہاں تھا نہیں۔ وہ آج کل بیربل کو مختلف سائنس وزٹ کروانے ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔ بیربل کو بیکری کا بخار چڑھا تھا اور ماہر نے شرط رکھی تھی کہ اگر وہ مالک کو کنوینس کر لے تو وہ اسے پیسے دے دے گا۔ مالک کی غیر موجودگی میں اس کے قریب کوئی ایسا قابل اعتماد انسان نہ تھا جس سے وہ مشورہ کر سکے۔

شمس کے ہاتھ بالآخر اس کی کمزوری آ گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نرم دھوپ اوشن کے برآمدے میں چھن چھن کے آ رہی تھی۔ برآمدے سے باہر نکلو اور دائیں طرف مڑ جاؤ تو ایک چھجا سا بنا تھا جس ساتھ بوگن ویلیا کا درخت کھڑا تھا۔ اس کے نیچے ایک کرسی میز بچھی تھی۔ یہاں بیٹھو تو سرما

کی دھوپ بہت اچھی لگتی۔ نہ بہت سیدھی۔ نہ بہت ٹھنڈی۔ سردیوں میں وہ اس جگہ پہ بیٹھا کرتی تھی۔ یہاں اسے دن کی روشنی کے باوجود قدرے پرائیویسی مل جاتی کیونکہ یہاں سے ریستوران کا اکثر حصہ دکھائی نہ دیتا۔ سو وہ سکون سے اپنا کام کرتی رہتی۔

البتہ آج وہ کام نہیں کر رہی تھی۔ وہ وہیں بیٹھی اضطراب سے انگلیوں مروڑ رہی تھی۔ گزشتہ دوراتوں سے وہ ٹھیک سے سوئی نہیں تھی۔ بار بارے موبائل کی بجھی اسکرین کو دیکھتی۔ اس نے اس عورت کو اپنا کارڈ دیا تھا۔ پھر وہ کال کیوں نہیں کر رہی تھی؟ کال آئے' وہ علاج کا خرچہ مانگے' اور یہ معاملہ ختم ہو۔

اسی لمحے گھنٹی بجی۔ اس نے تیزی سے فون اٹھایا۔ اگلے ہی لمحے جوش ماند پڑا۔

ماں کی کال آرہی تھی۔

''کیسی ہو بیٹے؟'' ان کی آواز سے لگ رہا تھا کہ فون گاؤ تکیے پہ اسپیکر پہ رکھے خود تخت پہ بیٹھی ساتھ ساتھ کوئی سبزی چھیل رہی تھیں۔ یہ ان کا سبزی کاٹنے کا وقت ہوتا تھا۔ اور اس وقت وہ ہر روز اسے کال کیا کرتی تھیں۔ وہ ماں کو کم ہی کال کرتی تھی۔ اسے بھول جاتا۔ یا وہ مصروف ہو جاتی۔ ویسے بھی ماں خود کال کر لیتی تھیں۔ اسے کم ہی ضرورت پڑتی۔

''ٹھیک ہوں' ماں۔'' وہ پھیکا سا مسکرائی۔ یہاں سے برآمدے کا جو حصہ اسے دکھائی دیتا تھا' وہ خالی تھا۔ دور باغیچے میں بھی اکا دکا لوگ تھے جو ناشتے کر رہے تھے۔

''آواز سے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ پریشان ہو لیکن ہمیشہ کی طرح بتاؤ گی نہیں۔'' ان کا انداز سادہ تھا۔ پرسکون۔

مالا کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ کیسے پتہ چل جاتا تھا انہیں ہر دفعہ؟

''مجھ سے ایک غلطی ہو گئی ہے' ماں۔'' اس کا گلا رندھنے لگا۔

''جان بوجھ کے کی تھی؟'' ان کا انداز نرم تھا۔

''نہیں۔ ہرگز نہیں۔ جو بھی ہوا' غلطی سے ہوا تھا۔'' اس نے پلکیں جھپکائیں۔ ایک آنسو ٹوٹ کے گال پہ لڑھک گیا۔

''پھر اس کو سدھار لو۔''

''کیسے؟'' اس نے ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑا۔ ایک ہچکی سی آئی۔ سانس بے ترتیب ہونے لگا۔

''اس دنیا میں غلطی کا نتیجہ بھگتنا پڑتا ہے۔ جب غلطی سامنے آئے تو اس پہ اصرار نہ کرنا۔ معافی مانگ کے اس کو

سدھار لینا۔''

''او کے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ نظریں اپنے پیروں پہ جمی تھیں جو اس نے میز رکھے ہوئے تھے۔ ان پہ سیدھی دھوپ پڑ رہی تھی۔

حورِ جہاں بیگم اپنے تخت پہ براجمان تھیں۔ اسپیکر فون بند کیا تو گیلی انگلی سے پانی کا دھبہ فون اسکرین پہ لگ گیا۔ وہ پرواہ کیے بنا واپس آلوؤں کے تھال کی طرف متوجہ ہوئیں جن کو کاٹ کاٹ کے پانی کے برتن میں ڈال رہی تھیں۔

''دھیان سے۔ گر جاؤ گے۔'' بخت بی پریشانی سے کہہ رہی تھیں۔ حور جہاں نے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ وہ اپنے نواسے کے پیچھے بھاگ بھاگ کے ہلکان ہو رہی تھیں جو لاؤنج میں بھاگتا جا رہا تھا۔ کبھی کسی میز سے ٹکرانے لگتا تو کبھی اسے ٹھڈا آنے کے قریب ہوتا۔ ہر دفعہ بخت بی اسے گرنے سے بچا لیتیں۔

''اسے ایک دفعہ گرنے دو، بختو۔''

بخت بی نے پلٹ کے خفگی سے انہیں دیکھا۔

''اسے چوٹ لگ گئی تو؟''

''بچے جب بڑے ہونے لگیں تو انہیں ان کے حصے کی غلطیاں کرنے دینی چاہئیں۔ گرے گا نہیں تو اسے گرنے کی تکلیف کیسے معلوم ہو گی؟'' انہوں نے کہتے ہوئے ایک نظر گاؤ تکیے پہ رکھے موبائل کو دیکھا جس کی اسکرین پہ پانی کا قطرہ ابھی تک ٹھہرا تھا۔ اور واپس سبزی کاٹنے لگیں۔

وہ ابھی تک اپنے دھوپ سے سنہری ہوتے پیروں کو دیکھ رہی تھی۔ سانس ہنوز بے ترتیب تھا۔ تب ہی کانچ کے اسٹیل سے ٹکرانے کی آواز سنائی دی تو چونکی۔ گردن موڑ کے دیکھا۔

ستون کی اوٹ میں برآمدے کا جو حصہ دکھائی دے رہا تھا وہاں ایک ویٹر کھڑا جھک کے ایک میز پہ کافی رکھ رہا تھا۔ یہ میز اسے آدھی دکھائی دے رہی تھی۔ تب ہی اس نے سمجھا کہ خالی ہے۔ مگر... اس نے گردن کھینچی۔ نگاہ کا راستہ صاف ہوا۔ وہاں کوئی بیٹھا تھا۔

بجلی کی تیزی سے مالا نے پیر نیچے کیے۔ جوتے پہنے۔ اور ٹھیک سے بیٹھی۔ لباس کی نادیدہ شکنیں درست کیں۔ وہ یہاں بیٹھ کے ذاتی کالز اٹینڈ نہیں کرتی تھی۔ صرف اس صورت میں کرتی جب قریب میں کوئی نہ ہوتا۔ یونہی شرمندگی سی ہوئی۔ اس آدمی کو ساری آوازیں جاتی رہی ہوں گی۔

اور اس کی آواز بھی یہاں تک پہنچ رہی تھی۔ وہ چونکی۔ وہ آدمی ویٹر سے شکایتی لہجے میں کچھ کہہ رہا تھا۔
وہ تیزی سے اٹھی اور ستون کی اوٹ سے نکلی۔ پھر دو اسٹیپ چڑھ کے برآمدے میں آئی۔ یہاں چھاؤں تھی۔
اب اسے کونے والی میز پہ بیٹھا شخص صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ ایک سوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر آدمی تھا جس کے بال براق سفید تھے۔

''یہ اوٹ ملک oat milk نہیں ہے۔'' وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے کافی کا کپ واپس رکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''سر یہ اوٹ ملک کی کافی ہی ہے۔'' ویٹر منمنایا۔

''سر میں مینیجر ہوں۔ کوئی ایشو ہے کیا؟'' وہ بہت شائستگی سے کہتے ہوئے ان کے سامنے آئی۔ ویٹر ادب سے دو قدم ایک طرف ہوا۔ سلور بالوں والے آدمی نے نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ان کا چہرہ ایسے تھا جیسے برف کا بنا ہو۔

''میں lactose intolerant ہوں۔ آپ کے ویٹر کو میں نے اپنی کیپچینو میں اوٹ ملک ڈالنے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن اس نے میری کافی ڈیری ملک سے بنائی ہے۔''

(لیکٹوز انٹولرنٹ لوگ وہ ہوتے ہیں جو ڈیری ملک یا اس سے بنی چیزیں استعمال نہیں کر سکتے۔)

''لالک؟'' اس نے نگاہیں اٹھا کے لالک نامی ویٹر کو دیکھا۔ وہ خود باریستا بھی تھا اور بہت اچھی کافی بناتا تھا۔

''میں نے اوٹ ملک ہی ڈالا ہے۔'' اس نے بات دہرائی۔

''سر آپ مجھے دو منٹ دیں گے؟ میں آپ کی کافی دوبارہ بھجواتی ہوں۔'' رسماً مسکرا کے انہیں کہا۔ ساتھ ہی آنکھوں سے لالک کو اشارہ کیا۔ اس نے جلدی سے وہ کپ اٹھا لیا اور اس کے پیچھے چل دیا۔

''ایویں نخرے کر رہا ہے۔ یہ باہر سے آئے لوگ یہاں آ کے زیادہ نخرے شروع کر دیتے ہیں۔ میں نے اوٹ ملک سے ہی کافی بنائی تھی۔'' کچن میں آ کے لالک خفگی سے شروع ہو گیا۔ اس آدمی کے انگریزی لب و لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ برطانیہ سے آیا ہے یا کافی عرصہ وہاں رہا ہے۔

مالا نے ایک نظر چھت کو دیکھا۔ پھر فریج کے دروازے کو۔ یہاں کیمرہ نہیں لگا تھا۔ یہ سی سی ٹی وی کا بلائنڈ سپاٹ تھا۔ کچھ دن پہلے فریج یہاں موو کیا گیا تھا۔ کسی نہ کسی وجہ سے کیمرہ لگنا رہ جاتا تھا۔

''تم نے اوٹ ملک ڈالا تھا؟'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے سختی سے پوچھا۔

''قسم لے لیں میں نے ڈالا تھا۔''

''اس کا خالی ڈبا کہاں ہے؟''

''ڈبہ؟'' وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''اس دن میری سالگرہ پہ سب بڑا کھا رہے تھے سوائے تمہارے۔ تم نے کہا تمہیں بڑا پسند نہیں ہے۔ لیکن میرا خیال ہے لالک، تم خود لیکٹوز انٹولرنٹ ہو۔ اور تم کسٹمرز کی کافی میں عام دودھ ڈالتے ہو اور اوٹ ملک اور کوکونٹ ملک کے کارٹن چھپا کے گھر لے جاتے ہو یا اپنی کافی میں استعمال کرتے ہو۔''

''نن نہیں میم....''

''ظہیر یہ دودھ بہت مہنگے امپورٹ کرواتا ہے، بہت کم لوگ ہیں جو ان کا تقاضا کرتے ہیں۔ یہ تمہارے اوپر یہ امانت ہوتے ہیں۔ اور تم نے مجھے ایک کسٹمر کے سامنے شرمندہ کروایا ہے۔ فی الحال میں اس معاملے کو فکس کر رہی ہوں۔ اس کے بعد تم میرے آفس میں آؤ گے۔ اور ہم اس بارے میں بات کریں گے۔''

تھوڑی دیر بعد وہ باہر آئی تو اس کے ساتھ لالک سر جھکائے کافی کا تازہ کپ پکڑے ہوئے تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے آئے۔ اس نے کپ میز پہ رکھا تو مالا نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

سفید بالوں والے آدمی کا چہرہ سپاٹ تھا۔ جیسے برف ہو۔

''میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ میرے باریستا کی غلطی تھی۔ اب آپ کو شکایت نہیں ہوگی، سر۔''

''آپ نے اپنے باریستا کو برطرف نہیں کیا؟'' انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''نہیں۔'' مالا کا لہجہ مطمئن تھا۔

عبدالمالک فرید نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''اس نے میرا بہت قیمتی وقت برباد کیا ہے۔ آپ کو اسے برطرف کر دینا چاہیے تھا۔''

''نہیں سر۔ ذرا سا لیکٹوز آپ کا کچھ خاص نہیں بگاڑ سکتا۔ لیکن اس کی برطرفی اس کی زندگی خراب کر سکتی ہے۔ نوکری کا چلے جانا کسی کی بھی زندگی خراب کر سکتا ہے۔ میں آپ کی shallow ego کی وجہ سے ایک غریب کو برطرف نہیں کر سکتی۔''

''shallow ego'' وہ مسکرائے۔ جیسے اس کی بات دلچسپ لگی ہو۔

''جی۔ لیکن غلطی ہماری ہے اور میں اس غلطی کا مداوا کرنا چاہتی ہوں۔''

''وہ کیسے؟'' وہ مسکرا رہے تھے البتہ آنکھیں برف تھیں۔

کشمالہ بیبن نے ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''کوئی دوسرا کسٹمر ہوتا تو میں اس کو ڈسکاؤنٹ واؤچر دے دیتی اور کافی کا بل نہ لیتی۔ لیکن آپ کو اس سب کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے شکایت ذرا سے پیسے بچانے کے لیے نہیں کی۔ نہ آپ کو لیکٹوز سے اتنا فرق پڑتا ہوگا کیونکہ پاکستان میں بہت کم جگہوں پہ اوٹ ملک دستیاب ہوتا ہے۔ آپ کو اکثر جگہوں پہ ڈیری والی کافی پینی پڑتی ہوگی۔'' وہ مسکرائی۔ وہ اسی دلچسپی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

''پھر میں نے شکایت کیوں کی؟''

''کیونکہ آپ کی بات نہ مان کے آپ کی توہین کی گئی تھی۔ میں اس توہین کا مداوا کرنے کے لیے آپ کی کافی خود بنا کے لائی ہوں۔ اور میں کسی کے لیے کافی نہیں بنایا کرتی۔ ایک دفعہ پھر 'میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔'' بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا تھا۔

ان کے برفیلے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ اور پھر معدوم ہوگئی۔ وہ اپنی میز کی طرف بڑھ گئی۔

''آپ ایک اچھی مینیجر ہیں۔ لیکن....'' انہوں نے دو انگلیوں سے کپ کا ہینڈل سے اٹھایا۔ پھر ایک گھونٹ بھرا۔

''لیکن؟'' وہ برآمدے کے اسٹیپ پہ تھی۔ پلٹ کے اچھنبے سے انہیں دیکھا۔

''لیکن آپ کو اپنے سانس پہ کنٹرول نہیں ہے۔''

''سوری 'سر؟'' وہ بوگن ویلیا کے درخت کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس کے سر کے اوپر گلابی ٹہنیاں لٹک رہی تھیں۔

''جانتی ہیں خوشی یا خوف میں سب سے پہلے کیا خراب ہوتا ہے؟'' ان کی نگاہیں اپنے کپ پہ جمی تھیں۔

''کیا؟''

''سانس۔''

اسی پل سورج کے سامنے سے بادل ہٹے۔ دھوپ نے بوگن ویلیا کی ٹہنیوں کے درمیان سے راستہ بنایا اور برآمدے کے فرش پہ اپنی چند شعائیں پھینکیں۔

''اگر انسان اپنے سانس کو قابو کرنا سیکھ لے تو وہ اپنا ذہن قابو کرسکتا ہے۔ ذہن قابو کر لے تو وہ ہر قسم کے حالات کو قابو کرسکتا ہے۔ سب کچھ سانس سے شروع اور سانس پہ ختم ہوتا ہے۔''

وہ اب سامنے دیکھتے ہوئے کافی کے گھونٹ بھر رہے تھے۔ جیسے خود سے بات کر رہے ہوں۔

مالا نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور پلٹ کے نیچے اتر گئی۔ اب اس کا وجود دھوپ میں تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ اندر ہال میں عباس کے ساتھ کھڑی تھی۔ شیشے کی دیوار کے پار برآمدہ دکھائی دے رہا تھا جہاں سفید بالوں والا شخص بیٹھا کافی پیتے ہوئے موبائل دیکھ رہا تھا۔

''یہ آدمی کون ہے؟''اس کی مشکوک نظریں ان پہ جمی تھیں۔

''بس اتنا معلوم ہے کہ لندن سے آیا ہے۔ انویسٹمنٹ مینیجر ہیں۔ مختلف ریستورانوں کا دورہ کر رہا ہے۔ اسے غالباً اپنے لیے ایک ریستوران خریدنا ہے۔''

''سوال یہ ہے کہ اگر اسے ریستوران خریدنا ہے تو یہ اوشن میں کیا کر رہا ہے؟''

پہلو میں گری اس کی مٹھی بھنچ گئی۔ نظریں اٹھا کے سیڑھیوں کی طرف دیکھا جہاں اوپر کہیں ظہیر کا آفس تھا۔ سانس پھر سے چڑھنے لگا تھا۔

اسی پل فون بجنے لگا۔ غیر شناسا نمبر۔ بالآخر۔ اس نے فون کان سے لگایا۔

''جی جی..... میں کشمالہ ہوں۔ آپ نے کال ہی نہیں کیا۔''چھوٹتے ہی بے چینی سے پوچھا۔''آپ کے شوہر کی طبیعت کیسی ہے؟''

''طبیعت؟''وہ عورت روتے ہوئے چلائی۔''وہ مر گیا ہے۔ تم نے میرا بندہ مار دیا ہے۔''

لمحے بھر کے لیے سارے دنیا تھم گئی۔ اس کو لگا اس کا سانس جیسے بند ہو گیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قاسم فرید کے آفس میں اس وقت تناؤ کی سی کیفیت تھی۔ ایک سرد سا تناؤ جو وہاں بیٹھے دونوں فریقین کے درمیان حائل تھا۔ جو نظر نہیں آتا تھا لیکن گھٹن پیدا کر رہا تھا۔

کھڑکی میں رکھے اس کے باپ کے پودے عدم توجہی کے باعث سوکھ چکے تھے۔ کمرے میں عود کی خوشبو پھیلی تھی جس میں سگار کی مہک بھی شامل تھی۔

''مجھے بلانے کے لیے شکریہ ماہر۔''

کوٹ ٹائی میں ملبوس شمس اس وقت ماہر کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ تھی۔ وہ البتہ نہیں مسکرا رہا تھا۔ بس پتلیاں سکوڑے اس کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کو اندر تک پڑھ رہا ہو۔

''ماں نے بتایا کہ تم ہلال اور ماں کے ساتھ پاکستان شفٹ ہونا چاہتے ہو۔''

شمس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''تم جانتے ہو میری جاب چلی گئی ہے۔ پاکستان میں میرے کزن نے ایک جاب آفر کی ہے۔ وہاں میری فیملی ہے۔ ان کے پاس چلا جاؤں گا۔ ہلال اور رابیل بھی وہیں رہیں گی جہاں میں رہوں گا۔''اس کی چھوٹی چمک دار آنکھیں ماہر پہ جمی تھیں۔

اس نے بہت کچھ حلق سے نیچے اتارا۔ اسے ضبط کرنا تھا۔ ہلال کے لیے۔ ماں کے لیے۔

''ہاں اگر مجھے یہاں کوئی اچھی جاب مل جاتی تو شاید میں نہ جاتا۔''اس نے شیو کھجائی۔ ماہر نے ایک نظر دیوار گیر بک شیلف کو دیکھا جہاں بہت سی کتابیں' فریم اور شیلڈز رکھی تھیں۔ ان میں ایک تصویر اس کے پاس کی بھی تھی۔ وہ ان کے پیچھے کھڑا' ان کے کندھے پہ ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ وہ دونوں کیمرے میں دیکھ کے مسکرا رہے تھے۔ اس نے واپس شمس کو دیکھا۔ اس کے باپ کے باڈی گارڈ کی نوکری سے شروع ہونے والا شمس الدین آج انہی کے آفس میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

''اگر تمہیں یہیں کہیں جاب مل جائے تو نہیں جاؤ گے؟''اس نے دراز کھولا اور ایک باکس نکالا۔

''ہاں۔ اگر تمہارے آس پاس کوئی جاب ہو تو میں یہیں رہ جاؤں گا۔''

''جاب بنائی جا سکتی ہے۔''ماہر نے باکس سے ایک سگار نکالا۔ پھر میز پہ رکھا چاقو اٹھایا۔

''تمہارا شکریہ۔ میرے لیے اتنا سوچنے کا۔''

''سوال یہ ہے کہ...'' وہ چاقو سے سگار کاٹنے لگا۔'' کیا تم میری بتائی گئی جاب قبول کر لو گے؟''شمس کی نظریں اس کے ہاتھوں پہ جمی تھیں جو مہارت سے سگار کو چھیل رہے تھے۔

''شیور۔ کس قسم کی جاب ہے؟''

''فنانس ڈیپارٹمنٹ میں۔ ایک بہت اچھی سیلری اور انشورنسز کے ساتھ۔''اس سگار انگلیوں میں دبایا اور لائٹر اٹھایا۔

''بہترین۔''شمس کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ آنکھیں چمکیں۔ بالآخر وہ قاسم فرید کی کمپنی میں داخل ہونے جا رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ کل صبح اس آدمی سے مل لو۔ یہ تمہیں ہائر کر لے گا۔''

اس نے ایک کارڈ شمس کی طرف بڑھایا۔ شمس نے مسکرا کے کارڈ اٹھایا۔ اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چونک کے ماہر کو دیکھا۔ وہ ٹیک لگائے بیٹھا' سگار سلگا رہا تھا۔

''لیکن ماہر.... یہ تمہاری کمپنی تو نہیں ہے۔''

''میری کمپنی درمیان میں کہاں سے آ گئی؟ تمہیں مے فیئر میں جاب چاہیے تھی نا۔ میرے آس پاس۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے وہ پہلی دفعہ مسکرایا۔ ''ان کا آفس ہمارے قریب ہی ہے۔ پانچ منٹ کی واک پہ۔''

شمس کی مسکراہٹ اب غائب ہو چکی تھی۔ چند لمحے کے لیے اسے سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے۔

''مجھے لگا...''

''تمہیں لگا کہ میں تمہیں اس کمپنی میں کام کرنے دوں گا جہاں ایک زمانے میں تم میرے باپ کی کار کا دروازہ کھولتے تھے۔ چچ چچ۔ تم مجھے ٹھیک سے سمجھے نہیں ہو شمس۔'' افسوس سے سر دائیں بائیں ہلایا۔ پھر سگار کا کش بھرا، بہت سا دھواں لبوں سے نکلا۔ اس نے سگار جھٹکا اور آگے کو جھک کے شمس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کی رنگت پھیکی پڑ چکی تھی۔

''ماہر فرید کو کوئی ایموشنلی بلیک میل نہیں کر سکتا۔ میں نے ہلال سے وعدہ کیا تھا تمہیں اپنے قریب جاب دلوانے کا۔ اپنا وعدہ پورا کر رہا ہوں۔ چاہو تو میری آفر قبول کرو۔ چاہو تو ماں اور ہلال کو لے کر پاکستان شفٹ ہو جاؤ۔ تمہاری مرضی۔'' اس نے واپس ٹیک لگا لی۔

شمس پھیکا سا مسکرایا۔

''مجھے منظور ہے۔ کم از کم میں تمہارے قریب رہوں گا۔'' پھر کرسی پہ رکھا ایک باکس اٹھایا جو وہ ساتھ لایا تھا۔

''تم مجھے پسند نہیں کرتے لیکن بہر حال میں تمہارے آفس کے لیے ایک تحفہ لایا تھا۔ اس کو اپنے آفس میں جگہ دو گے تو مجھے خوشی ہو گی۔''

اس نے باکس کا ڈھکن اٹھایا تو ماہر نے عدم دلچسپی سے دیکھا۔ وہ ایک شطرنج کے گھوڑے کی شکل کا بک ہولڈر تھا۔

''ہوں۔ شکریہ۔'' بے دلی سے کہا اور سگار ہونٹوں سے لگایا۔

''ہلال نے اسے پسند کیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ تمہارے بک شیلف میں اچھا رہے گا۔ کیا میں اسے یہاں رکھ دوں۔''

اس گھوڑے کا رنگ سیاہ تھا۔ ماہر نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

''شیور۔'' وہ ہلال کی پسند تھا۔ اور اگر نہ ہوتا.... تب بھی ایک گھوڑا اس کا کیا بگاڑ سکتا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنے آفس میں کھڑی تھی۔ میز پہ اپنے سامنے اس نے چند چیزیں اکٹھی کر رکھی تھیں۔ فائلز۔ ڈاکومنٹس۔ ایک پودا۔ چند فریمز۔

''مجھے ایک ایسا باکس لا کر دو جس میں یہ سب پورا آ جائے۔'' حیران سی کھڑی اپنی اسسٹنٹ صاعقہ کو حکم دیا۔ وہ سر ہلا کے باکس ڈھونڈنے چلی گئی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ مالا میڈم صبح ہی صبح اپنا سامان کیوں اکٹھا کرنے لگ گئی ہیں۔

موبائل بجنے لگا تو مالا نے گہری سانس لینی چاہی لیکن تنفس پھر سے بے ترتیب ہونے لگا۔ وہ عورت باہر آ چکی تھی۔ اسے ایک مشکل ملاقات کرنی تھی۔ اس نے دیوار پہ لگے آئینے میں ایک دفعہ خود کو دیکھا۔ ماتھے پہ کٹے بال۔ اونچی کس کے بنائی پونی۔ کان' گردن اور ہاتھ کسی قسم کے زیور سے بے نیاز تھے۔ چہرے کی سرخ گلابی ایکنی چمک رہی تھی۔ پیروں میں ہائی ہیلز تھیں۔

وہ باہر آئی تو مین ہال میں بجتا میوزک ایک دم بدلا۔ ہپی برتھ ڈے ٹو یو کی دھن سنائی دینے لگی۔ وہ چونکی۔ کونے میں کمپیوٹر پہ بیٹھا آپریٹر کی بورڈ پہ جھکا تھا۔ مالا کے ماتھے پہ بل پڑے۔ تیزی سے اس کی طرف لپکی۔

''مجھے یہ میوزک اب نہ سنائی دے۔'' اس کے سر پہ پہنچ کے وہ ایک دم غرائی۔ وہ گڑبڑا گیا۔

''سوری میم۔ میں پلے لسٹ چیک کر رہا تھا۔ اس دن آپ کی سالگرہ پہ یہ لگایا تھا تو خود ہی پلے ہو گیا۔''

''کہا نا۔ یہ میوزک مجھے اس ریستوران میں نہ سنائی دے۔ کچھ اور لگا لو۔'' بے اختیار اپنے ہاتھ دیکھے۔ آج وہ سرخ نہیں تھے۔ اس نے گہری سانس خارج کی۔

آج بھی برآمدے کے کونے والی میز پہ وہی صاحب بیٹھے تھے۔ لیپ ٹاپ سامنے رکھے' وہ اس پہ کچھ دیکھ رہے تھے۔ وہ ان سے نگاہ ملائے بغیر آگے آئی۔ برآمدے کے اسٹیپ اتر کے نیچے آئی تو دیکھا۔ اس کی میز سیاہ چادر میں وہی عورت بیٹھی تھی۔ مالا کو دیکھ کے وہ کھڑی نہیں ہوئی۔ بس اسے گھورے گئی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''عاصمہ بی۔ ہم اندر میرے آفس میں چل کے بات کرتے ہیں۔'' وہ نرمی سے کہتی ان کے قریب آئی۔

''مجھے اندر نہیں جانا۔ یہیں سب کے سامنے بات کرنی ہے۔'' وہ ایک دم پھنکاری۔

مالا نے گردن موڑ کے دیکھا۔ سوائے سفید بالوں والے آدمی کے' قریب میں کوئی نہ تھا۔ اس نے کرسی کھینچی۔

''ٹھیک ہے لیکن آرام سے بات کریں۔'' نرمی سے تنبیہہ کر کے وہ ان کے سامنے بیٹھی اور ٹانگ پہ ٹانگ

جمالی۔

''میں اس واقعے کے لیے بہت شرمندہ ہوں۔''

عورت نے اس کی معذرت کو نظر انداز کر کے نگاہیں گھما کے اطراف میں دیکھا۔

''تم تو کہہ رہی تھی تمہارے آفس میں آگ لگ گئی تھی۔ کدھر ہے آگ؟''

کشمالہ نے ناک کے ذریعے سانس اندر کھینچا۔ پھر دھیرے سے خارج کیا۔ تنفس قدرے بہتر ہوا۔

''میں بہت شرمندہ ہوں۔ آئی ایم سو سوری۔ میں ہر قسم کا مداوا کرنے پہ تیار ہوں۔''

''اب کیسا مداوا' بی بی؟ تم نے میرا بندہ مار دیا ہے۔'' وہ روتے ہوئے غصے سے بولی۔

بوگن ویلیا کے پھولوں میں ہوا سے سرسراہٹ ہوئی۔ پھر ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ عبدالمالک فرید نے لیپ ٹاپ سے نگاہیں اٹھا کے اس طرف دیکھا جہاں درخت کی چھاؤں میں وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ پھر انہوں نے واپس نگاہیں جھکا دیں۔

''عاصمہ بی...''

''اس کا خون بہت بہہ گیا تھا۔ کوئی اسے ہسپتال لے جانے کے لیے تیار نہ تھا۔ بڑی مشکل سے ہم ہسپتال پہنچے۔ وہاں جاتے ہی اس نے دم توڑ دیا۔ تم بڑے لوگ گاڑی چلاتے دائیں بائیں کیوں نہیں دیکھتے؟'' اس کے آنسو بہہ رہے تھے اور آواز کپکپا رہی تھی۔

کشمالہ مبین نے ایک گہری سانس اندر کھینچی۔ پھر اسے دھیرے سے خارج کیا۔ اب اس کو سانس نہیں چڑھ رہا تھا۔

''وہ کراسنگ نہیں تھی۔ وہ اچانک سے میرے سامنے آیا تھا۔ غالباً وہ خودکشی کرنے جا رہا تھا کیونکہ آپ اس کے پیچھے بھاگتے ہوئے اسے روک رہی تھیں۔ ٹیکنکلی یہ میری غلطی نہیں تھی۔''

''یہ بات پولیس کے سامنے کہنا یا عدالت میں۔'' وہ دبا دبا سا غرائیں۔

''اگر آپ نے پولیس کے پاس جانے ہوتا تو آپ وہاں جاتیں۔ یہاں نہ آتیں۔ چاہیں تو مجھے لے جائیں پولیس کے سامنے۔ میں ڈرتی نہیں ہوں۔'' وہ ٹیک لگائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے پرسکون سی بیٹھی تھی۔ ''لیکن میں پھر بھی آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ مجھے اس کو خود ہسپتال لے جانا چاہیے تھا۔ انسانی جان ہر قسم کے کام سے اوپر ہوتی ہے۔'' چہرہ اٹھا کے ریستوران کی عمارت کو ایک نظر دیکھا۔

''اب میں کیا کروں گی۔ وہ میرے بچوں کا واحد سہارا تھا۔ اس کی تنخواہ کے بغیر ہمارا گزارا کیسے ہوگا؟''

''میں کہہ رہی ہوں نا' میں آپ لوگوں کا خیال رکھوں گی۔ یہ کچھ رقم ہے۔'' اس نے پرس سے ایک چیک نکالا اور ان کے سامنے رکھا۔

''یہ رکھ لیں۔ دوبارہ بھی چاہیے ہوں تو میرا پتہ آپ کو معلوم ہے۔ میں آپ کو کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹاؤں گی۔'' وہ اسی نرمی سے کہہ رہی تھی۔ دھوپ سے اس کی آنکھیں سنہری لگ رہی تھیں۔

وہ عورت چیک چادر میں دبائے وہاں سے اٹھ کے چلی گئی۔ تو اس نے آنکھیں بند کیں۔ ایک سانس ناک سے کھینچی۔ اندر تک اس کو روک دیا۔ پھر ایک دو تین چار پانچ گنا۔ پھر اس کو لبوں سے خارج کر دیا۔ بہت سا بوجھ سینے سے ہٹ گیا۔

''وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ اس کا شوہر نہیں مرا۔''

وہ لیپ ٹاپ پہ نظریں جمائے بولے تو مالا نے چونک کے انہیں دیکھا۔ پھر اداسی سے مسکرائی اور اٹھ کے برآمدے تک آئی۔

''آپ کو کیسے معلوم؟''

''اس کی آواز' آنکھیں' سب بتا رہی تھیں کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ اداکاری کر رہی ہے۔'' انہوں نے نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ان کا چہرہ آج بھی برف جیسا تھا۔

''جانتی ہوں۔'' اس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ ''جب اس نے مجھے کال کی تو میں نے اس کے نمبر سے اس کے گھر کا ایڈریس نکلوا لیا۔ میری اسسٹنٹ اس کے محلے میں جا کے چیک بھی کر آئی تھی۔ اس کے شوہر کا زخم گہرا نہیں تھا۔ وہ ٹھیک ہے۔ اگر اسے کچھ ہوا ہوتا تو وہ مجھے اپنے گھر بلاتی۔ یہاں نہ آتی۔''

''پھر آپ نے اسے پیسے کیوں دیے؟''

''کیونکہ غلطی میری ہی تھی اور میں اپنی غلطیوں کی ذمہ داری لیا کرتی ہوں۔'' اس کا انداز سادہ تھا۔ ''مجھے اس کو خود ہسپتال لے جانا چاہیے تھا لیکن میں نہیں لے کر گئی۔ مجھے یہ ریستوران زیادہ عزیز تھا۔ اور سنا ہے آپ اس کو خریدنے کی بات کر رہے ہیں۔'' وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''کیا اس ریستوران کو بک نہیں جانا چاہیے؟ یہاں رش نہیں ہوتا۔''

''پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟''

''کیونکہ یہاں رش نہیں ہوتا۔''انہوں نے لیپ ٹاپ کی طرف اشارہ کیا۔''یہاں میں سکون سے اپنا کام کرسکتا ہوں۔''

''یہ ریستوران فارسیل نہیں ہے۔آپ کہیں اور جا کے ونڈو شاپنگ کریں' سر۔''مسکرا کے سرد لہجے میں کہا اور واپس اپنی میز کی طرف چلی گئی۔اپنا لیپ ٹاپ کھولا تو دھوپ سے چمکتی اسکرین میں اپنا چہرہ دکھائی دیا جس پہ زمانے بھر کی خفگی تھی۔اور اضطراب بھی۔

(اگر اس آدمی نے اوشن خرید لیا تو؟) وہ عدم توجہی سے کام کر رہی تھی۔ذہن بہت سے مسئلوں میں الجھا تھا جب سلور بالوں والے آدمی کی میز سے آتی آوازوں نے اسے چونکایا۔

''اس ریستوران میں کیا برائی ہے؟''وہ اسی سپاٹ انداز میں پوچھ رہے تھے۔ان کی میز پہ کوئی اور بھی آ کے بیٹھ چکا تھا۔

''مجھے یہاں کام نہیں کرنا۔''جھنجھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔''اور مجھے تم لوگوں کے مشورے بھی نہیں چاہئیں۔ مجھے معلوم ہے مجھے کیا کرنا ہے اور کہاں کرنا ہے۔''کہاں پہ زور دے کر بولا۔

''اس ریستوران میں کیا برائی ہے؟''انہوں نے تحمل سے سوال دہرایا۔کشمالہ مبین کے ماتھے پہ بل پڑے۔کان کھڑے ہو گئے۔اس کے ریستوران میں کیا برائی تھی؟ ذرا وہ بھی تو سنے۔

''تم دونوں روبوٹس جان بوجھ کے میرے ساتھ یہ کر رہے ہو۔تم لوگ میرے اوپر بھروسہ ہی نہیں کرتے۔تمہیں لگتا ہے کہ میں پیسے ڈبو دوں گا۔''

''مجھے لگتا نہیں ہے۔یقین ہے۔''

مالا نے گردن ترچھی کر کے دیکھا۔

اس کے سامنے ایک نوجوان بیٹھا تھا جس کے گھنگھریالے بال پونی میں بندھے تھے۔کان میں بالی۔کلائیوں میں بہت سے بینڈز' انگلیوں میں سلور انگوٹھیاں۔گھٹنوں سے پھٹی جینز اور اوپر جیکٹ۔یہاں سے اس کا نیم رخ دکھائی دیتا تھا۔

(ہوں۔درست لگتا ہے۔) اس نے گردن واپس موڑی اور لیپ ٹاپ پہ جھکی۔

''یار پلیز میری بات سمجھو۔مجھے تمہارے ساتھ ہر روز ایک نئے ریستوران کا دورہ نہیں کرنا۔مجھے کچھ اور بنانا ہے۔''

''کیا؟''

''بیکری۔ایک بوتیک بیکری۔''

''بیکری کا کیا فائدہ؟''انہوں نے ناک سے مکھی اڑائی۔وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی گفتگو سنتے ہوئے ٹائپ کر رہی تھی۔

''کیونکہ بیکری میں کیکس بنتے ہیں اور کیک کے گرد ساری دنیا گھومتی ہے۔کیکس خاندان کو جوڑتے ہیں۔یہ اپنے آگے پیچھے ہر ایک کو اکٹھا کر لیتے ہیں۔یہ ہر تہوار،ہر موقعے کی ضرورت ہیں۔مجھے کیکس بنانے ہیں،یار۔مجھے کیکس بنانے دو۔''

''بیکری۔''اس نے چونک کے سر اٹھایا۔ایک خیال ذہن کے پردے پہ لہرایا۔پھر اس نے جلدی سے لیپ ٹاپ اٹھایا اور پچھلی گلی کی طرف بڑھ گئی جہاں سے ایک بیرونی زینہ اوپر آفس تک جاتا تھا۔

آفس ٹیبل پہ ایک سرمئی رنگ کا باکس رکھا تھا جس میں اس کی تمام چیزیں پوری آ چکی تھیں۔ننھا سا پودا سب سے اوپر رکھا تھا۔

اس نے ایک لفافے میں بند استعفیٰ پودے کے ساتھ رکھا اور مسکرا کے گہرا سانس لیا۔اسے معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شمس ائیر فونز کانوں میں لگائے،سڑک کنارے چلتا جا رہا تھا۔چہرے پہ جھنجھلاہٹ تھی اور سردی سے ناک سرخ پڑ رہی تھی۔دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں کے اندر تھے۔

''ایک سال سے انتظار کر رہا ہوں،سرکار۔اور کتنا انتظار کروں؟''

دوسری طرف نگینہ بیگم کی ہنسی گونجی۔

''تمہارا لالچ اور بے صبری۔چچ۔''

اس نے مجھے کمپنی میں گھسنے تک نہیں دیا۔اس کی آفر نہ مانتا تو بیوی کے سامنے برا بنتا۔''وہ بری طرح سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

''تم اس کمپنی میں ضرور گھسو گے اور ایک دن اس کے مالک بنو گے۔طاقت ور عمل شروع ہونے میں وقت لیتا ہے۔''

''ایک سال سے آپ وقت ہی لے رہی ہیں۔ عمل کب شروع ہوگا؟''

''عمل تو شروع ہو چکا۔ کیا تم نے وہ پتھر کا گھوڑا اس کے آفس میں رکھ دیا تھا۔''

''جی۔ ایسی جگہ پہ رکھا ہے کہ دن میں کئی دفعہ اس کی نگاہ پڑے۔'' وہ قدرے ٹھنڈا ہوا۔ ''لیکن اس سے کیا ہوگا؟ میری بھیجی گئی کھانے کی چیزیں وہ کبھی نہیں کھاتا کہ میں نے زہر نہ ملا دیا ہو۔''

''سارے جادو کھانے کی چیزوں میں نہیں ہوتے۔ اصل جادو آنکھ سے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔''

وہ کہہ رہی تھیں اور وہ ٹھہر کے پوری عقیدت سے سن رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(اصل جادو آنکھ سے جسم میں داخل ہوتے ہیں۔)

کانفرنس روم کی دیوار پہ لگی بڑی اسکرین اس وقت روشن تھی۔ اس پہ کچھ اسکیچ ابھر رہے تھے۔ طویل میز کے گرد قطاروں میں لگی کرسیوں پہ بیٹھا افراد انہماک سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ نوٹس لے رہے تھے۔ کچھ محض سر ہلاتے ہوئے ماہر کو سن رہے تھے۔

وہ سربراہی کرسی پہ بیٹھا' جھک کے ایک پین سے اسکرین پہ لکیریں کھینچ رہا تھا۔ اس کی اسکرین کا عکس دیوار پہ لگی ایل ای ڈی میں بڑا ہو کے دکھائی دے رہا تھا۔

اور یہ اسی وقت تھا جب اس کو اپنی گردن پہ کسی شے کی موجودگی کا احساس ہوا۔

جیسے کچھ رینگ رہا ہو۔

(نظر میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ آنکھ روح کا دروازہ ہوتی ہے۔ یہ جو دیکھتی ہے اس کو روح میں اتار لیتی ہے۔)

ماہر کا ہاتھ تیزی سے گردن کے پیچھے گیا۔ کوئی کیڑا تھا شاید۔ وہ بات روک کے ایک دم اسے جھاڑنے لگا۔ وہ ہاتھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس نے گردن دائیں جانب موڑی۔ ایک بچھو سفید شرٹ کے کالر پہ چلتا ہوا کندھے تک رینگ رہا تھا۔ وہ تیزی سے کھڑا ہوا اور زور سے کندھا جھاڑنے لگا۔ وہ اتر کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ دفعتاً وہ کہنی تک

گیا اور پھر غائب ہو گیا۔

''سر' آپ ٹھیک ہیں؟'' آواز پہ وہ چونکا۔ کانفرنس روم میں بیٹھے افراد تحیر سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک دم سنبھلا۔

''کوئی چیز چبھ رہی تھی۔ اینی ویز...'' اس نے سلسلہ وہیں سے جوڑتے ہوئے گرافک ٹیبلیٹ پہ نظریں جھکائیں۔

شاید اس کا وہم تھا۔

(وہ ہر روز دن میں کئی دفعہ اس سحر زدہ مجسمے پہ نظر ڈالے گا۔ ہر نظر جادو کو اس کے جسم میں اتارتی جائے گی۔)

وہ کافی شاپ کی قطار میں کھڑا تھا۔ ایک ہاتھ میں رول ہوا اخبار تھامے' کوٹ میں ملبوس' آفس کے لیے تیار۔ بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتا۔ وہ ذہن میں وہ ان تمام پوائنٹس کو دہرا رہا تھا جو ابھی آفس پہنچتے ہی اس نے پہلی میٹنگ میں اپنی ٹیم کے سامنے رکھنے تھے۔

دفعتاً کسی نے اسے پکارا۔

''ماہر...''

وہ چونک کے مڑا۔ دائیں بائیں دیکھا۔

وہاں کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ اس نے سر جھٹکا۔

آواز پھر سے سنائی دی۔

''ماہر...''

(جادو اس کے جسم میں اس حد تک داخل ہو جائے گا کہ اسے وہ نظر آنے لگے گا جو موجود نہ ہو۔ وہ سنائی دے گا جو کسی نے کہا نہ ہو۔)

''ماہر...'' یہ ایک بھاری مردانہ آواز تھی۔ وہ تیزی سے پلٹا۔ حیران نگاہیں اطراف میں دوڑائیں۔

کافی شاپ میں لوگ آ جا رہے تھے۔گلاس ڈور کے باہر اسٹریٹ دکھائی دے رہی تھی۔وہاں کوئی کھڑا دروازے سے چہرہ ٹکائے اندر جھانک رہا تھا۔ایک چھوٹے قد کا بچہ جس کا سر گنجا اور چہرہ سیاہ تھا۔اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور وہ مسکرا رہا تھا۔

''آپ کی باری آ گئی ہے۔'' کسی نے اس کے کندھے پہ دستک دی تو وہ چونکا۔اس سے اگلا کسٹمر اپنی کافی لے جا چکا تھا اور باریستا منتظر سی اس کو دیکھ رہی تھی۔ ماہر نے بے اختیار پلٹ کے دیکھا۔

گلاس ڈور کے پار اب کوئی نہیں تھا۔

(''اور اس سب سے کیا ہو گا؟''

''اس کو بہت ناز ہے نا کہ سب اس کا اعتبار کرتے ہیں۔اب حالات بدل جائیں گے۔کیونکہ سب سے پہلے اس کا خود اپنے اوپر سے اعتبار ختم ہو گا۔)

وہ اپنے بیڈروم میں سنگھار میز کے سامنے کھڑا ٹائی باندھ رہا تھا۔دفعتاً تھوڑی اونچی کر کے دیکھا۔شیو کے دوران گردن پہ کٹ لگ گیا تھا۔ننھا سا کٹ۔اس نے اس پہ انگلی رکھی۔خون کا ایک قطرہ انگلی کے پورے کو چھو گیا۔ ماہر نے افسوس سے سر جھٹکا۔اور سیدھا باتھ روم تک آیا۔سنک کے نیچے ہاتھ کیے۔پانی کی دھار انگلی پہ پڑی اور ایک دم وہ دھار شفاف پانی کی بجائے خون میں بدلتی گئی۔سارا سنک سرخ خون سے بھر گیا۔

(پہلے وہ اس سب کو نظر انداز کرے گا۔لیکن اس کے بعد وہ خوف میں مبتلا ہونے لگے گا۔اور خوف ہمارا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔)

وہ جھٹکے سے پیچھے ہوا۔خوف سے سامنے لگے آئینے میں دیکھا۔اس کی گردن اور کالر پہ بے تحاشا خون لگا تھا۔ ساتھ ہی گردن میں زور کی تکلیف اٹھی۔جیسے کوئی گہرا گھاؤ ہو۔وہ تیزی سے آگے آیا اور نل کھول کے جلدی جلدی پانی چہرے پہ ڈالنے لگا۔پھر نگاہ اٹھائی۔

آئینے میں اس کا عکس صاف تھا۔کوئی خون' کوئی نشان نہ تھا۔بس پانی سے اس کا چہرہ اور گریبان بھیگا ہوا تھا۔

اس کی رنگت سفید پڑنے لگی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ گردن کا درد اب ختم ہو چکا تھا۔

(خوف سحر کو پختہ کرتا ہے۔ جو جتنا ڈرتا ہے اس پہ اتنی جلدی جادو اثر کرتا ہے۔)

یہ چھٹی کے دن کی ایک خوبصورت صبح تھی۔ وہ کلب کے لاؤنج میں صوفوں پہ بیٹھا تھا۔ گھٹنے پہ ایک کتاب رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں سگار دبا تھا۔ وہ اسموکنگ زون تھی اور آس پاس بہت سے لوگ اسموکنگ کر رہے تھے۔ وہ انہماک سے مطالعے میں مصروف تھا جب ورق کے کونے پہ ننھی سیاہ ٹانگیں دکھائی دیں۔ پھر ایک بچھو رینگتا ہوا اوپر آیا۔ وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا۔ کتاب جھاڑی۔ اپنے کپڑے جھاڑے۔

اب بچھو کہیں نہیں تھا۔ اس کا سانس پھولنے لگا۔ انگلیاں کپکپانے لگیں۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ لوگ اس کی طرف متوجہ تھے۔ اس نے کتاب رکھ دی۔ کسی سے نگاہ ملائے بغیر وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

(تم اس کمپنی میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے، شمس، جب تک وہ اس کا مالک ہے۔ ہمیں اسے وہاں سے نکالنا ہوگا۔)

عمارت کا اکثر حصہ تاریکی میں ڈوبا تھا۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ ورک ٹیبل پہ اپنے سامنے ایک ماڈل سجائے، وہ بہت دھیان سے اس کے ٹکڑے جوڑ رہا تھا جب دروازے کے چرچرانے کی آواز آئی۔ اس نے چونک کے رخ موڑا۔

آفس کا دروازہ دھیرے سے کھلا تھا اور کھلتا چلا گیا۔

''کون ہے؟'' اس نے پکارا۔ آواز میں چوکنا پن بھی تھا اور خوف بھی۔

دروازہ دھیرے سے واپس بند ہو گیا۔ وہ تیزی سے اٹھا اور جا کے دروازہ کھولا۔ انگلیوں میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔

باہر مین ہال میں اکا دکا بتیاں جل رہی تھیں۔ سب جا چکے تھے۔

وہ واپس اپنی میز تک آیا اور اسکرین روشن کی۔ پھر سی سی ٹی وی کیمروں کی ونڈو کھولی۔ وہاں اس کے آفس کا

منظر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے چند منٹ پہلے کی فوٹیج ریوائنڈ کی۔

اس کارواں رواں آنکھ بن کے اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔ وہ بالآخر دیکھ لے گا کہ کون اسے یوں ڈرا رہا تھا۔ یقیناً یہ کوئی انسان ہے جو اس کو تنگ کر رہا ہے۔

فوٹیج میں ماہر فرید کام کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ دروازہ بند تھا۔ یکدم اس نے دیکھا کہ وہ اٹھا ہے' جا کے دروازہ کھول کے باہر جھانکا ہے اور واپس میز تک آیا ہے۔

وہ سن رہ گیا۔ ششدر۔ ساکت۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس نے خود دیکھا تھا۔ دروازہ کسی نے کھولا تھا۔ آواز آئی تھی۔ لیکن کیمرے جھوٹ نہیں بولتے۔ کیمرے کہہ رہے تھے کہ دروازہ بند ہی تھا۔ اسے وہم ہوا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ؟'' اس نے اپنا سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

بک شیلف پہ رکھا سیاہ گھوڑے کی شکل کا بک ہولڈر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

(اور جو انسان خود پہ بھروسہ کرنا چھوڑ دے' اس پہ کوئی دوسرا بھروسہ نہیں کرتا۔''

نگینہ بیگم نے مسکرا کے وقفہ دیا۔

''ہلال کیسی ہے؟''

سڑک کنارے چلتے شمس کا سانس رک سا گیا۔ اس نے تھوک نگلا۔

''مجھ سے ہلال کے بارے نہ پوچھا کریں سرکار۔'' اس نے تلخی سے بات کاٹی۔ جواب میں ہلکی سی ہنسی گونجی۔ اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔ شمس کا چہرہ اب کے سفید پڑ رہا تھا۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ظہیر اپنے آفس میں بیٹھا' بہت سے کاموں میں الجھا ہوا تھا جب اس نے دھپ سے کچھ میز پہ رکھا۔ آواز سے وہ ایک دم چونکا۔ پرنٹ آؤٹس ہاتھ سے گر گئے۔ سر اٹھایا تو وہ سامنے کھڑی اس کو شکایتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

ظہیر نے پہلے تعجب سے اس کے تاثرات دیکھے اور پھر میز پہ رکھے باکس کو۔ چند فائلز' فریمز' ایک پودا اور سب سے اوپر ایک لفافہ جس پر جلی حروف میں استعفیٰ لکھا تھا۔

''یہ سب کیا ہے' مالا؟''

''میں استعفیٰ دینا چاہتی ہوں۔''

''کیا؟'' وہ حیران ہوا۔ پرنٹ آؤٹ سمیٹ کے پرے رکھے اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''تم اوشن کو بیچ رہے ہو؟'' وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں کس نے کہا؟''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔ کیا تم اوشن کو بیچ رہے ہو؟'' اس نے دبی دبی آواز میں سوال تلخی سے غصے سے دہرایا۔ اس کی کٹے ہوئے بالوں میں چھپی پیشانی پہ بل وہ دیکھ سکتا تھا۔

''میں اوشن کو کیوں بیچوں گا؟''

''یہ بھی میرے سوال کا جواب نہیں ہے۔''

ظہیر نے گہری سانس لی۔ پیچھے ہو کے بیٹھا اور کندھے اچکائے۔

''نہیں۔ ایک آدمی خریدنا چاہتا تھا لیکن پیچھے ہٹ گیا۔']

''یعنی تم اس کو بیچنے کے لیے تیار تھے؟''

''مجھے ڈیڈی کو پیسے لوٹانے ہیں اور اوشن اب تک نقصان میں جا رہا ہے۔ ہمیں کچھ ریٹرن نہیں آ رہا۔'' اس نے شیو کھجائی اور بات شروع کی۔ ''لیکن میں اس کو نہیں بیچ رہا۔''

''کیونکہ تمہارے پاس کوئی آفر نہیں ہے۔ آفر ہوتی تو بیچ دیتے۔ مگر یہ سوچا ہے کہ میں کہاں جاؤں گی؟ میں نے اس ریستوران کو ایک سال دیا ہے۔''

''اور وہ سال ضائع گیا ہے۔ ہم چاہیں تو ابھی بھی اس میس سے نکل سکتے ہیں۔ میں کچھ بونس دے کر سب کو فارغ کر سکتا ہوں۔'' وہ جیسے اب تھک چکا تھا۔ ''مزید وقت ضائع کرنے سے بہتر نہیں ہے کہ ہم اس سے نکل جائیں؟''

''اگر تم نے اوشن کو بیچنا ہے تو ابھی فیصلہ کرو۔ میں استعفیٰ دے دیتی ہوں۔'' اس نے لفافہ باکس سے نکال کے سامنے رکھا۔

''ابھی فوراً تو نہیں... '' وہ گڑبڑا گیا۔ پھر لہجہ بدلا۔ ''دیکھو ہم کچھ عرصہ اس کو چلا کے دیکھ لیتے ہیں۔ اگر... ''

''نہیں ظہیر۔ میں اپنا کیریئر مفروضوں پہ نہیں بنا سکتی۔ میرا ایک سال پہلے ہی ضائع ہو چکا ہے۔ تم میرا استعفیٰ قبول کر کے میرا مزید وقت ضائع نہ کرواؤ۔ یا پھر تم اوشن کو بیچنے کا خیال ذہن سے نکال دو اور مجھے اس کو چلانے دو۔''

ظہیر نے ایک نظر اس کے باکس کو دیکھا۔

''کیا تمہیں واقعی لگتا ہے کہ اوشن کامیاب ہوگا؟''

''اوشن ضرور کامیاب ہوگا اگر تم اس کو وقت دو۔ ہر بزنس کو سیٹ ہونے میں وقت لگتا ہے۔'' اس کا لہجہ نرم ہو گیا۔ ''اگر اس وقت تم اس کو بیچ دیتے ہو تو سمجھو ہمارا ایک سال ضائع گیا۔ میں اپنا سال ضائع نہیں ہونے دوں گی۔ میں اس کو کامیاب بناؤں گی۔ لیکن تم مجھ سے پوچھے بغیر اس کو نہیں بیچو گے۔''

''نہیں بیچوں گا یار۔ تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔'' ظہیر نے آواز نرم کر کے بہت اپنائیت سے اسے دیکھا۔ ''ہم لوگ اب تک ایک فیملی کی طرح کام کرتے آئے ہیں۔ میں کیوں تمہیں بتائے بغیر ریستوران بیچوں گا؟ ہرگز نہیں۔ کانٹرکٹ سائن کروالو بے شک۔ لیکن کاغذ کی وہ حیثیت نہیں ہے جو میرے الفاظ کی ہے۔''

''کانٹرکٹ کرنا ہوتا تو کر چکے ہوتے۔'' اس کا لہجہ شکایتی تھا البتہ پیشانی کے بل نرم پڑ چکے تھے۔ ''فی الحال مجھ پہ بھروسہ کر کے دیکھو۔ مجھے ایک سال دو۔ میں نہ صرف اس ریستوران کو کامیاب کر کے دکھاؤں گی بلکہ ہم ایک سال بعد expansion کر رہے ہوں گے۔''

'' expansion?'' ظہیر نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ ''کیسے؟''

''بیکری سے۔ ہم ریستوران میں ایک بوتیک بیکری کا اضافہ کریں گے۔ کیونکہ کیکس خاندانوں کو جوڑتے ہیں۔ لوگوں کو اپنے گرد اکٹھا کر لیتے ہیں۔''

''بہت دلچسپ۔'' وہ مسکرایا۔

''میں اپنا استعفیٰ واپس لے رہی ہوں لیکن اس وعدے پہ کہ تم اوشن کو نہیں بیچو گے اور مجھے ایک نئے بزنس پلان پہ کام کرنے دو گے۔ اگلے سال ہم بیکری بنائیں گے۔''

''میم یہ باکس پھینک دوں؟'' صاعقہ اس کی چیزیں واپس میز پہ سیٹ کر چکی تو خالی باکس کو دیکھ کے سوال پوچھا۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھی کسی سوچ میں گم دکھائی دیتی تھی۔

''نہیں۔ اس کو میری کیبنٹ میں رکھ دو۔''

''اب تو آپ استعفیٰ نہیں دے رہیں۔ اب اس کی کیا ضرورت؟'' وہ حیران ہوئی۔

مالا نے ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی۔ سرمئی باکس بھی اس کو خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

''ہونا چاہیے۔ باکس ہمیشہ ساتھ ہونا چاہیے۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔ یہ وہ لمحہ تھا جب کشمالہ مبین کو احساس ہو چکا

تھا کہ ایک دن ظہیر اس کو بتائے بغیر اوشن بیچ دے گا اور اسے اپنا سامان اسی باکس میں ڈال کے یہ جاب چھوڑنی پڑے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لونگ روم کے وسط میں رکھی سینٹر ٹیبل پہ وہی کینڈل رکھی تھی جو اس روز ماہر نے اسے دی تھی۔ ہلال کہنیاں میز پہ بچھائے خفگی سے اس کینڈل کو دیکھ رہی تھی۔ شمس پیچھے صوفے پہ براجمان مسکراتے ہوئے موبائل پہ لگا تھا۔ دفعتاً اس نے سر اٹھایا اور محظوظ سے انداز میں رابیل کو مخاطب کیا جو اسی وقت کچن سے کافی کا مگ اٹھائے آتی دکھائی دے رہی تھیں۔

''ماہر آج کل کچھ اپ سیٹ لگ رہا ہے۔''

''تمہیں کیسے معلوم؟''

''ہلال کو آج اس کے آفس سے لینے گیا تو دیکھا۔ چڑ چڑا سا۔ جیسے خوفزدہ ہو۔'' اس نے مسکراہٹ دبا کے بظاہر چہرے پہ حیرت طاری کر لی۔

''کام کا اسٹریس ہوگا شاید۔'' رابیل کے چہرے پہ ابھرنے والی حیرت اصلی تھی۔ اور پھر وہ فکرمندی میں بدل گئی۔

''میں اس سے ملنے جاؤں گی۔''

''تمہیں بتائے گا وہ؟ ہونہہ۔'' شمس ہلکے سے ہنسا اور اٹھ گیا۔ اس کے انداز میں استہزاء تھا۔ رابیل چپ ہوگئیں۔ سر جھکا لیا۔ پھر ایک دم چونکیں۔ ہلال مڑ کے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے گھنگھریالے بال کمر پہ پھیلے تھے۔ اور آنکھوں میں اچنبھا تھا۔

''ماہر بھائی کو کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں۔ دکھاؤ یہ کیا ہے؟'' انہوں نے جلدی سے مسکرا کے تاثرات تبدیل کیے۔ ہلال کا چہرہ قدرے بجھ گیا۔

''ماہر بھائی ہمیشہ مجھے کینڈل گفٹ کرتا ہے۔ مجھے نہیں چاہیے ہیں اتنی ساری کینڈلز۔'' وہ خفا خفا سی تھی۔ رابیل مسکرا دیں۔

''پھر تمہیں کیا چاہیے؟''

ہلال کی آنکھوں میں ایک چمک سی عود آئی۔

''نیل پالشز۔ڈولز۔چاکلیٹس۔یونی کورن۔لاکٹ۔رنگز۔بینگلز۔''وہ ایک ہی سانس میں انگلیوں پہ گنتی جا رہی تھی اور وہ مسکراہٹ دبائے اسے دیکھے گئیں۔

''لیکن ماہر بھائی مجھے صرف کینڈلز دیتا ہے۔میں کیا کروں ان کا؟''

''مجھے دکھاؤ''انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور مگ پرے رکھ دیا۔ ہلال نے بجھے دل کے ساتھ کینڈل ان کی طرف بڑھائی۔

انہوں نے ڈھکن کھولا تو موم کی خوشبو بنا چاپ کے باہر نکلی اور پھیلتی چلی گئی۔

رابیل نے ایک نظر اسے دیکھا اور دوسری نظر جار میں جمی موم کو جس کے اندر تین سیاہ دھاگے فاصلے پہ لگے تھے۔

''کیا تم اب تک نہیں سمجھی ہو کہ وہ تمہیں صرف کینڈلز کیوں دیتا ہے؟''

ہلال کی آنکھیں ایک دم چمکیں۔اس نے چونک کے ان کو دیکھا۔

''اوہ...''اس کے لب مسکراہٹ میں ڈھلنے لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

حالیہ دن۔

زیاد کے والدین کا لاہور میں واقع گھر قدرے پرانے طرز بنا بنگلہ تھا جس کو مرمت وغیرہ کروا کے کافی حد تک مین ٹین رکھا گیا تھا۔وہ کار سے باہر نکلی اور ایک نظر اس بنگلے پہ ڈالی تو ایک عجیب پراسراریت کا احساس ہوا۔ کچھ تھا وہاں جو عام گھروں سے مختلف تھا۔

نگینہ بیگم نے اسے بہت محبت سے گھر بلایا تھا۔زیاد اسلام آباد گیا ہوا تھا اور وہ چاہتی تھیں کہ مالا ان کے ساتھ تھوڑی ہیلپ کروا دے۔نگینہ آنٹی ویسے بھی اتنی شفیق' اور محبت کرنے والی تھیں کہ وہ ان کو ناں نہیں کہہ سکتی تھی' گو کہ زیاد سے اسکی بول چال بند تھی۔

اس گھر میں عجیب سی خاموشی تھی۔ پرندوں کی آوازیں تک نہ تھیں ۔وہ پہلے ایک ہی دفعہ یہاں آئی تھی وہ بھی باہر باہر سے چلی گئی تھی۔پہلی بار اندر آ رہی تھی۔ کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔

لان خاموشی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہاں درخت نہیں تھے نہ پودے۔ اس نے غور کیا تو احساس ہوا کہ گھاس بھی مصنوعی تھا۔ کوئی گملہ تک نہ تھا۔ صرف ایک درخت تھا جو سوکھ گیا تھا۔ جیسے کچھ تھا فضا میں جو اسے پھلنے پھولنے نہیں دیتا تھا۔

ظاہر ہے۔ وہ لوگ دبئی چلے جاتے ہیں۔ نگینہ بیگم مہینے میں ایک چکر لگاتی ہیں۔ ایسے میں پودوں کا خیال کون رکھے گا۔ بات سمجھ میں آنے والی تھی۔

اس نے لکڑی کے مین ڈور پہ ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ ایک دم کھل گیا۔ وہ ڈر کے دو قدم پیچھے ہٹی۔

سامنے سیاہ فام سی بنگالی ملازمہ کھڑی تھی۔ اس کی گھورتی ہوئی نظریں اس کے وجود کے آر پار ہوئیں۔

''بی بی آپ کی منتظر ہیں۔'' وہ اس کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ تھا اس کی نظروں میں جو کشمالہ مبین کو غیر آرام دہ کرنے لگا۔ البتہ وہ عادتاً مسکرادی۔

اندر آئی تو دیکھا لاؤنج میں تاریکی سی تھی۔ بتیاں بہت مدھم تھیں۔ اور کھڑکیوں کے آگے بھاری پردے تھے جنہوں نے روشنی کا ہر راستہ روک رکھا تھا۔ نگینہ آنٹی لاؤنج کے تخت پہ بیٹھی تھیں۔ بیمار، نحیف۔ ہمیشہ کی طرح باوقار سا سفید لباس پہنے۔ سر پہ سفید شال اوڑھے۔ ان کے قریب ہیٹر جل رہا تھا۔ شاید انورٹر بھی آن تھا کیونکہ وہ گھر اندر سے بہت گرم تھا۔ جیسے دہک رہا ہو۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میری بیٹی میرے گھر آئی ہے۔'' وہ بدقت اٹھ کے اس سے ملیں۔ وہ مسکرادی اور ان کے پاس وہیں تخت پہ بیٹھ گئی۔ پھر دائیں بائیں دیکھا۔

''آپ نے لائٹس نہیں جلا رکھیں'' آج باہر دھند نہیں تھی۔ میٹھی سی دھوپ نکلی تھی۔ لیکن اس گھر کے اندر نیم تاریک سا ماحول تھا۔ اندھیرا اور گرمائش۔

''جلا رکھی ہیں۔ مجھے ایسے ہی پسند ہے۔'' وہ گاؤ تکیے کے سہارے بیٹھے بیٹھے مسکرائیں۔ وہ بھی مسکرادی۔ البتہ کچھ تھا جو اسے غیر آرام دہ کر گیا تھا۔ شاید اسے ماں کی طرح روشنی کی عادت تھی۔ گھروں کو روشن اور ہوادار رکھنا۔ کھڑکیاں کھولنا۔ اور پودے۔ وہ چونکی۔ یہاں اندر بھی پودے نہیں تھے۔ اچھا خیر۔ اسے کیا۔

''زیادہ سے بات ہوئی۔ اسے بتایا کہ آج کشمالہ آرہی ہے تو اندازہ ہوا کہ اسے معلوم نہیں۔'' انہوں نے نرمی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''کیا کوئی لڑائی ہوئی ہے تم دونوں کی؟''

''نہیں تو۔'' وہ سنبھل کے مسکرائی۔ ہر نئے کپل کی طرح یہ اس کا ڈیفنس میکنزم تھا۔ کوئی دوسرا نہ جان پائے کہ

دونوں کے درمیان کیا چل رہا ہے۔

''اس نے بھی یہی کہا۔'' وہ دھیرے سے مسکرائیں۔ پھر اس کے دونوں ہاتھ اپنے بوڑھے ہاتھوں میں تھامے۔ کشمالہ نے ان کے ہاتھوں کو دیکھا۔ انہوں نے چاندی کی انگوٹھی پہن رکھی تھی جو پلین تھی۔ سادہ۔ بالکل سادہ۔

''زیاد کو سبرینہ.. اس کی پہلی منگیتر... کی موت نے بہت ڈپریسڈ کر دیا تھا۔ اس کا تو جیسے دل ہی ٹوٹ گیا۔ بہت عرصے بعد وہ سنبھلا ہے اور زندگی کی طرف واپس آیا ہے۔ وہ بھی تمہاری وجہ سے' کشمالہ۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بہت اپنائیت سے کہہ رہی تھیں۔ مالا نے سنتے ہوئے سر ہلایا۔ اسے احساس ہوا کہ اندرانی نامی ملازمہ تخت کے کنارے پہ آ کھڑی ہوئی ہے اور اسے گھور رہی ہے۔

''صرف تمہاری وجہ سے اس کی زندگی کی رونق واپس آئی ہے۔ محبت یہ ہوتی ہے۔ جو ٹوٹے دل کو جوڑ دے۔ ایک اچھی عورت اپنی محبت سے اپنے شوہر کے دل کو جوڑ سکتی ہے۔ اس کو اس کے سب مسئلوں سے نکال سکتی ہے۔ اپنی محبت سے اس کی ذات کی ہر کمی کو پورا کر سکتی ہے۔''

اس نے پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔ اس کا ہاتھ ابھی تک ان کے ہاتھوں میں تھا۔

''زیاد کی بھی کچھ بری عادات ہیں۔ غصے کا تیز ہے۔ کبھی کبھی تلخ ہو جاتا ہے لیکن دل کا بہت اچھا ہے۔ لیکن تم دیکھنا۔ شادی ہوتے ہی وہ اپنی اس کمی پہ بھی قابو پا لے گا۔ سمجھدار عورت بہت صبر سے اپنے شوہر کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لیتی ہے۔''

کچھ غیر آرام دہ سا اندر سر اٹھانے لگا۔ اس نے لب کھولے۔ الفاظ ذہن میں جمع ہوئے۔ کیا عورت یہ سب کر سکتی ہے؟ کیا وہ کوئی بری عادات کے چھڑوانے کا اسکول ہے؟ لیکن وہ کہے جا رہی تھیں۔

''شروع شروع میں لڑکیوں کو ذرا صبر کرنا پڑتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے مسئلوں کو اگنور کرنا پڑتا ہے اور پھر آگے بڑے بڑے سکھ مقدر کا حصہ بنتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی اپنی سمجھداری سے زیاد کو ہینڈل کر لو گی۔''

اس کے سارے اعتراض دم توڑ گئے۔ وہ درست کہہ رہی تھیں۔ عورت کو ہی گھر بنانا ہوتا ہے۔ عورت کو ہی گھر کو سنبھالنا ہوتا ہے۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور نرمی سے مسکرائی۔

''میں سمجھ گئی ہوں۔'' ذہن نے ایک ریمائنڈر اپنے اندر محفوظ کیا۔ آج وہ زیاد کے میسج کا جواب دے گی۔ اسے اب ناراضی ختم کر دینی چاہیے۔

اندرانی ابھی تک وہیں کھڑی اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''میرے ساتھ اس کے کچھ ڈاکومنٹس سنبھال دو۔ اندرانی کی سمجھ میں نہیں آتے۔ میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے۔ جو چیز فالتو ہے اسے ہم پھینک دیں گے۔ اور کام کی چیز رکھ لیں گے۔''

بنگالی ملازمہ نے سہارا دے کر انہیں وہیل چیئر پہ بٹھایا اور وہ دونوں اب ایک لائبریری نما کمرے میں آ گئے۔ یہ زیاد سلطان کا اسٹڈی روم تھا۔ کتابوں کے دیوار گیر شیلف۔ فائلز کے ڈھیر۔

''زیاد دبئی میں اکیلا رہتا ہے۔ لیکن شادی کے بعد تم دونوں ہمارے ساتھ رہو گے۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟'' بنگالی عورت خاموشی سے اس کو کاغذات پکڑا رہی تھی جنہیں وہ الگ الگ کیے جا رہی تھی جب نگینہ بیگم نے ایک دم سوال کیا۔

''ہرگز نہیں۔ بلکہ ہمیں تو آپ کے ساتھ ہی رہنا چاہیے۔ ورنہ آپ کا خیال کون رکھے گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ایک فائل کو کھول کے سرسری سا دیکھا۔ ''یہ کام کی ہے۔ پلاٹ کے کاغذات ہیں۔ اس کو اس طرف رکھ دیں بُوا۔''

بنگالی عورت نے ایک خاموش گھورتی نظر اس پہ ڈالی اور فائل ایک ڈھیر میں رکھ دی۔ پھر اس نے ایک دوسری فائل اسے تھمائی۔ اور ایک نگینہ بیگم کو۔

''زیاد کو اکثر ڈاکومنٹس کا مسئلہ ہوتا رہتا ہے۔ میں چاہتی ہوں وہ تمام اہم ڈاکومنٹس اپنے ساتھ دبئی لے جائے۔ اب میری صحت ایسی نہیں رہی کہ بار بار پاکستان آ سکوں۔'' وہ کپکپاتے ہاتھوں سے ایک فائل کھولے اب عینک سے پڑھ رہی تھیں۔

وہ جواب میں کچھ کہنے لگی۔ تب ہی ایک دم رکی۔ جس فائل کو اس نے اب کھولا تھا اس کے اندر چند کاغذات لگے تھے۔ سب سے اوپر ایک تصویر تھی۔ کسی لڑکی کی جس نے بالوں کی اونچی پونی باندھ رکھی تھی۔ اور اس کی آنکھ کے نیچے تل کا نشان تھا۔

اس نے دو انگلیوں سے تصویر نکال کے پلٹائی۔ سبرینہ۔

اس کے اعصاب تن گئے۔ ایک ناپسندیدہ سا احساس اپنی لپیٹ میں لینے لگا۔

''یہ فائل کہاں سے آ گئی؟'' نگینہ بیگم نے بہت حیرت سے اسے دیکھا۔ ''میں تو سمجھی تھی کہ اسے عرصہ پہلے پھینک چکی ہوں۔'' انہوں نے ماتھے کو چھوا۔ پھر کھانسیں۔ بنگالی عورت خاموشی سے مالا کو دیکھ رہی تھی جس کی نظریں

فائل پہ جھکی تھیں۔

''یہ کس چیز کے کاغذات ہیں؟''

''یہ سبرینہ کی موت کے بعد اس کی فیملی نے ہمیں دیے تھے۔ دیکھ لو کوئی عدالتی کاغذ ہیں شاید۔''انہوں نے لاعلمی ظاہر کر دی۔

مالا کی نظریں کاغذ پہ دوڑ گئیں۔

وہ ایک injunction آرڈر (دور رہنے کا عدالتی حکم نامہ) تھا جو سبرینہ کی بہن اور ماں باپ نے عدالت سے حاصل کیا تھا۔

ایک ماہر علی فرید کے خلاف۔

ساری دنیا تھم گئی۔ اس کی پلکیں ساکت تھیں۔

ان الفاظ کی سیاہی ان مٹ تھی۔

ساتھ ہی ایک N16A فارم کی کاپی بھی لگی تھی جسے پُر کر کے انہوں نے عدالت میں جمع کروا کے یہ حکم نامہ حاصل کیا تھا۔

''ماہر علی فرید۔''لب بڑبڑائے۔ اس نے چونک کے انہیں دیکھا۔

''سبرینہ کے والدین نے اس آدمی کے خلاف انجکشن لی تھی؟''

''ارے میں نے تمہیں بتایا تھا نا پہلے بھی۔ جب سبرینہ کی موت ہوئی تو...''انہوں نے عینک اتاری اور اسے فولڈ کرنے لگیں۔''اس ایکسیڈنٹ میں ایک امیر بوڑھا بھی مارا گیا تھا۔ اس کا ایک نفسیاتی سا بیٹا تھا۔ کچھ عرصہ کسی نفسیاتی امراض کے ہسپتال میں بھی رہا تھا۔ اندرانی میری چائے لے آؤ۔''ساتھ ہی ملازمہ کو عام سے انداز میں اشارہ کیا۔

''صبح سے چائے نہیں پی۔ سر میں درد ہو رہا ہے۔''پھر اس کا چہرہ دیکھ کے ماتھے کو چھوا۔

''میں بھی دیکھو بات درمیان میں بھول جاتی ہوں۔ کیا کہہ رہی تھی میں؟''

وہ سانس روکے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''وہ جو نفسیاتی آدمی تھا نا ... پتہ نہیں کیا نام تھا۔ خیر ... فائل میں درج ہوگا....''

(ماہر علی فرید) اس کے لبوں نے بنا آواز کے حرکت کی۔

''وہ آدمی سبرینہ کے پیچھے پڑا تھا۔ کہتے ہیں ایکسیڈنٹ بھی اسی نے کروایا تھا اپنے سوتیلے باپ کو مارنے کے لیے۔ وہ کئی برس سے اپنے باپ کو قتل کرنے کی دھمکیاں بھی دیتا آیا تھا۔ سبرینہ کی موت کے بعد وہ اس کی فیملی کے پیچھے پڑ گیا۔ ان کا تعاقب کرنا۔ ان کو ہراس کرنا۔ وہ لوگ اس سے سخت خوفزدہ تھے۔ اس لیے عدالت چلے گئے۔ اور یوں عدالت نے اس کے خلاف نوٹس دیا۔ تب بھی اس نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ بالآخر انہوں نے ملک ہی چھوڑ دیا۔''

''زیاد... زیاد کو معلوم ہے یہ؟'' اس کی آواز ہلکی تھی اور نظریں اس آرڈر پہ جمی تھیں۔

''ہاں۔ لیکن میں نے زیاد کو خود ہی روک دیا ان لوگوں کے مسئلوں میں پڑنے سے۔ ہمیں سبرینہ عزیز تھی۔ لیکن اس کی موت کے بعد میں تو ڈر گئی۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ اور ایسے نفسیاتی انسان کا بھروسہ نہیں ہوتا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ میرے بیٹے کے پیچھے نہ پڑ جائے یا اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔''

''کس نے مارا تھا اس کے باپ کو؟ کیا کبھی معلوم ہو سکا؟''

''نہیں' بیٹا۔ ہم نے اس کیس کے بارے میں خبر رکھنا چھوڑ دی تھی۔ اس فائل کو بھی پھینک دو' کشمالہ۔ زیاد دیکھے گا تو اس کا دل برا ہوگا۔''

لیکن اس نے فائل نہیں پھینکی۔ آہستہ سے اسے گھٹنے کے قریب رکھ لیا۔ اس کا چہرہ بالکل سفید تھا۔ اور آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔

(وہ سبرینہ کے پیچھے پڑا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ میرے بیٹے کے پیچھے نہ پڑ جائے۔)

ایک فقرہ بار بار ذہن پہ دستک دے رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کبیرہ سادان کے آفس میں اس وقت بیربل فرید منہ پھلائے بیٹھا تھا۔ گاہے بگاہے وہ اپنے بھائی کو بھی گھور لیتا جو اپنا اور اپنے کام کا تعارف کروا رہا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے اور میز کی دوسری طرف کبیرہ بیگم بیٹھی تھیں۔

''ان کا تعارف نہیں کروایا۔'' انہوں نے مسکرا کے بیربل کو دیکھا۔

''میں...'' بیربل نے لب کھولے جب...

''یہ میرا نرس ہے۔ کیئر ٹیکر نرس۔''

بیربل کا منہ کھل گیا۔ بے یقینی سے اسے دیکھا جو اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ پھر خفگی سے لب بھینچے اور پیچھے ہو کے

سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔

''اچھا لگا آپ سے مل کے' ماہر۔ بتایئے' میں آپ کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟'' انہوں نے کھنکھار کے بالآخر اس کی آمد کا مدعا پوچھا۔ ساتھ ہی وہ مسلسل گردن میں جھولتی سنہری زنجیر کو انگلی پہ لپیٹ رہی تھیں۔

''میں آپ کے پاس بزنس کے لیے نہیں آیا۔ کچھ پوچھنے آیا ہوں۔ آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں۔''

''مثلاً؟'' کبیرہ کے چہرے پہ تحیر ابھرا۔ قدرے پیچھے ہو کے بیٹھیں۔ پانی کا گلاس اٹھا کے لبوں سے لگایا۔

''پیٹر مسیح یاد ہے آپ کو؟''

کبیرہ نے آہستہ سے گلاس نیچے رکھا۔ ٹشو پیپر ڈبے سے نکالا اور گلاس سے ہاتھوں پہ لگنے والی نمی صاف کی۔

''کون پیٹر مسیح؟''

ماہر فرید دھیرے سے مسکرایا۔ ''میں آپ کو جج نہیں کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ آپ پیٹر مسیح کی کلائنٹ رہی ہیں۔ میں یہ بات کئی ماہ سے جانتا ہوں لیکن میں نے آپ کو نظر انداز کر دیا تھا کیونکہ مجھے لگا کہ آپ میں اور مجھ میں کچھ مشترک نہیں ہے۔''

وہ بالکل خاموشی سے اسے سن رہی تھیں۔ چہرے پہ کوئی تاثر نہ تھا۔ بیربل کو پہلی دفعہ گفتگو میں دلچسپی محسوس ہوئی۔

''کون ہو تم؟'' وہ آنکھیں چھوٹی کر کے اس کو گھور رہی تھیں۔

''میں ماہر فرید ہوں۔ ہلال کا بھائی۔'' اس نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک تصویر نکال کے میز پہ رکھی۔ کبیرہ نے دو انگلیوں سے تصویر اٹھا کے دیکھی۔ پھر ماہر کا چہرہ۔

''یہ میری بہن ہے اور یہ دو سال پہلے کھو گئی تھی۔''

''پھر .... میں کیا کروں؟'' انہوں نے تصویر میز پہ ڈال دی۔ اور ایک نیا ٹشو نکالا۔

''اس روز مجھے کسی نے احساس دلایا کہ ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔ میں سمجھاتا ہوں کیسے۔'' اس کی مسکراہٹ برقرار تھی۔

''آپ کا ایک بیٹا تھا۔ وہ مر گیا تھا۔ سارا خاندان جانتا ہے کہ وہ مر گیا تھا۔ لیکن آپ کہتی ہیں کہ وہ زندہ ہے۔'' اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ ''جیسے میں کہتا ہوں کہ میری بہن زندہ ہے۔''

بیربل فرید نے بری طرح چونک کے اسے دیکھا۔ اس کا سانس تک رک گیا۔

''میں سمجھتا تھا کہ آپ denial میں ہیں۔ یا لوگوں کے سامنے اپنا مان رکھنے کے لیے اپنے بیٹے کو زندہ بتاتی ہیں۔ آپ نہیں چاہتیں کہ کوئی آپ پہ ترس کھائے۔ آپ سے ہمدردی کرے۔ لیکن اس روز مجھے احساس ہوا کہ.....''

وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''کیا معلوم آپ برسوں سے سچ کہہ رہی ہوں؟'' وہ ہر لفظ توڑ توڑ کے کہہ رہا تھا اور وہ ہل نہیں پا رہی تھیں۔

''کیا معلوم آپ کا بیٹا بھی ویسے ہی کھویا ہو جیسے ہلال کھوئی تھی؟ اور جیسے کوئی میرا اعتبار نہیں کرتا' ویسے ہی آپ پہ اعتبار بھی نہیں کیا جاتا۔''

''تمہیں مجھ سے کیا چاہیے؟'' ان کی آنکھوں میں تپش سی تھی۔ غصہ۔ بے بسی۔

''مجھے آپ کی طرف کی کہانی سننی ہے۔ کچھ ایسا جو ہلال کو ڈھونڈنے میں میری مدد کر سکے۔''

''اور میں تمہاری مدد کیوں کروں گی؟ میرا بیٹا مرا ہے یا نہیں' یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔''

ان کا انداز بے لچک تھا۔

ماہر نے جیب سے ایک کارڈ نکالا اور میز پہ رکھا۔

''میں اس ہوٹل کے روم نمبر ۵۵۵ میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ اگلے تین دن میں یہی ہوں گا۔ آپ جب بھی جواب دینے کے لیے تیار ہوں' وہاں آجایئے گا۔'' اس نے بیربل کو اشارہ کیا جو فوراً سے اٹھا اور اس کی وہیل چیئر تھام لی۔ وہ جس طرح کی کھا جانے والی نظروں ان کو دیکھ رہی تھی' قوی امکان تھا کہ وہ جلد ہی کہہ دے' دروازہ اس طرف ہے۔

''یہ ٹشو پیپر سے ہاتھ کیوں صاف کر رہی تھی؟ کیا اس کو او سی ڈی ہے؟'' لفٹ کی طرف جاتے ہوئے بیربل نے سوال کیا۔

''نہیں۔ یہ او سی ڈی نہیں ہے۔ وہ ظاہر کرتی ہے کہ اسے او سی ڈی ہے۔ درحقیقت انسان جب بہت سے لوگوں پہ جادو کروا چکا ہو تو اس کو خود پہ جادو ہونے سے خوف آنے لگتا ہے۔ وہ کسی کا دیا تحفہ قبول نہیں کرتا۔ کسی سے لے کر کچھ نہیں کھاتا۔ ہر چیز بار بار صاف کرتا ہے کہ کہیں کسی نے پھونک نہ ماردی ہو۔ ایک بال بھی گر جائے تو اس کو خوف آتا ہے کہ کوئی اس پہ جادو کر دے گا۔ جادو کروانے والے ساری عمر اپنے اسی خوف میں رہتے ہیں۔''

''کیا وہ اپنی کہانی سنانے آئے گی؟'' بیربل کو اچنبھا ہوا۔ اسے ماہر سے اتنی جلدی وہاں سے چلے آنے کی توقع

نہیں تھی۔

''وہ ضرور آئے گی۔''

''تمہیں کیسے معلوم؟''

''کیونکہ آج تک ہر کوئی سمجھتا آیا ہے کہ کبیرہ اپنے بیٹے کے زندہ ہونے کے بارے میں جھوٹ بولتی ہے۔ میں وہ واحد انسان ہوں جس نے اس کی بات پہ اعتبار کیا ہے۔ وہ مجھ سے ملنے ضرور آئے گی۔''

''اور تم بس اسی کے لیے اس شہر میں ٹھہرے ہوئے ہو؟ اور کوئی کام نہیں ہے تمہیں؟'' وہ اس کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے ناراضی سے بولا تھا۔ ماہر نے جواب نہیں دیا۔

''کبیرہ بیگم سے ملنے میں سارے کام چھوڑ کے آیا تھا؟ ہونہہ۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔

''تم کام بھی کرتے ہو؟'' وہاں سدا کی بے نیازی چھائی تھی۔ اور اس لمحے بیربل فرید نے تہیہ کیا کہ وہ اپنے بھائی سے مزید کلام نہیں کرے گا۔ بلکہ وہ برابر کا بدلہ لے گا۔

اور اس وقت وہ اس سے صرف ایک طریقے سے بدلہ لے سکتا تھا۔ کچھ سوچ کے اس کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

واپسی پہ سارا راستہ ماہر خاموش تھا۔ البتہ بیربل مسکراہٹ دبائے موبائل پہ جھکا تھا۔ اس نے انسٹاگرام کھول رکھا تھا۔ سامنے کشمالہ مبین کی آئی ڈی کھلی تھی۔ مسکراتے ہوئے اس نے میسج کا بٹن دبایا۔

''میرا بھائی اس وقت لاہور کے اس ہوٹل میں رہائش پذیر ہے۔'' ہوٹل کا نام لکھ کے وہ ٹائپ کرر ہا تھا۔ ''وہ آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہے۔ اگر آپ کے پاس وقت ہو تو کچھ دیر کے لیے اس کی بات سن لیں۔''

میسج بھیج کے اس نے اسکرین شاٹ لیا اور اپنے پاس محفوظ کرلیا۔ وہ جانتا تھا کشمالہ اس کا میسج نہیں دیکھے گی۔ نہ اسے جواب دے گی۔ نہ وہ ماہر سے ملنے آئے گی۔ لیکن اس اسکرین شاٹ کو دیکھ کے ماہر کے تاثرات کیا ہوں گے۔ اسے سوچ کے مزہ آنے لگا۔ لیکن ابھی نہیں۔ وہ استنبول جا کے ہی اس کو یہ دکھائے گا تاکہ فوراً سے گھر سے غائب ہو سکے اور....

میسج ٹون نے اسے چونکایا۔ اسکرین کو دیکھا تو لب بے یقینی سے کھل گئے۔ وہاں کشمالہ مبین لکھا نظر آرہا تھا۔ بیربل کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اس کو اندازہ نہ تھا کہ وہ اس کی میسج ریکوئیسٹ اتنی جلدی دیکھ لے گی۔

''کیا تمہارا بھائی شام سات بجے کے بعد وہیں ہوگا؟''

اس نے گڑبڑا کے ماہر کو دیکھا جو بے خبر سا باہر دیکھ رہا تھا۔ پھر اسکرین کو۔

''لیں۔'' اب وہ مسکرا نہیں رہا تھا۔ بے اختیار ناخنوں سے دانت کترنے لگا۔

یہ اس نے کیا کیا؟ ماہر اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اوہ نو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''آئی ایم سوری۔'' زیاد کی آواز سماعتوں میں سنائی دی اور اس کا سارا غصہ دھیرے دھیرے غائب ہونے لگا۔ وہ نگینہ آنٹی کے گھر سے واپسی پہ ابھی ٹریفک کے رش میں تھی جب زیاد کا میسج آیا۔ بہت دنوں بعد وہ کھل کے مسکرائی۔ تبھی اس کی کال بھی آنے لگی۔ اس نے کار فون کا اسپیکر آن کر دیا۔

''مجھے تم پہ غصہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ تم چاکلیٹس نہیں کھاتیں۔ یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں تھی۔''

''مجھے بھی آپ کا تحفہ اتنی لاپرواہی سے کسی اور کو نہیں دینا چاہیے تھا۔ آئی ایم سوری ٹو۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔

موڈ ایک دم بہتر ہو گیا تھا۔ اتنے دن سے جو واہمے دل کو ستانے لگے تھے وہ ایک دم سے غائب ہو گئے تھے۔

''ہم چند دن بعد ایک ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہے ہیں۔ ہمیں ان چھوٹی چھوٹی باتوں پہ موڈ نہیں خراب کرنے چاہیے۔''

''آپ کو بھی چاہیے کہ آپ ہمیشہ مجھ سے عزت سے بات کریں۔ عزت محبت سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔''

''محبت میں نا کوئی انا' کوئی سیلف رسپیکٹ' کوئی باؤنڈری نہیں ہوتی' کشمالہ۔ میاں بیوی کے درمیان بہت سی لڑائیاں ہوتی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ اہم یہ ہے کہ ہم ہر دفعہ ایک دوسرے کو منا لیا کریں۔''

اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے' پھر فون وائبریٹ ہوا تو اس کی توجہ بھٹکی۔ موبائل اٹھا کے دیکھا تو بیربل فرید لکھا آ رہا تھا۔

''میں آپ کو گھر پہنچ کے کال کرتی ہوں۔'' اس نے کال بند کی۔ چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ وہ لب بھینچے' شکن آلود پیشانی کے ساتھ تیز تیز ٹائپ کرنے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوٹل کی لابی سیاہ سفید ٹائلز سے مزین تھی۔ فاصلے فاصلے پہ مخملیں صوفے رکھ کے چھوٹے چھوٹے سٹنگ ایریاز بنائے گئے تھے۔ اس شام وہاں انتشار نہ تھا۔ کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ کچھ اٹھ کے جا رہے تھے۔

ماہر بھی ایسے ہی ایک صوفے پہ براجمان تھا۔ سفید ڈریس شرٹ پہنے' کف موڑے' وہ پیر لمبے کر کے

مخملیں اوتومن پہ رکھے ہوئے تھا۔ ہاتھ میں کتاب تھی جسے وہ اونچا اٹھائے پڑھنے میں مصروف تھا۔ دفعتاً اسے محسوس ہوا کہ بیر بل دائیں بائیں ٹہل رہا ہے۔ کبھی بیٹھ جاتا۔ کبھی اٹھ کے چلنے لگتا۔

''اتنے بے چین کیوں ہو؟'' ماہر نے کتاب کا کونا موڑا اور ایک گہری نظر اس پہ ڈالی۔

''نہیں تو۔'' وہ فوراً سے قریب میں بیٹھ گیا۔

''پیسے چاہیے ہیں؟'' غور سے اسے دیکھا۔

''دنیا پیسے سے شروع ہو کے پیسے پہ ختم نہیں ہو جاتی' ماہر بے۔'' وہ چڑ گیا۔

''تمہاری ہو جاتی ہے۔'' بے نیازی سے واپس کتاب پڑھنے لگا۔

اور یہ وہی لمحہ تھا جب ایک احساس نے دستک دی۔ کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔ دور سے۔ ماہر فرید نے کتاب نیچے کی۔

سیاہ سفید شطرنج کی بساط جیسے فرش پہ دور سے وہ چلی آ رہی تھی۔

وہ جسے وہ لاکھوں میں پہچان سکتا تھا۔

کتاب خود بخود نیچے ہوتی ہوئی صوفے پہ جا ٹھہری۔ اس نے تیزی سے پیر نیچے کیے۔ بیساکھیاں قدموں میں رکھی تھیں۔ نامحسوس انداز میں ماہر نے پیر سے انہیں صوفے کے نیچے دھکیلا۔ اور بدقت اپنے قدموں پہ کھڑا ہوا۔ نگاہیں اس پہ جمی تھیں۔

وہ میرون لمبی قمیض پہ بھوری لیدر جیکٹ پہنے ہوئے تھی۔ دوپٹہ گردن میں ڈال کے دونوں پلو سامنے گرائے ہوئے تھی۔ بال آدھے دائیں کندھے پر اور باقی آدھے پیچھے گر رہے تھے۔

وہ اسی کو دیکھتی اس طرف آ رہی تھی۔ کسی غلطی سے نہیں۔ اتفاق سے نہیں۔ اس کی آنکھوں سے لگتا تھا کہ وہ اسی سے ملنے آئی ہے۔

مگر کیوں؟ کیسے؟

ماہر نے چونک کے بیر بل کو دیکھا۔ ذہن نے دو جمع دو کیے۔

''کیا کیا ہے تم نے؟'' وہ دبی آواز میں غرایا۔ بیر بل مزید فاصلے پہ سرک گیا اور چہرہ ایسے موڑ لیا جیسے اسے پہچانتا تک نہ ہو۔

وہ اب تک قریب آ چکی تھی۔

''کشمالہ... ''اس نے تھوک نگلا۔

''کیف... ''وہ سپاٹ سی لگ رہی تھی۔ اس کے عین مقابل آ کے رکی۔

''بیٹھو''اس نے سامنے رکھے سنگل صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ ٹانگ پہ زور ڈالے ہوئے تکلیف شروع ہونے لگی تھی۔

''میں زیادہ دیر بیٹھنے نہیں.....''

''بیٹھو''وہ قدرے زور سے بولا۔ ضبط سے مٹھی بھینچ لی۔ چہرے پہ تکلیف تھی۔ وہ زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا اور اس کے بیٹھنے سے پہلے بیٹھ نہیں سکتا تھا۔

''تم مجھ سے ملنا چاہتے تھے؟''وہ سنجیدگی سے کہتی سامنے بیٹھی۔ ماہر نے واپس بیٹھتے ہوئے فرصت سے بیربل کو دیکھا۔

''یقیناً میرے بھائی نے.....''

''اوہ میں اس کا بھائی نہیں ہوں۔ میں ایک کیئر ٹیکر نرس ہوں۔ صرف نرس۔''وہ طنز سے کہتا ایک دم اٹھا اور ہونہہ میں سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔ ماہر نے بہت ضبط سے اسے دور جاتے دیکھا۔ اس کی خبر وہ بعد میں لے گا۔ اب وہ اس کی طرف متوجہ ہوا جو اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

کہاں سے بات شروع کرے؟

بات ختم کہاں ہوئی تھی؟

''تمہاری امی کے لیے... ''الفاظ ادھورے چھوڑ دیے۔''آئی ایم سوری۔''

''شکریہ۔ تین ماہ ہو گئے اس بات کو۔''اس کے انداز میں کچھ جتاتا ہوا سا تھا۔

''میں آنا چاہتا تھا لیکن.... ''اس کی نظریں اپنے قدموں پہ جھکی۔ نامحسوس انداز میں بیساکھی مزید پیچھے دھکیلی۔''لیکن کچھ کام میں پھنس گیا تھا۔''

''آنا چاہیے تھا۔ ماں سے اتنا تعلق تو تھا تمہارا۔''اس کی آواز میں گلہ تھا۔ غصہ بھی۔

ماہر نے استعجابیہ ابرو اٹھائے۔

''اوہ۔ یعنی تم نے میرا انتظار کیا۔''

''میں کیوں انتظار کروں گی؟ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ لیکن معید اور ماہی سے تو تمہارے اچھے تعلقات ہیں۔''اچھے

پہ زور دیا۔

ماہر نے کندھے اچکائے۔

''کیونکہ وہ دونوں سینس ایبل ہیں۔ دل سے نہیں دماغ سے سوچتے ہیں۔ جلد معاف کر دیتے ہیں۔''

وہ چند لمحے اسے گھورتی رہی۔ آنکھیں چھوٹی کر کے جیسے اس کی روح کے اندر اترنا چاہ رہی ہو۔ کچھ تھا جو اس کے انداز میں نیا تھا۔ جیسے کسی بات کا نیا غصہ ہو۔

''میں نے بھی کوشش کی۔ تمہیں معاف کرنے کی۔ تمہارا یقین کرنے کی لیکن ہر دفعہ تمہارا ایک اور فریب سامنے آجاتا ہے۔ ماہر فرید کی ذات کا ایک اور خفیہ پہلو۔ اور بس۔ سب ختم ہو جاتا ہے۔''

''ویری انٹرسٹنگ۔ یعنی تم میرا یقین کرنے کی کوشش کرتی ہو؟'' اس نے گزرتے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا۔

''مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ میں صرف بات کرنے آئی ہوں۔'' وہ فوراً سے بولی۔

''جانتا ہوں۔ اپنے لیے منگوا رہا ہوں۔'' بے نیازی سے قریب آئے ویٹر کو دیکھا۔

''میری ریگولر کافی۔'' اس کا انداز اب سپاٹ ہو چکا تھا۔ وہ بھانپ چکا تھا کہ وہ ایک دفعہ پھر کوئی نئی فردِ جرم لے کر آئی ہے۔

''اس دفعہ کیا کیا ہے میں نے' کشمالہ بی بی؟''

پیچھے کو ٹیک لگائی اور ایک بازو صوفے کی ٹیک پہ پھیلا لیا۔ ایک ٹانگ دوسری پہ جمالی۔ یہ کم تکلیف دہ پوسچر تھا۔

''تم نے کہا تم اپنی بہن کو ڈھونڈنے کے لیے میری زندگی میں آئے تھے۔ اور میں اس بات پہ یقین کرنے لگی تھی کہ...'' اس نے ایک کاغذ جیکٹ کی جیب سے نکال کے اس کے سامنے کیا۔

ماہر نے ہاتھ بڑھا کے کاغذ لیا اور اس کی تہیں کھول کے دیکھا۔

''یاد ہے یہ کیا ہے؟''

''injunction'' وہ ایک دم ہنس پڑا اور کندھے اچکائے۔ ''ایک طرح کا restraining آرڈر۔ یہ جس زمانے کا ہے' تب بہت سے لوگوں نے میرے خلاف ایسے کورٹ آرڈرز لیے تھے۔''

مگر وہ نہیں ہنسی۔ وہ اسی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

''یہ سبرینہ کی فیملی نے لیا ہے۔ وہ لڑکی جو تمہارے سوتیلے باپ کے ساتھ ایکسیڈنٹ میں ماری گئی تھی۔''

''ہاں۔ ان دنوں بہت سے لوگوں کو مجھ سے خطرہ تھا۔'' وہ پھر سے ہنس دیا۔ ''کیا تم نہیں جانتیں؟ میں ایک

سائیکو پیتھ مشہور ہوں۔ استنبول' دوہا' لندن.... جہاں جہاں میں رہا ہوں' وہاں سب جانتے ہیں۔۔'' اس کے انداز میں ڈھٹائی تھی۔

''تم اس لڑکی کے گھر والوں کو ہراس کرر ہے تھے؟''

''ویل... '' اس نے کندھے اچکائے۔'' میں اس کو ہراس منٹ نہیں کہوں گا۔ میں صرف.. '' کھنکھارا۔'' کچھ سوالات پوچھنا چاہتا تھا۔ وہ برامان گئے۔ کسی کے خلاف injunction لینا لندن میں عام سی بات ہے۔'' مسکرا کے کاغذ میز پہ رکھا۔

''اس میں فریب کیا ہے؟''

''سبرینہ زیاد کی منگیتر تھی۔ اور تم اس کا تعاقب کرر ہے تھے جیسے میرا تعاقب کرتے تھے۔''

چند لمحے کے لیے وہ کچھ بول نہیں سکا۔ پھر ایک دم بازو نیچے کیا اور ٹانگ سے ہٹا کے سیدھا ہو بیٹھا۔ کاغذ دوبارہ کھول کے دیکھا۔ اس کی رنگت بدلنے لگی۔

''تم کچھ بھی اپنی بہن کے لیے نہیں کرر ہے تھے۔ تم یہ سب زیاد کی وجہ سے کرر ہے تھے۔ تم ہمیشہ مجھے زیاد کے خلاف کرتے تھے۔ تمہیں اس سے شاید کوئی ذاتی مسئلہ ہے' کیف۔ میں سمجھ ہی نہیں سکی۔ تم میری زندگی میں تب آئے جب زیاد میری زندگی میں آیا۔ تم زیاد سے جڑی ہر لڑکی کا پیچھا کرتے ہو۔ یہ ہے تمہارا اور میرا کنیکشن جسے میں پہلے سمجھ نہیں سکی۔''

وہ ابھی تک اس کاغذ کو پڑھ رہا تھا۔ پھر اس نے چونک جانے والے انداز میں چہرہ اٹھایا۔

''نہیں۔''

''کیا تم...''

''نہیں۔ سبرینہ زیاد کی منگیتر نہیں تھی۔'' وہ تیزی سے بولا۔

مالا نے گہری سانس لی اور پیچھے کو ہو کے بیٹھی۔ بازو سینے پہ لپیٹ لیے۔ آنکھوں میں بس افسوس تھا۔

''ہر دفعہ یہی ہوتا ہے۔ تمہارا ایک نیا فریب کھلتا ہے اور میں اسے تمہارے سامنے رکھتی ہوں تو تم نہ جاننے کی اداکاری کرتے ہو۔ جیسے تم نے میرا ریستوران نہیں خریدا۔ جیسے تم نے کیف کو دھمکایا نہیں۔ جیسے تم جانتے ہی نہیں کہ سبرینہ زیاد کی منگیتر ہے۔''

''سبرینہ کی کسی سے منگنی نہیں ہوئی تھی۔ اگر زیاد اس کو اپنی منگیتر کہتا ہے تو وہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' اس کا انداز

قطعی تھا۔

''تم ہمیشہ مجھے زیاد کے خلاف کرنے کی کوشش کرتے ہو۔تم میری ماں کی موت پہ نہیں آئے لیکن تم زیاد اور میری شادی سے چند دن پہلے یہاں آ گئے ہو۔تم زیاد سے کسی چیز کا انتقام لے رہے ہو شاید۔کیا مسئلہ ہے تم دونوں کا؟''

''اوہ.... ''اس کے لب اوہ میں سکڑے۔ایک افسوس بھری سانس خارج ہوئی۔

''اسی لیے تم یہاں آئی ہو۔تمہیں ڈر ہے کہ میں تمہاری شادی نہیں ہونے دوں گا۔یا کوئی مسئلہ پیدا کروں گا۔''اب کے وہ مسکرایا۔اس کی مسکراہٹ میں اذیت تھی۔اداسی تھی۔

''تم واقعی مجھے نہیں جانتیں۔چچ۔''افسوس سے سر نفی میں ہلایا۔

''میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ... ''

''اب تک میں تمہاری سنتا آیا ہوں۔اب میری سنو۔''وہ آگے کو جھکا اور غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں نے تمہیں یہاں نہیں بلایا۔تم خود آئی ہو۔کیونکہ تم مجھ سے خوفزدہ ہو۔حالانکہ تمہیں اس شخص سے خوفزدہ ہونا چاہیے جس سے تم شادی کرنے جا رہی ہو۔وہ ایک نارسیسٹ' فریب کار اور جھوٹا انسان ہے۔وہ تمہیں ہرٹ کرے گا' کشمالہ۔اور وہ تمہیں بہت ہرٹ کرے گا...''

وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا اور وہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھ رہی تھی۔

''لیکن میں تمہیں اس سے شادی سے منع نہیں کروں گا۔یہ تمہاری غلطی ہے نا' تو میں تمہیں تمہارے حصے کی غلطی کرنے دوں گا۔کیونکہ یہ میرا مقام نہیں ہے کہ میں کسی کے فیصلے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کروں۔تم جس سے بھی شادی کرو' مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔اور میں تمہیں سمجھاؤں گا بھی نہیں۔کیونکہ ابھی تم کچھ نہیں سمجھو گی۔تمہارے اوپر زیاد سلطان کا spell (جادو) چڑھا ہوا ہے۔''وہ تلخی سے مسکرایا۔

''محبت جادو نہیں ہوتی۔''اس کا چہرہ سرخ ہوا۔

'' curse کہہ لو۔اور یہ curse تمہیں کچھ سننے نہیں دے گی۔اس لیے میں تمہیں نہیں روکوں گا۔لیکن.... ''اس نے مٹھی بند کی اور انگوٹھا نکال کے اوپر کیا۔

''پہلی بات... سبرینہ زیاد کی منگیتر نہیں تھی۔زیاد نے تم سے جھوٹ بولا ہے۔''

''وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بولتا۔سارا خاندان جانتا ہے وہ اس کی منگیتر تھی۔''

''دوسری بات... ''اس نے زور دے کر کہا جیسے اس کی بات سنی نہ ہو۔اور ایک انگلی مزید بند مٹھی سے نکالی۔

''میں تمہاری زندگی میں اپنی بہن کے لیے آیا تھا۔غلط کیا۔ بہت غلط کیا اور یہی میری سزا ہے۔لیکن میں اپنی بہن کے لیے ہی آیا تھا۔اور گو کہ میں جانتا ہوں کہ تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتیں۔ بلکہ ماہ بینہ کچھ جانتی ہے جو میری مدد کرے گا۔اسے خود بھی نہیں معلوم کہ کیا ... لیکن وہ کچھ جانتی ہے۔اور یہ الگ ہے۔وہ میری مدد شاید کر سکے۔شاید نہ کر سکے۔لیکن...''

اس کی آواز مدھم ہوئی۔ایک سرگوشی کے جیسی۔

''ایک بات میں جانتا ہوں۔ پہلے دن سے ... جب میں نے تمہاری نوکری کی تھی۔اور میں نے آج تک کسی انسان کی نوکری نہیں کی' کشمالہ۔صرف تمہاری کی۔میں نے کسی کی گاڑی کے دروازے نہیں کھولے۔سوائے اپنے باپ کے۔لیکن تمہارے لیے میں نے سب کچھ کیا۔''

''Mighty Mahir Farid''وہ بڑبڑائی۔

'' کیونکہ میں پہلے دن سے جانتا تھا کہ تم میری بہن کو ڈھونڈ سکتی ہو۔صرف تم۔میں کبھی انسانوں کے بارے میں غلط نہیں ہوتا۔اس کو وائب کہو یا وجدان۔میں تب بھی جانتا تھا اور اب بھی۔تم میری بہن کو بچا سکتی ہو۔''

وہ جہاں تھی' وہیں ٹھہر گئی۔آنکھیں حیرت سے چھوٹی ہوئیں۔اسے اس بات کی توقع نہیں تھی۔

''تم ہلال کو نہیں جانتیں۔لیکن پھر بھی تم اس کو ڈھونڈ سکتی ہو۔صرف تم۔''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔پہلی دفعہ اسے لگا ماہر کی بھوری آنکھوں میں کچھ گلابی سا ابھرا تھا۔

گلابی نمی۔

وہ پلک نہیں جھپکا سکی۔ویٹر نے کب کافی لا کے سامنے رکھی' ان دونوں کو علم نہ ہو سکا۔

''ہلال اس اکتوبر گیارہ سال کی ہوئی ہوگی۔وہ بہت... بہت پیاری ہے۔بہت اسمارٹ۔''

وہ ابھی تک اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ہاں وہ نمی تھی۔اس کی آواز میں بھی وہی نمی تھی۔گیلا سا کچھ۔

''تم مجھ سے نفرت کرتی ہو۔جانتا ہوں۔کرتی رہو۔ساری عمر کرتی رہو۔لیکن تم ہلال کو نہیں جانتیں۔وہ بہت پیاری ہے۔وہ میری زندگی میں آنے والی سب سے بڑی خوشی ہے۔اور وہ مجھ سے کھو گئی ہے۔کیونکہ میں اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکا تھا۔میں نے خوف کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے۔تم نہیں جانتیں کشمالہ مبین' کہ وہ وقت کیسا ہوتا ہے جب انسان کو وہ آوازیں سنائی دیں جو ہوتی نہیں ہیں۔وہ چہرے دکھائی دیں جو وجود نہیں رکھتے۔''

مالا لمحے بھر کے لیے پلک جھپکنا بھول گئی۔

''وہ میری وجہ سے کھوئی تھی۔ لیکن وہ مری نہیں ہے۔ وہ زندہ ہے۔ اور وہ کہیں چھپی ہوئی ہے۔ وہ اکیلی ہے۔ میں یہاں محسوس کر سکتا ہوں۔'' اس نے سینے پہ انگلی رکھی۔ پانی ابھی تک اس کی آنکھوں میں تھا۔

وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

''اس کو مدد چاہیے۔ میری مدد۔ تمہاری مدد۔ وہ اکیلی ہے۔ لیکن وہ خوفزدہ نہیں ہے۔ وہ بہت بہادر ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ ہلال اور میں ایک دوسرے کو ڈھونڈ لیں گے۔ لیکن...'' اس نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔ ''لیکن میں تم سے صرف ایک بات چاہتا ہوں۔'' اس کے لہجے میں منت تھی۔ وہ واقعی پلک تک نہیں جھپک پا رہی تھی۔

''صرف ایک بات۔ تمہیں جب بھی موقع ملے' جب بھی...'' اس نے زور دیا۔ پھر سے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی۔ ''تو تم ہلال کی مدد ضرور کرو گی۔ ہلال وہ فاختہ ہے جس میں میری جان ہے اور تم اس کو اس جادوگر کی قید سے ضرور نکالو گی۔ میرے کیے کی سزا تم ہلال کو نہیں دو گی۔ کیا تم میرے لیے صرف اتنا کر سکتی ہو؟''

وہ خاموش ہوا۔ پھر گہرے سانس لیتا دائیں طرف دیکھنے لگا۔ آنکھیں جھپکائیں جیسے نمی کو گرنے سے پہلے واپس اندر کھینچنا چاہتا ہو۔

''میں نے تمہارے کیے کی سزا تمہیں نہیں دی تو اس کو کیا دوں گی؟'' اس نے خود کو کہتے سنا۔ وہ ابھی تک اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے کیف کی آنکھوں کو ایسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''اگر تم مجھے ہلال سے ملا سکو تو میں بدلے میں تمہارے لیے وہ کروں گا جو تم چاہتی ہو۔''

مالا کے ابرو اچنبھے سے بھنچے۔ کوئی فسوں سا ٹوٹا۔

''مجھے تم سے کچھ نہیں چاہیے۔''

''ناں ناں کشمالہ بی بی۔ ناں۔'' اس نے ایک دم ہاتھ اٹھا کے اسے روکا۔ ''ہم انسان ہیں۔ ہم سب کو ایک دوسرے سے کوئی کام پڑ سکتا ہے۔ کبھی نہ کبھی۔ زندگی میں تمہیں مجھ سے کچھ چاہیے ہو گا۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم جو کہو گی' میں وہ کروں گا۔ کوئی بھی ایسا کام جو ممکن یا ناممکن ہو' پیسے سے ہو یا ہاتھوں کی کوشش سے' میں اسے کروں گا چاہے اس کے لیے مجھے کوئی بھی قیمت کیوں نہ ادا کرنی ہو۔''

''مجھے کبھی تمہاری ضرورت نہیں پڑے گی۔'' وہ دھیرے سے کہتے ہوئے اٹھی۔ بیگ اٹھا کے کہنی پہ رکھ لیا۔ ایک

آخری نظر اس پہ ڈالی۔

''میں زیاد کے ساتھ خوش ہوں۔ اور صرف اتنا چاہتی ہوں کہ تم مجھے سکون سے میری نئی زندگی شروع کرنے دو۔''

ماہر نے سر کو اثبات میں خم دیا۔ ملاقات ختم ہو چکی تھی۔ وہ پلٹی اور آگے بڑھ گئی۔ تبھی وہ پیچھے سے بولا۔

''سبرینہ زیاد کی منگیتر نہیں تھی۔ چاہو تو سبرینہ کی فیملی سے پوچھ لو'' اس نے عقب سے پکارا اور کتاب اٹھا لی۔ مالا کے قدم لمحے بھر کے لیے زنجیر ہوئے لیکن پھر وہ آگے بڑھ گئی۔ اسے پیچھے مڑ کے نہیں دیکھنا تھا۔ وہ نمک کا مجسمہ بننے کا خطرہ نہیں مول لے سکتی تھی۔

لفٹ کے دروازے کھلے اور وہ اندر داخل ہی ہوئی تھی کہ کوئی اس کے ساتھ سوار ہوا۔ اس نے مال کے فلور کا بٹن دبایا اور گردن موڑی۔ بیربل فرید ساتھ کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کے مسکرایا۔

''ہیلو۔''

اس نے سر کو اثبات میں خم دیا اور سینے پہ بازو لپیٹے سامنے دیکھنے لگی۔ دھاتی دروازوں میں ان دونوں کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔

''ماہر نے آپ کو یہاں نہیں بلایا تھا۔ میں نے بلایا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ آپ لوگ مل کے بات کر لیں۔''

''جانتی ہوں۔'' اس نے کنکھیوں سے اس کا عکس دیکھا۔ اس نے اس نوجوان کو کہیں دیکھ رکھا تھا۔ پچھلی دفعہ بھی یہی لگا تھا۔ شاید گزرے برسوں میں کہیں دیکھا ہو۔ اسے یاد نہ تھا۔

''آپ کو شادی کی مبارک ہو۔ اور ہماری پرواہ مت کریں۔ ہم دونوں بس اپنی بہن کو ڈھونڈ رہے ہیں۔''

اس نے کچھ نہیں کہا۔ لفٹ اوپر جا رہی تھی۔ چند لمحے خاموشی سے کٹے۔

''کیا وہ بیمار ہے؟''

بیربل چونکا۔ وہ سامنے دیکھ رہی تھی۔

''بیمار؟''

''وہ تکلیف میں لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پہ زخم کا نشان بھی تھا۔ کچھ ہوا ہے کیا؟''

اس کی آواز دھیمی تھی۔

''اس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ آپ کی امی کی ڈیتھ کے دنوں میں۔ وہ پاکستان آنا چاہتا تھا لیکن آ نہیں سکا۔ اس کی

ٹانگ بہت بری طرح ٹوٹ گئی ہے۔اب بھی وہ ہلال کی وجہ سے یہاں آیا ہے۔کسی... کسی سے ملنا تھا ہمیں۔''

مالا نے بس سر ہلا دیا۔کہا کچھ نہیں۔لفٹ کے دروازے کھلے۔

''لیکن وہ تکلیف میں نہیں ہے۔''وہ باہر نکل رہی تھی جب بیربل پیچھے سے بولا۔

اس نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ تکلیف میں ہونے کے لیے انسان کے سینے میں دل کا ہونا ضروری ہے۔اور ماہر بے ایک روبوٹ ہے۔دل وغیرہ نہیں ہے اس کا۔''بیربل نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

اور وہ ایک دم ہنس دی۔پھر کچھ کہے بنا آگے بڑھ گئی۔

وہ اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔

اگلے چند گھنٹے کے لیے اسے غائب ہو جانا چاہیے تھا۔فی الحال وہ ماہر کا سامنا کرنے کی تاب نہیں رکھتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ گھر آئی تو خاموش خاموش سی تھی۔طبیعت پہ عجیب سا بوجھل پن تھا۔

(وہ ایک نارسیسٹ ہے۔فریب کار اور جھوٹا شخص۔وہ آپ کو ہرٹ کرے گا اور وہ آپ کو بہت ہرٹ کرے گا۔)

(وہ ایک نفسیاتی مریض تھا جو سبرینہ کے پیچھے پڑا تھا۔)

(محبت میں کوئی سیلف ریسپیکٹ کوئی باؤنڈری نہیں ہوتی۔)

(ہلال وہ فاختہ ہے جس میں میری جان ہے۔اور تم اسے اس جادوگر کی قید سے ضرور نکالو گی۔)

اس کے ذہن میں بہت سا شور تھا۔وہ چپ چاپ کمرے میں آئی اور اپنے کھلے ہوئے بیگز کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''دو دن رہ گئے ہیں نکاح میں۔اور ابھی تک اتنا کچھ رہتا ہے سمیٹنے والا۔''ماہی بہت سے شاپنگ بیگز لیے کمرے میں داخل ہوئی تو اسے یونہی بیٹھے دیکھ کے ٹھٹھک گئی۔

''تمہیں کیا ہوا؟''

''ماہی میں ٹھیک کر رہی ہوں؟زیاد سے شادی کر کے؟''اس نے عجیب الجھن سے سوال کیا۔

''یار... یہ نکاح سے پہلے کا ڈپریشن نا سب لڑکیوں کو ہوتا ہے۔رونا بھی آتا ہے۔اور خوف بھی۔تم بالکل ٹھیک کر رہی ہو۔خالہ کی باتوں کو بھول جاؤ۔وہ امریکہ رہتی ہیں۔ان کو کیا پتہ۔''وہ بیڈ کے کنارے پہ بیٹھی اور سمجھانے

والے انداز میں بولی۔ ”زیاد میں کوئی برائی نہیں ہے۔ ویسے بھی جب بھی کسی کا کسی سے رشتہ ہو' آدھا خاندان خلاف ہی ہوتا ہے۔“

مالا نے ایک نظر اپنے خالی بیڈ کو دیکھا۔

”ماں ہوتیں تو بتاتیں کہ کیا کرنا ہے۔“

ایک ہوک سی دل سے نکلی۔

”ماں نگینہ آنٹی کو پسند کرتی ہوں یا نہ کرتی ہوں' وہ زیاد اور تمہارے رشتے پہ خوش تھیں۔ یاد ہے نا؟“

اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ سر اثبات میں ہلا دیا۔

”ہاں۔ وہ خوش تھیں۔“

”پھر ماں پہ بھروسہ کر کے شادی کرلو۔“

وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

”چلو پیکنگ کرتے ہیں۔“ اس کا دل ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔ ساری کلفت' بوجھل پن' سب ہوا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں بہت سلیقے سے تمام اشیاء، بیگز اور کارٹن زمیں رکھتی نظر آ رہی تھیں۔ تبھی وہ ایک خیال کے تحت اٹھی اور الماری سے ایک باکس نکال کے لائی۔ ماہی نے حیرت سے اس سرمئی خالی باکس کو دیکھا۔

”خالی باکس کیوں رکھ رہی ہو؟“

کشمالہ مبین نے آنکھیں اٹھا کے اپنی بہن کو دیکھا۔ پھر جب وہ بولی تو اس کی آواز میں بہت سے قصے دفن تھے۔

”ہونا چاہیے۔ خالی باکس ہمیشہ ساتھ ہونا چاہیے۔“

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوٹل کے ڈائننگ ایریا میں ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔ سن روف سے آتی روشنی نے سارے کو منور کر رکھا تھا۔ فاصلے فاصلے پہ رکھی میز کرسیوں پہ بیٹھے مہمان ناشتے میں مصروف تھے۔ وہ دونوں بھی ایک میز پہ آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ رات جب ڈھیر ساری آوارہ گردی کے بعد بیربل واپس آیا' تو خلاف توقع ماہر نے اس سے کچھ نہیں کہا۔ نہ کوئی سوال۔ نہ کوئی حساب۔

”کل اس کی شادی ہے۔“ بیربل اپنی پلیٹ پہ جھکا دھیرے سے بولا۔ ”میں تمہاری جگہ ہوتا تو...“

ماہر نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا۔

''کیا کرتے ؟''

''جس لڑکی سے محبت کرتا'اس کی شادی روکنے کے لیے جنگ برپا کر دیتا۔''

''یعنی تمہیں ہر تیسرے مہینے ایک جنگ برپا کرنی پڑتی۔''

بیربل نے خفگی سے نظریں اٹھائیں۔

''ابھی تک مجھے کسی سے ٹھیک سے محبت نہیں ہوئی۔ جب ہو گی تو سارے زمانے کو پتہ چل جائے گا۔''

''جو محبتیں تمہیں ابھی تک ہوئی ہیں'ان کا پتہ میرے بینک بیلنس کو لگ چکا ہے'' ایک برہم نظر اس پہ ڈال کے وہ اپنی کافی میں دودھ انڈیلنے لگا۔ سفید دھار سیاہ مائع میں انڈیلی جا رہی تھی۔ دھواں سائنکل کے اوپر اٹھ رہا تھا۔

''حیرت ہے تم مجھ سے خفا نہیں ہوئے۔'' بالآخر وہ کہہ اٹھا۔ ماہر کل شام کے بارے میں کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ اسے اب بے چینی ہونے لگی تھی۔

''تم آزاد انسان ہو۔ اپنے فیصلے خود لے سکتے ہو۔ تم نے اسے بلایا۔ تمہاری مرضی۔'' اس نے بے نیازی سے کافی کا کپ لبوں سے لگایا۔ بیربل نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ وہ اسی انداز میں کہہ رہا تھا۔

''اسی طرح میں بھی ایک آزاد انسان ہوں'بیربل۔ میں اپنے فیصلے خود لے سکتا ہوں۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہارے ماہانہ الاؤنس (جیب خرچ) کا نصف حصہ چیریٹی میں جانا چاہیے۔'' نگاہیں اٹھا کے اسے گھورا۔

''Effective immediately'' اور ٹھک سے چینی دان میز پہ رکھا۔

بیربل فرید کے ہاتھوں کے طوطے ایک ہی جست میں اڑ گئے۔

''نہیں نہیں۔ پلیز۔'' اس کی رنگت فق ہوئی۔ ''میں معافی مانگتا ہوں۔ میں نے جان بوجھ کے نہیں کیا۔ میں نے اسے بھی بتا دیا تھا۔ سوری ماہر۔ پلیز۔'' اسے ناشتہ' کافی سب بھول گیا تھا۔

تب ہی موبائل بجنے لگا۔ اس نے بےزاری سے دیکھا۔

''تم نے اپنا موبائل آف کر رکھا ہے اور مالک صبح سے مجھے کالز کیے جا رہا ہے۔ کن روبوٹس میں پھنس گیا ہوں میں؟''

''میں اس سے بات نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے اسے زیاد سلطان کے بارے میں معلومات لینے کے لیے کہا تھا۔ اگر وہ واقعی سبرینہ کا منگیتر تھا تو مالک کو معلوم ہونا چاہیے تھا۔ اس نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔'' وہ تلخی سے کہتے

ہوئے گھونٹ بھرنے لگا۔

''کیا ہے' مالک؟'' بیربل نے برا سا منہ بنا کے کال اٹھائی۔

اگلے ہی لمحے اس کے تاثرات بدلے۔ کانٹا ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''کیا ہوا؟'' ماہر نے چونک کے اسے دیکھا۔ کچھ تھا جو فضا میں ساکن ہو گیا تھا۔

بیربل نے دھیرے سے فون نیچے کیا۔

''ہمیں اسلام آباد جانا ہوگا۔'' اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔

''کیوں؟''

''تمہیں یاد ہے.... اسلام آباد پولیس کے پاس ہلال کا کیس تھا پچھلے دو سال سے۔ انہیں کچھ ملا ہے۔''

''کیا؟'' اس کا سانس رک گیا۔

''ہلال کی لاش۔''

ماہر فرید تیزی سے اٹھا۔ کافی کا کپ نیچے گرا۔ کانچ کے ٹکڑے اور گرم مائع دور تک بکھرتے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(ہر سانس کے ساتھ کھو جاتا ہے گزرا ہوا لمحہ)

سبز گھاس پہ ہر طرف سفید پھولوں کے ستون بنے تھے۔ ان کے درمیان چھوٹا سا اسٹیج تھا اور آس پاس کرسیوں کے پھول بچھے تھے۔ اسٹیج ابھی خالی تھا۔ ہر طرف مہمان نظر آ رہے تھے۔ دوپہر کا وقت تھا اور سرما کی میٹھی دھوپ سارے میں پھیلی تھی۔ کامدار لباس میں مسکرا مسکرا کے چلتی ہوئی ماہی ہر ایک سے مل رہی تھی۔ مہمان آنا شروع ہو چکے تھے۔

(اور شروع ہوتا ہے ایک نیا لمحہ۔)

کاریڈور میں بیساکھی کی ٹک ٹک سنائی دے رہی تھی۔ وہ سفید چہرے کے ساتھ لنگڑا کے چلتا آگے بڑھ رہا تھا۔ بیربل بھی شل سا اس کے ساتھ تھا۔ ساتھ موجود چلتا ہوا آفیسر ہاتھ ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"یہ ایک جلی ہوئی لاش تھی جو دو برس پہلے ملی تھی۔ انہی تاریخوں میں جب ہلال کھوئی تھی۔ ہم نے پہلے اس پہ نظر نہیں کی لیکن ایک آفیسر اس دن آرکائیوز میں کچھ تلاش کر رہا تھا جب اسے لاش کے ساتھ ملنے والی چیزیں دکھائی دیں۔ ہم ان کی تصاویر مالک صاحب کو بھیجیں تو انہوں نے ان کو پہچان لیا۔ بچی کی عمر نو سال کے لگ بھگ تھی۔"

"آج وہ گیارہ سال کی ہوتی۔" وہ بڑبڑایا۔

(ہم سانس اندر کھینچتے ہیں۔

اور اسے باہر خارج کر کے

ماضی کے لمحے کو چھوڑ دیتے ہیں)

اب وہ دونوں اسٹیج پہ بیٹھے تھے۔ اس نے سفید پشواز کے اوپر سفید کامدار دوپٹہ لے رکھا تھا۔ چوڑی دار بازوؤں کے آگے ہاتھوں پہ مہندی لگی تھی۔ اس کے کانوں اور گردن میں نازک ہیرے پروئے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے ہیرے کی انگوٹھیوں سے سجے ہاتھ سے ایک کاغذ پہ دستخط کر رہی تھی۔ چہرے پہ اطمینان تھا۔ زیاد نے دستخط کیے۔ اور ہر طرف مبارک بادیں گونجیں۔ دعاؤں کے لیے ہاتھ اٹھے۔

(اب وہ گزرا لمحہ ہمارے لیے فنا ہو چکا ہے۔)

"میں نہیں مانتا۔" بیربل دبا دبا سا چلایا تھا۔ وہ تینوں اس وقت ایک آفس میں بیٹھے تھے۔

"جلی ہوئی لاش کا مطلب ہے کسی نے ہلال کے اغوا کو کور اپ کیا ہے۔ ہم قبر کی کھدوائی کروائیں گے۔ ڈی این اے کروائیں گے۔ وہ ہلال نہیں ہوگی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"ہے نا ماہر؟" اس نے گردن موڑ کے اسے دیکھا جو سر جھکائے کہنیاں گھٹنوں پہ رکھے بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں زپ لاک بیگ پہ جمی تھیں جس میں مختلف اشیاء تھیں۔

"ہے نا ماہر؟"

"its her" وہ زیر لب بڑبڑایا۔ بیربل کا سانس رکنے لگا۔

(اور یہ کرتے ہوئے
ہم فنا کر دیتے ہیں
اس انسان کو
جو ہم ایک لمحہ پہلے تھے۔)

وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ زیاد سلطان سیاہ لباس میں تھا اور وہ سفید میں۔ وہ دونوں کیمراز کو دیکھ کے مسکرا رہے تھے۔ سامنے کھڑی ماہی ان کی تصاویر کھینچ رہی تھی۔ ایک طرف وہیل چیئر پہ بیٹھی نگینہ بیگم بھی مسکرا کے ان کو دیکھ رہی تھیں۔ زیر لب وہ کچھ پڑھ بھی رہی تھیں۔ ہاتھ میں تسبیح تھی۔

(ہم سانس اندر کھینچ کے'
نئے لمحے میں سانس لے کر'
اس شخص کا استقبال کرتے ہیں
جو ہم بننے جا رہے ہیں۔)

ماہر نے بے جان ہاتھوں سے زپ لاک بیگ اٹھایا۔ اس کے اندر کچھ چیزیں تھیں۔ دو سال پہلے ایوی ڈنس ملنے کی تاریخیں بھی لکھی تھیں۔ ان پہ گرد بھی تھی جیسے وہ پرانے باکس سے نکالی گئی ہوں۔ ایک بریسلیٹ۔ لباس کے جلے ہوئے ٹکڑے۔ ننھا سا پرس۔

اور ایک سینٹڈ کینڈل۔

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے کینڈل کا جار نکالا۔ اسٹرابری۔

اس نے ڈھکن کھولا۔ ایک اداس سی خوشبو سفید موم سے نکل کے سارے میں پھیلنے لگی۔

''یہ ہلال ہے۔'' اس کی آواز شکست خوردہ تھی۔

(اور یوں ہم تمام عمر

اسی عمل کو دہراتے رہتے ہیں۔)

زیاداس کا ہاتھ تھامے اسے لاؤنج سے کمرے تک لا رہا تھا۔ لاؤنج میں آج پھر بہت ہلکی روشنی تھی۔ گھر میں کوئی بتیاں بھی نہیں جلائی گئی تھیں۔ اس نے مسکرا کے سر جھٹکا۔ اسے اس سب کی پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

کمرہ اندر پھولوں سے سجا تھا۔

سفید اور سرخ پھول۔

ہر طرف خوبصورتی تھی۔ اور ایک نئے مستقبل کا آغاز۔

(یہی مراقبہ ہے۔)

''آپ چاہیں تو ہم قبر کھدوا سکتے ہیں۔ لاش کے دانتوں سے ہم....''

''ضرورت نہیں ہے۔ یہ ہلال ہے۔'' اس نے کینڈل کا ڈھکن بند کیا۔

''یہ اسی کی چیزیں ہیں۔'' اس نے چہرہ اٹھایا تو وہ برسوں کا بیمار لگتا تھا۔

''ماہر ہمیں ڈی این اے تو کروانا چاہیے۔'' بیر بل نے بے بسی سے اس کی کہنی جھنجھوڑی۔ اس نے نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ روم ۵۵۵ میں بھی ایسا بیمار نہیں لگا تھا جیسے آج لگ رہا تھا۔

ایسے جیسے شاک میں ہو۔

''ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کی قبر کے ساتھ یہ بے حرمتی نہیں کرنا چاہتا۔ اٹھو۔ ہم استنبول واپس جا رہے ہیں۔'' اس نے زپ لاک میں چیزیں واپس ڈالیں اور اسے اتنی سختی سے پکڑا کہ ہاتھ کی رگیں ابھر آئیں۔

''میری تلاش ختم ہوئی۔''

(یہی تجدید ہے۔)

وہ اس کے سامنے بیڈ کے کنارے پہ بیٹھا تھا۔

مالا نے مسکرا کے ہاتھ آگے کیا۔ اور اس نے مخملیں ڈبیا سے ایک انگوٹھی نکالی۔ چوکور چمکتا ہوا نگینہ چمکا۔

''یہ وہی ڈائمنڈ رنگ ہے۔ میں نے اسے آپ کے لیے خرید لیا تھا۔ کیونکہ یہ بہترین تھی۔''

اس نے انگوٹھی مالا کی انگلی میں پہنائی۔ مالا نے مسکرا کے ہاتھ اونچا کر کے روشنی میں انگوٹھی کو دیکھا۔

اگلے ہی لمحے کشمالہ مبین کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ اس نے چونک کے زیاد کو دیکھا۔ پھر انگوٹھی کو۔ زیاد مسکرا کے کچھ اور بھی کہہ رہا تھا۔ ایک نئی زندگی کے خواب۔ مستقبل کی باتیں۔ لیکن وہ صرف انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔

کمرے کی مدھم روشنیوں میں بھی وہ بتا سکتی تھی کہ....

یہ ہو بہو اس چوکور ہیرے جیسا نگینہ زرقون تھا۔ ہیرا نہیں۔

یہ انگوٹھی نقلی تھی۔

(یہی زندگی ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیڈروم میں لگے پھولوں کی پتیاں مرجھا گئی تھیں اور خوشبو باسی ہو گئی تھی۔ دروازہ نیم وا تھا اور لاؤنج سے خوش گپیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ماہی کا قہقہہ سب سے اونچا تھا۔

عباد اور ماہی ان کا ناشتہ لائے تھے۔ معید کی حسب توقع کال تھی اور وہ شادی کے لیے اتنی چھٹی لے چکا تھا کہ اب اسے وارڈ میں واپس پہنچنے کی جلدی تھی۔ سو فی الحال وہی دونوں اس کے میکے کی نمائندگی کر رہے تھے۔ نگینہ بیگم بھی باہر ہی بیٹھی خوشگوار محفل کا حصہ بنی ہوئی تھیں۔ زیاد کی بھی ہنس کے کوئی قصہ سناتی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔

صرف وہی تھی جو اندر تھی۔

سنگھار میز کے سامنے بیٹھی وہ آئینے میں جھلکتے اپنے عکس کو دیکھ رہی تھی۔ وہ کمرے میں کچھ لینے آئی تھی۔ پھر یہیں بیٹھ گئی۔ اس نے جھیل کے رنگ کی سبز کامدار لمبی قمیض پہن رکھی تھی۔ کندھے پہ دوپٹہ تھا۔ کانوں میں سونے کے ننھے سے ٹاپس تھے۔ اور چہرے پہ ایسی سوچ تھی جس نے لباس کی چمک کو گہنا دیا تھا۔

''کیا اسے زیاد سے پوچھنا چاہیے؟'' اس نے ہاتھ اٹھا کے اونچا کیا۔ تیز روشنیوں میں انگوٹھی کا نگینہ چمکا۔ ہیرے جیسا۔ لیکن وہ ہیرا نہیں تھا۔ وہ زرقون تھا۔ اس کی چمک ہوا لگتے ہی ماند پڑنے لگی تھی۔

''شاید زیاد کے ساتھ کوئی دھوکہ ہوگیا؟ شاید کسی دوسرے جیولر نے اس سے ڈائمنڈ کی قیمت لے کر زرقون بیچ دیا ہو؟ اونہوں''۔ اس نے سر جھٹکا۔ اس کے جیولر سے زیاد نے جتنے سوالات پوچھے تھے' یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس نے بنا سرٹیفکیٹ کے ڈائمنڈ خرید لیا ہو۔ وہ بھی اتنا مہنگا؟

''کہاں رہ گئی ہو؟'' ماہی مسکراتی ہوئی چوکھٹ میں آئی تو وہ چونکی۔ پھر جلدی سے مسکراہٹ چہرے پہ طاری کی اور برش اٹھا لیا۔

''بس آرہی ہوں۔'' آئینے میں دیکھتے ہوئے وہ برش جلدی جلدی پھیرنے لگی۔ حالانکہ بال پہلے ہی بلو ڈرائی سے سیٹ تھے۔

''ارے واہ۔ یہ زیاد نے دی ہے انگوٹھی؟'' نگینے کا سائز دور سے ہی ماہی کی آنکھوں میں چمکا۔ وہ چہک کے قریب آئی۔ مالا نے بجلی کی تیزی سے ہاتھ نیچے کیا لیکن ماہی لپک کے آئی اور اسکا ہاتھ تھام لیا۔

پھر مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چونک کے مالا کو دیکھا۔

''یہ تو زرقون ہے۔'' وہ الجھ گئی۔ ''ڈائمنڈ رنگ نہیں دی؟ تم لوگوں نے تو کوئی ون کیرٹ پسند کیا تھا۔ نہیں؟''

مالا نے تیزی سے ہاتھ چھڑایا۔

''ہاں لیکن میں اتنی مہنگی انگوٹھی کے حق میں نہیں تھی۔ میں نے خود زیاد سے کہا کہ زرقون لے لیں۔ ڈائمنڈ پہ اتنے پیسے کون خرچ کرے۔''

''مگر ویڈنگ رنگ روز روز تو نہیں بنتی۔ اور نگینہ آنٹی نے خالہ کو بھی سیٹ دیا ہے ہونے کا۔ اور مجھے ٹاپس۔ وہاں پیسے خرچ نہ کرتے۔ انگوٹھی تو ڈائمنڈ کی لے لیتے۔'' ماہی خود سے بول رہی تھی جیسے اسے کچھ اچھا نہ لگا ہو۔ پھر ایک دم اسے دیکھا۔ جیسے چونکی ہو۔

''زیاد نے تمہیں بتا کے ہی زرقون رنگ دی ہے نا؟ کہیں ڈائمنڈ کہہ کے زرقون تو نہیں تھما دیا؟''

برش کرتا اس کا ہاتھ سست ہوا۔

(زیاد سلطان مجھ سے جھوٹ نہیں بولتا۔) ایک آواز کانوں میں گونجی۔

''آف کورس۔ ہم نے خود پسند کی تھی نا'' اس نے جی کڑا کے کہا۔ اسے اپنے شوہر کا دفاع کرنا تھا۔ ہر قیمت پر۔

''اچھا میرا گفٹ کھول کے دیکھا؟'' ماہی نے بغور اسے دیکھتے ہوئے بات بدل دی۔

"اتنے گفٹس دیے ہیں تم نے۔کون کون سا کھولوں؟"

"آخری والا سب سے بیسٹ تھا۔وائٹ اور بلیک باکس میں۔آرام سے کھول لینا۔آجاؤ سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

اس کے جانے کے بعد مالا نے چہرے پہ مسکراہٹ سجائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ شادی کے بعد اسے بہت سی مسکراہٹیں چہرے پہ زبردستی سجانی پڑیں گی۔

گھڑیال بارہ بجانے کے قریب تھا۔اور کوئی سحر تھا جو ٹوٹنے والا تھا۔اسے اپنے کانچ کے جوتے سنبھالنے تھے۔

(شاید زیاد کے پاس پیسے نہ ہوں۔میں اس سے پوچھ گچھ کروں تو اس کو برا لگے۔اس کا دل دکھے۔اونہوں۔)

"انکل کہاں ہیں؟"

جب وہ لوگ ماہی اور عباد کو چھوڑنے دروازے تک آئے تو ماہی نے پھر سے پوچھا۔وہ یہ سوال کئی دفعہ پوچھ چکی تھی۔

"ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔وہ لیٹے ہوئے ہیں۔"

"وہ فنکشن میں بھی تھوڑی دیر کے لیے آئے پھر چلے گئے۔"اس نے اب کے غور سے ان دونوں کو دیکھا۔

زیاد اور مالا ڈرائیو وے میں ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔دھوپ ان کے اوپر سیدھی پڑ رہی تھی۔مالا مسکرا رہی تھی لیکن اس کی مسکراہٹ میں کچھ تھا۔کچھ غیر آرام دہ سا۔وہ البتہ مطمئن اور اچھے موڈ میں نظر آ رہا تھا۔

"ان کی نیچر ہی ایسی ہے۔زیادہ گھلتے ملتے نہیں ہیں۔"زیاد سلطان نے اسی مسکراہٹ سے جواب دیا۔اس کے سکون میں ذرا فرق نہیں آیا۔

بنگالی ملازمہ خاموشی سے ان کی کار میں سوئیٹس اور چاکلیٹس رکھوا رہی تھی۔ماہی بظاہر مسکراتے ہوئے کار میں بیٹھی۔عباد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور کار ریورس کرنے لگا۔مالا اور زیاد ان کے جانے تک وہیں کھڑے رہے۔

جیسے ہی کار سڑک پہ نکلی ماہی کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔اس کے چہرے پہ ایک پرسوچ جنم لینے لگی۔

"ایک چاکلیٹ پکڑانا۔لمبی ڈرائیو ہے گھر تک۔"عباد نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تھامے دوسرا ہاتھ پیچھے رکھے سوئیٹس کے تھال کی طرف بڑھایا ہی تھا کہ ماہی نے زور سے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔وہ چونک کے اسے دیکھنے لگا۔

''ایک چاکلیٹ ہی مانگی ہے نا یار۔''

''رہنے دو۔ نری کیلوریز ہیں۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کے ڈبہ بیک سیٹ پہ مزید پرے دھکیل دیا۔ اب وہ عباد کی پہنچ سے باہر تھا۔

''عجیب جیلس عورت ہو تم۔'' عباد بڑبڑا کے رہ گیا جیسے حیرت ہوئی ہو۔

ماہی نے جواب نہیں دیا۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی پیشانی پہ بل تھے۔

وہ دونوں واپس لاؤنج میں آئے تو بنگالی ملازمہ نے بتیاں ایک دفعہ پھر سے ہلکی کر دیں۔ مالا نے سب کے آنے پہ بتیاں تیز کی تھیں۔ پردے کھولے تھے۔ لیکن پل بھر میں ملازمہ نے سب واپس پہلے جیسا کر دیا تھا۔ اندھیرا اور خاموش۔ اسے الجھن ہونے لگی۔ بیٹھنے سے پہلے سوئچ پہ ہاتھ مارا اور بتیاں روشن کر دیں۔

نگینہ بیگم اپنے تخت پہ نیم دراز تھیں۔ کمبل اوڑھے۔ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے۔ تیز روشنی پہ چونک کے اسے دیکھا۔

وہ بس مسکرا کے اپنی کرسی تک آئی۔ زیاد اور وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ بتی ایک دم ہلکی ہو گئی۔

مالا نے بے یقینی سے گردن موڑی۔ بنگالی ملازمہ سوئچ کے ساتھ کھڑی جتاتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے فوراً سے ان دونوں کو دیکھا لیکن وہ اس طرف دانستہ طور پہ متوجہ نہیں تھے۔ شاید انہیں بھی اندھیروں میں رہنے کی عادت تھی۔ اور وہ روشنیوں سے آئی لڑکی تھی۔

اس نے پہلو بدلا۔ کہا کچھ نہیں۔

''بس اب تو میں منتظر ہوں کہ کب ہم سب واپس دبئی جائیں اور ایک گھر میں ایک ساتھ رہیں۔''

نگینہ بیگم محبت سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔ مالا بھی مسکرا دی۔ کلفت دور ہونے لگی۔

''ہم آپ کے ساتھ نہیں رہیں گے۔''

زیاد ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا بہت سنجیدگی سے بولا۔

جہاں نگینہ بیگم چونکیں وہاں مالا نے بھی تعجب سے اسے دیکھا۔

''لیکن نگینہ آنٹی کا خیال کون رکھے گا؟''

''اندرانی ہے نا۔ وہ رکھ لے گی۔''

نگینہ بیگم سانس روکے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔ انہیں جیسے یقین نہیں آیا تھا۔

''ن... زیاد .... تم نے کہا تھا کہ ہم ساتھ رہیں گے۔''

''ہاں اور اب میں کہہ رہا ہوں کہ ہم ساتھ نہیں رہیں گے۔'' وہ بس اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا۔ دو ٹوک قطعی انداز۔ وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

''لیکن زیاد... ایک شہر میں رہتے ہوئے ہم الگ رہیں؟ اچھا لگتا ہے کیا؟'' اس نے نرمی سے کہنا چاہا۔

''کس نے کہا ہم ایک شہر میں رہیں گے؟''

اس نے پہلے بیوی اور پھر ماں کو دیکھا۔ انداز بالکل پرسکون تھا۔

''کیا مطلب؟''

''میں اور کشمالہ مکہ شفٹ ہو رہے ہیں۔ آپ ذہنی طور پہ خود کو تیار کر لیں۔''

نگینہ بیگم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں دبا لیا۔

''مکہ؟'' وہ حیران رہ گئی۔'' مکہ کہاں سے آ گیا؟ آپ نے تو کہا تھا کہ ہم...''

اور اس لمحے اسے احساس ہوا کہ زیاد سلطان نے ہمیشہ ایک نئے شہر جا کے نئی زندگی شروع کرنے کی بات کہی تھی۔ اس نے کبھی اس شہر کا نام نہیں لیا تھا۔ وہ ہمیشہ کہتی رہی کہ وہ دبئی میں جاب ڈھونڈ رہی ہے' دبئی میں یہ اور یہ کرے گی۔ وہ آگے سے ہوں ہاں کرتا رہتا تھا۔

''لیکن زیاد... میں مکہ میں کیا کروں گی؟ مجھے دبئی میں جاب مل گئی ہے۔ اور آنٹی کو چھوڑ کے ہم...'' اسے شدید صدمہ لگا تھا۔ بات مکمل ہی نہیں ہو پائی۔

''زیاد... ایسے کیسے بیٹا....'' نگینہ بیگم ہنوز بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

''مجھے آفس نے مکہ ٹرانسفر کر دیا ہے۔ میں وہیں سے کام کروں گا۔ اور تم وہاں کوئی جاب ڈھونڈ لینا۔''

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی۔ فون بجنے لگا۔ خالہ کی کال آ رہی تھی۔ وہ ماہی اور عباد کا پوچھنا چاہتی ہوں گی۔ وہ ایکسکیوز می کہہ کے اٹھ گئی۔ کچھ مضمحل کچھ غائب دماغ سی وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

زیاد نے اسے جاتے دیکھا۔ جب وہ باہر نکل گئی تو وہ ماں کی طرف مڑا۔

وہ ابھی تک بے یقینی سے جیسے دل تھام کے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''تم مجھ سے دور چلے جاؤ گے؟''

''پھر کیا کروں؟ اس کو آپ کے ساتھ ایک گھر میں رکھوں تاکہ ابو اس کو دو دن میں آپ کی اصلیت بتا دیں؟'' وہ قریب ہو کے دبا دبا سا غرایا۔

''میں سنبھال لیتی۔''

''ہرگز نہیں۔ میں اپنی شادی قائم رکھنا چاہتا ہوں۔ اور میں آپ کے قریب نہیں رہنا چاہتا۔''

''تمہاری شادی میں نے کروائی ہے۔ میں نے۔'' انہوں نے کپکپاتی بوڑھی انگلی اپنے سینے پہ رکھی۔ آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

''اور میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ لیکن میں اسے آپ کے قریب نہیں رکھوں گا۔''

''مکہ؟ مکہ کیوں؟'' وہ اسے دیکھ کے رہ گئیں۔ انگلی نیچے گر گئی۔

''میری اپنی وجوہات ہیں۔'' وہ پیچھے ہو کے بیٹھ گیا۔

اس نے خالہ سے بدقت بات کی۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ نقلی انگوٹھی انگلی کاٹ رہی تھی۔ پھر وہ کمرے سے نکلی۔ زیاد لاؤنج میں نہیں تھا۔ نگینہ بیگم گم صم سی اپنی جگہ بیٹھی تھیں۔ وہ اس وقت ان کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ابھی واپس پلٹنے ہی لگی تھی کہ......

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو....

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو.....

موسیقی کی دھن سماعتوں میں گونجنے لگی۔ وہ جہاں تھی، وہیں سن رہ گئی۔ پھر بے اختیار آواز کی سمت دیکھا۔ وہ راہداری کے سرے پہ نصب ایک دروازے کے پیچھے سے آ رہی تھی۔ اسے اتنا معلوم تھا کہ یہ دروازہ بیسمنٹ کی طرف کھلتا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے دروازے کی طرف بڑھنے لگی۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو....

موسیقی کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپارٹمنٹ کے دروازے کے باہر فریدلار کی تختی لگی تھی۔ آج اس تختی نے خاموشی سے ان دونوں کو یکے بعد دیگرے اندر آتے دیکھا۔ بیربل بالکل نڈھال تھا۔ اور ماہر خاموش۔ جیسے شل ہو۔ کسی اور دنیا میں گم ہو۔ وہ بیساکھی سے چل رہا تھا۔ وہیل چیئر نہ جانے کہاں رہ گئی تھی۔

بیربل اندر آیا اور جوتوں سمیت آگے بڑھتا گیا۔ لونگ روم خالی تھا۔ فیضی خانم کو اس نے واپس آنے کی اطلاع نہیں کی تھی۔ شاید ماہر نے بھی نہیں بتایا تھا کیونکہ وہ گھر پہ نہیں تھیں۔ ماہر نے سارا راستہ اس سے بات بھی نہیں کی تھی۔ ویٹنگ لاؤنج۔ ائیرپورٹ۔ فلائٹ۔ ایگزٹ۔ وہ خاموش رہا تھا۔ جیسے ابھی تک شاک میں ہو۔

سیاہ سفید لونگ روم خاموش پڑا تھا۔ بیربل آگے بڑھا اور آہستہ سے ایل شیپ سیاہ صوفے پہ گر سا گیا۔ ایک بازو نیچے جھول گیا۔ انگلیاں قالین کو چھونے لگیں اور نظریں چھت کے فانوس پہ تھیں۔

ماہر نے دھیرے سے دروازہ بند کیا۔ زیر لب اعوذ باللہ پڑھا۔ لاک کرنے کی آواز آئی۔ پھر اس نے جھک کے جوتے اتارے۔ پھر بیساکی کی ٹک ٹک سنائی دی۔

وہ لنگڑا کے قدم قدم چلتا سامنے آیا۔ بیساکھی ہاتھ سے پھسل گئی۔ اس نے جھک کے میز پہ اسٹرابری والی کینڈل کا جار رکھا۔ وہ سارا راستہ اسے تھامے رہا تھا۔

”دو سال سے تم کہہ رہے تھے کہ وہ زندہ ہے۔ اور آج دیکھو۔“

بیربل چھت کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آواز گیلی تھی۔ آنکھیں نم تھیں۔ غصہ۔ گلہ۔ کیا نہیں تھا اس کی آواز میں۔

اس کی امید ٹوٹی تھی۔ وہ جھوٹی امید جو ماہر نے اسے تھمائی تھی۔

”ہاں۔“ اس نے اعتراف کیا۔ بیربل کو اس کی امید نہیں تھی۔ لیکن وہ شاک میں لگتا تھا۔

”ہاں۔ دو سال سے میں کہہ رہا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ اور آج دیکھو۔“

وہ جھکا اور بیساکھی اٹھائی۔ پھر لنگڑاتا ہوا آتش دان کی طرف بڑھنے لگا۔

”میں نے کہا تھا کہ وہ زندہ ہے۔ سب کہتے تھے باز آجاؤ۔ لیکن میں تمہیں اور مالک کو لیے ایک ملک سے دوسرے ملک پھرتا رہا۔ میں نے دو سال تک تم لوگوں کو امید دلائی۔ کیونکہ میرا دل کہتا تھا کہ وہ زندہ ہے۔“

آتش دان تک وہ رکا اور لائٹر اٹھایا۔ بیساکھی پھر سے لڑھک گئی۔ ماہر نے تکلیف سے اسے دیکھا۔ پھر بیربل کو۔ وہ دور تھا۔ قریب ہوتا' تب بھی آج وہ بیساکھی اٹھانے نہ کھڑا ہوتا۔

”کوئی میرا یقین نہیں کرتا تھا۔ اور میں کہتا تھا کہ میں تم سب کو ثابت کر کے دکھاؤں گا۔“ وہ خود سے بول رہا

تھا۔لائٹر لیے اس نے چلنے کی کوشش کی۔میز تک کافی فاصلہ تھا۔ ٹانگ پہ زور دے کر ایک قدم اٹھایا۔دوسرا۔اور تیسرے سے پہلے وہ ایک دم لڑھک کے گرا۔

''تمہارا جنون... جھوٹی امید کے سوا کچھ نہیں تھا۔'' بیربل نے بس ایک نظر اسے دیکھا۔وہ پہلو کے بل قالین پہ گرا تھا۔شاید کراہا بھی تھا۔لیکن بیربل نہیں اٹھا۔اس نے اسے گرے رہنے دیا۔

''میں نے تم سب کا بہت وقت لیا۔اور اپنا بھی۔کیونکہ...''

وہ ہتھیلیوں کے بل سیدھا ہوا۔پھر سے کراہا۔صوفے کا سہارا لے کر سیدھا ہوا اور خود کو گویا گھسیٹتے ہوئے میز تک لایا۔

''کیونکہ میرا دل نہیں مانتا تھا۔اور دیکھو....''

وہ نڈھال سا وہیں میز کے ساتھ بیٹھ گیا۔ٹانگ میں درد کی شدید لہریں اٹھنے لگی تھیں۔

''اور دیکھو۔آج تم غلط نکلے۔'' بیربل نے بے بسی بھرے غصے سے اس کا فقرہ مکمل کیا۔

ماہر فرید نے لائٹر کے لیور پہ انگوٹھا زور سے رگڑا۔شعلہ جل اٹھا۔

''میں یہ نہیں کہنے جا رہا تھا۔''

اس نے شعلہ موم بتی کے قریب کیا۔وہ اس کے جلے ہوئے دھاگوں سے ذرا دور تھا۔

''میں کہنے جا رہا تھا کہ... دیکھو .... آج میں درست ثابت ہوا۔''

اس نے شعلہ دھاگے سے ٹکرایا۔اس نے فوراً سے آگ پکڑ لی۔

بیربل فرید تیزی سے سیدھا ہوا۔ایک الارم سا اس کے کانوں میں بجنے لگا تھا۔

''کیسے؟''

''ہلال کی تمام چیزوں پہ گرد تھی۔زپ لاک کھلے ہوئے تھے۔گرد کا ہونا فطری بات ہے۔لیکن....'' اس نے اسٹرابری کینڈل کی طرف اشارہ کیا۔

''اس کی موم سفید اور صاف تھی۔خوشبو بھی برقرار ہے جب کہ اس کا ڈھکن کھلا ہوا تھا۔دو سال تک کینڈل ڈھکن کے بغیر رہے تو اس کی خوشبو ضائع ہو جاتی ہے۔''

وہ قالین پہ بیٹھا جلتے ہوئے شعلے کو دیکھ کے کہہ رہا تھا۔

''کیا مطلب؟''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"کیا تم اب تک نہیں سمجھی ہو کہ ماہر تمہیں کینڈلز کیوں دیتا ہے؟"

ہلال کی آنکھیں چمکیں۔ اس نے تیزی سے کینڈل اٹھا کے دیکھی۔

اس کے دھاگے سیاہ تھے۔

وہ ایک دم کمرے میں بھاگی۔ رابیل مسکرا کے اسے دیکھنے لگیں۔

وہ واپس آئی تو اس کے بازوؤں میں بہت سی چھوٹی بڑی کینڈلز تھیں۔ اس نے سارے جارز جلدی جلدی میز پہ سیٹ کیے۔

"سب کے دھاگے جلے ہوئے ہیں۔ لیکن موم کم نہیں ہے۔ یعنی ماہر بھائی گفٹ دینے سے پہلے نئی کینڈل کو ایک دفعہ ضرور جلاتا ہے۔ لیکن کیوں؟" وہ جوش سے ماں کو سمجھا رہی تھی۔

پھر اس نے لائٹر لیا اور باری باری موم بتیوں کے دھاگے جلانے لگی۔ دھیرے دھیرے ساری موم بتیاں آگ پکڑنے لگیں۔

"بہت دیر سے سمجھ میں آیا تمہیں۔"

رابیل مسکرا کے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اور وہ بہت خوشی سے جلتی کینڈلز کو۔

پہلی کینڈل کی موم پگھلنے لگی۔ یہاں تک کہ وہ پوری پگھل گئی۔ ہلال نے دھڑکتے دل سے ٹویزر اٹھایا اور اسے پگھلی موم کے اندر ڈالا۔ جب اسے واپس اوپر نکالا تو اس کے دانتوں میں ایک سنہری لاکٹ تھا۔

"ماماماما... "اس نے جوش سے چیخ ماری۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

"ماہر بھائی مجھے کینڈل میں گفٹ چھپا کے دیتا تھا۔"

موم پگھل رہی تھی۔ خوشبوئیں ایک دوسرے میں مکس ہو کے سارے کو معطر کر رہی تھیں۔ اور وہ ایک کے بعد ایک موم بتی سے کچھ نکال رہی تھی۔ نیل پالش۔ ہیئر پن۔ کینڈی بار۔ کچھ پلاسٹک میں لپٹا تھا اور کچھ بغیر پلاسٹک کے۔

"اتنی دیر لگی تمہیں اپنے بھائی کو سمجھنے میں۔" رابیل مسکرا کے اس کو دیکھ رہی تھیں۔ میز موم سے لتھڑی چیزوں سے بھر گئی تھی جن کا موم باہر آتے ہی جمنے لگا تھا۔ وہ اب ہنستے ہوئے اپنے تخنوں پہ جمی موم ناخنوں سے کھرچ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسٹرابری کی مہک والی کینڈل پگھل رہی تھی اور بیربل فرید سانس روکے اسے دیکھ رہا تھا۔

''یعنی ہماری بہن زندہ ہے۔ اور....''

ماہر نے سر جھکا کے موم بتی کے جار کے اندر جھانکا۔

اس کے چہرے پہ بالآخر ایک مسکراہٹ ابھری۔ ایک مکمل مسکراہٹ۔

''اور اس نے مجھے ایک پیغام بھیجا ہے۔'' اس نے ٹویئزر اٹھایا اور پگھلی موم میں ڈال دیا۔ بیربل بنا پلک جھپکائے اسے دیکھ رہا تھا۔

ٹویئزر موم کے اندر ڈوب گیا۔

اور جب ماہر کی انگلیوں نے اسے باہر نکالا تو اس کے دانتوں میں کچھ تھا۔

''Smart kid, isn't she?'' وہ موم میں لتھڑی شے کو دیکھ کے فخر سے مسکرایا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مالا (نمرہ احمد)

باب دوم
"مکہ"

قسط نمبر: ۱۰

انسان ہوتے ہیں
سیپ میں بند کیڑوں کے جیسے
اگر تم ڈالو چند ایک سیپ
کھولتے پانی کے برتن میں
تو بہت سے سیپ
ایک دم پھٹ کے
کھل جائیں گے۔
اور چند ایک
تیرتے رہیں گے کچھ دیر
گرم پانی کی سطح پہ
اور پھر وہ دھیرے دھیرے
اپنے آپ کو کھول دیں گے۔
لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں
جو کبھی نہیں کھلتے
چاہے وہ کیسے ہی گرم پانیوں کا
شکار کیوں نہ ہو جائیں۔

Rhian J Martin

سیاہ سفید اپارٹمنٹ میں اسٹرابری کی مہک پھیلی تھی اور اونچے درو دیوار خاموشی سے لونگ روم میں بیٹھے دو نفوس کو دیکھ رہے تھے۔ بیربل سانس روکے ماہر کے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا جو احتیاط سے ٹوئیزر کی مدد سے کینڈل جار کے اندر سے کچھ نکال رہے تھے۔

ٹوئیزر اوپر اٹھا۔ بیربل کی نظریں بھی اوپر کو اٹھیں۔

ایک موم میں لتھڑی شے برآمد ہوئی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ میز پہ جھکا۔

"ہاتھ نہیں لگانا۔" ماہر نے ایک دم روکا تو وہ جیسے منجمند ہو گیا۔ پھر ناسمجھی سے اس شے کو دیکھا جس کی گرم موم میز پہ رکھتے ہی جمنے لگی تھی۔

ماہر ٹوئیزر کی نوک سے اس ننھی شے کے اوپر سے موم ہٹانے لگا۔ موم کے دانے دانے الگ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ وہ صاف ہو گئی۔

وہ ایک موٹے کاغذ کا ٹکڑا تھا۔ آدھے انگوٹھے جتنا۔ ایک طرف بھوری تھی۔ دوسری طرف سرخ۔ ٹکڑا تکون صورت تھا۔ ایسے کہ دو اطراف بالکل برابر تھیں اور تیسری قدرے ٹیڑھی تھی۔ جیسے کسی نے ہاتھ سے پھاڑی ہو۔ بھوری سائیڈ تو گتے جیسی تھی اور سرخ سائیڈ پرنٹڈ تھی۔ سرخ تکون کے اوپر ایک ڈیزائن بنا تھا۔ پیلے، سبز اور نیلے رنگ کے ایک پھول کی پتی ہو جیسے۔ وہ پھول کی پتی کا ٹکڑا تھا جیسے باقی آدھا پھاڑنے کی وجہ سے کٹ گیا ہو۔

"یہ کسی اپنے سے بڑے کاغذ کا حصہ ہے۔ جس کو کسی نے ہاتھ سے پھاڑا ہے۔" ماہر اس کو ٹوئیزر سے اٹھائے الٹا پلٹا کے بغور دیکھ رہا تھا۔ "اس کاغذ کا دوسرا حصہ بھی ہونا چاہیے تھا۔" قدرے الجھ کے اس نے کینڈل جار میں جھانکا۔ موم پگھل کے شفاف نظر آ رہی تھی۔ سرے سے پیندے تک دوسری کوئی شے وہاں موجود نہ تھی۔

"یہ تو ایک ننھا سا کاغذ کا ٹکڑا ہے جو کسی نے غلطی سے پھاڑ کے موم بتی میں گرا دیا ہے۔ اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ہلال زندہ ہے؟" بیربل کے کندھے ڈھیلے ہوئے۔ وہ پیچھے ہو کے بیٹھا۔

"ہلال زندہ ہے۔ اور یہ اسی نے ڈالا ہے۔ مجھے کچن سے ایک زپ لاک بیگ لا کر دو۔" تحکم سے اشارہ کیا۔

بیربل نے ایک نظر اس کی گری ہوئی بیساکھی کو دیکھا۔ پھر منہ میں کچھ بڑبڑا کے اٹھ کھڑا ہوا۔ کچن میں جا کے دو

تین کیبنیٹس کھولیں۔ایک ننھا زپ لاک بیگ نکالا اور کیبنٹ کے دروازے بند کیے بنا واپس آیا۔انداز ناراض ناراض سا تھا۔

''بالفرض یہ ہلال کی طرف سے ہے اور وہ زندہ ہے۔تب بھی تم نے یہ بات مجھے پاکستان میں کیوں نہیں بتائی؟ ہم واپس کیوں آ گئے؟'' وہ واپس صوفے پہ بیٹھے ہوئے قدرے جھنجھلا گیا تھا۔

ماہر جواب دیے بنا ٹوئیزر سے اس کاغذ کے ٹکڑے کو شفاف زپ لاک بیگ میں مقید کرنے لگا۔اس نے ابھی تک اسے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

''کیونکہ سرکار نے ہلال کی نقلی موت کا ثبوت مجھے بہت جلدی میں بھجوایا ہے۔وہ مجھے لاہور سے بھیجنا چاہتا تھا۔اسے کسی چیز کی جلدی تھی۔'' اس نے چہرہ کینڈل پہ جھکا کے آنکھیں بند کیں۔پھر ایک سانس اندر کھینچی۔وہ جیسے ہلال کی خوشبو تھی۔اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آ گئی۔گال میں گڑھا سا بنا۔

''ہم ہلال کو ڈھونڈے بنا واپس کیوں آ گئے' ماہر؟''

''کیونکہ وہ زندہ ہے اور وہ ٹھیک ہے۔''

''تم اتنے پر یقین کیسے ہو؟'' وہ اب اکتا گیا تھا۔

''ہلال زندہ ہے۔اور وہ سرکار کے پاس ہے۔'' اب وہ زپ لاک بیگ کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔''سرکار نے اگر اس کو مار دیا ہوتا تو وہ اتنے جوکھم کر کے اس کی نقلی موت ثابت کرنے کی کوشش نہ کرتا۔اسے ہلال زندہ چاہیے۔اس نے اسے کہیں چھپا رکھا ہے۔لیکن برے حال میں نہیں۔اچھے حال میں۔'' وہ جیسے سوچ سوچ کے بول رہا تھا۔

''اور یہ تمہیں کیسے معلوم؟''

''کیونکہ ہلال کی جو چیزیں پولیس نے ہمیں دی ہیں' اس کا بیگ وغیرہ' وہ بہت تھوڑی سی چیزیں ہیں۔اس کی گمشدگی کے وقت اس کے پاس بہت سی چیزیں تھیں جو کبھی نہیں ملیں۔اس کی بہت سی کینڈلز۔کتابیں۔اسکیچ بکس۔رنگین پنسلز۔بوتل۔کپڑے۔ہلال کے ساتھ اس کی چیزیں بھی کھو گئی تھیں۔کوئی اس کی چیزیں کیوں چرائے گا؟''

''تاکہ وہ چیزیں اس کو مہیا کر کے اس کو خوش رکھ سکے۔'' بیربل کا ذہن کام کرنے لگ گیا۔ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''بالکل۔اس نے ہلال کو کہیں بہت آرام سے رکھا ہوا ہے۔اس کے پاس اس کی تمام چیزیں ہیں۔لیکن اس کی

نقلی موت دکھانے کے لیے سرکار نے ہلال کی کچھ چیزیں اس سے لے لی ہوں گی۔''

''اور ہلال کو اندازہ ہو گا کہ یہ ہم تک پہنچائی جائیں گی اس لیے اس نے کاغذ کا ٹکڑا کینڈل میں ڈال دیا۔ سرکار کو اس کا علم نہیں ہو سکا ہو گا۔'' بیربل نے سمجھ کے سر ہلایا۔ پھر رک گیا۔ ''لیکن ہلال نے خالی کاغذ کیوں بھیجا؟ یہ کیوں نہیں بتایا کہ وہ کہاں ہے؟''

''شاید وہ خود نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہے۔'' وہ دور خلاء میں دیکھ رہا تھا۔

''ہمیں وہاں رہ کے اسے ڈھونڈنا چاہیے تھا۔'' بیربل شدید بے زار ہوا۔

''سرکار میرے ساتھ عرصے سے ایک گیم کھیل رہا ہے۔ وہ ہمیشہ مجھ سے دو قدم آگے رہتا ہے۔ میں اس کا مقابلہ نہیں کر پاتا کیونکہ میں اس کی بنائی ہوئی گیم کھیل رہا ہوں۔'' زمین پہ بیٹھے ماہر فرید کے چہرے پہ یہ کہتے ہوئے زمانے بھر کا اطمینان تھا۔

''کیا مطلب؟''

''وہ ہمیشہ جیتتا رہے گا اور میں اس کی لاحاصل تلاش میں ہمیشہ ناکام رہوں گا کیونکہ یہ کھیل اس کا بنایا ہوا ہے۔ لیکن میں اب اس کا کھیل نہیں کھیلوں گا۔ میں سرکار کو نہیں ڈھونڈوں گا۔ اس طرح مجھے ہلال کبھی نہیں ملے گی۔''

''پھر کیسے ملے گی؟''

''اب میں اپنا کھیل ترتیب دوں گا۔ ہم واپس اس لیے آگئے تاکہ وہ یہ یقین کر لے کہ میں ہلال کی موت کو تسلیم کر چکا ہوں۔ اور وہ ریلیکس ہو جائے۔ جب وہ ریلیکس ہو گا تو وہ کوئی غلطی کرے گا۔''

''اور اگر اس کے جنات نے اس کو بتا دیا؟'' بیربل نے آنکھیں گھمائیں۔

ماہر دھیرے سے مسکرایا۔

''کیا تم نے دیکھا نہیں تھا کہ میں نے گھر کا دروازہ بند کرتے ہوئے اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھا تھا؟''

''تاکہ یہاں کہی جانے والی باتیں جنات آگے نہ بتا سکیں؟'' وہ چونکا۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ویسے بھی جنات سب کچھ نہیں جانتے۔ نہ سب کچھ بتا سکتے ہیں۔ اسی لیے وہ چھپی چیزوں کی لوکیشن کبھی ٹھیک سے نہیں بتا سکتے۔ بہر حال ہم دوبارہ اس بات کا ذکر نہیں کریں گے۔ ہم یہی ظاہر کریں گے کہ ہلال مر چکی ہے۔ مالک، چنگیز، شبنم، سب کے سامنے۔ تب تک میں یہ جاننے کی کوشش کروں گا کہ اس کاغذ کا کیا مطلب ہے۔''

وہ زپ لاک بیگ میں مقید سرخ کاغذ کو دیکھ رہا تھا۔

''اور اگر اس نے ہلال کو نقصان پہنچایا؟''

''نہیں۔اس نے کسی وجہ سے ہلال کو زندہ رکھا ہوا ہے۔اگر مارنا ہوتا تو اس کی اصلی لاش بھیج دیتا۔''

''سرکار۔کتنا عجیب نام ہے یہ۔'' بیر بل ماتھے پہ بل ڈالے بڑبڑایا۔''نہ جانے وہ خود کیسا ہوگا۔''

''وہ بوڑھا ہے۔اور اس کے سفید بال ہیں۔یہ میں جانتا ہوں۔عمر یقیناً پچاس سے ساٹھ برس کے درمیان ہوگی۔'' وہ موم بتی کے جلتے شعلے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

(زیاد اور مالا ابھی سامنے سے ہٹے تھے۔اور نگینہ بیگم اسی طرح شل سی تخت پہ بیٹھی تھیں۔ان کا زرد چہرہ کمزور تھا اور آنکھوں تلے ہلکے تھے۔پلکیں گیلی تھیں اور جھریوں زدہ بوڑھے ہاتھوں میں کپکپاہٹ تھی۔)

''چونکہ وہ بہت سخت جادو کرتا ہے' اس لیے اس نے اپنی صحت کا خاص دھیان رکھا ہوگا۔اس عمر میں بھی وہ فٹ ہوگا۔ورزش کرتا ہوگا۔اچھی غذا کھاتا ہوگا۔کالا جادو بہت سی جسمانی توانائی مانگتا ہے۔''

(آنسو نگینہ بیگم کی آنکھوں سے بہنے لگے۔بے اختیار کھانسی آئی۔اگلدان پہ چہرہ جھکایا تو خون کے قطرے تھوک کے ساتھ نکلے۔)

''اس کی کوئی فیملی نہیں ہوگی کیونکہ ایسے انسان کا دل سخت ہوتا ہے۔جو دوسروں کے بچوں اور ماؤں کو مار سکتا ہے' اس کو کسی سے محبت نہیں ہوتی۔کسی سائیکو پیتھ سیریل کلر کی طرح وہ اکیلا رہتا ہوگا۔''

(وہ کھانس کے سیدھی ہوئیں۔نڈھال چہرے سے لاؤنج کے دروازے کو دیکھا جہاں سے زیاد گیا تھا۔آنسو تواتر سے بہنے لگے۔)

''اس کے پاس بہت پیسہ ہے۔اس کے کلائنٹ اس کے مرید ہیں۔اور اعلیٰ عہدوں پہ ہیں۔یقیناً اس نے کہیں نہ کہیں کوئی بڑا سا آستانہ بنا رکھا ہوگا جہاں اس کے آگے پیچھے ملازم پھرتے ہوں گے۔''

(''اندرانی...اندرانی...'' نگینہ بیگم کمزور آواز میں پکارنے لگیں۔ان کو سانس چڑھ رہا تھا۔)

''اس نے اپنے قریبی انسانوں کو اپنے تابع کر رکھا ہوگا۔وہ اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے ہوں گے۔اس کا جادو ان پہ مکمل طور پہ چھایا ہوگا۔''

(وہ کھانس کھانس کے دوہری ہو رہی تھیں۔زیاد کے کمرے کے دروازے سے کھانسنے کی آواز اندر جا رہی تھی لیکن کوئی باہر نہیں نکلا۔سیڑھیوں کے اوپر ریلنگ سے سلطان صاحب نے جھانکا۔نیچے تخت پہ بیٹھی نگینہ بیگم کا کھانسی

سے برا حال تھا۔ انہوں نے ہونہہ میں سر جھٹکا اور واپس اندر چلے گئے۔)

''یقیناً اس کا بچپن اور جوانی بہت ٹف گزری ہو گی جس نے اس کے دل کو پتھر جیسا کر دیا ہو گا۔ اس کے اندر جذبات نہیں ہوں گے۔ نہ اسے کسی سے محبت ہو گی۔ کیونکہ اتنا ظلم کوئی ایسا انسان ہی کر سکتا ہے۔ جس کو صرف پیسے کی ہوس ہو یا جادو کی طاقت کا نشہ۔''

''تمہارا تجزیہ اچھا ہے۔ سیریل کلرز بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اکیلے، سائیکو پیتھ، پتھر دل۔'' بیربل کھنکھارا۔ ''لیکن شاید اس کی کوئی فیملی ہو۔ ہرولن کی فیملی ہوتی ہے، ماہر۔''

ماہر نے ''کک'' کی آواز کے ساتھ سر جھٹکا نفی میں ہلایا۔ جیسے اس کی بات رد کی ہو۔ بیربل نے کچھ کہنا چاہا لیکن اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے جلتی بجھتی اسکرین دیکھی تو لبوں پہ مسکراہٹ در آئی۔

اس کی یہ مسکراہٹ ماہر فرید نے غور سے دیکھی۔

''کون ہے؟'' ابرو اٹھایا۔

''لاہور کے اس ہوٹل کی خوبصورت مینیجر جہاں ہم ٹھہرے تھے۔'' اسے جیسے مزہ آ رہا تھا۔ "جاتے ہوئے اس نے میرا پرسنل نمبر لیا تھا۔ وہ مجھے پسند کرتی ہے۔''

''فون اٹھاؤ''

''ایسے کیسے؟ دو تین دن فون کرنے دو، پھر میسج کروں گا کہ....''

''اٹھاؤ'' وہ دبا دبا سا غرایا۔ بیربل کے ہاتھ سے فون گرتے گرتے بچا۔ جلدی سے اسے کان سے لگایا۔

''ہیلو۔'' ساتھ ہی خفگی سے گھور کے ماہر کو دیکھا۔ اس کا بھائی اس کی love life کبھی کامیاب نہیں ہونے دے گا۔

''جی جی۔ میں پہچان گیا۔ اچھا... واقعی؟'' مسکراہٹ غائب ہوئی۔ قدرے چونکا۔

''ہمارے جانے کے بعد کبیرہ ساوان ہوٹل آئی تھیں۔ تم سے ملنے۔'' فون رکھتے ہی وہ بے یقینی سے بولا۔

''کہا تھا نا' وہ آئے گی۔'' وہ ہلکا سا مسکرایا۔ ''واللہ ماہر فرید کبھی غلط نہیں ہوتا۔''

بیربل نے محض آنکھیں گھما کے ابرو اچکا دیے۔ ماہر اب صوفے کا سہارا لیے خود کو گھسیٹتے ہوئے بیساکھی کی طرف جا رہا تھا۔ اسے کبیرہ ساوان کو کال ملانی تھی۔ اسے اپنے ایک واہمے کی تصدیق چاہیے تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہپی برتھ ڈے ٹو یو....

ہپی برتھ ڈے ٹو یو....

دھن اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔ کسی سحر کے زیرِ اثر وہ کھنچتی ہوئی بیسمنٹ کے دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟''

آواز پہ کوئی فسوں سا ٹوٹا۔ کشمالہ مبین چونک کے مڑی۔

پیچھے اندرانی کھڑی تھی۔ اس کی گھورتی نگاہیں ہمیشہ خاموش مگر کچھ کہتی ہوئی ہوتی تھیں۔ کشمالہ کے ماتھے پہ سلوٹیں پڑیں۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟'' اس نے ابرو اٹھا کے پوچھا۔ انداز سخت تھا۔

موسیقی کی آواز اب بند ہو چکی تھی۔

''بیسمنٹ سے کیا چاہیے آپ کو؟'' اندرانی گھوم کے سامنے آئی اور دروازے کے سامنے جم کے کھڑی ہو گئی۔

''تم کچن میں جاؤ اور اپنا کام کرو۔''

مگر اندرانی نہیں ہلی۔ ڈھٹائی سے دیوار بن کے کھڑی رہی۔

''جاؤ'' اس کی آواز بلند ہوئی۔

''کشمالہ....'' زیاد نے راہداری کے دوسرے سرے سے اس کو پکارا۔

''زیاد ادھر آئیں۔'' اس نے بنا مڑے آواز دی۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''میں بیسمنٹ دیکھنا چاہتی ہوں اور یہ راستہ روک کے کھڑی ہو گئی ہے۔ کیا یہ نہیں جانتی کہ میں اس گھر کی بہو ہوں؟'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی بہت سکون سے زیاد سے پوچھ رہی تھی۔

''کیا تم نہیں جانتیں کہ کشمالہ اس گھر کی بہو ہے؟'' زیاد نے گھور کے اسے دیکھا۔ اندرانی کے کندھے ڈھیلے ہوئے۔

''میں ان سے پوچھ رہی تھی کہ....''

''جیسا وہ کہہ رہی ہیں ویسے کرو۔'' وہ برہمی سے بولا تو اندرانی نے سر کو خم دیا۔ پھر اسے گھورتے ہوئے سامنے سے ہٹ گئی۔

"بیسمنٹ میں کاٹھ کباڑ رکھا ہوتا ہے۔ یا پرانا سامان۔" وہ دونوں ساتھ ساتھ سیڑھیاں اترنے لگے۔

"آپ نے اتنا بڑا فیصلہ مجھے اعتماد میں لیے بغیر کیسے کرلیا؟" وہ جھنجھلائی ہوئی نہیں تھی۔ بس کچھ خفا خفا سا تھا اس کے انداز میں۔

"تم امی کی وجہ سے یہ کہہ رہی ہو؟" زیاد نے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا تو مدھم بتیاں جل اٹھیں۔ نیچے ایک لونگ روم تھا۔ اور سامنے چند کمرے۔ کچھ پرانا فرنیچر رکھا تھا جو کپڑوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ہر طرف گرد کی مہک تھی۔

"اور اپنی وجہ سے بھی۔ مجھے دبئی میں جاب مل گئی ہے۔ پھر آپ کی امی بیمار ہیں۔ کینسر کے آخری اسٹیج پہ ہیں۔ آپ ان کو اکیلا کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟"

رہ رہ کے ہسپتال کے وہ دن یاد آنے لگے جو معید اور اس نے بڑی مشکل سے کاٹے تھے۔ ماں کے سرہانے سے ایک پل کے لیے نہیں ہٹتے تھے۔

"میں امی کو اکیلا نہیں چھوڑ رہا۔ ان کے پاس نرسنگ اسٹاف ہوگا۔ ابو ہوں گے۔ ملازمائیں ہوں گی۔" وہ نرمی سے کہتے ہوئے دروازے کھول کھول کے اسے کمرے دکھا رہا تھا۔ نیچے بھی اوپر جیسا ایک پورشن بنا تھا جو خالی تھا۔ سوائے لاؤنج کے فرنیچر کے اس میں کچھ خاص نہ تھا۔

"آپ کو ڈر نہیں لگتا کہ آنکھ ذرا اوجھل ہوا اور وہ گر جائیں؟"

"امی اپنا خیال رکھ سکتی ہیں۔ رہی تمہاری بات تو تمہیں ویسے بھی ایک نئے شہر جا کے آباد ہونا ہی ہے۔ کیا دبئی اور کیا مکہ۔ اور ہم دبئی آتے جاتے رہیں گے۔ ساتھ ہی تو ہے۔"

"لیکن آپ نے فیصلہ لینے سے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

اس نے آگے جاتے زیاد کی کہنی تھام کے اسے روکا۔ وہ گہری سانس لے کر اس کی طرف مڑا۔ اب وہ دونوں گرد سے اَٹے لاؤنج میں آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"کچھ فیصلے گھر کے مرد نے لینے ہوتے ہیں' کشمالہ۔ کیونکہ مرد گھر کا سربراہ ہوتا ہے۔ یہ فیصلہ مجھے ہی لینا تھا۔"

"نہیں' زیاد۔ شادی شدہ لوگ فیصلے مل کر لیتے ہیں۔ ایک ساتھ۔"

زیاد نے دھیرے سے اس کے ہاتھ تھامے اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے تمہیں بتانا چاہیے تھا۔ میں خوفزدہ تھا کہ تم انکار نہ کردو۔ لیکن میں تمہیں مکہ میں بہت خوش رکھوں گا۔ تم پریشان نہ ہو۔"

''لیکن مکہ ہی کیوں؟ وہاں اتنا اہم کیا ہے؟'' وہ الجھ کے اس کو دیکھ رہی تھی۔

زیاد سلطان نے گہری سانس اندر کھینچی۔

''میں ایک گناہگار انسان ہوں' کشمالہ۔ میں نے زندگی میں بہت سے ایسے گناہ کیے ہیں جو میں بتا نہیں سکتا۔ لیکن وہ میرے اور میرے اللہ کے درمیان ہیں۔ (بہت سا پانی اس کے حلق میں جمع ہونے لگا۔ اس نے بدقت تھوک نگلا۔) اور جب میں نے تم سے شادی کرنے کا سوچا تھا تو مجھے لگتا تھا کہ تم مجھے قبول نہیں کرو گی کیونکہ میں تمہارے قابل نہیں تھا۔ تب میں نے امی سے کہا تھا کہ... (پھر سے تھوک نگلا) کہ وہ دعا مانگیں۔ اور ان کی دعا سے تم مجھے ملی ہو۔'' وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''اور میں نے خود سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر تم میری زندگی میں شامل ہو گئیں تو میں اپنے آپ کو بہتر بناؤں گا۔ میں نیک نہیں ہوں لیکن گناہگار بھی نہیں رہوں گا۔ اس لیے میں مکہ جا کے اپنی نئی زندگی شروع کرنا چاہتا ہوں۔ وہاں اللہ کا گھر ہے۔ میں چاہتا ہوں میں وہاں جا کے اللہ تعالیٰ سے زندگی میں کیے تمام گناہوں کی معافی مانگوں اور ہم کورے کاغذ جیسی نئی زندگی کا آغاز کریں۔''

اس کے چہرے کے تاثرات نرم پڑ چکے تھے۔ اس نے دھیرے سے سر ہلا دیا۔ زیاد نے ابھی تک اس کے ہاتھ تھام رکھے تھے۔ اس کا انگوٹھا زرقون کی رنگ کو چھو رہا تھا۔ مالا نے چہرہ جھکا کے چمکتے ہوئے زرقون کو دیکھا۔ اور پھر اس کو۔

اب وہ وقت تھا بات کرنے کا۔ اب نہیں تو کبھی نہیں۔

''یہ رنگ کہاں سے لی تھی آپ نے؟'' غور سے اس کو دیکھا۔

زیاد خاموش ہو گیا۔ پھر سر جھکا دیا۔

''مجھے ایک اور بات بھی بتانی تھی تمہیں۔ یہ رنگ ڈائمنڈ کی نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں پشیمانی تھی۔

کشمالہ کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ ایک گہری سانس لبوں سے خارج ہوئی۔

''آئی ایم سوری میں نے تم سے جھوٹ بولا۔ میں اتنا نہیں کماتا کہ وہ انگوٹھی افورڈ کر سکتا۔ لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہیں کوئی عام انگوٹھی دوں۔ مجھے ڈر تھا کہ تم ہیرے سے کم کسی بھی چیز پہ برا مناؤ گی۔ اس لیے میں نے زرقون کی انگوٹھی کو ہیرا کہہ کے تمہیں دے دیا۔''

''زیاد مجھے ہیروں سے زیادہ جو چیز پسند ہے وہ سچ بولنا اور سچ سننا ہے۔ مجھے جھوٹ نہیں پسند۔ مجھے دھوکہ نہیں

پسند۔ ویسے بھی مجھے وہ موتی والی انگوٹھی زیادہ آرٹسٹک لگی تھی۔" وہ اس کا پشیمان چہرہ دیکھ کے نرمی سے کہہ رہی تھی۔ "آپ کو سوچنا چاہیے تھا کہ میں ہیرے کی چمک پہچانتی ہوں۔" قدرے جتا کے بولی۔ زیاد نے سر اثبات میں ہلایا۔

"میں بس تمہیں خوش کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کل تمہارا چہرہ دیکھ کے مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ تمہیں ہیرے خوش نہیں کر سکتے۔ اسی لیے...." اس نے اس کے ہاتھ چھوڑے۔ مالا نے ہاتھ پلو میں گرا دیے۔ زیاد جیب سے کچھ نکال رہا تھا۔

"میں صبح تمہارے لیے یہ لایا تھا۔ پھر ماہی اور عباد آ گئے تو مجھے دینے کا وقت نہیں ملا۔" اس نے ایک سیاہ مخملیں ڈبیا نکال کے کھولی۔ مالا نے چونک کے اس کو دیکھا۔

ڈبیا کے اندر وہی موتی والی انگوٹھی جگمگا رہی تھی' موتی کے دونوں طرف دو ننھے ننھے ہیرے لگے تھے۔

"آئی ایم سوری۔ ایک دفعہ پھر۔" وہ بہت فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرا دی۔

"میں آپ کی معذرت قبول کر رہی ہوں۔ لیکن اس شرط پر کہ آپ دوبارہ کبھی مجھ سے جھوٹ نہیں بولیں گے۔" وہ بھی مسکرا دیا۔ "کبھی بھی نہیں۔" اب وہ اسے انگوٹھی پہنا رہا تھا۔ زرقون کی انگوٹھی اس نے اتار دی تھی۔

"آخری کمرہ رہ گیا ہے دیکھنے والا۔" اس نے مسکرا کے انگلی میں پروئے موتی کو دیکھا۔ پھر یاد آیا۔ زیاد آگے بڑھا اور آخری کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اس میں ایک ورک ٹیبل رکھی تھی۔ اور میز پہ بہت سے چارٹ نما کاغذ رول ہوئے رکھے تھے۔ ایک طرف بک شیلف بنا تھا وہاں بھی بہت سے ایسے لمبے لمبے رول رکھے تھے۔

وہ قدرے اچنبھے سے اس سب کو دیکھتی اندر داخل ہوئی۔ وہاں گرد کی مہک بہت شدید تھی۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ نقشے ہیں۔ میں ایک زمانے میں نقشے جمع کرتا تھا۔ مجھے جیوگرافی پسند تھی۔"

"بہت دلچسپ۔" گرد سے وہاں کھڑے ہونا مشکل تھا۔ وہ بس مسکرا کے ایک نظر دیکھتی باہر نکل آئی۔

"اور تم امی کے لیے پریشان نہ ہونا۔ ہماری ابھی نئی شادی ہوئی ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے وقت چاہیے۔ اور میرے امی ابو کا رشتہ بہت ٹاکسک ہے۔ ان کے ساتھ رہیں گے تو وہ مداخلت کرتے رہیں گے۔ میں اسی لیے ان سے دور جانا چاہتا ہوں تاکہ ان کی وجہ سے میری ذات میں جو کمپلیکسز رہ گئے ہیں' ان کو دور کر سکوں۔"

"میں سمجھ سکتی ہوں۔ میرے بھی کمپلیکسز رہے ہوئے ہیں۔"

''تمہیں کیا کمپلیکس تھا؟'' وہ حیران ہوا۔ پھر یاد آیا۔ ''ارے ہاں۔ تمہاری ایکنی۔'' دھیرے سے ہنس دیا۔ وہ دونوں اب سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کی آوازیں مدھم ہو رہی تھیں۔

''مجھے ڈر تھا تم انگوٹھی کی حقیقت جاننے پہ بہت ناراض ہو گی۔ لیکن تم بہت اچھی ہو کشمالہ۔ ایک اچھی بیوی تمہارے جیسی ہوتی ہے۔ جو اپنے شوہر کی اصلاح کرے اور اس کا ساتھ دے۔''

''اب آپ اپنی اچھی بیوی کو یہ بتائیں گے کہ ہم ہنی مون پہ کہاں جا رہے ہیں؟''

''ایک ہی جگہ ہے جہاں سب جاتے ہیں۔ مالدیپ۔'' وہ اوپر چلے گئے اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر دیا۔

بیسمنٹ میں خاموشی چھا گئی۔ آخری کمرے میں رکھے رول شدہ نقشے اسی طرح مقید پڑے رہ گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

لاؤنج کے ایک صوفے پہ بانو حور کو لیے بیٹھی کچھ کھلا رہی تھی۔ گاہے بگاہے وہ ایک نظر ماہی پہ بھی ڈال لیتی جو بالکل گم صم سی پیر اوپر کیے بیٹھی تھی۔ ٹی وی پوری آواز سے چل رہا تھا اور ریموٹ ماہی کے ہاتھ میں تھا لیکن وہ آواز دھیمی نہیں کر رہی تھی۔ وہ سن ہی نہیں رہی تھی۔ اس کا ذہن کہیں دور بھٹک رہا تھا۔

پارک میں ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور اس میں موسم گرما کے پھلوں کی مہک تھی۔ عباد اور ماہی ایک بنچ پہ ساتھ ساتھ بیٹھے تھے اور ڈاکٹر رائد ان کے سامنے براجمان تھے۔

''اور جادو کا علاج کیسے ہوتا ہے؟'' ماہی نے کہتے ہوئے گود میں رکھے ہاتھ کو بے اختیار معدے سے نیچے رکھا۔ اس کے ہاتھ کے پار ایک زندگی سانس لے رہی تھی۔

''میں اپنے اوپر سے جادو کیسے اتاروں؟''

ڈاکٹر رائد نے گہری سانس لی۔

''جادو اتارنے کا پہلا قدم ایک حقیقت کو قبول کرنا ہے۔''

''کیسی حقیقت؟'' وہ حیران ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کہیں گے فلاں آیت پڑھو فلاں وظیفہ کرو صدقہ دو وغیرہ وغیرہ۔ لیکن وہ کچھ اور کہہ رہے تھے۔

''یہ حقیقت کہ جادو تب تک اثر نہیں کرتا جب تک تمہارا دل اس کی مدد نہ کرے۔''

''یعنی؟'' ماہی اور عباد نے ناسمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''یعنی جادو مریض پہ تب اثر کرتا ہے جب اس کے دل کے اندر کچھ ایسا ہوتا ہے جو اس جادو کی مدد کرے۔ جادو

خود سے کچھ تخلیق نہیں کر سکتا۔ جادو صرف پہلے سے موجود شے کو ٹارگٹ کرتا ہے۔ پھر اس کو بڑھا دیتا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"آپ کے دل میں موجود خوف' insecurities اور کمپلیکسز کو جادو ٹارگٹ کرتا ہے۔ ایسے ہی بیماری کو بھی جادو بڑھا سکتا ہے۔"

"یعنی میری ماں کا ٹیومر جادو نے تخلیق نہیں کیا۔ بلکہ جادو نے اس ڈپریشن کو ٹارگٹ کیا جو میری ماں کو نورِ جہاں خالہ کی ڈیتھ کے بعد ہونے لگا تھا۔ وہ بہت اداس رہنے لگی تھیں۔"

انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور ہم سب جانتے ہیں کہ ڈپریشن اور اسٹریس ایک مقناطیس ہے جو کینسرز اور ٹیومرز کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اور انسان کی قوت مدافعت بہت کم کر دیتا ہے۔ اسی لیے ہمیں اپنے بڑوں کو ڈپریشن سے نکالنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ ان کو ان موذی مرائض سے بچایا جا سکے۔"

"لیکن اس حقیقت کو قبول کرنے سے جادو کے علاج میں مدد کیسے ملے گی؟" اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ اسے بس کوئی تیز قسم کا فارمولا چاہیے تھا جسے وہ اپلائی کرے اور جادو اتر جائے۔

"کیونکہ جادو آپ کے دل پہ حملہ کرتا ہے۔ آپ کو کسی پوائنٹ پہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ پہ کوئی جادو کر رہا ہے۔ اور آپ ایک دم خوف کا شکار ہوتے ہیں پھر آپ ہر شے کو جادو سمجھنے لگتے ہیں۔ لیکن سب کچھ جادو نہیں ہوتا۔ بہت کچھ آپ خود ہوتے ہیں۔ جادو تو محض ایک عدسہ ہے جو چیزوں کو بڑھا چڑھا کے دکھا رہا ہے۔ ایک الوژن۔ ایک سراب۔"

"اور دوسرا اسٹیپ کیا ہے؟"

حور کی قلقاری سے اس کا ارتکاز ٹوٹا۔ اس نے چونک کے ہاتھ میں پکڑے فون کو دیکھا۔ ڈاکٹر رائد کی کال آ رہی تھی۔ وہ ایک دم پیر نیچے کر کے سیدھی ہو کے بیٹھی۔

"آپ کو کال کرنے کا وقت اب ملا ہے۔ جی بتائیے ماہ بینہ۔ سب خیریت ہے؟"

وہ کسی لیکچر کے بعد اب جیسے فارغ ہوئے تھے۔ وہ جلدی سے کھنکھاری اور فون لیے کمرے کی طرف آ گئی۔

"آپ سے اتنے عرصے سے بات نہیں ہو سکی۔ جادو اتارنے کے لیے جو چند اسٹیپ آپ نے مجھے بتائے تھے' وہ میں نے اپلائی کیے تھے۔ اور....."

''اور آپ نے وہی کیا جو جادو کے اکثر مریض کرتے ہیں۔ چند دن قرآن دعائیں پڑھتے ہیں اور سب ٹھیک ہوتا نظر آتا ہے تو وہ بے فکر ہو کے اس بات کو بھول بھال جاتے ہیں۔''

اس نے ندامت سے سر جھکا لیا۔

''کوئی نیا معاملہ ہوا ہے کیا؟'' وہ نرمی سے پوچھ رہے تھے۔

''مجھے شک ہے کہ میری بہن پہ کسی نے سحرِ عشق کیا ہے اور وہ اس آدمی سے شادی کر چکی ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے؟''

''ممکن تو ہے۔ کیونکہ سحرِ عشق آج کل سب سے زیادہ کیے جانے والا جادو ہے۔''

اس کے دل کی دھڑکن مس ہوئی۔

''آپ نے کہا تھا کہ جادو کچھ تخلیق نہیں کر سکتا۔ یہ تب اثر کرتا ہے جب دل میں پہلے سے اس کی مدد کرنے والے لوازمات موجود ہوں۔ کیا سحرِ عشق بھی ان لوازمات کے بغیر اثر نہیں کرتا؟''

''بالکل۔ کوئی جادو آپ پہ اثر نہیں کرتا اگر آپ جادو کی خود مدد نہ کریں۔ جادو آپ کے اندر چھپے خوف' ان سیکیورٹی اور کمپلیکسز کو ٹارگٹ کرتا ہے۔''

''یعنی میری بہن پہ سحرِ عشق اس لیے اثر کر رہا ہے کیونکہ اس کے اندر پہلے سے اِن سیکیورٹیز اور کمپلیکسز موجود ہیں؟''

''سحرِ عشق ان لوگوں پہ جلدی اثر کرتا ہے جن کے اندر ایک حسرت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ محبت کیے جانے کی حسرت۔ چاہے جانے کی چاہ۔ اور سچ بات ہے ماہ بینہ کہ یہ ہم سب کے اندر ہیں۔ ہم سب ہر وقت محبت کے متلاشی ہوتے ہیں۔ ہمیں کوئی انسان چاہیے ہوتا ہے جو ہم سے محبت کرے۔''

''یعنی صرف سحرِ عشق کی وجہ سے آپ غلط انسان سے شادی نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے اندر کی حسرت کی وجہ سے بھی ایسا کرتے ہیں؟''

''بالکل۔ یہ خوف کہ ہم تنہا نہ رہ جائیں۔ اس شخص کو ٹھکرا دیا تو کوئی ہم سے محبت نہیں کرے گا۔ ایسے میں کچھ لوگوں کو یہ خوف دوسروں سے زیادہ ہوتا ہے۔ سحرِ عشق اس خوف کو بڑھا دیتا ہے۔ اور وہ محبت سے بڑھنے والا پہلا ہاتھ تھام لیتے ہیں۔ بھلے کوئی ساحر کا ہاتھ ہی کیوں نہ ہو۔''

ماہی نے بے بسی سے لب کاٹے۔

''میں اپنی بہن کے لیے کیا کر سکتی ہوں؟''

''آپ جادو کے مریض کے لیے کچھ نہیں کر سکتیں سوائے دعا کے۔ جو کرنا ہے اسے خود کرنا ہے۔ کوئی انسان جادو سے نکل نہیں سکتا جب تک وہ خود نہ چاہے۔ اور پہلا اسٹیپ ہے.....''

''اس حقیقت کو قبول کرنا کہ جادو سب کچھ نہیں ہوتا۔ بہت کچھ ہمارے اندر پہلے سے موجود ہوتا ہے۔'' اس نے چند ماہ پہلے کہی گئی ان کی بات دہرائی۔

کال بند ہوئی تو اس کی نگاہیں بے اختیار کانٹیکٹ لسٹ پہ دوڑ گئیں۔ ماہر فرید کے نام پہ انگلی ٹھہر گئی۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ وہ چیزوں کو مزید پیچیدہ نہیں کر سکتی تھی۔

فیملی گروپ پہ اسی لمحے کشمالہ کا میسج آیا تھا۔ زیاد اور وہ مالدیپ میں تھے اور مالا نے اپنی تصاویر بھیجی تھیں۔ وہ خوش اور مطمئن لگ رہی تھی۔ ماہی نے دھیرے سے سر جھٹکا۔ شاید یہ سب اس کا وہم ہو۔ یا ماہر کی غلط فہمی۔ یقیناً ایسا ہی ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک ماہ بعد۔

یہ مارچ کی ایک ٹھنڈی سی شام تھی۔ یہ ہوٹل کا ایک شاہانہ طرز کا ہال تھا جسے سیاہ اور سفید رنگ سے سجایا گیا تھا۔ ہر طرف سیاہ گلابوں کے گلدستے تھے جو یقیناً اسپرے پینٹ کیے گئے تھے۔ مہمان گول میزوں کے گرد رکھی کرسیوں پہ بیٹھے تھے۔ کسی نے سیاہ یا سفید کے علاوہ کوئی دوسرا رنگ نہیں پہنا تھا۔ کونے میں ایک پیانو رکھا تھا جس پہ بیٹھا پیانسٹ مگن سا کوئی دھن بجا رہا تھا۔ قریبی میز پہ ہلال کا ایک پورٹریٹ رکھا تھا جس کے ساتھ موم بتیاں جل رہی تھیں۔ مہمان باری باری آتے' اور موم بتیوں کے ساتھ اپنے حصے کے پھول رکھ کے آگے بڑھ جاتے۔

یہ ہلال شمس الدین کی وفات کا اعلان کرنے کے لیے اس کی یاد میں منعقد کیا گیا میموریل ڈنر تھا۔

زارینہ موم بتیوں والی میز کے قریب کھڑی مہمانوں کو خوش آمدید کہہ رہی تھی۔ بنا آستین کے سیاہ مڈی ڈریس پہنے' گردن میں بہت سی سنہری زنجیریں ڈالے وہ تحکم سے ویٹرز کو ہدایات دے رہی تھی۔ کھانا کھلنے میں ابھی وقت تھا۔ اسٹیج پہ مختلف لوگ ہلال کے لیے نیک تمنات کا اظہار کر رہے تھے۔ کچھ مہمان سن رہے تھے۔ کچھ آپس میں سرگوشیوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ ان میں شبنم اور ہیر بل بھی تھے جو ایک ستون کے ساتھ کھڑے تھے۔

''سب مہمان آئے ہیں نا؟'' بیر بل نے سرگوشی میں پوچھا۔

''جی ہاں۔گزشتہ تین برس سے استنبول میں بنایا گیا تم دونوں کا حلقہ احباب یہاں موجود ہے۔''

''ماہر کا حلقہ احباب۔'' اس نے کھنکھار کے تصحیح کی۔''میں استنبول میں بہت پہلے سے ہوں۔تین سال پہلے ماہر میرے کہنے پہ میرے لیے استنبول شفٹ ہوا تھا۔'' اس نے بہت دفعہ کی یاد دلائی بات پھر سے دہرائی۔آواز میں فخر سا تھا۔استنبول منتقل ہونے کی بات وہ واحد بات تھی جو ماہر نے بنا چوں چرا کیے مان لی تھی۔

''اچھا جو بھی ہے۔'' شبنم نے ناک سکوڑی۔پھر اسٹیج پہ جاتے ماہر کو دیکھ کے جیسے بدمزہ ہوئی۔''ماہر بے کو بیساکھی کے ساتھ دیکھنے کی اتنی عادت ہوگئی تھی کہ اب اس کے بغیر وہ ادھورا لگ رہا ہے۔'' اسے ماہر کا اپنے پیروں پہ چلنا پسند نہیں آیا تھا۔

بیر بل بے اختیار نگاہ اٹھا کے اسٹیج کی طرف دیکھنے لگا جہاں وہ کھڑا تھا۔بیر بل کے لاپرواہ حلیے کے برعکس وہ بہت دل سے تیار ہوا تھا۔سیاہ شرٹ' ویسٹ اور کوٹ پہنے' فرنٹ پاکٹ میں ایک ننھا سفید گلاب اٹکائے' بال جیل سے پیچھے کیے وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ سر جھکا کے مائیک میں کھنکھارا تھا۔مہمان پوری طرح سے اس طرف متوجہ ہوئے۔

''یک شام لار...'' (شام بخیر)۔اس نے آغاز کیا۔ہال میں خاموشی چھانے لگی۔یہ آج شام کی آخری تقریر تھی۔بیر بل نے البتہ تقریر سے معذرت کر لی تھی۔اس سے اس سے زیادہ اداکاری نہیں ہوتی تھی۔

''کتنے افسوس کی بات ہے۔ماہر دو سال سے ہلال کو ڈھونڈ رہا تھا۔اور آخر میں سب بے کار گیا۔'' شبنم نے افسوس سے چچ کیا۔بیر بل نے بمشکل تھوک نگلا۔

''ہوں۔'' اس نے چہرے پہ سوگواریت طاری کرنے کی کوشش کی۔شکر کہ شبنم اس طرف نہیں دیکھ رہی تھی ورنہ اس کو شک ہو جاتا۔

''تم لوگوں کو یقین ہے کہ وہ لاش اسی کی تھی؟'' سرگوشی پہ وہ چونکا۔عبدالمالک فرید اس کے ساتھ آ کھڑے ہوئے تھے۔ان کا سوٹ بھی سیاہ تھا۔ہاتھ جیبوں میں تھے اور پتھریلے چہرے پہ ایک غیر آرام دہ سا تاثر تھا۔

''ظاہر ہے اسی کی ہے۔'' بیر بل سامنے دیکھنے لگا۔

''مجھے یقین نہیں ہے۔تمہیں قبر کی کھدوائی کروانی چاہیے تھی۔ڈی این اے کروانا تھا۔بے شک میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ وہ مر چکی ہوگی لیکن یہ سب کچھ shady سا لگ رہا ہے۔'' وہ بڑبڑائے۔بیر بل نے گردن موڑ کے برہمی

سے انہیں دیکھا۔

"کیا چاہتے ہو تم؟ اس نے اتنی مشکل سے ہلال کے مرنے پہ یقین کیا ہے۔ تم اس کو واپس اسی اسکوائر ون پہ لانا چاہتے ہو؟ اس کو موو آن کرنے دو مالک۔"

مالک کے ماتھے کی لکیریں ڈھیلی پڑیں۔ انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب دونوں خاموشی سے اسٹیج پہ کھڑے ماہر کو دیکھنے لگے۔ وہ مائیک میں کہہ رہا تھا۔

"فیری ٹیلو میں کہتے تھے کہ ہر دیو کی جان ایک فاختہ میں بند ہوتی ہے۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔ "میری جان ہلال میں بند تھی۔ وہ چلی گئی ہے تو اب زندگی میں کچھ بھی ویسا نہیں رہے گا۔" اس نے اس میز کو دیکھا جہاں ہلال کا بڑا سا پورٹریٹ رکھا تھا۔

"ہلال جہاں بھی ہوگی، مجھے یقین ہے کہ وہ آرام سے ہوگی۔ ایک بہتر جگہ پہ۔ اس کی نینی اس کی ایسے ہی حفاظت کرے گی جیسے وہ دنیا میں کرتی تھی۔" سوگواریت سے کہتے ہوئے وہ رکا۔ اور جیسے وضاحت کی۔ "ہلال کی نینی بھی ہلال کے ساتھ کھو گئی تھی۔ اس کی لاش بھی نہیں مل سکی۔ امید ہے کہ وہ ہلال کے ساتھ ہوگی۔"

"نینی؟" مالک فرید نے چونک کے بیربل کو دیکھا۔ "کون سی نینی؟"

"ہلال کی نینی۔ جو ہر وقت ہلال کے ساتھ ہوتی تھی۔ لیکن تمہیں کیسے معلوم ہوگا؟ تم نے میری ماں کا ساتھ دینے سے انکار جو کر دیا تھا۔" بیربل ایک دم بگڑ کے بولا۔ مالک خاموش ہو گئے اور سامنے دیکھنے لگے۔

"گزشتہ اکتوبر ہلال نے گیارہ سال کا ہونا تھا۔ میں اسے کچھ گفٹ کرنا چاہتا تھا۔ کچھ سرخ رنگ میں کیونکہ یہ اس کا پسندیدہ رنگ تھا۔ اسی لیے میں کرتال میں جو عمارت بنانے جا رہا ہوں، وہ...." وہ اٹکا۔ اس کی نگاہوں میں چونک جانے کا تاثر تھا۔ جیسے ہال کے سرے پہ کچھ دیکھا ہو۔

"وہ... وہ سرخ رنگ کی ہے۔" ماہر فرید کی رنگت بدلی۔ ایک لمحے کے لیے تمام الفاظ گم ہو گئے۔ اگلے ہی لمحے وہ سنبھل گیا لیکن نگاہیں وہیں جمی تھیں۔

زارا جو توجہ سے ماہر کی تقریر سن رہی تھی، اس کے انداز پہ چونکی۔ تیزی سے گردن موڑ کے ماہر کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اسے سمجھ میں نہیں آیا کہ ماہر نے ایسا کیا دیکھا تھا۔ وہ اب اپنی تقریر قدرے عجلت میں مکمل کرتا بار بار اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ داخلی دروازے کی طرف جہاں سے کوئی داخل ہوا تھا۔

زارا نے گردن اونچی کی۔ بہت سے مہمانوں کے سروں کے درمیان سے اسے بالآخر نو وارد کا چہرہ دکھائی دیا۔

وہ داخلی دروازے کے قریب کھڑی تھی جیسے ابھی ابھی آئی ہو۔ تمام مہمانوں کے برعکس اس نے ہائی ویسٹ خاکی پینٹ پہ کھلا سا سفید بلاؤز پہن رکھا تھا۔ کندھوں پہ جینز کی نیلی جیکٹ تھی۔ گردن میں پہنی چین میں پرویا بڑا سا صلیب سینے پہ جھول رہا تھا۔ زارا پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھتی چند قدم آگے آئی۔ یہاں تک کہ اس کا چہرہ واضح ہوا۔ وہ ماہر کی سمت دیکھ رہی تھی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ وہ زارا کی عمر کی ہوگی یا اس سے چند سال بڑی۔ وہ اندازہ نہیں کر سکی۔ اس کے سنہرے بال کندھوں تک کٹے ہوئے تھے۔ سفید گلابی سا بیضوی چہرہ۔ اور بڑی بڑی نیلی آنکھیں۔ وہ ایک ہینڈ بیگ دونوں ہاتھوں میں سامنے کو پکڑے ہوئے تھی ایسے کہ وہ اس کے گھٹنوں کو چھو رہا تھا۔

''ہلال ہماری دعاؤں میں ہمیشہ رہے گی...'' ماہر جلدی جلدی بات سمیٹ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اس نووارد عورت سے ہٹ نہیں رہی تھیں۔ اور چہرے پہ ایک ایسا تاثر تھا جو آج شام اسے پہلی دفعہ دکھائی دیا تھا۔

خوشگوار حیرت۔

اپنی تقریر مکمل کر کے وہ نیچے اترا۔ مہمان تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ سب اس سے مل کے اس کو تسلی اور دعا دینا چاہتے تھے۔ وہ عجلت میں سر کے خم سے تعزیت وصول کرتا' تیزی سے ان کے درمیان سے گزرتا آگے بڑھ رہا تھا۔ چند لوگ سامنے آ گئے۔ نگاہ کا راستہ رک گیا۔ وہ بے چینی سے معذرت کرتا آگے بڑھتا گیا۔

بالآخر وہ پھر سے دکھائی دی۔ وہ وہیں کھڑی اسی طرح مسکرا رہی تھی۔

وہ تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ قریب آیا۔

''یاسمین....''

وہ چند قدم کے فاصلے پہ رک گیا۔

سنہرے بالوں اور نیلی آنکھوں والی لڑکی نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ مسکرانے سے اس کی آنکھوں کے گرد لکیریں سی پڑتی تھیں۔

''میں نے ٹوئیٹر پہ دیکھا تھا کہ آج یہاں ہلال کا میموریل ڈنر ہو رہا ہے۔ میں یہاں ایک سیمینار میں آئی تھی۔ سوچا ایک دفعہ تم سے مل لوں۔ مجھے بہت افسوس ہوا ہے ہلال کا۔''

وہ صاف انگریزی بولتی تھی۔ اس کا لہجہ امریکی تھا۔ آنکھیں شفاف اور ماہر کے چہرے پہ جمی تھیں۔ وہ گردن سیدھی رکھے کھڑی تھی۔ اپنی جگہ سے ایک قدم نہ آگے ہوئی نہ پیچھے۔

''تھینک یو یاسمین۔ مجھے اچھا لگا کہ تم آئی ہو۔''

''مگر تم نہیں آئے۔'' یاسمین نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''پچھلے مارچ سے تم نہیں آئے جب سے تم لاہور گئے تھے۔فون بھی نہیں کیا۔اب اگلا مارچ آپہنچا ہے۔'' نہ شکایت نہ جتانا۔وہ بس نرمی سے یاد دلا رہی تھی۔

اس نے مسکرا کے سر جھکا دیا۔

''لاہور گئے تھے تو کہا تھا فون کرتا رہوں گا۔لیکن نہیں کیا۔مجھ سے بھاگ رہے ہو ماہر؟''

ماہر نے سر اٹھایا۔پھر مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

''بھاگ کے کہاں جاؤں گا؟''

''یہی میں پوچھ رہی ہوں۔مجھ سے بھاگ کے کہاں جاؤ گے؟''

اس نے جواب نہیں دیا۔چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔پھر یاسمین کے لب حرکت کیے۔

''تم ٹھیک ہو؟'' ابرو اٹھا کے یقین دہانی چاہی۔

''ٹھیک ہوں۔'' ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تمہارے ایکسیڈنٹ کا بھی سنا تھا میں نے۔سوچا تم خود کال کرو گے۔مگر نہیں کی۔''

"تم کر لیتیں۔" اس کے انداز میں گلہ تھا۔

''میں کبھی کال نہیں کرتی 'ماہر۔کال کرنا تمہارا کام ہے۔'' وہ مسکرائی۔پھر گھڑی دیکھی۔ ''مجھے ابھی جانا ہے۔لیکن میں تمہاری کال کا انتظار کروں گی۔''

''ماہر....'' زارا سے مزید دور رہنا برداشت نہ ہوا۔وہ تیزی سے ان کے قریب آئی۔ماہر نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔

وہ مسکرا رہا تھا۔

وہ ہلال کے میموریل ڈنر پہ مسکرا رہا تھا۔

''یہ....'' وہ تعارف کروانے لگا لیکن یاسمین نے الفاظ اچک لیے۔

''یہ یقیناً زارا ہے۔تمہاری کزن۔''

زارا نے کچھ کہا نہیں۔بس ماہر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''یہ یاسمین ہے۔'' اس نے تعارف مکمل کیا۔وہ اب بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''میں چلتی ہوں لیکن....'' یاسمین نے ایک ہاتھ بیگ سے ہٹایا اور نرمی سے اس کی کہنی کو چھوا۔ ''مجھے کال کرنا۔''

ماہر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ وہیں کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔

دروازے تک پہنچ کے وہ مڑی۔ پھر ہاتھ گال تک لے گئی۔ درمیانی تین انگلیاں موڑ کے فون کا اشارہ کیا اور بنا آواز کے ہونٹ ہلائے۔ (کال می۔)

ماہر نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ زارا مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''یہ کون تھی؟''

''یاسمین۔'' وہ کہہ کے آگے بڑھ گیا۔ اب وہ چنگیز کی طرف جا رہا تھا۔ یاسمین کے جاتے ہی چہرے کے تاثرات واپس ویسے ہی ہو گئے تھے۔ روبوٹ کے جیسے۔

''یہ عورت کون تھی ماہر کے ساتھ؟''

زارا تیزی سے بیربل کے پاس گئی اور چھوٹتے ہی پوچھا۔ وہ جو شبنم سے کسی بات میں الجھا تھا' کندھے اچکا کے رہ گیا۔

''مجھے نہیں معلوم۔ ماہر کی کوئی دوست ہوگی۔''

زارا نے شبنم کو دیکھا۔ اس نے بھی لاعلمی سے شانے اچکا کے نگاہیں چرا لیں۔ زارا نے اس کا نگاہیں چرانا غور سے دیکھا تھا۔ لیکن کہا کچھ نہیں۔ البتہ اس کا سارا موڈ برباد ہو چکا تھا۔

''کون ہو سکتی ہے؟''

''ماہر کی زندگی کے بہت سے پہلو ہیں' زارینہ خانم' جن سے ہم واقف نہیں ہیں۔ اس لیے میں تجسس نہیں رکھتا۔''

''کیا یہ وہی لڑکی ہے جس کے پیچھے وہ لاہور جاتا ہے؟''

''نہیں۔'' بیربل اور شبنم یک زبان ہو کے بولے۔ اور پھر ایک دم چپ ہو گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی سوال پوچھتی' وہ دونوں دائیں بائیں ہو گئے۔

''تم نے مجھے بتایا نہیں کہ وہ کاغذ کا ٹکڑا کیا تھا؟''

چنگیز نے تعزیت کرنے کے بعد بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ماہر نے سوالیہ ابرو اچکائے۔

''کیسا ٹکڑا؟''

''سرخ کاغذ کا ٹکڑا جو تم نے مجھے فارنزک معائنے کے لیے دیا تھا اور جس پہ ہمیں کسی قسم کا ڈی این اے یا

فنگر پرنٹ نہیں ملا تھا۔'' اس نے جتانے والے انداز میں یاد دلایا۔

''وہ اہم نہیں ہے۔ ہلال نہیں رہی۔ اب کچھ بھی اہم نہیں ہے۔'' اس کا چہرہ پھر سے بے تاثر ہو گیا تھا۔ اسی پل بیربل قریب آ کے کھنکھارا۔

''یہ عورت کون تھی، ماہر؟''

''یاسمین۔'' وہ موبائل نکال کے اسکرین پہ انگوٹھا چلا رہا تھا۔

''ہاں مگر کون تھی؟'' بیربل کو بے چینی ہوئی۔

''یاسمین تھی۔'' وہ موبائل دیکھتا آگے بڑھ گیا۔ بیربل نے مشکوک نظروں سے اسے جاتے دیکھا۔ پھر کچھ سوچ کے واپس اسی مقام تک آیا جہاں ناخوش سے مالک کھڑے تھے۔ اگر کوئی جانتا تھا تو وہ مالک تھا۔ وہ عموماً سب کچھ جانتا ہوتا تھا۔

''یہ سنہرے بالوں اور روسی خدوخال والی عورت کون تھی جو ابھی ماہر کے ساتھ کھڑی تھی؟''

مالک فرید نے ایک سنجیدہ نگاہ اس پہ ڈالی۔

''وہ یاسمین تھی۔''

اپنا اندازہ درست ہونے پہ بیربل کے ابرو استعجاب میں اٹھے۔

''کون یاسمین؟''

''وہ عورت جس کے لیے ماہر لندن چھوڑ کے استنبول آیا تھا۔''

بیربل فرید پلک جھپکنا بھول گیا۔

''ما... ماہر میرے لیے یہاں شفٹ ہوا تھا۔ میرے مشورے پر۔ تاکہ ہم بھائی ساتھ رہیں۔''

مالک فرید پہلی دفعہ ہلکا سا مسکرائے۔ اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کے تھپکا۔ اور چہرہ اس کے کان کے قریب لے گئے۔

''کیا وہ ایسے آدمی کا مشورہ مان سکتا ہے جو کیک بناتا ہو؟'' انداز محظوظ ہونے والا تھا۔ کہہ کے آگے بڑھ گئے اور بیربل کا چہرہ خفگی سے سرخ پڑنے لگا۔ غصے سے دور کھڑے ماہر کو دیکھا جو فون میں الجھا تھا۔

''قیامت کے دن ان روبوٹس کا الگ سے حساب ہو گا۔ ان شاءاللہ۔'' پورے عزم سے خود کو یقین دلایا۔

وہ اسی طرح اپنے فون کی کانٹیکٹ لسٹ کھولے دیکھ رہا تھا۔

(مجھے کال کرنا۔) انگوٹھا ایک نام پہ ٹھہر گیا۔

Angel (فرشتہ)

لیکن اس نے کال کا بٹن نہیں دبایا۔ اس کے لیے بہت ہمت چاہیے تھی۔ اس نے فون واپس جیب میں ڈال دیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''مالدیپ کیسا تھا؟''

مبین منزل میں ڈائننگ ہال پہ انواع واقسام کے کھانے چنے تھے۔ گفتگو کے ساتھ چمچ کانٹے چلانے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ وسط میز پہ اونچا سا کینڈل اسٹینڈ رکھا تھا۔ اور ٹیبل رنز پہ ترتیب سے بہت سے پلیٹرز۔ سربراہی کرسی خالی تھی۔ اور وہ چاروں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ ایسے کہ ماہی اور معید ایک طرف تھے اور مالا' زیاد دوسری جانب۔

''بہت اچھا۔'' وہ مسکرا کے چاولوں میں چمچ چلاتے ہوئے بولی۔ اس نے لمبے بال آدھے باندھ رکھے تھے۔ ہلکے میک اپ اور کامدار لباس میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ ساتھ بیٹھا زیاد بھی کرتے شلوار میں ملبوس بہت پرسکون سا بیٹھا اپنی پلیٹ میں باربی کیو نکال رہا تھا۔

''آپ ابھی تک یہیں ہیں؟'' زیاد نے برائے بات پوچھا۔ ماہی نے آنکھیں گھما کے اسے دیکھا۔

''میرے سسرال میں دو شادیاں تھیں۔ اس لیے رک گئی۔ ورنہ عباد تو آپ کے مالدیپ جانے سے اگلے دن واپس چلا گیا تھا۔ حور اور میں اس ہفتے جائیں گے۔'' ایک گہری نگاہ زیاد پہ ڈالی جو عام سے انداز میں کھانا کھا رہا تھا۔ پھر ساتھ بیٹھے معید کی طرف دیکھا۔

''اور معید بھی منگل کو جا رہا ہے۔''

''کہاں؟'' زیاد نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''معید استنبول جا رہا ہے نا۔ ایک فیلوشپ کے لیے۔ چند ماہ بعد واپس آجائے گا۔'' مالا بتانے لگی۔ ساتھ ہی اس نے پلیٹر اٹھا کے زیاد کی پلیٹ میں سیخ کباب ڈالنا چاہا۔ چوڑیوں والے ہاتھ چھنکے۔

''میں لے چکا ہوں' بیگم صاحبہ۔'' وہ مسکرا کے بولا تو وہ بھی مسکرا دی۔

''تھوڑا سا اور لے لیں۔ آپ کو یہ پسند ہیں۔''

ماہی نے بہت غور سے ان دونوں کو دیکھا۔ اندر سر اٹھاتے خدشات نیچے بیٹھنے لگے۔ وہ ہر طرح سے اس کا خیال رکھ رہا تھا۔ اس سے نرمی سے بات کر رہا تھا۔ کچھ تلخ قسم کے مرد شادی کے بعد بیویوں کے رنگ میں ڈھل ہی جاتے ہیں۔ وہ ایسے ہی ماہر فرید کی بات کو سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔

''استنبول پہلے کبھی گئے ہو؟'' زیاد نے نوالہ لیتے ہوئے معید کو مخاطب کیا جواب تک اپنے فون اور کھانے کے درمیان مصروف تھا۔ پکارے جانے پہ جلدی سے فون رکھا اور مسکرا کے بتانے لگا۔

''ایک دفعہ دوستوں کے ساتھ ٹرپ پہ گیا تھا۔''

''وہاں کوئی دوست وغیرہ ہے؟''

''نہیں۔ وہاں تو کسی کو نہیں جانتا۔''

ماہی کے لب ہلکے سے کھلے پھر بند ہو گئے۔ اس نے بغور مالا کا چہرہ دیکھا۔ وہ معید کی طرف دیکھتے ہوئے عام سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''اپنی صحت کا خیال رکھنا۔ کھانے پینے کا۔ اور اکیلے ہی واپس آنا۔ لڑکی مت لے آنا ساتھ۔'' انداز میں نرم سی تنبیہہ تھی۔ ماہی نے آہستہ سے گلاس اٹھایا اور گھونٹ بھرا۔ وہ شاید اسے بھول چکی تھی۔ اسے بھی بھلا دینا چاہیے۔

''ایسی بات نہیں ہے۔'' معید جھینپ کے مسکرا دیا۔ پھر ایک خیال سے چونکا۔

''ایک شخص کو جانتا ہوں میں استنبول میں۔'' ہاتھ اٹھا کے جسے ان سب کو یاد دلایا۔

''کیف ہے نا۔''

لمحے بھر کے لیے ڈائننگ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ پھر زیاد نے الجھ کے مالا کو دیکھا۔

''کیف؟ تمہارا ڈرائیور؟''

کشمالہ مبین نے آہستہ سے چمچ پلیٹ میں رکھا۔

''جی۔ وہ ڈرائیور نہیں تھا۔ وہ ایک امیر آدمی تھا جو غریب بنا ہوا تھا۔ لانگ اسٹوری۔'' اس کا انداز قدرے تلخ ہوا۔

زیاد نے چونک کے باری باری ان تینوں کے چہرے دیکھے۔

''یعنی وہ فراڈ تھا؟ میں نے تمہیں کہا تھا نا وہ مشکوک لگا تھا۔''

''فراڈ نہیں تھا وہ۔'' ماہی ایک دم چیخ کے بولی۔ ''فراڈ وہ ہوتے ہیں جو غریب ہوتے ہوئے امارت کا ڈھونگ

رچاتے ہیں۔ مالا کو معلوم نہیں تھا لیکن وہ ماہر فرید ہے۔ میر ااور عباد کا فیملی فرینڈ۔ اور اس نے قطر میں کئی دفعہ میری مدد کی ہے۔"

"او کے۔ Cool۔" زیاد نے دھیرے سے شانے اچکائے اور معید کی طرف متوجہ ہوا۔

"اپنی بہن کی بات یاد رکھنا۔ اکیلے ہی واپس آنا۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ معید پھر سے توبہ توبہ کرتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

کشمالہ نے واپس چمچ کانٹا اٹھالیا البتہ اس کے ہاتھ قدرے سست تھے۔ جیسے کسی خیال نے اس کے ذہن کو بھٹکا دیا تھا۔ ماہی نے بغور اس کو دیکھا' پھر کھنکھار کے زیاد کو مخاطب کیا۔

"ویسے آپ مالا کو مکہ جیسے شہر میں کیوں لے جا رہے ہیں؟"

"ہم مکہ شہر نہیں' مکہ صوبے میں منتقل ہو رہے ہیں۔ منطقہ مکہ۔ اس کا ایک شہر ہے مکہ المکرمہ جہاں خانہ کعبہ ہے۔ ہم اسی صوبے کے ایک دوسرے شہر جدہ میں رہیں گے۔"

"لیکن سعودی عرب ہی کیوں؟ کہیں اس لیے تو نہیں کہ وہاں آپ کی بیوی آپ کی مرضی کی پابند ہوتی ہے؟ وہ سعودی عرب چھوڑ کے نہیں جا سکتی جب تک آپ کے دستخط سے ری انٹری نہ لگ جائے؟"

مالا نے چونک کے اسے دیکھا۔ وہ زیاد کو دیکھتے ہوئے بہت چبھتے ہوئے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ معید بھی ہاتھ روک کے اسے دیکھنے لگا۔

زیاد کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ اس نے دھیرے سے نیپکن رکھا اور جب بولا تو آواز ہموار تھی۔

"میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جن کو اپنی بیوی کو قید کرنے کا شوق ہوتا ہے۔ مالا جہاں آنا جانا چاہے' وہ آزاد ہے۔" پھر مسکرا کے اسے دیکھا تو وہ بھی مسکرا دی۔ ساتھ ہی ایک گھورتی ہوئی نظر ماہی پہ ڈالی۔ ماہی جبراً مسکرائی اور شانے اچکائے۔

"میں تو مذاق کر رہی تھی۔"

"لیکن میں مذاق نہیں کر رہا۔ اور ہم مکہ اس لیے شفٹ ہو رہے ہیں کیونکہ وہاں اللہ کا گھر ہے۔ وہ بابرکت زمین ہے۔ وہاں جا کے شاید میں ایک نیک انسان بن جاؤں۔" مسکرا کے سادگی سے بتایا اور پلیٹ کی طرف متوجہ ہوا۔

"نگینہ آنٹی کیسی ہیں؟ ابھی تک یہیں ہیں؟" معید نے موضوع بدلا۔

"جی۔ ابو اور امی اب پاکستان میں رہیں گے۔ وہ دبئی نہیں جانا چاہتے۔ ویسے بھی امی کے ٹیسٹ رزلٹ بہتر

ہو رہے ہیں۔"

"ان شاءاللہ وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔"

بظاہر بات ختم ہوگئی لیکن ایک تناؤ سا تھا جو سارے ڈائننگ ہال کو اپنی لپیٹ میں لے گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

واپسی پہ زیاد ڈرائیو کر رہا تھا اور وہ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی سر جھکائے موبائل پہ کچھ دیکھ رہی تھی۔ سڑک ویران تھی اور اندھیرے کی وجہ سے موبائل کی نیلی روشنی مالا کے چہرے پہ پڑھ رہی تھی۔ کندھوں کے گرد شال لپیٹے وہ مسکارے والی آنکھیں فون پہ جھکائے ہوئے تھی۔ کانوں میں پہنے ٹاپس دمک رہے تھے۔

"ماہی قدرے negative سوچتی ہے۔" زیاد کھنکھارا۔ ڈرائیو کرتے ہوئے اس کی نظریں سامنے سڑک پہ تھیں۔

"ارے نہیں۔ اس کی عادت ہے مذاق کرنے کی۔ آپ کو اس کی جلد سمجھ آجائے گی۔" اس نے بظاہر لہجہ ہلکا پھلکا رکھا۔ البتہ ایک بے چینی سی سر اٹھانے لگی۔

"تم نے مجھے کبھی کیف کے بارے میں تفصیل سے نہیں بتایا۔ بس اتنا کہا کہ وہ ناقابلِ اعتبار سا ہے۔"

"میں نے اس کو اتنی اہمیت نہیں دی۔ کیا جاننا چاہتے ہیں آپ؟" وہ آرام سے پوچھ رہی تھی۔

"اس نے اپنا نام غلط بتایا۔ یہ identity fraud کہلاتا ہے۔ ایسے آدمی سے معید کو دور رہنا چاہیے۔"

"معید اپنا اچھا برا سمجھتا ہے۔ ڈونٹ وری۔"

"ماہر فرید...." وہ سڑک کو دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "میں نے یہ نام پہلے بھی سن رکھا ہے کہیں۔" جیسے ذہن پہ زور دیا۔

"میں نے آپ کے گھر کورٹ کے کاغذات دیکھے تھے جن میں سبرینہ کے والدین نے ماہر فرید کے خلاف رسٹریننگ آڈر لیا تھا۔ آپ نے اس کا نام وہیں سنا ہوگا۔"

زیاد نے چونک کے اسے دیکھا۔ "اوہ یس۔ یہ وہی ماہر فرید ہے۔" بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ "لیکن وہ تو نفسیاتی مریض تھا۔ پاگل خانے میں داخل رہا تھا شاید۔ کیا وہ کیف تھا؟" وہ جیسے الجھ سا گیا تھا۔

کار کو ہی تناؤ اپنی لپیٹ میں لینے لگا تو مالا نے پہلو بدلا۔ زیاد کہہ رہا تھا۔

"وہ آدمی اتنا عرصہ تم لوگوں کے گھر میں رہتا رہا۔ ایسا آدمی انتہائی خطرناک...."

''سبرینہ کی ڈیتھ کیسے ہوئی تھی؟'' اور نتیجہ اس کی توقع کے مطابق تھا۔ زیاد سلطان ایک دم خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پہ ایک سوگوار سا تاثر ابھرا۔

''کیا تم انڈراسٹینڈ کرو گی اگر میں کہوں کہ میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتا؟ یہ ایک تکلیف دہ ٹاپک ہے۔''

''شیور۔'' وہ مسکرا دی اور باہر دیکھنے لگی۔ پھر خیال آیا۔

''آنٹی کی دوا لینی تھی۔ آپ فارمیسی پہ رک کے لے سکیں گے؟''

فارمیسی کے باہر کار روک کے زیاد نے والٹ سے کارڈ نکالا اور باہر نکل گیا۔ مالا نے ایک نظر دونوں نشستوں کے درمیان رکھی اس کی چیزوں کو دیکھا۔ والٹ۔ موبائل۔ وہ سب یہیں چھوڑ گیا تھا۔

یونہی کچھ یاد آیا تھا۔ ایک دفعہ پہلے بھی اس نے کسی کے والٹ کی تلاشی لی تھی۔

(لیکن سعودی عرب ہی کیوں؟ کہیں اس لیے تو نہیں کہ وہاں آپ کی بیوی آپ کی مرضی کی پابند ہوتی ہے؟)

اس نے ایک نظر فارمیسی کے شیشے کے بند دروازوں کو دیکھا اور دوسری نظر والٹ پہ ڈالی۔

(اور وہ شوہر کی اجازت کے بغیر ملک نہیں چھوڑ سکتی؟)

اس نے فون اٹھا کے روشن کیا۔ وہ لاکڈ تھا۔ اس نے دھیرے سے والٹ اٹھایا۔ اور کھولا۔

اندر چند نوٹ رکھے تھے۔ زیاد کیش بہت کم رکھتا تھا۔ تین چار بینک کارڈز تھے اور اس کے شناختی کارڈز۔

اُف مالا۔ کیا کر رہی ہو؟

خود کو کوستے ہوئے اس نے والٹ واپس رکھا۔ اور ہاتھ گود میں رکھ لیے۔ اسے زیاد پہ اعتبار کرنا چاہیے۔

ایک شخص کے دھوکے نے اسے ایسے damage کیا تھا کہ اسے لگتا تھا ہر انسان دھوکہ دے گا۔ لیکن زیاد ایسا نہیں ہے۔ وہ اس کے ساتھ ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہی ہے۔ اسے اس پہ شک نہیں کرنا چاہیے۔ ویسے بھی اب وہ آوازیں آنا بند ہو چکی تھیں۔ مالدیپ جانے سے لے کر اب تک ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ اسے زیاد کی محبت پہ اعتبار کرنا چاہیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نگینہ بیگم تکیوں کے سہارے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ چہرہ نحیف اور وجود لاغر ہو چکا تھا۔ سفید دوپٹہ سر پہ تھا اور تسبیح کے دانے گراتے ہوئے لب ہلا رہی تھیں۔

''آپ واقعی جا رہے ہو زیاد؟'' وہ اب اداس نہیں تھیں۔ بلکہ عینک کے پیچھے سے زیاد کو گہری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ مالا کسی کام سے گھر سے باہر تھی اور وہ دونوں ان کے کمرے میں تنہا تھے۔

''امی مجھے مت روکیے گا۔ میں جانا چاہتا ہوں۔'' وہ ان کے قریب کرسی پہ آگے کو ہو کے بیٹھا' سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

نگینہ بیگم نے پتلیاں سکوڑ کے اسے دیکھا۔ وہ اس کے آر پار جھانک سکتی تھیں۔

''یہ وہ پہلا راز نہیں ہے جو آپ نے مجھ سے رکھا ہے' بیٹا۔''

وہ ہلکا سا چونکا۔ وہ زخمی سا مسکرائیں۔

''کچھ عرصہ قبل تمہارے اوپر خون کے چھینٹے آتے تھے۔ کبیرہ بیگم کے جادو۔'' وہ مسکرائیں۔ ''اور تم مجھے بتاتے نہیں تھے۔''

''میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ پریشان ہوں۔''

''غلط۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ میں اپنی ساری توانائیاں کبیرہ پہ صرف کر دوں۔ اور آپ کا کام بھول جاؤں۔''

زیاد کے چہرے پر سایہ سا گزرا۔ اس نے آواز نیچی کی۔

''میں نے کہا تھا کہ آپ اپنی دعا اور دم سے اس کو میرا بنا دیں۔ اس کی ماں کے ساتھ کچھ کرنے کے لیے نہیں کہا تھا۔''

''اس کی ماں اگر اپنے حواس میں ہوتی تو یہ شادی کبھی نہ ہوتی' بیٹا۔'' وہ تنفر سے مسکرائیں۔

''اس کی ماں کے ساتھ جو ہوا' اس میں میرا قصور نہیں ہے' امی۔'' اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''میں جاننا بھی نہیں چاہتا کہ آپ نے وہ سب کیسے کیا۔''

وہ جواباً کچھ نہیں بولیں۔ بس اس کو دیکھے گئیں۔ زیاد نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

''میں اور کشمالا مکہ جا رہے ہیں۔ وہاں اللہ کا گھر ہے۔ میں ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگوں گا۔ مجھے بہت اچھی بیوی ملی ہے اور میں اس کی قدر کروں گا۔ ہم خوش رہیں گے۔''

''جیسے آپ کے ابو اور میں خوش ہیں۔'' ان کے انداز میں طنز تھا۔

''میں اور کشمالا' ابو اور آپ کے جیسے نہیں ہیں۔ نہ بنیں گے۔ ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ اور میں اپنے گناہ چھوڑ چکا ہوں۔ اسی لیے میں ''آپ'' کو چھوڑ رہا ہوں۔''

''اس پیسے کے بغیر رہ لو گے بیٹا' جو آپ کو میرے توسط سے ملتا ہے؟''

زیاد سلطان نے مٹھی بھینچ لی۔ جیسے بہت ضبط کیا ہو۔

''رہ لوں گا۔ مجھے آپ کے بھیجے گئے پیسے مزید نہیں چاہیے ہیں۔ میں حلال کی آمدن پہ کام شروع کروں گا۔ کشمالا اور میں گزارا کرلیں گے۔''

''جس عورت کے لیے آپ مجھے چھوڑ رہے ہو وہ ایک دن آپ کو چھوڑ دے گی۔'' وہ بنا پلک جھپکائے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہہ رہی تھیں۔ لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔

زیاد سلطان کو جیسے کسی نے الٹی چھری سے ذبح کر دیا۔ اس نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔ آنکھوں میں گلابی سی نمی ابھری۔

''وہ مجھے نہیں چھوڑے گی۔ وہ میری تاریک زندگی میں آئی روشنی کی کرن ہے۔ وہ نہ رہی تو میں بھی نہیں رہ سکوں گا۔ پلیز....'' اس نے ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ اس کے لہجے میں منت تھی۔ ''میں معافی مانگتا ہوں آپ سے' سرکار۔ آپ کا دل دکھانے کے لیے۔ آپ کو چھوڑ کے جانے کے لیے۔ گناہ کی زندگی چھوڑنے کے لیے۔ لیکن پلیز کچھ ایسا نہ کریں جس سے میں رک جاؤں۔ ہمیں جانے دیں۔''

''ہونہہ۔'' نگینہ بیگم نے مسکرا کے سر جھٹکا اور اس کے ہاتھوں سے اپنا جھریوں زدہ ہاتھ علیحدہ کیا۔ پھر اسے زیاد کے سر پہ رکھا۔

''جیسے آپ کی خوشی' بیٹا۔''

زیاد نے چہرہ اٹھا کے انہیں دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ ''وہ مجھے کبھی نہیں چھوڑے گی۔''

''اور اگر وہ اس کی زندگی میں واپس آ گیا؟''

الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ۔ جو کسی نے اس کے کانوں میں انڈیلا تھا۔

زیاد دھیرے سے سیدھا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ ایسا ابھرا جو پہلے وہاں نہیں تھا۔

''وہ اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ نہ پہلے۔ نہ اب۔ وہ اس کے لیے مجھے کبھی نہیں چھوڑے گی۔ وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ نگینہ بیگم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ان کی انگلیاں تسبیح کے دانے گرا رہی تھیں اور لب حرکت کر رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

زارینہ فرید کے آفس کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ کام کرتے ہوئے گاہے بگاہے باہر نظر ڈالتی۔ اسے ہال میں کام کرتے افراد کے سر کیبن ز سے نکلتے دکھائی دے رہے تھے۔ کچھ سوچ کے وہ اٹھی اور کافی کا مگ ہاتھ میں لیے باہر نکل آئی۔ اس کا رخ شبنم کے ڈیسک کی جانب تھا۔

شبنم نے اس کے جوتوں کی آواز سنی لیکن بظاہر کام میں مصروف رہی' یہاں تک کہ زارینہ اس کے عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ایسے کہ اس کے ڈیسک پہ سایہ سا ہو گیا۔ تب اس نے چہرہ اٹھایا اور عینک کے پیچھے سے سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

''جی زارینہ حانم؟'' وہ کی بورڈ پہ انگلیاں جمائے ایسے پوچھ رہی تھی جیسے بس ایک لمحے کے لیے ٹائپنگ روکی ہو اور زارینہ جائے تو واپس شروع ہو جائے۔

''تم نے اس روز میرے سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔'' زارا میز کے کونے پہ بیٹھی اور ٹانگیں ایک دوسرے پہ جما دیں۔ پھر کافی کا گھونٹ بھرا۔ شبنم نے ستائش سے اس کو دیکھا جو بنا کسی سہارے کے کمر سیدھی رکھے وہاں بیٹھی تھی۔ اس کا فگر پرفیکٹ تھا۔ جیسے کوئی خوبصورت مجسمہ ہو۔

''کون سا سوال؟'' البتہ پوچھا تو آواز کسی بھی قسم کی مرعوبیت سے پاک تھی۔

''وہ یاسمین نامی عورت کون تھی؟'' زارا کی تیز نظریں اس پہ جمی تھیں۔

شبنم نے گہری سانس لی۔

''آپ ماہر بے سے پوچھ لیں۔''

''شبنم جم....'' وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے اس کی طرف جھکی۔ اور ٹھک سے کافی کپ میز پہ رکھا۔ چند قطرے باہر کو چھلکے۔

''میں ماہر کی کزن ہوں اور تم ایک سیکرٹری ہو۔ اس اکانومی میں تمہارے لیے ایسی جاب بہت ضروری ہے جو تمہیں ڈالرز میں پے کرتی ہو۔ لیکن میرے کہنے پہ ماہر تمہیں ایک منٹ میں دروازہ دکھا سکتا ہے۔ ایک منٹ میں۔'' لمبے ناخنوں والے ہاتھ سے چٹکی بجا کے دکھائی۔

''آپ ان کی کزن ہیں۔ ان سے خود پوچھ سکتی ہیں۔ میں سیکرٹری ہوں۔ ان کی باتیں میرے پاس امانت ہوتی ہیں۔ خیانت نہیں کر سکتی۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ واپس سیدھی ہوئی اور مسکرا کے کھڑی ہوگئی۔

اس کی مسکراہٹ میں کچھ تھا جو شبنم کو غیر آرام دہ کر گیا۔ اس نے پہلو بدلا۔ زارا اب اپنے آفس کی طرف جا رہی تھی۔ شبنم سر جھٹک کے کام کرنے لگی۔ زارا اس کا کیا بگاڑ لے گی؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''تم کبھی مجھے چھوڑ کے تو نہیں چلی جاؤ گی؟''

وہ جہاز کی کھڑکی سے باہر پھیلے بادل دیکھ رہی تھی۔ سفید کاٹن کینڈی جیسے بادل جو چھوتے ہی ہتھیلی پہ گھل جائیں۔ اس کے سوال پہ وہ چونکی۔ چہرہ موڑ کے اسے دیکھا۔ زیاد سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے' اداسی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ اس کے انداز میں بچوں کی سی بے بسی تھی۔ خوف تھا۔ امید تھی۔

مالا مسکرا دی۔

''یہ کیسا سوال ہے؟"

"بتاؤ نا۔ تم مجھے چھوڑو گی تو نہیں؟''

''میں اتنی آسانی سے کسی کو نہیں چھوڑتی۔ نہ میں دشمن بناتی ہوں۔ لیکن اگر بنا لوں' تو پھر اس دشمنی کو آخری حد تک پہنچاتی ہوں۔''

وہ دھیرے سے ہنس دیا۔

''یعنی تمہیں ناراض کرنا بھی مشکل ہے اور منانا بھی۔ ویسے کس بات پہ تم دوستی کو دشمنی میں بدلتی ہو؟''

''آپ جان جائیں گے۔'' وہ مسکرا کے باہر دیکھنے لگی۔ اس نے کس کے اونچی پونی باندھ رکھی تھی جو چہرہ موڑنے سے دائیں بائیں جھولتی تھی۔

''تمہارا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''آپ کا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟'' اس نے الٹا سوال کیا۔

''یہی کہ میری ایک بیوی ہو۔'' مسکرا کے محبت سے اسے دیکھا۔ ''ایسی بیوی جس سے میں محبت کرتا ہوں۔ جس کے آنے سے میری زندگی بدل جائے۔ اور میں ایک اچھا انسان بن جاؤں۔ یہ میرا سب سے بڑا خواب ہے۔ اور تمہارا؟''

وہ مسکرا دی۔ اسے سوچنے کی ضرورت نہ تھی۔

''یہی کہ میں دنیا بھر کا سفر کروں۔ ایک بیک پیک ہو کندھے پہ۔ نہ کوئی کام ہو نہ کوئی فکر۔ میں جوگرز کے تسمے کسوں اور اپنے قدموں پہ چلتے ہوئے دنیا کو ایکسپلور کروں۔ ایک ملک سے دوسرے ملک۔'' وہ باہر پھیلے روئی کے گالوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''پھر کسی خوبصورت مقام پہ پہنچوں تو کندھے سے بیک پیک اتاروں' وہاں اپنا ایزل کینوس سیٹ کروں۔ اور ساتھ گرما گرم کافی مل جائے۔ پھر میں وہیں بیٹھ کے ڈھلتے سورج کے ساتھ اس منظر کو پینٹ کروں۔ وہ منظر کوئی بھی ہو سکتا ہے۔ کوئی پر رونق اسٹریٹ۔ کسی پہاڑ کی چوٹی۔ بس مجھے دنیا گھومنے کا شوق ہے۔ نئے نئے شہر دیکھنے کا۔'' اس کی آنکھوں میں چمک تھی۔ اور ایک لٹ پونی سے نکل کے گال کو چھو رہی تھی۔ اسے یاد آیا کہ کیسے وہ ایک آدمی کا رشتہ صرف اس لیے قبول کرنے کو تیار تھی کہ وہ بہت سے ملکوں کا سفر کرتا ہے۔ حالانکہ وہ ایسا گھٹیا آدمی تھا جس نے اس کے چہرے کے دانوں کو نشانہ بنایا تھا۔ ایسے آدمی کے ساتھ تو وہ ایک منٹ نہ رہ سکتی۔ کجا کہ دنیا گھومنا۔

وہ مسکرا کے باہر دیکھنے لگی۔ اسے دنیا گھومنے کا شوق تھا اور سعودیہ سے وہ سفر شروع ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا شوہر تھا جو اس کا من پسند تھا۔ اور وہ اپنے شوہر کی محبت تھی۔ وہ خود مختار تھی۔ زندگی کے تمام ٹراماز پیچھے کہیں رہ گئے تھے۔ وہ بالآخر ایک نئی زندگی شروع کرنے جا رہی تھی جو.....

''ویسے تمہارے چہرے پہ پمپل نکل رہے ہیں۔'' اس کی آواز نے کشمالہ مبین کے خیالوں کا ارتکاز توڑا۔

اس نے چونک کے زیاد کو دیکھا۔ پھر سامنے سیٹ کی پشت سے لگی بجھی ہوئی اسکرین کو جس میں اس کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ دائیں گال پہ ننھے ننھے سے دو دانے نئے نکلے ہوئے تھے۔

اس کی رنگت میں کچھ بدلا تھا جو زیاد ایک دم سنبھلا۔

''سوری میرا مطلب تمہارا دل دکھانا نہیں تھا۔ میں اس لیے بتا رہا ہوں تاکہ تم ان کو ٹریٹ کر لو اور یہ بڑھ نہ جائیں۔ کیونکہ یہ تمہارا کمپلیکس رہے ہیں۔ اگر یہ دوبارہ نکل آئے تو تمہاری شخصیت ڈیمج ہو جائے گی۔'' اس نے سادگی سے کہتے ہوئے ایک میگزین اٹھا لیا۔

''دانے تو نکلتے رہتے ہیں۔ میں ان سے پریشان نہیں ہوتی۔'' لیکن اس کی آواز کمزور تھی۔ اس میں خوف کا عنصر غالب تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ بس تم میری اصلاح کرتی رہنا۔ جہاں میں غلط ہوں مجھے محبت سے بدلنے کی کوشش کرنا۔ میری تلخ کلامی کی عادت تمہاری محبت سے دور ہو جائے گی۔ کیونکہ محبت ہی انسان کو

heal کرتی ہے۔"

وہ دھیرے سے مسکرا دی لیکن اس دفعہ اس کی مسکراہٹ قدرے پھیکی تھی۔اس نے پھر سے سیاہ اسکرین میں اپنا عکس دیکھا۔ایک خوف سا حلق میں گرہیں لگانے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شبنم اپنے ڈیسک پہ بیٹھی کی بورڈ پہ کھٹا کھٹ ٹائپ کر رہی تھی جب انٹر کام بجا۔

"اندر آؤ۔" ماہر کی رکھائی بھری آواز سنائی دی۔وہ چونکی۔اسے ماہر کی روزمرہ کی ڈانٹ اور اصل ڈانٹ کا فرق معلوم تھا۔اس نے ایسا کیا کیا تھا؟ وہ الجھتی ہوئی کھڑی ہوئی۔اور ذہن میں آج کے کرنے کے تمام کاموں کی فہرست کو دہراتے ہوئے کانفرنس روم کے دروازے تک آئی۔دروازہ کھولا تو ٹھٹھک گئی۔

زارا اس کے ساتھ کانفرنس ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔اس کے لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔شبنم کا ماتھا ٹھنکا۔

"شبنم... تم نے مجھے وہ اسکیچز کیوں نہیں دکھائے جو زارا نے تمہیں دیے تھے؟"

"کون سے اسکیچز؟"

"تمہاری یادداشت کو کیا ہوتا جا رہا ہے؟ وہی اسکیچز جو ہمارے سینئر associates نے میرے فیڈ بیک کے لیے زارا کو بھیجے تھے۔زارا نے تمہیں یہ اسکیچز تین دن پہلے دیے تھے۔" بگڑے لہجے میں کہتے ہوئے اس نے ایک فائل سامنے پٹخی۔"آج میرے پوچھنے پہ زارا ان کو دوبارہ پرنٹ کر کے لائی ہے کیونکہ تم مجھے بھول گئی تھیں۔"

شبنم نے چونک کے زارا کو دیکھا۔

"مگر زارا خانم نے...."

"اٹس اوکے ماہر۔شاید میں اسے ای میل کرنا بھول گئی ہوں گی۔" وہ ایک دم ہمدردی سے بولی جیسے اس کے ڈانٹنے پہ پریشان ہو گئی ہو۔اور اب اسے ڈانٹ سے بچانا چاہتی ہو۔

"تم کیسے بھول سکتی ہو؟ تم آج تک کچھ بھولی ہو؟" وہ الٹا اس پہ خفا ہوا۔پھر شبنم کو گھور کے دیکھا۔"کیا میں نہیں جانتا شبنم کو؟ باتیں کروا لو بس۔نقصان تو میرا ہو رہا ہے نا۔یہ تمہاری دوسری اسٹرائک ہے۔تیسری پہ تم جانتی ہو کہ دروازہ کس طرف ہوتا ہے۔"

"سوری سر۔غلطی میری ہے۔زارینہ خانم نے مجھے بتایا تھا۔میں ہی بھول گئی۔" اس نے سر جھکا کے کہا۔چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔پھر ایک خاموش مگر ملامتی نظر زارا پہ ڈالی اور چپ چاپ وہاں سے چلی آئی۔

چند گھنٹے گزرے اور کھڑکیوں کے باہر پھیلے استنبول پہ شام اتر آئی تو زارا کے دروازے پہ دستک ہوئی۔ اس نے لیپ ٹاپ سے چہرہ اٹھا کے دیکھا۔ پھر چوکھٹ میں کھڑی شبنم کو دیکھ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ در آئی۔ زارا نے پیچھے کو ٹیک لگا لی اور اسے آنے کا اشارہ کیا۔

"اس کا نام یاسمین ہے۔ وہ ہاف امریکن، ہاف روسی ہے۔" وہ قدم قدم چلتی سامنے آئی تو چہرے پہ ندامت تھی۔ اور دل پہ بوجھ۔

"رشکی۔ (روسی)۔ بہت دلچسپ۔ آگے؟" زارا باہم انگلیاں پھنسائے، کرسی کو ہلکا ہلکا سا دائیں بائیں جھلا رہی تھی۔

"میں نہیں جانتی وہ ان کی کیا لگتی ہے۔ لیکن پچھلے سال مارچ سے اب تک وہ اس سے نہیں ملے۔ یعنی جب سے وہ لاہور گئے ہیں۔"

"پہلے کتنا ملتا تھا اس سے؟"

"ہر جمعے کو۔"

"ہر جمعے کو؟" زارا نے استعجاب سے ابرو اٹھائے۔ شبنم نے سر اثبات میں ہلایا۔

"ہر جمعے کی شام وہ اپنا سارا شیڈیول خالی کر دیتے تھے۔ ڈرائیور کو بھیج کے خود ڈرائیو کر کے اس سے ملنے جاتے تھے۔"

"فرائیڈے نائٹ ڈنر۔" زارا کے چہرے پہ تکلیف ابھری۔ "کس ریستوران میں ریزرویشن کرواتا تھا؟"

"ریزرویشن کبھی نہیں کروائی۔ میں نہیں جانتی وہ اس سے کہاں ملتے ہیں۔ لیکن وہ موبائل بھی چھوڑ کے جاتے تھے تاکہ کوئی انہیں ڈسٹرب نہ کرے۔ اور...." وہ اٹکی۔ "وہ ہمیشہ یاسمین سے ملنے سے پہلے لباس تبدیل کرتے تھے۔"

"لباس؟ کیوں؟" زارا نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"معلوم نہیں۔ سوٹ کی جگہ casual جینز شرٹ اور جوگرز پہنتے تھے۔ اور...." اس نے تھوک نگلا۔ "وہ بہت سا کیش ساتھ لے کر جاتے تھے۔"

"کیش؟ کتنا کیش؟" زارا تیزی سے سیدھی ہوئی۔

"تقریباً تین سو ڈالرز۔"

زارا فرید کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

''وہ ہر ہفتے اس عورت پہ تین سو ڈالرز خرچ کرتا ہے؟ ناممکن۔ ماہر کسی پہ خرچ نہیں کرتا۔ وہ کسی عورت کو ہر ہفتے تین سو ڈالر کی شاپنگ نہیں کروا سکتا۔''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ جو معلوم ہے وہ بتا رہی ہوں۔''

زارا کے چہرے پہ کئی رنگ آ جا رہے تھے۔

''اس کا پورا نام کیا ہے؟'' وہ بہت اچھی تھی لوگوں کے بارے میں معلوم کروانے میں۔ وہ اس عورت کو کھوج نکالے گی۔

''میں نہیں جانتی۔'' شبنم نے سر جھکا دیا۔ انداز میں ندامت تھی۔

زارا نے سینے میں دبی سانس خارج کی۔

''تھینک یو شبنم۔ تم جاؤ۔'' انداز میں نرمی تھی۔ وہ سر جھکا کے واپس مڑ گئی۔

وہ کتنی ہی دیر وہیں بیٹھی رہی۔ لیپ ٹاپ کی بجھی اسکرین میں اس کو اپنا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ بظاہر اس کے بل دار بال بہت نفاست سے بلو ڈرائی کر کے کندھوں پہ سیٹ کیے گئے تھے۔ لیکن وہ دیکھ سکتی تھی کہ چند ایک بال جڑوں سے سفید ہو رہے تھے۔

پھر اس نے موبائل اٹھایا اور بابا کے نام کو دبایا۔ دوسری طرف گھنٹی جانے لگی۔

''بابا....'' اس کی آواز بھیگ رہی تھی۔

''میں تھک گئی ہوں۔ واپس آنا چاہتی ہوں۔ کیا فرید ہولڈنگ میں میرے لیے جگہ ہو گی؟''

ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹوٹ کے گرا اور چہرے پہ لڑھک گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مکہ سعودی عرب کا ایک بہت وسیع و عریض صوبہ تھا جس کو منطقہ مکہ کہتے تھے۔ اس کا capital شہر مکہ المکرمہ تھا جو خانہ کعبہ یعنی مسجد الحرام کی وجہ سے تمام مسلمانوں کے لیے ایک الگ مقام رکھتا تھا۔ منطقہ مکہ کا دوسرا اہم شہر جدہ تھا جو اس ملک کا کمرشل سینٹر تھا۔ اس پورے علاقے کو حجاز بھی کہا جاتا تھا۔

جدہ' حجاز کا ایک نسبتاً ماڈرن شہر تھا جو اپنی خوبصورت مساجد' بوتیک' کیفے ز' اور واٹر فرنٹس کے لیے جانا جاتا تھا۔ یہاں اکثریت غیر ملکیوں کی تھی۔

وہ ایک اونچی اپارٹمنٹ بلڈنگ تھی جس کے ایک کارنر اپارٹمنٹ میں اس وقت ہماری کہانی تمہیں لے کر جا رہی ہے۔ ایک کھلی کھڑکی سے جھانکو تو باہر کی گرم ہوا کے نسبت اندر اے سی کی ٹھنڈک تھی۔ اپارٹمنٹ خالی سا تھا۔ کھڑکیوں کے آگے پردے یا بلائنڈز ندارد تھے۔ فریج اور الیکٹرونکس موجود تھیں اور تھوڑا بہت فرنیچر بھی۔ باقی بہت کچھ باکسز میں پیک تھا۔ کچھ بیگز کھلے رکھے تھے۔ باکسز کو دیکھ کے اندازہ ہوتا تھا کہ ان میں موجود سامان ابھی اسی شہر سے خریدا گیا ہے جبکہ بیگز والا سامان پاکستان سے آیا تھا۔

''اس قیمت پہ ایسا اپارٹمنٹ ہمیں پورے جدہ میں نہ ملتا۔ اچھی جگہ ڈھونڈی ہے تم نے۔'' زیاد لونگ روم کی گلاس وال کے سامنے کرسی ڈالے بیٹھا' عینک لگائے کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ دفعتاً ہاتھ روک کے ستائشی نظروں سے اسے دیکھا جو کچن کاؤنٹر ٹاپ پہ ایک باکس رکھ رہی تھی۔

''صرف تعریف مت کریں۔ میرے ساتھ کام بھی کروائیں۔'' وہ بالوں کی اونچی پونی باندھے' ٹراؤزر پہ کھلی ٹی شرٹ پہنے کام میں مصروف دکھائی دے رہی تھی۔ رخسار کے دانے قریباً غائب ہو چکے تھے۔

''یہ عورتوں کے کرنے کے کام ہیں۔'' وہ مسکرا کے لیپ ٹاپ پہ جھک گیا۔

''یہ میاں بیوی کے ساتھ کرنے کے کام ہوتے ہیں۔'' خفگی سے اونچی آواز میں کہا تو زیاد نے گہری سانس لے کر لیپ ٹاپ رکھ دیا۔ پھر قدم قدم چلتا کچن تک آیا۔

''بتائیے بیگم صاحبہ کیا کام ہے آپ کو۔'' مالا نے پلٹ کے دیکھا۔ وہ ہارمان کے آ کھڑا ہوا تھا۔ وہ مسکرا دی۔

''میرے ساتھ کچن کی سیٹنگ کروائیں۔'' پھر اسے کچھ یاد آیا۔

''آج ہم نے اپارٹمنٹ کا اگلے چھ ماہ کا کرایہ جمع کروانا تھا۔'' انہوں نے اپارٹمنٹ سیکیورٹی اور ایک ماہ کا کرایہ ادا کر دیا تھا۔ مزید کے لیے زیاد نے وقت مانگ لیا تھا۔

''ہاں میں ارینج کر لوں گا۔''

زیاد کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا۔ وہ پھیکا سا مسکرایا۔

باکس سے ببل ریپ میں لپٹے برتن نکالتے ہوئے مالا نے ایک نظر اسے دیکھا۔

''میرے پاس میری سیونگز ہیں۔ ڈالرز۔ ڈائمنڈز۔ ہم اس میں سے....''

''نہیں کشمالہ۔'' اس نے سختی سے روک دیا۔ ''میں گھر کا مرد ہوں۔ یہ میرے کرنے کے کام ہیں۔ میں کرایہ پے کر دوں گا۔''

"میاں بیوی کا پیسہ سانجھا ہوتا ہے۔ بعد میں آپ مجھے واپس کر دینا۔"

"نہیں۔ میں ان مردوں میں سے نہیں بننا چاہتا جو بیویوں سے پیسے لیتے ہیں۔" نرمی سے مسکرا کے بولا اور اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ وہ ببل ریپ میں لپٹے برتن کاؤنٹر ٹاپ پہ رکھ رہی تھی۔ وہ ایک ایک کے ببل ریپ احتیاط سے اتارنے لگا۔

"پتہ ہے ماں کہتی تھیں کہ برتن کے اوپر....." مالا مسکراتے ہوئے اسے کوئی پرانی بات بتا رہی تھی۔ آخر میں وہ خود سے ہنس دی۔ جب وہ ہنسی تو وہ محویت سے اسے دیکھے گیا۔ وہ ہنستے ہوئے سر جھکا کے لبوں پہ مٹھی رکھتی تھی۔ یہ اس کا اپنا ایک انداز تھا۔

"تم کتنی اچھی ہو کشمالہ..." اس کی آواز میں یاسیت تھی۔ "مجھے لگتا ہے میں تمہارے قابل نہیں تھا۔ ابھی تک میں نے تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔"

"ایسے کیوں کہہ رہے ہیں؟" اس نے حیرت سے زیاد کو دیکھا۔ پھر سنک تک آئی اور نل کھولا۔

زیاد نے بے چارگی سے کندھے اچکائے۔

"مجھے ماہی کی بات یاد آ رہی ہے۔ میں تمہیں تمہارے گھر والوں سے دور لے آیا ہوں۔ ایسے بیابان میں جہاں تمہارا کوئی رشتے دار، کوئی دوست نہیں ہے۔ تم میری مرضی کے بنا اس ملک سے نکل نہیں سکتیں۔ تمہیں اپنا آپ میرے ساتھ قید تو محسوس نہیں ہوتا؟"

وہ جیسے پریشان تھا۔ نادم تھا۔ بہت سا گلٹ تھا جو بار بار کندھوں پہ حاوی ہونے لگتا تھا۔

"نہیں زیاد۔ ایسی بات نہیں ہے۔" وہ نرمی سے کہتے ہوئے نل کی دھار سے بوتل دھو رہی تھی۔

"یعنی تمہیں میری نیت پہ شک نہیں ہے کہ میں جان بوجھ کے تمہیں ایسی جگہ لے آیا ہوں جہاں تمہارا اپنا کوئی بھی نہیں ہے۔"

"یہ سچ نہیں ہے۔"

"کیا؟ کہ تمہیں میری نیت پہ شک نہیں ہے؟" بغور اسے دیکھ کے اپنا سوال دہرایا۔ مالا دھیرے سے ہنس دی۔

"نہیں۔ یہ سچ نہیں ہے کہ یہاں کوئی میرا اپنا نہیں ہے۔"

زیاد جو فریج کی طرف بڑھ رہا تھا' ایک دم ٹھہر گیا۔ قدم پتھر ہو گئے۔ ساری دنیا ٹھہر گئی۔ اس نے پلٹ کے اسے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟ اس ملک میں تمہارا کوئی رشتے دار نہیں ہے۔"

"رشتے دار نہیں ہے لیکن جیسے طوطی خان کہتا تھا..." وہ یاد کر کے ہنسی۔ "ابھی دنیا کا ایسا کوئی شہر نہیں بنا جہاں مالا باجی کا کوئی دوست نہ نکل آئے۔"

"دوست؟" اس کے کندھے ڈھیلے پڑے۔ "تم... تمہارے یہاں دوست ہیں؟"

"مالا کے دوست ہر جگہ ہوتے ہیں کیونکہ میں دوستوں کو ناراض نہیں کرتی اور دشمن نہیں بناتی۔ یہ پلیٹ پکڑائیں۔" مسکرا کے کہتے ہوئے ہاتھ بڑھایا۔ زیاد نے ست روی سے پلیٹ اسے تھمائی۔

"جدہ میں میری ایک بہت اچھی فرینڈ رہتی ہے۔" اب وہ تمام پلیٹس ریک میں سیٹ کر رہی تھی۔ زیاد جبراً مسکرایا۔

"تم نے پہلے نہیں بتایا؟"

"نہیں بتایا؟ بھول گیا ہو گا۔"

"خیر.. تمہیں کہاں وقت ملے گا اس کے پاس جانے کا۔ یہاں فاصلے ہی اتنے ہیں۔" اس نے جیسے مالا سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

"ارے یہی تو مزے کی بات ہے۔ میں نے اس اپارٹمنٹ کا انتخاب اسی کے کہنے پہ کیا تھا کیونکہ وہ اسی بلڈنگ میں رہتی ہے۔ میں جب چاہوں اس سے مل سکتی ہوں۔ اس کے پاس ڈرائیونگ لائسنس بھی ہے اور آپ مصروف ہوں تو ہم باہر بھی جا سکتے ہیں۔" اس نے مسکراہٹ دبا کے زیاد کا چہرہ دیکھا۔ "آپ جیلس ہو رہے ہیں نا؟"

"ارے نہیں۔" وہ پھیکا سا ہنس دیا۔

"کرایہ یاد سے جمع کروا دینا۔"

زیاد نے ہوں کر کے سر ہلا دیا۔ اس کا ذہن الجھا ہوا سا تھا۔ اس نے موبائل نکالا اور امی کے نمبر پہ ہاتھ رکھا۔ اسے پیسے چاہیے تھے۔ لیکن کیا وہ سرکار سے مزید پیسے لینا افورڈ کر سکتا تھا؟

ہرگز نہیں۔

"اس ویک اینڈ پہ ہم عمرہ کرنے چلیں گے زیاد۔" وہ کچن سے آتی دکھائی دے رہی تھی۔ زیاد نے ابھی تک عمرے کی ہمت نہیں کی تھی۔ وہ اسے ٹالے جا رہا تھا۔ اس بات پہ بس سر ہلا دیا۔

وہ مصنوعی آتش دان تک آئی اور ایک چھوٹا سا باکس اس کے اوپر رکھا۔ یہ ماہی کا آخری گفٹ تھا جو اس نے

شادی سے پہلے مالا کو دیا تھا۔ وہ ماہی کے سارے گفٹ کھول چکی تھی۔ سوائے اس ایک کے۔

اس نے ٹیپ اتاری اور وہ نفیس سا سیاہ سفید باکس کھولا۔ پھر اندر موجود شے نکالی۔

وہ Jo Malone کی ایک scented کینڈل تھی جو شیشے کے جار میں قید تھی۔ English Peer & Freesia کا فلیور اوپر درج تھا۔ اس نے سلور ڈھکن اٹھایا اور سفید موم کو سونگھا۔ اسے scented کینڈلز کا اتنا تجربہ نہ تھا۔ بہر حال خوشبو اچھی تھی۔ وہ ڈھکن واپس بند کرنے والی تھی جس پہ کچھ نظر آیا۔

ایک چھوٹا سا اسٹکی نوٹ ڈھکن کے اندر کی طرف لگا تھا۔

"Burn it when you feel alone."

M-

اس نے پتلیاں سکوڑ کے اس تحریر کو پڑھا۔ کیا یہ ماہی کی لکھائی تھی؟ لیکن اسے یاد نہ آیا۔ سیل فون کے دور میں وہ ایک دوسرے کو تحریری نوٹ کم ہی لکھتے تھے۔ خیر۔ وہ مزید کچھ سوچتی لیکن تب اسے احساس ہوا کہ کینڈل کے تینوں دھاگے سیاہ ہیں۔ ماہی نے اسے یقیناً ایک دفعہ جلایا تھا۔ اتنی مہنگی کینڈل کا تحفہ لے ہی لیا تھا تو اسے جلانے کی کیا ضرورت تھی؟ ماہی شاید اس کی خوشبو ٹیسٹ کرنا چاہ رہی ہوگی۔ اس نے مسکرا کے اس کا ڈھکن بند کیا۔ اور اسے آتش دان پہ سجا دیا۔

فی الحال وہ تنہا نہیں تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر فرید اپنے آفس میں بیٹھا تھا۔ خلافِ معمول اس نے کوٹ پیچھے اسٹینڈ پہ نہیں لٹکا رکھا تھا۔ بلکہ اسے پہنے ہوئے تھا۔ آج میز پہ کوئی کھلا لیپ ٹاپ' کوئی فائلز وغیرہ دکھائی نہ دیتی تھیں۔ وہ کبھی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتا۔ کبھی دروازے کو۔ پھر اضطرابی انداز میں انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا لیتا۔

دفعتاً دروازہ دستک کے ساتھ کھلا۔ وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اگلے ہی لمحے اس کا جوش ماند پڑ گیا۔

ہیر بل فرید اندر داخل ہو رہا تھا۔

"ہیلو برادر۔" ایک کان میں بالی' کلائیوں میں بینڈز اور گھٹنوں سے پھٹی ہوئی جینز پہ جیکٹ پہنے' وہ چیونگم چباتے ہوئے مسکرا کے آگے آیا اور کرسی کھینچی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ بےزاری سے واپس بیٹھا۔

''اپنے بھائی کی محبت میں اس سے ملنے آیا ہوں۔''

ماہر نے زور دار آواز سے دراز کھولا اور محبت نامی چیک بک نکال کے سامنے رکھی۔ تیزی سے ایک رقم گھسیٹی' دستخط کیے اور شڑپ سے چیک کاٹ کے اس کی طرف بڑھایا۔

''اب جاؤ۔''

''وائی بے... آج مجھے بھائی کی محبت اتنی آسانی سے کیسے مل گئی؟'' چیک تھامتے ہوئے وہ حیران ہوا۔ پھر ایک دم چونکا۔ پہلے ماہر کو دیکھا۔ اور پھر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دروازے کو۔

''تم کسی کا انتظار کر رہے تھے؟''

''ایک میٹنگ ہے میری۔'' بیربل نے چیک کو چوما' پھر اسے تبرک کی طرح طے کر کے جیب میں رکھا۔ پھر پیچھے کو ٹیک لگائی اور مسکرا کے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔

''کسی لڑکی نے آنا ہے نا؟'' اس کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

''اپنے پیروں پہ جاؤ گے یا سیکیورٹی بلواؤں؟''

''کون ہے وہ؟'' اس نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔ اس کے انداز سے نہیں لگتا تھا کہ اس کا اٹھنے کا کوئی ارادہ ہے۔ اسی پل انٹرکام بجا۔ ماہر نے تیزی سے اسے کان سے لگایا۔ پھر ''انہیں بھیجو'' کہہ کے ریسیور رکھا۔

''کون ہے یار؟'' بیربل کی آنکھیں تجسس سے چمک رہی تھیں۔

''کبیرہ سادان۔''

بیربل کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ماتھے پہ بل پڑے۔

''وہ یہاں کیا کر رہی ہے؟''

ماہر نے گہری سانس لی اور دھیرے سے کندھے اچکائے۔

''اس کو ایک کاسمیٹک سرجن کی اپائنٹمنٹ چاہیے تھی جس کے لیے ایک سال کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔ میں نے اسے وہ اپائنٹمنٹ ایک ماہ میں دلوادی۔ وہ اپنے پروسیجر کے لیے آئی تھی اور وعدے کے مطابق پروسیجر کروا کے اس نے مجھ سے ملنا تھا۔'' ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازہ اسی پل کھلا اور کبیرہ سادان اندر داخل ہوئیں۔

''ہیلو ماہر۔'' وہ مسکرا کے بولیں۔ بیربل نے بیٹھے بیٹھے گردن موڑی۔

سیاہ جمپ سوٹ پہ لمبا اونٹ کے رنگ کا کوٹ پہنے' سن گلاسز ماتھے پہ چڑھائے' کبیرہ بیگم ان کے سامنے کھڑی

تھیں۔انہوں نے میک اپ نہیں کرر کھا تھا۔اوران کے چہرے پہ کچھ مختلف تھا۔ایک نظر میں بیر بل اندازہ نہیں کر سکا۔

''تھینک یوتمہاری مدد کے لیے۔''وہ مسکرا کے سامنے آئیں اور کرسی پہ بیٹھیں۔کوٹ نہیں اتارا حالانکہ آفس اندر سے کافی گرم تھا۔

''ویلکم۔''ماہر نے سر کوخم دیا۔''اس ملک نے ایک ہی چیز میں ترقی کی ہے اوروہ ہے کاسمیٹک سرجری۔کیا لیں گی آپ؟''اس نے بیٹھے ہوئے انٹرکام اٹھایا۔اس دوران بیر بل پتلیاں سکوڑے مشکوک نظروں سے کبیرہ بیگم کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ان کا خوبصورت گوراچہرہ بے داغ تھا۔کیا مختلف تھااس میں؟

''میں صرف اس لیے آئی ہوں کیونکہ تم نے میری بات کا اعتبار کیا تھا۔اب بتاؤ۔کیا پوچھنا چاہتے تھےتم عالیان کے بارے میں؟''وہ اپنی چمک دار آنکھوں کو چھوٹا کر کے ماہر کو دیکھ رہی تھیں۔بیر بل کوانہوں نے جیسے دیکھا ہی نہیں تھا۔

''کیسے ڈیتھ ہوئی تھی عالیان کی؟''

''آگ سے۔کسی نے اسے جلا دیا تھا۔وہ چند دن ہسپتال میں داخل رہا۔پھراس کی موت واقع ہوگئی۔''ان کا چہرہ بے تاثر تھااور آواز ہموار۔

''پھرآپ کیوں کہتی ہیں کہ عالیان زندہ ہے؟''وہ آگے کو ہو کے بیٹھا'ہاتھ باہم پھنسائے بغورانہیں دیکھ رہا تھا۔

''کیونکہ وہ عالیان نہیں تھا۔''ان کے چہرے پہ ہلکی سی سوگواریت ابھر کے معدوم ہوئی۔

''عالیان اس واقعے سے چندروز پہلے کھوگیا تھا۔پولیس نے بہت تلاش کیا۔لیکن وہ نہیں ملا۔اور پھرایک دن ہمیں عالیان کے ملنے کی اطلاع دی گئی۔''ان کی آنکھوں میں چنگاریاں سی تھیں جیسے اس واقعے کی فلم وہاں چل رہی ہو۔

''کسی جلتی ہوئی عمارت سے اسے نکالا گیا تھا۔اس کی پہچان اس کی چیزوں سے کی گئی کیونکہ اس کا چہرہ جل چکا تھا۔میں نے اسے دیکھاتو اس کا پوراوجود پٹیوں میں بندھا تھا۔آنکھیں بھی بند تھیں۔وہ کچھ بول نہیں سکتا تھا۔اس حالت میں وہ کچھ دن بیماررہا۔پھر چل بسا۔لیکن وہ عالیان نہیں تھا۔''

''آپ کو کیسے معلوم؟''

''ماں اپنے بچے کو پہچانتی ہے۔ جو جلتا ہوا بچہ عمارت سے ملا تھا' وہ عالیان نہیں تھا۔ اس کا قد کاٹھ اسی کے جیسا تھا لیکن وہ میرا بیٹا نہیں تھا۔ کسی نے اس نا معلوم بچے کو جلا کے اس کی لاش کے ساتھ عالیان کی چیزیں پلانٹ کی تھیں۔''

''اور ڈی این اے ٹیسٹ؟''

''ہوا تھا۔ سب ہوا تھا۔ لیبارٹریز کہتی تھیں کہ وہ عالیان ہی ہے۔ جس نے بھی یہ کیا اس کی پہنچ بہت اوپر تک تھی۔ انہوں نے ہر چیز تیار کر لی۔ سادان....'' آنکھوں میں کرب ابھرا۔ ''سادان بھی مان گیا کہ یہ عالیان ہے۔ لیکن....'' وہ توڑ توڑ کے بولیں۔ ''وہ.... عالیان..... نہیں تھا۔'' ان کی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں۔

''آپ کی کسی سے دشمنی تھی؟''

''صرف ایک عورت سے۔'' وہ زخمی سا مسکرائیں۔ ''حورِ جہاں۔''

''ان کا اس سے کیا تعلق؟''

حورِ جہاں نے میرے بیٹے پہ جادو کیا تھا۔ یہ سب اسی وجہ سے ہوا۔'' انہوں نے پیچھے کو ٹیک لگائی۔ اب کہ ان کی آواز میں سپاٹ تھی۔

''حورِ جہاں ایک مکھی بھی نہیں مار سکتی تھیں' مسز کبیرہ۔ خیر یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔''

کبیرہ نے شانے اچکائے۔ ''یہ سب تم مجھ سے فون پہ بھی پوچھ سکتے تھے۔ مجھے یہاں لانے کے لیے اتنا تردد کیوں کیا؟''

''میں فون پہ بات نہیں کرتا۔ آمنے سامنے بات کرتا ہوں۔'' وہ بہت غور سے ان کو دیکھ رہا تھا جیسے ان کا چہرہ پڑھ رہا ہو۔

بیربل بھی بہت غور سے گردن موڑے ان کا چہرہ ہی پڑھ رہا تھا لیکن مختلف انداز میں۔

''تمہاری بہن کے بارے میں ٹویٹر پہ پڑھا تھا میں نے۔ اس کی بھی لاش مل گئی ہے۔ بہت افسوس ہوا۔'' ان کا لہجہ میکانکی سا تھا۔ ماہر نے بھی سپاٹ سے انداز میں تھینکس کہہ دیا۔ پھر کہنے لگا۔

''آپ نے وہ کہانی سنی ہے....''

''ناک۔'' بیربل نے چٹکی بجائی۔ ''آپ کی ناک بدلی ہوئی ہے۔'' جوش سے بولا۔ دونوں نے چہرہ موڑ کے اسے گھورا۔ وہ ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا۔

''سوری۔''

ماہر واپس ان کی طرف متوجہ ہوا۔

''قدیم متھالوجی میں ایک کہانی ہے۔ changeling کی کہانی۔ جب پریاں کسی ماں کا بچہ چراتی تھیں' تو وہ پنگھوڑے میں ایک شیطانی بچے کو چھوڑ جاتی تھیں۔ اس بدلے ہوئے بچے کو چینجلنگ کہا جاتا تھا۔''

''اس بات کا عالیان یا تمہاری بہن سے کیا تعلق؟''

''عالیان کا اغوا کار کوئی ایسا گینگ نہیں تھا جو روٹین میں بچے اغوا کرتے ہیں۔ ان کو صرف ایک بچہ نہیں چاہیے تھا۔ ان کو عالیان ہی چاہیے تھا۔ انہوں نے عالیان کی جگہ ایک بچے کی لاش بھیج کے معاملہ دبانے کی کوشش کی۔ کیونکہ انہیں عالیان زندہ چاہیے تھا۔ اگر مارنا ہوتا تو اسی کی لاش بھیجتے۔''

وہ اب چونک کے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''عالیان اور ہلال کا اغوا کار ایک ہی ہے۔ اس کو ہلال بھی زندہ چاہیے تھی۔''

''پھر اس نے ہلال کو کیوں مارا؟''

ماہر ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا۔ ''معلوم نہیں۔ شاید ہلال سے ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔''

کبیرہ بیگم نے پہلو بدلا۔ ''اب ان باتوں کا کیا فائدہ؟'' پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ان کو اب جانا تھا۔

''اب میں آپ سے ایک ایسا سوال پوچھنے جا رہا ہوں جس کے لیے میں نے آپ کو یہاں بلایا ہے۔''

''تا کہ تم میرے چہرے پہ سچ اور جھوٹ پڑھ سکو؟''

ماہر نے اثبات میں سر ہلایا۔ کبیرہ بیگم مسکرا دیں۔

''پوچھو۔''

''سادان صاحب کیسے ہیں؟''

کبیرہ کو اس سوال کی توقع نہ تھی۔ حیرت سے ابرو اٹھایا۔

''اس بات کا مطلب؟''

''جب میں آپ کے آفس آیا تھا' تو میں نے وہاں آپ کے بچوں کی تصاویر دیکھی تھیں۔ لیکن سادان صاحب ان تصاویر میں نہیں تھے۔ آپ کے خاندان والے کہتے ہیں کہ وہ بہت ٹریول کرتے ہیں اس لیے آپ کے ساتھ نظر نہیں آتے۔ آپ کی اسسٹنٹ نے مجھے بتایا تھا کہ وہ انگلینڈ میں ہوتے ہیں۔ لیکن وہ کہاں ہیں؟''

کبیرہ بیگم کی مسکراہٹ اب عنقا ہو چکی تھی۔ وہ تیز نظروں سے بس اسے گھورے جا رہی تھیں۔

''میں آپ کو بتاتا ہوں۔ آپ کو نہیں معلوم کہ سادان صاحب کیسے ہیں کیونکہ....'' وہ ٹیک لگائے بیٹھا بغور اس کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔

''کیونکہ انہوں نے آپ کو طلاق دے دی ہے۔ اور ابھی تک خاندان والے واقف نہیں ہیں۔ وہ یقیناً دوسری شادی بھی کر چکے ہیں۔ لیکن آپ کی بیٹی کے مستقبل کی وجہ سے آپ لوگوں نے اس بات کا اعلان نہیں کیا۔ میں نے ان کے بارے میں کچھ جانچ پڑتال کروائی تھی۔'' وہ کہتے ہوئے نیچے جھکا اور ایک دراز سے ایک فائل نکال کے سامنے رکھی۔ پھر فائل کو کھولا۔

''سادان اور آپ کی انگلش ڈائیورس ہو چکی ہے۔ وہ اب انگلینڈ میں ہوتے ہیں اور بہت کم پاکستان آتے ہیں۔ وہاں ان کی ایک دوسری فیملی بھی ہے۔ لیکن یہ وہ سب سے دلچسپ چیز نہیں ہے جو مجھے سادان صاحب کے بارے میں معلوم ہوئی تھی۔''

وہ فائل کے صفحے پلٹاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

کبیرہ بیگم کے چہرے کا رنگ نچڑ گیا۔ وہ لب بھینچے خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

بیر بل اب پیچھے ہو کے بیٹھا بہت ہی دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''اور وہ دلچسپ چیز ہے نمبرز۔ نمبرز کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔'' اس نے ایک صفحہ پلٹایا اور بھوری آنکھیں اٹھا کے انہیں دیکھا۔ وہ دم سادھے بیٹھی تھیں۔

''نمبرز کہتے ہیں کہ آپ شادی سے پہلے ایک بہت متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ سادان آپ کے رشتے دار تھے لیکن وہ بہت امیر تھے۔ ان کے اور آپ کے والد کے مالی حالات میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ آپ دونوں کے فنانشل ریکارڈز بہت مختلف تھے۔ آپ کی ایک شادی پہلے بھی ہوئی تھی جس سے آپ کی بیٹی عنایہ تھی۔ آپ مطلقہ تھیں۔ ایک بیٹی کی ماں تھیں۔ سادان نے آپ سے شادی کر کے آپ کی بیٹی کو بھی اپنا نام دیا۔ کیوں؟''

وہ خاموش رہیں۔ بس تیز نظریں اس پہ جمی رہیں۔

''میں بتاتا ہوں۔ ایک امیر آدمی ایک عام گھرانے کی لڑکی سے کیوں شادی کرے گا؟ کیا اس کی خوبصورتی کی وجہ سے؟ میرا نہیں خیال۔ اس کو آپ سے بہتر امیر لڑکی مل سکتی تھی۔ کیا آپ کے اخلاق کی وجہ سے؟ اونہوں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ کیسا ہے۔ پھر آپ کی شادی کیسے ہوئی؟''

چند لمحے کے لیے آفس میں خاموشی چھا گئی۔

''کیونکہ آپ نے ان پہ سحرِ عشق کروایا تھا۔''

''نہیں۔'' ان کے لب ہلے۔ انداز دوٹوک تھا۔

''کروایا تھا۔ اور یقیناً اسی جادوگر سے کروایا تھا جس سے ہلال کے باپ نے میری ماں پہ سحرِ عشق کروایا تھا۔''

''نہیں۔''

لیکن ماہر سنے بغیر کہہ رہا تھا۔

''اور یہ اس جادوگر کی فیس ہے۔ وہ آپ سے اس جادو کے پیسے نہیں لیتا۔ وہ آپ کا بچہ لے لیتا ہے۔ سحرِ عشق سے پیدا ہونے والا بچہ اس کو چاہیے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بچہ کسی وجہ سے خاص ہوتا ہے۔ اسے اس بچے سے کوئی کام لینا ہوتا ہے۔ اسی نے عالیان کو اغوا کیا ہے۔ اسی نے ہلال کو ہم سے چھینا ہے۔ یہ ہے میری اور آپ کی کہانی میں مشترک چیز جسے میں اتنے مہینے سے ڈھونڈ نہیں سکا تھا کیونکہ....'' ایک نظر بیربل پہ ڈالی۔ ''میں بھٹک گیا تھا۔''

برف کا مجسمہ چٹخا۔ کبیرہ بیگم نے ابرو اچکائے۔ گہری سانس لی۔

''انٹرسٹنگ کہانی ہے۔ لیکن میں نے سادان پہ جادو نہیں کروایا تھا۔'' ان کا انداز قطعی اور دوٹوک تھا۔ ''میں نے بہت جادو کیے اور کروائے ہیں لیکن ہماری شادی جادو سے نہیں ہوئی تھی۔''

کچھ تھا ان کے لہجے میں جو اٹل تھا۔

''پھر کیسے ہوئی تھی؟'' وہ چونک کے انہیں دیکھنے لگا۔

''دعا سے۔ میں نے دعا کروائی تھی۔''

''کس سے؟'' وہ تیزی سے آگے ہوا۔

''ایک نیک بزرگ سے جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔''

وہاں چند لمحے کے لیے خاموشی چھا گئی۔

''میں نہیں مانتا۔ آپ کی شادی سحرِ عشق سے ہوئی تھی۔'' اس نے زور دیا۔ کبیرہ نے شانے اچکا دیے۔

''نہ مانو۔ لیکن میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ اب میں چلوں گی۔''

''کیا آپ نے کبھی عالیان کو ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی؟'' بیربل کھنکھارا۔ انہوں نے رخ موڑ کے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔

''کی تھی۔ بہت کی تھی۔ لیکن وہ نہیں ملا۔''

''اور اب چاہتی ہیں کہ دنیا کی ہر ماں سے اس کا بچہ چھن جائے۔ آپ ایک sadistic انسان ہیں۔ socioopath۔ اور ایک دن آپ اپنی لگائی ہوئی آگ میں جل جائیں گی۔'' ماہر سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''اور یہ پتلی silicon کی ناک آپ پہ بالکل سوٹ نہیں کر رہی۔'' بیربل فرید نے لقمہ دیا۔

کبیرہ بیگم نے ہونہہ کہہ کے بیگ اٹھایا اور ان دونوں پہ ایک اچٹتی نظر ڈال کے دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

''کیا واقعی اس نے دعا کروائی ہو گی؟''

''میں سمجھ نہیں سکا۔ اس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ سچ بول رہی ہے۔ لیکن ایسا ممکن نہیں ہے۔ ہلال اور عالیان میں ایک یہی مماثلت ہے۔ کچھ ہے جو میں مس کر رہا ہوں۔'' وہ گہری سوچ میں گم دکھائی دیتا تھا۔ بیربل نے بند دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے کبیرہ بیگم گئی تھیں۔

''یہ کیوں چاہتی ہے کہ ہر ماں اپنا بچہ کھو دے؟''

''کیونکہ غم ہر انسان کو مختلف طریقے سے چھوتا ہے۔ کسی کا بچہ کھو جائے تو وہ چاہتا ہے کہ ساری دنیا کی مائیں بانجھ ہو جائیں۔ اور کسی کا دل چاہتا ہے کہ وہ اس جادوگر کو ایسی سزا دے کہ وہ کسی بھائی کی بہن نہ چھین سکے۔ غم انسان کے اندر کا شر یا خیر باہر لے آتا ہے۔''

وہ ابھی تک اس بند دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ ایسا کیا تھا جو وہ مس کر رہا تھا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپارٹمنٹ کے کچن میں بیک ہوئے لزانیہ کی خوشبو پھیلی تھی۔ کشمالہ نے احتیاط سے بیکنگ ڈش اوون سے نکالی۔ اسے سلیب پہ رکھا۔ پھر دستانے والے ہاتھ سے فوائل اتار کے اس کی شکل دیکھی۔ وہ اچھا لگ رہا تھا۔ چہرے پہ مسکراہٹ اتر آئی۔

پھر اس نے بال درست کیے۔ فاختہ والا لاکٹ جو لباس میں چھپ جاتا تھا' گریبان سے نکال کے سامنے کیا۔ خود پہ ایک آخری تنقیدی نظر ڈال کے وہ لزانیہ کی ڈش لیے باہر آ گئی۔

اس کا رخ اپنے سے اوپر والے فلور کی جانب تھا۔ مطلوبہ اپارٹمنٹ کے سامنے رک کے اس نے بیل بجائی۔ لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔

چند لمحے بعد ہی دروازہ کھل گیا۔ وہ جیسے اس کے انتظار میں تھی۔

''کشمالہ مبین کو جدہ آنے کے بعد بالآخر مجھ سے ملنے کا وقت مل ہی گیا۔''

وہ ایک کیوٹ سی چھوٹے بالوں والی لڑکی تھی۔ اسے دیکھتے ہی گرمجوشی سے آگے بڑھی' لیکن پھر گرم ڈش کی وجہ سے ٹھہر گئی۔ گلے ملنے کا ارادہ موقوف کیا اور پہلے ڈش اس کے ہاتھ سے لی۔ اب وہ دونوں اندر۔ پھر علیحدہ ہو کے مسکرا کے اسے دیکھا۔

''میں اتنی خوش ہوں کہ....'' کچھ کہنے کے لیے لب کھولے جب نگاہ اس کے گریبان پہ جھولتی سیاہ فاختہ پہ پڑی۔ لڑکی کے ابرو خوشگوار حیرت سے اٹھے۔

''یعنی تم نے اس کو پہننے کا فیصلہ کر لیا۔''

کشمالہ نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ دونوں وہیں چوکھٹ میں کھڑی تھیں اور وقت یوں تھم گیا جیسے جم گیا ہو۔

جیسے اس گرم شہر کو برف نے جما دیا ہو۔

ریت کے ذرے بھی برف ہو گئے ہوں...

اور اس جمے ہوئے وقت کو یہیں روک کے ہم تمہیں چند برس پیچھے لے جائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہماری کہانی شروع ہونے سے ساڑھے تین سال پہلے۔

اوشن پہ اترنے والی وہ ایک ٹھنڈی سہ پہر تھی۔ نیلے اور سبز رنگوں سے سجا اوشن مہمانوں سے بھرا تھا۔

یہ کشمالہ کی سرپرائز برتھ ڈے (جس میں اس کو اوشن میں آگ لگنے کا بتایا گیا تھا) سے قریباً چھ ماہ بعد کا وقت تھا۔ اب اوشن پہلے سے زیادہ پر ہجوم ہوتا تھا۔ البتہ اس کی میز کرسی وہیں ہوتی تھی۔

بوگن ویلیا کی چھاؤں میں دیوار کی اوٹ میں رکھی میز جس پہ بیٹھ کے وہ خوشگوار موسم میں کام کیا کرتی تھی۔ اس کے چہرے کے دانے اب بہت کم ہو چکے تھے۔ اس کے بال قدرے لمبے تھے جن کو اس نے فرنچ چوٹی میں باندھ رکھا تھا اور ایک لٹ گال سے ٹکرا رہی تھی۔ سبز آنکھیں دھوپ سے سنہری لگ رہی تھیں۔ کان' گردن اور انگلیاں کسی قسم کے زیور سے خالی تھیں۔

لیپ ٹاپ اسکرین پہ اس کے سامنے ایک بزنس پلان کھلا تھا۔ بوتیک بیکری کا پلان۔ وہ بار بار کچھ ٹائپ کر کے مٹا دیتی۔

دفعتاً اس نے گردن موڑ کے برآمدے میں رکھی اس میز کو دیکھا جو فی الوقت خالی تھی اور اس پہ ریزروڈ کا سائن رکھا تھا۔ چھ ماہ پہلے اسی میز پہ بیٹھے ایک گھنگریالے بالوں والے نوجوان اور سفید بالوں والے بوڑھے آدمی کی بات سے اس کو بیکری کا آئیڈیا آیا تھا۔

''آج یہ صاحب نہیں آئے؟'' اس نے پاس سے گزرتے ایک ویٹر کو پکارا۔ ویٹر نے ایک نظر خالی میز کو دیکھا' پھر حیرت سے کندھے اچکا دیے۔

''پتہ نہیں۔ ویسے ملک صاحب ہر روز اس وقت تک آجاتے ہیں۔ شاید واپس قطر چلے گئے ہوں۔'' پھر اس نے خود ہی اپنی نفی کی۔ ''نہیں۔ انہوں نے پورے ایک ہفتے کے لیے یہ میز بک کروائی تھی۔ ابھی ان کے جانے میں دو دن ہیں۔''

اس سفید بالوں والے آدمی کا نام مالک تھا۔ لیکن انگریزی میں ان کا نام لکھے جانے کے باعث وہاں کے لوگ ان کو ملک اور مالک دونوں کہتے تھے۔ ان سب کو بس اتنا معلوم تھا کہ وہ قطر کا ایک امیر بوڑھا ہے جس کا ریئل اسٹیٹ کا کاروبار بہت سے ملکوں میں پھیلا ہے۔ وہ ہر چند ماہ بعد اسلام آباد آتا تھا اور یہاں لازمی آتا۔ وہ کسی سے مخاطب نہیں ہوتا تھا۔ بس ایک روبوٹ کی طرح بیٹھ کے لیپ ٹاپ پہ کام کرتا' کوکونٹ ملک کی کافی پیتا اور بھاری ٹپ دے کر چلا جاتا۔

آج نہ جانے ابھی تک کیوں نہیں آیا تھا؟

پھر اس کی نگاہ برآمدے کے دوسرے سرے پہ رکھی میز تک گئی۔ وہاں ایک چھوٹے بالوں والی لڑکی بیٹھی کھٹا کھٹ لیپ ٹاپ پہ ٹائپ کیے جا رہی تھی۔

''رامین کی کافی اس کو پہنچاتے رہنا۔'' اس نے ویٹر کو ہدایت دی۔ وہ مسکرا دیا۔

''جی میم۔ اب تک سب جان چکے ہیں کہ ہماری رائٹر صاحبہ (لڑکی کی طرف اشارہ کیا) آپ کے والد کے دوست کی بیٹی ہیں اور جب تک ان کی کتاب ختم نہیں ہوگی' ان کی ٹائپنگ کی کھٹ کھٹ ہمیں سنی پڑے گی۔''

''رائٹر نہیں ہوں میں۔ شاعرہ ہوں۔ شاعرہ۔'' لڑکی نے سر لیپ ٹاپ سے اٹھائے بغیر پکار کے کہا۔ ویٹر نے گڑبڑا کے اس طرف دیکھا۔ پھر جلدی سے وہاں سے غائب ہوگیا۔ مالا البتہ ہنس دی۔

''کیسی ہیں ہماری شاعرہ؟'' وہ اٹھ کے اس کے پاس چلی آئی۔

رامین نے انگلیاں باہم پھنسا کے بازو لمبے کیے۔ جوڑوں سے کڑا کے نکلنے کی آواز آئی۔ پھر چہرہ اٹھا کے

بے بسی سے اسے دیکھا۔

"بالکل اچھا نہیں لکھا جا رہا۔ کیا کروں؟"

"ہم تو بس تمہیں فری کافی ز دے سکتے ہیں۔ لکھنا تمہارا اپنا کام ہے۔" مسکرا کے کندھے اچکائے۔

"ویسے مالا... اگر اوشن جیسا پرسکون ریسٹوران نہ ہوتا' اور آپ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی آفر نہ کرتیں تو میں اپنی خالہ کے گھر رہ کے بالکل کام نہ کر سکتی۔ پندرہ بچے ہیں اس گھر میں۔ پندرہ۔"

"پہلے تم نے پانچ بتائے تھے۔"

"ہر بچہ تین کے برابر ہے نا۔" اس نے آنکھیں گھمائیں۔ وہ ہنس دی۔

"ریلیکس۔ تم اپنی کتاب مکمل کر لوگی۔ ڈونٹ وری۔" نرمی سے اس کا کندھا تھپکا۔ "مزید کافی بھجواؤں؟" بہت خیال سے پوچھا۔

رامین نے معصومیت سے پلکیں جھپکائیں۔

"اب تو مجھے بھی لگنے لگ گیا ہے کہ میں فری کافی کے لیے یہاں آتی ہوں۔ ویسے آپ کتنی اچھی اور مہربان ہیں۔"

"پہلے کپ کا بل ہم تم سے ہمیشہ وصول کرتے رہیں گے۔ تمہارے اس مکھن کے باوجود۔ اس کے بعد کے سارے کپ فری ہیں۔"

رامین ہنس دی۔ پھر گردن اونچی کر کے خالی میز کو دیکھا۔

"وہ سڑے ہوئے صاحب آج نہیں آئے؟ اس وقت تک آ جاتے ہیں۔"

مالا نے لاعلمی سے کندھے اچکا دیے۔ غیر شعوری طور پہ اسے بھی انہی کا انتظار تھا۔ ایک عادت سی ہو گئی تھی۔

"Hello, pimples!!" ایک آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ ایڑھیوں پہ گھومی۔ پھر سامنے سے آتی لڑکی کو دیکھ کے مبہوت رک گئی۔

وہ مسکراتی ہوئی لڑکی... اگر اس کے چہرے کو کم عمر کر دو' بالوں کو سیاہ کر کے ایک گلابی ہیئر بینڈ لگا دو اور اسکول یونیفارم پہنا دو تو وہ ... ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا اس کو پہچاننے میں۔

"ہیلو علیزہ...." وہ اسی سنجیدگی سے بولی۔ علیزہ نامی لڑکی نے سلک کا لمبا گاؤن پہن رکھا تھا۔ ہائی ہیلز۔ کلائیوں' کانوں اور انگلیوں میں دمکتے ہیرے۔ وہ اچھے حال میں لگتی تھی۔

''میرے ہزبینڈ نے اس ریستوران کی بہت تعریف کی تھی۔ لیکن مجھے اندازہ نہیں تھا کہ یہ تمہارا ہوگا۔ کیسی ہو؟''

وہ عین مالا کے سامنے آرکی۔ رامین اپنے لیپ ٹاپ سے چہرہ اٹھائے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''اچھی ہوں۔'' مالا مسکرائی تک نہیں۔

علیزہ نے اس کے چہرے کے دانوں کو دیکھا۔ تقریباً پہلے جیسی ہو۔ تھوڑے سے دانے کم ہوئے ہیں۔''

رامین کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''یہ کون ہے' مالا؟'' تیز نظروں سے اسے گھور کے پوچھا۔

''یہ ایک واچ تھیف (گھڑی چور) ہے۔ اس نے میرے اسکول میں سر ستار کی گھڑی چرائی تھی۔ میں جانتی تھی لیکن اس وقت میں کسی کو بتا نہیں سکی۔ نتیجتاً ایک گیٹ کیپر شکور کو نکال دیا گیا....'' کشمالہ مبین بس سنجیدگی سے بولی تھی۔ البتہ علیزہ کی رنگت بدلی۔ ماتھے پہ سلوٹیں ابھریں۔

''ہاؤ ڈیئر یو....''

''بیٹھو علیزہ اور کچھ کھاؤ پیو۔'' وہ کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ علیزہ جو غصے سے بہت کچھ کہنے والی تھی رُک گئی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ پھر مسکرا کے گہری سانس لی۔ خود کو نارمل کیا اور لان کی ایک مرکزی کرسی میز پہ جا کے بیٹھ گئی۔

وہ اندر آئی تو قدرے پریشان لگتی تھی۔ فرنٹ ڈیسک کے پاس رُکی۔ وہاں موجود نوجوان نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''خیریت' میم؟''

''ایک مشکل مہمان ہمارے ریستوران میں اس وقت موجود ہے۔ ایسے مہمان اپنے ساتھ مشکلیں لاتے ہیں۔'' پھر اس نے اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑیں۔ اسی پل رامین اندر آتی دکھائی دی۔ اس کے ابرو خفگی سے تنے ہوئے تھے۔

''آپ نے اس کو اپنے چہرے کے بارے میں یہ کہنے کی اجازت کیسے دی مالا؟ ایک لگا دیتیں رکھ کے۔''

''تم نے اس کی حالت نہیں دیکھی؟ مزید کیا برا کروں اس کے ساتھ؟''

رامین نے حیرت سے گلاس وال کے باہر دیکھا جہاں وہ لان میں بیٹھی دکھائی دے رہی تھی۔ قیمتی لباس' برانڈڈ بیگ' ہیرے اور نگینے پہنے وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔

''اچھی بھلی حالت ہے اس کی۔''

''قابلِ ترس ہے وہ رامین۔ گریجویشن کے دوران اس نے ایک شادی شدہ امیر آدمی کی طلاق کروا کے اس سے شادی کی۔ ڈگری مکمل نہیں کی۔ بلکہ اپنی ساری توانائی اس آدمی کا دل جیتنے پہ لگا دی۔ پھر اس نے اپنے جسم کو ان چیزوں سے سجانا شروع کیا جو اس کے شوہر کی وجہ سے اسے ملی ہیں۔ اس کا اپنا کچھ بھی نہیں ہے۔''

رامین منہ کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ خبرنامہ پڑھنے کے انداز میں بتا رہی تھی۔

''اور شوہر بھی ایسا جو اس کو اپنے ساتھ ڈرگز کرنے پہ مجبور کرتا ہے۔ نہ کرے تو اس کو مارتا ہے۔ پھر وہ اس کے پیروں میں گر کے معافی مانگتی ہے۔ پھر دونوں کی صلح ہو جاتی ہے۔ اور یہ سائیکل کبھی ختم نہیں ہوتا۔''

''آپ کو کیسے معلوم؟''

''فیس بک۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''پہلے وہ اس کے ساتھ ڈرگز کرنے کی وڈیوز لگاتی تھی۔ پھر شوہر اس کو مارتے ہوئے اس کی وڈیو بنا کے لگاتا تھا۔ صلح کے بعد دونوں وڈیوز ڈیلیٹ کر دیتے ہیں۔ اور یوں دونوں میاں بیوی اس شہر کی ایلیٹ کے لیے ایک ہاٹ گوسپ ہیں۔ اس کی ہمیشہ سے یہی فینٹیسی تھی کہ کوئی مرد اس کے لیے ہیرے لائے۔ تو اس کو وہ مل گیا۔ میں اس سے کیا لڑوں۔ اس کی حالت پہلے ہی قابلِ ترس ہے۔'' مالا نے ایک دفعہ پھر گلاس وال کے پار دیکھا۔ اس کے انداز میں ہلکا سا اضطراب تھا۔

''پھر آپ پریشان کیوں ہیں؟''

''کیونکہ مشکل مہمان اپنے ساتھ بہت سی مشکلات لاتے ہیں۔''

برآمدے میں رکھی ریزروڈ میز ابھی تک خالی تھی۔ نہ جانے وہ صاحب آج کیوں نہیں آئے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

عبدالمالک فرید اپنے ہوٹل سوئیٹ کے لونگ روم میں بیٹھے تھے۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے ان کے چہرے پہ ناپسندیدگی تھی۔ ایک ہاتھ میں پہنی انگوٹھی دمک رہی تھی۔ دوسرے ہاتھ میں موبائل تھا جس پر واٹس ایپ کا انباکس کھلا تھا۔ وہاں سامنے تین چیٹس جگمگا رہی تھیں۔

عشاء فرید۔ انہوں نے چیٹ کھولی اور تازہ ترین آڈیو میسج کھولا۔

''بابا..... میں تنگ آ گئی ہوں پرویز کے گھر والوں سے۔ ہر وقت مجھے....'' آگے طویل شکایتیں تھیں۔ انہوں نے افسوس سے سر جھٹکا اور دوسری چیٹ کھولی جس پہ فاریہ لکھا تھا۔

''بابا آپ نے جواب نہیں دیا۔ عذیر مزید اسکاٹ لینڈ یارڈ کی نوکری نہیں کر سکتا۔ اس کو اپنا کچھ کرنا ہے۔ کیا

آپ اس کے لیے فرید ہولڈنگ میں کوئی جگہ نہیں بنا سکتے؟"

مالک فرید کے ماتھے پہ بل پڑے انہوں نے جواب دیے بنا اگلی چیٹ کھولی۔

زارا۔

"بابا... پلیز ماہر سے بات کریں...." اس کی آواز روتی ہوئی تھی۔ "وہ آج کل مجھ سے ٹھیک سے بات نہیں کرتا۔ ملتا بھی نہیں ہے۔ وہ عجیب سا ہو گیا ہے۔ بابا مجھے لگتا ہے وہ کسی سے ملنے جاتا...." انہوں نے اکتا کے چیٹ بند کی۔ وہ اس پیغام کو پورا سننا نہیں چاہتے تھے۔

چند لمحے وہ افسوس بھری نظروں سے ان تینوں چیٹس کو دیکھتے رہے۔

دفعتاً دروازہ کھٹکا۔ وہ گہری سانس لے کر اٹھے اور دروازے تک گئے۔ پھر جیسے بہت برداشت کر کے اسے کھولا۔

چوکھٹ پہ رابیل کھڑی تھیں۔ پرس کہنی پہ ڈالے اٹھی گردن مگر ویران چہرے والی رابیل۔ مالک کو دیکھ کے سوگواریت سے مسکرائیں۔

انہوں نے راستہ چھوڑ دیا۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو رابیل؟" وہ واپس اپنے صوفے پہ بیٹھ گئے اور رابیل سامنے رکھی اونچی کرسی پہ براجمان ہو گئیں۔ وہ آنکھیں چھوٹی کیے ان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"میں شمس اور ہلال کے ساتھ پاکستان آئی تھی۔ شمس کے رشتے داروں سے ملنے۔ کل ہماری واپسی ہے۔"

"تم یہاں میرے پاس کیوں آئی ہو؟" وہ میرے پاس پہ زور دے کر بولے۔

"تم مجھ سے نفرت کرتے ہو ہے نا؟"

رابیل کی آنکھوں میں نمی ابھری۔

"میں تم سے نفرت نہیں کرتا' مجھے تم پہ ترس آتا ہے۔ تم نے میرے بھائی کو بہت دکھ دیے اور اب اپنی زندگی دیکھو۔ کیا رہ گیا تمہارے پاس؟ خیر... یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ مدعے پہ آؤ۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ان کے ہر انداز سے اکتاہٹ ٹپکتی تھی۔

"مجھے تمہاری مدد چاہیے مالک۔" ان کے انداز میں لجاجت تھی۔

"اور میں کیوں کروں گا تمہاری مدد؟ میں ماہر نہیں ہوں جو ہلال کی وجہ سے پگھل جاؤں گا اور وہ سب بھلا دوں گا

جو تم نے میرے بھائی کے ساتھ کیا۔"

"مت بھلاؤ۔ لیکن اگر قاسم زندہ ہوتا تو وہ میری مدد کرتا۔"

چند لمحے کے لیے وہاں خاموشی چھا گئی۔ پھر مالک نے گہری سانس لی۔

"کیا چاہتی ہو؟"

"میں شمس کو اپنی زندگی سے نکالنا چاہتی ہوں۔ میں واپس آنا چاہتی ہوں۔ ماہر، بیربل اور ہلال کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔" ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکا۔

مالک کا چہرہ ویسا ہی رہا۔ سپاٹ۔ برف سا۔

"تو عدالت جاؤ۔ انگلش ڈائیوورس آسانی سے مل جاتی ہے۔"

"شمس خطرناک آدمی ہے۔ جب تک تم لوگ مجھے سپورٹ نہ کرو، میں اس کے خلاف اسٹینڈ نہیں لے سکتی۔"

"ماہر سے بات کی؟"

"اس سے کیا بات کروں؟ وہ تو آج کل اپنے حواسوں میں نہیں لگتا۔ عجیب سا رویہ ہو گیا ہے۔" وہ تلخ ہوئیں۔

"میں شمس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا۔ تمہیں جو کرنا ہے خود کرو۔ جیسے قاسم سے الگ ہو کے خود اس سے شادی کی تھی۔"

"مالک، پلیز....." ان کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کے گرا۔ "میں مشکل میں ہوں۔ ایک جہنم بھری زندگی گزار رہی ہوں۔ میں نہیں اس سے اکیلے لڑ سکتی۔"

مالک فرید نے ایک نظر اپنے موبائل پہ ڈالی۔ وہ تین چیٹس اب بھی سامنے تھیں۔ پھر سامنے صوفے پہ بیٹھی عورت کو دیکھا۔ ان کی برف جیسی آنکھوں میں افسوس ابھرا۔

"میری ماں جیسی بہادر عورتیں اب اس دنیا سے ختم ہوتی جا رہی ہیں زرابیل۔ تم سب عورتیں مردوں کے ہاتھوں manipulate ہو رہی ہو۔ کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا جب تک کہ تم خود اپنی مدد نہ کرو۔"

"تم میری مدد نہیں کرو گے؟"

زرابیل نے ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کیے۔

"نہیں۔ کیونکہ میں تمہارا اعتبار نہیں کرتا۔ یہ بھی شمس اور تمہاری کوئی چال ہو گی۔"

"تمہیں یقین دلانے کے لیے میں کچھ لائی ہوں۔" انہوں نے جھک کے ہینڈ بیگ میں ہاتھ ڈالا اور جب

اسے باہر نکالا تو اس میں ایک سفید مخملیں ڈبیا تھی۔ مالک فرید چونکے۔

''یہ تمہارے والد نے تمہاری ماں کو دیا تھا۔''

''میری ماں ایک بہادر عورت تھی۔'' وہ بڑبڑائے۔ نظریں ڈبی پہ تھیں۔

''اور قاسم نے یہ مجھے دیا تھا۔''

''لیکن تم اس کے قابل نہیں تھیں۔''

''ہاں۔ میں اس کے قابل نہیں تھیں۔ جب میں نے شمس سے شادی کی تو تم نے مجھ سے ایک چیز واپس مانگی تھی۔ تمہاری ماں کی نشانی۔'' انہوں نے ڈبیا سامنے کی۔

''اور تم نے بہت غرور سے کہا تھا کہ جو تمہارا ہے وہ تم واپس نہیں کرو گی۔ اور تم بہت سے نگینے اور ہیرے سمیٹ کے لے گئی تھیں۔'' وہ ابھی تک اسی ڈبیا کو دیکھ رہے تھے۔

''اور آج میں تمہیں یہ واپس کرنے آئی ہوں۔ اپنے غرور پہ پیر رکھ کے۔ شاید میرے اس عمل سے تمہیں میرا اعتبار آ جائے۔'' انہوں نے ڈبیا سامنے میز پہ رکھ دی۔

''زارا کی خواہش تھی کہ یہ اسے ملے۔ اب تم یہ اس کو دے سکتے ہو۔'' رابیل ملتجی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ مالک فرید چند لمحے اس ڈبی کو دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے دھیرے سے شانے اچکائے۔

''میرے لیے اب یہ بروچ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ جب میں اسے اپنی بیٹیوں کو دینا چاہتا تھا تب....'' وہ رکے اور بات ادھوری چھوڑ دی۔ رابیل نے غور سے انہیں دیکھا۔

''تم اپنی بیٹیوں سے مایوس ہو؟''

وہ کھنکھارے۔ ''یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ اسے واپس لے جاؤ۔ مجھے یہ نہیں چاہیے۔''

''غرور پہ پیر رکھ کے آئی ہوں۔ اب پیر نہیں اٹھا سکتی۔ یہ تمہاری ماں کا تھا۔ آج تمہاری امانت میں نے واپس کی۔''

وہ اٹھیں اور پرس اٹھا کے ایک نظر انہیں دیکھا۔ وہ وہیں بیٹھے رہے۔ کسی برف کے مجسمے کی طرح۔

وہ کچھ کہے بنا دروازے کی طرف چل دیں۔ دروازہ بند ہونے کی آواز آئی تو مالک فرید دھیرے سے ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی۔ آگے جھکے اور سفید مخملیں ڈبی اٹھائی۔

برف جیسے چہرے پہ بہت سے جذبات ابھرے۔ انہوں نے ڈبی کو انگلیوں سے چھوا۔ پھر گہری سانس ناک

سے کھینچی جیسے ماں کی خوشبو کو محسوس کیا ہوا۔ ڈبی کھولتے ہوئے ان کی انگلیوں میں لرزش تھی۔

اندر ایک چھوٹا سا بروچ دمک رہا تھا۔

سونے کی بنی فاختہ جو سیاہ نگینوں سے ڈھکی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک سرمئی رنگوں میں سجا آفس تھا۔ بڑی میز کے پیچھے خالی کرسی رکھی تھی۔ میز کے سامنے ایک سٹنگ ایریا بنا تھا جہاں ایک لمبا سا کاؤچ رکھا تھا اور اس کے مقابل ایک کرسی پڑی تھی۔ یہ سائیکو تھیراپسٹ کی کرسی تھی۔ اور اس وقت ایک ادھیڑ عمر تھیراپسٹ اس کرسی پر بیٹھا تھا۔ گھٹنوں پہ نوٹ بک رکھے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' وہ عینک کے پار سے سامنے کاؤچ کو دیکھ رہا تھا۔

ماہر اس کاؤچ پہ بیٹھا تھا۔ یوں کہ کنارے پہ تھا۔ قدرے غیر آرام دہ سا۔ اضطرابی انداز میں انگلیاں مروڑتا۔

''آپ کاؤچ پہ لیٹ سکتے ہیں۔''

''میں کسی کے آفس میں جا کے کاؤچ پہ کیسے لیٹ سکتا ہوں؟ نو تھینکس۔'' قدرے نخوت سے کہا۔ ساتھ ہی غیر آرام دہ انداز میں اطراف میں دیکھا۔ اس کی آنکھوں تلے حلقے تھے اور چہرہ مزید دبلا ہو گیا تھا۔

''آپ نے کہا آپ کو کچھ آوازیں سنائی دیتی ہیں؟'' تھیراپسٹ نے تحمل سے بات کا آغاز کیا۔

''آوازیں اور شکلیں جن کا وجود نہیں ہوتا۔''

''کیا ان شکلوں کو describe کر سکتے ہیں؟''

''بچھو۔ سانپ۔ اور ہاں۔ مجھے خواب میں میں سیاہ رنگ کا گھوڑا نظر آتا ہے جس کے منہ پہ خون لگا ہے۔''

''کیا آپ بچھو سے ڈرتے ہیں؟''

ماہر نے پہلو بدلا۔ چہرے پہ ناگواری ابھری۔

''میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ سوائے اس چیز کے کہ میرا ذہن میرے ساتھ ایسے کھیل کیوں کھیل رہا ہے۔''

''مجھے اپنے بچپن کے بارے میں بتائیں۔ آپ کا بچپن کیسا تھا؟''

''میرے بچپن کا اس سے کیا تعلق؟'' اس نے کوفت سے ابرو اٹھائے۔ یہ ایک غلط فیصلہ تھا۔ اسے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔

''انسان کے بہت سے ٹراماز کا تعلق اس کے بچپن....''

''ٹراما نہیں ہے مجھے' ڈاکٹر۔ مجھے چیزیں نظر آتی ہیں جو وجود نہیں رکھتیں۔'' وہ زور دے کر بولا۔'' ایسی آوازیں سنائی دیتی ہیں جو کسی نے کہی نہیں ہوتیں۔ مجھے کوئی دوا دیں جس سے یہ سب بند ہو جائے۔''

''میں سمجھ سکتا ہوں۔'' اس نے نرمی سے سر ہلا دیا۔'' جب آپ شدید خوفزدہ ہوتے ہیں تو کیا کرتے ہیں؟''

''میں بائیک لے کر نکل جاتا ہوں۔ لمبی ڈرائیو پہ۔ اس سے میں ریلیکس ہو جاتا ہوں۔'' اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ تھیراپسٹ کے آفس کی سرمئی دیواریں گھٹن کا احساس دلا رہی تھیں۔

''آپ کا اپنی ماں سے تعلق کیسا ہے؟''

''ماں کہاں سے آ گئی درمیان میں؟'' وہ ایک دم ٹانگ سے ٹانگ ہٹا کے چلایا۔ چہرہ سرخ ہوا۔

''میں اپنے مسئلے کے لیے آیا ہوں۔ ماں کے لیے نہیں۔''

''میں اس مسئلے کی جڑ تک پہنچنا چاہ رہا ہوں تا کہ....''

''یو نو واٹ... آپ کو خود ایک تھیراپسٹ کی ضرورت ہے۔''

ڈاکٹر نے نرمی سے اسے روکنا چاہا لیکن وہ باہر نکل گیا۔ لفٹ کی طرف جاتے ہوئے وہ بڑبڑا رہا تھا۔

''تھیراپسٹ کے نام پہ scammers بیٹھے ہیں یہاں۔ پیسے دو اور بات کروا ن سے۔ اس سے بہتر انسان کسی دوست سے بات کر لے۔''

ہیلمٹ لیے وہ باہر نکل آیا۔ پارکنگ ایریا میں ایک سیاہ اور سلور رنگوں سے مزین harley davidson ہیوی بائیک اس کی منتظر تھی۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے ہیلمٹ چڑھایا' پھر گلوز پہنے اور سن گلاسز آنکھوں پہ لگائے۔ پھر بائیک کے ہینڈلز پہ ہاتھ رکھے۔ اب وہ پچھتا نہیں جا رہا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر تازہ ہوا کو اندر اتارا اور بائیک آگے بڑھا دی۔

بائیکنگ بہترتھی تھیراپی سے۔

البتہ آج بائیکنگ بھی اس کا خراب موڈ بحال نہیں کر سکی تھی۔ جب وہ آفس میں داخل ہوا تو ماتھے کے بل ہنوز برقرار تھے۔ اندر آتے ہی ہیلمٹ اور گلوز ایک نوجوان اسسٹنٹ کی طرف قریباً اچھالے جس نے انہیں جلدی سے تھام کے گرنے سے بچایا۔ پھر ایک نظر لابی کے صوفوں پہ ڈالی جہاں چند لڑکیاں قطار میں بیٹھی تھیں۔

''سر... آپ کی سیکرٹری کی پوزیشن کے لیے چند امیدوار آئے ہیں۔''

''کیوں؟''

”کیونکہ....“ نوجوان گڑبڑایا اور آواز دھیمی کی۔ ”کیونکہ گزشتہ ہفتے آپ نے غصے میں اپنے سیکرٹری کو فائر کر دیا تھا۔“

ماہر فرید نے کوفت سے اس طرف دیکھا۔ ایک نئی مصیبت۔

وہاں چار لڑکیاں قریب قریب بیٹھی تھیں۔ ہاتھوں میں فائلز‘ فولڈرز پکڑے وہ اسی کو دیکھ رہی تھیں۔ کچھ نروس۔ کچھ امید سے۔ اس کی نگاہوں نے چند سیکنڈ میں ان سب کو اسکین کیا۔ ایک سے دوسری‘ دوسری سے تیسری۔

پھر واپس اسسٹنٹ کی طرف مڑا۔

”باقی سب کو گھر بھیج دو اور پونی والی کو میرے آفس میں۔“

اسسٹنٹ نے چونک کے تیسرے نمبر پہ بیٹھی اونچی پونی والی لڑکی کو دیکھا جس کی سیاہ آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔ وہ بھی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔

”آپ نے اتنی جلدی فیصلہ کر لیا؟“ وہ پریشان ہوا۔

"اس کے جوتے دیکھو۔ اسے نئے جوتے خریدے عرصہ ہو گیا ہے۔ اسے جاب چاہیے۔ وہ ٹک کے کام کرے گی اور نخرے نہیں کرے گی۔ اور مجھے اس پہ کم سے کم غصہ آئے گا۔“ پھر رک کے اسسٹنٹ سے پوچھا۔

”اس کا نام کیا ہے؟“

اشارہ پونی والی کی طرف تھا۔

”سبرینہ۔“ اس نے فائل سے دیکھ کے سرگوشی میں بتایا۔ وہ سر ہلا کے آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ اگلی سہ پہر کا ذکر ہے۔

اوشن کے کچن میں اس وقت بہت سی خوشبوئیں اور دھوئیں بکھرے تھے۔ وہ سر پہ کیپ باندھے‘ کمر پہ ہاتھ باندھے کاؤنٹر کے پیچھے سے گزر رہی تھی۔ گردن ترچھی کیے نظریں کام کرتے شیف ز کے ہاتھوں پہ جمی تھیں۔ وہ خاموشی اور مہارت سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ کہیں چھرے سے کچھ کٹ رہا تھا، کہیں بلینڈر چل رہا تھا۔

”مالا...“ کچن کا دروازے سے رامین کے ہئیر بینڈ والے سر نے اندر جھانکا۔

وہ چونکی۔ پھر تیزی سے اس طرف آئی۔

”کچھ چاہیے تمہارا مین؟“ وہ کبھی یوں کچن میں داخل نہیں ہوتی تھی۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔

''مجھے نہیں لیکن آپ کی بیسٹ فرینڈ کو ضرور کچھ چاہیے۔''

''کیا؟''

''تھوڑی سی sanity ''اس نے کنپٹی کے قریب انگلی لے جا کے دائرہ بنایا۔ وہ لپک کے باہر آئی۔ ہال عبور کر کے گلاس ڈور کھولا تو برآمدے میں آنے سے پہلے ہی ساری کہانی سمجھ میں آ گئی۔

آج علیزے کے ساتھ ایک دوسری لڑکی بھی موجود تھی۔ سامنے ایک ویٹر سر جھکائے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ اور وہ ہاتھ اٹھا کے اونچا اونچا کہہ رہی تھی۔

''اندھے ہو گیا؟ میرا ڈریس برباد کر دیا ہے۔''

لان میں بیٹھے مہمان گردنیں موڑ موڑ کے اسے دیکھنے لگے۔ کشمالہ قریب آ کے کھنکھاری۔ پھر ایک نظر علیزے کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔

''کیا ہوا علیزے؟'' نرمی سے پکارا اور بیرے کو جانے کا اشارہ کیا۔

''ایک منٹ ... یہ کہاں جا رہا ہے؟ اس سے کہو مجھ سے معافی مانگے۔'' وہ آج گلابی رنگ کا سلکی گاؤن پہنے ہوئے تھی۔ گردن میں موتیوں کی چند مالائیں تھیں اور میک اپ سے لبریز چہرہ جو سرخ پڑ رہا تھا۔ اسے ہلکا ہلکا پسینہ بھی آ رہا تھا اور تنفس بے ترتیب تھا۔ اس تنفس سے اٹھتی مخصوص مہک وہ سونگھ سکتی تھی۔

''مجھے تمہارا ڈریس خراب نہیں ہوا۔ مجھے ایک بھی داغ نظر نہیں آ رہا۔ میں دوبارہ کافی بھجوا دیتی ہوں۔'' تحمل سے کہہ کے وہ واپس برآمدے تک آئی۔ علیزے پیچھے سے زور سے چلائی تھی۔ لیکن اس نے نظرانداز کیا۔

آج سفید بالوں والے صاحب اپنی مخصوص کرسی پہ بیٹھے تھے۔ سامنے لیپ ٹاپ رکھا تھا اور نظریں اسکرین پہ نہیں تھیں۔ ہاتھ میں ایک سفید ڈبیا پکڑے وہ کچھ سوچ رہے تھے وہ قریب سے گزری تو وہ دھیرے سے بولے۔

''آپ اس کی shallow ego کی تشفی کے لیے خود کافی نہیں بنائیں گی؟''

آواز پہ وہ ان کی جانب گھومی۔ وہ ڈبیا رکھ کے اب ایک کتاب اٹھا رہے تھے۔

''آپ نے ابھی تک میری اس بات کو معاف نہیں کیا۔'' پھر مسکرا کے سر ہلایا۔ جیسے شکست تسلیم کی ہو۔

''چلیں میں معافی مانگتی ہوں۔ مجھے اس روز یہ بات آپ سے نہیں کہنی چاہیے تھی۔''

''آپ نے چھ ماہ بعد تسلیم کر کے میری shallow ego کی تسکین کر دی۔'' وہ مسکرائے نہیں بس کتاب پہ نظریں جمائے رکھیں۔ وہ اوشن ریلیکس ہونے آتے تھے۔ چند کالز کیں۔ تھوڑا سا کام کیا۔ لیکن آج وہ ریلیکسڈ

نہیں لگ رہے تھے۔ کچھ مختلف تھا۔

''یہ لو... اب ہو گیا میرا ڈریس تباہ۔'' علیزے کی آواز نے اسے چونکایا۔ وہ تیزی سے ایڑیوں پہ گھومی۔ علیزے نے کافی کا آدھا کپ اپنی قمیض کے دامن پہ الٹ دیا تھا۔ جہاں بہت سے لوگوں کے منہ کھل گئے وہاں وہ بھی شل رہ گئی۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ جیسے ہوش میں آئی۔

''تم لوگ مجھے بے عزت کر رہے ہو۔ اب دیکھو میں تمہارے ساتھ کیا کرتی ہوں۔'' علیزے اب اونچا اونچا چلاتی فون پہ بٹن دبانے لگی۔ لوگ کھانا چھوڑ کے تماشا دیکھنے لگے تھے۔

''اس کو روکیں مالا۔ سیکیورٹی سے کہہ کے اس کو نکالیں ریستوران سے۔'' رامین دبا دبا سا بولی۔ لیکن وہ برآمدے کے دہانے پہ آئی اور سکون سے بلند آواز میں سب کو مخاطب کیا۔

''آپ سب نے دیکھا ہے کہ ہم نے علیزے میڈم کے ساتھ کچھ نہیں کیا۔ جو کیا ہے انہوں نے خود کیا ہے۔ آپ سب سے میری درخواست ہے کہ آپ سکون سے کھانا ختم کریں۔ مجھے امید ہے کہ علیزے جلد کول ڈاؤن ہو جائیں گی۔''

پھر وہ اندر آئی۔ فرنٹ ڈیسک پہ اسٹاف کے لوگ اکٹھے ہو رہے تھے۔ جونیئر مینیجر سامنے آیا اور پریشانی سے اس کو مخاطب کیا۔

''یہ ہمارے مہمانوں کو بھگا دے گی۔ اس کو باہر نکلوائیں۔''

''ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ high ہے۔ یہ پہلی دفعہ نہیں ہے جب اس شہر کے کسی ریستوران میں ایسا ہوا ہو گا۔ یہ ٹرینڈ بنتا جا رہا ہے۔'' اس نے مضطرب انداز میں گلاس وال کے پار دیکھا۔ وہ اب فون پہ اونچا اونچا چلاتی کچھ کہہ رہی تھی۔

''پچھلے ایک سال میں دو ریستوران اور ایک سیلون اسی طرح بند ہوئے ہیں۔ سوشلائیٹس ہائی ہو کے آتی ہیں اور تماشہ کرتی ہیں۔ اگر ہم نے اس کو ہاتھ لگایا تو پولیس کیس بنے گا۔ جب تک ہم اس کو ہاتھ نہیں لگائیں گے' ہم بے قصور رہیں گے۔'' وہ سمجھا رہی تھی۔

''ہمارے ریستوران پہ ایک برا وقت آ چکا ہے۔ یہ ایک امیر اور با اثر آدمی کی بہو ہے۔ ہم اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہمیں صرف پرسکون رہنا ہے۔ یہ تھک کے خود ہی چلی جائے گی۔''

''یا یہ پولیس بلا لے گی۔'' مینیجر بے چینی سے بولا۔

کشمالہ نے گہری سانس اندر کھینچی۔ اسے بھی اسی بات کا ڈر تھا۔

"کہانا۔ جب تک ہم اس کو ہاتھ نہیں لگائیں گے' پولیس کیس نہیں بنے گا۔ اس لیے کوئی اس کے قریب نہیں جائے گا۔"

وہ باہر آئی اور برآمدے میں ایک مرکزی مقام پہ کرسی رکھ کے بیٹھ گئی۔ اب یہاں سے وہ لان میں ہونے والا تماشہ دیکھ سکتی تھی۔ اردگرد کے لوگ بل منگوا رہے تھے۔ جلدی جلدی کھانا ختم کر رہے تھے۔ کوئی بھی تماشے کا حصہ نہیں بننا چاہتا تھا۔

"وہ اپنے شوہر کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کر رہی ہے۔" مالک فرید نے کتاب سے نگاہیں اٹھائے بغیر کہا۔

ادھر علیزے اب فون پہ اونچا اونچا کہہ رہی تھی۔ "فائز ... پلیز آپ ادھر آئیں... یہ دیکھیں ریستوران والے میرے ساتھ کیا کر رہے ہیں۔"

"جانتی ہوں۔ عورتوں کی بدترین قسم۔" وہ سینے پہ بازو لپیٹے بیٹھی سامنے دیکھ رہی تھی۔

"آج آپ کے کیرئیر کا اہم ترین دن ہے۔" وہ کتاب کا صفحہ پلٹ رہے تھے۔ "آج شام ہونے سے پہلے ریستوران اونر آپ کو جاب سے نکال دے گا یا آپ پولیس اسٹیشن میں بیٹھی ہوں گی۔"

"میں تیار ہوں۔" وہ مسکرائی۔ گردن سیدھی رکھے وہ پرسکون تھی۔ "میں نے اسکول میں ایک لمبا عرصہ اس کی bullying برداشت کی ہے۔ میں اس کو مزید خود کو نقصان نہیں پہنچانے دوں گی۔" رامین بھی دیگر مہمانوں کی طرح ہاتھ روکے بیٹھی علیزے کو گھور رہی تھی۔

"مالا آپ مجھے اجازت دیں۔ میں اس کو کان سے پکڑ کے اوشن سے باہر پھینک آؤں۔"

"نہیں رامین۔ بس خاموش رہو۔"

وہ ابھی تک اپنے شوہر کے ساتھ فون پہ لگی تھی۔ پھر اس نے موبائل رکھا اور فخریہ ان سب کو دیکھا۔

"میرا شوہر پولیس لے کر آ رہا ہے۔" ساتھ ہی اس نے سیل فون کیمرہ آن کر لیا۔ "اب میں تم سب کو پوری دنیا میں بدنام کروں گی۔" اس نے ویڈیو کیمرہ آن کر دیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے چند منٹ میں اوشن خالی ہو چکا تھا۔ سوائے اسٹاف کے جو برآمدے میں قطار میں کھڑا تھا۔ رامین اور مالک صاحب کے سوا سب جا چکے تھے۔ علیزے اب لان میں چکر کاٹ رہی تھی۔ اس کا شوہر ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ کسی

نے ظہیر کو اطلاع کر دی تھی۔ وہ امریکہ گیا ہوا تھا۔ اوقات میں دن رات کا فرق تھا۔ پھر بھی وہ مسلسل کالز کیے جا رہا تھا۔ لیکن مالا اب اس کی کال نہیں اٹھا رہی تھی۔ ظہیر کو گراؤنڈ پہ ہونے والی سچوئیشن کا اندازہ نہیں تھا۔ اس وقت جو فیصلہ کرنا تھا' اُسے کرنا تھا۔

''آپ پھنس چکی ہیں۔''

سفید بالوں والے صاحب اب اپنی کتاب رکھ کے اس کی طرف متوجہ ہوئے جو اسی طرح بیٹھی تھی۔

''جانتی ہوں لیکن میں اس کو تھکانا چاہتی ہوں۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے اس طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے اور چہرہ سپاٹ تھا۔ وہ ہر چند منٹ ایک گہری سانس اندر کھینچ کے باہر نکالتی اور اعصاب ڈھیلے ہونے لگتے۔

''وہ نہیں تھکے گی۔'' انہوں نے تبصرہ کیا۔

دفعتاً علیزے دوڑ کے دروازے کی طرف گئی۔ اس کا شوہر اندر داخل ہو رہا تھا۔ فون ہاتھ میں لیے وہ حیران پریشان بھی تھا اور غصے میں بھی۔

''میں ان سے بات کرتا ہوں۔'' وہ اٹھنے لگے تو مالا نے چونک کے گردن اٹھائی۔

''میں اپنی لڑائی خود لڑ سکتی ہوں' آپ کو درمیان میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ فائن ہے۔ میں اس کی فیملی کو جانتا ہوں۔ یہ میری بات سن لے گا۔''

زینے اتر کے وہ لان تک گئے۔ رامین تیزی سے اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ وہ اضطراب سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ زیر لب علیزے کو بہت سے القابات سے بھی نواز رہی تھی۔

سفید بالوں والے صاحب اب علیزے کے شوہر سے بات کر رہے تھے۔ وہ روتی ہوئی علیزے کو کندھے سے لگائے مسلسل نفی میں سر ہلاتے ہوئے کچھ کہہ رہا تھا۔

''میں یہاں سب کو دیکھ لوں گا۔''

کچھ دیر بعد وہ اپنی بیوی کو لے جاتے ہوئے انگلی اٹھا کے اونچا سا بولا۔ وہ دونوں دروازے سے باہر نکل گئے تو کشمالہ نے گہری سانس خارج کی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ معاملہ ابھی ختم نہیں ہوا۔

''وہ پولیس کو بلا چکے ہیں۔ وہ اسے گھر لے کر جا رہا ہے اور پولیس پہنچنے والی ہے۔'' مالک فرید واپس آتے دکھائی دیے۔ ان کا چہرہ ویسا ہی تھا۔ بے تاثر۔

''آپ نے تو کہا تھا آپ اس کی فیملی کو جانتے ہیں۔'' رامین خفگی سے بولی۔ انہوں نے ایک نظر اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا' پھر شانے اچکا دیے۔

''میرا بھتیجا اس کو جانتا ہے۔ میں اس سے بات کروں گا۔ لیکن فی الوقت پولیس آ رہی ہے۔ آپ دونوں....'' رامین کی طرف اشارہ کیا۔'' یہاں سے نکل جائیں۔ اپنے گھر مت جائیں۔ وہ وہیں سب سے پہلے جائیں گے۔''

''میں اوشن کو چھوڑ کے نہیں بھاگوں گی۔ میں پولیس سے بات کروں گی۔'' اس کا لہجہ اٹل تھا۔ رامین نے دہل کے دیکھا۔

''مالا... پلیز... ہم پولیس اسٹیشن نہیں جا سکتے۔ میرے اماں ابا مجھے مار ڈالیں گے۔''

''تم ایسا کرو' تم اپنی خالہ کے پاس جاؤ۔ میں....''

''میں آپ کو چھوڑ کے نہیں جاؤں گی۔ ہم ساتھ جائیں گے۔''

''چھوٹی لڑکی ٹھیک کہہ رہی ہے۔ آپ کچھ وقت کے لیے غائب ہو جائیں۔ معاملہ ٹھنڈا ہو جائے تو واپس آ جایئے گا۔ ورنہ آج رات آپ کی تھانے میں کٹے گی۔''

''میں نہیں بھاگوں گی۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں عدالت تک اس کا مقابلہ کروں گی۔ میں دشمن نہیں بناتی لیکن اگر بنا لوں تو ان کو آخری حد تک لے کر جاتی ہوں۔ ہم اسکول میں نہیں ہیں۔ اور میں کمزور نہیں ہوں۔''

انہوں نے پیچھے کو ٹیک لگائی اور گہری سانس لے کر افسوس سے اسے دیکھا۔

''اگر ایک دفعہ آپ پولیس اسٹیشن چلی گئیں تو زندگی اس معاشرے میں بہت مشکل ہو جائے گی۔''

اس بات پہ وہ ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گئی۔

''مالا وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ چلو نکلو۔''

''کہاں جائیں گے ہم اس وقت؟'' وہ جھلائی۔ اضطراب اب اعصاب پہ چھانے لگا تھا۔

''یہ میرے ہوٹل کا سوئیٹ ہے۔'' مالک فرید نے جیب سے ایک کارڈ نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔'' آپ وہاں میرا انتظار کریں۔ میں پولیس سے بات کر کے وہیں آ جاؤں گا۔'' پھر بغور اسے دیکھا جو شش و پنج میں لگ رہی تھی۔

''بہادری اچھی چیز ہے لیکن عقلمندی اس سے بھی اچھی چیز ہے۔''

رامین نے اس سے پہلے کارڈ پکڑ لیا۔

''چلو مالا....''

وہ دونوں ایک ساتھ اندر ہال کی طرف بڑھیں۔ مالا نے ایک نظر پلٹ کے انہیں دیکھا۔ وہ اب واپس کرسی پہ بیٹھ رہے تھے۔ ٹیک لگا کے کتاب اٹھالی۔ پسِ منظر میں دور پولیس کے سائرن سنائی دے رہے تھے۔ اور وہ بالکل پرسکون تھے۔

''تھینک یو۔'' وہ زیر لب بڑبڑائی۔ آج اسے سمجھ میں آیا تھا کہ ان کو کونٹ ملک کیوں پسند تھا۔

وہ دونوں اب عقبی دروازے سے باہر کی طرف جا رہی تھیں۔

''ایک منٹ.... انہوں نے مجھے چھوٹی لڑکی میرے قد کی وجہ سے کہا؟'' آدھے راستے میں رامین کو یاد آیا۔ وہ اس کی کہنی کھینچ کے آگے لے گئی۔

''چلو خاموشی سے۔'' وہ برے موڈ میں تھی۔ وہ بھاگنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن ابا کے دوست کی یہ بیٹی اس کے پیر کی زنجیر بن گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوٹل سوئیٹ میں جاسمین کی خوشبو پھیلی تھی۔ یہ خوشبو ہوٹل کی لابی سے لفٹ اور لفٹ سے پانچویں فلور کے اس سوئیٹ تک پہنچتے ہوئے ان کو محسوس ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت ان کی توجہ خوشبو پہ نہیں تھی۔ سوئیٹ خالی تھا۔ ایک طرف بیڈروم کو کھلتا دروازہ تھا جو بند پڑا تھا۔ یہاں ایک سٹنگ روم بنا تھا جس کی دیوار گیر کھڑکی کے سامنے پردے ہٹے تھے اور نیچے سڑک پہ گزرتا ٹریفک دکھائی دیتا تھا۔

وہ سینے پہ بازو لپیٹے دائیں بائیں ٹہل رہی تھی۔ رامین ایک کرسی پہ بیٹھی ناخن چبا رہی تھی۔

''بڑا امیر بندہ ہے یہ۔'' اس کی نظریں اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''ہم نے یہاں آ کے غلطی تو نہیں کر دی؟''

رامین نے قدرے خفگی سے اسے دیکھا۔

''آپ کو زیادہ شوق ہے تھانے جانے کا؟''

''میں بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اتنے سال علیزہ سے ڈر کے زندگی گزاری ہے۔ اب مجھے اس کا مقابلہ...''

دفعتاً دروازہ بیپ کی آواز سے کھلا۔ دونوں نے چونک کے اس طرف دیکھا۔ سفید بالوں والے صاحب اندر

داخل ہو رہے تھے۔ مالا کے لبوں سے ایک گہری سانس برآمد ہوئی۔ اس کے تنے اعصاب ان کے آنے سے ڈھیلے پڑنے لگے تھے۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے مخصوص صوفے پہ بیٹھے تھے۔ اور مالا سامنے اسی اونچی کرسی پہ جہاں ایک روز پہلے رابیل بیٹھی تھیں۔

''علیزے اور اس کا شوہر پولیس کیس کرنے جا رہے ہیں۔ میں نے ان کو سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ راضی نہیں ہوئے۔'' انہوں نے ایک لمبا وقفہ دیا۔ مالا نے بغور ان کا چہرہ دیکھا۔

''لیکن؟'' اسے معلوم تھا ایک ''لیکن'' آ رہا ہے۔

''لیکن علیزے کا کہنا ہے کہ اگر آپ اس کے گھر جا کے اس سے معافی مانگ لیں تو وہ اس بات کو ختم کر دے گی۔''

رامین کے دونوں ابرو بے یقینی سے اٹھے۔

''اوہ ہیلو... معافی کس چیز کی؟ ہنگامہ آرائی اس نے کی۔ کپ اس نے توڑا۔ پندرہ سو کا کپ ہو گا وہ اور...''

انہوں نے کوفت سے اسے دیکھا جو مالا کے پیچھے کھڑی بولتی جا رہی تھی۔ ان کے دیکھنے پہ خاموش ہوئی۔

''کیا آپ اس سے معافی مانگ سکتی ہیں؟''

''میں دوست بنایا کرتی ہوں اور اپنے دوستوں کو کسی قیمت پہ ناراض نہیں کرتی۔ لیکن اگر میں دوست کو دشمن بنا لوں تو اس کو آخری حد تک لے کر جاتی ہوں۔ میں عدالت جاؤں گی اور کیس لڑوں گی۔ اس کو جو کرنا ہے وہ کر لے۔ اور میں نے اپنی وکیل کو کال کر کے اپنی ضمانت کا کہہ دیا ہے۔''

انہوں نے پیچھے ٹیک لگائی اور ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بہت سکون سے اسے دیکھا۔

''میں اپنے بھتیجے سے بات کر سکتا ہوں۔ وہ اس کو سمجھا سکتا ہے۔''

اسلام آباد گویا ایک چھوٹا سا ایلیٹ محلہ تھا جہاں اکثر لوگ اکثر لوگوں کو جانتے ہوتے تھے۔

''آپ کا بھتیجا ایسا کیا کرے گا جو آپ نہیں کر سکے؟'' رامین مشکوک نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

مالک فرید نے شانے اچکائے۔

''وہ لوگوں سے ڈیل کرنے کے معاملے میں مجھ سے بہت اچھا ہے۔ مجھے لوگ زیادہ پسند نہیں کرتے۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں عدالت میں پیش ہوں گی اور اپنا کیس لڑوں گی۔ اس نے یہ سب صرف

میرے ریستوران کو بدنام کرنے کے لیے کیا ہے۔"

"وہ آپ کا ریستوران نہیں ہے۔ آپ اس کی مینیجر ہیں۔ اس کا مالک کسی بھی وقت آپ کو وہاں سے نکال سکتا ہے۔"

مالا ایک لمحے کے لیے چپ ہوگئی۔ البتہ اس صاف گوئی پہ رامین نے خفگی سے انہیں دیکھا۔

" No wonder لوگ آپ کو پسند نہیں کرتے۔"

"میں کڑوا سچ بولتا ہوں۔ آپ کو اچھا لگے یا برا" وہاں سکون ہی سکون تھا۔ "آپ خود کو اگر ریستوران سے علیحدہ کرلیں تو اس معاملے سے نکل سکتی ہیں۔ وہاں کے اسٹاف کو ڈیل کرنے دیں۔"

"جانتی ہوں وہ میرا ریستوران نہیں ہے۔ لیکن میں اپنی ورک پلیس سے وفاداری نبھانے کی قائل ہوں۔ وہ ریستوران میرے پاس ظہیر کی امانت ہے۔ میں اس پہ آنچ تک نہیں آنے دوں گی۔"

وہ اٹھی گردن کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئے۔

"آپ کا شکریہ۔ اس سب کے لیے جو آپ نے ہمارے لیے کیا۔ یقیناً آپ کے پاس کرنے کے لیے زیادہ اہم کام ہوں گے۔" پھر اس نے پرس اٹھایا۔ اور رامین کو چلنے کا اشارہ کیا۔

"کہاں جا رہے ہیں آپ لوگ؟" وہ بھی ساتھ ہی اٹھے۔

"علیزے کے بنائے گئے میس کو فیس کرنے۔"

"ایک منٹ۔" انہوں نے جیب سے کچھ نکالا۔

"میں کل دوہا واپس جا رہا ہوں۔ نہیں جانتا آپ سے دوبارہ کب ملاقات ہوگی۔ لیکن یہ میں آپ کو دینا چاہتا تھا۔" انہوں نے وہ ڈبی اس کی طرف بڑھا دی۔ مالا نے نا سمجھی سے انہیں دیکھا۔ پھر ڈبیا تھام کے کھولی۔

اندر سفید مخمل پہ ایک سیاہ رنگ کی فاختہ جگمگا رہی تھی۔

"یہ کیا ہے؟"

"یہ ایک آدمی نے ایک بہادر عورت کو دیا تھا۔ اور ساتھ میں کہا تھا کہ طوفان سے لڑتی فاختہ اس عقاب سے زیادہ جلدی مضبوط ہو جاتی ہے جو اچھے موسم میں پرواز کا عادی ہو۔"

"آپ یہ مجھے کیوں دے رہے ہیں؟"

"کیونکہ آپ بہادر ہیں۔ بہت اسمارٹ نہیں ہیں لیکن بہادر ہیں۔ اور آپ جب بھی اس کو دیکھیں گی، آپ کو

آج کا دن یاد آئے گا۔ جب آپ نے عقلمندی اور بہادری میں سے بہادری کو چنا تھا۔"

"کیا آپ کے پاس کوئی اور نہیں ہے جس کو یہ دے سکیں؟" وہ قدرے الجھی۔

انہوں نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

"نہیں۔ میرے اردگرد کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کا اہل ہو۔" پہلی دفعہ اسے برف کے مجسمے میں ذرا سی تکلیف ابھرتی دکھائی دی۔ پھر وہ غائب ہوگئی۔ جیسے گلیشیئر میں کچھ دب کے دفن ہو جاتا ہے۔

"تھینک یو۔ میں آپ کے خلوص کی قدر کرتی ہوں لیکن میں یہ نہیں رکھ سکتی۔ میں اجنبیوں سے تحفے نہیں لیتی۔" اس نے نرمی سے کہہ کے ڈبیا واپس میز پہ رکھ دی۔

وہ ہوٹل کاریڈور میں چلتے ہوئے وکیل سے فون پہ بات کررہی تھی جب احساس ہوا کہ رامین پیچھے رہ گئی ہے۔ پلٹ کے دیکھا تو وہ تیز قدموں سے چلتی اس کی رفتار سے ملنے کی کوشش کررہی تھی۔ وہ دونوں لفٹ تک پہنچیں تھیں جب مالا نے موبائل رکھا۔

"یہ لو... آپ کا تحفہ" رامین نے سفید ڈبیا اس کے ہاتھ میں تھمائی۔ وہ چونک گئی۔ پھر اس پہ شدید غصہ آیا۔

"یہ کیوں لیا تم نے ان سے؟"

"کیونکہ کسی کے خلوص کو ناں نہیں کرتے۔ اسپیشلی اگر اس خلوص پہ گولڈ لگا ہوا ہو۔"

لفٹ نیچے جارہی تھی۔ اس نے بے چارگی سے ہاتھ میں پکڑی ڈبیا کو دیکھا اور پھر رامین کو۔

"لیکن فاختہ ہی کیوں؟" وہ ڈبیا کھول کے بڑبڑائی۔

"فاختہ محبت کی نشانی ہوتی ہے۔ امن اور دل کے سکون کی علامت۔ فاختہ گھر بنانے والا پرندہ ہے۔ وہ لڑائیاں نہیں کرتی۔ امن رکھنا چاہتی ہے۔"

"لیکن سیاہ کیوں؟ فاختہ تو سفید یا سرمئی ہوتی ہے۔"

"کیونکہ ہر فاختہ اپنے حصے کی غلطی کرتی ہے۔ لیکن اپنی سیاہی کے باوجود وہ چمکتی ہے۔"

مالا نے گھور کے اسے دیکھا۔

"یہ سب تم نے ابھی ابھی گھڑا ہے۔"

رامین ہنس دی۔ "سمجھو اگلی نظم کا عنوان مل گیا ہے مجھے۔"

"لیکن میں اس کا کیا کروں گی؟ مجھے جیولری کا شوق نہیں ہے۔"

لفٹ کے دروازے کھلے اور وہ دونوں باہر نکلیں۔

''آپ اس کو اس دن پہننا جب آپ کو محبت مل جائے۔ اور دل میں سکون ہو۔''

وہ دونوں اب ہوٹل لابی عبور کر رہی تھیں۔

اپنے کمرے میں بیٹھے مالک فرید اب فون اٹھائے آڈیو میسجز ریکارڈ کر رہے تھے۔

''فاریہ میں تمہارے سسرال کے مسئلے حل نہیں کر سکتا۔ یہ مسئلے تمہیں خود حل کرنے ہیں۔ تم جو بھی فیصلہ کرو' میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

پھر اگلی چیٹ کھولی اور موبائل چہرے کے قریب کیے کہنے لگے۔

''میں تمہارے شوہر کے اچھے کیریئر کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتا ہوں۔ لیکن فرید ہولڈنگ کے لیے وہ غیر موزوں ہے۔ اس سلسلے میں تم ماہر سے بات کرو۔''

پھر تیسری چیٹ کو دبایا۔

''زارا میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ماہر کے معاملے میں میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ کی تھی۔ اب بس مزید نہیں۔ اس مسئلے کو خود حل کرو۔ مجھے رونے دھونے والی کمزور لڑکیاں نہیں پسند۔'' ایک نظر خالی کرسی پر ڈالی۔ ''میری بیٹی کو کم از کم اتنا مضبوط ہونا چاہیے جتنی میری ماں تھی۔''

اگلا میسج انہوں نے رابیل کے لیے ریکارڈ کیا۔ الفاظ واضح اور صاف تھے۔

''میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں تم پر اعتبار نہیں کرتا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ماہر فرید کے آفس میں ہیٹر نے ماحول کو گرم بنا رکھا تھا۔ باہر آج ٹھنڈ پہلے سے زیادہ تھی۔ ایسے میں وہ اپنی مرکزی کرسی پہ بیٹھا' گرافک ٹیبلیٹ پر پین کی مدد سے لکیریں کھینچ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں تلے حلقے تھے۔ اور بال قدرے بکھرے ہوئے تھے۔ گاہے بگاہے وہ ایک نگاہ ہلال پہ بھی ڈال لیتا تھا۔ وہ دو روز قبل پاکستان سے آئی تھی۔ اور آج صبح سے اس کے آفس میں موجود تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اسے کام کرنا ہے تو ہلال بھی اپنی اسکیچ بک ساتھ لے آئی تھی اور اب سامنے کاؤچ پہ ٹیک لگائے بیٹھی' پنسل سے کچھ بنا رہی تھی۔ لمبے گھنگریالے بال کندھوں پہ آبشار کی طرح گر رہے تھے۔

''ماہر...''

مردانہ آواز میں کسی نے دھیرے سے پکارا۔ اس نے چونک کے اطراف میں دیکھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ لیکن آواز موجود تھی۔ اس آواز میں طنز تھا۔ شرارت تھی۔

اس نے بہت ساتھوک نگلا اور سر جھٹک دیا۔ اس نے کچھ نہیں سنا۔ یہ اس کا دماغ ہے جو اس کے ساتھ گیم کھیل رہا ہے۔ یہ سب اس کا وہم ہے۔

''سر میں آ جاؤں؟''

دروازہ دستک سے کھلا اور اونچی پونی ٹیل والی لڑکی نے اندر جھانکا۔

''تم آ چکی ہو سبرینہ۔''

وہ مسکرا کے اندر آئی جیسے اس کے لہجے کی تلخی کا اثر نہ لیا ہو۔ ہاتھ میں کچھ کاغذ تھے جو اس نے سامنے میز پہ رکھے اور پین اس کی طرف بڑھایا۔

ہلال نے ابھی تک چہرہ نہیں اٹھایا تھا۔ سر جھکائے پنسل کاغذ پہ رگڑ رہی تھی۔

''مالک سر کی کال آئی ہے کئی دفعہ۔ ایک عدالتی مسئلہ ہے اور آپ فریق کو جانتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپ ان سے بات کرلیں۔''

''کیا یہ کمپنی کا مسئلہ ہے؟''

''نہیں۔ ان کی کسی جاننے والی لڑکی کا معاملہ ہے۔''

''پھر میرے پاس وقت نہیں ہے۔ مالک صاحب سے کہو مجھے تنگ نہ کریں۔'' وہ عجیب چڑ چڑا سا لگ رہا تھا۔ دھڑا دھڑ سائن کیے اور کاغذ اس کی طرف بڑھائے۔ سبرینہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ وہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

''سر آپ کو سچائی پسند ہے نا؟ ایک سچی بات کہوں؟ برا تو نہیں مانیں گے؟''

''اگر مان لیا تو تمہاری نوکری ختم۔'' اس کی نظریں اسکرین پہ تھیں۔ وہ دھیرے سے ہنس دی۔

''میرے اندر بہت حوصلہ ہے۔ میری نوکری آپ ختم کر ہی نہیں سکتے۔'' ہنستے ہوئے سر جھلایا۔ پونی دائیں بائیں ہلی۔

''کہو۔'' وہ ہاتھ روک کے اسے سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔

سبرینہ نے بند مٹھی سامنے کی اور اس کی میز پہ بکھیر رکھا۔ مٹھی اٹھائی تو وہ چونکا۔ وہ ایک چھوٹی سی تسبیح تھی۔ جس کے

دانے نیلے پتھروں سے بنے تھے۔ ماہر نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''میں جب سے آئی ہوں' آپ کو پریشان اور اسٹریس میں دیکھا ہے۔ اس لیے یہ آپ کی میز پہ چھوڑ رہی ہوں۔ میری دادی نے مجھے بہت بچپن سے تسبیح کی عادت ڈالی تھی۔ تسبیح زندگی کے ہر مسئلے سے آپ کو نکال لیتی ہے۔ تسبیح ہماری زندگیوں کا ایک بہت بڑا تحفہ ہے۔ اس لیے آپ بھی اس کو ٹرائی کر سکتے ہیں۔ یہ آپ کی مدد کرے گی۔''

اس نے ایک سنجیدہ نظر تسبیح پہ ڈالی اور دوسری اس پر۔ جیسے کہہ رہا ہو... رئیلی؟

''اگر آپ اس کو ہٹا دیں گے تو میں دوسری رکھ دوں گی۔ بے شک مت پڑھیں لیکن اس کو یہاں رہنے دیں۔ کبھی نہ کبھی آپ کو اس کی ضرورت پڑھے گی۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے وہ نرمی سے بولی۔ اس کا چہرہ شفاف تھا۔ آنکھیں بڑی اور تاثرات شفاف۔ جیسے پانی ہو۔

کوئی اور ہوتا تو اسے ایک آدھ تھپڑ لگ چکا ہوتا لیکن کچھ تھا سبرینہ میں جو دوسروں میں نہیں تھا۔

ماہر فرید نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کہا کچھ نہیں۔ اور واپس ٹیبلیٹ کی طرف متوجہ ہوا۔

''ماہر...'' وہی طنزیہ چھیڑتی سرگوشی قریب میں سنائی دی۔ سبرینہ اب جا چکی تھی۔ اور کمرے میں خاموشی تھی۔ صرف ہلال کی پنسل کی آواز آرہی تھی۔

''ماہر...'' دوبارہ سے آواز سنائی دی۔ اس کی انگلیوں میں کپکپاہٹ در آئی لیکن اس نے چہرہ نہیں اٹھایا۔ یہ کچھ نہیں تھا۔ اس کا وہم تھا۔ وہ کسی بہتر تھیراپسٹ کے پاس جا کے دوا لے گا جس سے اس کو یہ آوازیں نہیں آئیں گی۔

اس کی رنگت بدل رہی تھی اور انگلیوں پر پسینہ آرہا تھا لیکن وہ سر جھکائے لکیریں کھینچتا رہا۔

''You should answer him۔''

صوفے پہ سر جھکائے بیٹھی ہلال دھیرے سے بولی۔

ماہر فرید کی انگلیاں تھم گئیں۔ ایک لمحے کے لیے ساری دنیا رک گئی۔

اس نے بے یقینی سے چہرہ اٹھایا۔

وہ اسی طرح گردن ترچھی کیے رنگ بھر رہی تھی۔

''کیا؟'' اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے جو سنا' وہ ٹھیک تھا یا نہیں۔

''میں نے کہا کہ اس کو جواب دے دیں۔ وہ آپ کو تین دفعہ پکار چکا ہے۔'' ہلال نے چہرہ اٹھا کے اسے

دیکھا۔ساڑھے سات سالہ ہلال کی بھوری آنکھوں میں زمانے بھر کی سادگی تھی۔

وہ اگلا سانس نہیں لے سکا۔ جہاں تھا وہیں بیٹھا رہ گیا۔ جیسے پتھر کا مجسمہ ہو۔

''تت... تم وہ آواز سن سکتی ہو؟''

ہلال نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ کرنٹ کھا کے اٹھا اور دوڑتے قدموں سے صوفے تک آیا۔ پھر اس کے قریب زمین پہ پنجوں کے بل بیٹھا اور بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''ہلال ... تم یہ آوازیں سن سکتی ہو جو مجھے سنائی دیتی ہیں؟''

وہ پلک تک نہیں جھپک پا رہا تھا۔

''ہوں۔'' اس نے آنکھیں جھپکائیں۔

''تمہیں خوف نہیں آتا؟ ان آوازوں سے جن کو بولنے والا دکھائی نہیں دیتا؟'' اس کی رنگت خوف سے سفید پڑ رہی تھی۔

''نہیں۔'' ہلال نے آرام سے دائیں بائیں گردن ہلائی۔

''کیونکہ وہ مجھے نظر آ رہا ہے۔''

وہ ہل نہیں سکا۔

ہلال نے چہرہ اس کے کان کے قریب کیا۔ اور جب بولی تو آواز سرگوشی میں تھی۔

''وہ بک شیلف پہ رکھے سیاہ گھوڑے میں چھپا ہوا ہے۔ وہ وہاں سے آپ کو ہر وقت دیکھتا ہے۔''

وہ کرنٹ کھا کے پلٹا۔ بک شیلف میں رکھا سیاہ شطرنج کے گھوڑے کا مجسمہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں... نہیں... یہ کیسے...'' اس کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔

''کیا میں اس سے بات کروں؟'' وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

وہ وہیں زمین پہ بیٹھ گیا۔ گھٹنے سینے سے لگا لیے۔ گردن خود بخود اثبات میں ہلی۔

''کیا تم اس سے بات کر سکتی ہو؟''

ہلال نے سر اوپر نیچے ہلایا۔

''وہ مجھ سے ڈرتا ہے۔ وہ سب مجھ سے ڈرتے ہیں۔''

پھر اس نے چہرہ اوپر کیا اور بک شیلف کی طرف دیکھا۔ اس کی نظریں کسی نادیدہ شے پہ مرکوز تھیں۔

''جاؤ یہاں سے۔ میرے بھائی کو تنگ مت کرو۔ Go away'' نرمی سے پکارا۔ پھر چہرہ اس کی طرف واپس موڑا۔ جو سینے سے گھٹنے لگائے خوفزدہ سا بیٹھا تھا۔

''وہ چلا گیا ہے۔ آپ اس گھوڑے کو پانی میں پھینک دو۔'' اس نے واپس کلرنگ بک اٹھالی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ وہ گرم ہے۔ پانی میں ٹھنڈا ہو جائے گا۔''

وہ اب سر جھکائے رنگ بھر رہی تھی۔ اسکیچ بک پہ ایک ٹاور بنا تھا جس کے اوپر کھڑکی میں رلپنزل کھڑی تھی اور اس کے لمبے بال ٹاور سے نیچے لٹک رہے تھے۔

''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہے ہلال؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ رنگت بدستور اڑی ہوئی تھی۔

ہلال شمس نے بھوری آنکھیں نگاہیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ پھر وہ دھیرے سے مسکرائی اور ہلکے سے کندھے اچکائے۔

''آئی ڈونٹ نو۔'' چہرہ جھکا کے وہ اب رلپنزل کے بالوں میں رنگ بھرنے لگی۔

اس نے راپنزل کے بال گھنگھریالے بنائے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

موجودہ حال۔

جدہ۔ منطقہ مکہ۔

اپارٹمنٹ کے لونگ روم میں ٹی وی خاموش آواز کے ساتھ چل رہا تھا۔ بڑے صوفے پہ وہ دونوں بیٹھی تھیں۔ درمیان میں پیالے میں ڈرائی فروٹ رکھے وہ پیر اوپر کیے ہوئے تھیں۔ مالا نے ایک بازو کشن پہ پھیلا رکھا تھا اور مسکرا کے اس سے پوچھ رہی تھی۔

''تم شادی کے بعد جدہ شفٹ ہوئی تھیں نا۔ کیسا ہے تمہارا شوہر؟''

''بس ٹھیک ہی ہے۔'' زامین نے بدمزگی سے چائے کا کپ منہ سے لگایا۔ ''بس میرا پاکستان میں جو سسرال ہے

نا اس کو خوش کرنے کے چکر میں لگا رہتا ہے۔ میری نند ہر وقت اس کوشش میں ہوتی ہے کہ میرا ہر دن اسپائل کر سکے۔ ہر وہ چیز جو مجھے خوش کرے، اس کو لوگ خراب کر دیتے ہیں۔ اوپر سے سارا سسرال ناراض ہے کہ میں یہاں کیوں رہتی ہوں۔ پاکستان میں کیوں نہیں۔ بھئی میری شادی میرے شوہر سے ہوئی ہے یا اس کے گھر والوں سے۔"

"چچ... اور تمہاری شاعری؟"

"ختم ہوگئی سب شاعری واعری۔ سب شادی سے پہلے کے چونچلے ہوتے ہیں۔ ایک کتاب سیلف پبلیش کی تھی۔ آگے کسی نے کچھ نہیں کرنے دیا۔"

"کیا پابندی لگائی ہے؟" اسے اچنبھا ہوا۔

"نہیں یار۔ بظاہر سب کہتے ہیں کہ ہاں کر لو جو کرنا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ ذمہ داریوں کا اتنا بوجھ ڈال دیتے ہیں کہ انسان کوئی کام ہی نہ کر سکے۔ پھر میرا سسرال انٹرفیئر بہت کرتا ہے۔ ہارون ویسے ٹھیک رہتا ہے لیکن ماں بہن کی کال آجائے تو بس موڈ آف کر لیتا ہے۔ میرے اندر کیڑے نظر آنے لگتے ہیں۔ ان کے ساتھ بیٹھ کے بالکل مختلف انسان لگتا ہے۔ آپ بتاؤ آپ کے husband کیسے ہیں؟"

"زیاد بہت اچھا ہے۔ ہر چیز کو بیلنس رکھتا ہے۔" وہ مسکرا کے بولی۔ "ہمارے ایک دو ایشوز ہوئے تھے شروع میں۔" نگاہ انگلی میں پہنی موتی کی انگوٹھی پہ جا ٹھہری۔ "لیکن اس نے ان کو حل کر لیا۔ وہ کوشش کرتا ہے کہ مجھے تکلیف نہ ہو۔ وہ مجھے کمفرٹیبل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس کے گھر کا ماحول ٹاکسک تھا، اس لیے وہ چاہتا ہے کہ ہم میرے ساس سسر سے دور رہیں۔ اب ہم یہاں آکے ایک نئی دنیا بسا رہے ہیں۔"

"آپ کے سسرال والے انٹرفیئر نہیں کرتے؟" رامین کو حیرت ہوئی۔

"نہیں۔" اس نے مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔ "انہوں نے زیاد کے فیصلے کو قبول کر لیا ہے۔"

"خوش قسمت ہو آپ۔ ایسا سسرال کم لوگوں کو ملتا ہے۔" پھر اس کی گردن میں پہنی فاختہ کو دیکھا۔ "یہ کب پہننا شروع کی؟"

"جس دن زیاد نے مجھے خاص بات کرنے کے لیے ریستوران میں بلایا کے پروپوز کیا۔ یہ میں نے اسی دن پہنی تھی۔ یہ میرا گڈ لک چارم ہے۔"

رامین مسکرائی پھر جیسے کچھ یاد آیا۔

''آپ کبھی ان سے دوبارہ ملیں؟ کیا نام تھا ان کا؟''

''ملک یا مالک کر کے کچھ تھا۔'' اس نے سمجھ کے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اور نہیں۔ وہ دوبارہ کبھی نہیں آئے۔ نہ کبھی ان کا ذکر سنا۔ شاید سنا ہو لیکن دھیان نہیں دیا۔ کیونکہ اس نام کے بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔''

''ویسے وہ دوبارہ کیوں نہیں آئے؟''

''کیونکہ وہ گلٹی تھے۔'' اس نے مسکرا کے کپ لبوں سے لگایا۔ رامین نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''گلٹی کیوں؟''

''یہ ان کی ماں کا تھا۔ ایک مرد صرف اپنی ماں کو ہی بہادر عورت کہہ سکتا ہے۔'' اس نے سیاہ فاختہ کو دو انگلیوں سے چھوا۔ ''اور انہوں نے اس کو ایک اجنبی لڑکی کو تھما دیا حالانکہ یہ ان کی بیٹی کو ملنا چاہیے تھا۔ وہ اپنی بیٹی سے شرمندہ ہوں گے۔ یا بہن سے۔ یا کسی ایسی لڑکی سے جو اس کی حقدار تھی۔''

''لیکن مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس بروچ کا لاکٹ بنا لیا۔'' وہ مسکرائی۔ ''میں تو محبت کا انتظار کرتی رہی۔ ایک اچھا آپشن ملا لیکن وہاں شادی نہیں ہو سکی۔'' وہ اداس ہوئی۔ ''شادی جس سے ہوئی وہ ویسا نہیں ہے جیسا سوچا تھا۔ نہ پھول لاتا ہے نہ ایسے محبت کا اظہار کرتا ہے جیسے انسٹاگرام پہ کپلز کرتے ہیں۔''

چند لمحے کے لیے لونگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ دونوں گونگے ٹی وی پہ نظر آتے مناظر دیکھنے لگیں۔

''ویسے مالا .... کیا اتنے برس میں زیاد کے سوا آپ کی زندگی میں دوسرا کوئی آپشن نہیں آیا؟ کوئی ایسا جس کے لیے دل نے ہاں کی ہو لیکن قسمت نے ناں کر دی ہو؟''

وہ اس بات پہ چونکی۔ چائے کا گرم گھونٹ اندر تک کچھ جلا گیا۔

پھر دھیرے سے اس نے کپ رکھا۔

''آیا تھا۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

شبنم لفٹ کے قریب کھڑی تھی جب اس نے دور سے آفس سے ماہر کو نکلتے دیکھا۔ آج جمعے کی شام تھی اور وہ بدلے ہوئے لباس میں نظر آ رہا تھا۔ یہ وہ لباس نہیں تھا جس میں وہ صبح آفس آیا تھا۔ اس نے سر جھکا لیا اور اس کا انتظار کرنے لگی۔

ماہر کے قدم قریب آئے۔ یہاں تک کے اس کو جوگرز دکھائی دیے۔ شبنم نے نگاہ اٹھا کے اسے دیکھا۔ وہ جینز اور

شرٹ میں ملبوس تھا۔شرٹ کے بٹن سامنے سے بند تھے اور آستین پورے تھے۔ بازو پہ جیکٹ لپیٹ رکھی تھی۔ مسکرا کے ہاتھ بڑھایا۔شبنم نے کار کی چابی اور کیش کا لفافہ اسے تھمایا۔

''تم اتنی اداس کیوں ہو؟'' وہ لفٹ کال کر رہی تھی جب ماہر نے دونوں چیزیں جیب میں رکھتے ہوئے پوچھا۔ شبنم نے بس ایک ناراض سی نظر اس پہ ڈالی۔

''آپ یاسمین سے ملنے جا رہے ہیں نا۔''

''ہاں اور میرا فون تم رکھو گی۔اردل کو دے دینا۔وہ گھر لے جائے گا۔''

لفٹ کے دروازے کھلے تو وہ دونوں اندر سوار ہوئے۔ ماہر نے پھر سے بغور اس کا چہرہ دیکھا جو بجھا ہوا تھا۔

''کس بات پہ غمزدہ ہو؟''

''زارا حاتم نے مجھ سے یاسمین کے بارے میں پوچھا تھا۔''

''اور تم نے کیا کہا؟''

وہ سامنے دھاتی دروازے میں دونوں کا عکس دیکھ رہا تھا۔ لفٹ نیچے جا رہی تھی۔

''وہی جو آپ نے کہنے کے لیے کہا تھا۔''

''اور وہ سچ تھا۔اس میں کچھ بھی جھوٹ نہیں تھا۔'' اس نے شانے اچکائے۔ شبنم انہی خفا نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''پورا سچ نہیں تھا۔آپ نے مجھے یہ بتانے سے منع کیا تھا کہ آپ کا یاسمین سے کیا تعلق ہے۔''

''کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ زارا واپس چلی جائے اور اپنی زندگی شروع کرے۔وہ دوسرے کسی طریقے سے نہیں جائے گی۔تم نے جو کیا' اس نے زارا کی مدد کی ہو گی۔''

لفٹ کے دروازے کھلے۔وہ باہر نکل گیا۔شبنم خفگی سے اسے دیکھے گئی۔وہ اب گلاس ڈورز سے باہر نکلتے ہوئے جیکٹ پہن رہا تھا۔ریسپشنسٹ نے اسے 'یک شام لاز' کہہ کے شام بخیر کہا۔ڈرائیور ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔اس نے اسے جانے کا اشارہ کیا اور خود ڈرائیونگ ڈور کی طرف بڑھ گیا۔

قریباً گیارہ ماہ بعد وہ یاسمین سے ملنے جا رہا تھا۔

شبنم نے گہری سانس لی اور اپنا ٹیبلیٹ نکالا جس پہ ماہر کا شیڈیول لکھا تھا۔

آج شام کے شیڈیول میں ایک ہی سطر درج تھی۔

سائیکو تھیراپسٹ ڈاکٹر یاسمین کے ساتھ سیشن۔شام پانچ بجے۔

اس نے انگلی پھیر کے اس سطر کو کاٹ کر دیا۔آج کے دن کا کام تمام ہوا۔اب وہ سوموار تک فارغ تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ڈاکٹر یاسمین پیٹرووا کا کلینک اس کے گھر کے آدھے حصے پہ بنا تھا۔وہ ایک شاہانہ طرز کا بنگلہ تھا جس کے تین طرف لان تھا اور سامنے ڈرائیو وے۔

''یاسمین خانم آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔'' اندر بنے غیر رسمی سے استقبالیہ پہ بیٹھی لڑکی نے مسکرا کے کہا۔اس نے جیکٹ وہیں اسٹینڈ پہ لٹکا دی اور پھر جیسے گہری سانس لے کر بہت سی ہمت مجتمع کی۔

دروازہ کھولا تو ایک نیا منظر کھلتا چلا گیا۔

وہ ایک طویل اسٹڈی روم تھا جس کی چھت دو منزلہ اونچی تھی۔ایک طرف دیوار گیر بک ریک تھا جو کتابوں سے بھرا تھا۔البتہ ان کے رکھنے کے انداز میں سلیقہ تھا۔دوسری دیوار جو بیک یارڈ کی طرف کھلتی تھی' چھت تک شیشے سے ڈھکی تھی اور ڈوبتی شام کی روشنی اندر آ رہی تھی۔

سامنے ایک لمبا سا لیدر کاؤچ رکھا تھا جس کے مقابل ترچھی کر کے ایک آرام دہ چیئر پڑی تھی۔یاسمین اس وقت اسی چیئر پہ بیٹھی تھی۔اس نے سنہرے بالوں کی فرنچ چوٹی میں باندھ رکھا تھا اور روسی نیلی آنکھیں جھکائے وہ کچھ کاغذات کو کلپ کر رہی تھی۔نظر اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرا کے سر کو خم دیا۔

''خوش آمدید۔'' پھر کاؤچ کی طرف ابرو سے اشارہ کیا۔

وہ خاموشی سے چلتا ہوا لیدر کاؤچ تک آیا۔تھوڑی جھکی ہوئی تھی۔ایسے اسٹوڈنٹ کی طرح جو ٹیسٹ کے دن چھٹی کر کے کئی دن بعد اسکول آتا ہے۔

وہ کاؤچ پہ چپ چاپ لیٹ گیا۔جوگرز کاؤچ کے ایک ہتھ پہ رکھے اور سر دوسرے ہتھ پہ۔اب چت لیٹے وہ چھت کو دیکھ سکتا تھا۔

چھت صاف تھی۔کسی روشنی کے بغیر۔روشنیاں دیواروں پہ تھیں۔آنکھوں پہ زور نہیں پڑھتا تھا۔

''گزشتہ ایک سال میں تم نے کیا کیا؟'' یاسمین نے ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور گھٹنے پر ایک نوٹ بک رکھ لی۔دوسرے ہاتھ میں پین تھا۔اب وہ بغور اس کو دیکھ رہی تھی۔

''سب سے پہلے تو میں شرمندہ ہوں کہ اتنا عرصہ...''

''نہیں تم شرمندہ نہیں ہو۔تم صرف مجھ سے بھاگ رہے ہو یعنی خود سے بھاگ رہے ہو۔لیکن کیوں؟''

وہ چھت کو دیکھ رہا تھا۔ پھر دھیرے سے آنکھیں بند کیں۔

''مجھے کسی سے محبت ہوگئی تھی ' یاسمین۔اور پھر میں نے اسے کھو دیا۔''

''میں سن رہی ہوں۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''واؤ.. دلچسپ آدمی ہے یہ کیف۔کاش میری زندگی بھی اتنی تھرلنگ ہوتی۔''رامین نے جھرجھری لی۔ وہ تازہ چائے کے کپ لے آئی تھی اور ٹرے دونوں کے درمیان کاؤچ پہ رکھی تھی۔

''میں نے جب بھی اس کو معاف کرنا چاہا' میرے سامنے اس کا ایک اور جھوٹ کھل کے سامنے آیا۔ مجھے ابھی تک انسانوں پہ اعتبار کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ کبھی کبھی زیادہ پر بھی۔''

''لیکن کیا وہ آپ کے لیے کوئی جذبات رکھتا تھا؟''

اس نے گہری سانس لے کر اثبات میں سر ہلایا۔

''واقعی؟ اس نے ایسا کہا؟''

''نہیں لیکن میں جانتی ہوں۔ ہم بچے نہیں ہیں' رامین۔ ہم adults ہیں۔ اسی لیے وہ بار بار میرے پیچھے آتا تھا۔''

''لیکن پھر آپ کو اس سے محبت کیوں نہیں ہوئی؟''

''ہماری اچھی دوستی تھی۔ انڈراسٹینڈنگ تھی۔ لیکن کچھ تھا جو ہمیشہ ہمیں آپس میں ملنے سے روک دیتا تھا۔ کبھی شکوک شبہات آجاتے۔ کبھی اس کے جھوٹ۔ بس ہر دفعہ کچھ نہ کچھ ہوتا گیا یہاں تک کہ میرے دل میں موجود اس کی پسندیدگی بےزاری میں بدل گئی۔ میں اس سے نفرت نہیں کرتی۔ لیکن میں اس کے ذکر سے بےزار ہوں۔''

ٹی وی اب بھی خاموشی سے چل رہا تھا لیکن دونوں میں سے کوئی اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ وہ دیوار کو دیکھتی گم صم سی کہہ رہی تھی۔ ماہی اور صفورا سے یہ سب کہنا مشکل تھا۔ رامین سے کہہ دینا آسان تھا۔ ایک دوسرے ملک میں' ایک پرانی دوست سے مل کے یہ بات کرتے ہوئے لگتا تھا کہ وہ کسی اور کی کہانی سنا رہی ہے۔

''کیا کبھی پچھتاوا ہوا کہ اس کو چھوڑ کے زیاد سے شادی کیوں کی؟''

''کبھی نہیں۔''اس نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔''کیونکہ ماہر فرید کبھی میرے لیے ایک آپشن نہیں تھا۔''

''لیکن وہ آپ کو پسند کرتا تھا۔''

''ہاں لیکن اس نے ایسا کبھی کہا نہیں۔ ہمارے درمیان حالات کبھی ایسے نہیں ہوئے کہ بات یہاں تک پہنچتی۔''

''کیا اس نے آپ کی شادی روکنے کی کوشش نہیں کی؟'' وہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''نہیں۔ اور اگر وہ ایسا کرتا تو بہت برا ہوتا۔ لیکن اس نے مجھے پانے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی۔ جب میں اس کی حقیقت سے واقف نہیں تھی' تب بھی وہ مجھے چھوڑ کے استنبول واپس چلا گیا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ ہر دفعہ آتا' اپنی صفائی دیتا' اور واپس چلا جاتا۔ میں اسے کہتی کہ وہ چلا جائے اور وہ چلا جاتا۔ اس کے لیے مالا کو چھوڑ دینا بہت آسان تھا۔''

''اگر وہ کہتا کہ زیاد سے شادی نہ کرو۔ مجھ سے کرلو۔ تو کیا کرتیں؟''

''مجھے نہیں معلوم۔ شاید میں سوچتی۔ شاید نہ سوچتی۔ مجھے وہ بے زار کرتا تھا اور میں کہتی تھی کہ وہ چلا جائے اور وہ بس ایک منٹ میں (چٹکی بجائی) چلا جاتا تھا۔''

''کیا اس نے آپ کی زندگی میں شامل ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی؟'' وہ حیران ہوئی۔ مالا نے یاد کرنے کی کوشش کی۔

''نہیں۔ اس نے بس ایک ہی دفعہ کہا تھا کہ کاش ہم کسی اور حالات میں ملے ہوتے۔ اور کچھ نہیں۔ اسے صرف اپنی بہن کو ڈھونڈنا تھا۔ اپنی ماں کی ڈیتھ کے وقت میں اکیلی تھی۔ مجھے اس کی ضرورت تھی۔ لیکن وہ نہیں آیا۔ نہ اس نے کال کی۔ اس وقت زیاد میرے ساتھ تھا۔ کہا نا' مجھے چھوڑ دینا ماہر فرید کے لیے سب سے زیادہ آسان ہوتا تھا۔'' تلخی سے کہتے ہوئے اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

''میں اکثر سوچتا ہوں کہ اس نے میرے اوپر زیاد کو ترجیح کیوں دی؟ میں کسی بھی لحاظ سے اس سے کم نہیں تھا۔'' اس کا انداز تلخ تھا۔ وہ چت لیٹا چھت کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ یاسمین ساتھ ساتھ پیڈ پہ کچھ لکھتی جا رہی تھی۔ وہ خاموش ہوا تو اس کی آواز گونجی۔

''اب میں کچھ کہنے جا رہی ہوں۔ جہاں غلط لگوں' بتا دینا۔'' وہ پیڈ پہ لکھے پوائنٹس دیکھ کے کہنے لگی۔

''تم نے اسے اپنا نام اور کہانی جھوٹی بتائی۔ تمہاری مجبوری تھی۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔ لیکن پھر تم اپنے منہ سے اپنا سچ بتائے بغیر اسے چھوڑ کے استنبول آ گئے۔ اس کو کسی اور سے تمہارا سچ معلوم ہوا اور وہ تم سے نفرت کرنے لگی۔''

''تم ایسے کہہ رہی ہو جیسے... '' وہ تیزی سے بولا۔ پھر رکا۔ ''ہاں۔ یہ درست ہے۔''

''پھر تم کئی دفعہ اس کے پاس گئے۔ لیکن ہر دفعہ اس کے پاس تمہارے لیے ایک نیا الزام ہوتا۔ جس میں کچھ حقیقت بھی ہوتی۔ اور ہر ملاقات کے آخر پہ وہ تمہیں جانے کے لیے کہتی اور تم چلے جاتے۔''

''درست۔''

''تم نے اس کو زیادہ سے شادی کرنے سے نہیں روکا۔ نہ تم نے اس کو زیاد کی حقیقت بتائی۔'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

''وہ یقین نہ کرتی۔''

''درست یا غلط؟'' یاسمین نے ابرو اٹھایا۔

''درست۔'' اس نے جیسے کڑوا گھونٹ بھرا۔

''تم نے کسی بھی موقع پہ اس سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا۔ تم نے اس کو اپنانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ تمہارے لیے اس کو چھوڑ کے جانا بہت آسان تھا۔''

''درست۔ لیکن میں اس پہ اپنا فیصلہ تھوپ دیتا اور زبردستی اس کی شادی نہ ہونے دیتا تو کیا میں خود کو آئینے میں فیس کر سکتا؟'' اس نے آنکھیں کھولیں۔ اب وہ چھت سے ملحقہ شیشے کی دیوار کو دیکھ رہا تھا جس کے پار سبزہ زار دکھائی دے رہا تھا۔

''ماہر یہ دو الگ باتیں ہیں۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ تم نے کسی لڑکی کے اوپر اپنی مرضی مسلط نہیں کی بلکہ اسے اپنا فیصلہ کرنے دیا اور تم اس کو چھوڑ کے آ گئے۔ اس بات کو الگ رکھو۔ دوسری بات یہ ہے کہ تم اس کو تب بھی چھوڑ کے آ گئے تھے جب زیاد اس کی زندگی میں نہیں تھا۔''

وہ خاموش رہا۔

''تم اپنا سچ سنائے بغیر اس کو چھوڑ کے آ گئے تھے۔'' اس نے زور دے کر کہا۔

''درست۔'' وہ جیسے تذبذب سے رکا۔

''کیا تم نے کبھی خود کو ایک آپشن کے طور پہ پیش کیا؟ یعنی تم نے کبھی اظہار محبت کیا؟''

''میں اپنی بہن...''

''ماہر میں آج تک کسی ایسے مرد سے نہیں ملی جو کسی عورت سے محبت کرے اور اس کے پیچھے نہ بھاگے۔ اگر کسی

مرد کو کسی عورت سے محبت ہو تو وہ اسے فوراً سے اپنانا چاہتا ہے۔ مرد کو ہمیشہ جلدی ہوتی ہے۔'' یاسمین نے رک کے غور اسے دیکھا۔

''سوائے ایسے مرد کے جو اسے اپنانا ہی نہیں چاہتا۔''

وہ خاموشی سے چت لیٹا چھت کو دیکھے گیا۔ وہ صاف تھی۔ کورے کاغذ جیسی۔ یاسمین کی آواز اس کاغذ پہ تحریری لکھ رہی تھی۔

''اب میں تمہیں اپنا تجزیہ دوں گی۔ شاید وہ تمہیں پسند نہ آئے لیکن تم میرے پاس اسی لیے آتے ہو کیونکہ میں تمہیں ناپسندیدہ حقیقتیں بتاتی ہوں۔'' وہ اسی پروفیشنل لیکن نرم انداز میں کہہ رہی تھی۔

''تم اس کو تب بھی چھوڑ کے چلے گئے تھے جب اس کی زندگی میں زیاد نہیں تھا۔ تم کئی ماہ اس کی نوکری کرتے رہے لیکن تم نے اس سے کسی قسم کا تعلق استوار کرنے کی کوشش نہیں کی۔ تم نے جان بوجھ کے کبھی اس سے اظہارِ محبت نہیں کیا۔ تم مسلسل اس سے دور بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔''

ماہر فرید خاموش رہا۔ اسی لیے وہ ایک سال سے اس کے پاس نہیں آیا تھا۔ اسے یاسمین سے بہتر کوئی نہیں جانتا تھا۔

''اس کے بعد تمہارے پاس کئی مواقع آئے جب تم اس کے لیے کوشش کر سکتے تھے لیکن تم نے نہیں کی۔ میں نہیں کہہ رہی کہ اس کی شادی روکتے۔ لیکن تم نے اس سے شادی کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ تم کبھی بھی اس کو اپنانا نہیں چاہتے تھے ماہر۔ کیا میں درست ہوں؟''

اس نے بہت سا تھوک نگلا۔ مگر جواب نہیں دیا۔ بس چھت کو دیکھے گیا۔

''میں نے تمہیں ہمیشہ سکھایا ہے کہ انسانوں کو ان کے فریم میں رکھ کے دیکھو۔ اگر تم اس لڑکی کے جوتوں میں خود کو رکھ کے دیکھو تو اس نے تمہیں کئی موقعے دیے لیکن تمہارا کوئی نہ کوئی جھوٹ یا فریب اس کے سامنے آتا رہا۔ تم نے کبھی معافی نہیں مانگی۔ تم چاہتے تھے وہ تمہیں کبھی معاف نہ کرے تاکہ تمہیں اس کو بتانا نہ پڑے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو۔ کیونکہ اگر بات یہاں تک آئی تو تمہیں اس لڑکی سے شادی کرنی پڑے گی اور تم یہ نہیں چاہتے تھے۔''

اس نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ بس چاہتا تھا کہ یاسمین خاموش ہو جائے۔

''اس نے زیاد کو تم پہ ترجیح نہیں دی۔ تم کبھی اس کا آپشن ہی نہیں تھے۔ کیونکہ لڑکیاں کمٹمنٹ مانگتی ہیں اور تم ہر دفعہ اس کو چھوڑ کے فرار ہو جاتے تھے۔ ایسے شخص پہ کوئی لڑکی بھروسہ نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس زیاد نے بے شک

بہت چالیس چلیں لیکن اس نے اپنی محبوب لڑکی کے لیے کوشش کی۔ اس نے اس کو پروپوز کیا۔ اس کو انگوٹھی پہنائی۔ اس نے کمٹمنٹ ظاہر کی۔ تم نے نہیں کی۔ میرا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس لڑکی نے جس سے شادی کی وہ کتنا برا یا اچھا انسان ہے۔ وہ لڑکی میری کلائنٹ نہیں ہے۔ تم میرے کلائنٹ ہو۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ تمہیں پہلی دفعہ کوئی لڑکی ملی جو تمہیں اتنی اچھی لگی۔ پھر بھی تم اس سے بھاگتے رہے۔ کیوں؟"

"تم خود بتا دو۔ تم مجھے پڑھنے میں اچھی ہو۔" اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اب ہر طرف اندھیرا تھا۔ صرف یاسمین کی آواز گونج رہی تھی۔

"کیونکہ تم نے اپنی ماں کو دل سے کبھی معاف نہیں کیا۔ تمہاری ماں نے تمہیں ایک بہت بڑے ایموشنل ٹراما سے گزارا ہے۔ ہمارے ماں باپ بعض اوقات ہمارے اندر ایسے ٹراما چھوڑ جاتے ہیں جن کے آسیب ہمیں ساری عمر ڈراتے ہیں۔ رابیل نے جو کیا اس کے بعد سے تمہارا شادی اور محبت سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔ پھر شمس نے جیسے تمہیں ایک سائیکو پیشنٹ قرار دیا اور تم نے دیکھا کہ کوئی تمہارا اعتبار نہیں کرتا، سو تم نے اپنا اعتبار کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اسی لیے تم نے کشمالہ کو اپنانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ ایک ایک کر کے سارے رشتے تم سے کھو گئے اور تمہیں لگتا ہے کہ...."

"کہ جو بھی میری زندگی میں آئے گا میں اس کو کھو دوں گا۔" وہ بند آنکھوں سے بڑبڑایا۔

"بالکل۔ اور چونکہ تم اپنا اعتبار نہیں کرتے، اس لیے تمہیں لگتا ہے تم پہ کوئی اعتبار نہیں کرے گا۔ اور تم جس سے بھی شادی کرو گے وہ تمہارے ساتھ نہیں رہ پائے گی۔ وہ تمہاری ماں جیسی بن جائے گی۔ یا تم اس کے لیے شمس بن جاؤ گے۔ کیا میں درست کہہ رہی ہوں؟"

بند آنکھوں سے چہرے کو اثبات میں جنبش دی۔

"تم میرا ذہن کیسے پڑھ لیتی ہو یاسمین؟"

وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"اس کاؤچ پہ ہر روز میرے سامنے تمہارے جیسے بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں ماہر۔ میں تمہیں اندر باہر سے دیکھ سکتی ہوں۔ جب تک تم اپنی ماں کو معاف نہیں کرو گے، تم کسی لڑکی کو اپنے قریب نہیں آنے دو گے۔"

اس نے آنکھیں کھولیں۔ اور چھت کو دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی۔

"میں اس کو مس کرتا ہوں۔" جیسے اعتراف کیا۔ "دور اندر میری خواہش ہے کہ اس کی اپنے شوہر سے نہ

بنے۔ اور وہ اپنی غلطی پہ نادم ہو کے میرے پاس واپس آجائے۔"

"نہیں ماہر۔ تم اندر سے یہ نہیں چاہتے کہ اس کا گھر خراب ہو۔"

"میں واقعی یہی چاہتا ہوں۔ غلط بات ہے لیکن ایسا ہی ہے۔"

"نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ تم یہ چاہتے ہو۔ لیکن وقت ثابت کرے گا کہ تم نہیں چاہتے کہ وہ دونوں الگ ہوں۔ کیونکہ اس کے شوہر میں جتنی برائیاں ہوں اس نے اپنی محبت کو پانے کے لیے کوشش کی ہے جو تم نے نہیں کی۔ وہ دونوں ایک ساتھ خوش رہیں گے۔ تم ان کی ایکویشن سے باہر ہو۔ اور تمہیں اس حقیقت کو قبول کرنا ہوگا۔"

"پتہ نہیں۔" اس نے گہری سانس لی۔ پھر چہرہ قدرے موڑ کے اسے دیکھا۔ وہ گھٹنوں پہ نوٹ بک رکھے ہوئے تھی۔ اس کے ناخن پالش والے ناخن نوٹ بک کا کنارہ مروڑ رہے تھے۔

"میں کیا کروں یاسمین؟"

"خود سے سچ بولو۔ اور اس لڑکی کو اپنے ہاتھ سے جانے دو۔"

"وہ پہلے ہی چلی گئی ہے۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔ نظریں یاسمین کے ناخنوں پہ تھیں۔ اس نے سرخ نیل پالش لگا رکھی تھی۔

"لیکن تم نے اس بات کو قبول نہیں کیا کہ ضروری نہیں ہے کہ اچھے لوگوں کو محبت بھی اچھے لوگوں سے ہو۔"

"لیکن وہ ہینڈسم نہیں ہے۔" وہ ماتھے پہ بل لیے بڑبڑایا۔ یاسمین کو سنائی نہیں دیا۔ چہرہ آگے کیا۔

"کیا؟"

ماہر نے سر جھٹکا۔

"کچھ نہیں وہ..."

دفعتاً وہ ٹھہرا۔ نگاہیں اس کے ناخنوں پہ جم گئیں جو نوٹ بک کے سرورق کا کونا مروڑ رہی تھیں۔

اگلے ہی لمحے وہ بجلی کی تیزی سے سیدھا ہوا۔ جوتے فرش کو چھونے لگے۔

"کتاب... کتاب کا سرورق۔"

"کیا؟" وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگی۔

"وہ سرخ ٹکڑا کسی باریک کتاب کے سرورق کا کونا ہے۔" پھر جلدی جلدی وضاحت کی۔ "ہلال نے مجھے کچھ بھیجا تھا۔ وہ کسی کتاب کا حصہ ہے۔ مجھے وہ کتاب تلاش کرنی ہے۔ مجھے جانا ہے۔ سوری۔" وہ تیزی سے اٹھ کھڑا

ہوا۔

یاسمین نے مسکرا کے نوٹ بک بند کی۔اور اثبات میں سر ہلایا۔

"امید ہے تم مجھے کال کرو گے اور ہر ہفتے میرے پاس آؤ گے۔غائب نہیں ہو جاؤ گے۔"

"تمام تمام۔" وہ تشکر سے کہتا تیزی سے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اسے اب وہ کتاب ڈھونڈنی تھی جس کے سرورق کا وہ ٹکڑا تھا۔

اگر وہ اس کتاب کو تلاش کر لے تو وہ ہلال تک پہنچ جائے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

"یعنی تمہارے کوئی پچھتاوے نہیں ہیں؟"

وہ دونوں ابھی تک لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھی تھیں۔کھڑکیوں کے باہر شام اتر رہی تھی۔زیاد کے آنے کا وقت ہونے والا تھا۔رامین کے شوہر کی واپسی بھی متوقع تھی۔

"نہیں۔زیاد ایک اچھا شوہر ہے۔ہاں وہ انسٹاگرام والے کپلز کی طرح نہیں ہے۔وہ میرے لیے ہر روز پھول نہیں لا سکتا۔اس کا موڈ خراب بھی ہوتا ہے اور ہماری کھٹ پٹ بھی ہو جاتی ہے۔"

"یعنی وہ نارمل شوہر ہے۔حقیقی شوہر۔جیسے شوہر ہوتے ہیں۔" رامین ہنس کے بولی تو وہ بھی مسکرا دی۔

"ہاں۔ہم ایک نارمل کپل ہیں۔اور مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔میں نے اپنی ماں کی بیماری اور ڈیتھ کا دورانیہ بہت دقت سے کاٹا ہے۔اور اب میں سب کو... اس جادوگر اور تعاقب کار ... سب کو پیچھے چھوڑ کے آگے بڑھ گئی ہوں۔میں نے نئی زندگی شروع کر لی ہے۔"

"ویسے زیاد سے ماہر فرید کو کیا مسئلہ ہو سکتا ہے؟" رامین کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

"معلوم نہیں۔لیکن اس کی منگیتر کے گھر والوں نے اس کے خلاف انجنکشن آرڈر لیا تھا۔یعنی وہ لوگ چاہتے تھے کہ قانون ان کو ماہر فرید سے تحفظ دے۔"

"تم نے کبھی زیاد کی منگیتر کے گھر والوں سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی؟ آخر ان کی کیا کہانی تھی؟" اسے تجسس ہوا۔

"نہیں رامین۔یہ غیر اخلاقی حرکت ہے کہ میں زیاد کی پیٹھ پیچھے اس کی پرانی منگیتر کو کھوجوں۔زیاد کو جو بتانا ہوگا

خود بتا دے گا۔ پھر وہ زیاد کا ماضی تھا۔ مجھے اس کا تجسس نہیں کرنا چاہیے۔ اور کیف.. ''رک کے تصیح کی...

''یعنی ماہر... تو میں نے اسے معاف نہیں کیا لیکن میرا دل اس کی طرف سے بیزار ہے۔ ویسے بھی اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ استنبول میں رہتا ہے۔ ہم دو مختلف ممالک میں رہنے والے لوگ ہیں۔ سمندروں کا فاصلہ ہے ہمارے درمیان۔ میرا نہیں خیال کہ اب ہمارا زندگی میں کبھی سامنا ہوگا۔''

فون بجنے لگا تو اس نے چائے کا کپ رکھا اور موبائل نکالا۔ معید کی کال آ رہی تھی۔ اس نے فون سائلنٹ کر کے ایک طرف ڈال دیا۔ وہ دوست کے گھر آئی تھی۔ معید سے بعد میں بات کر لے گی۔ واپس رامین کی طرف توجہ ہوئی کہ سلسلہ وہیں سے شروع کرے جب میسج ٹون سنائی دی۔

معید کا ایک میسج آیا تھا۔

''کیا تم اور ماہی اگلے ماہ کے وسط تک استنبول آ سکتی ہو؟''

وہ حیران رہ گئی۔

''کیوں؟ کیا ایمرجنسی ہے؟'' انگلیاں ٹائپ کرنے لگیں۔

''میں شادی کر رہا ہوں۔''

اس کے ابرو استعجاب میں اٹھے اور لب کھل گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ اگلے الفاظ ٹائپ کرتی 'سماعتوں میں وہی آواز گونجی۔ بنا نغمے کے میوزک۔

وہی ایک دھن۔

ہپی برتھ ڈے ٹو یو۔

وہ چونک کے دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ رامین اس آواز سے بے خبر چائے کے برتن اٹھا رہی تھی۔

یہ آواز تقریباً پانچ ہفتوں بعد سنائی دی تھی۔

ہپی برتھ ڈے ٹو یو۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

وہ کمرہ سفید دیواروں سے بنا تھا۔ اس میں ایک کین کے کراؤن والا سنگل بیڈ رکھا تھا۔ سامنے ایک چھوٹی سی الماری اور اسٹڈی ٹیبل بنی تھی۔ اس کا رنگ گلابی اور ہلکا جامنی تھا۔ بک شیلف کے خانے خالی تھے۔ سوائے چند کتابوں کے وہاں کچھ نہ تھا۔ دیواریں بھی کسی قسم کے ڈیکور سے خالی تھیں۔ تین دیواروں میں کوئی کھڑکی' کوئی

روشن دان نہ تھا۔ چوتھی دیوار میں ایک دروازہ تھا جس کے اندر کی طرف کوئی چٹخنی نہ تھی۔ چٹخنی کا نشان البتہ موجود تھا جیسے اسے نکال دیا گیا ہو۔ صرف ایک ہینڈل لاک تھا جو باہر سے بند ہوتا تھا۔

بیڈ اس وقت نفاست سے بنا تھا۔ اور خالی تھا۔ سامنے اسٹڈی ٹیبل کی کرسی البتہ خالی نہیں تھی۔

اس پہ وہ بیٹھی تھی۔

اس نے دونوں کہنیاں میز پہ رکھی تھیں اور اس کا چہرہ کسی شے پہ ہلکا سا جھکا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کچھ کر رہی تھی۔

اس کی جسامت کافی دبلی پتلی تھی۔ اور لمبے گھنگریالے بال کمر سے نیچے تک آتے تھے۔ بالوں میں کوئی پن نہیں تھی۔ کوئی بینڈ نہیں تھا۔ وہ بس کھلے تھے۔

اس کی عمر گیارہ برس کے لگ بھگ تھی۔ اور اس نے ٹائٹس کے اوپر ٹاپ پہن رکھا تھا۔ جو اس پہ قدرے ڈھیلا تھا۔

دفعتاً وہ گہری سانس لے کر سیدھی ہوئی۔ گردن دائیں طرف موڑی جہاں دروازہ تھا۔ اس کا چہرہ واضح ہوا۔

اس کی آنکھیں بھوری تھیں۔ اور پلکیں لمبی اور مڑی ہوئی۔ تھوڑی پہ زخم کا ایک نشان تھا جو اب مندمل ہو چکا تھا۔ اس نے ایک نظر بند دروازے کو دیکھا۔ باہر سے قدموں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ دم سادھے سنے گئی۔ یہاں تک کہ آواز دور چلی گئی۔ وہ پیچھے کو ہو بیٹھی۔

اب اس کے سامنے میز پہ رکھی شے واضح ہوئی۔

وہ ایک ننھا سا میوزک باکس تھا جس کا ڈھکن کھلا تھا۔ اس کی چابی ٹوٹ گئی تھی لیکن پانچ ہفتے کی محنت کے بعد ہلال شمس نے اسے جوڑ لیا تھا۔

اس نے ایک نظر دروازے کو دیکھا۔ پھر دھیرے سے چابی گھمائی۔

میوزک باکس میں ایک چھوٹا سا ٹاور بنا تھا جس کے اوپر رپنزل اپنے بال لٹکائے بیٹھی تھی۔ چابی چھوڑتے ہی ٹاور گول گول گھومنے لگا۔ اور دھن بجنے لگی۔

ہپی برتھ ڈے ٹو یو۔

ہپی برتھ ڈے ٹو یو۔

وہ پیچھے کو ہو بیٹھی اور سینے پہ بازو لپیٹ لیے۔ اب وہ آرام سے بیٹھی رپنزل کو گول گول گھومتے دیکھ رہی تھی۔

اسٹڈی ٹیبل پہ دیوار کے ساتھ چند سینٹڈ کینڈلز رکھی تھیں۔ ان کی موم کافی نیچے تک جا چکی تھی۔ ساتھ کاپیز اور رنگین پنسلز بھی موجود تھیں۔

اوپر بنے شیلف میں چند بے ترتیب کتابوں کے ساتھ ایک سرخ رنگ کی پتلی سی کتاب رکھی تھی جس کے سرورق پہ بہت سے پھول بوٹے بنے تھے۔

اس کے سرورق کا کونا پھٹا ہوا تھا۔

وہ بچوں کا نورانی قاعدہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)